درسی تفسیر

تبیانُ الفرقان

الجزء الثانی

افادات

حکیم العصر مولانا

عبد المجید لدھیانوی

امیر مرکزیہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

اہتمام

مفتی ظفر اقبال

درسی تفسیر
تبیان الفرقان
الجزءُ الثانی
www.besturdubooks.net
افادات
حکیمُ العصر حضرتُ اقدس
مولانا عبدالمجید لدھیانوی
دامت برکاتھم العالیہ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت
اہتمام
حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : تبیان الفرقان (جلد دوم)

از افادات : حضرت حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ العالی

اہتمام و ترتیب : استاذ العلماء مفتی ظفر اقبال صاحب مدظلہ العالی

پروف ریڈنگ : مولانا صہیب ظفر و مولوی کلیم اختر صاحب

کمپوزنگ : مولانا صہیب محمود مسرکوٹی و مفتی محمد حامد علی

اشاعت اول : ذی الحج ۱۴۳۳ھ

الحمد للہ اگرچہ مکتبہ شیخ لدھیانوی نے تبیان الفرقان کی صحیح و طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے لیکن پھر بھی کسی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس کی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

ناشر

مکتبہ شیخ لدھیانوی

کہروڑ پکا ضلع لودھراں

0300-6804071

فہرست

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ

وَقَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

سورۃ النساء

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ق

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ وَ بَنٰتُکُمْ

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ

يَآأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا

عرض مدعا

سرور کائنات، فخر موجودات محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کے معجزات میں سے سب سے عظیم معجزہ قرآن کریم ہے، جس کی معجزانہ شان چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے اور دنیاء کفر کو اپنے چیلنج سے آج بھی عاجز کیے ہوئے ہے اور اس کی یہ آب وتاب اور معجزانہ شان روزِ قیامت تک باقی رہے گی۔

قرآن کریم کے اعجاز کے متعلق جہاں اور بہت ساری باتیں کی جاسکتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کے مفسرین، علماء وصلحا چودہ سو سال سے اس بحرِ بےکراں سے موتی نکال رہے اور امت کو راہِ ہدایت دکھانے میں مصروف ہیں۔

میرے شیخ ومربی، حکیم العصر حضرت اقدس مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا شمار بھی ان پاکباز ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن کریم کی عام فہم اور سادہ تفسیر وتشریح کر کے عوام الناس کو کلام الٰہی سے روشناس کرایا، جس کی ایک جھلک اس سے پہلے آپ ''قطرات الیم فی تفسیر پارہ عمّ'' اور ''تبیان الفرقان حصہ اول'' جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ پر مشتمل تھی میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تبیان الفرقان کی دوسری جلد جو سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء پر مشتمل ہے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

جب میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں کہ نہ کوئی علمی قابلیت، نہ کوئی عملی قابلیت، سراپا خطاؤں کا مجموعہ، پھر یہ کام ....تو بارگاہ خداوندی میں سر جھک جاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ! تو کتنا غفور رحیم ہے، اپنے نالائق بندوں سے بھی اپنے دین کا کام لے لیتا ہے، اس سے تیرے گناہ گار بندوں کے حوصلے بھی بڑھ جاتے ہیں اور ان کو اپنی بخشش کی امید بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

یا اللہ! یا رحیم! یا کریم! تو اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور اس کو میری نجات کا ذریعہ بنا، یا اللہ! تجھ ہی سے اس

کام کے اجر کا طالب ہوں اور تجھ ہی سے قبولیت کی امید رکھتا ہوں، اور عرض گزار ہوں کہ یا اللہ! اس تفسیر کے کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچا۔

اسی طرح یا اللہ! جن حضرات نے بھی اس کام میں کوشش فرمائی ہے یا اللہ! تو جانتا ہے ان کی محنت اور کوشش کو قبول فرما اور ان کو بہت ہی اجر عظیم عطا فرما، اور ان کے اس کام کو شرف قبولیت سے نواز اور ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرما (آمین یارب العالمین)۔

دعا گو

ابوطلحہ غفرلہ

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

آیاتہا ۲۰۰ ۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رکوعاتہا ۲۰

سورۃ آل عمران مدنی ہے، اس کی ۲۰۰ آیتیں اور بیس رکوع ہیں ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

الٓمّٓ ۝۱ اللہ، کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زندہ ہے تھامنے والا ہے ۝۲ اتاری اس نے آپ پر کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳

ٹھیک ٹھیک جو تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو اس سے پہلے ہے اور اتاری اس نے توراۃ وانجیل ۝۳

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے، اور اتاری اس نے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز ، بے شک وہ لوگ

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

جو اللہ کی آیات کے ساتھ انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے ، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے

ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا

انتقام والا ہے ۝۴ بے شک اللہ، نہیں چھپتی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ

فِي السَّمَاۗءِ ۝۵ ھُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ

آسمان میں ۝۵ وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے رحموں میں جیسے چاہتا ہے ،

لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ ھُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۝۶ اللہ وہ ہے جس نے تیرے اوپر کتاب اتاری

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ

اس کتاب میں سے کچھ آیات محکمات ہیں وہی آیات کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور آیتیں متشابہات ہیں ،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیچھے لگ جاتے ہیں ان آیات کے جو اس کتاب میں سے متشابہ ہیں

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا

فتنہ تلاش کرنے کے لئے اور اس کا مطلب طلب کرنے کے لئے ، حالانکہ نہیں جانتا ان آیات متشابہات کی تاویل کو مگر

اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللہ ، اور وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس کتاب پر ایمان لے آئے ، ہر قسم کی آیتیں ہمارے رب کی

رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ

طرف سے ہیں ، اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے (۷) اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر بعد

اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ

اس کے کہ تو نے ہمیں سیدھے راستہ پر چلایا ہے اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت ، بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے (۸) اے ہمارے پروردگار!

اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹ ع

بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (۹)

تفسیر:

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کا نام سورۃ آل عمران ہے اور اس سورۃ میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آرہا ہے اور وہ آل عمران میں سے ہیں، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران تھا اسی مناسبت کی وجہ سے اس سورۃ کا نام آل عمران رکھ دیا گیا اور اس کو مدنیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی، ہجرت کے بعد جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آگئے تھے تو مدنی زندگی میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

سورۃ البقرۃ و آل عمران کی فضیلت:

سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں اکٹھی بیان فرمائی ہے کہ جو شخص ان کو

پڑھے گا اور ان کے اوپر عمل کرے گا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اس طرح آئیں گی جس طرح دو سائبان ہوتے ہیں اور ان کے درمیان میں ایک چمک ہوگی جو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کرے گی اور وہ اپنے پڑھنے والوں پر میدان محشر میں سایہ کریں گی (مشکوۃ ص ۱۸۴) اس طرح دونوں سورتوں کی آپس میں مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔

خلاصہ مضامین اور ماقبل سے ربط:

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کی گئی تھی، سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کرتے ہوئے اس کتاب کی نشاندہی کی تھی، اور سورۃ البقرۃ میں کثرت کے ساتھ احکام بیان کئے گئے تھے، سورۃ البقرۃ میں لفظ ایمان کو ذکر کر کے دو تین جگہ اس کی وضاحت کی تھی اور سورۃ آل عمران میں زیادہ تر لفظ اسلام کے ساتھ وضاحت کی جائے گی تو دونوں سورتوں کی آپس میں مناسبت ایسی ہے جیسے ایمان واسلام میں ہے، سورۃ البقرۃ میں زیادہ تر عقائد کی وضاحت آئی، اور اس میں زیادہ تر عملی چیزیں آئیں گی، اُس میں بھی عملی چیزیں تھیں لیکن اس میں ایمان کا لفظ استعمال کیا گیا اور اس میں اسلام کا عنوان اختیار کیا گیا، سورۃ البقرۃ میں مخالفین میں سے زیادہ رجحان یہود کی طرف رہا ہے اور عیسائیوں کا تذکرہ ضمناً آیا ہے اور اس سورۃ میں زیادہ تر گفتگو کا رجحان عیسائیوں کی طرف ہے، یہود کو بھی خطاب ہوگا لیکن وہ ضمناً ہوگا۔

نصاریٰ کا ایک وفد سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آیا تھا اور انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ کچھ مذہبی گفتگو کی تھی اس مذہبی گفتگو میں خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت زیر بحث آئی، چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ عقیدہ توحید کے خلاف ہے تو سرور کائنات ﷺ نے ان کے سامنے توحید کی وضاحت کی اور عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو اس دلیل توحید کے ساتھ باطل کیا، جس وقت ان عیسائیوں کے پاس کسی قسم کا جواب نہ رہا تو انہوں نے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت یا ابنیت کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کے اس قسم کے الفاظ سے سہارا لیا کہ قرآن کریم عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہتا ہے، روح اللہ کہتا ہے تو پھر ان الفاظ کا کیا مطلب؟

اس قسم کے الفاظ سے سہارا لے کر انہوں نے اپنے عقیدہ کو ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وضاحت بھی کی گئی کہ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کی مراد پوری طرح انسان نہیں سمجھ سکتا، عقائد کی بنیاد ان پر نہیں ہوتی، عقائد کی بنیاد ان الفاظ پر ہوتی ہے جو بالکل واشگاف اور دلالت لغوی کے تحت ان کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے، اس طرح ان کی تردید کی گئی تو ابتداء سورۃ میں وہی عقیدہ توحید بیان کیا گیا اور آگے نصف سورۃ سے زائد تک تقریباً انہی نصاریٰ کے متعلق ہے۔

اور اس کے بعد پھر غزوات کا ذکر آئے گا، جس میں کچھ غزوہ بدر کا تذکرہ بھی ہوگا اور زیادہ تفصیل غزوہ احد کی

آ ئے گی اور آخر میں غزوہ حمراء الاسد کو ذکر کیا جائے گا، تو سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے آخر میں جو دعا تلقین فرمائی تھی "فانصرنا علی القوم الکافرین" تو اس سورۃ میں مسلمانوں کا غلبہ دلائل کے اعتبار سے اور جو غزوات میں اللہ کی مدد ونصرت شامل ہوئی اس کا تذکرہ ہوگا، اس طرح مابعد والی سورۃ ماقبل کے ساتھ مرتبط ہو جاتی ہے۔

اور سورۃ البقرۃ میں انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا، اور اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کا ذکر آئے گا اور یہ بعد والے ہیں تو متقدمین کا ذکر پہلی سورۃ میں تھا اور متاخرین کا ذکر دوسری سورۃ میں ہے۔

اور ایک وجہ فرق دونوں سورتوں میں اس طرح سے بھی نمایاں ہے کہ سورۃ البقرۃ میں اللہ کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے زیادہ تر استدلال عقلی دلائل سے کیا گیا ہے، آفاقی دلائل سے مثلاً زمین کا پیدا کرنا، آسمان کا پیدا کرنا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا آنا، زمین کو بنجر ہونے کے بعد آباد کرنا، اور اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو زیادہ تر نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

حروف مقطعات کی وضاحت:

"الم" سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں بھی یہی لفظ آیا تھا اور عام طور پر تفسیر میں ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، مقطعات کا مطلب ہے کہ ان کو توڑ توڑ کے، علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے ہیں اکٹھا جس طرح لکھا ہوا ہے اس طرح نہیں پڑھتے، بعض حضرات کے نزدیک یہ سورتوں کے نام ہی ہوتے ہیں اور قدیم عرب کے لٹریچر میں اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ فصحاء، بلغاء جس وقت اپنی تقریر کا آغاز کرتے تھے تو ابتداء میں اس قسم کے حروف بولتے تھے، اس لئے قرآن کے ان الفاظ پر اس زمانہ میں بھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ابتداء ایسے الفاظ سے کیوں کی گئی کہ جو لفظ معروف نہیں ہیں اور یہ ایک نیا طرز ہے، کسی کی طرف سے یہ سوال نہیں اٹھایا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عرب میں یہ انداز معروف تھا، باقی اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا اشارہ فرمایا، کیا بیان کیا اور ان حروف میں کیا رموز ہیں؟ یہ اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

دعویٰ توحید و دلائل توحید:

"الله لا اله الا هو" پہلے یہ توحید بطور دعویٰ کے ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، "الحی القیوم" یہ لفظ آیت الکرسی میں گزر چکے ہیں، الحی زندہ جس کی زندگی ذاتی ہے، جس کے اوپر موت کا ورود ہوا، نہ ہوگا، القیوم خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ذکر کی جارہی ہیں جن سے استدلالاً خود بخود

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال ہو جائے گا، حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تو "حی وقیوم" ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی، اور وہاں آپ ﷺ نے لفظ "یاتی" استعمال کیا کہ فناء آئے گی، حالانکہ ان عیسائیوں پر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یہ بات زیادہ واضح تھی کہ یہ کہا جاتا کہ تمہارے اپنے خیال کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو گئے، اور وہ تو اس دنیا سے فناء ہو گئے ان کے فناء ہونے کا ذکر کر کے ان کی الوہیت کو زیادہ واضح طور پر رد کیا جا سکتا تھا۔

لیکن چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اور صحیح بات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی فنا آئی نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی لیکن ایک وقت آئے گا جب ان پر فناء طاری ہو گی تو حضور ﷺ نے اس مقام الزام میں بھی ان کو میت نہیں مانا بلکہ یہ کہا "یاتی علیه الفناء" ان پر فناء آئے گی ایک وقت آئے گا کہ وہ نہیں رہے گا تو یہ "حی" ہونے کے خلاف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات قیوم ہے اور قیوم وہ ہوتا ہے جو خود قائم ہو اور دوسرے کو قائم رکھنے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو کسی کے سہارے قائم نہیں ہے، اپنی حیات کو باقی رکھنے کے لئے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ساری کائنات اسی کی تھامی ہوئی ہے بخلاف اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم پہلے نہیں تھے پھر پیدا ہوئے۔

اور پھر جو زندگی انہوں نے یہاں گزاری قرآن ان کے متعلق کہتا ہے "کانا یاکلان الطعام" کہ یہ دونوں تو کھانا کھایا کرتے تھے ان کو اپنی زندگی باقی رکھنے کے لئے کھانے کی احتیاج تھی، اور صرف کھانے کا ذکر کرنا یہ بہت بڑا احتیاج ہے جس کی یہاں نشاندہی کی گئی ہے، جو شخص کھانے کا محتاج ہے یوں سمجھو کہ وہ کائنات کے ہر ذرہ کا محتاج ہے، زمین کا محتاج ہے، آسمان کا محتاج ہے، بارش کا محتاج ہے، سورج کی روشنی کا محتاج ہے، لوہے کا محتاج ہے، لکڑی کا محتاج ہے، آگ کا محتاج ہے، پانی کا محتاج ہے، روٹی کا ایک لقمہ حاصل کرنے کے لئے کون سی چیز ایسی ہے جس کی ضرورت پیش نہیں آتی؟ اس سے ساری کائنات کی طرف اس کا احتیاج نمایاں ہو جاتا ہے اور پھر جو شخص روٹی کھاتا ہے تو پھر روٹی کھانے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، پھر پیشاب پاخانہ کی طرف احتیاج، اور انسان کے اوپر جتنے عوارض لاحق ہوتے ہیں وہ بھی اسی کھانے پینے کے شعبے سے ہیں۔

تو جس شخصیت کے اوپر اس قسم کے عوارض طاری ہوتے ہیں کہ اس کو بھوک لگتی ہے، بھوک لگنے کے بعد اپنی زندگی کو سہارا دینے کے لئے وہ روٹی کا محتاج ہے اور روٹی حاصل کرنے کے لئے درختوں کا، فصلوں کا، زمین کا، آسمان کا، موسم کا، ہواؤں کا، بادلوں کا، بارشوں کا، ہر چیز کا وہ محتاج ہے تو وہ قیوم کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو محتاج ہے اور جو محتاج ہو وہ الٰہ کیسے ہو گیا، تو "الحی القیوم" یہ دو صفتیں جو ذکر کی گئیں ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی برتری تمام کائنات کے

مقابلہ میں بالکل نمایاں ہے، اور معبود وہی ہوسکتا ہے جس کو انتہائی درجہ کی عظمت حاصل ہو کیونکہ عبادت انتہائی قسم کی عاجزی ہے جو اس کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے تو جس کو انتہائی عظمت حاصل ہوگی یہ عاجزی اس کے مقابلہ میں اختیار کی جائے گی اور یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہیں اس لئے کسی دوسرے کو الٰہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

"نزل علیك الکتاب بالحق "اس نے آپ پر کتاب اتاری جو حق پر مشتمل ہے، جس میں ہر بات واضح کردی گئی، یہ کتاب بھی توحید کی منادی کرتی ہے، "مصدقالمابین یدیه " اور جو اس سے پہلے اتری اس کی بھی تصدیق کرتی ہے یعنی اس کے حقائق کی تائید کرتی ہے یا اس کی پیشین گوئیوں کا مصداق بنتی ہے جیسا کہ ان کی وضاحت گزر چکی ہے یعنی پہلی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں ہیں ان پیشین گوئیوں کی صداقت آپ کے آنے کے ساتھ ہی واضح ہوئی ہے اور اس کتاب کے اترنے کے ساتھ ہی واضح ہوئی ہے گویا کہ یہ کتاب ان کو سچا قرار دیتی ہے اگر یہ نہ آتی تو ان صحیفوں کی تصدیق کس طرح ہوتی جن میں کہا گیا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے اور ایک کتاب اترنے والی ہے اس اعتبار سے ان پیشین گوئیوں کا یہ مصداق بنتی ہے اور مصداق بن کے ان کی کتابوں کی صداقت کو ظاہر کرتی ہے۔

"وانزل التوراة والانجیل" اور اتارا اس نے توراۃ وانجیل کو یعنی یہ سب کتابیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتاری ہوئی ہیں اور اپنے حقائق میں، مضامین میں ایک دوسرے کی مصدق ہیں اور عقیدہ توحید ان کتابوں کے اندر بھی خوب اچھی طرح واضح کیا ہوا ہے "من قبل"اس کتاب کے اترنے سے پہلے "هدی للناس "لوگوں کی راہنمائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز اتاری جس کا مصداق انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔

"ان الذین کفروا بآیات الله" بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام لینے والا ہے۔

"ان الله لا یخفیٰ علیه شیء" اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا ذکر ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں اس پر مخفی کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں علم اسی کا تام ہے ذرے ذرے پر محیط ہے اور اس قسم کا علم چونکہ کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں تو وہ اس کی الوہیت میں شریک نہیں ہوسکتا، حیاۃ، قیومیت اور علم یہ تینوں امہات صفات میں شمار ہوتی ہیں۔

"هوالذی یصور کم "یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت خالقیت ہے اور اس میں عیسائیوں کے اس شبہ کو بھی زائل کیا جاسکتا ہے کہ وہ کہتے تھے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے جب اس کی تردید کی جاتی تو پھر وہ کہتے کہ بتاؤ اس کا باپ کون ہے اور یہ بات ان کے سامنے اشتباہ پیدا کردیتی کہ جب ان کو کہا جاتا کہ ان کا تو باپ کوئی ہے نہیں تو وہ کہتے کہ پھر یہ اللہ کی طرف منسوب ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس چیز کو واضح کیا "ان مثل عیسیٰ عندا لله کمثل آدم

"عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام جیسی ہے "خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون" کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا اور پھر کہہ دیا تو جاندار ہو جا، وہ ہو گیا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کے خلاف یعنی اس وقت جو سلسلہ اسباب ہے انسان کے وجود میں آنے کا اس سلسلہ اسباب کے خلاف اللہ تعالیٰ نے جس طرح آدم علیہ السلام کو پیدا کیا بغیر ماں کی وساطت کے اور بغیر باپ کی وساطت کے، مٹی سے بنا کے کہہ دیا" کن فیکون" عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی اللہ کے نزدیک ایسے ہی ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے اللہ تعالیٰ براہ راست بنا سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کی وساطت کے پیدا کر سکتے ہیں، اگر باپ نہ ہونا اللہ کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر سب سے پہلے یہ عقیدہ آدم علیہ السلام کے متعلق بنانا چاہیے کیونکہ آدم علیہ السلام کا بھی تو باپ کوئی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان مثل عیسیٰ عند الله کمثل آدم" اور یہاں بھی وہی بات ذکر کی جا رہی ہے کہ تمہاری صورتیں اللہ تعالیٰ رحموں کے اندر بناتا ہے، تمہاری تصویر کھینچتا ہے یہ اس کی خالقیت ہے اور اس کی قدرت ہے تو اگر وہ مرد کے پانی کو عورت کے پانی کے ساتھ شامل کر کے تصویر بنا سکتا ہے تو صرف عورت کے پانی پر بھی بنا سکتا ہے، اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے، ان سب صفات کا تقاضا یہ ہے کہ "لااله الاهو" اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

محکمات ومتشابہات کی وضاحت:

"هو الذی انزل علیك الكتاب" اب عیسائیوں نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ سے جو استدلال کرنے کی کوشش کی تھی یہاں ان کے اس استدلال کو واضح کیا جا رہا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اتاری تو اس کتاب میں دو قسم کی آیات ہیں، بعض آیات کو محکمات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محکمات وہ آیات ہوتی ہیں کہ کوئی شخص زبان جانتا ہے، عربی زبان کی تراکیب سے واقف ہے اس کی لغوی دلالت سمجھتا ہے تو اس کے سامنے اس کی مراد بالکل منکشف ہوتی ہے اور کسی قسم کا اس میں اشتباہ نہیں ہوتا اور یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارے حالات سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں کہ جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو ہم اس کی حقیقت، اس کا مصداق، اس کا واقعہ سمجھ جاتے ہیں، اور بعض آیات اس قسم کی ہوتی ہیں کہ جن کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقائق غیبیہ پیش کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کا ہمیں مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب وہ انسان کی گرفت میں آتے ہی نہیں کہ نہ آنکھ ان کو دیکھ سکے، نہ کان ان کو براہ راست سن سکیں اور نہ ہم کسی دوسرے حاسہ کے ساتھ ان کو محسوس کر سکیں اور وہ صرف ایمان لانے کے لئے واضح کرنے ہوتے ہیں تاکہ ہم ان کو سمجھیں اور ایمان لے آئیں لیکن چونکہ وہ ہمارے ماحول کی چیزیں نہیں ہوتیں اس لئے ایسے کوئی الفاظ ہماری زبان میں موجود نہیں ہوتے جو اس کی تصویر آپ کے سامنے پیش کر دیں کہ جس سے آپ کے ذہن کو، دل ودماغ کو اطمینان ہو جائے اور کوئی شک وشبہ نہ رہے اس لئے ان کی نشاندہی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ وہی الفاظ استعمال فرماتے ہیں جو آپ

لوگوں کے استعمال میں ہیں لیکن وہ الفاظ اپنی اس دلالت پر جو اللہ کو مطلوب و مقصود ہے واضح نہیں ہوتے اور اس سے زائد وضاحت کرنے کے لئے آپ کی اصطلاح میں الفاظ نہیں ہیں۔

اور پھر چونکہ وہ غیبی چیز ہے اور انسان کے ذہن کی وہاں تک رسائی نہیں تو ان سے کچھ پردہ اٹھانے کے لئے اور ان کی نقاب کشائی کیلئے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ہیں اور ساتھ انسان کو یہ مکلف کر دیا جاتا ہے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو جتنا سمجھ میں آ گیا ظاہری طور پر ان پر ایمان لے آؤ زیادہ کھود کرید کرنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ شبہات میں پڑتے چلے جاؤ گے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے جو تمہاری گرفت میں آنے والی نہیں ہے، یعنی ان آیات میں ایسے حقائق بیان کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن حقائق تک کما حقہ انسان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی، مثال کے طور پر روٹی پانی کپڑا جب بھی ان کا تذکرہ ہو گا ان کا نقشہ آپ کے سامنے آتا چلا جائے گا اور جس وقت آپ کے سامنے یہ کہا جائے کہ مرنے کے بعد جس وقت انسان قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کو سزا دینے کے لئے ایک فرشتہ متعین ہے اور وہ فرشتہ اس کے ایک گرز مارتا ہے جس کے ساتھ یہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اب یہ واقعہ آپ کے سامنے آیا لیکن چونکہ اس کی مثال آپ کے سامنے کوئی نہیں ہے کہ ایک چیز ریزہ ریزہ ہو جائے پھر زندہ ہو جائے پھر ریزہ ریزہ ہو جائے تو آپ اتنی سی حقیقت کو سمجھنے کے بعد اس پر ایمان لے آئیں کہ واقعہ ہے اور اس طرح پیش آتا ہے، لیکن آپ اگر اس کو سوچنے لگ جائیں کہ کس طرح ریزہ ریزہ ہو گا پھر کیسے زندہ ہو گا؟ ہم تو دیکھتے ہیں ہمیں تو قبروں میں کچھ نظر نہیں آتا نہ کوئی چیخ و پکار ہے نہ کوئی آواز ہے اب حقیقت تو ہے کہ برزخ میں عذاب دیا جائے گا اور مختلف صورتوں میں دیا جائے گا لیکن اس کو آپ اس وقت تک واضح انداز میں نہیں سمجھ سکتے جس وقت تک آپ کے سامنے اس کی کوئی مثال نہ آئے۔

اور اگر اس کے برعکس یہ کہہ دیا جائے کہ یہ شخص آپ کے شہر کا چیئرمین ہے تو آپ فوراً حقیقت سمجھ جائیں گے کہ ایک کمیٹی کا دفتر ہے اور اس کے اندر کرسیاں رکھی ہوئی ہیں ایک کرسی مقام صدر پہ ہوتی ہے اور وہ شخص وہاں جا کے بیٹھتا ہے اور پورے شہر کی حکومت اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور سارے معاملات وہی طے کرتا ہے تو فوراً آپ کے ذہن میں یہ نقشہ آ گیا، اب جس وقت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش نشیں ہو گیا اللہ کا ایک عرش ہے اگر آپ یونہی سوچیں گے کہ ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر آ کے بیٹھتا ہے، اس میں تو تشبیہ لازم آئے گی، اللہ تعالیٰ کا تجسم لازم آ گیا کہ اللہ بھی ایک جسم ہے اور کرسی پر جو بیٹھتا ہے تو کرسی اس کو محیط ہوتی ہے، اب یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو آپ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا چاہیں گے تو یہ خلاف واقعہ بات ہو جائے گی، اب اس کی جو تعبیرات کریں گے وہ غلط ہوں گی وہ واقعہ کے مطابق نہیں ہیں اس طرح فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اتباع محکمات کی ہے نہ کہ متشابہات کی:

اب جہنم کے اندر اللہ تعالیٰ نے انیس (۱۹) فرشتے مقرر کر دیے اب مشرکوں نے مذاق اڑایا ایک کہنے لگا دس کو تو میں اکیلا سنبھال لوں گا باقی نو کو تم قابو کر لینا، اب یہ ہے کہ یہ عذاب کس طرح ہوگا اور وہ فرشتے وہاں انتظام کیسے کریں گے ساری مخلوق کو کیسے سنبھالیں گے یہ سارے کے سارے ایسے حقائق ہیں جو ہمارے ذہن کی گرفت میں اس لئے نہیں آتے کہ یہ مشاہدہ میں نہیں ہیں، اب وہ آگ بھی جل رہی ہے اور اس میں گرم پانی بھی ہے اور وہ لوگ آگ میں بھی جل رہے ہیں اور گرم پانی بھی پی رہے ہیں تو آگ کے اندر پانی کا کیا جوڑ؟ اب اس قسم کی چیزوں کی چونکہ ہمارے سامنے مثالیں واضح نہیں ہیں، واقعات نہیں ہیں تو ان حقائق کو ذہن میں بٹھانا مشکل ہوتا ہے عقل مند کا کام یہی ہے کہ ان کو سنے اور سننے کے بعد مان لے اور اس کی حقیقت اور واقعہ کو اللہ کی طرف محول کر دے کیونکہ ان کو کما حقہ واضح کرنے کے لئے نہ تو آپ کی لغات میں الفاظ ہیں اور جس وقت تک واقعہ سامنے نہ آجائے اس وقت تک ہمارا ذہن اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے، اس قسم کی آیات میں منصفانہ رویہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حقائق سے پردہ اٹھایا ہے اور ہمارے ذہنوں کے اس کو قریب کیا ہے ہماری لغت جہاں تک متحمل ہے وہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔

تو ہم اس بات کی رعایت رکھتے ہوئے مثلاً اللہ کے لئے ہاتھ کا ذکر آگیا تو ہم اس ہاتھ کو مانیں گے کہ اللہ کے لئے ہاتھ ہے لیکن کیسا ہے یہ ہماری گرفت میں نہیں آسکتا کیونکہ مثال سامنے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں یہ واقعہ ہے ہم اس پر ایمان لائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے لیکن کس طرح؟ کیا اسی طرح زبان ہلاتا ہے؟ ہونٹ ہلاتا ہے؟ ہم اس طرح نہیں کہیں گے کیونکہ یہ مثال لازم آجائے گی تشبیہ لازم آجائے گی اور تشبیہ ومثال بھی نہیں دی جاسکتی "لیس کمثلہ شيء" تو ان چیزوں پر ایمان لانا ان حدود کی رعایت رکھتے ہوئے یہ عقل مندوں کا کام ہے، حقیقت حال اللہ کے سپرد کر دو، اسی لئے جب ہم ان صفات کو ذکر کرتے ہیں تو یوں کہہ دیتے ہیں "کمایلیق بشانہ" یہ چیز اللہ کے لئے ثابت ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کی ابنیت ثابت نہیں کی جاسکتی کہ اللہ کا بیٹا ہو یہ بات بھی قرآن کریم میں واشگاف الفاظ میں کہہ دی گئی "لم یلد ولم یولد" کہ نہ اللہ نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا، نہ اس کا باپ نہ اس کا بیٹا، اب کوئی اس قسم کا لفظ لے کر کہ "کلمۃ اللہ" آگیا "روح اللہ" آگیا جس کی حقیقت آپ کے سامنے واضح نہیں ہے اگر کوئی شخص ابنیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ محکمات کو چھوڑتا ہے اور متشابہات کے پیچھے لگتا ہے، اب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق واضح طور پر کہہ دیا کہ "ان ھو الا عبد انعمنا علیہ" اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں تھا کہ ہمارا بندہ ہے اور ہم نے اس کے اوپر انعام کیا ہے یہ کتنی واضح بات ہے کہ ہمارا بندہ ہے تو جب وہ عبد ہو گیا تو معبود کیسے، جب وہ ہمارا بندہ

ہے تو پھر اس کو ہمارے ساتھ شریک کس طرح ٹھہراتے ہو یہ وہ آیات ہیں جن کو ہم محکمات کہہ سکتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ''ان الله هور بی و ربکم فاعبد وہ'' اللہ میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے تم اسی کی عبادت کرو یہ محکمات میں سے ہے مطلب اس کا بالکل واضح ہے۔

اور اب ایسے الفاظ جن کی حقیقت انسان کے بس میں نہیں ان کا سہارا لے کے اس قسم کے غلط عقیدے نکالنے کی کوشش کرنا یہ اتباع متشابہات ہے، یہ اہل علم کا کام نہیں، یہ سمجھ دار لوگوں کا کام نہیں، سمجھ دار لوگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو حقائق ایسے ہیں ایسے الفاظ سے بیان کئے گئے ہیں کہ جو ہمارے سامنے واضح ہو گئے ہم ان کو تو مانیں گے ان پر تو اسی وضاحت کے ساتھ ہی ایمان لائیں گے باقی جس کی حقیقت ہماری گرفت میں نہیں آتی ہم اس کو اللہ کے سپرد کریں گے اور اس کے ظاہر سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس پر ایمان لائیں گے، اس کی حقیقت گرفت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور جس وقت ہم اس کی حقیقت میں زیادہ سے زیادہ کھود کرید کریں گے آگے شبہات بڑھتے ہی چلے جائیں گے یہ عقل والوں کا کام نہیں ہے کہ اس قسم کی الجھنیں پیدا کریں، ان آیات پر ظاہری الفاظ کے اعتبار سے ایمان لاؤ حقیقت اللہ کے سپرد کرو اور جو محکمات ہیں ان پر اسی تفصیل کے ساتھ ایمان لاؤ۔

بنیاد محکمات پر رکھی جاتی ہے نہ کہ متشابہات پر، متشابہات کا اتنا سا مطلب سمجھا جاتا ہے جو محکمات سے نہ ٹکرائے اس لئے اصل ہوں گے محکمات اور متشابہات کو ان کے تابع کر کے ہم مانیں گے، اور ہم کہیں گے کہ ان کی حقیقت حال اللہ جانتا ہے، محکمات کے ساتھ اتنی سی مطابقت رکھنی ہے اس کو ہم تسلیم کر۔تے ہیں، باقی اگلا معاملہ اللہ کے سپرد ہے یہ ہے ہدایت یافتہ لوگوں کا طریقہ اور جو ان کو چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے پیچھے لگ جائیں، ان کے نقشے کھینچنے لگ جائیں گ، متشابہات کے پیچھے لگ جائیں تو حضور ﷺ نے بھی فرمایا کہ جس وقت تمہارے سامنے اس قسم کے لوگ آئیں جو محکمات کو چھوڑ دیں متشابہات کے پیچھے لگیں تو ان سے بچا کرو یہی ہیں اہل زیغ جن کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے (مشکوۃ ص ۲۷)۔

اور یہ جو قبر نشین ملنگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اہل باطن قرار دیتے ہیں ان کے پاس آپ کو کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہو تو آپ دیکھیں گے کہ اس قسم کی باتیں ذکر کریں گے جن کو متشابہات قرار دیا گیا ہے، اور ان کو محکمات سے کوئی دلچسپی نہیں، یہی ان کے گمراہ ہونے کی نشانی ہے تو کتاب سے استفادہ کا طریقہ یہی ہے کہ محکمات پر مدار رکھو اپنے عقائد اور خیالات کا، اور متشابہات کے اوپر ایمان لاؤ اور اس کی اتنی حقیقت جتنی محکمات کے ساتھ جوڑ کھاتی ہے اتنی حقیقت اپنے ذہن میں لا کے مانو اور جو ذہن کی گرفت میں نہیں آتی اس کے اوپر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ حقیقت حال اللہ جانتا ہے۔

اسی کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تیرے اوپر کتاب اتاری اس کتاب میں سے کچھ آیات محکمات ہیں جن کی مراد بالکل واضح ہے اور جن میں کوئی کسی قسم کا اشکال نہیں جو شخص صاحب زبان ہے تراکیب کو

سمجھتا ہے، دلالت لغوی سے واقف ہے، وہ اس کے مفہوم کو فوراً سمجھ جاتا ہے یہی ہیں کتاب کی اصل، یعنی کتاب سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے انہی پر مدار رکھا جاتا ہے، اور کچھ دوسری آیتیں ہیں جو کہ متشابہات ہیں پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کتاب میں سے جو آیتیں متشابہ ہیں ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں گمراہی تلاش کرنے کے لئے، ضلالت پھیلانے کے لئے اور ان متشابہات کا مطلب تلاش کرنے کے لئے، اور ان کی حقیقت نہیں جانتا مگر اللہ، انسان کے دماغ کی گرفت سے باہر ہے ان کی حقیقت کو جاننا، جس وقت تک آپ آخرت میں جا کے ان چیزوں کو دیکھ نہیں لیں گے، مشاہدہ نہیں ہوگا عقل کے ساتھ اگر آپ سوچنے کی کوشش کریں گے تو سوائے اشکالات کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور جن لوگوں نے بھی عقل کے ساتھ ان چیزوں میں سوچ و بچار کرنے کی کوشش کی وہ گمراہی کی دلدل میں جا پھنسے۔

جیسے ایک بات بیان کی گئی کہ آخرت میں اللہ کی رؤیت ہوگی ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ رؤیت ہوگی، اور اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار کروائے بس ہم نے اس حقیقت کو مان لیا، باقی یہ سوال کہ کیسے ہوگی؟ دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے ہو، پھر آنکھوں سے کچھ مسافت پر ہو تب نظر آئے گی بالکل ساتھ آجائے تو نظر نہیں آتی، اور زیادہ دور چلی جائے تو نظر نہیں آتی، پردہ میں ہو تو نظر نہیں آتی، اس قسم کے شبہات پیدا کر کے معتزلہ اس حقیقت کے منکر ہو گئے کہ آخرت میں کوئی رؤیت نہیں ہوگی، یہ عقل کے خلاف ہے، بخلاف عقل والوں کے کہ اللہ کی رؤیت ہوگی ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کیسے ہوگی کیفیت اللہ جانتا ہے، "ومایعلم تاویلہ الااللہ" یہاں وقف لازم ہے، اور وقف لازم کا مطلب ہوتا ہے کہ مابعد والی کلام ماقبل سے منقطع ہے۔

راسخین فی العلم کی دعا:

آگے نیا مضمون ہے اور جو علم میں رسوخ پیدا کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں ہر قسم کی آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے، عقل والوں کا کام ہوتا ہے کہ ہر چیز کو اس کے منصب پہ رکھیں اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے دلوں کو سیدھا رکھنا ہمارے دلوں کو کجی میں نہ ڈال دینا بعد اس کے کہ تو نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا، یعنی وہ اللہ سے ہدایت پر استقامت مانگتے رہتے ہیں اور ان کو اپنی عملی زندگی پر بھی کوئی غرور نہیں ہے کہ ہم جس طریق پر چل رہے ہیں ایسے ہی رہیں گے، ایسی بات نہیں، بلکہ اس میں بھی اللہ کا سہارا تلاش کرتے ہیں تو انسان کو علم صحیح کے لئے عمل صحیح کے لئے پھر اس پر استقامت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ یہ جو ہدایت انسان کو نصیب ہوتی ہے اور جو اس پر ثبات نصیب ہوتا ہے یہ محض اللہ تبارک تعالیٰ کی عنایت سے ہے۔

سرور کائنات ﷺ فرمایا کرتے تھے "اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتك" اور فرماتے تھے کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جدھر چاہے گھمادے، جیسے کوئی چیز انگلیوں کے درمیان پکڑی ہوئی ہو تو اس کا گھمانا بہت آسان ہوتا ہے اس طرح " ان قلوب بنی آدم کلها بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب وا حدیصرفه کیف یشاء" (مشکوٰۃ ص ۲۰) جدھر چاہے گھمادیتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے جو دلوں کا پھیرنے والا ہے کہ ہمیں ہدایت پر، دین پر ثابت قدم رکھ، اس قسم کی دعائیں حضور ﷺ سے منقول ہیں "والراسخون فی العلم" اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بعد اس کے کہ تو نے سیدھے راستہ پر چلادیا "وھب لنا من لدنك رحمة" اس رحمت کا مصداق یہاں یہی تثبیت ہے کہ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔

اور یہ جو ہم ہدایت اور ہدایت پر جمنے کی دعا کرتے ہیں اس میں ہم آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں کیونکہ تو لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے ایک ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں یہ تیرا وعدہ ہے کہ تو اکٹھا کرے گا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور اس دن یہی ہدایت اور ہدایت پر ثابت قدمی کام آئے گی، جس کی بناء پر ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ جو ہدایت تو نے ہمیں دے دی، ان لوگوں کی طرح نہ کرنا جو متشابہات کے پیچھے لگ کے ہدایت کے راستہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور نہ

اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾

ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی ، اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں ﴿۱۰﴾

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

ان کا حال فرعون کے لوگوں کے حال کی طرح ہے اور ان لوگوں کے حال کی طرح ہے جو ان سے پہلے گذرے ، انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ

پھر پکڑ لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۱۱﴾ آپ کہہ دیجئے

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ

ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے ، اور وہ بہت برا

الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

ٹھکانہ ہے ﴿۱۲﴾ تحقیق تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ، ایک جماعت لڑائی کرتی تھی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ

اللہ کے راستہ میں اور دوسری جماعت کافر تھی وہ کافر لوگ دیکھتے تھے ان مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھنا آنکھ کا ،

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي

اللہ تعالیٰ قوت پہنچاتا ہے اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ، بے شک اس میں البتہ عبرت ہے

الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ

آنکھ والوں کے لئے ﴿۱۳﴾ مزین کردی گئی لوگوں کے لئے مرغوبات کی محبت یعنی عورتیں بیٹے

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

اور جمع کیے ہوئے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور چوپائے اور کھیتی ، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے ، اور اللہ تعالیٰ کے پاس

حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا

اچھا ٹھکانہ ہے ﴿۱۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں خبر دوں ان سب چیزوں سے اچھی چیز کی ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

ان کے رب کے پاس باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان باغات میں

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ

اور پاک صاف بیویاں ہیں اور اللہ کی طرف سے رضا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ﴿۱۵﴾

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار بے شک ہم ایمان لے آئے پس تو بخش دے ہمارے گناہوں کو اور تو بچا ہمیں آگ کے

النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ

عذاب سے ﴿۱۶﴾ جو صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں اور جھکنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنے والے ہیں ﴿۱۷﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط وخلاصہ مضامین:

آپ کے سامنے ذکر آیا تھا کہ ابتدائی آیات کا تعلق زیادہ تر عیسائیوں کے ساتھ ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے ایک وفد کی صورت میں آئے تھے اور کچھ اختلافی مسائل پر انہوں نے حضور ﷺ سے گفت وشنید کی تھی، پچھلی آیات میں مسئلہ توحید کو واضح کیا گیا اور متشابہات سے جو استدلال کر کے وہ اپنے عقائد باطلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے اس کے اوپر انکار کیا گیا، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت کی یاد دہانی کراتے ہیں اور اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ

دنیا کی طمع اور لالچ میں آ کر جو لوگ حق کو قبول کرنے سے رکتے ہیں وہ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رہے ہیں یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کے بعد یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی، کامیاب وہی لوگ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین نہ عیسائیت ہے نہ یہودیت ہے بلکہ مقبول دین جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کیا جائے گا وہ صرف دین اسلام ہے اور ان اختلاف کرنے والوں سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ محض ضد کے طور پر اختلاف کرتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کی سرداریوں میں فرق آتا ہے، اور ان کے جاہ و مال میں کمی آتی ہے جس کی بناء پر یہ اسلام قبول نہیں کر رہے ورنہ دلیل کے اعتبار سے مسئلہ بالکل واضح ہو چکا ہے۔

آل فرعون اور پہلے لوگوں کے انجام سے عبرت پکڑو:

"ان الذین کفروا" وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ جہنم کا ایندھن ہیں اس لئے مال و اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو برباد کرتے ہیں۔

"کدأب آل فرعون" ان کا حال فرعون کے لوگوں کی طرح ہے، یہاں آل سے فرعون کے متعلقین مراد ہیں کیونکہ جس فرعون کا قرآن میں ذکر آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدمقابل تھا عام طور پر مشہور یہی ہے کہ اس کی اولاد نہیں تھی اس لئے یہ لفظ آل اولاد کے معنی میں نہیں ہے اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ لفظ آل متبعین کے لئے بولا جاتا ہے تو جس طرح آل فرعون میں فرعون کی فوجیں، فرعون کے درباری، فرعون کے متعلقین، فرعون کے متبع مراد ہیں، اسی طرح جب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے تو اس کو بھی عمومی معنی کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے لئے لے لیا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "کل تقی نقی فھو آلی" وہ یہی مفہوم ہے، یہاں بھی آل سے متبعین مراد ہیں یعنی ان کا حال فرعون کے متبعین کی طرح ہے اور ان لوگوں کے حال کی طرح ہے جو ان سے پہلے گزرے ان سب کا مشترکہ حال یہ تھا کہ ان سب نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا تو پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کے سبب سے، ان کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ اگر یہ بھی اسی حال پر قائم رہیں گے تو جو حال آل فرعون اور دوسرے لوگوں کا ہوا تھا وہی حال ان کا ہوگا کہ ان کو ان کے جرائم کی بناء پر اللہ تعالیٰ پکڑ لیں گے "واللہ شدید العقاب" اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

کافروں کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی:

"قل للذین کفروا" اس آیت میں ایک پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ان کافروں سے کہہ دیجئے اب یہاں جو کفر کا

عنوان اختیار کیا جارہا ہے یہ بہت واضح ہے کہ تمہارا طریقہ غلط ہے، ان کافروں سے کہہ دیجئے جو ان موجودہ حقائق کو تسلیم نہیں کرتے، سرورکائنات ﷺ پر اتری ہوئی وحی کو تسلیم نہیں کرتے ان سے کہہ دو کہ آخرت میں تمہارے مال واولاد تو کام نہیں آئیں گے یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے، اس کے ساتھ یہ بھی سن لیجئے کہ دنیا کا جاہ وجلال بھی ہاتھ سے نکل جائے گا "ستغلبون" عنقریب تم مغلوب کردیے جاؤ گے، ان کافروں کا مصداق اس زمانہ کے مشرکین مکہ بھی ہوسکتے ہیں عمومی الفاظ کے طور پر، ورنہ جو صراحتاً مد مقابل تھے یہود ونصاریٰ وہ بھی اس کا مصداق ہوسکتے ہیں، اور سین استقبال کے لئے ہے تو بہت جلد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ کی صداقت لوگوں کے سامنے واضح کردی، مشرکین کا جاہ وجلال بھی سات آٹھ سال کے اندر خاک میں مل گیا اور یہودیوں کا انجام بد تو ان سے بھی پہلے سامنے آگیا، اور عیسائی بھی سرورکائنات ﷺ کی زندگی میں ہی معذب ہوگئے، اس پیشین گوئی کی حقیقت لوگوں نے اسی وقت اپنی کھلی آنکھوں دیکھ لی، ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے یہ تو دنیا میں ہوگا "وتحشرون الیٰ جھنم" یہ آخرت میں ہوگا اور تم جمع کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

جنگ بدر کا منظر اور مسلمانوں کی کھلی فتح:

باقی تم یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے پاس مال زیادہ ہے، دولت زیادہ ہے، ہم بڑے خاندانی لوگ ہیں ابھی ابھی تمہارے سامنے بدر کے میدان میں یہ حق وباطل کی ٹکر ہوئی تھی، اس سورۃ کا نزول چونکہ غزوہ بدر کے بعد ہے اس لئے آگے ایک جنگ کا نمونہ دکھایا جارہا ہے، جس طرح سورۃ البقرۃ میں طالوت اور جالوت کی جنگ کا نمونہ دکھایا تھا وہ چیز بیان کے درجہ میں تھی کہ یہ طالوت اور جالوت کا جو مقابلہ ہوا تھا، جالوت کے پاس اس وقت بہت بڑی قوت تھی، اس کو ہر قسم کا سامان حاصل تھا افراد کی کثرت تھی اور اس کے مقابلہ میں حق کے علم بردار جو طالوت کی قیادت میں آئے تھے وہ گنتی کے تین سو تیرہ تھے اور اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے دکھایا کہ طالوت کو فتح ہوئی اور جالوت مارا گیا وہ بات صرف بیان کے درجہ میں تھی اس زمانہ کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا لیکن جو بدر کا معرکہ تھا یہ تو موجودہ لوگوں نے دیکھا، ان کے سامنے ایک بات آگئی اس کی طرف نشاندہی کی جارہی ہے کہ ذرا اس واقعہ کو دیکھ لو ایک جماعت اللہ کے لئے لڑنے والی تھی، اور ایک جماعت کافر تھی تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کافروں کو کس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں پٹوایا، تو تم اپنے سازوسامان کے اوپر غرور نہ کرنا اور اپنی کثرت کے اوپر ناز نہ کرنا، جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آجائے تو پھر یہ مال واولاد کی کثرت دنیا میں بھی کام نہیں آتی یہ ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اب ذرا آنکھیں کھول لو وقت بہت قریب آرہا ہے۔

تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں، ان میں سے ایک جماعت مشرکین مکہ کی اور ایک جماعت صحابہ کی

اور یہ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف " التقتا "جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ایک جماعت لڑی تھی اللہ کے راستہ میں اور دوسری کافر تھی جو لڑتی تھی شیطان کے راستہ میں، پھر جب میدان کے اندر دونوں جماعتیں آپس میں مدمقابل ہوئی ہیں (اس واقعہ کی زیادہ تفصیل سورۃ الانفال میں آئے گی) تو اس معرکہ میں مختلف احوال طاری ہوئے، واقعہ کے لحاظ سے کافر مسلمانوں سے تین گنا سے بھی زیادہ تھے، کیونکہ کفار کی تعداد ایک ہزار یا اس سے کچھ اوپر تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، واقعہ کے لحاظ سے تو کافر تین گنا تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو چونکہ یہ لڑائی کروانی مقصود تھی تا کہ حق و باطل کا فیصلہ مشاہدہ کے ساتھ ہو جائے۔

ابو جہل جس وقت مکہ معظمہ سے چلا تھا تو روایات میں آتا ہے کہ بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اس نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی تھی اور یہ کہا تھا اے رب البیت! آج فیصلہ ہو جائے، جو قاطع الرحم ہے جس نے رشتہ داریاں برباد کردیں، قوم میں پھوٹ ڈال دی، ہمارے حالات خراب کردیئے، گھر گھر میں جنگ برپا کردی جو باطل پر ہے جو قاطع الرحم ہے اس کو برباد کردے، یہ اشارہ تھا حضور ﷺ کی طرف کہ اس کو ہلاک کردے، اور وہ دعا تو قرآن کریم نے بھی نقل کی ہے جو نضر بن حارث نے کی تھی "اللهم ان كان هٰذا هو الحق من عند ك فامطر علينا حجارة من السماء اوائتنا بعذاب اليم "(سورۃ الانفال ۳۲) اے اللہ! اگر یہ حق ہے جو یہ کہتے ہیں تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا اور ہمارے اوپر عذاب الیم بھیج دے، اس طرح وہ دعائیں کر کے نکلے تھے گویا کہ ان کے نزدیک بھی معرکہ حق و باطل کے فیصلہ کا تھا۔

اور ادھر سرور کائنات ﷺ نے بھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیشین گوئیاں کی ہوئیں تھیں غلبہ کی، حتی کہ صحیح روایات میں موجود ہے کہ حضور ﷺ جب میدان بدر میں پہنچے ہیں تو صحابہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے ہمیں ہاتھ لگا لگا کے حد بندی کردی تھی کہ اس جگہ فلاں شخص گرے گا، یہاں فلاں گرے گا، آپ نے نشاندہی کردی تھی تو گویا کہ حضور ﷺ کی طرف سے بھی فیصلہ کن بات تھی اور مشرکوں کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی کردی گئی تھی، وہیں وہیں وہ گرا، تو گویا کہ مشاہدہ کے طور پر حضور ﷺ کی حقانیت لوگوں کو دکھلا دی گئی، اور وہ خود حق و باطل کا فیصلہ طلب کر کے آئے تھے تو ان کے سامنے فیصلہ بھی آگیا، اس لئے یوم البدر کو اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان کے ساتھ تعبیر کیا ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کا دن تھا، یعنی یہ پہلی لڑائی تھی مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان اور اس کی حیثیت فیصلہ کی بن گئی۔

تو پھر وہ پٹے اور اچھی طرح پٹے تو اللہ تعالیٰ نے کھلی آنکھوں دکھلا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ غلبہ دینا چاہتا ہے تو پھر نہ کثرت کام آتی ہے نہ ہتھیار کام آتے ہیں، بلکہ جس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوتی ہے وہ کامیاب ہوتا ہے، تو اب آنکھیں

کھول کے ذرا اس واقعہ کو دیکھ لو اس لئے اپنے مالوں پر، اپنی کثرت پر ناز نہ کرو "ستغلبون "اس کے لئے ایک نمونہ دکھایا جا رہا ہے کہ تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ایک جماعت اللہ کے راستہ میں لڑتی تھی اور دوسری جماعت کافر تھی اب واقعہ کے لحاظ سے مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، لیکن آپ کے سامنے مختلف احوال آئیں گے کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جس وقت مسلمان کافروں کی طرف نظر دوڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا تصرف تھا مسلمانوں کی آنکھوں پر کہ ان کو کافر تھوڑے نظر آتے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے "یقللکم فی اعینھم "اور کافر جب مسلمانوں پر نظر ڈالتے تھے تو ان کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے اور وہ واقعہ کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے، یہ تھوڑا نظر آنا اس لئے تھا تاکہ دونوں کے حوصلے بڑھیں اور یہ لڑنے پر تیار ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ اگر کافروں کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آجائے تو یہ میدان چھوڑ کے پہلے ہی بھاگ جائیں اور اللہ کا مقصد تھا کہ ان کا سر کٹوا دیا جائے، اور مسلمانوں کے سامنے اگر ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی اور یہ بہت تھوڑے ہوتے تو اپنے سے دوگنی تعداد کے ساتھ لڑنے کا اگرچہ حوصلہ ہوتا ہے زیادہ نمایاں ہو جاتے تو ہو سکتا تھا کہ ان کے حوصلوں پر بھی اثر پڑتا۔

تو دونوں ایک دوسرے کو قلیل تعداد میں نظر آئے تو دونوں طرف سے حوصلے بڑھ گئے اور جس وقت آپس میں ٹکراؤ ہو گیا اور مسلمانوں کی طرف سے فرشتے نازل ہوئے تو ان کو مسلمانوں کی تعداد اپنے سے دوگنی نظر آنے لگ گئی اور اس تعداد کے دوگنی نظر آنے سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، اور لڑائی کے میدان میں اگر کسی کی ہمت پست ہو جائے تو سب سے بڑی شکست یہی ہوتی ہے، جب دل میں حوصلہ نہ رہے تو پھر بازو میں بھی لڑنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے، تو پھر وہ کافر ان مسلمانوں کو کھلی آنکھوں دوگنا دیکھنے لگ گئے جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے، یہ ایک ذہنی انقلاب تھا، اور تصور کے طور پر اس قسم کے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل ہے، جس کے ساتھ دشمن کا حوصلہ پست ہو گیا، تو یہ مختلف احوال پیش آئے اور یہاں جو ذکر کیا جا رہا ہے یہ ایک حال ہے کہ کافر دیکھتے تھے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا کھلی آنکھوں، اور یہ دیکھنا خلاف واقعہ تھا، اور اللہ تعالیٰ قوت پہنچاتا ہے اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہتا ہے، بے شک اس میں البتہ عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔

چونکہ یہ واقعہ پیش آیا اور مشاہدہ کے طور پر پیش آیا تو جن کی آنکھیں ہیں وہ جا کر دیکھیں اور ان کے حالات کو سمجھیں تو پتہ چل جائے گا کہ فتح وہی پایا کرتا ہے جس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوتی ہے، تو یہ ان کو نمونہ دکھایا ہے "ستغلبون" کا کہ اس کو دیکھ کے ہوا کا رخ سمجھ جاؤ کہ اب ان کافروں کا کیا انجام ہونے والا ہے اپنے مال واولاد پر ناز چھوڑ دو، بڑے بڑے فرعون اور سرکش پہلے گزرے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو جرموں اور گناہوں کی بناء پر پکڑنا چاہتا ہے تو پھر کسی کی فرعونیت سامنے رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔

دنیاوی زندگی کا سامان اور آخرت کی نعمتیں:

آگے دوسرے انداز میں تنبیہ ہے کہ انسانوں کے سامنے دنیا کی چیزیں اور دنیا کی مرغوبات بڑی مزین ہیں ان کو بڑی خوبصورت لگتی ہیں اور ان کی محبت میں مبتلا ہو کے انسان حق کو چھوڑ دیتا ہے اب جتنی چیزیں یہاں شمار کی گئی ہیں یہی ہیں جن کے ساتھ دنیا میں انسان کا تعلق ہوتا ہے، پہلے نمبر پر عورتیں ہیں، سب سے زیادہ مشتہیات میں یہی شامل ہیں، ان کی طرف رغبت ہوتی ہے، اور پھر دوسرے نمبر پر بیٹے ہیں، پھر سونا چاندی کے ڈھیر، گھوڑے، عرب میں لوگ فخر، زینت اور دفاع کے لئے سب سے زیادہ ترجیح گھوڑوں کو دیتے تھے، چوپائے، چونکہ شہری زندگی اور شہری تمدن اختیار کرنے سے قبل لوگوں کی بدویانہ زندگی میں یہ چوپائے ہی تھے جو گزراوقات کا ذریعہ تھے ان کا دودھ پینا، ان کے اوپر سواری کرنا، ان کے چمڑوں اور بالوں سے فائدہ اٹھانا، اسی کے ساتھ ہی گزراوقات ہوتا تھا۔

پھر کھیتیوں کا ذکر ہے یہ چیزیں ہیں دنیا کی مرغوبات اور ان کی محبت انسان کے قلب میں پیوست ہے اور ان کی محبت میں ہی انسان سب کچھ کرتا ہے، بیوی حاصل کرنے کے لئے، اولاد کی محبت میں، مال و دولت اکٹھا کرنے کے لئے، گھوڑے اور جانور اکٹھے کرنے کے لئے، کھیت اور باغات کے لئے، یہی ہے محنت انسان کی اور ساری صلاحیتیں انسان انہی کو حاصل کرنے کے لئے صرف کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، دنیاوی زندگی کے اندر انسان کے بڑے بڑے مقاصد یہی ہیں، ساری نقل و حرکت انہی کی وجہ سے ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " ذٰلك متاع الحيوة الدنيا" یہ تو دنیوی زندگی کا سامان ہے، جتنی دیر تک تمہیں سانس آ رہا ہے تمہاری آنکھیں کھلی ہیں ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہو۔

اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب سانس ختم ہوا، زندگی ختم ہوئی تو یہ سب چیزیں گئیں، نہ بیوی ساتھ جاتی ہے، نہ بیٹے ساتھ جاتے ہیں، نہ سونا چاندی ساتھ جاتا ہے، نہ گھوڑے بیل ساتھ جاتے ہیں، نہ باغات اور کھیت ساتھ جاتے ہیں، یہ چند روزہ دنیوی سامان ہے جس کو آپ استعمال کر لیتے ہیں اور مرنے کے بعد یہ کام نہیں آتا اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے ایک اچھی چیز بتاؤں جو ملے گی ان لوگوں کو جو تقویٰ اختیار کریں گے یہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا، اور وہ اچھی چیز ہے "جنات تجري من تحتها الانهار" باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں، اور پاک، صاف ستھری بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے یہ چیزیں ہیں جن کو اس سارے سامان کے مقابلہ میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔

دنیا میں چھ چیزیں اور آخرت میں صرف تین ہی کیوں؟:

توجہ کرنا، پیچھے چھ چیزیں شمار کی گئیں ہیں اور یہاں مقابلہ میں صرف تین چیزیں ذکر کی گئیں ہیں، باغات، ازواج مطہرہ، اللہ کی رضا، اور ان چھ کے مقابلہ میں ان کو بہتر قرار دیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ وہاں پہلے ذکر آیا تھا نساء کا یہ انسان کے لئے تلذذ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، یہ جیسے دنیا میں تلذذ کا ذریعہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو آخرت میں بھی جنت کے اندر تلذذ کا ذریعہ بنائے گا، اس کے بغیر انسان کی زندگی کی تکمیل نہیں ہے، اس کے بغیر انسان اپنی زندگی میں بہت سارا خلا پاتا ہے، تو بیویاں خوشحال زندگی کا ایک جزو لازم ہیں، باقی دنیا کے اندر جو بیٹوں کی محبت ہے یہ محبت اپنی ایک خاص غرض کے تابع ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے ہوں گے تو میرے ساتھ کاروبار میں معاون ہوں گے، میں مرجاؤں گا تو میری جائیداد کو سنبھالیں گے، بوڑھا ہو جاؤں گا تو بڑھاپے میں یہ ہاتھ کی لاٹھی ہیں، انسان کے لئے سہارا بنتے ہیں، اپنی اغراض کے تحت انسان ان کی پریشانیاں اٹھاتا ہے، ان کو پالنے کی، ان کے اخراجات کی، یہ سب اسی مقصد کے تحت کرتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آخرت میں یہ مقاصد نہیں ہیں، نہ تو بوڑھا ہونے کا ڈر ہوگا، نہ موت کا اندیشہ ہے، اس لئے وہاں اولاد کی چاہت انسان میں نہیں ہوگی اور حدیث شریف میں صراحتاً آتا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایسی تمنا پیدا ہو بھی گئی کہ میرے ہاں بیٹا ہو تو آناً فاناً اولاد بھی اس کے سامنے آجائے گی، لیکن ایسے کوئی نہیں چاہے گا، اگر چاہے گا تو ہو جائے گا (مشکوٰۃ ص۵۰۰)۔

اور اسی طرح سونا چاندی کے ڈھیر یہ بھی بذات خود مقصود نہیں ہیں اس لئے مقصود ہیں کہ ان کے ذریعہ ضروریات زندگی خریدی جاتی ہیں، آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہے تو سونا چاندی سے آپ کو کپڑا ملے گا، آپ کو خوراک کی ضرورت ہے تو سونا چاندی خرچ کر کے آپ اپنی خوراک مہیا کریں گے، اور اگر سونا چاندی کو ضروریات میں صرف نہ کیا جائے تو صرف رکھا ہوا یہ انسان کے کسی کام کا نہیں، اور آخرت میں ضروریات خود بخود پوری ہوں گی، خرید وفروخت کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اس لئے سونا چاندی کی بھی کوئی چاہت نہیں ہوگی، اور ویسے جنت میں سونا چاندی کی کمی بھی نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مکانات سونے کے ہوں گے، کسی درخت کا تنا سونے کا، کسی کا چاندی کا، کوئی برتن سونے کے، کوئی چاندی کے، لیکن وہاں سونے اور چاندی کی انسان کے دل میں نہ محبت ہوگی اور نہ ہی ضرورت ہوگی۔

اور آگے ہے گھوڑے، گھوڑے سواری کے لئے مطلوب ہیں کہ ایک جگہ سے سفر کر کے دوسری جگہ جانا ہے اور دشمن سے دفاع کے لیے مطلوب ہیں اور جنت میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوں گی، نہ دفاع کی ضرورت ہوگی اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے کے لئے سواری کی ضرورت ہوگی لیکن اس کے باوجود جنت میں گھوڑے ہوں گے لیکن ان کی محبت

اور ضرورت وہاں ختم ہوگی، اور ایسے ہی انعام وحرث ہیں کہ یہ چوپائے آپ کو دودھ کے لئے مطلوب ہیں اور جنت میں دودھ کی نہریں چلیں گی، ضرورت ہی نہیں کہ آپ بکریاں پال کر ان میں سے دودھ نکالیں، اور اس قسم کی دوسری ضرورتیں بھی ساری کی ساری پوری ہوں گی، ساری حقیقت سمٹ کر "جنات تجری من تحتھا الانھار" کے اندر آجاتی ہے۔

اور عورتوں کے اندر جو بھلائی کا پہلو ہے اس کو ازواج مطہرہ میں لے لیا گیا، اور دنیا کی عورتوں میں جو مضرت کا پہلو ہے اس کو مطہرہ کے لفظ سے کاٹ دیا کہ اخلاق کی اچھی ہوں گی، شکل کی صاف ستھری ہوں گی، آپ پر کسی قسم کا ان کی ضروریات کا بوجھ نہیں ہوگا، تو یہ سارے کا سارا معاملہ مکمل ہو گیا، اور سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ دنیا کے اندر ایک شخص جو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتا ہے اس کو یہ فکر لگا رہتا ہے کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائے اور یہ ناراضگی کا تصور بھی سوہان روح ہے، انسان کے لئے پریشانی کا باعث ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پریشانی کو بھی دور کر دیں گے، "رضوان من اللہ" یہ اللہ کی طرف سے رضا کا اعلان جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس کے ملنے سے انسان اتنا خوش ہوگا اور جنتی اس میں اتنا لطف لیں گے کہ جنت کی کسی نعمت میں اتنا لطف نہیں آئے گا۔

دنیا کی نعمتوں سے کتنا تعلق ہونا چاہیئے؟:

اور پھر ان نعمتوں کے چھن جانے کا اندیشہ نہیں ہوگا، جیسا کہ دنیا میں کہہ دیا "ذٰلک متاع الحیٰوۃ الدنیا" اور "خالدین فیھا" میں اس کا بھی ازالہ کر دیا، تو گویا کہ انسان کو جس قسم کی عیش مطلوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اکمل طریقہ سے وہ مرنے کے بعد جنت میں نصیب ہوگی، لیکن ہوگی ان لوگوں کو جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اس لئے ان مشتہیات کے پیچھے اپنے آپ کو خراب نہ کرو، ان کے ساتھ تعلق رکھو بقدر ضرورت، اور ان کو چھوڑنا بھی نہیں ہے کہ دنیوی زندگی میں ان کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن قلب کے اندر غالب آ کے اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنیں، ان کو اپنی زندگی کے لئے ایک وسیلہ کے طور پر اختیار کرو اور اصل مقصود اللہ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہو تب جا کے معاملہ ٹھیک رہے گا، جیسے بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ دنیا کا مال، دنیا کا سامان، اور اس کے متعلقین ان سب کی مثال پانی جیسی ہے اور انسان کا قلب ایک کشتی کی طرح ہے اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کے سفر میں معاون ہے اور اگر وہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی کے غرق ہونے کا ذریعہ ہے پھر کشتی ڈوب جاتی ہے۔

اسی طرح اگر آپ کے پاس پیسے ہوں گے، مال ہوگا، مکان ہوگا، چیزیں ہوں گی، لیکن ہونگی دل سے باہر تو یہ اللہ کی عبادت، اللہ کی اطاعت، اللہ کی فرمانبرداری کے لئے ذریعہ بنیں گی، پیٹ میں روٹی ہو تو انسان اللہ کو اچھی طرح یاد کر سکتا ہے، اور اگر بھوکا ہو تو بسا اوقات اس پریشانی کے اندر ہی اپنے خیالات کو کھو دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت

اور اطاعت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اور دوسری ضروریات اگر پوری نہ ہوں تو انسان انہی کے اندر ہی گھل گھل کر مر جاتا ہے اور جب یہ چیزیں ہوں تو ظاہری اسباب کے اعتبار سے اطمینان ہوگا تو انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن اگر یہ چیزیں انسان کے قلب میں داخل ہوگئیں تو یہ ذرائع جو تھے یہ مقاصد بن جائیں گے تو انسان کی زندگی کا رخ ہی بدل جائے گا، پہلے تو ان کو آپ نے ذریعہ بنانا تھا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پھر اپنی ساری زندگی کو جس وقت آپ نے ان کی خدمت میں لگا دیا تو ساری زندگی ان کے پیچھے برباد ہوگئی اور حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔

جیسے ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

خوردن برائے زیستن وذکر کردن ست

تو معتقد که زیستن ازبهر خوردن ست

کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کا سلسلہ اس لئے بنایا ہے تاکہ تم زندہ رہو اور اللہ کو یاد کرو اور ہم نے اعتقاد ایسا بنالیا کہ شاید زندگی ہی کھانے پینے کے لئے ملی ہے، تو زندگی کا رخ بدل گیا حالانکہ کھانا پینا تو اس لئے تھا تاکہ زندگی باقی رہے اور اللہ کو یاد کریں اور ہمارا رخ یہ ہے کہ جیسے ہم پیدا ہی کھانے پینے کے لئے ہوئے ہیں، جب دیکھو رات دن، صبح شام یہی کھانے اور کمانے کے چکر ہیں تو زندگی بے مقصد ہو کر رہ گئی، کیونکہ کھانا یہ مقصود نہیں ہے جو ہم نے مقصد سمجھ لیا ہے، اور اسی طرح یہ اشیاء ہیں ان کو وسیلہ کے طور پر تو استعمال کر سکتے ہو لیکن اگر ان کو اپنے دل میں داخل کر لیا تو پھر زندگی کا رخ بدل جاتا ہے پھر انسان اپنی ساری صلاحیتیں انہی چیزوں کے پیچھے خرچ کر دیتا ہے، تو جو اللہ کی طرف سے ملے گا وہ بہتر ہوگا اور ملے گا ان لوگوں کو جو تقویٰ اختیار کریں گے، اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

متقین کی صفات:

"الذین یقولون ربنا" یہ "الذین اتقوا" سے بدل ہے اور یہاں متقین کے احوال بیان کئے ہیں کہ متقین وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ایمان لے آئے، ہم نے تیرے احکام کو مان لیا ہے، اب ماننے کے بعد عملی زندگی کے اندر ہم سے بہت کوتاہیاں ہوں گی "فاغفر لنا ذنوبنا" ہمارے ان ذنوب کو تو معاف کر دے اور یہ جذبہ استغفار اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا احساس کرنے کے بعد اپنی طاعت وعبادت کا جب ان کے ساتھ موازنہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم تو اللہ کی نعمتیں زیادہ استعمال کرتے ہیں، اور اس کے مطابق ہم عبادت نہیں کر سکتے، پھر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور استغفار کریں کہ ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

"الصابرین" یہ بھی متقین کی ہی صفت ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور صبر کا مفہوم یہ ہے کہ جو مستقل مزاج ہیں، ثابت قدم ہیں، مصیبت میں بھی نہیں گھبراتے، اور اسی طرح معصیت کی طرف اگر توجہ ہوتی ہے تو وہاں بھی اپنے نفس کو روک رکھتے ہیں، طاعت سے اگر طبیعت ہٹتی ہے تو بھی اس کے اوپر اپنی طبیعت کو جماتے ہیں، تو یہ صبر کی تینوں نوعیں ہیں کہ مصیبت میں صبر کرنا، معصیت سے صبر کرنا، طاعت پر صبر کرنا، مستقل مزاج ہونے کا معنی یہی ہے کہ طاعت پر جمے رہیے چاہے طبیعت کو ناگوار گزرے، معصیت سے بچے رہیے چاہے طبیعت نہ چاہے، مصیبت کے وقت میں اپنے آپ کو سنبھالیے شکوہ شکایت نہ کیجئے، یہ سارے کا سارا صبر کا مفہوم ہے۔

"صادقین" جو اپنے قول وعمل کے سچے ہیں، جو زبان سے کہتے ہیں کردار وعمل بھی ویسا ہی ہے۔

"قانتین" جو اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے ہیں، اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

"منفقین" جو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں، مال کی محبت میں اس طرح جتلا نہیں کہ جمع کرنے کی ہی فکر ہو بلکہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود پھر صبح کے وقت میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتے ہیں، اپنی کوتاہیاں پھر بھی پیش نظر ہیں، اور استغفار کے لیے جو اسحار کا وقت ذکر کر دیا یہ وقت قبولیت کا گویا کہ سب سے اچھا وقت ہے، اسحار یہ سحر کی جمع ہے اور یہ رات کے آخری چھٹے حصے کو کہتے ہیں، مدارج میں لقمان حکیم کا یہی قول نقل کیا گیا ہے کہ "یابنی لا یکن الدیك اکیس منك ینادی بالاسحار وانت نائم" بیٹا خیال کرنا کہیں مرغا تجھ سے زیادہ ہوشیار ثابت نہ ہو جائے، وہ تو صبح کے وقت اٹھ کے آوازیں دیتا ہے اور تو سویا رہ جائے یہ مناسب نہیں ہے، تو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو خاص طور پر اس وقت کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کو خود آواز دیتے ہیں کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کی حاجت پوری کر دوں، اس طرح کہتے رہتے ہیں حتی کہ طلوع فجر ہو جاتی ہے (ترمذی ص ۵۹)، تو جب اللہ تبارک وتعالیٰ خود بلائیں اور خود دعوت دیں بندوں کو استغفار کی، دعا کرنے کی اس سے اچھا وقت قبولیت کا اور کون سا ہو سکتا ہے، طبعی طور پر بھی یہ وقت دل جمی کا ہوتا ہے کہ صبح کے وقت نہ زیادہ بھوک نہ انسان کا پیٹ زیادہ بھرا ہوا، نہ کسی قسم کی کوئی دوسری مشغولیت ہوتی ہے، ساری مخلوق ساکن صامت ہوتی ہے، سکون اطمینان کا وقت ہوتا ہے،

کسی طرف سے طبیعت میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہوتی، ایسے وقت میں جب انسان اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے، تو متقین کے لئے خاص طور پر اس بات کو ذکر کر دیا گیا "والمستغفرین بالاسحار" جو رات کے آخری حصوں میں استغفار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے والے ہیں۔
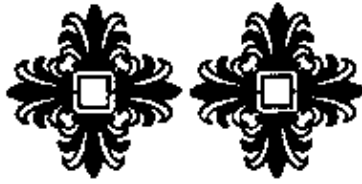
شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

اللہ نے گواہی دی بے شک شان یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی اور فرشتوں نے گواہی دی اور علم والوں نے گواہی دی اس حال میں کہ اللہ قائم رکھنے والا ہے

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ

انصاف کو، کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زبردست ہے حکمت والا ہے، ﴿۱۸﴾ بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک

الْاِسْلَامُ ۛ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ

اسلام ہے، اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیے گئے مگر بعد اس کے کہ آ گیا

هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

ان کے پاس علم، اختلاف کیا آپس میں ضد کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے پس بے شک اللہ جلدی

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ

حساب لینے والے ہیں ﴿۱۹﴾ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ کہہ دیجئے میں نے سپرد کر دیا اپنے چہرے کو اللہ کے لئے اور اس شخص نے جس نے

اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ

میری اتباع کی، اور آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جو کتاب دیے گئے اور کہہ دیجئے امیوں کو کیا تم اپنے آپ کو سپرد کرتے ہو اگر

اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

وہ بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیں تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے، اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیری تو سوائے اس کے نہیں تیرے ذمہ تو پہنچا دینا ہے، اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے

بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

اپنے بندوں کو ﴿۲۰﴾ بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کی آیات کا اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

ناحق، اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے، بشارت دے دو انہیں

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دردناک عذاب کی ﴿۲۱﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور آخرت میں، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ﴿۲۲﴾

تفسیر:

عقیدہ توحید پر مختلف دلائل:

اس سورۃ کی ابتداء مسئلہ توحید کے ساتھ کی گئی تھی جیسا کہ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ اس کے شان نزول میں اس وقت کے عیسائیوں کی گفتگو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ مذکور ہے اور ان کے ساتھ چونکہ خصوصیت کے ساتھ گفتگو توحید پر ہی ہوئی تھی اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے تو اس کو باطل کیا گیا تھا مختلف پہلوؤں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورۃ میں توحید کو نمایاں کیا ہے اور یہاں سے پھر اس عقیدہ توحید کو دوسرے انداز سے واضح کیا گیا ہے کہ اللہ گواہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اس بات پر اللہ کی شہادت ہے، اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مختلف پہلو ہیں، شہادت آفاقی دنیا کا نظام جو چل رہا ہے، زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے، ہواؤں کا نظم، اس میں اگر غور کیا جائے تو یہ سارے کا سارا نظام اس بات کے اوپر گواہ ہے کہ اس کے بنانے والا کوئی موجود ہے، یہ خود بخود موجود نہیں، اس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل بنتے ہیں، اور پھر یہ کسی ایک ہی صاحب حکمت کی کارفرمائی ہے، جس کے اندر متعدد ہاتھوں کا تصرف نہیں، اگر متعدد ہاتھ اس کے اندر متصرف ہوتے تو یہ نظام قائم نہ رہ سکتا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس انداز کے ساتھ بھی توحید کو ثابت فرمایا ہے، اس کو آفاقی دلیل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور توحید پر قائم فرمائی ہے۔

دوسری دلیل نفسی ہے کہ انسان اگر اپنے اندر غور کرے "وفی انفسکم افلاتبصرون" تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل خود تمہارے اندر بھی موجود ہیں اگر تم سوچو تو تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل تمہارے اندر سے بھی سمجھ میں آجائے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں کس قسم کی حکمت رکھی ہے خاص طور پر اگر آپ دل اور دماغ کا مطالعہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو کیا بنایا ہے اور اس میں کتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت نمایاں ہے کہ کیسے کیسے اس میں متضاد جذبات ہیں، وہی ایک ہی دل ہے جس میں غصہ بھی ہے اور محبت بھی ہے، اس میں نفرت بھی ہے اور شوق بھی ہے، اور انسان کا دماغ کیا کمال لئے ہوئے ہے، اور اس طرح باقی اعضاء، اس مشین پر اگر آپ غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نمایاں ہے اور اس کی وحدانیت بھی انسان کو سمجھ میں آجاتی ہے، تو اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد آیات میں خود انسان کو اس کی اپنی خلقت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اور تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت وحی کے ذریعہ سے بھی ہوئی کہ اللہ نے جتنی وحی اتاری حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات ﷺ تک اس سب کے اندر اس مضمون کو واضح کیا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے

ساتھ کوئی کسی قسم کا شریک نہیں مختلف آیات کے اندر اس کو بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جو بھی نبی آیا جو بھی رسول آیا اس کی طرف یہی وحی کی گئی "الله لااله الاھو" اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شہادت کے یہ مختلف پہلو ہیں، آفاقی دلائل بھی قائم کئے، نفسی دلائل بھی قائم کئے، اور اس طرح وحی کے اندر بھی اس شہادت کو قائم کیا کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، یہ مسئلہ توحید اتنا اہم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اتنا واضح کیا ہے۔

توحید پر فرشتوں اور اہل علم کی گواہی:

اور اللہ کے فرشتے بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، اللہ کے فرشتے اپنی تسبیحات میں اپنے اذکار میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں ان کے اذکار کے اندر بھی "سبحان الله والحمد لله ولااله الاالله" شامل ہیں اپنی زبان سے بھی وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور اپنے عمل کے ساتھ بھی وہ صرف ایک ذات کے مطیع اور فرمانبردار ہیں کسی اور ذات کے نہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، ملائکہ کو خاص طور پر ذکر کر دیا اگرچہ ان کی تسبیح ہم سنتے نہیں ہیں، اور ان کی شہادت ہم اپنے کانوں سے سن نہیں سکتے لیکن اللہ نے اپنی کتاب کے اندر ان کی شہادت کو ذکر کر کے ان لوگوں کے عقیدہ کے اوپر رد کیا جو ملائکہ کو اس کارخانہ ہستی کے اندر اللہ کا شریک بناتے ہیں، اور ان کو معبود بنا کر ان کو پوجتے ہیں اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں، ان کے سامنے اس بات کو نمایاں کر دیا کہ جن کو تم اپنا کارساز سمجھتے ہو وہ سارے کے سارے خود بھی اپنی زبان کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا تعلق اسی ایک ہی ذات کے ساتھ ہے، تو جو اپنی زبان سے بھی دعویٰ کریں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں، الٰہ کا لفظ کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا اور خود بھی وہ مطیع اور فرمانبردار اسی ذات کے ہیں تو کوئی انہی کو ہی اللہ کا شریک کرے اور اس کارخانہ ہستی کے اندر ان کو حصہ دار بنائے تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

"اولوا العلم" علم والوں نے اس بات کی گواہی دی یعنی جن لوگوں کے پاس علم ہے وہ سارے کے سارے لوگ بھی یہی شہادت دیتے ہیں اور اس علم کے حاملین اول نمبر پر انبیاء علیہم السلام ہیں سب نبیوں نے اپنی زبان کے ساتھ یہی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور دوسرے نمبر پر انبیاء علیہم السلام کے متبعین میں سے مصلحین مجددین، اولیاء، علماء جو انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علوم حاصل کرتے ہیں اور ان کو اپناتے ہیں اور ان کے علم کی سند صحیح ہے، وہ سارے اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے انسانوں نے انسانوں کو جو معبود بنایا ان کے اندر اولیت انہی کو حاصل ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو پوجا، جو اپنے زمانہ میں کوئی بزرگی لئے

ہوئے تھے ان کو پوجا، مشائخ کو، علماء کو، درویشوں کو، حالانکہ اگر ان کے پاس علم صحیح تھا تو وہ سارے کے سارے اس بات پر گواہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، تو جس طرح فرشتے اپنی زبان سے گواہی دیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کی خدائی میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں اور دنیا انہی کو ہی خدا بنالے اور اللہ کی الوہیت میں شریک کر لے یہ حماقت ہے، اسی طرح صحیح علم رکھنے والے بھی اپنی زبان کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور اپنے عمل کے ساتھ بھی گواہی دیتے ہیں کہ اطاعت اور فرمانبرداری صرف اسی کی کرنی ہے اور لوگ انہی کو ہی اللہ کی الوہیت میں شریک کرلیں تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوسکتی ہے۔

اس ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات بھی آگئی، اور حضرت عزیر علیہ السلام اور احبار ورہبان کی بھی آگئی کہ ان کے پاس صحیح علم ہے تو وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا کوئی مطلب نہیں، اور اس سے علم کا درجہ بھی نمایاں ہوگیا کہ اہل علم کی شہادت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت کے ساتھ ذکر کیا ہے گویا کہ جو صحیح علم کے حامل ہوتے ہیں ان کا درجہ فرشتوں کی طرح ہے اس سے اس علم کی فضیلت بھی نمایاں ہے۔

قانون عدل:

"قائما بالقسط "اور اللہ نے جو وحدانیت کی گواہی دی وہ اس حال میں کہ وہ قائم رکھنے والا ہے انصاف کو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جو ساری کائنات میں انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے، اس انصاف کو قائم رکھنے کی صفت ذکر کرنے کے ساتھ وہ عیسائیوں کی شفاعت کا عقیدہ، کفارہ کا عقیدہ جو بالکل انصاف کے خلاف ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، گناہ کوئی کرے اور سزا کسی اور کو ہو جائے یہ انصاف کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے اندر انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے، عدل اور اعتدال کو قائم رکھے ہوئے ہے، تکوینی طور پر بھی اور تشریعی طور پر بھی، ساری کائنات کے نظم کو دیکھیں کہ اگر یہ نکتہ اعتدال سے ہل جائے تو یہ قائم نہیں رہ سکتی، سورج کی حرکت اسی نکتہ اعتدال پہ ہے، چاند کی حرکت بھی ایک نکتہ اعتدال پہ ہے، اور جتنے بھی تصرفات دنیا کے اندر چلتے ہیں وہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے قائم کیے ہوئے عدل وانصاف اور اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں، اگر ان کا عدل ختم ہو جائے اور جو اللہ تعالیٰ نے قانون عدل ان کو دیا ہوا ہے اگر یہ خود چھوڑ بیٹھیں تو ایک لمحہ کے لئے کائنات ٹھیک نہیں رہ سکتی، سارے کا سارا نظام بگڑ جائے گا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے نظریات میں، عقائد میں، عمل میں اپنی تعلیم کے ساتھ لوگوں کو نکتہ اعتدال بتایا ہے کہ عقائد کے بارے میں نکتہ اعتدال یہ ہے، عمل کے بارے میں نکتہ اعتدال یہ ہے، افراط وتفریط اس نظم کو خراب کر دینے

والی بات ہے،اور اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جزا اور سزا کے اندر بھی ایک انصاف اور میزان قائم کی ہے اور قاعدہ کی رو سے وہ عدل وانصاف کرے گا اور لوگوں کو جزا اور سزا دے گا،احکام کے اندر بھی قانون عدل ہے، جزا اور سزا کے اندر بھی قانون عدل ہے،اس لئے جھوٹے عقیدے جن میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل میں نقص پڑتا نظر آتا ہے وہ سب عقیدے غلط ہیں،اور یہ کفارہ کا عقیدہ بالکل عدل کے خلاف ہے کہ گناہ کرے کوئی اور سزا کسی کو دے دی جائے ، یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا نہیں ہے،تو یہاں "قائماً بالقسط "خصوصیت کے ساتھ اس صفت کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

تو تشریعات میں بھی اللہ تعالیٰ آپ سے عدل ہی چاہتا ہے اور تکوینیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں عدل واعتدال کو قائم رکھا ہوا ہے،قوموں کی تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ قوموں سے مطالبہ یہی ہے کہ اس عدل واعتدال کے ساتھ رہیں لیکن اگر قومیں اس نکتہ کو چھوڑ دیتی ہیں اور بے اعتدالی اختیار کر لیتی ہیں تو ان کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات آتی ہیں لیکن اگر وہ باز نہیں آتیں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی بے اعتدالی اور بد نظمی کو برداشت نہیں کرتا،انسان کو چونکہ اس نے مختار بنایا اس لئے عدل کا قانون تو ان کو دیا ہے اور اس کے اوپر چلنے کا مطالبہ کیا ہے اگر چلتے رہیں تو ٹھیک اگر نہیں چلتے تو بار بار ان کو تنبیہ کی جاتی ہے سمجھایا جاتا ہے کہ سیدھے راستہ پر آجاؤ،عدل وانصاف کو اختیار کر لو،لیکن اگر وہ عدل وانصاف کے راستہ پر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ تو "قائماً بالقسط "ہے،اس نے تو عدل وانصاف کو قائم رکھنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے،اگر اپنے ارادے کے ساتھ سیدھے رہیں گے تو رضا حاصل کر کے ثواب پالیں گے اور اگر وہ سیدھے نہیں رہتے تو اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ تنبیہات کے ذریعہ سے سیدھا کرتا ہے،رسولوں کے ذریعہ سے سمجھاتا ہے، مصلحین کے ذریعہ سے تفہیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہیں مانتے تو پھر اس کے عدل کے قائم کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو پھر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔

"لاالٰه الا هو" کوئی معبود نہیں اس کے علاوہ،وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے یعنی ہر قسم کی قدرت اس کو حاصل ہے اس لئے وہ انصاف کو قائم رکھ سکتا ہے اور حکیم ہے حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ انصاف کو قائم رکھے۔

اسلام کی تعریف اور اس کا مصداق:

"ان الدین عندالله الاسلام "مقبول دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے،اسلام یہ اسلم سے ہے اور اسلم کا معنی اپنے آپ کو سپرد کر دینا،کامل اور مکمل طور پر اطاعت قبول کر لینے کو اسلام کہتے ہیں،ابتداء سے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے،جو نبی آیا وہ اسلام کا ہی مدعی ہے اور اسلام کی ہی اس نے تعلیم دی ہے حاصل اس کا یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آجائے اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دے اس لئے ہر نبی کا دین اپنے وقت کے اندر اسلام کا مصداق تھا، کیونکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بیان فرمائے اس کو قبول کرلو، آدم علیہ السلام ہوگئے، نوح علیہ السلام ہوگئے، دعوت یہی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردو جو حکم آجائے پس اس کو قبول کرلو، اس لئے جو نبی بھی آیا اور اس نے جو دین پیش کیا جنہوں نے اس دین کو قبول کرلیا گویا کہ وہ مسلم ہوگئے، آخر آخر میں یہ بات آکر ٹھہر گئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اب اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی طور طریقے کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا دین نہیں آیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے وہی مسلم کا صحیح مصداق ہیں، اور یہی اسلام کے حامل ہیں، اب اس کے مقابلہ میں بعض خصوصیات قائم کر کے ضد اختیار کرلی کہ اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ علیہ السلام پر دین اتارا تھا ہم تو اسی کو مانیں گے اور دوسرے کو ہم نہیں مانتے، تو اب یہ اسلام نہ رہا یہ یہودیت بن گئی، جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں اس پر ضد اختیار کرلی گئی تو اسلام والا معنی اس سے ختم ہوگیا، اب وہ یہودیت ہے۔

اسی طرح اگر عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر کوئی اڑ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارا پیغمبر تھا جو وہ لایا ہم تو وہی قبول کریں گے کتنی ہی صحیح سند کے ساتھ کوئی دوسرا حکم آجائے ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو اب اس سے اسلام والا معنی ختم ہوگیا اب اس میں نصرانیت آگئی یہ تعصب اور ضد ہے، جس کی وجہ سے لوگوں نے اپنے آپ کو ایک ایک فرقہ پر پکا کرلیا، اور یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم آرہا ہے اور کیا نہیں آرہا، اب یہودیت اسلام کا مصداق نہیں، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہی اسلام کا مصداق تھی، اب نصرانیت اسلام کا مصداق نہیں ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہی اسلام کا مصداق تھی، لیکن جب اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ ختم ہوگیا اور گروہ بندی آگئی، تعصب آگیا اور اس پر انسان پختہ ہوگیا، اب ان نظریات سے اسلام کا معنی ختم ہوگیا، لہٰذا اب یہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں رہے اب یہ مردود ہوگئے اور جو بھی اس دین کو لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے گا وہ کوئی کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں پائے گا، کیونکہ اب اس میں ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں رہا، تو اسلام سے مراد ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قانون آئے اسی کو ماننا اور اب نتیجتاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی فرمانبرداری کا تقاضہ یہی ہے کہ اسی کو قبول کیا جائے اب اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے طریقہ کو اپنایا نہیں جاسکتا، اب اسلام کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کا لایا ہوا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول یہی ہے۔

مسلمانوں کا طرز عمل اور اہل کتاب کی ضد:

"وما اختلف الذین اوتوا الکتاب" اختلاف نہیں کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیے گئے مگر علم آجانے کے بعد،

ہر چیز کی واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا اور اختلاف کیا آپس میں ضد کی بنا پر، یہودی بضد ہیں اپنے مسلک پر عیسائیت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، ہر قسم کی خبر و علم حاصل ہو جانے کے بعد جب انہوں نے آپس میں اپنی دنیوی جاہ وجلال کی خاطر، دنیوی عزت کی خاطر، اپنے مال و دولت کی خاطر یہ تعصب اختیار کر لیا تب یہ اختلافات برپا ہوئے اور لوگ اسلام سے پھر کر دوسرے فرقوں کی طرف متوجہ ہو گئے، یہ ضد ہے جس کی بناء پر انسان اپنے مسلک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح دلیل بھی آچکی ہے، اور جو کوئی انکار کرے گا اللہ کی آیات کا پس بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

"فان حاجوك" اب یہ نصرانی اور یہودی اگر آپ کے ساتھ حجت بازی کریں، جھگڑنے کی کوشش کریں تو آپ انہیں صاف کہہ دیجئے کہ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم آجائے ہم تو اس کو مان لیتے ہیں اور جنہوں نے میری اتباع کی انہوں نے بھی اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تو یوں سمجھو کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا، ہمارے اردو کے محاورے میں چہرہ کا لفظ نہیں آتا، ہمارے محاورہ میں عام طور پر سر کا لفظ بولا جاتا ہے کہ فلاں کے حکم کے سامنے میں نے سر جھکا دیا تو سر جھکا دینا جس طرح قبول کرنے اور اطاعت اختیار کرنے سے کنایہ ہوتا ہے اسی طرح عربی لغت میں وجہ کا لفظ کسی کے حکم کو قبول کرنے اور اپنے آپ کو اس کا مطیع بنانے سے کنایہ ہوتا ہے، ہمارے محاورے کے مطابق بات اس طرح ہوگی کہ میں نے بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور میرے متبعین نے بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، ہم تو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں سر نہیں اٹھاتے تم سرکشی کرتے ہو تو کرتے رہو۔

اے اہل کتاب اور مشرکین! کیا تم مانتے ہو یا نہیں؟:

"وقل للذين اوتوا الكتاب" آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جو کتاب دیے گئے اس کا مصداق بھی یہود و نصاریٰ ہیں۔

"والاميين" اس کا مصداق مشرکین مکہ ہیں عربی لوگ جن کے ہاں تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، یہ لقب ہے بنی اسماعیل کا یعنی توراۃ وانجیل کے اندر بھی اگر بنو اسماعیل کا لقب آیا ہے تو امیین کے لفظ کے ساتھ ہی آیا ہے، کیونکہ اہل کتاب کے مقابلہ میں ان کو امی قرار دیا جاتا تھا، اور وہ بھی اپنے لئے بسا اوقات یہی لفظ استعمال کیا کرتے تھے اور اس میں وہ اپنے لئے کوئی تحقیر نہیں سمجھتے تھے جیسے سرور کائنات ﷺ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمایا "نحن امة امية لانكتب ولانحسب" ہم تو امی قسم کے لوگ ہیں نہ ہم لکھنا جانتے ہیں نہ ہم حساب جانتے ہیں، "الشهر هكذا هكذا هكذا" ایک مرتبہ تو ہاتھ کے اشارے سے اس طرح فرمایا اور اپنے ہاتھوں کی ساری انگلیاں کھولیں کہ اس کے تیس دن ہوتے ہیں، اور کبھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "هكذا هكذا هكذا" اب تیسری مرتبہ ایک انگلی بند کر لی یعنی کبھی مہینہ تیس دن کا

ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اس طرح انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا، تو آپ نے "نحن امة امية" جو فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ لقب کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس میں کوئی تحقیر کا پہلو نہیں ہے، اور یہ لفظ جاہل اور ان پڑھ کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن بنو اسماعیل کے لئے بطور لقب کے تھا۔

اور سرور کائنات ﷺ کے لئے بھی امی کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے آپ ﷺ کے لئے اس لفظ میں اعزاز ہے کہ آپ نے جس قسم کے علوم و معارف ظاہر کیے یہ کسی مدرسہ میں پڑھنے کا نتیجہ نہیں آپ تو امی تھے، آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، کسی مدرسہ کے اندر داخل نہیں ہوئے اور علوم و معارف ایسے ظاہر کیے کہ بڑے بڑے عقلمند عاجز آ گئے تو اس لئے آپ ﷺ کا امی ہونا آپ کے لئے شرف ہے۔

"ء اسلمتم" ان سے پوچھیے کہ کیا تم بھی اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرتے ہو یا نہیں؟ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ کیا تم بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہو؟ اگر یہ تیار ہو جائیں کہ ٹھیک ہے ہم بھی اللہ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں تو ٹھیک ہے پھر یہ ہدایت یافتہ ہو گئے پھر جھگڑا ہی ختم ہو گیا، یعنی جھگڑا اس بات پر ہے کہ ہم نے تو اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، تم جھکاتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ کہہ دیں کہ ہم اللہ کے سامنے نہیں جھکتے تو پھر ان کا راستہ اور ہے تمہارا راستہ اور ہے، پھر آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں، پھر ان کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے جھگڑا ہے آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا، اور اگر یہ بھی تیار ہو جائیں کہ ہم بھی اللہ کے حکم کو مانتے ہیں اور اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہیں، تو پھر اختلاف ختم اور آپس میں اتفاق ہو گیا جیسے تم ہدایت یافتہ اسی طرح یہ بھی ہدایت یافتہ ہیں، ان سے فیصلہ یوں کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے یہ جھکتے ہیں یا نہیں جھکتے اگر جھک جائیں تو ہدایت یافتہ ہیں اور اگر پیٹھ پھیر کر چلے جائیں تو پھر آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں "فانما علیك البلاغ والله بصير بالعباد" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے ہر کسی کا حال اس کے سامنے ہے۔

کفار کا انجام:

"ان الذين كفروا بآيات الله" بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیات کا اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، نبیوں کو ناحق قتل کرنا یہ یہودیوں کا کام تھا انہوں نے کئی نبی قتل کئے اور یہاں ان کی مذمت بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیٹھ پھیریں اللہ کے حکموں کو نہ مانیں تو آپ کے لئے یہ چیز باعث تعجب نہیں ہونی چاہیے یہ تو انبیاء علیہم السلام کے قاتلوں کی اولاد ہیں جنہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کیا، اور نبیوں کو قتل کرتے رہے، اور جو بھی ان کے سامنے عدل و انصاف کا حکم لے کر آیا اس کے سامنے سرکشی کرتے رہے، تو ایسے لوگوں سے اگر اس قسم کا رویہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تو آپ کے لئے یہ بات باعث تعجب نہیں ہونی چاہیئے، وہ خاندانی طور پر ان صفات کے

حامل ہیں، ان کو صرف یہی سنا دو کہ اگر تم نے اس راستہ پر چلنا ہے اور جو اللہ کے احکام لے کر آئے تم نے اس کے مقابلہ میں سرکشی کرنی ہے تو تمہارے لئے دردناک عذاب ہے اور دنیا و آخرت میں تم ذلیل ہو کر رہو گے اور تمہارا کوئی انجام نہیں ہے یہی لوگ ہیں جن کے اعمال برباد ہو گئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، آخرت میں برباد ہونا تو ظاہر ہے کہ ان کی کاروائیاں جو ان کے خیال کے مطابق اچھی ہیں جن کو یہ نیک خیال کرتے ہیں، ان کے اوپر آخرت میں کسی قسم کا ثواب مرتب نہیں ہوگا اور دنیا کے اندر بھی ان کی اس نیکی کی کوئی قیمت نہ رہی اور ایسے ہی دین اسلام کو مٹانے کے لئے یہ جتنی کاروائیاں کرتے ہیں سب بے اثر ہو جائیں گی یہ ذلیل ہو کے رہیں گے، تو دنیا و آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور نہیں ہے ان کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار کہ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے گی تو کوئی شخص ان کو بچا نہیں سکے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتٰبِ اللّٰهِ

کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جو دیے گئے کتاب سے ایک حصہ بلائے جاتے ہیں وہ اللہ کی کتاب کی طرف

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ

تاکہ یہ اللہ کی کتاب ان کے درمیان فیصلہ کردے پھر بھی پیٹھ پھیرتا ہے ان میں سے ایک فریق اور وہ ہیں ہی اعراض کرنے والے ﴿٢٣﴾ اور یہ

بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ

اس سبب سے ہے کہ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر چند گنتی کے دن اور ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ

ان باتوں نے جو یہ تراشتے ہیں ﴿٢٤﴾ پھر کیا حال ہوگا ان کا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں،

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

اور پورا دیا جائے گا ہر نفس جو اس نے کیا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿٢٥﴾ آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے مالک

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۖ

سلطنت کے تو دیتا ہے سلطنت جس کو چاہتا ہے تو چھین لیتا ہے سلطنت جس سے چاہتا ہے،

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

اور تو عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ

چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے ﴿٢٦﴾ داخل کرتا ہے تو رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن کو رات میں،

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ

اور تو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور تو نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے، اور تو رزق دیتا ہے جس کو

تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ

چاہتا ہے بے شمار ﴿٢٧﴾ مؤمن نہ بنائیں کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ

مؤمنوں کو چھوڑ کر، اور جو ایسا کرے گا تو یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی دوستی سے

شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ

کسی درجہ میں مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ اختیار کرو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے،

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اور اسی کی طرف ہی لوٹنا ہے ﴿٢٨﴾ آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ ان چیزوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا تم اس کو ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي

اللہ اسے جانتا ہے، اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو جو آسمان میں اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿٢٩﴾ جس دن پائے گا ہر نفس اپنے اچھے کیے ہوئے عمل کو

مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا

حاضر اور اپنے برے کیے ہوئے عمل کو حاضر تو وہ نفس چاہے گا کہ کاش کہ اس نفس کے درمیان اور اس دن کے درمیان مدت ہوتی

بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع قُلْ

لمبی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے ﴿٣٠﴾ آپ کہہ دیجئے

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ

اگر تم محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿٣١﴾ آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر انہوں نے اعراض کیا تو

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

پھر اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا ﴿٣٢﴾

تفسیر:

آخرت کی عدالت کو دنیا کی عدالت پر قیاس نہ کرو:

شروع سورۃ سے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ ابتدائی آیات زیادہ تر حضور ﷺ کا جو عیسائیوں کے ساتھ مکالمہ ہوا تھا اسی کے مضمون پر مشتمل ہیں، ابنیت مسیح کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اللہ تعالیٰ کی توحید کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین کا تذکرہ آیا تھا، ان سب مضامین کی وضاحت پچھلی آیات میں آپ کے سامنے کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اگر یہ لوگ اعراض کریں تو کہہ دو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور پھر ان کی خاندانی مذمت کی گئی تھی کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے رہے ہیں، اور قسط اور انصاف کا حکم دینے والے انسانوں کو برداشت نہیں کرتے یہ آپ پر ایمان کس طرح لائیں گے، آپ ان سے اچھی توقعات وابستہ نہ کریں اگر یہ نہ مانیں تو یہ ان کی خاندانی صفات ہیں اور انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو، دنیا و آخرت میں اب ان کے حصے میں خسارہ ہے، ان کی کاروائیاں نہ آخرت میں رنگ لائیں گی اور نہ دنیا کے اندر یہ کسی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

اسی مضمون کے متعلق اگلی آیت ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں خود اپنے آپ کو حامل کتاب قرار دیتے ہیں اور واقعی ان کے لئے تورات وانجیل کی کچھ بچی کچھی آیات ہیں جن کے یہ حامل ہیں اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا یہ فیصلہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ اعراض کر جاتے ہیں پھر یہ اللہ کی بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور یہ جو اتنے ڈھیٹ ہوگئے ہیں کہ موقع پر منہ پھیر لیتے ہیں، اعراض اختیار کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بات کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے، تو ان کی اس سرکشی کے اندر ان کے برے عقیدوں اور غلط نظریات کا دخل ہے کہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں "نحن ابناء الله واحباؤه" ہم اللہ کے لئے بیٹوں کی طرح ہیں اور اس کے محبوب ہیں اس لئے اول تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں، آخرت میں ہمارے بڑے ہم کو چھڑالیں گے، بڑوں کی طرف جو ہماری نسبت ہے وہ کام آجائے گی اس لئے اول تو جہنم میں جائیں گے ہی نہیں نجات پہلے ہی ہو جائے گی، اگر بالفرض چلے بھی گئے تو تھوڑی بہت سزا ہوگی سزا پا کر ہم چھوٹ جائیں گے، تو جب انہوں نے اپنے خیال کے مطابق آخرت کی نجات کو اپنے لئے رجسٹری کرایا ہوا ہے تو پھر ان کو کیا ضرورت ہے کسی دین کی پابندی کرنے کی اور کیا ضرورت ہے یہ سوچنے کی کہ ہمارے اوپر کیا ذمہ داریاں آتی ہیں اور کیا نہیں آتیں، یہ غلط نظریہ اور غلط عقیدہ انسان کو بدعملی کی طرف لے جاتا ہے، عمل پر برانگیختہ کرنے والی چیز تو یہی ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، اپنے عملوں کا میں نے حساب دینا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو کوئی چھڑانے والا نہیں، جب یہ بات ذہن کے اندر بیٹھی

ہوئی ہوگی تو پھر انسان پھونک پھونک کے قدم رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے کی کوشش کرے گا اور نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

آج بھی اگر کسی عدالت کے اندر آپ کی پیشی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ عدالت میں انصاف ہوگا اور اگر میرا قصور ثابت ہوگیا تو پکڑا جاؤں گا، گرفتار ہو جاؤں گا، اور پھر وہاں نہ رشوت کام آئے گی اور نہ کوئی سفارشی کام آئے گا، تو یقیناً آپ عدالت کے قانون کا احترام کریں گے اور کوشش کریں گے کہ ہمارے اوپر کوئی فرد جرم عائد نہ ہو، لیکن اگر آپ کو یہ سہارا ملا ہوا ہے کہ حاکم وقت رشوت لے کے چھوڑ دیتا ہے یا کسی بڑے آدمی کی سفارش کا سہارا ملا ہوا ہے، تو آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایسا شخص پھر قوانین کا احترام نہیں کیا کرتا پھر وہ آزادانہ زندگی گزارتا ہے، ظلم کرے گا، قتل کرے گا، لوگوں کو نقصان پہنچائے گا صرف اس وجہ سے کہ اس کے اوپر قانون کی حکمرانی نہیں ہے، وہ اپنے اوپر قانون کی گرفت نہیں ہونے دے گا، اور انہوں نے بھی ایسے ہی عقیدے گھڑ لئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی عدالت بھی ایسی ہی ہے کہ ہم چونکہ بڑوں کی اولاد ہیں اور بڑوں نے ہمارے لیے بہت کچھ کر رکھا ہے، جب ہم جائیں گے تو اس نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کہے گا جاؤ، جنت تو تمہارے لئے ہی ہے، "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ" (جنت میں تو صرف یہودی یا نصرانی ہی جائیں گے) اور اگر کسی وجہ سے گرفت میں آ بھی گئے یا تو ہمارا بڑا کوئی سفارش کر دے گا یا کوئی اور بات ہوگی کہ جائیں گے اور برائے نام سی سزا ہوگی اور نکل آئیں گے یہ جو انہوں نے اپنے دین کے اندر غلط عقیدے گھڑ لئے ہیں اس نے ان کو دین کے معاملہ میں دھوکہ میں ڈال دیا ہے، یہ دین کی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے ان کی آزادانہ روش ان کے انہی نظریات کا نتیجہ ہے، یہی بات اس آیت میں کہی گئی ہے کہ "ذٰلک بانھم" کہ یہ ان کا منہ پھیرنا اور ان کا اعراض اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی مگر چند گنتی کے دن اور "ماکانوا یفترون" کے تحت بھی اسی قسم کے عقیدے اور نظریے ہیں جن کو سورۃ البقرۃ کے اندر "تلک امانیھم" سے تعبیر کیا گیا تھا کہ یہ ان کی بنائی ہوئی خواہشات ہیں، ان کے دل کے اندر پکائے ہوئے خیالات ہیں، یہ وقت پر ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے جو باتیں انہوں نے گھڑ لی ہیں ان کی جب پیشی ہوگی تو جو کیا ہوا ہوگا پورا پورا بھگتنا پڑے گا، وہاں نہ نسبتیں کام آئیں گی نہ سفارشیں کام آئیں گی، اس وقت کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جواب بھول بھلیوں میں اپنا وقت گزار رہے ہیں، جو اس قسم کے خیالی پلاؤ پکا پکا کے خوش ہو رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا جس وقت ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے ایسے دن میں جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقینی طور پر وہ دن آنے والا ہے، ہر نفس کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دے دیا جائے گا اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، یہاں تک ان کے نظریات کی تردید کر کے ان کے ذہن پر یہ فکر ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کو دنیا کی عدالتوں کی

طرح نہ سمجھو وہاں جانا بھی ضروری ہے بچ نہیں سکتے اور پھر جس وقت حساب وکتاب ہوگا تو اللہ تعالیٰ قسط اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور ہر نفس کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے یہ نظریات اس وقت " ھباءً منثوراً " ہو جائیں گے، اور تمہارے کوئی کام نہیں آئیں گے اس لئے بے فکری کو چھوڑ دو اور کچھ اپنے دماغ کے اندر اس بات کا فکر لے آؤ۔

فتوحات کی پیش گوئی اور آیات کا شان نزول:

سردر کائنات ﷺ کے آنے تک ہر قسم کی دینی، علمی ریاست ان کو حاصل تھی اور اب ان کے زوال کا وقت آ گیا تھا، اب بنی اسرائیل کو چھوڑا جارہا تھا، گرایا جارہا تھا، اور وہ اس دنیا کے اندر اپنی اس خاندانی عزت وشرافت سے محروم ہورہے تھے اور بنی اسماعیل کو ابھارا جارہا تھا، اب یہ قوم ابھر رہی تھی، علم بھی ان کی طرف آرہا تھا، دینی ریاست بھی ان کی طرف آرہی تھی، اور ظاہری حکومت بھی ان کی طرف آرہی تھی، اب آگے دعا کے پیرائے میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کو بعید نہ سمجھو کہ ایک قوم کو گرا دیا جائے اور دوسری قوم کو ابھار دیا جائے، ایک قوم کو ملی ہوئی عزت چھین لی جائے اور دوسری قوم کو عزت دے دی جائے، اور ایک فاقہ مست قوم کو بادشاہ بنا دیا جائے، اور خزانے والوں کو گداگر بنا دیا جائے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے اس لئے چلنے والی ہوا کا رخ پہچانو، آنے والے حالات کا کچھ اندازہ کرو اب یہ عزت تم سے چھن رہی ہے اور کسی دوسری قوم کو مل رہی ہے، اب ذلت تمہارا مقدر ہو چکی ہے، اگر تم باز نہیں آؤ گے تو پھر یہی دن تمہیں دیکھنے پڑیں گے، ہاں البتہ اس نبی کا دامن پکڑو تو جب ان کو عزت ملے گی تو ساتھ تم بھی باعزت بن جاؤ گے۔

یہ آنے والی آیت کا ماقبل کے ساتھ ربط ہو جائے گا، گویا کہ یہ اسی سلسلہ کی آیات ہیں جو یہود ونصاریٰ کو خطاب کیا جارہا ہے اور انتقال اقتدار اور انتقال ریاست کی نشاندہی اس دعا کے ضمن میں کر دی، ویسے ان آیات کے شان نزول میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت غزوہ خندق پیش آیا جس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں اس کی تفصیل سورۃ احزاب میں آئے گی، مشرکین اور عرب کے سارے کے سارے قبائل اکٹھے ہو کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو گئے تھے، اور سرور کائنات ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کھلے میدان میں نکل کر مشکل ہوگا، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے ساتھ مدینہ کے اردگرد ایک بہت بڑی خندق کھودی جارہی تھی تاکہ دشمن مدینہ منورہ میں نہ آسکے اس طرح دفاع ہو جائے گا بہت لمبی اور گہری خندق کھودی گئی جس وقت وہ خندق کھودی جارہی تھی اس وقت ایک چٹان سامنے آ گئی جو کسی طریقہ سے اکھڑتی نہیں تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرور کائنات ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ کدال لے کے خود نیچے اترے جس

وقت آپ ﷺ نے پورے زور کے ساتھ اس چٹان پر ضرب لگائی تو چٹان بھی ٹوٹی اور اس سے آگ کا ایک شعلہ نکلا، تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو اللہ نے مجھے اس کے اندر روم کے محلات دکھا دیے ہیں، اور پھر دوسری چوٹ ماری پھر ایک شعلہ نکلا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حیرہ اور فارس کے علاقہ کے محلات دکھا دیے ہیں، اور تیسری مرتبہ صنعاء اور یمن کے متعلق فرمایا کہ مجھے وہاں کے محلات نظر آئے ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری امت ان سب علاقوں پر قبضہ کرے گی، اور تین ضربوں کے ساتھ وہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوگئی اور کھدائی کا کام پھر جاری ہوگیا۔

تو منافقین جو مدینہ کے اندر محصور تھے جن کی ہمدردیاں کافروں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں، یہودیوں کے ساتھ تھیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے استہزاء کیا کہ عربی قبائل سے ڈر کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے والے کہ کہیں دشمن مدینہ پر نہ چڑھ آئے وہ فارس اور روم کی فتوحات کے خواب دیکھتے ہیں، جب انہوں نے اس طرح استہزاء کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دعا کے انداز میں یہ بشارت دی گئی کہ یہ کوئی مشکل نہیں ہے ٹھیک ہے کہ آج تمہیں یہ کمزور نظر آتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں کچھ مغلوب سے نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ ہے اصل مالک الملک وہ ہے اس لئے جس کو چاہے سلطنت دے دے اور جس کو چاہے دے کے چھین لے، اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور دعا کے انداز میں بشارت اس لئے ذکر کی گئی تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور انکساری کو اپنائیں اور ہاتھ پھیلا پھیلا کے اللہ سے مانگتے رہیں تاکہ ان کے اندر تکبر اور کوئی بڑائی نہ آئے، اور فتوحات کو اپنا استحقاق نہ سمجھنے لگ جائیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہاتھ پھیلائیں جس طرح کوئی محتاج ہاتھ پھیلایا کرتا ہے، چنانچہ اس دعا کے اندر جو کچھ کہا گیا تھا سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں اس کے آثار بالکل نمایاں ہوگئے، اور سارا عرب حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی زیر نگیں آگیا، اور باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روم وفارس کی طاقتیں بھی ٹوٹ گئیں جو بشارت حضور ﷺ نے دی تھی وہ ساری کی ساری لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آگئی تو شان نزول کے تحت بھی آیات کا مطلب یہی ہوا اور جس سلسلہ کے اندر یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس کے تحت بھی یہی پیشین گوئی کردی گئی کہ یہ باعزت قومیں ذلیل ہوں گی اور جن کو ذلیل سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو عزت دے گا، یہ بادشاہ قسم کے لوگ اب زوال میں آجائیں گے اور جو فقراء سمجھے جاتے ہیں اب اللہ تعالیٰ ان کو عزت سے نوازے گا، اس دعا کے اندر یہ پیش گوئی صاف لفظوں میں آگئی، اور اس کا مصداق چند سالوں کے اندر اندر ہی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

مجموعہ عالم کے اعتبار سے ہر واقعہ خیر ہے:

اس لئے فرمایا آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے سلطنت کے مالک! جس میں ذکر کردیا کہ سلطنت کا اصل مالک اللہ ہے تو جس کو چاہتا ہے سلطنت دے دیتا ہے یعنی سلطنت کسی کا ذاتی حق نہیں ہے اللہ کے دینے سے ملتی ہے جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے سلطنت کو چھین لیتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے ذلت دے دیتا ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا، ورنہ اللہ عزت اسی کے متعلق ہی چاہے گا جن کا کردار اچھا ہوگا، جن کے حالات اچھے ہوں گے، اور ذلت انہی کے متعلق ہی چاہے گا جو اپنے اصولوں کو چھوڑ بیٹھیں گے اور اللہ کے احکام سے روگردانی کریں گے، اللہ کی مشیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ مالک و مختار ہے اس کے فیصلہ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، بھلائی تیرے قبضہ میں ہی ہے، یہاں خیر کا لفظ بولا ساتھ شر کا لفظ نہیں بولا اگرچہ عزت کا ملنا خیر ہے اور بظاہر کسی قوم کو ذلت نصیب ہو جائے اس میں شر کا پہلو ہے اور اسی طرح ملک کا ملنا خیر ہے اور کسی شخص سے سلطنت کا چھن جانا اس کے حق میں یہ شر کا پہلو ہے۔

لیکن یہاں شر کو ذکر نہیں کیا گیا "بیدك الخیر" میں صرف خیر کو ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو حالات پیش آتے ہیں شخصی طور پر انفرادی طور پر کسی قوم کی سطح پر چاہے ان کے حق میں برے ہوں لیکن نظام عدل کے تحت دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے مجموعی طور پر وہ خیر ہی خیر ہے چاہے شخصی طور پر کسی کے لئے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو مجموعہ عالم کے اعتبار سے خیر ہے، جیسا کہ صاحب متنبی کہتا ہے کہ کسی قوم پر اگر مصیبت آتی ہے تو کسی دوسری قوم کا اس میں فائدہ بھی ہوتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس میں بالکل شر ہی شر ہو خیر کا کوئی پہلو بھی نہ ہو مجموعہ عالم کے اعتبار سے اس میں یقیناً خیر کا پہلو ہوتا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو وہی مقصود ہے اور نظام عالم کے اعتبار سے چونکہ اس میں خیر ہی خیر ہے اس لئے اللہ کے ہر فیصلہ کو ہم خیر سے تعبیر کریں گے، اللہ کے کسی فیصلہ کے اندر شر کا پہلو نہیں ہے۔

اس لئے یہاں صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مثال دیتے ہیں کہ یہ بال ان کو اگر بدن سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو کوئی حسن معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس سیاہ دانہ (آنکھ) کو اگر آپ علیحدہ کر کے دیکھیں گے تو یہ ایک قابل نفرت سی چیز ہے اور بالوں کے اندر بھی کوئی کسی قسم کا حسن نمایاں نہیں ہے لیکن جس وقت یہ مجموعہ جسد میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں تو یہ کتنی خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں اس طرح اگر واقعہ کو علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو ممکن ہے کہ اس میں آپ کو کوئی خیر کا پہلو نظر نہ آئے لیکن جس وقت اس کو نظام عالم کے اندر سیٹ کر کے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کے نظام میں اس کے خیر کا پہلو ہی غالب ہے اور اس نظام عالم کے اعتبار سے یہ بہت اہم واقعہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ بھی ہو وہ سارے کا سارا خیر کا پہلو ہی لئے ہوئے ہوتا ہے۔

کوئی چیز اللہ کی قدرت سے باہر نہیں:

"انك علىٰ كل شيء قدير" بے شک تو ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو " کل شيء " سے مراد یہاں یہی عزت ذلت، ملک کا لینا، ملک کا دینا ہے اور آج تو اس کی مثالیں اتنی عام ہیں کہ آپ کھلی آنکھوں ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ شاہ ایران کی کل کیا حیثیت تھی اور آج کیا حیثیت ہے؟ یعنی اب تو بادشاہوں کا انجام اس طرح سامنے آتا ہے کہ انسان پناہ مانگتا ہے کہ اللہ کسی کو بادشاہ نہ بنائے کہ یہ کل عزت کے کس مقام پر تھے اور آج ذلت کے کس مقام پر ہیں، بہر حال دنیا کے اندر اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عزت ذلت، ملک کا ملنا، ملک کا چھن جانا یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے تو کوئی قوم یہ ناز نہ کرے کہ اب یہ سلطنت ہمارے پاس ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا یا فلاں قوم کو ہم نے دبایا ہوا ہے، وہ کبھی ابھر نہیں سکتی یا عزت ہمارے لئے ہے اور ذلت دوسروں کا مقدر ہے ایسی بات نہیں ہے، عزت، ذلت اور ملک یہ سب دھوپ چھاؤں کی طرح آنے جانے والی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں عزت دے دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں ذلت کی طرف دھکیل دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں سلطنت عطا کر دیتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں چھین لیتے ہیں، لیکن چاہتے ہیں کسی قاعدے اور قانون کے مطابق جو اس نے اپنی حکمت کے تحت متعین کیا ہوا ہے، مشیت کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ کوئی دوسرا اللہ کے فیصلوں کے سامنے رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی چند مثالیں:

"تولج اليل في النهار " یہ زمانہ پر اللہ تعالیٰ کا تصرف کتنا نمایاں ہے، اور دن اور رات کا چکر چونکہ سورج اور چاند وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے تو گویا کہ چاند، سورج، ستارے یہ زمین و آسمان کی گردش یہ سب اللہ کے تصرف کے تحت ہے اس میں بھی اس کی قدرت کا احاطہ معلوم ہوتا ہے، وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں کہ کبھی دن آ گیا کبھی رات آ گئی، اور اسی طرح کبھی رات چھوٹی ہو گئی دن بڑا ہو گیا، اور کبھی دن چھوٹا ہو گیا رات بڑی ہو گئی "وتخرج الحي من الميت" یہ تصرف ہے جو عالم ارواح میں چلتا ہے کہ زندہ کو بے جان سے نکالتا ہے اصل بے جان اور اس میں سے جاندار چیز نکال دی جیسے پانی کی بوند سے انسان بنا دیا، انڈہ بے جان ہوتا ہے اس میں سے بچہ نکال دیا، اور اس طرح بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے، مرغی جاندار ہوتی ہے اور اس میں سے بے جان انڈہ نکال دیا، انسان جاندار ہے اور اس میں سے پانی کا قطرہ بے جان نکال دیا، یہ تو حسی طور پر ہیں اور اگر اس میت اور حی کو عام لے لیا جائے تو عالم اور جاہل بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں کہ عالم کی اولاد جاہل ہو جائے اور جاہل کی اولاد عالم ہو جائے اور اچھے آدمی

کے گھر برا پیدا کر دیا جائے، اور برے کے گھر اچھا پیدا کر دیا جائے، جیسے آذر کے گھر ابراہیم علیہ السلام آ گئے اور نوح علیہ السلام کے گھر کنعان پیدا ہو گیا۔

ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ باعزت قوم کی نسل ذلیل ہو گئی اور ذلیل قوم کی نسل عزت پا گئی، یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے تصرفات ہیں، تو "حی" اور "میت" کو اس طرح عام بھی رکھا جا سکتا ہے کہ بنی اسماعیل پہلے اس طرح تھے کہ جیسے بے جان ہوتے ہیں ان کا دنیا کے اندر کوئی اثر درسوخ بھی نہیں تھا اور علمی سطح کے اوپر بنی اسرائیل چمکتے تھے اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنو اسرائیل کو میت کی طرح کر دیا اور اس قوم کو زندہ کر دیا، یعنی جو قوم مردہ خیال کی جاتی تھی وہ زندہ ہو گئی، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد فلسطین اور شام کے علاقہ میں پھیلی تھی، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد حجاز اور عرب کے علاقہ میں پھیلی تھی گویا کہ انہوں نے ایک پودا لگایا تھا شام میں، اور ایک لگایا تھا عرب میں، اب وہ پودا اپنا وقت گزار کے خشک ہوتا جا رہا ہے اور یہ خشک زمین میں جو لگا تھا اب اس کے پھلنے پھولنے کا وقت آ گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کے تصرف ہوتے رہتے ہیں۔

"وترزق من تشاء بغیر حساب" اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے، یہاں بھی رزق عام ہے چاہے اس سے روحانی رزق مراد لیا جائے چاہے جسمانی رزق مراد لیا جائے جس کو اللہ چاہتا ہے بے شمار دیتا ہے، یہ گویا کہ ان کے زوال کی طرف اشارہ ہو گیا اور اس قوم کے باعزت ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

منافقین کو تنبیہ:

"لایتخذ المؤمنون" یہ بات خاص طور پر منافقین کی تنبیہ کے لئے ہے جو ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کی دلی ہمدردیاں اور ان کا تعلق یہود اور کفار کے ساتھ تھا اور یہ دوغلہ پن ان کے اندر اس احتمال کے تحت تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آ گئے ہیں اور انہوں نے شور برپا کر دیا آج تو یہ کچھ ہیں لیکن ارد گرد قوتیں اتنی بکھری ہوئی ہیں کفر اور یہودیت کی کہ ایک نہ ایک دن یہ اسلام کا نام لینے والے مٹ جائیں گے، اور دوبارہ اقتدار انہی کے ہاتھ ہی آنا ہے اور آج ہم اگر ان مسلمانوں کے ساتھ وفادار رہیں اور ان سے بالکل دوستیاں توڑ دیں تو مصیبت آئے گی، اس لئے ظاہری طور پر تعلقات تو ان کے ساتھ بنائے ہوئے تھے اور دلی طور پر اُن کے ساتھ تھے اور اُن کے ساتھ ہمدردیاں ظاہر کرتے رہتے تھے اس خیال سے کہ اگر کل کو وہ غالب آ گئے تو کم از کم ہم کہہ تو سکیں گے کہ ہماری دوستیاں تمہارے ساتھ ہیں۔

اس قسم کے لوگ ہمیشہ ہوا کرتے ہیں جو دل اور دماغ کے اعتبار سے مخلص نہیں، جیسے آج اس حکومت کے ساتھ ظاہری طور پر تعاون کئے ہوئے ہیں لیکن اندر اندر ان کی دوستیاں روس کے ساتھ ہیں، اس احتمال سے کہ روس غالب آنے

والا ہے اور جب وہ آجائے گا تو ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اور ظاہری طور پر ان کے ساتھ بنائے رکھیں گے، ہر زمانہ میں ہر قوم کے اندر اس قسم کے افراد ہوا کرتے ہیں جن کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے، ظاہری طور پر ایک کے ساتھ وفاداری کا دم بھرلیا اور باطنی طور پر دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب تک ہو سکے ان سے فائدہ اٹھائیں اور جب دوسروں کا دور آجائے گا تو ان سے فائدہ اٹھائیں گے تو منافق اسی خیال کے تحت کہ آخر انہی قوتوں نے غالب آنا ہے جو ارد گرد اتنی کثرت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں یہ نحیف اور کمزور مسلمان تھوڑے عرصہ کے لئے شور مچا رہے ہیں، اور یہ ختم ہو جائیں گے یہ آگے کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تو ان کی ہمدردیاں یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں اب یہاں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب تم سمجھو کہ وہ گھر اجڑ گئے ہیں، اب ان کے گھروں کے دروازوں پر دربانی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، یہ عمارت اب بوسیدہ ہو گئی ہے، اور گرے گی اور جو اس کی دیواروں کے سائے کے نیچے آرام کرنا چاہتے ہیں وہ بھی دب جائیں گے اس لئے تمہاری بھلائی اب اسی میں ہے کہ ان سے تعلق ختم کر دو، اپنے دلوں کا ان سے تعلق توڑ لو اور مسلمانوں کے حق میں مخلص ہو جاؤ، آنے والے وقت کے اعتبار سے تمہارے لئے یہی مفید ہے، اور اگر ان کے ساتھ تمہاری دلی دوستیاں رہیں پھر تم خدا کی محبت کے دعوے بھی کرو تو اس محبت کا کوئی مقام نہیں ہے، اس میں ذکر کر دیا گیا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کافر کے ساتھ دلی دوستی لگائے، اس کی پوری وفاداریاں مسلمانوں کے ساتھ ہونی چاہئیں، اور کافروں کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو یہ ٹھیک نہیں ہے۔

دوستی اور خیر خواہی کی مختلف اقسام اور ان کا حکم:

"لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء" مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں مؤمنوں کو چھوڑ کر یعنی دلی محبت کافروں کے ساتھ رکھنی نہیں ہے، دلی محبت اگر لگائی جا سکتی ہے تو مسلمانوں کے ساتھ لگائی جا سکتی ہے، دلی محبت کے اعتبار سے تو مسئلہ بالکل صاف ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے، البتہ دیکھئے ایک ہوتی ہے موالات، ایک ہے مواسات، اور ایک ہے مدارات، اور ایک لفظ ہے مداہنت، ان لفظوں کے مفہوم میں کچھ تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔

موالات کہتے ہیں دل سے کسی کو دوست بنا لینا اور اس سے محبت رکھنا اور اس کو اپنا حمایتی اور کارساز سمجھنا۔

مواسات کا مطلب ہوتا ہے کہ دکھ اور تکلیف کے وقت کسی سے خیر خواہی سے پیش آ گئے، رواداری کر لی، مدد کر دی، بھوکا آیا کھانا کھلا دیا، ننگا آیا کپڑا دے دیا، اس قسم کے جو احسانات کئے جاتے ہیں وہ مواسات کہلاتے ہیں۔

مدارات کا معنی ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آ گئے۔

مداہنت کا معنی ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں نرمی دکھانا کہ اپنے دنیوی مفاد کے حصول کے لئے حق کو چھپانا، مداہنت بہر حال حرام ہے چاہے مسلمان کے ساتھ ہو چاہے کافر کے ساتھ ہو۔

موالات (دلی دوستی لگانا) یہ کافروں کے ساتھ ممنوع ہے اور اسی کے حکم میں فاسق اور بدعتی ہے کہ دلی طور پر ان سے محبت نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ محبت دوسرے کی عظمت کو چاہتی ہے، محبت دوسرے کے ساتھ مناسبت کو چاہتی ہے اور مسلمان کی کافر کے ساتھ مناسبت اور مسلمان کے دل کے اندر کافر فاسق اور بدعتی کی عظمت نہیں ہونی چاہئے، یہ تو قلب کا گناہ ہے اگر کوئی شخص کافر، فاسق اور بدعتی کے ساتھ اس قسم کی محبت لگاتا ہے تو یہ اس کے قلب کا گناہ ہے۔

البتہ مواسات کافر کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے، لیکن حربی کے ساتھ اچھا برتاؤ ٹھیک نہیں ہے، باقی کافروں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔

اور مدارات کا معنی ہوتا ہے کہ خوش اخلاقی سے پیش آگئے، ظاہری طور پر نرمی دکھادی، مسکرا کے بات کرلی، یہ بھی کافر کے ساتھ کی جاسکتی ہے، بدعتی کے ساتھ کی جاسکتی ہے، فاسق کے ساتھ کی جاسکتی ہے، مہمان آجائے تو اس کے ساتھ بھی اکرام کا معاملہ کرنا چاہیئے چاہے وہ فاسق اور بدعتی ہی کیوں نہ ہو اور اگر دینی فائدہ مدنظر ہو تو پھر تو بہت ہی اچھی بات ہے، ہاں البتہ مدارات کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کسی کی طرف سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور نقصان ایسا ہے جو آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے تو چاہے دل نہ چاہے پھر بھی اگر اس کے ساتھ دوستی کا اظہار کردیا جائے، خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے تو اس کی بھی اجازت ہے جیسے "الا ان تتقوا منھم تقٰۃ" میں ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے حاکم وقت آگیا اب ہے تو وہ فاسق اب اگر اس کو ہم سلام نہیں کہتے اس سے مسکرا کے بات نہیں کرتے تو کل کو یہ ہمیں نقصان پہنچادے گا، اس قسم کے ظاہری نقصان کے اندیشہ سے بھی اگر ظاہری خوش اخلاقی اپنالی جائے تو اس کی بھی اسلام میں اجازت ہے۔

اور مداہنت بالکل جائز نہیں ہے کہ اگر انسان یہ سمجھے کہ میں نے حق ظاہر کیا تو مجھے فائدہ نہیں پہنچے گا، نقصان سے بچنا اور چیز ہے فائدہ حاصل کرنا اور چیز ہے، فائدہ حاصل کرنے کے لئے حق کو چھپانا اس کو مداہنت کہتے ہیں کہ اگر میں نے حق کی بات ظاہر کردی تو میرا فلاں مفاد جو اس سے متعلق ہے وہ مجھے حاصل نہیں ہوگا اس کو مداہنت کہتے ہیں، یہ ہیں مختلف الفاظ اور ان کے یہی مختصر سے احکام ہیں، مختلف آیات میں ان کا ذکر آئے گا، پھر وہاں ان کی تفصیل عرض کرتے جائیں گے۔

یہاں یہ ہے کہ مؤمن نہ بنائیں کافروں کو دوست مؤمنوں کو چھوڑ کر، جو ایسا کرے گا یعنی اس کی دلی محبت کافروں کے ساتھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے تعلق میں وہ کسی درجہ میں نہیں ہے، یعنی اللہ کی محبت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں،

ہاں البتہ اگر کسی نقصان سے بچنے کے لئے ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو تو اس کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اللہ کی عظمت کو اپنے ذہن میں لاؤ، اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کرو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور آپ کہہ دیجئے اگر تم اپنے دلوں میں چھپاؤ کسی چیز کو یا ظاہر کرو اللہ جانتا ہے، یعنی اگر چہ دلوں کے جذبات کا دوسرے انسان کو پتہ نہ چلے لیکن اللہ سے مخفی نہیں، اس لئے اگر تمہارے دلوں کے اندر کافروں کے متعلق ہمدردی چھپی ہوئی ہوگی یا کافروں کی محبت چھپی ہوئی ہوگی وہ اللہ کے سامنے ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

"یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرا وماعملت من سوء "جس دن پائے گا ہر نفس اپنے اچھے برے کیے کو حاضر اور پھر چاہے گا کہ میرے درمیان اور اس دن کے درمیان امد بعید ہوتی، بہت دراز مدت ہوتی کہ مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے، اس لئے آنے والے برے انجام سے ڈرارہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت کا تقاضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کا طریقہ:

"قل ان کنتم تحبون اللہ الخ" اب دوسری طرف اعلان ہوگیا کہ کافروں سے تو محبت کرنی نہیں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے مدعی ہو تو اس محبت کا معیار بھی یہی ہے کہ اس رسول کی اتباع کرو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے، آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو یعنی اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ ہے تو اس کا معیار یہ ہے کہ میری اتباع کرو، اور جس وقت تم میری اتباع کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا محبت کا دعویٰ بھی درست ہوگا، اور تمہیں یہ نعمت بھی نصیب ہوگی کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ محبت کرنے لگ جائے گا، اور تم اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے۔

اصل میں یہاں بھی وہی نفسیاتی بات ہے کہ ذکر تو کیا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اور آگے کہا جارہا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب بھی کسی سے محبت کرے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ دوسرا بھی میرے ساتھ محبت کرے، اور جس وقت انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ مجھے تو محبت ہے اور وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تو سارے شکوے شکایت اسی پر ہی مبنی ہوتے ہیں، تو جو محب ہوتا ہے اس کا نفسیاتی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کی نظر میں محبّ کے ساتھ ساتھ محبوب بھی ہو، اور کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھے فلاں کے ساتھ محبت ہے اور اسے بھی میرے ساتھ محبت ہے تو یہ دو طرفی محبت لطف پیدا کرتی ہے، اور انسان کو قلبی سکون نصیب ہوتا ہے، ورنہ اگر یہ خیال ہو کہ مجھے تو اس سے محبت ہے اور اسے مجھ سے محبت نہیں ہے یہ باب محبت میں ایک مستقل پریشانی کا باعث ہے۔

تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ یہی بتاتے ہیں کہ اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو یہ طریقہ اپناؤ تو تم میرے محبوب بھی بن جاؤ گے، اور جب اللہ کے محب بھی ٹھہرے اور محبوب بھی ٹھہرے تو پھر اور کیا چاہیئے؟ لیکن اس کا طریقہ میری اتباع ہے اگر میری اتباع کرو گے تو پھر اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ بھی صحیح ہوگا، اور پھر تم اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے، اور اس اتباع کے نتیجہ میں تمہاری غلطیاں بھی معاف ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اطاعت رسول سے منہ موڑنے کا نتیجہ:

”قل اطیعوا اللہ والرسول “اور آپ کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا، پھر ان کے پیٹھ پھیرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ اللہ کے محب بھی نہیں بنیں گے، پھر یہ کافر ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتا، پھر ان کا یہ دعویٰ کہ ہم اللہ کے محب ہیں بے کار ہوگا، تو یہاں اعراض حقیقت کے اعتبار سے اعراض اطاعت عن الرسول مقصود ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم وملزوم ہیں کہ اگر کوئی اللہ کی اطاعت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے، تو یہ اگر رسول کی اطاعت نہیں کریں گے پیٹھ پھیریں گے تو ایسی صورت میں یہ مؤمن نہیں کافر ہیں، پھر اگر یہ اللہ کی محبت کا دعویٰ بھی کریں تو قابل قبول نہیں، پھر اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں رکھتا تو کفرین کا لفظ استعمال کرنے سے معلوم ہو گیا کہ اطاعت رسول سے منہ موڑنا کفر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

بے شک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہانوں پر ﴿۳۳﴾

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

یہ اولاد ہے بعض بعض کی، اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا عمران کی بیوی نے

رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

اے میرے رب! بے شک میں نے نذر مانی تیرے لئے اس چیز کی جو میرے پیٹ میں ہے وہ آزاد کیا ہوا ہے پس تو میری طرف سے قبول کر لے بے شک تو سننے والا ہے

الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ جس وقت اس عمران کی بیوی نے مافی بطن کو جنا تو کہنے لگی اے میرے رب میں نے جنا ہے اس کو لڑکی اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

اس چیز کو جو اس نے جنی، اور نہیں ہے لڑکا لڑکی کی طرح، اور بے شک میں نے اس لڑکی کا نام رکھا ہے مریم

وَاِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا

اور بے شک میں اس لڑکی کو پناہ میں دیتی ہوں تیری اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے ﴿۳۶﴾ پس قبول کر لیا اس لڑکی کو

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕۚ

اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کرنا اور پرورش کی اس کی اچھی طرح سے پرورش کرنا اور ذمہ دار ٹھہرا دیا اس لڑکی کا زکریا کو،

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ

جب کبھی داخل ہوتے زکریا اس لڑکی پر محراب (حجرہ) میں، تو پاتے اس کے پاس رزق، تو کہتے

يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ

اے مریم یہ کہاں سے آیا ہے تیرے لئے؟، مریم کہتیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ

جس کو چاہتا ہے بے حساب ﴿۳۷﴾ اسی موقع پر پکارا زکریا نے اپنے رب کو، کہا زکریا نے اے میرے رب

هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ

عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد ، بے شک تو دعا سننے والا ہے ﴿۳۸﴾ پس آواز دی اس زکریا کو

الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

فرشتوں نے اس حال میں زکریا کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں ، کہ بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا

یحییٰ کی کہ وہ تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کی جانب سے ایک کلمہ کی اور سردار ہوگا اور اپنے آپ کو بہت روک کے رکھنے والا ہوگا اور نبی ہوگا

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

عمدہ بہترین اور شائستہ لوگوں میں سے ہوگا ﴿۳۹﴾ زکریا نے کہا اے میرے پروردگار! کیونکر ہوگا میرے لئے بیٹا تحقیق مجھے پہنچ چکا

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ

بڑھاپا اور میری بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے ہی کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے ﴿۴۰﴾ زکریا نے کہا

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۗ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی متعین کر دے اللہ تعالیٰ نے کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو نہیں کلام کر سکے گا لوگوں سے تین دن تک

اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

مگر اشارہ سے ، اور یاد کر تو اپنے رب کو بہت زیادہ اور تسبیح بیان کر اس کی شام کو اور صبح کو ﴿۴۱﴾

تفسیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب:

"ان اللہ اصطفیٰ آدم" اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہے جہاں سے نسل آدم کی ابتداء ہوئی اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد مرکزی شخصیت ہوئیں بلکہ اکثر روایات تفسیر کے مطابق یہ آدم ثانی ہیں کہ جب سیلاب آیا تھا تو سارے کے سارے انسان اس طوفان نوح میں غرق ہو گئے تھے صرف نوح علیہ السلام کے تین بیٹے بچے تھے جن کی اولاد اس دنیا میں پھیلی تو موجودہ سارے کے سارے انسان جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی نسل ہیں اسی طرح ثانوی درجہ میں نوح علیہ السلام کی اولاد بھی ہیں، اور نوح علیہ السلام کے بعد مرکزی

شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نامور شخصیت ہیں جن کے اوپر بنی آدم نے اتفاق کیا ہے، اور آئندہ جتنی نبوت آئی وہ ساری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں آئی، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر اصل تذکرہ آل ابراہیم کا مقصود ہے کہ آل ابراہیم ہی آگے نبوت کے حامل بنے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں اللہ نے نبوت ٹھہرائی ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کی نبوت معروف ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں دو شاخیں ہوئیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے آل عمران کو ممتاز کیا۔

اور اس عمران سے اگر موسیٰ علیہ السلام کے والد مراد ہوں تو پھر آل عمران کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں آجائیں گے، یہ بنی اسرائیل میں معروف شخصیتیں گزری ہیں، اور اگر اس عمران سے مریم علیہا السلام کے والد مراد ہوں تو پھر ان کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا کہ آگے اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ حل کرنا مقصود ہے کہ وہ پیدا کس طرح ہوئے؟ اور ان کے پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کس طرح نمایاں ہوئی؟ اور وہ اللہ کے بندے ہیں یا خدا ہیں؟ یا ابن خدا ہیں؟ اس مسئلہ کو چونکہ واضح کرنا ہے تو خصوصیت سے آل عمران کا ذکر کر دیا، اور اس آل عمران میں پھر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے، ویسے برگزیدہ ہونے میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر بھی ہوگا، ان کے ذکر کرنے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نسل آدم سے تعلق رکھتے ہیں، اور یہ ان کا سلسلہ نسب ہے جس کی موٹی موٹی شخصیات بیان کر دی ہیں تو جیسے باقی انسان ہیں اور بعض بعض انسانوں کو خاص وقت پر اللہ تعالیٰ نے ممتاز کیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ممتاز کیا وہ مصطفیٰ تو ہیں، چنے ہوئے تو ہیں لیکن وہ الٰہ اور ابن الٰہ نہیں ہیں وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔

یہ اجمالی طور پر سارے سلسلہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہے سنہری لڑی جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی چلی آرہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی لڑی کے فرد ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ دنیا میں ظاہر ہونے کے اعتبار سے ان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کچھ عجیب طریقہ سے نمایاں ہوئی، لیکن بہرحال وہ آدمیوں کی فہرست سے باہر نہیں ہیں، آدم علیہ السلام کی نسل ہیں، نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں، آل ابراہیم علیہ السلام میں سے ہیں، آل عمران میں سے ہیں، یہی ان کا شجرہ نسب ہے اور اسی خاندان سے وہ تعلق رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگیا کہ وہ ایک انسان ہیں، آدم زاد ہیں اور ان کے اندر الوہیت اور ابن الوہیت والی کوئی صفت نہیں ہے یہاں گویا کہ ان کے سلسلہ نسب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کی منت:

"اذقالت امرء ۃ عمران" اس عمران سے متعین طور پر حضرت مریم علیہا السلام کے والد مراد ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور امرء ۃ عمران یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہوئی حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ، جب یہ حاملہ

ہوئیں تو انہوں نے اپنے اس زمانہ کے مذہب کے مطابق منت مانی کہ میرے بطن میں جو بچہ ہے میں اس کو اللہ کے لئے آزاد کردوں گی، اس زمانہ میں اس قسم کی نذر مانی جاتی تھی، اللہ کے لئے آزاد کردوں گی کا مطلب یہ ہے کہ صرف مذہب کے لئے ہوگا، دین کی خدمت کرے گا، بیت المقدس کا مجاور ہوگا، میں اس سے اپنی خدمت نہیں لوں گی، گھر کا کام کاج نہیں کراؤں گی، اس بچہ کو ہیکل یعنی عبادت خانہ کی خدمت کے لئے چھوڑ دوں گی تو اس کو میری طرف سے قبول کرلے تو گویا کہ اس آیت کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی ولادت کا ذکر کیا جارہا ہے کہ ان کی والدہ کے کیسے جذبات تھے کہ ابتداء سے ہی اس کو عبادت اور خانہ خدا کے لئے وقف کررہی ہیں۔

تو مریم علیہا السلام کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ الوہیت میں شریک ہیں اور یہاں جو ان کی ولادت کا تذکرہ آگیا کہ وہ تو پیدا ہی ایسے جذبات کے تحت ہوئی کہ ان کی والدہ نے پہلے ہی نذر مان لی تھی کہ وہ اللہ کی عبادت کرے گا، اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرے گا، وہ تو اللہ کی حکمت تھی کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے رواج کے خلاف مریم علیہا السلام کو بھی بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کرلیا، تو بنیاد ہی سارے خاندان کی عبدیت پر ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے نیازمندی پر ہے، اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت پر ہے، "فتقبل منی" پس تو اس کو قبول کرلے، بے شک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے، ان کا خیال تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کو دین کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ان کی والدہ کی دعا:

"فلما وضعتها قالت ربی انی وضعتها انثیٰ" اور جب اس نے اس حمل کو جنا تو وہ لڑکی تھی، تو لڑکی کو دیکھ کے ان کے اندر احساس کمتری ابھرا کہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کو دین کی خدمت کے لئے چھوڑ دوں گی، کہنے لگی اے اللہ! میں نے تو اس کو لڑکی جن دیا، یہ تعجب کے اظہار کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی اطلاع نہیں دی جارہی کہ (نعوذ باللہ) اللہ کو پتہ نہیں، جیسے ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا ہوگیا، میں تو یوں سمجھا تھا یہ ایسے ہوگیا، یہ ایک قسم کے تعجب کا اظہار ہے۔

اور آگے جملہ معترضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ " واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثیٰ " اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا اس لڑکی کی شان کو جو اس نے جنی ہے، اور جو لڑکا مطلوب تھا وہ اس لڑکی کی طرح نہیں ہے، یعنی اس لڑکی کی شان لڑکوں سے بھی ممتاز ہوگی، جب یہ ذکر کیا جائے " لیس الذکر کالانثیٰ " تو جو کاف کا مجرور ہوتا ہے اس کو فضیلت دینا مقصود ہوتا ہے یعنی لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے بلکہ لڑکی افضل ہے، یہ ہم نے جو لڑکی دی ہے اس لڑکی کی شان اس لڑکے کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہوگی جو اس کے بطن سے پیدا ہوتا۔

"وانی سمیتھا مریم" یہ امرءۃ عمران کا قول ہے کہ میں نے اس کا نام مریم علیہا السلام رکھا ہے اور مریم کا لفظ سریانی زبان میں عابدہ کے معنی میں ہے، یعنی نام بھی ایسا رکھا جس سے اس کی عبدیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عبادت گزار ہے، "وانی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطان الرجیم" میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو وہ جب کبھی بھی ہوگی تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان رجیم سے کہ شیطان رجیم کے اثرات سے ان کو بچا کے رکھنا، جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے متعلق مختلف قسم کی دعا کیا کرتے ہیں تو یہ بھی اسی طرح مریم کی والدہ نے دعا کی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بچہ بھی ماں کے بطن سے پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چوکا لگاتا ہے اور اس چوکے کا اثر ہے کہ بچہ دنیا میں آکر سب سے پہلے چیختا ہے، جب بچہ باہر آتا ہے تو اس کا سب سے پہلا کام رونا ہوتا ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچہ کی چیخ اس وقت نکلتی ہے جب شیطان اس کو چوکا لگاتا ہے، کیونکہ اب وہ دنیا میں آگیا شیطان نے اس کے ساتھ ربط قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے، "غیر مریم وابنھا" صرف مریم علیہا السلام اور مریم علیہا السلام کا بیٹا اس سے بچا ہے (مشکوٰۃ ص ۱۸) تو ممکن ہے کہ انہوں نے متصل ہی اولاد کے لئے دعا کی ہو اور ان کو شیطان نے ابھی تک نہیں چھیڑا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ تو بہت بعد میں پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی شیطان نے ان کو چوکا نہیں لگایا، یہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا قبول ہوئی کہ شیطان کا جو ابتدائی اثر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس سے بھی محفوظ رکھا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی قبولیت اور ان کی کفالت:

"فتقبلھا ربھا بقبول حسن وانبتھا نباتا حسنا" قبول کیا اس لڑکی کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا اور اس کی اچھی طرح سے پرورش کی، اس کو بڑھایا، نشو ونما کی اچھی طرح سے نشو ونما کرنا صحت وعافیت کے ساتھ بہت اچھی صلاحیتوں کے ساتھ اس لڑکی نے نشو ونما پائی، "وکفلھا زکریا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لڑکی کو اس کی والدہ بیت المقدس میں لے کر گئی اور وہ دور تھا حضرت زکریا علیہ السلام کا یعنی ان میں اس وقت بڑے یہی تھے، جا کے اس لڑکی کو پیش کیا کہ میں نے یہ اللہ کے لئے نذر مانی تھی آپ اس کو لے لیجئے، اب میں تو اس کو اپنے گھر نہیں رکھتی، اگرچہ رواج یہ تھا کہ لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول نہیں کیا جاتا تھا لیکن اس وقت کے جو اہل حق موجود تھے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے انہوں نے اس کو قبول کر لیا، تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی قبولیت ان کا خاصہ تھی ورنہ اس سے پہلے کوئی لڑکی بیت المقدس کے لئے نہیں لی گئی تو "تقبلھا بقبول حسن" کے تحت وہ لڑکی قبول ہوگئی اور انہوں نے وصول کر لی۔

اور جو مجاور وہاں بیٹھے تھے اب ان کے اندر آپس میں جھگڑا ہو گیا کہ اس بچی کو کون اپنے پاس رکھے گا اور اس کی تربیت کون کرے گا؟ جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آگئی آگے آپ کے سامنے آئے گا "اذیلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم" اپنی قلمیں ڈال رہے تھے تاکہ معلوم کر لیں کہ مریم علیہا السلام کا کفیل کون بنے گا؟ یہ قلموں کا ڈالنا قرعہ اندازی کے طور پر تھا کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ مریم کو سنبھال لے گا، تفصیل روایات کے اندر ہے کہ انہوں نے قرعہ اندازی کی یہ صورت تجویز کی کہ بہتے ہوئے پانی کے اندر قلمیں ڈال دیں اور کہا جس کی قلم مخالف سمت چلی جائے گی وہ مریم علیہا السلام کا کفیل بنے گا، تو جب اس بہتے پانی کے اندر قلمیں ڈالی گئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم مخالف سمت چل پڑی (معالم التنزیل) یہی گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مریم علیہا السلام کا کفیل بنایا کہ ان کی قلم مخالف جانب بہہ گئی، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے یہ تفصیل روایات کے اندر مذکور ہے۔

قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اپنی قلمیں ڈالیں تاکہ یہ دیکھیں کہ مریم کا کفیل کون بنتا ہے؟ یہ قرعہ اندازی کی ایک صورت تھی تو یہ بھی قبولیت کی ایک صورت تھی، اس وقت کے سب سے بڑے شخص کو جو نبی تھا اور ان کی اصطلاح کے مطابق کاہن اعظم تھا، حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی تربیت میں دے دیا، اگلے الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے کوئی حجرہ مخصوص کر کے اس حجرہ میں ان کو ٹھہرا دیا، حضرت مریم علیہا السلام وہیں رہتی تھیں وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگی رہتی تھیں کہ ان کا مشغلہ یہی تھا، کسی اور کام میں ان کو لگانا ہی نہیں تھا، اس زمانہ کے رواج کے مطابق وہیں عبادت کرتیں، اللہ اللہ کرتیں، حضرت زکریا علیہ السلام ان کے کفیل تھے اور جب باہر جاتے تو جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا جاتے اور پھر دوسرے وقت میں آتے تو آکر حضرت مریم علیہا السلام کا حال احوال پوچھتے، اسی وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کرامات ظاہر ہونا شروع ہو گئیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام جس وقت آتے تو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسے پھل پڑے ہوئے دیکھتے کہ ان کا موسم بھی نہیں ہوتا تھا اور کسی کے آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ باہر سے تالا لگا ہوتا تھا، جب آتے تو نئی نئی چیزیں ان کے پاس دیکھتے۔

معجزہ اور کرامت کی تعریف:

یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی اور کرامت کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ نیک آدمی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا برتاؤ ایسا ہو جائے جو عام عادت کے مطابق نہیں ہے اس لئے ایسے واقعات کو خرق عادت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت کچھ اور ہے اور اس عادت کو چھوڑ کر ایک نیا واقعہ پیش آگیا اس کو خرق

عادت کہتے ہیں، اگر نبی کے ہاتھ پر اس قسم کا واقعہ پیش آئے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں، اور اگر وہ نبی نہیں ہے لیکن کسی نبی کا متبع ہے شریعت کا پابند ہے، نیک ہے، صالح ہے، اس کے ساتھ اگر اس قسم کا واقعہ پیش آ جائے تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے، کرامت ہو یا معجزہ دونوں کی حقیقت ایک ہے کہ یہ فعل خداوندی ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر، اس لئے اس کرامت میں ولی کی قدرت وفعل کا دخل نہیں ہوتا، اور اسی طرح معجزہ میں نبی کا اختیار دخیل نہیں ہوتا، براہ راست یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے، دونوں کی حقیقت ایک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ معجزات اور کرامات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے اختیار کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتے کہ جب چاہیں معجزہ دکھا دیں، جب چاہیں کرامت دکھا دیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز دی جاتی ہے جو لوگوں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، تو معجزہ اور کرامت نبی اور ولی کے اختیار کی بات نہیں، قرآن کریم کی بیسیوں آیات کے اندر یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ لوگ نبی سے معجزہ کا مطالبہ کرتے تھے لیکن نبی یہ جواب دیتا ہے کہ میں اس قسم کے اختیار نہیں رکھتا، اللہ چاہے گا تو کوئی معجزہ دکھا دے گا، یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، ہر نبی کی طرف سے یہی جواب ہوتا تھا، تو کرامت کی بھی یہی حقیقت ہے، اس لئے کرامت کے واقعات یا معجزات کے واقعات یہ ولی کی قدرت یا نبی کے اختیار کی دلیل نہیں۔

اور جو چیز عقلاً ممکن ہو اور شرعاً اس میں کسی قسم کا امتناع نہ ہو ایسا واقعہ معجزہ یا کرامت کے ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے، اور جو چیز معجزہ کے طور پر واقع ہو سکتی ہے وہی چیز کرامت کے طور پر بھی واقع ہو سکتی ہے، ہاں جس چیز میں عقلی امتناع ہے وہ چیز نہ معجزہ کے طور پر واقع ہو سکتی ہے نہ کرامت کے طور پر واقع ہو سکتی ہے، اور اسی طرح جس چیز میں شرعی امتناع آ جائے کہ شرعاً یہ چیز ممکن نہیں ہے شریعت نے اعلان کر دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ایسی چیز بھی نہ بطور معجزہ کے ظاہر ہو سکتی ہے اور نہ بطور کرامت کے ظاہر ہو سکتی ہے۔

مثلاً شرعی امتناع کی مثال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ اس کتاب کی مثل کوئی نہیں لا سکتا تو نہ کسی کی کرامت کے طور پر اس کی مثل وجود میں آ سکتی ہے اور نہ کسی اور طریقہ سے، باقی جس قسم کے واقعات دنیا کے اندر بطور معجزہ کے ظاہر ہوئے ہیں اس قسم کے واقعات کرامت کے طور پر بھی ظاہر ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں ہے، تو جب کرامت کی حقیقت یہ ہوگئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ واقع ہوتی ہے، بندہ کی قدرت اس میں دخیل نہیں ہوتی، تو جب کسی واقعہ کو کسی ولی کی کرامت کے طور ذکر کیا جائے کہ یہ فلاں ولی کی کرامت ہے اور ایسا واقعہ پیش آ گیا تو ظاہری طور پر آپ کو کتنا ہی خلاف اسباب کیوں نہ نظر آئے اگر اس واقعہ کی سند صحیح ہو اور اس کو نقل کرنے والے معتبر لوگ ہیں یعنی وہ واقعہ اہل علم کی وساطت سے آیا، معتبر کتب کے اندر مذکور ہے یا اہل حق علماء اس واقعہ کو ذکر کرتے آ رہے ہیں، اس قسم کے واقعات تسلیم کرنے میں کوئی تردد اور انکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ واقعہ براہ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے بندے کی قدرت اس میں دخیل نہیں ہوتی۔

ہزاروں واقعات کسی ولی سے ثابت ہو جائیں تو بھی اس کی عبدیت میں فرق نہیں آتا کیونکہ عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی کرم نوازی ہے کہ کسی بندے کو عزت دینے کے لئے اس کی طرف نسبت کر کے اس قسم کے واقعات ظاہر کر دیئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات آپ کے سامنے آ رہے ہیں کہ وہ اندھوں کو درست کر دیا کرتے تھے، کوڑی صحت یاب ہو جایا کرتے تھے۔

سید احمد کتان رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید احمد کتان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے پاس ایک بوڑھی اپنے نابینا بچہ کو لے کر گئی اور کہنے لگی کہ میرے بچہ کو صحیح کر دو تو حضرت فرمانے لگے کہ میں کوئی عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو اس کو ٹھیک کر دوں، اس نے بہت زیادہ اصرار کیا تو یہ انکار کر کے اس مجلس سے اٹھ کر چل دیے، تھوڑی دیر بعد واپس آ رہے ہیں اور زبان کے اوپر یہ الفاظ ہیں "مامی کنیمہ، مامی کنیمہ، مامی کنیمہ" اور آ کر بچہ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور بچہ ٹھیک ہو گیا، اب دیکھنے والوں کو تعجب ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو انکار کر رہے تھے اور اب زبان پر "مامی کنیمہ" کے الفاظ جاری ہیں تو اس کا کیا مطلب؟ مریدوں میں سے بعض نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں تو یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ میری قدرت اور طاقت میں نہیں، میں کوئی عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو ٹھیک کر دوں، تو مجھے اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ نہ عیسیٰ علیہ السلام کر سکتا ہے نہ تو کر سکتا ہے جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں، جاؤ جا کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرو، جس طرح ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی اسی طرح یہاں بھی ہم ٹھیک کر دیں گے" تو مامی کنیمہ" یہ اللہ کا قول تھا جو وہ نقل کرتے ہوئے آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں تم نہیں کر سکتے، سننے والا یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ان کا قول ہے لیکن جب انہوں نے وضاحت فرمائی تو پتہ چلا کہ یہ اللہ کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں بھی شفا ہم نے رکھی تھی اور تیرے ہاتھ میں بھی ہم شفا دیں گے۔

تو اگر اس قسم کا واقعہ صحیح سند کے ساتھ مذکور ہو تو ہمیں ماننے میں کوئی کسی قسم کا انکار نہیں کیونکہ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ظاہر ہی اللہ کی قدرت کے ساتھ ہوا ہے، اللہ چاہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں شفا دے دے، اور اگر چاہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں بھی شفا نہ رکھے، اور اگر اللہ چاہے تو کسی دوسرے مقبول بندے کے ہاتھ میں شفا رکھ دے کہ اس کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے مریض ٹھیک ہو جائے، جب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے تو واقعہ پیش آ جانے کے بعد اگر وہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہو تو ہمیں اس قسم کے واقعات بالکل بھی توحید کے خلاف معلوم نہیں ہوتے۔

معجزات اور کرامات کا انکار نہیں کیا جا سکتا:

اسی طرح سرورِ کائنات ﷺ کا معراج والا معجزہ آپ کے سامنے ہے کہ تھوڑے سے وقت میں اللہ تعالیٰ ان کو کہاں کہاں لے گئے، کتنا لمبا سفر کروا دیا، کیسی کیسی معلومات دے دیں، اسی طرح اگر کسی ولی کے متعلق ایسا واقعہ آ جاتا ہے کہ تھوڑے سے وقت میں یہاں سے وہاں پہنچ گیا اور وہاں سے یہ کام کر کے واپس آ گیا اس قسم کا واقعہ اگر کسی ولی کے متعلق صحیح سند کے ساتھ مذکور ہو تو ہمیں تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں ہے کیونکہ جب ہم اس کو کرامت کہتے ہیں تو کرامت کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ اس بندے کے اختیار میں کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے جیسے وہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرتا ہے اسی طرح اولیاء کے ہاتھ پر کرامت ظاہر کرتا ہے، معجزات انبیاء علیہم السلام کے بااختیار ہونے کی دلیل نہیں اور اسی طرح کرامات اولیاء کے اللہ کی الوہیت میں شریک ہونے کی کوئی دلیل نہیں، جب عنوان معجزہ یا کرامت کا آ گیا تو بندے کا اختیار ختم ہو گیا۔

یہ میں نے ویسے ہی مثال کے طور پر بات عرض کر دی ورنہ عقیدہ اصل کے اعتبار سے یہی ہے کہ کرامات اولیاء برحق ہیں، ایسے واقعات جو اللہ تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف ہیں اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اس میں اولیاء اللہ کی طاقت، ان کے عزم اور قصد کا دخل نہیں ہوتا، براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ کرامت اور شرافت دی جاتی ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسا واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے جو عام آدمیوں کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتا لیکن اس میں ولی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، براہ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہوا ہے اس لئے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی کسی قسم کا بوجھ نہیں، جیسے واقعات انبیاء علیہم السلام سے بطور معجزہ کے صادر ہو سکتے ہیں اس قسم کے واقعات اولیاء اللہ سے بطور کرامت کے صادر ہو سکتے ہیں۔

اجمالی عقیدہ یہی ہے کہ اگر واقعہ کوئی بیان کرے کہ فلاں ولی کے ہاتھ سے ایسا ہو گیا تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعی وہ ولی اہل حق کے نزدیک ولی ہے، اور پھر اس کے نقل کرنے والے واقعی اہل علم اور اچھے لوگ ہیں، اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں تو پھر تسلیم کرنے میں انسان کو کوئی انکار نہیں ہونا چاہیے، اور اس واقعہ کو تسلیم کرنا یہ عقیدہ توحید کے خلاف نہیں ہے، نہ معجزات سے انبیاء علیہم السلام میں الوہیت ثابت ہوتی ہے اور نہ کرامات سے اولیاء میں کوئی الوہیت ثابت ہوتی ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ربط اور تعلق معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر اس قسم کے واقعات ذکر کر کے لوگوں کے اندر ان کی کرامت اور شرافت کو ظاہر کر دیا ہے، اس لئے یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت:

اور ایسی ہی کرامت بخاری شریف میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی آتی ہے جو مشرکوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے تھے، صحیح بخاری میں روایت موجود ہے کہ جب وہ مشرکوں کے پاس بندھے ہوئے تھے، جس کے گھر میں بندھے ہوئے تھے اس کی لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس ایسے موسم میں تازہ انگوروں کے خوشے دیکھے ہیں جس وقت سارے مکہ کے اندر یہ پھل موجود نہیں تھا اور وہ اندر بندھے ہوئے تھے باہر آ جا بھی نہیں سکتے تھے، اور ان کے سامنے یہ انگوروں کے خوشے دیکھے تو یہ رزق تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا، تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت ہے، جیسی کرامت یہاں حضرت مریم علیہا السلام کی قرآن کریم میں ذکر کی گئی ادھر بعینہ ایسی ہی کرامت بخاری شریف میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی ذکر کی گئی ہے۔

توکسی ولی کے متعلق اگر اس قسم کی بات سن لیں کہ اس کو حجرے کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی رزق مل جاتا تھا، ہمیں تو اس کے قبول کرنے میں کوئی کسی قسم کا بوجھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء اللہ کے ساتھ، اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، تو کرامات اولیاء برحق ہونے کا یہی معنی ہے، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ ایسے واقعات جو عام عادت کے خلاف ہیں، عام لوگوں کے لئے ظاہری اسباب کے خلاف ہیں، اور عام لوگ ظاہری اسباب کے ساتھ وہ کام نہیں کر سکتے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر ایسا واقعہ ظاہر فرمادیں ایسا ہوسکتا ہے، اور ہوسکنے کے ساتھ ساتھ ایسے واقعات ہیں جو صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں اور ان کو تسلیم کرنا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں شامل ہے، آیت مذکورہ میں رزق سے حسی رزق مراد ہے اور میری ساری کی ساری تقریر اسی پر مبنی ہے۔

آیت بالا کی دوسری تفسیر:

اور یہاں دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے کہ رزق سے یہاں روحانی رزق مراد ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب جاتے اور جا کے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بیٹھتے اور ان کا حال احوال لیتے تو ان سے عجیب وغریب قسم کی علم ومعرفت کی باتیں ظاہر ہوتیں، ظاہری طور پر انہوں نے نہ کسی سے پڑھا تھا، اور نہ وہ باتیں کتابوں میں موجود ہوتیں، حضرت مریم علیہا السلام بڑی علم وحکمت کی باتیں کرتی تھیں تو حضرت زکریا علیہ السلام تعجب کے طور پر پوچھتے کہ مریم! تیرے پاس یہ علم کہاں سے آ گیا؟ یہ ایسی باتیں تجھے کہاں سے مل گئیں، یہ پوچھنا بطور تعجب کے ہے ورنہ پتہ تو تھا کہ سب من جانب اللہ ہے، تو پھر حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ علوم ومعانی، یہ نکات، یہ حکمت ودانائی کہاں سے مل گئے ہیں؟ وہ کہنے لگیں یہ سب اللہ کی جانب سے ہیں، اللہ تعالیٰ براہ راست دماغ میں ڈالتے ہیں۔

"ان الله يرزق من يشاء بغير حساب" یہ جملہ حضرت مریم علیہا السلام کا بھی ہوسکتا ہے اور براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے دونوں صورتیں ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا داعیہ کیا تھا؟:

پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے جو آگے دعا کی ہے اس دعا کا داعیہ کس طرح پیدا ہوا؟ حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد نہیں تھی اور خود بوڑھے ہوچکے تھے اور ان کی بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں تھی، اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام کی توجہ ہوئی اور انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے کہ اے اللہ! مجھے اولاد دے، یہ داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اگر تو رزق سے حسی رزق مراد ہے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا ذہن اس طرف گیا کہ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل دیتے ہیں، اسی طرح میں بھی اگرچہ اولاد کے قابل نہیں رہا اور بیوی کا بھی وہ وقت گزر گیا جس وقت میں عادۃً اولاد ہوتی ہے لیکن اس وقت اللہ کی خاص عنایت معلوم ہوتی ہے بے موسم پھل دینے کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلا دیا کہ جیسے تو نے بے موسم پھل مریم علیہا السلام کو دیا ہے اس طرح اگرچہ ظاہری اسباب کے تحت بے موقع ہے لیکن تیری قدرت سے باہر نہیں ہے اس لئے مجھے بھی اولاد دے دے چاہے ظاہری طور پر اس کا وقت گزر گیا لیکن تیری قدرت میں داخل ہے۔

اور مریم علیہا السلام کو بے موقع پھل دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیری عادت ہے کہ تو بے موقع بھی دے دیتا ہے، تو ہمیں بھی بے موقع اولاد دے دے، اس بوڑھے کی تمنا بھی پوری ہوجائے، اور اس بانجھ عورت کی گود بھی ہری ہوجائے اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو دعا کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اگر رزق سے مادی رزق مراد لیا جائے تو پھر اس دعا کا ربط اس طرح ہوجائے گا۔

اور اگر اس رزق سے روحانی رزق مراد لیا جائے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی گفتگو سن کر حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی پھر داعیہ اس طرح پیدا ہوگا کہ جب دیکھا کہ مریم علیہا السلام کیسی اچھی باتیں کرتی ہے، اس کے پاس کیسے کیسے علوم ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیک اولاد دے جو اس طرح عالم بنے، اسی طرح آگے دین کی نشر و اشاعت کرے تو اس نیک بچی کو دیکھ کر نیک اولاد حاصل کرنے کا جذبہ ابھرا ہے تاکہ میرے گھر میں بھی اس قسم کا بچہ پیدا ہوجائے اور وہ بھی اسی طرح علوم کا حامل ہو، نبوت کے علوم کا وارث بنے، آئندہ کے لئے دین کی نشر و اشاعت کا سبب بنے تو پھر ربط اس طرح ہوجائے گا جیسے آپ کسی بچہ کو دیکھیں کہ وہ بہت اچھا قرآن پڑھتا ہے آپ کے دل میں آئے گا کہ اللہ ہمیں بھی بچہ دے تو ہم بھی اس کو قرآن پڑھائیں گے اس طرح بھی داعیہ پیدا ہوجاتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی قبولیت:

"هنالك دعا زكريا ربه "اسی موقع پر زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے یہاں من لدنك سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر چہ میرے پاس اسباب نہیں ہیں جیسے سورۃ مریم کے شروع میں آئے گا "اني وهن العظم مني واشتعل الرأس شيباً" کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرا سر سفید ہوگیا، مطلب یہ تھا کہ اگر چہ اولاد کا موقع نہیں ہے لیکن ظاہری اسباب کے خلاف مجھے پاکیزہ اولاد عطا کر بے شک تو دعا کو سننے والا ہے، وہ دعا کچھ اس انداز سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوگئی، فرشتے نے آواز دی اس حال میں کہ زکریا علیہ السلام محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے یحییٰ علیہ السلام کی، لفظ یحییٰ سے اشارہ اس بات کی طرف بھی ہوگیا کہ لڑکا ہوگا اور اس کا نام بھی پہلے ہی رکھ دیا گیا، یعنی لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ علیہ السلام رکھا جائے گا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات:

اور اس کی یہ صفات ہوں گی، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی وہ تصدیق کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کا مصداق یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی ایک شخص پیدا ہوگا صرف اللہ کے کلمہ کن سے، ظاہری اسباب کے خلاف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ظاہری اسباب کے خلاف اللہ کے کلمہ کن یعنی اللہ کی قدرت کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے، اس لئے کلمۃ اللہ ان کا لقب ہی بن گیا کہ اللہ کے کلمہ سے پیدا ہونے والا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں گنتی میں نہیں آسکتے، اور ساری کائنات اللہ کے کلمات کا ہی ظہور ہے، ان کلمات میں سے ایک کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں تو یحییٰ علیہ السلام اس کی تصدیق کریں گے، تو یحییٰ علیہ السلام کی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے جس طرح ایک نبی دوسرے کی تصدیق کیا کرتا ہے تو یحییٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور لوگوں کو ان کے اوپر ایمان لانے کے لئے کہا۔

دوسری صفت ہے "سیداً" سردار ہوگا اس کو اپنے زمانہ کے اندر دینی سرداری حاصل ہوگی "حصوراً" اپنی خواہشات کے اوپر بہت پابندی لگانے والا ہوگا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی بہت درویشانہ طریقے سے گزری ہے کہ وہ لذات وخواہشات جن کا پورا کرنا مباح ہے انہوں نے اس طرف بھی توجہ نہیں کی، کیونکہ اس وقت یہود کے اندر دنیاداری بہت آگئی تھی تو ان کا رخ موڑنے کے لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت درویشانہ زندگی گزاری، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تو یہاں تک اپنے آپ کو روک کے رکھا کہ نکاح اور شادی بھی نہیں کی جب کہ اس زمانہ میں لوگوں کے اندر اس قسم کی عیاشی بہت عام تھی، یعنی دنیا کی محبت سے لوگوں کا رخ موڑنے کے لئے یہ زندگی اپنائی۔

نکاح افضل ہے یا ترک نکاح:

باقی ہمارے ہاں نکاح کرنا افضل ہے اور عام طور پر علماء بھی کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی تو اس سے ترک نکاح کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات ایسے تھے کہ جن حالات کا مقتضیٰ یہی تھا کہ وہ شادی نہ کریں، کہتے ہیں کہ ان کے اوپر رقت اور گریہ زاری ہمیشہ طاری رہتی تھی، اور دنیا کی کسی چیز کی طرف بھی ان کی توجہ نہیں تھی، تو ایسے حالات میں نکاح اور عورت کے ساتھ جتنے معاملات ہوتے ہیں ان کو نبھانا انسان کے بس میں نہیں رہتا اور آج ہماری شریعت کے اندر بھی مسئلہ یہی ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں کہ اس کی بیوی کی طرف توجہ نہیں یا اس کو ڈر ہے کہ اگر میں نے نکاح کر لیا تو میں اس کے حقوق ادا نہیں کر سکوں گا تو ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، عام حالات میں سنت ہے بعض حالات میں فرض بھی ہے، لیکن کچھ حالات ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے نکاح کرنا جائز ہی نہیں ہے، اور لفظ حصور کا ایک مفہوم ہے عورت سے دور رہنا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو لے کر ترجمہ کیا ہے کہ عورت کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا اور صالح یعنی اچھے لوگوں میں سے ہوگا۔

بچہ کی پیدائش کے متعلق حضرت زکریا علیہ السلام کا سوال اور اللہ کا جواب:

"قال ربی انیٰ یکون لی غلام" حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ! میرے لئے بچہ کیسے ہوگا، یہ سوال کیفیت طلب کرنے کے لئے ہے کیا ہمیں دوبارہ جوان کیا جائے گا یا کوئی نئی شادی کا حکم دیا جائے گا؟ کس قسم کی کیفیت ہوگی جس کی بناء پر بچہ ہوگا جب کہ ظاہری حالات تو سازگار معلوم نہیں ہوتے، حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا، اور میری بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ ایسے ہی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے سامنے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں وہ چاہے تو پتھروں سے پانی جاری کر دے، اب پتھر اور پانی میں کیا مناسبت ہے؟ اسی طرح اگر چاہے تو جوانوں کو اولاد نہ دے، اور چاہے تو بوڑھوں کو دے دے، اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔

تو حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا یا اللہ! اس کی میرے لئے کوئی نشانی متعین کر دے جس سے میں پہچان جاؤں کہ واقعی آپ کی طرف سے یہ واقعہ پیش آ گیا ہے تاکہ میں زیادہ شکر گزاری کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور اس ظاہری علامت کے متعین ہو جانے سے مجھے یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ آپ ہی کی طرف سے ہے، اگرچہ نبی کا یہ ذہن نہیں ہوتا لیکن ظاہری اسباب کے خلاف ہونے کی بناء پر اس بات کا یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے نشانی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی نشانی یہی ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہیں کر سکے

گا، باوجود صحت مند ہونے کے جب تو لوگوں سے دنیاداری کی بات کرنے لگے گا تو تو اشارہ تو کرسکے گا لیکن تیری زبان نہیں چلے گی ہاں البتہ ذکر اذکار جاری رہے گا۔

اور صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کر یہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے خود ثابت ہو گیا کہ تسبیح وتحمید پر وہ خود قادر تھے" سبحان اللہ ،الحمدللہ ، لاالہ الااللہ" اس قسم کے کلمات ان کی زبان پر جاری ہوں گے، اگر یہ بھی جاری نہ ہوں تو پھر حکم دینے کا کیا مطلب؟ اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ مطلب نکل آیا کہ تیرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہو گی کہ تو کسی دوسرے کے ساتھ دنیاداری کی بات کرنا چاہے گا تو تیری زبان نہیں چلے گی، ہاں البتہ ذکر کے لئے تیری زبان جاری رہے گی، دوسری بات تو اشارہ سے کرسکے گا زبان سے نہیں کرسکے گا، جب یہ واقعہ پیش آجائے تو یقین کر لینا کہ اب بچہ کی بنیاد رکھ دی گئی اور وہ بچہ ماں کے بطن میں آ گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہ فرشتہ نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا اور تجھے صاف ستھرا کیا

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ

اور چن لیا تجھے تمام جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں ﴿۴۲﴾ اے مریم! اطاعت اختیار کر اپنے رب کی

وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾ یہ جو کچھ ذکر کیا گیا یہ غیب کی خبروں میں سے ہے

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اور آپ ان لوگوں کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ کون

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

بنتا ہے مریم کا کفیل، اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے ﴿۴۴﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا

الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی، جس کا نام مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ

عیسیٰ ابن مریم ہوگا دنیا کے اندر باوجاہت ہوگا اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

لوگوں سے کلام کرے گا اس حال میں کہ وہ گود میں ہوگا اور بڑی عمر میں بھی اور اچھے لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۴۶﴾ مریم کہنے لگیں اے میرے پروردگار!

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

میرے لئے بچہ کیسے ہوگا مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، اللہ تعالیٰ نے کہا ایسے ہی اللہ

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس وقت وہ فیصلہ کرے کسی امر کا سوائے اس کے نہیں پس اس کو کہہ دیتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ تعالیٰ اسے تعلیم دے گا کتاب وحکمت کی اور توراۃ وانجیل کی ﴿۴۸﴾ اللہ تعالیٰ اس کو رسول بنا کر اٹھائے گا

اِلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْۤ

بنی اسرائیل کی طرف یہ خبر دینے والے ہوں گے کہ تحقیق میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں اپنے رب کی طرف سے کہ بے شک میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے پرندے جیسی شکل، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں پھر وہ بن جاتا ہے

طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى

واقعی پرندہ اللہ کی اجازت سے، اور میں درست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۗ

اللہ کی اجازت کے ساتھ اور میں تمہیں بتا دیتا ہوں وہ چیز جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کر کے رکھتے ہو اپنے گھروں میں،

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو ﴿۴۹﴾ اور اس حال میں کہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس چیز کی جو

بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ

میرے سامنے ہے یعنی توراۃ، اور تاکہ میں تمہارے لئے حلال کر دوں بعض وہ چیز جو حرام کی گئی ہے

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

تم پر اور لایا ہوں میں تمہارے پاس نشانی اپنے رب کی طرف سے، پھر تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿۵۰﴾

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّاۤ

بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۵۱﴾ پھر جس وقت

اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْۤ اِلَى اللّٰهِ ۗ قَالَ

عیسیٰ نے محسوس کیا ان بنی اسرائیل کی طرف سے کفر کو تو کہا کون ہیں میرے مددگار اس حال میں کہ میں اللہ کی طرف متوجہ ہوں کہا

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

حواریوں نے ہم اللہ کے مددگار ہیں ، ہم ایمان لے آئے اللہ پر ، اور تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم فرمانبردار ہیں ﴿۵۲﴾

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے اس چیز کے ساتھ جو تو نے اتاری اور ہم نے اتباع کی رسول کی پس تو ہمیں اقرار کرنے والوں کے ساتھ لکھ دے ﴿۵۳﴾

تفسیر:

سبق کا خلاصہ:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعات کے بعد اس رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر کیا گیا ہے مسئلہ پیچھے سے یہی چلا آ رہا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ جو اختلاف تھا اصل وضاحت تو اس کی کرنی ہے، یہ چیزیں جو آپ کے سامنے آ رہی ہیں یہ بطور تمہید کے ہیں اور تمہید بھی ایسے واقعات کے ساتھ اٹھائی گئی کہ جن کے ساتھ آنے والا مسئلہ آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہی ان لوگوں کے لئے اشتباہ کا باعث بن گئی تھی کہ جب ان کا باپ کوئی نہیں تو پھر انہوں نے جوڑ لگا دیا کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ ان کا باپ ہے اور یہ بات غلط تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ واقعات کے ساتھ یہ ثابت کرتے آ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہی صرف خرق عادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اس زمانہ میں سارے کے سارے سلسلہ میں اپنی قدرت کا اظہار کیا۔

مریم علیہا السلام کا پیدا ہونا عام عادت کے خلاف، اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا، پھر بچپن میں ان کے اوپر ولایت کے آثار کا اظہار یہ خرق عادت کا مظاہرہ ہے کہ ان کو بے موسم پھل ملتے تھے پھر اس کے ساتھ ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ سنایا گیا وہ کون سا عادت کے مطابق تھا، یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کو خلاف اسباب رزق کا مل جانا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بے موسم اولاد کا مل جانا یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عام عادت کے خلاف واقعات ہیں تو یہ تمہید ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی۔

تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی عام حالات کے مخالف ہوگئی تو اس میں کون سی تعجب والی بات ہے؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت جیسے بے موسم پھل دے رہی تھی اور جس طرح اللہ کی قدرت نے بوڑھوں کو اولاد دے دی اسی طرح اگر بن باپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا صرف ایک عورت کی وساطت سے تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کے تحت ہے، کوئی چیز اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے، اسی طرح ثابت کیا جائے گا کہ یہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، آل ابراہیم میں سے ہیں، آل عمران میں سے ہیں، مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے تحت پیدا ہوئے ظاہری اسباب کے خلاف، پھر پیدا ہونے کے بعد ان سے جس قسم کے معجزات کا اظہار ہوا ان معجزات کو لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل بنایا، آگے ان معجزات کی تفصیل آ جائے گی کہ ان معجزات کی کیا حقیقت تھی۔

اور پھر ان سب چیزوں کو ظاہر کرنے کے بعد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مخاطبین کے سامنے اپنی کیا حیثیت بیان کی اور لوگوں کو تعلیم کس چیز کی دی؟ کیا انہوں نے دعویٰ کیا کہ چونکہ میں مردے زندہ کرتا ہوں اس لئے مجھے الٰہ کہو؟ کیا انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ میں اندھوں کو ٹھیک کر دیتا ہوں اس لئے مجھے خدا مانو؟ یا خدا کا بیٹا مانو؟ (نہیں) سب کچھ ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا تو یہی کیا کہ " ان اللّٰه ربی وربکم فاعبدوہ " کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور اللہ ہی تمہارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے، تو اگر صراط مستقیم پر چلنا چاہتے ہو تو جس طرح تمہارا دعویٰ ہے اور ہدایت بھی اصل میں یہی ہے کہ انسان صراط مستقیم پر چلے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اعلان یہی ہوا کہ پھر وہی اللہ میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے، بندگی اسی کی کرو اگر اس کی عبادت کرو گے تو تم صراط مستقیم پر ہو اگر تم اس کی عبادت کو چھوڑ دو گے تو پھر تم صراط مستقیم سے بھٹک جاؤ گے، تو سارے معجزات ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا، اپنے آپ کو عبدیت سے خارج نہیں کیا، بلکہ اللہ کی ربوبیت کا اعلان کرتے ہوئے اسی کی عبادت کی دعوت دی ہے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بھی جب توحید کا اعلان ہوا تو پھر کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ انہی معجزات کو دلیل بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ ثابت کرنے کی کوشش کرے، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے نظریات کی تردید ہو جاتی ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی ولایت کو بھی واضح کیا جا رہا ہے، جس طرح صاف اور واضح الفاظ میں آئے گا " وامه صديقة " اس کی ماں تو صدیقہ اور ولیہ تھی، اللہ تعالیٰ کی پیاری بندی تھی۔

اور یہود نے ان کے متعلق جو خرافات بکیں اور ان کے اوپر تہمتیں لگائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی اور ان کی ماں کو بدنام اور رسوا کیا، ان واقعات کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی پوزیشن بھی صاف ہوتی

چلی جائے گی، تو جو یہود کے نظریات تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ بھی صاف ہو جائیں گے، اور ان کی غلطی بھی واضح ہوجائے گی، اور عیسائیوں نے جس قسم کے نظریات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قائم کر لئے تھے ان کی بھی وضاحت ہوجائے گی، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے یہ آیات بہت اہم حیثیت کی حامل ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتوں کا کلام کرنا:

"واذقالت الملائکۃ یمریم "سب سے پہلے حضرت مریم علیہا السلام کو جو فرشتوں نے بشارت دی تھی اس کا ذکر آ گیا کہ فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا اس سے معلوم ہو گیا کہ فرشتے غیر نبی سے بھی مکالمہ کر لیتے ہیں اور فرشتوں کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے لیکن بطور وحی کے بعض باتیں جو احکام پر مشتمل ہوں ایسی باتیں نبی پر نازل ہوتی ہیں احکام کی صورت میں، اور احکام شرعیہ فرشتوں کی وساطت سے کسی دوسرے پر نہیں آ سکتے، کسی اور معاملہ میں گفتگو ہوجائے فرشتہ متشکل ہو کے آ جائے جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کوڑی تھا، ایک گنجا تھا، ایک اندھا تھا، ان کے پاس بھی فرشتہ آیا اور آ کے گفتگو کی (واقعہ طویل ہے) مشکوٰۃ میں بھی ہے بخاری شریف میں بھی ہے، اور اس کا ترجمہ بہشتی زیور کے شروع میں حضرت نے اردو میں بھی لکھا ہے، اور یہاں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ گفتگو کا ذکر ہے ان سے معلوم ہو گیا کہ غیر نبی کے ساتھ بھی فرشتہ کلام کر لیتا ہے، اور صرف فرشتہ کے کلام کرنے کے ساتھ ہی کسی کی نبوت ثابت نہیں ہوتی، جنات بھی بات کر لیتے ہیں ملائکہ بھی بات کر لیتے ہیں، عام آدمیوں کو چونکہ یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی اس لئے ان کو نہ فرشتوں کا احساس ہوتا ہے اور نہ ان سے گفتگو ہوتی ہے۔

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کے ساتھ فرشتے کو متشکل کر کے گفتگو کرا دے یا کسی روح کو اتنی ترقی حاصل ہوجائے کہ عالم ملکوت کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ فرشتوں سے گفتگو کرے فرشتے اس سے گفتگو کر لیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ فرشتوں نے گفتگو کی کہ اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا، اللہ نے تجھے فضیلت دی اور فضیلت بھی معمولی نہیں ہے فضیلت بھی تمام جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت:

اس فضیلت سے بعض خصوصی فضائل مراد ہیں جس کو آپ جزوی فضیلت سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ ابتداء سے قبولیت کے آثار، بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول ہو جانا، اور بلا ظاہری اسباب کے رزق ملنا، اور اس کے علاوہ بہت سارے معاملات میں جو انہی کے ساتھ ہی خاص ہیں باقی فضیلت کلی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہو، سب سے زیادہ مرتبہ حاصل ہو، اللہ کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہو، اس بارے میں حدیث شریف میں پانچ عورتوں

کی تعریف آتی ہے دوامم سابقہ میں سے ہیں اور تین موجودہ امت میں سے، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ علیہا السلام امرأۃ فرعون یہ پہلی امتوں میں سے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا یہ اس امت میں سے ہیں۔

پانچ عورتوں کے فضائل حدیث شریف میں مذکور ہیں اور ان میں سے کلی فضیلت کس کو حاصل ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں، بہرحال یہ پانچ عورتیں دنیا کی عورتوں کے مقابلہ میں افضل ہیں، "علی نساء العالمین" کا مصداق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں جتنی عورتیں موجود تھیں ان کے مقابلہ میں حضرت مریم علیہا السلام کو فضیلت کلی حاصل تھی، پھر اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، جس طرح بنی اسرائیل کے بارے میں بھی یہ لفظ آتا ہے، "فضلناهم علی العالمین" وہاں یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ موجود تھے ان کے مقابلہ میں ان کو فضیلت حاصل تھی یا بعض جزوی واقعات میں ساری دنیا کے مقابلہ میں ان کو فضیلت حاصل تھی کہ جیسا برتاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا برتاؤ کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کو نماز کا حکم:

"یا مریم اقنتی لربك" "اے مریم! اللہ کی عبادت کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ، یعنی جو لوگ اہتمام کے ساتھ رکوع کرتے ہیں ان کے ساتھ رکوع کر، جس طرح بعض لوگ غفلت کرتے ہیں رکوع صحیح نہیں کرتے ایسا نہ کرنا یا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر، جب دوسرے لوگ پڑھتے ہیں تو تو بھی ساتھ شامل ہوجایا کر تو اپنے محراب میں رہتی ہوئیں حضرت مریم علیہا السلام دوسروں کے ساتھ نماز پڑھ لیتی تھیں یا رکوع عاجزی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے کہ عاجزی کرنے والوں کے ساتھ مل کے عاجزی کر یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور اسی طرح قنوت کا ایک معنی قیام بھی ہے اگر اس سے قیام مراد لے لیا جائے تو نماز کے تینوں رکن اس میں آجائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ان کو وقف کیا گیا تھا، اور فرشتے بھی اسی کی تائید کر رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں لگی رہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل:

"ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك" پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ گذشتہ واقعات میں سے جب بھی کوئی واقعہ قرآن کریم میں نقل کیا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل بنا کر بھی پیش کرتے ہیں، تاریخ کا یہ حصہ جس میں حضرت مریم علیہا السلام کے صحیح حالات، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا صحیح قصہ یہ چیزیں

ایسی ہیں کہ جن کو بنی اسرائیل مسخ کر بیٹھے تھے اور بعض حصے ایسے ہیں جن کو وہ ضائع کر بیٹھے تھے تو ان امیوں کو تو کیا پتہ ہوتا، مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کو صحیح حالات کیا معلوم ہوتے، خود بنی اسرائیل کو بھی صحیح حالات معلوم نہیں تھے، ان کے ذخیرہ میں بھی ان کے متعلق صحیح حالات نہیں ہیں، اب اتنی صفائی کے ساتھ ان حالات کو پیش کر دینا کہ جزئیات بھی سامنے آگئیں اور اتنے اعتماد کے ساتھ یہ چیزیں بتائی جارہی ہیں کہ جس کا جاننے والا اس ماحول میں سرے سے ہے ہی کوئی نہیں، بلکہ کتابوں کے ذخیرے بھی اس سے خالی ہیں، یہ علامت ہے اس بات کی کہ سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا جارہا ہے۔

اور یہی دلیل ہے آپ کی نبوت اور رسالت کی اسی کی طرف متوجہ کیا ہے کہ یہ غیب کی خبر میں سے ہے یعنی ماضی کے حالات ہیں جو آپ کے سامنے نہیں ہیں، یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں آپ ان لوگوں کے پاس نہیں تھے جب وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے، یہ قلموں کا ڈالنا قرعہ اندازی کے لئے تھا "ایھم یکفل مریم" کہ مریم کو کون سنبھالے؟ اور نہ آپ ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں اس معاملہ میں جھگڑا کر رہے تھے اسی مریم کی کفالت کے بارے میں کہ اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کرنا چاہیئے یا نہیں کیونکہ یہ بات سابقہ روایت کے خلاف تھی، تو اس جھگڑے کے وقت آپ ان کے پاس نہیں تھے، اور کتابوں میں صحیح حالات ہیں نہیں، آپ کے علاقہ میں اس کو جاننے والا کوئی نہیں تو لازماً اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، جب آپ کی طرف وحی آتی ہے تو اس سے آپ کی حیثیت بھی نمایاں ہوگئی کہ آپ اللہ کے نبی ہیں تو ایسے واقعات کو حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل کے طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹے کی خوشخبری:

"اذقالت الملائکۃ یمریم" حضرت مریم علیہا السلام کے ابتدائی حالات ذکر کیے اور اس کے بعد جب حضرت مریم علیہا السلام بالغ ہوگئیں تو انہوں نے غسل کرنے کے لئے علیحدگی اختیار کی سورۃ مریم کے الفاظ ہیں "لذانتبذت من اھلھامکاناً شرقیاً" اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لائے، اور حضرت مریم علیہا السلام کو یہ بشارت دی، بشارت دی ان کو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی، اللہ تعالیٰ کے کلمات بے انتہاء ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ سورۃ الکہف میں آتا ہے کہ اگر سمندر کی سیاہی بنا دی جائے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھنا شروع کر دیا جائے تو یہ سیاہی کا سمندر ختم ہو جائے گا اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، ان کلمات میں سے ایک کلمہ کی بشارت حضرت مریم علیہا السلام کو دی گئی گویا کہ ابتداء سے ہی اس بات کی طرف نشاندہی کر دی گئی کہ

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ براہ راست ہوگی ،اس میں اس طرح اسباب کا دخل نہیں ہوگا جس طرح عام طور پر بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کا اثر ہوگا ،اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ پیدا ہونے والے۔

اگر چہ باقی کائنات بھی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ بنتی ہے لیکن اس کے لئے چونکہ ظاہری اسباب اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ شریعت کا ایک محاورہ ہے کہ جو کام ظاہری اسباب کے طور پر ہو اس کی نسبت تو ظاہر کی طرف کی جاتی ہے، اور جو ظاہری اسباب کے خلاف ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہی کی جاتی ہے، یہ قرآن کریم میں ہی ہے "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ" تو نے نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا تھا لیکن اللہ نے پھینکا اب جب تو نے پھینکا تھا اس میں رمی کی ظاہری نسبت تو حضور ﷺ کی طرف ہے بدر کے اندر جو آپ نے مٹھی بھر کے کنکریاں پھینکی تھیں لیکن اس کے اوپر چونکہ اثر ایسا مرتب ہوا جو عام طور پر ایک مٹھی کنکریوں پر مرتب نہیں ہو سکتا تو اس کے آثار کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ ظاہری اثر کے خلاف تھا اگر چہ ظاہری طور پر وہ مٹھی آپ نے پھینکی تھی۔

لیکن آثار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ آپ نے نہیں پھینکی یہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے، تلوار کے ساتھ آپ کسی آدمی کو قتل کریں تو نسبت آپ کی طرف کردی جائے گی کہ آپ نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے لیکن اگر اتفاقاً آپ نے چھوٹی سی کنکری اٹھا کے ماری اور وہ مر گیا تو چونکہ کنکری کے ساتھ مر جانا عام عادت نہیں ہے، اس لئے جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ بس بھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی موت لکھی ہوئی تھی اللہ نے اسے مار دیا، ورنہ کنکری میں ایسی طاقت نہیں ہوتی جو اسے مار دے، تو جو نتیجہ ظاہری اسباب کے خلاف ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جاتی ہے ورنہ جتنی کائنات ہے وہ ساری اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ اسی لئے قرار دیا گیا کہ بچوں کے پیدا ہونے کے لئے عام طور پر جو اسباب ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ اسباب اختیار نہیں کئے گئے۔

لفظ مسیح کی تحقیق اور وجہ تسمیہ:

"اسمہ المسیح عیسی ابن مریم" اس میں جو مسیح کا لفظ ہے اس پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ مسیح عبرانی لفظ ماسیحا سے معرب ہے، اور ماسیحا عبرانی میں مبارک کو کہتے ہیں، تو جب یہ اس سے معرب ہوا تو یہ بھی مبارک کے معنی میں ہوا، اور لفظ عیسیٰ عبرانی میں عیسوا کا معرب ہے اور عیسوا عبرانی میں سید کو کہتے ہیں تو اس کا معنی بھی سید ہوا، اب لفظ مسیح لقب ہے اور عیسیٰ یہ علم کے طور پر استعمال ہوا ہے ابن مریم کے لئے، اور دجال کے لئے لفظ مسیح استعمال کیا جاتا ہے وہ بالاتفاق لفظ عربی ہے اور اس کا مادہ مسح ہے، ممسوح کے معنی میں ہے، مٹائی ہوئی چیز جس کا صفایا کیا ہوا ہو،

تو اس دجال کو مسیح کہیں گے کیونکہ وہ ممسوح الہدایت ہوگا اس میں ہدایت کا نام ونشان نہیں یا ممسوح العین ہوگا کہ اس کی ایک آنکھ مٹائی ہوئی ہوگی یا ممسوح العین ہونے کی وجہ سے اس کو مسیح کہیں گے یا ممسوح الہدایت ہونے کی وجہ سے اس کو مسیح کہیں گے، اور اگر مسیح عربی کا لفظ ہو پھر بنی اسرائیل میں یہ ایک رواج چلا آ رہا تھا کہ نئے آنے والے نبی کو پچھلا نبی جو موجود ہوتا وہ اس کے سر کے اوپر تیل مل کے اس کی نبوت اور اس کی سرداری کا اعلان کرتا تو واقعہ تو باقیوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہوگا، اور یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان اسی طرح کیا تو جس وقت ان کے سر پر تیل لگا کے ہاتھ پھیر کے سرداری کا اعلان کیا جس کو ان کی اصطلاح میں بپتسمہ دینا کہتے ہیں، تو پھر یہ لفظ ان کے لئے بطور لقب کے مشہور ہو گیا پھر یہ بھی عربی کا لفظ ہوگا، ممسوح کے معنی میں جس کے سر پر ہاتھ پھیرا گیا، یعنی یحییٰ علیہ السلام نے جن کے سر پر ہاتھ پھیر کے ان کی سرداری کا اعلان کیا لیکن پہلا مفہوم زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہ پیشین گوئی کے وقت ہی اس کو مسیح قرار دے کے پیش گوئی کی جارہی ہے جس سے مبارک والا معنی زیادہ چسپاں ہوتا ہے ورنہ دوسرا مفہوم بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ زندگی کے اندر اس لفظ کے ساتھ مشہور ہوں گے، آنے والے وقت کے اعتبار سے ان کو مسیح کہہ دیا، لیکن اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ ولادت سے قبل جب بشارت دی جارہی ہے تو ابن مریم کا لفظ ساتھ جوڑا جارہا ہے، ایسے طور پر ذکر کیا جارہا ہے گویا کہ ابن مریم ان کے نام کا حصہ ہے، اس سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہی ہوگی، ورنہ عام طور پر رواج یہ ہے کہ بچہ کی نسبت باپ کی طرف ہوا کرتی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اگر ظاہری اسباب میں کوئی باپ ہوتا تو نسبت اس کی طرف ہونی چاہیے تھی، تو پیش گوئی کے اندر بھی انداز ایسا اختیار کیا گیا جس میں نشاندہی کر دی گئی کہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہی رہے گی، اس لئے قرآن کریم ان کو اکثر وبیشتر ابن مریم کے عنوان سے ہی ذکر کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات:

"وجیہاً فی الدنیا والآخرۃ" اس لفظ سے حضرت مریم علیہا السلام کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ نہ خیال کرنا کہ جب اس بچے کا باپ کوئی نہیں ہوگا اور یہ مریم کا ہی بیٹا ہوگا تو ایسے بچوں کو عموماً معاشرے کے اندر عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، کیونکہ بچوں کو جو عزت ملا کرتی ہے عموماً آبائی خاندان سے ہی ملا کرتی ہے اور جس بچے کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو اس کو معاشرہ میں کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، فرمایا وہ بچہ ایسا نہیں ہوگا کہ لوگ اس کی تحقیر کریں یا دنیا کے اندر اس کو عزت نہ ملے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وجاہت ملے گی، وہ ذی وجاہت ہوگا باعزت ہوگا اس کی سرداری والی شان ہوگی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب وجیہاً قرار دیا گیا تو اس کا یہ مطلب نکل آیا کہ لوگ اگر اس کے اوپر کوئی الزام لگائیں گے بھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی صفائی دیں گے، اور صفائی دے کے ان کی عزت کو بحال کریں گے۔

قرآن کریم میں وجیھاً کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے سورۃ الاحزاب کے آخری رکوع میں، "یایھاالذین آمنوا لاتکونوا کالذین اٰذوا موسیٰ فبرء ہ اللہ مماقالوا و کان عنداللہ وجیھاً" اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بری ثابت کیا، یعنی تکلیف پہنچائی تھی موسیٰ علیہ السلام پر غلط الزام لگا کے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کی کہ یہ جو عیب موسیٰ علیہ السلام پر لگاتے ہیں یہ موسیٰ علیہ السلام میں نہیں ہے، "وکان عنداللہ وجیھاً" اللہ تعالیٰ کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ذی وجاہت ہیں، تو جس طرح وہاں غلط الزام کی تردید کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے نمایاں کیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اگر کوئی الزام لگائے گا تو اللہ تعالیٰ اس الزام کو دور کر کے ان کی دجاہت قائم فرمائیں گے، "وجیھاً فی الدنیا" دنیا میں بھی ذی وجاہت ہوں گے، "والآخرۃ" اور آخرت میں بھی ذی وجاہت ہوں گے، "ومن المقربین" اور اللہ تعالیٰ کے مقربون میں سے ہوں گے، نیک ہوں گے مقربین کی شان ان کے اندر پائی جائے گی۔

"ویکلم الناس فی المھد و کھلاً" اور اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے ان کو اس طرح کے اثرات دیں گے جن کی وجہ سے صراحتًا ان کی مقبولیت پر استدلال کیا جاسکے گا کہ عام بچوں کی عادت کے خلاف بالکل چھوٹی سے عمر میں جب کہ بچے بولتے نہیں ہیں وہ بولے گا ماں کی گود میں باتیں کرے گا، اور بڑی عمر میں بھی باتیں کرے گا یعنی اس کی دونوں باتیں بچپن اور کہولت کی ایک شان کی ہوں گی یہ نہیں کہ بچے اگر باتیں کرنے لگ بھی جائیں تو ان میں کوئی معنویت نہیں ہوتی، ایسے ہی بے ڈھنگے پن سے باتیں کرتے ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں بنتا، ایسی باتیں نہیں ہوں گی بلکہ علم وحکمت پر مبنی باتیں ہوں گی، جس طرح بڑی عمر کے ہو کر بات کریں گے اسی طرح چھوٹی عمر کے اندر بات کریں گے، اور یہ بھی عام حالات کے خلاف ہے، "ومن الصالحین" اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔

بچے کی پیدائش کے متعلق حضرت مریم علیہا السلام کا سوال اور اللہ کا جواب:

تو حضرت مریم علیہا السلام کو یقین تو آگیا کہ یہ بشارت اللہ کی طرف سے ہے لیکن پہلے کم از کم دو موقعے آپ کے سامنے ایسے گزر چکے ہیں کہ یقین کے باوجود کیفیت کے متعلق سوال ہوتا ہے، پہلے تو سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آیا تھا، "رب ارنی کیف تحی الموتیٰ" اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا، "اولم تؤمن" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا "بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" اطمینان قلبی کے لئے کیفیت پوچھی جارہی ہے، اور پھر دوسرے نمبر پر حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ آیا تھا کہ جب انہیں یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا تھا، "رب انیٰ یکون لی غلام" چونکہ ظاہری اسباب موجود نہیں تھے تو یہ بچہ کیسے ہوگا، کیفیت پوچھی جاتی ہے اطمینان

قلبی کے لئے، ورنہ یہ نہیں کہ یقین نہیں ہے، جب ایک چیز ظاہری اسباب کے خلاف پیش آرہی ہے تو اس وقت دل کے اندر یہ بات آتی ہے کہ آخر وہ کس طرح ہوگی اس کے لئے کیا اسباب اختیار کیے جائیں گے۔

اب حضرت مریم ؑ کے سامنے پہلے ایسا کوئی نمونہ نہیں ہے کہ کسی عورت کو مرد مس نہ کرے اور معمول کے مطابق اس کو بچہ ہو جائے، پھر عورت بھی نیک پاک دامن اور ولیہ ہو صدیقہ ہو، جتنے اچھے سے اچھے الفاظ آپ ان کے لئے استعمال کرسکتے ہیں وہ سب ان کے اوپر صادق آتے ہیں، انہوں نے بھی یہی سوال کیا کہ "انی یکون لی ولد" کہ میرے لئے بچہ کیسے ہوگا، "ولم یمسسنی بشر" یہ نکرہ تحت النفی ہے کہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا اور مس کرنا یہاں جماع سے کنایہ ہے، صرف ہاتھ لگانا مراد نہیں ہے کیونکہ اولاد کے لئے صرف ہاتھ لگانا کافی نہیں ہوتا بلکہ اولاد کے لئے مرد و عورت کا جو سلسلہ ہوا کرتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے، اور یہاں چونکہ دوسرا لفظ نہیں آیا اس لئے یہ جائز ناجائز دونوں کو شامل ہے کہ کسی انسان نے میرے ساتھ جامعت نہیں کی میرے لئے بچہ کیسے ہوگا؟

عام طور پر عادت یہی ہے کہ مرد و عورت مجامعت کرتے ہیں تبھی اولاد ہوتی ہے، سورۃ مریم کے اندر دو لفظ آئیں گے "لم یمسسنی بشر ولم اك بغیاً" تو چونکہ "لم اك بغیاً" کا لفظ وہاں آیا ہوا ہے کہ میں کوئی بدکارہ بھی نہیں ہوں، اس لئے وہاں "لم یمسسنی بشر" سے مراد ہوگا کہ جائز طریقہ سے بھی میرے پاس کوئی نہیں آیا اور میں بدکارہ بھی نہیں ہوں تو پھر بچہ کیسے ہو جائے گا؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کذٰلك انہی حالات میں بغیر مس بشر کے "الله یخلق مایشاء" اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے تو یہ بات حضرت مریم ؑ کے سوال و جواب کے سلسلہ میں پوری طرح واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کسی آدمی کی طرف نہیں ہے صرف حضرت مریم ؑ کی طرف ہے، اور پھر ولادت کا پورا قصہ سورۃ مریم کے اندر مذکور ہے کہ نفخ جبرائیل کے ساتھ ان کو حمل ٹھہر گیا، اور پھر وہ آبادی سے دور چلی گئیں، اکیلی تھیں، طبیعت کے اوپر کام کا اثر بھی تھا کہ ٹھیک ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سب کچھ پیش آرہا ہے، کل کو جب میں بچہ لے کے قوم کے پاس جاؤں گی تو قوم مجھے کیا کہے گی، اور پھر میں اکیلی عورت میری صفائی کا کون اعتبار کرے گا یہ طبعی طور پر اس قسم کے خیالات انسان کے اوپر طاری ہوتے ہیں، اس لئے جب یہ بچہ ان کے ہاں پیدا ہو رہا تھا تو ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے جو قرآن کریم نے نقل کیے "یا لیتنی مت قبل هذا وکنت نسیاً منسیاً" اے کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی، اور میں بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی کہ کوئی شخص مجھے جانتا ہی نہ، میں بالکل فراموش ہو جاتی، حالات کے دباؤ کے تحت انسان کے اوپر اس قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہ انسانی طبیعت کا ایک تقاضہ ہے، تو اسی غم اور فکر کی بناء پر ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلے۔

پھر ہوا بھی ایسے ہی کہ جس وقت وہ بچہ کو لے کر آئیں تو قوم میں شور مچ گیا سارے کے سارے لوگ اکٹھے ہو کے آ گئے، اور انہوں نے آ کر یہی اعتراض کیا جس کی توقع تھی کہ "ماکان ابوك امرأ سوء وماکانت امك بغیا" کہ مریم یہ کیا کرلیا، تیرا تو باپ بھی برا نہیں تھا اور تیری ماں بھی بدکارہ نہیں تھی، مطلب یہ کہ اچھے خاندان کی لڑکی تھی تو یہ کیا کر لائی سب کا ذہن ادھر ہی گیا، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صفائی دی اور پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ جب یہ قوم آئے گی اس قسم کا سوال کرے گی تو تو نے بولنا نہیں ہے، اور اس شریعت کے اندر خاموشی کا روزہ بھی ہوا کرتا تھا کہ روزہ رکھ لیا کہ میں بولوں گی نہیں، "انی نذرت للرحمٰن صوماً فلن اکلم الیوم انسیاً" میں نے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، تو جب انہوں نے سوال کیا تو "فاشارت الیه" بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسی سے پوچھو وہ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیا پوچھیں یہ تو ابھی چھوٹا سا بچہ ہے کچھ بتا ہی نہیں سکتا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعظ شروع کر دی "قال انی عبدالله أتانی الکتاب" تو یہ "یکلم الناس فی المهد" سے وہی وعظ مراد ہے جو گود کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اور اپنی ساری کی ساری حیثیت واضح کر دی تھی۔

"اذاقضیٰ امرا" اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے جس وقت وہ فیصلہ کرتا ہے کسی امر کا سوائے اس کے نہیں اس کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ظاہری اسباب اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام توراۃ، انجیل اور قرآن وسنت کے جامع ہیں:

"ویعلمه الکتاب والحکمة" پھر وہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہوگا وہ ایسی شان کا ہوگا کہ اللہ اس کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا اور توراۃ وانجیل سکھائے گا، توراۃ وانجیل یا تو یہ کتاب وحکمت کا ہی بیان ہے یا بعض مفسرین نے ذکر کیا کہ چونکہ توراۃ وانجیل کو آگے مستقل ذکر کر دیا اس لئے کتاب وحکمت سے یا تو لکھنا مراد ہے کہ اللہ انہیں لکھنا سکھائے گا اور حکمت دے گا، ان کی وعظ ونصیحت بڑی حکمت پر مبنی ہوا کرے گی، بڑی حکمت ودانش مندی کی باتیں کریں گے، اور توراۃ وانجیل کی تعلیم بھی اللہ تعالیٰ دیں گے، یا پھر کتاب وحکمت کا مصداق قرآن وسنت ہے یہ بھی پیشین گوئی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخر عمر میں نازل ہو کر اس امت کے اندر سرداری کرنی ہے، امامت سنبھالنی ہے، اور اس وقت وہ فیصلہ قرآن وحدیث کے مطابق کریں گے، اور وہ یہاں آ کے قرآن وحدیث کی تفسیر وتعلیم حاصل نہیں کریں گے کہ صحاح ستہ کو پڑھیں، کہیں دورہ کریں پھر پتہ چلے کہ حدیث میں کیا آتا ہے اور قرآن کریم کا کیا مطلب ہے، وہ یہاں آ کر تعلیم حاصل نہیں کریں گے اللہ نے ان کو پہلے ہی علم دیا ہوگا، تو ان کے علم کے دو شعبے ہو گئے کہ انہیں توراۃ وانجیل کا علم بھی حاصل ہوگا اور قرآن وسنت کا علم بھی ان کو حاصل ہوگا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی جا رہی ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ وضاحت کی جا رہی ہو تو

لوگ اس کا مصداق نہ سمجھیں اور وہ اس کو اور معنوں پر ہی محمول کرتے رہیں، جب واقعہ پیش آئے گا تو پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ قرآن وسنت کو بھی جانتے ہیں اور توراۃ وانجیل کو بھی جانتے ہیں پھر ان لفظوں کا مصداق متعین ہو جائے گا، اور ہمارے سامنے چونکہ دلائل قطعیہ کے ساتھ یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرآن وسنت کے مطابق اس دنیا کے اندر آ کے امامت کرنی ہے اس لئے ہم اگر کتاب وحکمت کا مصداق قرآن وسنت کو بنا دیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع ہوں گے توراۃ وانجیل کے بھی اور قرآن وسنت کے بھی ان کی پہلی زندگی توراۃ وانجیل کے مطابق گزرے گی اور نزول کے بعد ان کی دوسری زندگی کتاب وحکمت کے مطابق گزرے گی، چاہے اس وقت لوگ اس کا مصداق نہ سمجھیں لیکن اب دلیل کے ساتھ اس کی تعیین کی جاسکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

"ورسولا الیٰ بنی اسرائیل" اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر اٹھائے گا یہ خبر دیتے ہوئے وہ آئیں گے کہ میں تمہارے رب کی طرف سے دلیل لے کر آیا ہوں اپنی نبوت پر اور اپنی رسالت پر، اس دلیل سے معجزہ مراد ہے جس کے ساتھ حسی طور پر نبی اپنی نبوت کو ثابت کرتا ہے اور اس آیت کی تفصیل اگلے الفاظ میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے معجزات دیے تھے کہ مٹی سے ایک پرندے کی شکل بنا لیتے، جس طرح تصویر بنائی جاتی ہے اور ایسی تصویر بنانا ان کی شریعت کے اندر جائز تھا جیسے سورۃ السباء کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں بھی آئے گا کہ جنات ان کے لیے تماثیل اور تصویریں بنایا کرتے تھے، اور ہماری شریعت میں اس کی اجازت منسوخ ہوگئی، اور اس قسم کی چیز کا بنانا چاہے وہ لکڑی کی ہو، ربڑ کی ہو، مٹی کی ہو، پیتل تانبے چاندی کی ہو، کسی چیز کی ہو جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے یہ جائز نہیں ہے، ان کی شریعت میں جائز تھی۔

تصویر بنا لیتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن کے اڑ جاتا، اور اس معجزہ سے بھی حسی طور پر لوگوں کے ذہن سے اس اشکال کو دور کرنا مقصود تھا کہ بغیر ظاہری اسباب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا کس طرح ہو گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے کے ہاتھ پر اس قدرت کو ظاہر کر دیا کہ اگر ایک بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ چیز حاصل ہے کہ بے جان چیز میں پھونک مارتا ہے اور وہ پرندہ بن کے اڑ جاتا ہے، تو اگر اس کی اس پھونک کے اندر اللہ نے یہ اثر رکھا ہے بے جان چیزوں میں جان ڈالنے کا تو جس کی یہ مخلوق ہے جس کی طرف سے اس کو یہ چیز حاصل ہو رہی ہے اس کی قدرت کتنی وسیع ہوگی؟ اسی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھونک ماری اور مریم علیہا السلام کے بطن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ظاہر ہو گیا۔

تو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک کے ساتھ بے جان چیز میں جان پڑتی ہے اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے نفخ کے ساتھ بھی جان پڑ گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے، تو یہ معجزہ بھی ان کی ولادت پر ایک حسی دلیل ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اثرات دیکھئے کہ ایک وقت میں ان کی پھونک کے اندر بے جان چیزوں میں جان ڈالنے کی تاثیر رکھ دی، اور دوسرا وقت آئے گا جب یہ آخر زمانہ میں قیامت سے پہلے اتریں گے تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کافر کو بھی ان کے سانس کا اثر پہنچے گا وہ مر جائے گا یعنی ایک وقت میں اسی پھونک کے اندر جان ڈالنے کی تاثیر رکھ دی، اور دوسرے وقت میں اسی پھونک کے اندر مارنے کی تاثیر رکھ دی کہ جہاں تک ان کی نظر جائے گی وہاں تک ان کے سانس کا اثر جا سکتا ہے، بس ایک پھونک کے ساتھ ہی معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

معجزہ وہ ہے جو بغیر اسباب کے ظاہر ہو:

اور دوسرے معجزات کی حالت یہ ہے کہ اس زمانہ میں طب اور ڈاکٹری کا بہت زور تھا، بڑے بڑے ماہر طبیب بڑے بڑے اچھے طبیب موجود تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت ہے کہ جس وقت کسی نبی کو بھیجتے ہیں اس زمانہ میں جس قسم کے کمالات لوگوں کے اندر ہوتے ہیں جن کو لوگ سمجھتے ہیں کہ بہت بڑا کمال ہے اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ سے ان کو اسی میدان میں عاجز کرتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ واقعی اس کا تعلق کسی بڑی ہستی کے ساتھ ہے اور یہ جو کچھ کر کے دکھا رہا ہے یہ انسانی بس سے باہر ہے۔

اب وہ حکیم طبیب، ڈاکٹر موجود ہیں وہ بھی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس یہ دوا نہیں تھی کہ مادرزاد اندھے کو بینا کر دے، اور نہ ہی کوڑھ کا علاج تھا، اور مردے کو زندہ کرنے کی تو کیا ہی بات ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ایسے دیے جن کے سامنے اس وقت کے باکمال لوگ عاجز آ گئے، اور وہ بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی بندے کے بس میں نہیں ہے۔

اور پھر یہ صحت جو حاصل ہوتی ہے یہ ظاہری اسباب کے خلاف ہے، بغیر ظاہری اسباب کے ارتکاب کے صحت حاصل ہو رہی ہے کہ ایک اندھا آیا اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں، اب یہ منہ کے اوپر ہاتھ پھیر دینا، آنکھوں کے اوپر ہاتھ پھیر دینا یہ آنکھوں کا علاج تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا اثر رکھ دیا ہے، اس لئے معجزہ میں یہ بات ہوا کرتی ہے کہ اس میں ظاہری اسباب سے تمسک نہیں ہوا کرتا یہ بغیر ظاہری اسباب کے ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اس قسم کا کام ظاہری اسباب کے ساتھ کرنے پر قادر بھی ہو جائے تو بھی معجزہ کے اندر معجزہ والی شان باقی رہا کرتی ہے کیونکہ نبی جو کام کرتا ہے اس میں ظاہری اسباب اختیار نہیں کیے جاتے۔

مثلاً اب اگر ڈاکٹری اتنی ترقی کر جائے کہ مادر زاد نابینا بچہ کی آنکھوں کا آپریشن کیا جائے اور اس میں کسی دوسرے جانور کی آنکھ فٹ کر دی جائے اور اندر سے رگیں جوڑ دی جائیں کیونکہ دماغ کے اندر وہ نور بسا اوقات باقی ہوتا ہے لیکن آگے وہ شیشہ خراب ہے یہ آنکھوں میں دونوں قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیچھے سے تو نور ہے لیکن آگے سے بلب فیوز ہو گیا اور یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ روشنی نہیں دیتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ بلب تو ٹھیک ہے لیکن پیچھے سے نور ختم ہو گیا اب یہ تجربے آج کل ہو رہے ہیں کہ ایسے شخص کی آنکھ میں اگر کسی دوسرے کی آنکھ لگا دی جائے، مثلاً ایک آدمی قریب المرگ ہے اور وہ اجازت دے دیتا ہے کہ میری آنکھ نکال لو کیونکہ مرنے کے بعد کوئی عضو کام نہیں آتا زندہ کا نکالا جائے تو اس میں حیات کا اثر ہوتا ہے، تو اس لئے وہ آنکھ نکال کر دوسرے میں فٹ کر دی جائے اور پیچھے اس کا منبع نور ٹھیک ہو تو ایسے وقت میں نظر آ سکتا ہے۔

لیکن اس کے لیے آپ جانتے ہیں کہ کتنے اسباب اختیار کئے جائیں گے اور کتنا دھندہ کیا جائے گا؟ کتنا اس میں وقت لگے گا؟ کتنی اس میں مشقت ہوگی، اور ایک نبی صرف ہاتھ پھیرتا ہے اور وہ ٹھیک ہو جاتا ہے پھر بھی یہ معجزہ ہے تب بھی اس میں معجزہ ہونے کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس میں ظاہری اسباب اختیار نہیں کئے جاتے اسی طرح اگر کوڑھ کا علاج دریافت ہو بھی جائے اگرچہ آج بھی اس کو تقریباً لاعلاج مرض قرار دیا جاتا ہے الا ماشاء اللہ کسی کو آرام آجائے ورنہ یہ لاعلاج مرض ہے لیکن اگر کسی وقت اس کا علاج دریافت ہو بھی جائے تو کتنی مدت تک ٹیکے لگانے پڑیں گے، کتنی دیر تک مرہمیں استعمال کرنی پڑیں گی، تب جا کے یہ زخم ٹھیک ہوں گے اور خون صاف ہوگا، اور ایک ہے کہ اس طرح ہاتھ پھیرا اور وہ ٹھیک ہو گیا تو اگر اس کا علاج دریافت ہو بھی جائے تب بھی اس کے معجزہ ہونے پر کوئی کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا۔

اور احیاء موتی کا تو اب تک بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ایک آدمی مر گیا ہے واقعی مر گیا ہے، ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی کہ مر گیا ہے، اس کے اندر اب جان نہیں ہے اب کوئی آ کے کہے "قم باذن الله" اٹھو اب اس میں جتنا عجز ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، اب یہ چیزیں جو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے طور پر ذکر کی جا رہی ہیں یہ اس وقت کے باکمال لوگوں کو عاجز کرنے والی باتیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات دیے گئے کہ اس کے مقابلے میں وہ عاجز آ گئے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا اور وہ لوگ دوسروں کو اپنے مقابلہ میں گونگا سمجھا کرتے تھے، تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی کہ بڑے بڑے فصحاء بلغاء گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے، اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں معجزات اسی قسم کے دیتے ہیں جیسے حالات ہوتے ہیں،

اور یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں احیاء موتی بھی ذکر کیا گیا ہے، اب آپ جانتے ہیں کہ مردے کو زندہ کرنا بے جان چیز کے اندر جان ڈال دینا اصل کے اعتبار سے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی صفت ہے کہ "محیی و ممیت" زندہ کرنے والا بھی وہی ہے اور مارنے والا بھی وہی ہے۔

معجزات اور کرامات کے عقیدہ میں مشرک اور موحد میں فرق:

اور یہاں نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف " احی الموتی " کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں تو یہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے اس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف کر رہے ہیں اس میں توحید جو محفوظ رہتی ہے تو لفظ باذن اللہ کے ساتھ محفوظ رہتی ہے کہ میں یہ جو کچھ کرتا ہوں اللہ کی اجازت سے کرتا ہوں، اللہ کے اذن سے کرتا ہوں، اللہ اس چیز میں اثر رکھیں گے تو ہوگا، اگر نہیں رکھیں گے تو نہیں ہوگا، مشرک میں اور موحد میں فرق یہی ہوتا ہے۔

توجہ فرمایئے! کرامات کے طور پر جو چیزیں بزرگوں کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں پائی جاتیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات جو صحیح روایات کے اندر آئے ہوئے ہیں ان کو ہم بھی مانتے ہیں اور مشرک بھی مانے گا، لیکن مشرک یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دے دیا ہے کہ اب یہ اللہ کی طرف سے اذن کے محتاج نہیں، اب یہ جب چاہیں کر دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اختیار دے کر فارغ ہو گیا، اب جو کچھ یہ کریں اپنے طور پر کریں گے، یہ عقیدہ شرک ہے اگرچہ بنیادی طور پر اس چیز کو مانتے ہوں کہ دیا ہوا اللہ کا ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کرتا ہے لیکن ساتھ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ اس کے ہاتھ پر یہ چیز ظاہر ہوتی ہے اگر چاہے گا تو ظاہر ہوگی، اگر نہیں چاہے گا تو نہیں ظاہر ہوگی، اور وہی بات کر سکتے ہیں اور وہی چیز دکھا سکتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا اذن ہوگا۔

اس باذن اللہ کی قید سے وہ بات جس کی ہم کسی ولی یا نبی کی طرف نسبت کریں گے، نسبت تو ہماری طرف سے بھی ہوگی کہ عیسیٰ علیہ السلام احیاء موتی کرتے تھے، حالانکہ مردوں کو زندہ کرنا یہ کام اللہ کا ہے، عزرائیل علیہ السلام موت دیتے ہیں جان نکالتے ہیں حالانکہ موت دینا اللہ کا کام ہے، حقیقت کے اعتبار سے موت دینے والا اللہ ہے، زندگی دینے والا اللہ ہے، اب موت کی نسبت عزرائیل علیہ السلام کی طرف اور احیاء کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ شرک نہیں ہے کیونکہ ہم باذن اللہ کی قید ساتھ لگاتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی تو وہ جان نکال سکتا ہے، اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اللہ کا اذن ہے، اور اسی طرح اللہ کا اذن ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام کسی مردے میں جان ڈال سکیں گے اور اگر اللہ کا اذن نہیں ہوگا تو کچھ بھی نہیں کر سکیں گے، تو ان صفات کی نسبت غیر اللہ کی طرف جب ہم باذن اللہ کی قید کے ساتھ کریں گے تو اس سے عقیدہ توحید پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اور جہاں یہ کہہ دیا جائے کہ دیا اختیار اللہ نے ہے وہ لے بھی سکتا ہے لیکن اختیار مل جانے کے بعد جتنی دیر تک اختیار ہے وہ مختار ہے جو چاہے کرے، جزئیات کے اندر اللہ تعالیٰ کے اذن کا محتاج نہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنا شرک ہے، موحد اور مشرک کے عقیدہ میں یہی فرق ہوتا ہے، اور یہ بھی میں نے عرض کیا تھا کہ جو چیز معجزات کے طور پر واقع ہوسکتی ہے کرامت کے طور پر بھی وہ چیز واقع ہوسکتی ہے، کیونکہ کرامت اور معجزہ دونوں کی حقیقت ایک ہے کہ یہ اللہ کی قدرت کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر، اس لئے کوئی شخص کسی کی طرف مادر زاد اندھے کو بینا کرنے کی نسبت کرے یا احیاء موتی کی نسبت کرے لیکن کرتا باذن اللہ کی قید کے ساتھ ہے عقیدہ وہی ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا چاہے واقعات کو آپ جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

ایک آدمی نے آکر کہا کہ فلاں ولی نے مردے کو کہا " قم باذن الله " تو وہ زندہ ہوگیا اب یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط کہہ رہا ہے، جھوٹ بول رہا ہے، اس نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے، لیکن ایسا کہنا شرک نہیں ہے، واقعات کی صحت پر تو بحث کی جائے گی کہ واقعہ صحیح ہے یا غلط، اور اگر راوی معتبر ہے، نقل کرنے والے کئی ہیں تو آپ اگر اس کو تسلیم بھی کرلیں گے تو یہ کوئی توحید کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔

دجال بھی اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرے گا:

بہر حال قرآن کریم میں تو احیاء موتی کی نسبت کردی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف، اور حدیث شریف میں آپ پڑھیں گے باب ذکر الدجال میں کہ دجال بھی مردوں کو زندہ کرکے دکھائے گا کہ ایک آدمی اس کے سامنے جائے گا اور دجال اسے کہے گا کہ تو مجھے رب مانتا ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا کہ میں تو نہیں مانتا وہ آری منگوائے گا اور اس کو اس کے سر پر رکھ کر اس کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کردے گا اور دجال ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں چلے گا، اور پھر اسے کہے گا کہ قم وہ آدمی اٹھے گا اور پھر ہنستا ہوا آجائے گا یہ کارنامہ دکھائے گا پھر کہے گا اب تو مجھے رب مانتا ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا کہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ بصیرت حاصل ہوگئی کہ تو دجال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے حالات ایسے ہی بتائے تھے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دجال کسی قوم کے پاس جائے گا اور اس کو وہ مان لیں گے تو بارشیں ہوں گی، نباتات ہوں گی، ان کے جانور موٹے موٹے ہوجائیں گے، دودھ بہت دیں گے، اور ایک قوم کے پاس جائے گا وہ نہیں مانیں گے تو قحط سالی میں مبتلا ہوجائیں گے نہ بارش ہوگی نہ زمین سے کوئی فائدہ ہوگا اور وہ محتاج ہوجائیں گے، اور ایک آدمی کے پاس جاکر کہے گا کہ اگر میں تیرے باپ کو زندہ کردوں تو پھر کیا تو مجھے رب مان لے گا وہ کہے گا کہ ہاں مان لوں گا، وہ اس کے باپ کو کھڑا کردے گا، چاہے وہ جنات کی شکل میں آئیں چاہے جو بھی صورت ہو بہر حال حدیث کے

اندر زندہ کرنے کا ذکر ہے، روایت میں الفاظ یہی ہیں کہ مردے کو زندہ کر کے دکھا دے گا تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک استدراج ہوگا لوگوں کے لئے امتحان کا باعث ہوگا کہ کون اس کو مانتا ہے اور کون اس کو نہیں مانتا۔

اب ان واقعات کی نسبت غیر اللہ کی طرف موجود ہے، قرآن کریم کی آیات کے اندر موجود ہے، روایات صحیحہ میں موجود ہے لیکن مشرک اور موحد کے نظریے میں فرق یہی ہے کہ موحد کہے گا کہ سب اللہ کی جانب سے ہے، اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے، اگر اللہ کی طرف سے اذن نہ ہو تو کوئی چیز واقع نہیں ہوسکتی، اور مشرک ان چیزوں کو دیکھ کر کہے گا کہ سب کچھ یہی کر دیتے ہیں، تو باذن اللہ کی قید کے ساتھ سارے کا سارا معاملہ ٹھیک ہو جاتا ہے، یہ تو تھے عملی معجزات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر کے دکھاتے تھے۔

"وانبئكم بما تأكلون" یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علمی معجزہ ہے کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں جو کچھ تم گھر میں کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ کر کے رکھتے ہو، یعنی میرے پاس تم آؤ تو میں تمہیں بتا دوں گا کہ کیا کھا کے آئے ہو، اور میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کون سی چیز جمع کر کے گھر میں رکھ کے آئے ہو، یہاں اگرچہ باذن اللہ کی قید نہیں لیکن یہاں بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملتی ہے اور اس کے مطابق ذکر کر دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کے خفیہ حالات کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص کو پتہ چل جاتا ہے تو اس قسم کی نسبت یہ بھی کوئی شرک نہیں ہے لیکن باذن اللہ کی قید ضروری ہے۔

خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

آپ کی معلومات کے لئے عرض کروں کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں والے یہ اصل کے اعتبار سے مرید ہیں حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ موسیٰ زئی والوں کے اور ان کے خلیفہ تھے خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ جن کی طرف نسبت کی بناء پر کندیاں والی خانقاہ خانقاہ سراجیہ کہلاتی ہے، تو مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصل مرید خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کا تعلق خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا، مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت خواجہ سراج الدین صاحب کی طرف سے ہے، خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات چھپے ہیں فارسی زبان میں فوائد عثمانی کے نام سے تو اس میں ایک کشف حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا ہوا ہے۔

کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خود مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کر کے کہا کہ مولانا! اپنے گھر چلے جاؤ اور پھر واپس آنا اور آ کے مجھ سے پوچھنا میں ایک ایک واقعہ جو تم کر کے آئے ہو گے میں تم کو

بتادوں گا، اور کسی معاملہ میں تم اختلاف نہیں دیکھو گے، اس قسم کے واقعات اولیاء اللہ کی کتابوں کے اندر لکھے ہوئے ہیں، لیکن ہم کہیں گے'' ان شاء اللہ ، بمشیۃ اللہ'' اس قسم کا علم اگر اللہ تعالیٰ اولیاء کو دے دے اور کسی ولی کے اوپر انکشاف ہوجائے، کسی کے حالات کو وہ جان لے تو یہ نسبت شرک نہیں ہے، بشرطیکہ ان شاء اللہ اور بمشیۃ اللہ کے تحت ہو، اور اگر اللہ کے اذن کی رعایت نہیں رکھی جائے گی ان شاء اللہ نہیں ہوگا پھر یقیناً شرک ہے، اس لئے کسی کلام کے اندر اس قسم کی نسبت دیکھ کے فوراً شرک کا فتویٰ نہ لگا دینا جب تک کہ اتنی تحقیق نہ کرلی جائے جتنی آپ کے سامنے میں نے عرض کی ہے کہ اس شخص کا کیا نظریہ ہے؟ وہ اللہ کے اذن کے تحت ان کو مانتا ہے یا نہیں؟ اللہ کی مشیت کے تحت ان کو مانتا ہے یا نہیں؟ اگر اللہ کی مشیت اور اذن کے تحت مانتا ہے تو شرک سے نکل گیا۔

ہاں! البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ تحقیق کریں کہ جو واقعہ یہ بیان کرتا ہے وہ پیش بھی آیا ہے یا نہیں، یا اس نے جھوٹا خود ہی بنالیا ہے ایسے بھی تو لوگ کرتے رہتے ہیں کہ پیر اڑتے تو نہیں ہیں لیکن مرید اڑا دیتے ہیں، تو جھوٹ بول سکتا ہے، غلطی ہوسکتی ہے لیکن جب نسبت اس انداز کے ساتھ ہوگی تو ہم اس کو شرک نہیں کہیں گے یہ فرق ضرور ہے، یہ علمی معجزہ ہے اور اسی قسم کا علمی معجزہ سورۃ یوسف کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی آئے گا اس کو وہاں ذکر کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات:

''ومصدقاً'' اور میں تمہارے پاس آیا ہوں اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو مجھ سے پہلے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے لئے حلال کردوں وہ چیزیں جو توراۃ کے اندر حرام کی ہوئی ہیں، تو بعض چیزیں جو سزا کے طور پر ان پر حرام کردی گئی تھیں جن کا ذکر سورۃ الانعام میں ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر توراۃ کے بعض احکام کو منسوخ کیا اور ان حرام اشیاء کو حلال ٹھہرادیا، اور اسی چیز کو یہود نے بہانہ بنایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا، ان کے مفتیوں نے، ان کے مولویوں نے، ان کے احبار نے جو دیکھ رہے تھے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات مانی گئی تو ہماری دکانداری ختم ہوجائے گی، انہوں نے پروپیگنڈہ یہ کیا کہ دیکھو یہ توراۃ کی تحریف کرتا ہے، توراۃ کی مخالفت کرتا ہے اور اس طرح ان کو (نعوذ باللہ) بے دین ثابت کرنے کی کوشش کی، اور یہی شکایات اس وقت کے حاکم تک پہنچائیں جس کے بعد فیصلہ ہوا کہ ان کو پکڑ کے سولی پر چڑھا دیا جائے، جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے اگر میں کسی حکم کو منسوخ کرتا ہوں تو میرے پاس اس کی بھی دلیل ہے کہ میں اس کو کس بناء پر منسوخ کرتا ہوں، اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور میری تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہی

میرا رب ہے اور اللہ ہی تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے تو یہ رب کا ذکر کیا کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور یہاں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملفوظات میں بھی یہی تھا کہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ محاورہ ہو کہ رب کے لئے لفظ اب استعمال کرتے ہوں جس کا ترجمہ اردو کے اندر باپ کر دیا گیا کہ اللہ میرا بھی باپ ہے اور تمہارا بھی باپ ہے اس لئے تم اسی کی عبادت کرو، اردو والی انجیل کے اندر ترجمہ یہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ اللہ میرا باپ ہے، تو اللہ میرا بھی باپ ہے تمہارا بھی باپ ہے میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے کا ترجمہ یوں ہو کے معاملہ خراب ہو گیا اور رب کی بجائے اب ہو گیا، اس لئے وہ کہتے تھے " نحن ابناء الله " ہم بھی اللہ کے بیٹے ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے تھے کہ وہ بھی اللہ کا بیٹا ہے یوں گڑبڑ کر دی، یہ ہے رب کہ میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب، پیدا کرنے والا پالنے والا وہی ہے عبادت اسی کی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

لفظ حواری کا معنیٰ ومفہوم:

"فلما احس عیسیٰ منھم الکفر" اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر معلوم کیا کہ یہ وقت کے چوہدری اور فتوے باز ماننے والے نہیں ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عوام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں تو اللہ کی طرف متوجہ ہوں اس سلسلے میں میری مدد کون کرے گا؟ تو حواریوں نے کہا اور یہاں جو حواری کا لفظ ہے یہ حواری کا لفظ ناصر کے معنی میں ہے اور یہ لفظ اسی زبان کا ہے یہ عربی لفظ نہیں ہے بعد میں یہ لفظ عربی کے اندر بھی اسی معنی میں استعمال ہونے لگ گیا، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے "ان لکل نبی حواریا وحواری الزبیر" (مشکوٰۃ ص ۵۶۵) ہر نبی کے لئے کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے، اور اگر یہ لفظ عربی ہو تو پھر اس کا ماخذ حور ہے اور حور سفید کو کہتے ہیں اس لئے حور جو حوراء کی جمع ہے گورے رنگ کی عورت وہ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتی ہے، تو حور جس وقت سفیدی کے معنی میں ہوگا تو یہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے یہ حواری کہلاتے تھے یا تو اپنی سفید پوشی کی وجہ سے یا دلوں کی سفیدی کی وجہ سے یا بعض حضرات نے کہا کہ ان کا پیشہ تھا کپڑے دھونا یہ دھوبی تھے اس لئے دھوبی کو حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑوں کو صاف کرتا ہے، پھر چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھی ثابت ہوئے تو اب یہ حواری عنوان ہی بن گیا مخلص ساتھی کے لئے، اب اگر ہم کہیں کہ فلاں میرا حواری ہے تو یہ لفظ تشبیہاً استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے لئے یہ ایسے ہی مخلص اور جاںنثار ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ دھوبی تھے۔

جیسے یارِ غار کا لفظ بولا جاتا ہے، اصل کے اعتبار سے تو یہ لفظ بولا جاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جو غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو غار کے اندر آپ نے دوستی نبھائی لیکن بعد میں یہ لفظ تشبیہاً مخلص دوست کے لیے بولنے لگ گئے اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ میرے لئے یہ ایسے ہی قابل اعتماد ہے جس طرح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتماد کا مظاہرہ سب سے زیادہ غار میں ہوا ہے کہ جب اپنی جان اور ہر چیز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعتماد میں دے دی گئی اگر یہ بے وفائی کر جاتے تو کتنا نقصان ہوتا؟ ایسے موقع پر انسان سب سے زیادہ مخلص اور قابل اعتماد ساتھی کو ساتھ رکھا کرتا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یارِ غار تھے تو اب جو بھی مخلص دوست ہوتا ہے اس کو ہم یارِ غار کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح لفظ حواری ہے جو اصل کے اعتبار سے مددگار پر بولا جاتا ہے، تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، یعنی اللہ کے دین کے مددگار ہیں، اللہ کے رسول کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تو گواہ ہو جا بے شک ہم فرمانبردار ہیں، اور اس کے بعد اللہ کے سامنے مناجات کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں اس چیز کے ساتھ جو تو نے اتاری اور ہم نے تیرے اس رسول کی اتباع کی پس تو لکھ لے ہمیں اقرار کرنے والوں کے ساتھ۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِذْ قَالَ

اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے بہترین تدبیر کرنے والے ہیں ﴿٥٤﴾ جب کہا

اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ سے اے عیسیٰ! میں تجھے لینے والا ہوں اور میں تجھے اٹھانے والا ہوں اپنی طرف اور میں تجھے صاف ستھرا کرنے والا ہوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى

کافروں سے اور میں کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تیرے متبع ہیں ان لوگوں کے اوپر جنہوں نے کفر کیا

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

قیامت تک، پھر میری طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا اس بات میں جس میں تم

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا

اختلاف کرتے ہو ﴿٥٥﴾ پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا میں انہیں سخت سزا دوں گا دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور آخرت میں، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿٥٦﴾ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾

نیک تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿٥٧﴾

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

یہ بات ہم اس کو پڑھتے ہیں آپ پر آیات میں سے ہے اور پُرحکمت نصیحت میں سے ہے ﴿٥٨﴾

تفسیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کی عداوت:

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ حال ذکر کیا گیا ہے جو یہودیوں کی عداوت انتہاء کو پہنچنے کے بعد آپ پر گزرا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس وقت اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا پیغام پہنچایا تو اس وقت کے یہودی، یہودی علماء و مفتی اور ان کے احبار و رہبان سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو گئے

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں شروع کردیں تاکہ انہیں ختم کردیا جائے اور کسی نہ کسی طریقہ سے یہ جھگڑا ختم ہو جائے، عوام کے اندر بھی غلط پروپیگنڈے کیے کہ آپ کی والدہ پر الزامات لگائے اور آپ کو غیر ثابت النسب قرار دیا، برے برے الفاظ استعمال کیے اور حکومت کو بھی غلط رپورٹیں دینی شروع کردیں، اس وقت اس علاقہ پر رومیوں کی حکومت تھی جو بت پرست تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ توحید کا پرچار کرتے تھے، تو جو آپ کی وعظ وتقریر ہوتی غیر اللہ کا دل ودماغ پر تسلط ختم کرنے کے لیے اس کو اس وقت کے موجود لوگوں نے حکومت کی مخالفت پر محمول کرتے ہوئے حکومت کو غلط رپورٹیں دینی شروع کردیں کہ یہ تو آپ کے خلاف ہی بھڑکاتا ہے، اور محرف تورات قرار دیا کہ (نعوذباللہ) یہ تو بددین آدمی ہے جو اللہ کی کتاب کو بدل رہا ہے، اور یہ بزرگوں کا مخالف ہے ان کی طرف سے جو طریقہ چلا آ رہا ہے ان کے رسم ورواج کو توڑ رہا ہے ان کی غلطیاں نکال رہا ہے۔

اس طرح شور کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایک طوفان برپا کردیا، حکومت کی طرف سے گرفتاری کے آڈر ہوگئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مکان کے اندر موجود تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد منافق تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کی رپورٹ دیتا تھا، جاسوسی کرتا تھا، اس کی جاسوسی کے ساتھ پتہ چل گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں موجود ہیں تو اس مکان کا محاصرہ کرلیا گیا، تو ایسے وقت میں جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکان کے اندر بند ہیں اور باہر سے دشمنوں نے محاصرہ کرلیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کی تسلی کے لیے ان کو یہ باتیں کہی گئیں جن کو قرآن کریم کے اندر یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خیر الماکرین ہونے کا مطلب:

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کچھ وعدے کیے گئے ہیں اور کچھ اطمینان دلایا گیا ہے تو یہ ان کی تدبیر تھی جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لیے کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تدبیر کی (ذرا مضمون کی روش دیکھتے جائیے) یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''خیر الماکرین'' قرار دیا، تو اللہ تعالیٰ ''خیر الماکرین'' تبھی بنتے ہیں کہ دشمن جس قسم کی تدبیریں کررہے تھے وہ ناکام ہوجائیں، اور جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مقصد پورا نہ ہو، اور اس کے برعکس جس کو وہ ذلیل کرنا چاہتے تھے اس کو عزت مل جائے، جس کو وہ مارنا چاہتے تھے وہ زندہ رہ جائے، جس کو وہ مغلوب کرنا چاہتے تھے وہ غالب آجائے، یہ ہے ان دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی کامیاب تدبیر۔

اور اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے میں کامیاب ہوجائیں، اور سولی چڑھانے میں کامیاب ہوجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے مقابلہ میں کیا کامیاب ہوئی؟ جو وہ کرنا چاہتے تھے وہ تو انہوں نے کرلیا، بالکل اسی قسم کی آیت قرآن کریم میں آپ کے سامنے غالباً سورۃ توبہ میں جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر آئے گا وہاں بھی ہے،

"اذیمکر بك الذین کفروا" کہ کافر لوگ تیرے خلاف مکر کرتے تھے تو انہوں نے بھی تدبیر کی آپ کو قتل کرنے کی لیکن اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

بالکل اسی قسم کی صورت وہاں پیش آئی کہ مشرکین نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، آپ کو گھیرے میں لے لیا اوران کا مقصد تھا کہ حضور ﷺ کو قتل کر دیا جائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تدبیر کے تحت اس گندے ماحول سے حضور ﷺ کو نکالا اور کامیابی کے ساتھ بچاتے ہوئے دوسرے علاقہ میں جا کے بٹھا دیا، جہاں ہر طرف سے حضور ﷺ کو عزت ملی، آپ کو غلبہ ملا، آپ کے مخالفین ذلیل ہوئے، تو وہاں مشرکین کی تدبیر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب رہی، اوران کی خفیہ تدبیر کامیاب نہ ہوسکی۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برتاؤ تاریخ سے اسی قسم کا ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بھی کوئی نبی اپنی قوم کو تبلیغ کرتا ہے اور تبلیغ کا حق ادا کر دیتا ہے، لیکن قوم ضد اور عناد کی وجہ سے مانتی نہیں تو ایسے وقت میں پھر قوم کو یا تو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ قوم لوط علیہ السلام کے ساتھ ہوا، قوم صالح علیہ السلام کے ساتھ ہوا، قوم ہود علیہ السلام کے ساتھ ہوا، یا پھر اس نبی کو اس علاقہ سے نکال لیا جاتا ہے، اور جس وقت نبی اس علاقہ سے نکل کر چلا جاتا ہے اور اس کے ماننے والے بھی اس علاقہ سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو پھر یہ ایسی صورت بن جاتی ہے کہ جیسے ایک جسم سے روح نکال لی جائے تو اس روح کے نکل جانے کے بعد باقی بدن گلنے سڑنے کے لئے رہ جاتا ہے، ایسے ہی نبی جب اپنے متبعین کے ساتھ کسی ماحول سے نکل جاتا ہے پھر وہاں کے لوگ امن وسکون کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتے، پھر مختلف قسم کی تکلیفوں اور عذابوں سے ان کی زندگی دنیا کے اندر ہی جہنم بن جاتی ہے اور وہ ذلیل وخوار ہو کر آخر کار مغلوب ہوتے ہیں اور اگر اتباع قبول کر لیتے ہیں تو جان چھوٹ جاتی ہے ورنہ اسی طرح مختلف تکلیفوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

آپ کے سامنے اس کا واضح نمونہ سرور کائنات ﷺ کی ہجرت ہے کہ جب آپ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے، تو پیچھے اہل مکہ کی حیثیت چند سالوں کے اندر ہی ختم ہوگئی، وہ اپنی حیثیت کو بحال نہ رکھ سکے، تو یہ نبی کی ہجرت جیسے حضور ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جو یہ لفظ استعمال کئے گئے ہیں "و مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک ہجرت ہی مذکور ہے، جس کے ذریعے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقام عزت تک پہنچایا، اوران کے دشمنوں کو مغلوب کیا، وہ رسوا ہوئے اور اپنے مقصد کو وہ حاصل نہ کر سکے، جب حالات کا نقشہ اس طرح کھینچا جائے گا تو ہی اللہ تعالیٰ "خیر الماکرین" ثابت ہوتے ہیں، اور اگر وہ یہود کامیاب ہو جائیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ لیں پکڑنے کے بعد سولی پر چڑھا دیں تو ایسی صورت میں تدبیر ان کی کامیاب ہوتی ہے اللہ کی کامیاب نہیں ہوتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے متعلق یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے نظریات:

یہود کا عقیدہ یہی ہے کہ ان کو پکڑا گیا اور پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا، عیسائی بھی بعد میں اس شبہ کے اندر مبتلا ہو گئے لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ قتل تو ہوئے ہیں، سولی تو چڑھے ہیں اور یہ ان کا سولی چڑھنا باقی قوم کے لئے کفارہ ہو گیا اب ان کے متبعین جو چاہیں کرتے رہیں، آخرت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری امت کے گناہ اٹھا کے سولی پر چڑھ گئے ہیں انہوں نے کفارہ کا عقیدہ یاد کر لیا لیکن یہ تھا کہ سولی چڑھنے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا اور زندہ کر کے پھر ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا، یہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا۔

اور مسلمانوں کا عقیدہ جو کہ دلیل قطعی اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ضروریات دین میں سے ہے، وہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کے ہاتھ میں نہیں آئے پکڑے نہیں گئے، نہ قتل ہوئے اور نہ وہ ان کو سولی دے سکے، "وماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم" کہ نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کو ایک شبہ کے اندر مبتلا کر دیا گیا، وہ شبہ یہی تھا کہ جو پکڑنے کے لئے اندر گئے تھے، ان میں سے ایک آدمی کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبہ ڈال دیا گیا در وہ پکڑ لیا گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں، اور اس کو سولی چڑھا دیا گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام اٹھا کر لے گئے، اور وہ اس کو سولی دے کر سمجھنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے سولی چڑھا دیا لیکن بعد میں جس وقت اپنے آدمیوں کو شمار کیا تو کہنے لگے کہ ہمارا ایک آدمی کدھر گیا، اگر یہ وہ ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کدھر گئے اور اگر یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا آدمی کدھر گیا۔

تو اس اشتباہ میں اس طرح واقع ہوئے کہ حقیقت ان سے گم ہو گئی، انہی حالات کے اندر وہ مختلف قسم کے شبہات کے اندر پڑ گئے، اور یقینی بات وہی ہے جو قرآن نے نقل کی "وماقتلوہ یقینا" کہ یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، قرآن کریم میں یہ عقیدہ صراحتاً مذکور ہے، اسلام کے اندر یہ عقیدہ ضروریات دین میں شامل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا گیا اور اٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو آسمان پر لے گئے وہاں ان کی طویل حیات ہے، اور اس امت کے آخری دور کے اندر وہ نازل ہوں گے، نازل ہونے کے بعد اس امت کے اندر ان کو امامت کا درجہ حاصل ہوگا، اور اپنے وقت پر ان کی وفات ہوگی، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن کئے جائیں گے، یہ عقیدہ امت کے اجماع کے اندر شامل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جیسا کہ آگے ذکر کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ہے "ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم" تو آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کی مشابہت جیسے اس بات میں ہے کہ آدم علیہ السلام بھی

ظاہری اسباب کے خلاف پیدا ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے واسطہ کے پیدا کیا، اور آسمانی زندگی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہے کہ آدم علیہ السلام پیدا ہونے کے بعد ہزار ہا سال آسمانوں پر رہے بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اتارا اور پھر زمین پر اپنی عمر پوری کر کے ان کا انتقال ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا اگرچہ زمین پر ہوئے لیکن ان کو آسمان میں ہزار ہا سال کے لئے محفوظ کر لیا گیا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی علم وحکمت کا تقاضہ ہوگا وہ نازل ہوں گے اور نازل ہونے کے بعد اپنی زندگی اس زمین پر پوری کریں گے اور پوری کرنے کے بعد پھر ان کا انتقال ہوگا۔

قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات ہیں:

اور قرآن کریم اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی وضاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کی کی ہے اتنی وضاحت کسی نبی کے حالات کی نہیں کی، آپ کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے پیشین گوئی قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہے، ان کی والدہ کے حاملہ ہونے کا قصہ ذکر کیا گیا، ان کی ولادت کا حال ذکر کیا گیا، ان کی والدہ کے لئے اس وقت کھانے پینے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کھجور اور پانی کا انتظام کیا گیا وقت پر فرشتہ نے آکر بشارت دی، پھر قوم کے پاس اٹھا کر لائیں، قوم نے الزامات لگائے، اللہ تعالیٰ نے صفائی دی، اور اسی طرح پھر یہودیوں کی مخالفت شروع ہوئی اور پھر ان کی وفات کا قصہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آخر وقت میں کیا بیتی، قرآن کریم کے اندر یہ چیزیں لفظ بلفظ واضح کر دی گئی ہیں۔

اور اسی طرح حدیث شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا قصہ، اور پھر آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا واقعہ کہ کہاں اتریں گے، کس حالت میں اتریں گے، مسلمان اس وقت کس حال میں ہوں گے، زمانہ کون سا ہوگا، دجال کا زور ہوگا دجال کے مقابلہ میں ان کو اتارا جائے گا، اور پھر یہ دجال کو قتل کریں گے، پھر یہ امامت کریں گے اور یہ عدل وانصاف کے ساتھ حکومت قائم کریں گے، سارے کے سارے واقعات حتیٰ کہ یہ بھی کہ کس قسم کے لباس میں ہوں گے، بالوں کی پوزیشن کیسی ہوگی، اور ان کے بدن کے اوپر کیا حالات نمایاں ہوں گے، کس جگہ میں اتریں گے، کس حال میں اتریں گے، کس وقت میں اتریں گے کہ مسلمان نماز کے لئے صف بندی کئے ہوئے ہوں گے اور دمشق کی مسجد کے مینارے کے اوپر دو فرشتوں کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے، اور پھر مینارے سے نیچے اتار لئے جائیں گے، انہوں نے دو چادریں اوڑھی ہوئی ہوں گی، ایسے ہوگا کہ جیسے ابھی تازہ تازہ غسل کر کے آئے ہیں اور سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، اور جب آئیں گے تو وقت کے امام امام مہدی علیہ السلام کہیں گے کہ آؤ نماز پڑھاؤ،

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ نہیں تمہارا امام تم میں سے ہونا چاہیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجازت سے امام مہدی علیہ السلام نماز پڑھائیں گے، اور پھر حضرت مہدی علیہ السلام کے انتقال کے بعد امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سنبھالیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مفصل حالات بیان کرنے کی حکمت:

یہ سارے کے سارے حالات روایات کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں، ان کے متعلق اتنی وضاحت کیوں کی گئی؟ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور ان کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کے تحت یہ فیصلہ ہے کہ یہ زمین سے اٹھالئے جائیں گے، اور ایک وقت کے بعد اتارے جائیں گے، اس امت کے اندر انہوں نے معاون اور راہنما بن کر آنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پوری پوری نشانیاں واضح کر دیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری امت ان کو پہچاننے میں خطا کر جائے کیونکہ اگر وہ اللہ کی حکمت کے تحت اترے اور امت ان کو پہچان نہ سکی اور انکار کر دیا تو پھر جس طرح ان کے دور نبوت میں ان کا انکار کفر تھا تو جب اس دور محمدی کے اندر آئیں گے تو اس وقت بھی ان کا انکار اسی طرح کفر ہوگا، اور جس ہدایت کے لئے وہ آئے ہیں اس ہدایت کا مقصد پورا نہیں ہوگا اگر امت نے ان کو نہ پہچانا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مکمل نشانیاں بتادیں۔

اور ان مکمل نشانیوں کے بتانے کے اندر ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح نے اترنا ہے اور اس کے اترنے کے قرائن اور اشارے موجود ہیں تو ایسی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے غلط آدمی فائدہ اٹھائے، اور غلط آدمی اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح بنا کر پیش کر دے، اور اپنے پر ایمان لانے کی دعوت دے، اور امت کے لئے گمراہی کا باعث بن جائے، جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے انہی پیش گوئیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ مسیح موعود میں ہوں، اگر یہ نشانیاں اتنی واضح طور پر بتائی ہوئی نہ ہوتیں جتنی حدیث شریف کے اندر بتادی گئی ہیں تو اس قسم کے جھوٹوں کی تردید میں بہت دقت پیش آتی تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری باتیں جو واضح کی ہیں تو اس امت کی ہدایت کے لئے کی ہیں تاکہ ان کے نزول کے زمانہ میں کوئی کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو، لوگ ان کو مانیں اور ان کے اوپر ایمان لائیں، اور ان کی اتباع کر کے اپنے دین ودنیا کو سنواریں۔

یہ سارے حالات اپنی تفصیل کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ باقی انبیاء علیہم السلام سے جدا ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام اپنا اپنا وقت گزار کے گئے اور ان کی دنیوی زندگی ختم ہوگئی، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس طرح نہیں کیا گیا بلکہ ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا، پھر ایک وقت میں ان کو اتارا جائے گا، اور اترنے کے بعد اس امت کی امامت کریں گے، اور امت ان کی اتباع کرے گی، اہل باطل کا مقابلہ کریں گے، سب سے بڑا باطل پرست

دجال اکبر انہی کے ہاتھوں قتل ہوگا اور یہودیوں کا نام ونشان تک مٹ جائے گا، یہ حالات پیش آنے والے تھے اس لئے قرآن وحدیث کے اندر ان کو اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تو "والله خير الماكرين" کے اندر انہی حالات کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرنے والے تھے۔

انی متوفيك کا مطلب:

"اذقال الله يا عيسىٰ" "اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ!" "انی متوفيك" اب اس کا مطلب دو طرح سے ادا کیا گیا ہے۔

① دشمنوں نے محاصرہ کیا ہوا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکان کے اندر بند ہیں اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دیتے ہیں کہ اے عیسیٰ! میں تجھے لینے والا ہوں کیا مطلب؟ کہ تو ان کے ہاتھ نہیں آئے گا میں تجھے وصول کرلوں گا، جب یہ مفہوم بیان کیا جائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی ہے اور اس کو وصول کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ "رافعك الی" میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں جب یہ بات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوگئی کہ میں ان یہودیوں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔

② بعض تفاسیر میں اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ میں تجھے موت دینے والا ہوں، بیان القرآن میں یہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی اسی معنی کی نسبت کی گئی ہے، تو جہاں اس کا موت والا معنی لکھا ہوا ہے وہاں تفسیر کے اندر صراحتاً یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ متوفی کا معنی پھر یوں ہوگا کہ اے عیسیٰ! تجھے میں موت دینے والا ہوں، دشمنوں کے ہاتھوں تو نہیں مرے گا میں تجھے وقت پہ موت دوں گا، اور اس وقت تجھے بچاؤں گا بچانے کی صورت یہ ہے کہ "رافعك الی" تجھے میں اپنی طرف اٹھالوں گا، اس وقت تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا، دوسرے وقت میں تیرے اوپر موت میں طاری کروں گا تو دشمنوں کے ہاتھوں سے نہیں مرے گا، پھر اس کا مفہوم اس طرح سے ادا کیا ہوا ہے، یہ تو ایک وعدہ ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کا پورا ہونا:

"ومطهرك" اگلا وعدہ یہ ہے اگر اس کا معنی یہ ہو کہ کافر جو تیرے اوپر الزامات لگاتے ہیں میں ان سے تیرا دامن صاف کروں گا، تو یہ وعدہ بایں صورت پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفصیل بیان فرمائی، اور کتاب کے اندر مفصل حالات بیان کردیے، جس سے معلوم ہوگیا کہ ان کی والدہ (نعوذ باللہ) یہودیوں کے کہنے کی طرح بدکارہ نہیں تھیں بلکہ اللہ کی ولیہ تھیں صدیقہ تھیں، اللہ کی مقبول بندی تھیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت کے تحت خلاف اسباب پیدا ہوئے ہیں، جو الزام یہودیوں نے لگائے تھے وہ سارے کے سارے رد کردیے،

اور ایسے ہی ان پر محرف توراۃ، بددین اور اسلاف کی روایت کو توڑنے کا جو الزام لگاتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت نمایاں کر کے اللہ تعالیٰ نے ان سب الزامات کو دور کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہمیشہ مغلوب رہیں گے:

"وجاعل الذین اتبعوك" یہ بھی وعدہ ہے کہ آج تو اور تیرے ساتھی مغلوب نظر آتے ہیں لیکن میں تیرے نام لیوا لوگوں کو، جو تیری اتباع کرتے ہیں، اتباع کا معنی کہ جو تیری شخصیت کے معتقد ہیں جس کا مصداق عیسائی اور دوسرے نمبر پر مسلمان ہیں، یہ دونوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی اتباع کا دعویٰ آخرت میں کس حد تک مفید ہوگا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اور ان کی اتباع کا دعویٰ کرنے والے، ان کے نام لیوا، ان کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں، ان کے زمانہ میں عیسائی تھے اور پھر اسلام کے آجانے کے بعد عیسائی اور مسلمان دونوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ عیسائیوں نے بعد میں نظریات اس قسم کے بنا لیے کہ آخرت میں نافع نہ ہوں۔

بہرحال ان کی شخصیت کے معتقد دونوں ہیں، میں ان کو ان پر غالب کروں گا جو تیرا انکار کرنے والے ہیں، اس کا مصداق یہودی ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے تھوڑے دنوں بعد ہی آپ کا مسلک پھیلا اور عیسائی یہودیوں پر غالب آئے، اور دو ہزار سال تک عیسائیوں کو یہودیوں پر مکمل غلبہ حاصل رہا، اور پھر جب اسلام آگیا تو مسلمانوں کو بھی یہودیوں پر مکمل غلبہ حاصل رہا، عیسائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ قوم عزت نہیں پاسکی، اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہر جگہ ذلیل رہے، اور ان کے اوپر بڑے بڑے عذاب آئے مختلف حکومتوں میں یہ پٹے، قتل ہوئے، گویا کہ یہ وعدہ بھی اسی دنیا کے اندر پورا ہوا، اور آج عیسائی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اب جو اسرائیل کی حکومت قائم ہوگئی یہ بظاہر حکومت ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے امریکہ اور یورپ والوں کا مسلمانوں کے خلاف ایک جنگی اڈا ہے اگر یہ لوگ اس کی سرپرستی چھوڑ دیں تو مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتے، اور اگر عیسائی اور مسلمان اکٹھے ہوجائیں تو یہود کا نام ونشان بھی نہیں رہ سکتا۔

لیکن حضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق دنیا کے آخری حصہ میں یہود کی اس قسم کی حکومت کی نشاندہی ہے جو فتنہ اور فساد کی بنیاد بنے گی، اور جہاں ان کا دجال ابھر آئے گا، یہی جگہ ہے جہاں اسرائیلی حکومت قائم ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان یہودیوں کے ساتھ مقابلہ ہونا ہے، اور دجال یہیں قتل کیا جائے گا، تو اس قسم کا ان کا کسی علاقے کے اندر اجتماع قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے کہ یہ ایک علاقہ میں اکٹھے ہوں گے، اور وہاں سے اکٹھے

ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آئیں گے، اور انہی لڑائیوں میں وہ واقعہ پیش آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، اور ان کا بڑا لیڈر دجال اکبر انہی کے ہاتھوں قتل ہوگا، تو ان روایات کی طرف دیکھتے ہوئے اس سلطنت کا قائم ہو جانا اور ان یہودیوں کا ایک جگہ میں جمع ہو جانا یہ پیش خیمہ ہے اس جگہ مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کے مقابلہ کے لئے تو یہ ایسی معتد بہ حکومت نہیں جس کو ہم یہ کہیں کہ یہ یہودی عیسائیوں یا مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب آجائیں گے، تو یہ وعدہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا، اور یہ قیامت تک ایسے ہی رہے گا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت مغلوب ہونے کی ہوگی۔

”ثم الی مرجعکم“ پھر تمہارا میری طرف ہی لوٹنا ہے، پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا اس چیز میں جس میں تم اختلاف کرتے تھے، یہ آخرت میں عملی فیصلہ ہوگا کہ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ عزت دیں گے اور کافروں کو سزا ہوگی، جیسا کہ آگے تفصیل ہے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کو میں عذاب دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا اور جو ایمان لانے والے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اجر پورے پورے دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔

”ذلك نتلوه علیك من الآیات“ یہ لفظ درمیان میں پھر دلیل نبوت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ جو کچھ ہم آپ پر پڑھتے ہیں یہ آیات نبوت میں سے ہے، دلائل نبوت میں سے ہے، اور پر حکمت نصیحت سے ہے، جس سے یہود کے نظریات کی تردید بھی ہوتی ہے اور عیسائیوں کے نظریات کی تردید بھی ہوتی ہے کہ جو اس کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے ایسی کوئی بات نہیں، ان کی حالت تو ایک بندے کی سی ہے جن کے ساتھ اللہ کی نصرت شامل تھی، اللہ کی تائید شامل تھی۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ

بے شک عیسیٰ کا حال عجیب اللہ کے نزدیک آدم کے حال عجیب کی طرح ہے ، پیدا کیا اس نے آدم کو مٹی سے پھر کہا اس کو

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ

ہو جا پس وہ ہو گیا ﴿٥٩﴾ یہ سچی بات تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ﴿٦٠﴾ پس جو شخص

حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا

آپ سے حجت بازی کرے عیسیٰ کے بارے میں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے آؤ تم ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو

وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

اور تمہارے بیٹوں کو اور بلالیں ہم اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور بلالیں ہم اپنے لوگوں کو اور تمہارے لوگوں کو، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں پھر کریں ہم

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ

اللہ کی لعنت جھوٹوں پر ﴿٦١﴾ بے شک یہ البتہ سچا بیان ہے ،

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

اور کوئی معبود نہیں اللہ کے علاوہ ، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿٦٢﴾ پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى

تو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے فساد کرنے والوں کو ﴿٦٣﴾ آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! آ جاؤ ایک ایسی

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ

بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم نہ عبادت کریں اللہ کے علاوہ کسی کی اور ہم شریک نہ ٹھہرائیں اس کے ساتھ

شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا

کسی چیز کو اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے ، پھر اگر وہ پیٹھ پھیریں

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

تو تم کہہ دو تم گواہ ہو جاؤ کہ ہم فرمانبردار ہیں ﴿٦٤﴾ اے کتاب والو! کیوں جھگڑا کرتے ہو تم

فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی توراۃ وانجیل مگر ابراہیم کے بعد ،

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ

کیا تم سوچتے نہیں ہو ﴿۶۵﴾ خبردار تم ہی یہ لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا اس بات کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ علم ہے پھر تم کیوں

تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

جھگڑا کرتے ہو ایسی چیز کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ بھی علم نہیں ، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا

نہ تو ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ مخلص

مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

فرمانبردار تھے ، اور نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے ﴿۶۷﴾ بے شک سب لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں اس کی پیروی کی تھی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ، اللہ تعالیٰ مددگار ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

مومنوں کا ﴿۶۸﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کردے ،

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

اور نہیں گمراہی میں ڈالتے وہ مگر اپنے آپ کو اور وہ جانتے نہیں ہیں ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ

اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب! کیوں خلط ملط کرتے ہو تم

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

حق کو باطل کے ساتھ اور کیوں چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو ﴿۷۱﴾

تفسیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال تو حضرت آدم علیہ السلام جیسا ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بحث چلی آرہی تھی یہ آیات اس کے لئے خاتمہ بحث کی حیثیت رکھتی ہیں، سارے حالات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہیں جو اشتباہ پیش آیا کہ جب ان کا کوئی باپ نہیں تو (نعوذباللہ) ان کا باپ اللہ ہے، تو یہ بات تمہاری غلط ہے اس کی مثال اگر تم دیکھنا چاہتے ہو کہ اللہ اپنی قدرت کے ساتھ بغیر ظاہری واسطہ کے بھی پیدا کرسکتا ہے، تو اس کے لئے سب سے اچھی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تم بھی جانتے ہو، تم بھی معتقد ہو کہ نہ اس کا کوئی باپ نہ اس کی کوئی ماں، اللہ نے اس کو مٹی سے بنایا اور پھر اپنے کلمہ کن کے ساتھ موجود کردیا، جاندار کردیا، اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کردیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حال تھا، تو اگر باپ نہ ہونے کی وجہ سے تمہیں اس کے اوپر الوہیت کا شبہ ہوا ہے یا ابن اللہ ہونے کا شبہ ہوا ہے تو سب سے پہلے تمہاری یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہونی چاہیے تھی۔

اور جب آدم علیہ السلام کو تم ابن اللہ نہیں مانتے اور سمجھتے ہو کہ اللہ کی قدرت کے ساتھ وہ براہ راست پیدا ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یوں ہی سمجھ لیجئے، اسی لئے فرمایا بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا حال عجیب اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کے حال عجیب کی طرح ہے، آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے کہہ دیا ہوجا یعنی جاندار ہوجا، ذی روح ہوجا، تو وہ ہوگیا، یہ سچی بات تیرے رب کی طرف سے ہے یعنی جو بات تیرے رب کی طرف سے کہہ دی گئی وہی واقعہ کے مطابق ہے، "فلاتکن" یہ خطاب عام مخاطب کو ہے کہ جو بھی سننے والا ہے اے سننے والے! اے مخاطب! تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ نے جو وضاحت فرمادی کہ عیسیٰ علیہ السلام نسل آدم علیہ السلام سے ہیں نسل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں، نسل آل عمران سے ہیں، مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں، اور بشر تھے آدمی تھے، اللہ کے مقبول بندے تھے، اللہ نے انہیں رسول بنایا، اور ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے ان کو معجزات دیے، بس اس سے زیادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات نہیں نہ وہ الٰہ ہیں، نہ الٰہ کا حصہ ہیں، نہ خدا کی اولاد ہیں، بس جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر کہہ دی گئی وہ واقعہ کے مطابق ہے، "فلاتکن من الممترین" تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

نصاریٰ کو مباہلہ کا چیلنج:

اصل بات تو یہاں ختم ہوگئی، اب ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو تو پہلے تو اس کے اوپر بحث دلائل کے ساتھ ہی ہوتی ہے، استدلال کیا جائے اس کے اوپر دلائل قائم کیے جائیں، اور دلائل کے ساتھ اپنے مدمقابل کو جھوٹا ثابت کیا جائے، پہلا درجہ تو یہ ہوتا ہے اور دلائل کے ساتھ بحث ختم ہو جاتی ہے، اگر آپ کا مدمقابل منصف مزاج ہے تو جب اس کے سامنے واضح دلیل آجائے گی اور اس کی ہر دلیل کا جواب آجائے گا، اور جو اس کے مقابلہ میں دلیل قائم کی جائے گی اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا تو وہ اگر منصف مزاج ہوگا تو اس بات کو مان جائے گا اپنی غلطی کے اُوپر متنبہ ہو جائے گا، اصل طریقہ تو یہی ہے انصاف کے مطابق کہ دلیل واضح ہو جانے کے بعد بحث ختم ہو جانی چاہیئے۔

لیکن بسا اوقات مدمقابل ضدی ہوتا ہے، کسی گروہی تعصب کے اندر مبتلا ہوتا ہے وہ روشن سے روشن دلیل کو تسلیم نہیں کرتا، اور اپنی ہر دلیل کا جواب ملنے کے بعد بھی اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتا، اور ہم بھی قرائن سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ضدی ہے کسی صورت میں مانے گا نہیں۔

پھر اگلا طریقہ ہے کہ اس بحث کو ختم کرنے کے لئے مباہلہ کرلو، مباہلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہیں کہو کہ تم بھی آجاؤ اپنی پارٹی سمیت، اصل تو وہی ہے کہ جس کے ساتھ بحث اور مناظرہ ہو لیکن اس میں قوت پیدا کرنے کے لئے اس کی جماعت اور متعلقین کو بھی شامل کرلیا، آجاؤ اور آکر ہم اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے جو جھوٹا ہے اس کے اوپر اپنی لعنت کر، اس کو اپنی رحمت سے محروم کردے، یہ دعا کرو اور اس دعا کرنے کے بعد پھر اس بحث کو ختم کردو، پھر اللہ جانے اور اللہ کا کام جانے۔

بہرحال اس طریقہ کے ساتھ ہر فریق اپنا ایمان ظاہر کرسکتا ہے کہ میں صرف اوپر اوپر سے ضد نہیں کررہا بلکہ میں دل کے اندر بھی اپنے مؤقف کو صحیح سمجھتا ہوں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اگر میرا مؤقف غلط ہے تو اللہ میرے پر لعنت کرے، اور مجھے برباد کردے، آؤ سب کے سامنے آکر یہ بات کہو، مباہلہ کرلو، پھر اگر کوئی شخص ضدی ہوتا ہے اور دل میں سمجھتا ہے کہ میرا مؤقف غلط ہے لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر اس کا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے لئے اس طرح وبال مانگے اور لعنت مانگے ایسے وقت میں پھر اس فریق کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔

چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث دلائل کے ساتھ تو ہوگئی لیکن وہ نجران کے لوگ جو آئے ہوئے تھے وہ کسی صورت میں مانتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب یہ طریقہ بتلایا گیا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دے دیا کہ آجاؤ اب آخری طریقہ یہی ہے اگر تم سچے ہو تو آجاؤ ہم بھی آتے ہیں اور آکر ہم دونوں اللہ تعالیٰ

کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! جو اس بارے میں جھوٹا ہے اسے برباد کردے، جو جھوٹا ہے اس کے اوپر اپنی لعنت برسا، آؤ اب اس طرح ہمارے ساتھ آ کر دعا کرو۔

سرورِ کائنات ﷺ خود اور اپنے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن وحسین رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو خالص عزیز اور اولاد کی جگہ ہیں، جن کی تباہی اور بربادی انسان کسی صورت میں بھی گوارہ نہیں کرتا، تعلق والے تو اور بھی ہوتے ہیں لیکن جتنا پیار اولاد سے ہوتا ہے اتنا کسی دوسرے سے نہیں ہوتا، آپ ﷺ کو سب سے زیادہ پیار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھا، اور پھر نواسے بھی اپنی ہی اولاد کی طرح ہوتے ہیں اور داماد بھی اولاد کی جگہ ہوتا ہے، تو حضور ﷺ ان کو ساتھ لے کے میدان میں نکل آئے کہ میں بھی اپنے ان بچوں کے لئے بددعا کرتا ہوں اور تم بھی اپنی اولاد کے لئے بددعا کرو کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو اللہ ہمیں برباد کردے، تو جب آپ نے یہ چیلنج کیا تو پھر ان کے قدم اکھڑ گئے۔

اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ بات تو صحیح معلوم ہوتی ہے، یہ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے اگر ایسی صورت میں ہم نے ان سے مباہلہ کرلیا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بچے گا، تو اب ان کے ساتھ مصالحت کرلی جائے پھر وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہوگئے، اور جزیہ دینا قبول کرلیا اور حضور ﷺ کے ماتحت ہوگئے، پھر نجران کے عیسائیوں پر جزیہ رکھ دیا گیا تھا، اور ان کی حیثیت ذمیوں والی ہوگئی تھی، تو یہ ہے مباہلہ کا مطلب کہ ملیں اور مل کر دعا کریں۔

مباہلہ قطعیات میں ہوتا ہے ظنیات میں نہیں:

اب بھی اگر کسی کے ساتھ اختلاف ہوجائے بشرطیکہ آپ کا موقف قطعی ہو ظنی نہیں، ظنی اور اجتہادی مسائل کے اندر مباہلہ نہیں ہوگا، مثلاً کوئی غیر مقلد آپ سے بحث کرے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اصولی طور پر دلائل کے ساتھ دونوں طرف حق کا اشتباہ ہے، ہوسکتا ہے ان کا موقف صحیح ہو، ہوسکتا ہے کہ ہمارا موقف صحیح ہو، ایسے مسائل کے اوپر مباہلہ نہیں ہوتا، ایسے مسائل پر بحث کا طریقہ یہ ہے کہ بھائی ہمیں دلائل اور قرائن کے ساتھ راجح یوں معلوم ہوتا ہے، آپ کے نزدیک راجح یوں ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق جیسے کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا۔

اس مسئلہ میں امت کے اندر پہلے سے دو رائیں چلی آرہی ہیں، اور یہ جو مباہلہ والا موقف اختیار کیا جاتا ہے یہ ایسے قطعی سلسلے میں ہوتا ہے کہ جس میں انسان کو بالکل اپنے موقف کا اس طرح یقین ہے جس طرح روز روشن میں سورج کا یقین ہوتا ہے، ایسے وقت میں دوسرے کی ضد کو ختم کرنے کے لئے اور اس کو چپ کرانے کے لئے طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بس اب کوئی طریقہ نہیں، اب اللہ سے دعا کرو کہ جو جھوٹا ہے اللہ اسے برباد کردے، جب یوں دعا کریں گے تو اس کے بعد جھگڑا

ختم ہو جائے گا، باقی یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کا نتیجہ دنیا میں ظاہر ہو جائے، وہ اللہ کے سپرد ہے چاہے وہ کسی فریق پر وبال ڈال دے، کسی مصیبت میں مبتلا کر دے، اور اگر چاہے تو اس سارے معاملہ کو آخرت میں رکھ لے، یہ اس کا کام ہے ہم اپنی طرف سے آخری بات یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر اللہ کی لعنت، اور اگر تم جھوٹے ہو تو تم پر اللہ کی لعنت۔ ہم بھی یہ بات کہتے ہیں تم بھی یہ بات کہو، اس کے بعد بحث ختم۔

جب انسان پوری پختگی کے ساتھ اس بات کو کہتا ہے تو علامت ہوتی ہے کہ یہ قلب میں اپنے مؤقف کے اوپر سچا ہے، اور اپنے مؤقف پر اس کو اطمینان ہے اور جب یوں بد دعا کرنے کیلئے کوئی تیار نہ ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ چاہے وہ اوپر اوپر سے انکار کر رہا ہے لیکن دل سے وہ سمجھتا ہے کہ ہمارا مؤقف صحیح نہیں ہے۔

اس طرح پھر انسان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں یہ آخری درجہ ہے اس کے بعد پھر بحث کو ختم کر دیا ہے کہ جو کوئی بھی جھگڑا کرے آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم صحیح آ گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ آ جاؤ ہم بلا لیتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو یعنی ہم اپنی اولاد کو۔ لے آتے ہیں تم اپنی اولاد کو لے آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو لے آتے ہیں تم اپنی عورتوں کو لے آؤ اس سے خاندان کے افراد مراد ہیں۔

یہ قوت پیدا کرنے کیلئے ہے اصل مقصود یہی ہوتا ہے جو بحث کرنے والا ہے کہ ایک آدمی اپنے لیے تو بربادی مانگ سکتا ہے خاندان کے لئے متعلقین کیلئے بسا اوقات بربادی نہیں مانگتا تو قوت پیدا کرنے کیلئے ایسی بات کہہ دی گئی کہ ہم خود بھی آ جاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی لے آتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ اور اپنے متعلقین کو بھی لے آؤ پھر ہم آپس میں اکٹھے ہو کے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں اور دعا کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں کے اوپر اپنی لعنت برسائے اور ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔

"ان ھذا لھو القصص الحق" بے شک یہ بیان سچا ہے اور اصل اس کا یہ ہے" مامن الہ الا اللہ" کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں خصوصیت کے ساتھ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی نفی کرنی مقصود ہے جن کے متعلق عیسائیوں نے الوہیت کا عقیدہ ایجاد کیا، ان کے اندر الوہیت نہیں ہے الٰہ صرف اللہ ہے، ذات وصفات میں ایک ہے، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، اتنا واضح ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ پیٹھ پھیریں تو پھر اللہ تعالیٰ ان مفسدوں کو جانتا ہے پھر یہ مفسد ہیں مصلح نہیں ہیں یہ مفسد ہیں جو خوامخواہ فساد چاہتے ہیں اور فسادیوں کو اللہ خوب جانتا ہے اس کے اندر وعید کا پہلو ہے کہ پھر وقت پہ اللہ ان کو سزا دے گا۔

اہل کتاب کو مسلم اصولوں پر اتفاق کی دعوت:

"قل یا اھل الکتاب تعالوا" یہ تبلیغ کا طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ان کو کہو کہ کیوں خوامخواہ ضد کرتے ہو تمہاری کتابوں میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ایک بات مسلم اصول کے طور پر ذکر کی ہوئی ہے ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں بس اسی پر اتفاق کرلو اور پھر عقلمندی کے ساتھ، سمجھداری کے ساتھ غور کر کے جو تمہارے نظریات اس مسلم بات کے خلاف ہیں ان کو چھوڑ دو اور ہمارے نظریات میں کسی چیز کی نشاندہی کردو جو اس مسلم عقیدہ کے خلاف ہو ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔

یہ دعوت کا ایک طریقہ ہوتا ہے کہ یہ بات تو مسلم ہے کہ تم بھی کہتے ہو "لاالہ الااللہ" کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو رب نہیں بنانا چاہیئے تمہاری کتابوں کی تعلیم بھی یہی ہے، آؤ اسی پر اتفاق کرلیں، اتفاق کرنے کے بعد پھر غور کرو جو چیز اس اصول کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دو اور ہمارے مسلک کے اندر بھی نشاندہی کرو کہ جس سے اس کلمہ "لاالہ الااللہ" کے خلاف لازم آتا ہو تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے، یہ دعوت کے اندر نرمی پیدا کرنے والی بات ہے کہ دیکھو مسلمات پر اتفاق کرلو اور پھر جتنے مختلف فیہ مسائل ہیں ان کو اسی اصول پر مدنظر رکھ کے حل کرلو، اس طرح آپس میں جوڑ لگ سکتا ہے۔

آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! آجاؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہونے کے اعتبار سے برابر ہے، وہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے، اور یہ بھی اہل کتاب پر قرآن نے ایک الزام لگایا ہے کہ "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" کہ ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء کو اور اپنے مشائخ کو رب بنالیا۔

جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، یہ پہلے نصرانی تھے اور حاتم بھی نصرانی تھا یہ مسلمان نہیں ہوا، اس کا بیٹا عدی مسلمان ہوا ہے، اور جلیل القدر صحابی ہے، تو عدی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ یارسول اللہ! قرآن بھی عیسائیوں پر الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنالیا حالانکہ وہ تو اپنے احبار و رہبان کو رب نہیں کہتے، اور وہ چونکہ خود بھی پہلے عیسائی تھے اس لئے حال جانتے تھے تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال کیا کہ وہ عیسائی تو اپنے احبار و رہبان کو رب نہیں کہتے اور قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ کیا ان کا اپنے احبار و رہبان کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہے کہ جس کو وہ حلال کہہ دیں چاہے وہ کتاب اللہ کی تصریحات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اس کو وہ حلال جانتے ہیں، اور جس کو وہ حرام کہہ دیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اس کو وہ حرام کہتے ہیں، یعنی کیا تحلیل و تحریم کا اختیار انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو نہیں دے دیا کہ انہی کی بات پر مدار رکھتے ہیں چاہے کتاب اللہ کی صراحت کے خلاف ہو۔

وہ کہنے لگے کہ جی یہ بات تو ہے چلتا تو انہی کا ہی فتویٰ ہے، اگر وہ کتاب اللہ کے خلاف بھی فتویٰ دے دیں تو بھی قوم انہی کی مانتی ہے تو فرمایا یہی تو اتخاذ رب ہے کہ کسی کی اطاعت اس طرح سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف بھی اس کے فتویٰ کو ترجیح دی جائے تو تم نے اس کو رب بنالیا (معالم التنزیل ص ۲۸۵ ج ۲) تو یہ حیثیت تھی ان کی، تو یہاں مطلب یہ ہوگا کہ اطاعت صرف اللہ کی کی جائے، اللہ کے احکام کے مقابلہ میں کسی بندے کے حکم کو ترجیح نہ دی جائے۔

یہ بھی ایک مسلم اصول ہے آؤ دیکھ لو تم اس پر چلتے ہو یا ہم اس پر چلتے ہیں جو کمی بیشی ہے اس کو ٹھیک کر لیں، اور اس متفق علیہ اصول پر آ جاؤ، ہم آپس میں اتفاق کر لیتے ہیں پھر اگر یہ پیٹھ پھیریں اور اتنی صاف بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تو انہیں کہہ دو کہ تم گواہ ہو جاؤ ہم تو فرمانبردار ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے گا ہم تو اس کو ماننے کے لئے تیار ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دوسرے علاقوں میں بادشاہوں کو خطوط لکھے ہیں تو اہل کتاب میں سے جو بادشاہ تھے ان کو خط لکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں یہی لکھا کرتے تھے، آپ کے جو خطوط ہیں ان سب کے اندر یہ آیت درج ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اہل کتاب کو ڈانٹ:

"یااھل الکتاب لم تحاجون فی ابراھیم الخ" اب انہوں نے اپنی گفتگو میں اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر قرار دینے کی کوشش کی کہ ہمارا مسلک ابراہیمی مسلک ہے اور ابراہیم علیہ السلام ہمارے ہی طریقہ پر تھے، یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچتے تھے، عیسائی اپنی طرف کھینچتے تھے، اور مشرکین مکہ اپنے آپ کو اولاد ابراہیم کہہ کر کہتے تھے کہ ملت ابراہیمی پر ہم ہیں، اور اس سے وہ اپنے مسلک میں وزن پیدا کرتے تھے، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے کہ انہوں نے ملت ابراہیمی کو چھوڑ دیا ہے یہ ملت ابراہیمی کے خلاف چلتے ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو سارے لوگ اپنا بزرگ مانتے تھے، عیسائی بھی، یہودی بھی اور مشرکین مکہ بھی۔

اس مسئلہ کی تفصیل کچھ آپ کے سامنے پہلے پارہ کے اندر آئی تھی کہ ملت ابراہیمی کیا چیز ہے؟ یہاں بھی اسی کا ذکر کرنا مقصود ہے، اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے مسلک کے بارے میں کہ ابراہیم علیہ السلام کا کیا طریقہ تھا، حالانکہ نہیں اتاری گئی توراۃ اور انجیل مگر ان کے بعد، توراۃ بھی ان کے بعد اتری، اور یہودیت نام ہے ان اصول وفروع کے مجموعہ کا جو توراۃ نے تلقین کیے، اور نصرانیت وہ مسلک ہے جو انجیل سے بنا جن کے اصول وفروع وہ ہیں جن کی تفصیل انجیل نے بیان کی تو یہ یہودیت اور نصرانیت دونوں طریقے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کے ہیں پھر آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہی تھا یہودیوں والا یا نصرانیوں والا کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے جھگڑا کیا اس چیز کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ علم تھا یعنی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ان کے بارے میں کچھ معلومات تمہیں تھیں اور کچھ نہیں تھیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تو تمہیں کچھ بھی پتہ نہیں ہے، ان کے بارے میں خوامخواہ کیوں جھگڑا کر رہے ہو، ابراہیم علیہ السلام کے حالات کو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو پکے مسلمان تھے:

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہ نہیں تھا جو موجودہ یہودیت کا ہے، اور نہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا جو موجودہ نصرانیت کا ہے ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا اسلام یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حکم آجائے اس کو مان لو، اب اللہ کے احکام کی جو اتباع کرے گا ملت ابراہیمی پر وہ ہے، اور اگر تم اسی پر ضد کر کے بیٹھ جاؤ کہ نہیں یہودیت ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا ہم اس پر جمیں رہیں گے یہ بات غلط ہے، ملت ابراہیمی کے خلاف ہے، ٹھیک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان باتوں کو ماننا ہی مسلک ابراہیمی تھا کیونکہ مسلک ابراہیمی ہے "اسلمت لرب العالمین" رب العالمین کا کہنا مان لینا، جو حکم اس کی طرف سے آجائے اس کے سامنے گردن ڈال دینا۔

لیکن جب ایک صحیح دلیل کے ساتھ اس کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا وہ ملت ابراہیمی نہیں ہے، ملت ابراہیمی ہر وقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آجائیں انہی کو تسلیم کر وان کا مسلک یہ تھا، نہ وہ متعین طور پر یہودی تھے، نہ وہ متعین طور پر نصرانی تھے، ان کی ملت ہے اسلام، اللہ کے احکام کو ماننا، جو شخص جس وقت اللہ کے احکام کو مانے گا وہی ملت ابراہیمی پر ہے متعین طور پر، یہودیت اور نصرانیت یہ توراۃ انجیل سے شروع ہوئے اور یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔

اور نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے اس لئے مشرکین مکہ کا کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے مسلک پر تھے یہ تو بنیادی طور پر ہی غلط ہے، وہ تو موحد اعظم تھے، اور شرک کے گڑھ کے اندر اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے والے تھے تو یہ مشرک ان کے مسلک پر کیسے ہو سکتے ہیں، سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں ان کی اتباع کی اور موجودہ دور میں یہ نبی اور ان پر ایمان لانے والے لوگ یہ ہیں ملت ابراہیمی پر کہ اللہ کی طرف سے جو تازہ بتازہ احکام آتے ہیں یہ سب کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہی مؤمنین کا دوست ہے۔

اہل کتاب کو تنبیہ:

"ودت طائفة من اهل الكتاب" اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے ذرا محتاط رہنے کی تلقین کرنا مقصود ہے کہ ان کی اس قسم کی شرارتوں سے متاثر نہ ہونا، شبہات میں نہ پڑنا یہ تو تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں، چاہتا ہے اہل کتاب میں سے ایک طائفہ کہ تمہیں گمراہ کردے، اور اس اضلال کا وبال انہی پر پڑے گا اور ان کو پتہ نہیں چلتا،

آگے اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور یہ لفظ آپ کے سامنے پہلے بھی گذر چکے ہیں کہ اے اہل کتاب! اللہ کی کتاب کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو۔

گواہ ہونے کا معنی دو طرح سے کیا جا سکتا ہے، ایک مطلب تو یہ ہے کہ دل سے تم گواہی دیتے ہو کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں لیکن اوپر اوپر سے انکار کرتے ہو جیسا کہ یہ بات پچھلے حالات سے واضح ہو چکی ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ انہی احکام اور انہی باتوں پر تو اللہ نے تمہیں گواہ بنایا ہے، جیسے ایک واقعہ پیش آیا اور میں نے تمہیں گواہ بنا لیا لیکن بعد میں تم اس واقعہ کے منکر ہو گئے، میں کہتا ہوں کہ تم کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم ہی تو گواہ ہو۔

اور یہ گواہ اس طرح ہیں کہ پہلی کتابوں میں انہی مضمونوں کا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا ہوا ہے تم ہی تو اس مضمون کے گواہ ہو اور پھر تم ہی انکار کرتے ہو یعنی اصل کے اعتبار سے تم واقف ہو اور تمہیں اس مضمون کا گواہ بنایا گیا ہے لیکن آج تم انکار کیے بیٹھے ہو، اے اہل کتاب! حق اور باطل کو خلط ملط نہ کرو اور کیوں چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى

اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا ایمان لے آؤ اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی ان

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

لوگوں پر جو ایمان لائے دن کے ابتدائی حصہ میں اور دن کے آخری حصہ میں اس کا انکار کر دو تا کہ وہ لوٹ آئیں ﴿۷۲﴾

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ

اور تم ایمان نہ لاؤ مگر اس شخص کے لئے جو تمہارے دین کا تابع ہے ، آپ کہہ دیجئے بے شک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے

اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ

کہ دیا جاتا ہے کوئی شخص مثل اس چیز کے جو تم دیئے گئے یا وہ غالب آ جائیں تم پر تمہارے رب کے سامنے ،

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚۙ

آپ کہہ دیجئے کہ فضل اللہ کے قبضہ میں ہے وہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ، اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں علم والے ہیں ﴿۷۳﴾

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ

وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے ﴿۷۴﴾ اہل کتاب میں سے

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

بعض وہ شخص ہے جس کو اگر تو امین بنادے ایک ڈھیر پر تو وہ اس ڈھیر کو تیری طرف ادا کر دے گا اور ان میں سے بعض وہ ہے کہ اگر تو اس کو امین بنادے

بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ایک دینار پر تو نہیں ادا کرے گا وہ اس دینار کو تیری طرف مگر یہ کہ کھڑا رہے تو اس پر ہمیشہ ، یہ اس سبب سے ہے

قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ انہوں نے کہا ہم پر ان ان پڑھوں کے بارے میں کوئی الزام نہیں ، اور وہ اللہ کے اوپر جھوٹ بولتے ہیں

وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿۷۵﴾ کیوں نہیں جو شخص پورا کرے اللہ کے عہد کو اور تقویٰ اختیار کرے پس بے شک اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ

محبت کرتے ہیں متقین سے ﴿٧٦﴾ بے شک وہ لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد کے عوض اور اپنی قسموں کے عوض

ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

قلیل ثمن یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے کلام کرے گا

اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ اور نہ ان کے اوپر قیامت کے دن نظر شفقت کرے گا اور اللہ انہیں پاک نہیں کرے گا، اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

دردناک عذاب ہے ﴿٧٧﴾ اور بے شک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

تاکہ ان کے اس محرف کو تم اللہ کی طرف سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بات

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے، اور یہ اللہ کے اوپر بولتے ہیں

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿٧٨﴾ کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ دے اس کو کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

اور حکمت اور نبوت پھر وہ بشر کہنے لگ جائے لوگوں کو کہ تم میرے بندے بن جاؤ

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ تو یہی کہے گا کہ ہو جاؤ تم رب والے اس سبب سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور اس سبب سے کہ تم کتاب پڑھتے ہو ﴿٧٩﴾ اور اس بندہ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہیں حکم دینے لگ جائے کہ بنا لو تم فرشتوں

وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

اور نبیوں کو رب، کیا وہ بشر تمہیں کفر کا حکم کرے گا بعد اس کے کہ تم اپنے خیال میں فرمانبردار ہو ﴿۸۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

اس رکوع کی پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا "ودت طائفة من اهل الكتاب لويضلونكم" اہل کتاب میں سے ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں راستہ سے بھٹکا دے، تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے، اب یہاں ان کے گمراہ کرنے کی ایک سکیم کا ذکر ہے جو انہوں نے آپس میں بنائی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے پہلے ہی خبردار کر دیا۔

نصاریٰ کی منافقانہ چال:

یہ تدبیر جو انہوں نے اختیار کی تھی اس کا حاصل ہے منافقانہ چال، بعض لوگوں نے بیٹھ کر آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ لوگ ہم میں سے جائیں اور سرور کائنات ﷺ پر ایمان لے آئیں، اس دین کو قبول کر لیں، صبح صبح جائیں جا کے قبول کر لیں اور مسلمانوں میں شامل ہو جائیں، دن وہاں گزاریں ان کی باتیں سنیں اور شام کو یہ ظاہر کر کے کہ ہم تو اس کو اچھا دین سمجھ کے آئے تھے اس میں تو یہ خرابی ہے یہ خرابی ہے، کچھ نقائص نکال کر شام کو انکار کر کے آجائیں۔

یہ ایک منافقانہ چال ہے اور اس سے کیا ہوگا؟ دو مقصد حاصل ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ خود یہ مؤمن جو اس دین کو قبول کیے بیٹھے ہیں یہ بھی تردد میں مبتلا ہو جائیں گے کہ یہ اہل کتاب ہیں، علم والے ہیں، علمی باتوں سے ان کو مناسبت ہے اور معلوم بھی ہوتا ہے کہ یہ متعصب نہیں مخلص ہیں اگر یہ متعصب ہوتے مخلص نہ ہوتے تو پھر صبح کو ایمان کیوں لاتے جب انہوں نے ایمان قبول کر لیا تو معلوم ہو گیا کہ ان کے دل کے اندر کوئی جماعتی تعصب نہیں ہے، گروہی تعصب سے خالی ہیں، اور پھر انہوں نے جس وقت باتیں سنیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علمی معیار کے مطابق وہ نہیں ہیں اس لئے وہ شام کو انکار کر گئے، اس طرح جو کمزور عقیدے کے مسلمان ہیں وہ بھی اپنے دین سے پھر جائیں گے اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہو جائیں گے۔

دوسرا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے بھی جو لوگ اس دین کو قبول کرتے جا رہے ہیں وہ رک جائیں گے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ شاید یہ بات تحقیق کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دین حق ہے اگر یہ دین حق ہوتا تو ہمارے فلاں فلاں مولوی صاحب ہمارے احبار اور بڑے بڑے عالم جو گئے تھے اور اندر گھس کے جا کر دیکھ آئے اور اندر سے تحقیق کر آئے

ہیں تو یہ بات صحیح نہیں نکلی، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے اس طرح اپنے لوگوں کی حفاظت ہو جائے گی۔

تو ان مقصدوں کے تحت انہوں نے یہ سکیم بنائی اور منافقانہ چال چلی کہ لوگوں کو اس دین سے متنفر کیا جائے اور اس دین کے بارے میں شبہات کے اندر مبتلا کر دیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں ان کی اس سکیم کو کھول دیا اور پھر ساتھ ہی یہ تنبیہ کر دی کہ یہ ان اہل ایمان کے ساتھ تمہارا بغض اور حسد اس وجہ سے ہے کہ جیسا دین تمہیں ملا تھا، جیسی کتاب تمہیں ملی تھی جیسے دینی سیادت تمہیں ملی تھی یہ کسی دوسرے کو کیوں مل گئی ہے، اور یہ ساری کی ساری تدبیریں تم اس لئے کر رہے ہو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں تم پر غالب نہ آجائیں اور یہ چونکہ غالب آتے جا رہے ہیں حجت کے اندر تمہیں یہ جھوٹا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہیں یہ جھوٹا کر رہے ہیں، اور آخرت میں بھی حجت بازی میں یہ تمہارے اوپر غالب آئیں گے، اس حسد اور بغض کی بناء پر تم اس قسم کی تدبیریں کرتے ہو۔

یہ ان کو تنبیہ ہے اور درمیان کے اندر یہ کہہ دیا کہ یہودیت، نصرانیت صرف یہی ہدایت کے عنوان نہیں ہیں بلکہ حقیقی ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے آئے اور اللہ کی طرف سے جو راہنمائی جس صورت میں بھی آجائے یہی ہدایت یافتہ ہونے کی علامت ہے، تم اپنے طور پر ایک چیز کو متعین کر کے اگر اس کے اوپر جمے رہو گے تو یہ جمنا ہدایت نہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے اس کو قبول کرنا یہی صحیح طور پر صراط مستقیم ہے اور اسی کو ہدایت کہتے ہیں تو ان کی اس منافقانہ چال کی نشاندہی اس آیت کے اندر کر دی گئی۔

اور یہود کی کچھ عادت ہی ایسے ہے تاریخ کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ عیسائیت کو بھی یہودیوں نے اس قسم کی چالوں کے ساتھ ہی برباد کیا ہے، عیسائیت کے اندر جتنی تحریفات ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس قسم کے عقیدے بنے ہیں وہ سب یہودی سازش کے تحت بنے ہیں، اور اسلام کے خلاف بھی ان کی سازشیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جاری رہتی تھیں، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کے اندر جو تحریف کرنے کی کوششیں کی گئیں اور بہت حد تک وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے وہ بھی یہود کی طرف سے ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا اور جو مسلمان ہوا اور مسلمانوں میں شامل ہوا سیاسی طور پر بھی اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور مذہبی طور پر بھی نئے نئے عقیدے گھڑ کے امت کے اندر انتشار پیدا کر دیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی چونکہ حفاظت تھی، اہل حق کے ایک گروہ نے موجود رہنا تھا اس لئے دین کو پوری طرح مسخ نہیں کیا جا سکا، اور دین عیسوی کے متعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کا وعدہ نہیں تھا اس لیے اس کو پوری طرح مسخ کرنے پر یہ قادر ہو گئے، ورنہ یہ عبداللہ بن سبا اور اس کی پارٹی نے کچھ کم نہیں کیا، اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو یہ دین بھی اسی طرح مسخ

ہوجاتا جس طرح نصرانیت مسخ ہوگئی ہے، سازشیں انہوں نے خوب کیں سیاسی طور پر انتشار پیدا کیا، کتاب اللہ کے متعلق غلط نظریات کی اشاعت کی اور دین کے بارے میں بہت سارے نظریات گھڑ لئے جس سے روافض کا فرقہ وجود میں آگیا اور انہوں نے ہر ہر چیز کو بدل کے رکھ دیا۔

یہود کی مالی اور مذہبی بددیانتی:

یہ ساری کی ساری اصل کے اعتبار سے یہودی سازش ہے اور یہ سازش انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں کی تھی جس کی نشاندہی یہاں کردی کہ اس تدبیر کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگ ہیں ان میں سے بعض لوگ اچھے ہیں کہ ان کے پاس اگر تم سونے کا ڈھیر بھی امانت رکھ دو تو جس وقت طلب کرو گے وہ تمہاری امانت ادا کردیں گے اور یہ وہی لوگ تھے جو آہستہ آہستہ ایمان کی طرف آگئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھ دو گے تو اس کو بھی وہ امانت داری کے ساتھ تمہاری طرف ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے ہاں ان کے سر پر چڑھے رہو، ہر وقت ان کے پیچھے لگے رہو تو مجبور کر کے ان کے حلق سے اپنا وہ دینار اگلوالو تو یہ تمہاری ہمت ہے۔

ورنہ ایک دفعہ ان کے قبضہ میں آجانے کے بعد پھر یہ پیسہ اپنے ہاتھ سے چھوڑتے نہیں ہیں، یا یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس ایک دینار رکھو گے جس وقت تک ان کے سر پر کھڑے رہو گے اس وقت تک تو اقرار کریں گے کہ واقعی تم نے ایک دینار ہمارے پاس امانت کے طور پر رکھا ہے، اور جب تم ایک طرف ہوئے اور سامنے سے گئے دوبارہ آکے پوچھو تو سرے سے انکار ہی کردیں گے کہ تمہارا ہمارے پاس کوئی مال ہے ہی نہیں، اور اتنی بددیانتی پر یہ کیوں دلیر ہوگئے کہ انہوں نے اپنے طور پر ایک مذہبی عقیدہ بنالیا کہ جو لوگ اہل کتاب نہیں ہیں خاص طور پر عرب کے رہنے والے جو امیین کا مصداق ہیں ان کا مال ہمارے لئے مباح ہے، ہم جس طرح مرضی کھالیں ہم پر کوئی الزام نہیں، مذہبی طور پر انہوں نے اس قسم کا عقیدہ گھڑ لیا جس کی بناء پر یہ امانت دار نہیں رہے اور بلا تکلف امیین کے مال کے اندر یہ خیانت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں، شریعت موسوی کے اندر یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ جو شریعت موسوی کا قائل نہ ہو اس کی امانت امانت نہیں، اور اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کی رعایت نہیں رکھی جاسکے گی، یہ سب ان لوگوں کی من گھڑت باتیں ہیں اللہ تعالیٰ کا تو اصول ہے جو اس نے اپنی کتابوں کے اندر بیان فرمادیا کہ جس سے عہد کرو اس کو پورا کرو، جس کی امانت لو اس کو ادا کرو اور جو عہد کی پابندی

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور ایسے متقی اللہ کو پسند ہیں اس طرح ان کی یہ مالی خیانت واضح کی۔

اور پھر آگے یہ بتایا کہ یہ صرف تمہارے ساتھ ہی دینی اور مالی خیانت نہیں کرتے انہوں نے اپنے دماغ کے اندر اپنی کتاب کا بھی یہی حال کر رکھا ہے کہ جب یہ اپنی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں تو اس میں یہ زبان موڑ موڑ کر کوئی نہ کوئی غلط بات شامل کر دیں گے کہ لب ولہجہ سے یہی معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کی کتاب کا حصہ ہے کہ کوئی لفظ بڑھا دیا یا کوئی لفظ گرا دیا لب ولہجہ وہی رکھا جس طرح اللہ کی کتاب کو پڑھا جاتا ہے، اس کا تلفظ بدل دیا جس سے مفہوم بدل گیا تو اپنے اس لب ولہجہ سے بھی تاثر دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب کا حصہ ہے۔

اور پھر جب کوئی پوچھے تو کہہ بھی دیتے ہیں کہ یہ جو مسئلہ ہم بیان کر رہے ہیں یہ اللہ کی جانب سے ہے، اللہ کی جانب سے ہونے کے دو مفہوم ہوتے ہیں یا تو کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صراحتاً اسی طرح آیا ہے، یا کتاب اللہ میں جو اصول بتائے گئے ان اصولوں سے یہ مسئلہ صحیح طور پر مستنبط ہے کیونکہ جب صحیح اصولوں سے مسئلہ مستنبط ہو تو اس کی نسبت بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف کر دی جاتی ہے، اس طرح یہ اپنی من گھڑت باتوں کو ثابت شدہ حقیقت قرار دیتے ہیں اور ان کو مستند قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کی یہ نسبت غلط ہوتی ہے انہوں نے اپنی کتاب کا بھی یہ حال کر رکھا ہے جس طرح آپ کی کتاب کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام تو توحید کی طرف بلاتے ہیں:

اور آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بحث کے متعلق آخری بات ہے جس میں عیسائیوں کی بھی تردید ہے اور یہودیوں کی بھی تردید ہے، یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے شرک کی تعلیم دی، انہوں نے اپنی عبادت کی طرف بلایا، انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، اور عیسائی کہتے تھے کہ یہ ساری تعلیمات ہمیں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہیں اور اسی طرح بعض حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس قسم کا الزام لگانے کی کوشش کی جس طرح نصرانیوں نے کہا تھا کہ آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اب آپ کی کرنے لگ جائیں۔

یا بعض مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی اجازت مانگی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا کہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے تو آگے انبیاء علیہم السلام کا ایک منصب واضح کر دیا جس منصب کے تحت پتہ چل گیا کہ کوئی نبی کبھی بھی کسی مسئلہ کی غلط تعلیم نہیں دے سکتا، اس کا بنیادی مقصد اللہ کی توحید کو بیان کرنا ہوتا ہے، اور ساری مخلوق کو اللہ کی

طرف جوڑنا ہوتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تو انہیں نبوت دے حکمت دے کتاب دے اور وہ اللہ سے توڑ کر اپنی ذات کے ساتھ جوڑنے لگ جائیں کہ ہمارے بندے بن جاؤ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

اس لئے جو بات بھی ایسی ہو جس میں شرک کا شائبہ پایا جائے پھر چاہے کوئی شخص اس کی نسبت اللہ کے رسول کی طرف کرے کہ ہمیں اللہ کے رسول نے سکھائی ہے وہ بالکل غلط ہوگی، اللہ کا رسول کوئی بات ایسی نہیں سکھا سکتا جس کے اندر شرک کا شائبہ پایا جائے، وہ تو لوگوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لئے آیا کرتے ہیں وہ تو یہ کہنے کے لئے آتے ہیں کہ رب والے ہو جاؤ، اللہ والے ہو جاؤ، کیونکہ تم کتاب پڑھتے ہو پڑھاتے ہو، تو کتاب پڑھنے پڑھانے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کی تعلیم کو قبول کرو، صحیح بات سمجھو صحیح بات سمجھنے کے بعد لوگوں کو سمجھاؤ، اور مخلوق خدا کا رخ اللہ کی طرف موڑو، بندوں کی طرف نہ موڑو وہ تو آتے ہی اس لئے ہیں۔

اگر نبی شرک کی تعلیم دینے لگ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا وہی باغی ہوگیا اور وہی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف چل پڑا ایسا نہیں ہوسکتا، اس لئے ہر نبی معصوم ہوتا ہے خود گناہ سے بچتا ہے اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اس کی ہر بات اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے ہوتی ہے اور وہ اپنی شخصیت کی طرف بایں طور نہیں بلاتے کہ اللہ سے کاٹ کے اپنے ساتھ جوڑ لیں نہ اپنے متعلق کہیں گے، نہ فرشتوں کے متعلق کہیں گے، نہ باقی نبیوں کے متعلق کہیں گے، عبادت کسی کی نہیں سوائے اللہ کے ان کی ساری کی ساری تعلیم توحید پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اگر یہود الزام لگائیں کہ انہوں نے شرک کی تعلیم دی تھی تو یہود کا الزام غلط، اور اگر عیسائی استناد کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں شرک کی تعلیم دی تھی تو ان کا یہ استناد غلط، اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہوگئی کہ اپنے نبی کے متعلق بھی اس قسم کے جذبات رکھو جو توحید کے خلاف نہیں ہیں، نبی کا یہ منصب نہیں کہ اس کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنا لیا جائے اس طرح یہ مضمون رکوع کے آخر تک چلا گیا (ترجمہ پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی)۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

قابل ذکر ہے وہ وقت جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جو کتاب و حکمت میں تمہیں دوں

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

پھر تمہارے پاس کوئی رسول آجائے جو مصداق بننے والا ہو اس چیز کا جو تمہارے پاس ہے تو ضرور ایمان لاؤ گے تم اس کے ساتھ اور ضرور مدد کرو گے اس کی

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کرلیا اور تم نے اس بات پر میرا عہد لے لیا، انہوں نے کہا ہم نے اقرار کرلیا

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ﴿۸۱﴾ پھر جو کوئی پیٹھ پھیرے گا

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

بعد اس کے پس وہی لوگ اطاعت سے نکلنے والے ہیں ﴿۸۲﴾ کیا پھر یہ لوگ اللہ کے دین کا غیر طلب کرتے ہیں

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

حالانکہ اسی کے لئے فرمانبردار ہے ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے خوشی سے یا ناگواری سے اور اسی کی طرف ہی

يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

وہ لوٹائیں جائیں گے ﴿۸۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور اس چیز پر جو ہم پر اتاری گئی اور جو کچھ اتارا گیا

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اولاد یعقوب پر

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ

اور ایمان لائے ہم اس چیز کے ساتھ جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور کل انبیاء اپنے رب کی جانب سے، ہم فرق نہیں ڈالتے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

ان میں سے کسی کے درمیان، اور ہم اسی اللہ کے لئے فرمانبردار ہیں ﴿۸۴﴾ اور جو شخص طلب کرے

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ

اسلام کے علاوہ دین کو تو وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

خسارہ پانے والوں میں سے ہے ﴿۸۵﴾ کیسے ہدایت کرے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ

اور انہوں نے اقرار کیا کہ رسول حق ہے اور ان کے پاس بینات آگئے، اور اللہ تعالیٰ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

ایسے ظالم لوگوں کو مقصد تک نہیں پہنچاتا ﴿۸۶﴾ ان کا بدلہ یہ ہے کہ بے شک ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ﴿۸۷﴾ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے،

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے ﴿۸۸﴾ مگر جو لوگ توبہ کرلیں

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ

اس کے بعد اور اپنے حالات ٹھیک کرلیں، پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۸۹﴾ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد پھر وہ کفر کے اندر بڑھتے رہے تو ہرگز قبول نہیں کی جائے گی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا

ان کی توبہ، اور یہی لوگ بھٹکے ہوئے ہیں ﴿۹۰﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ مرگئے

وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ

اس حال میں کہ کافر ہیں ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی کی طرف سے زمین کا بھرا ہوا سونا اگرچہ

افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

وہ اس سونا کے ساتھ فدیہ ہی دے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے اوران کے لئے کوئی مددگار نہیں ﴿۹۱﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

سورۃ آل عمران کے اس حصہ میں مرکزی طور پر دعوت ہے اہل کتاب کے لئے سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے کی، نصاریٰ کے خیالات کی بھی تردید آئی، اوران کو بھی براہ راست دکھایا گیا اوراس طرح یہود کو بھی کتمان حق اور لبس الحق بالباطل سے روکا گیا، اورانبیاء ﷺ کا مقام واضح کیا گیا کہ انبیاء ﷺ کبھی بھی غلط نظریات کی تلقین نہیں کر سکتے، شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے اس لئے انبیاء ﷺ کی طرف نسبت کر کے جو ان لوگوں نے ایسی باتیں بنالی ہیں جو کہ صراحتاً شرک ہیں وہ نسبت غلط ہے، کوئی نبی اپنے ماننے والوں کو کسی صورت میں بھی شرک کی تعلیم نہیں دے سکتا نہ اپنی عبادت کی طرف بلاسکتا ہے نہ فرشتوں اور دوسرے نبیوں کے متعلق کہہ سکتا ہے، اس آیت میں بھی اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ سرور کائنات ﷺ پرایمان لانے کی دعوت ہے۔

عالم ارواح میں انبیاء ﷺ سے لیے گئے عہد کا ذکر:

حاصل اس مضمون کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں مختلف عہد لئے ہیں، ایک عہد تو کل بنی آدم سے لیا تھا "الست بربکم" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جس کے جواب میں سب نے کہا تھا "بلیٰ" کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے، یہ بنیادی عہد تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے لیا تھا کیونکہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی ہر مذہب کی بنیاد ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانا نہ جائے اوراس کی ربوبیت کا عقیدہ نہ ہو تو آگے مذہب کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا، اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی وحدانیت، اس کے متعلق ربوبیت کا عقیدہ یہ بنیادی اینٹ ہے جس کے اوپر مذہب کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت کے اندر یہ بیج بویا اور ہرایک کی زبان سے اقرار کرایا۔

اور پھر انبیاء ﷺ یعنی بنی آدم میں سے وہ انسان جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نمائندہ بنانا تھا ان سے پھر خصوصیت کے ساتھ علیحدہ عہد لیا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ تھا کہ انبیاء ﷺ سے یہ کہا گیا کہ دنیا میں جانے کے بعد میں تمہیں کتاب وحکمت دوں گا، اور پھر جس نبی کی موجودگی میں کوئی دوسرا رسول آجائے جو ان علامات کا مصداق بنتا ہو جو علامات تمہیں پہلے دی گئی ہیں کہ آنے والے نبی کی یہ نشانیاں ہیں جس پر وہ نشانیاں صادق آجائیں یعنی اس کی نبوت

ورسالت دلیل کے ساتھ ثابت ہوجائے تو آپ میں سے ہرایک نے اس کے اوپر ایمان بھی لانا ہے اوراس کی مدد بھی کرنی ہے کہ اعلان کرنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

اور جہاں تک ہوسکے اس کے ساتھ تعاون بھی کرنا ہے مدد بھی کرنی ہے، برملا طور پر اللہ تعالیٰ نے سب سے اقرار لیا اور اقرار لینے کے بعد کہا کہ دیکھو اس واقعہ کا میں بھی گواہ ہوں اور تم نے بھی اسی طرح رہنا ہے جس طرح گواہ اپنی گواہی پہ قائم ہوتے ہیں، بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اقرار کرنے والے کا اپنے اقرار سے پھر جانا چونکہ اس کی اپنی غرض پر مبنی ہوتا ہے اس لئے یہ اتنا خلاف توقع نہیں جتنا گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے، اس لئے وہ اس آیت کا مفہوم یوں ہی ذکر کرتے ہیں کہ اپنے اس اقرار پر اس طرح ثابت قدم رہنا ہے جیسے گواہ گواہی پر ثابت قدم ہوتا ہے، تو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا خود انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ ہر وہ نبی جو تمہارے زمانہ میں آجائے اس پر ایمان بھی لانا ہے اوراس کی مدد بھی کرنی ہے۔

تو جب اس کو علی العموم مانا جائے انبیاء علیہم السلام سے عہد اور انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ان کی امتوں سے عہد، کیونکہ ہر نبی اس بات کا مکلف ہوگا کہ آنے والے نبی کی تصدیق کرنی ہے، تو اپنی جماعت کو اپنی امت کو بھی وہ اپنے ساتھ پابند کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا جو نبی آتا وہ اپنی امت کو کہتا تھا کہ میرے بعد ایسا پیغمبر آنے والا ہے میری زندگی میں آئے گا تو میں بھی اظہار کردوں گا، ایمان لاؤں گا اس کی مدد کروں گا، اوراگر میری زندگی میں نہ آیا تمہارے سامنے آئے تو تم نے بھی اس کو ماننا ہے اوراس پر ایمان لانا ہے، نبی نمائندہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا، بنی آدم کا اور امت کا بھی نمائندہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام قبول کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد وپیمان کرنے کے لئے تو انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے ساتھ ان کی امتوں سے بھی عہد لے لیا گیا۔

بنی اسرائیل میں تو ایسا بارہا ہوا کہ ایک نبی کی موجودگی میں دوسرا نبی آیا ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی موجود رہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام تھے، یحییٰ علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگئے تو انہوں نے اس طرح ایک دوسرے سے تعاون کیا اور ایک دوسرے کی نبوت کی تصدیق کی ،اس ترتیب سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی سب سے وعدہ ہے، اور آپ اگرچہ اس دنیا میں جب تشریف لائے تو اس وقت روئے زمین پر کوئی نبی موجود نہیں تھا لیکن انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہوا تھا اوراس عہد میں آپ کی شخصیت بھی داخل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے ایک نبی کو بچا لیا اوراس کو اپنی جگہ محفوظ کرلیا، اب وہ جس وقت دنیا کے اندر تشریف لائیں گے وہ دور دورِ محمدی ہوگا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ کے دین کی نصرت بھی کریں گے وہ ہوں گے نبی ہی، نبوت سے (نعوذ باللہ) معزول نہیں ہوجائیں گے لیکن یہ دور نبوت چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ہوگا اس لئے جس وقت تشریف لائیں گے تو نبی ہونے کے باوجود بھی ان کا ایمان بھی سرورکائنات ﷺ پر ہوگا، تصدیق کریں گے، اوران کے دین کی نصرت کریں گے، اوراگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی ایمان لانے کا مکلف تھا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرورکائنات ﷺ نے فرمایا "لوکان موسی حیا ماوسعه الاتباعي" (مشکوٰۃ ص۳۰) اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ میرے دورنبوت کو پاتے تو میری اتباع کے بغیران کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں تھی (مشکوٰۃ ص۳۲) جب اس طرح آنے والے نبی کے متعلق عہد ہے تو حضور ﷺ کے متعلق بھی عہد ہے اوراس میں شرط یہی ہے کہ ان علامات کا مصداق بنے جو علامات کتاب وحکمت کے اندر آئی ہوئی ہیں ،اورقرآن کریم میں بار بار بانگ دہل یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ نبی ان علامات کا مصداق بنتا ہے کہ جو بشارت دی گئی تھی ، جو علامات بتائی گئی تھیں یہ اس کے مطابق ہے اگر یہ نہ آتے تو وہ ساری بشارات غلط ثابت ہوتی ہیں۔

تو ایسی صورت میں سارے کے سارے بنی اسرائیل ایمان لانے کے مکلف ہیں اوران نبیوں کے عہد میں پھر یہ بات ہے کہ اس عہد کے بعد اگر کوئی پھرے گا اورنبیوں میں تو پھرنے کا امکان ہی نہیں یہ ویسے ہی جملہ شرطیہ کے طور پر ہے اس کا تحقق ضروری نہیں ہوتا جیسے کتنے سارے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی شرک کرتا تو ہم ان کے اعمال ضائع کردیتے یہ جملہ شرطیہ کے طور پر ہے، نہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے شرک کا تحقق ہوتا ہے نہ انبیاء علیہم السلام کے اعمال ضائع ہوں، لیکن اس میں یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر نبی بھی کرے تو اس کے اعمال بھی ضائع ہوجائیں گے تو باقیوں کی کیا حیثیت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو سامنے رکھ کر اصل میں ان کی امتوں کو سنانا مقصود ہے کہ اس عہد کے بعد جو انبیاء علیہم السلام نے کیا تو چونکہ انبیاء علیہم السلام امت کے بھی نمائندے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہدوپیمان کے لئے تو گویا کہ ضمناً انہوں نے بھی عہد کرلیا کہ ہم آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں گے، پھر اس عہد سے اگر کوئی پھرے گا انبیاء علیہم السلام میں تو اس کا وقوع نہیں ہوسکتا، امتوں کے اندر اس کا وقوع بھی ہوسکتا ہے اور ہوا بھی کہ جو اس اقرار سے پھر گیا اس نے آنے والے پیغمبر کی تصدیق نہیں کی وہ فاسق ہے، وہ اللہ کی اطاعت سے نکل گیا، وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار نہیں سمجھا جائے گا۔

فسق کا معنی خروج عن الطاعت ہے جس کے مختلف درجات ہیں، احکام کی خلاف ورزی یہ بھی فسق کہلاتا ہے، اورفقہاء کی اصطلاح میں فاسق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کافر نہ ہونا فرمان ہو، اللہ کے احکام کو چھوڑتا ہے، فسق کی حدود کفر تک پھیلی ہوئی ہیں، اگر کوئی شخص ضروریات دین کا انکار کرے تو وہ فاسق بھی ہے اور کافر بھی ہے، اور بسا اوقات نافرمانی کفر تک بھی پہنچ جاتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں شیطان کے متعلق ہے " ففسق عن امر ربه" تو اس میں یہ بتادیا گیا کہ تم لوگ

اس عہد و پیمان کے ساتھ مکلف ہو جو پیغمبروں نے کیا ہے اس آنے والے پیغمبر پر ایمان لانے کے بارے میں کہ جس کی علامات تمہاری کتابوں کے اندر واضح ہیں، پہلی آیت کے اندر یہ بات کہی گئی ہے۔

اختیاری احکام میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو:

"افغیر دین الله یبغون" ان سب چیزوں سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو بھی احکام آجائیں ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے یہی اسلام ہے اور یہی ملت اسلامیہ ہے، اور یہی ملت ابراہیمی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین یہی رہا ہے اور اس طریقہ کو چھوڑ کر جو دوسرا طریقہ اپنائے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قبول نہیں، اور دوسرا طریقہ اپنانا یہ عقل کے خلاف، فطرت کے خلاف، انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ایسی ذات ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب اس کے احکامات کا مطیع ہے یعنی تکوینی طور پر جو چاہے وہ تصرف کرسکتا ہے، اور ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ اختیاری احکام میں بھی مطیع ہو جاؤ، اگر اختیاری احکام میں بھی مطیع ہو جائے گا تو اس کی تشریع اور تکوین برابر ہوگئی، شرعی طور پر بھی فرمانبردار ہوگیا تکوینی طور پر تو ہے ہی، اس کے طریقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے کی طرف جانا یہ عقل مندی کا تقاضہ نہیں ہے۔

تو اسلام یعنی اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرنا یہ عقل کا تقاضہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے سب اسی کے احکام کا پابند ہے، اور ایسے طور پر پابند ہے کہ چاہے اس کا جی چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ اس میں جو تصرف کرنا چاہے گا اس کو تصرف قبول کرنا پڑتا ہے، جس طرح انسان میں بھی اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام چلتے ہیں، آپ کی صحت ہے، مرض ہے، موت ہے حیات ہے، اور دوسری کیفیات جو انسان پر طاری ہوتی ہیں جن میں انسان کو اختیار نہیں ہے، ان سب چیزوں کے اندر انسان اللہ کے احکام کا پابند ہے اللہ کے احکام کے خلاف قطعاً نہیں چل سکتا، پھر یہ نیک بختی ہے کہ اختیاری احکام کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا جائے ورنہ اس کو چھوڑ کر جاؤ گے کدھر؟ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اہل اسلام کی وسعت ظرفی:

"قل آمنا بالله وماانزل علینا" یہ آیت سورۃ البقرۃ میں گذر چکی ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے، جس میں واضح کرنا مقصود ہے یہود و نصاریٰ کے سامنے کہ ہم تمہاری طرح متعصب نہیں ہیں کہ اپنے پیغمبروں کو مانیں دوسروں کا انکار کردیں، صرف اپنی کتاب کو تسلیم کریں دوسری کتابوں کا انکار کردیں ایسی بات نہیں ہے ہمارا مسلک تو صاف ہے ہم تعصب میں مبتلا نہیں ہیں، ہمارا تو اللہ پر ایمان ہے اور اس چیز پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی، اور ہم اس پر بھی ایمان لے آئے جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام

اور اسباط یعقوب علیہ السلام پر اتاری گئی، اور پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا کہ جو کچھ یہ دیے گئے، ان کے معجزات ان کی کتابیں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔

اور علی العموم "والنبیون من ربھم" جو کچھ بھی نبی اپنے رب کی طرف سے دیے گئے ہم تو ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، ہم تو اس اللہ کے فرمانبردار ہیں، اللہ کی طرف سے جو دین آ گیا ہم نے اس کو قبول کر لیا، مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے انصاف ہی انصاف ہے، وسعت ہی وسعت ہے ہمارے دل کے اندر یہ تنگی نہیں کہ فلاں کو مانیں گے فلاں کو نہیں مانیں گے، جس طرح یہود نے حد بندی کر لی یا نصاریٰ نے ایک تعصب اختیار کر لیا ہم اس قسم کے تعصب میں مبتلا نہیں ہیں۔

عظمت اسلام اور ضدیوں اور کافروں کا انجام:

آگے پھر وہی اسلام کی عظمت ہے کہ جو کوئی اسلام کے علاوہ دوسرا دین چاہے گا وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا، یہ یہود و نصاریٰ دل سے جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، اور بعض اوقات زبان سے بھی اقرار کر لیتے تھے لیکن اس کے باوجود غلط راستہ اختیار کیا اور پھر لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے کہ ہدایت یافتہ ہم ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے، کیسے ہدایت دے اللہ ان لوگوں کو؟ یعنی جو طریقہ یہ اپنائے بیٹھے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں ہے۔

کیسے ہدایت کرے ان کو اللہ جن لوگوں نے کفر کیا ایمان کے بعد، ایمان سے یہی مراد ہو سکتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے، اس وقت مؤمن تھے بعد میں آنے والے پیغمبر کا انکار کیا تو کفر ہو گیا، حالانکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ رسول حق ہے، اس کا اقرار وہ اپنی مجلسوں میں بھی کرتے تھے، دل سے بھی شہادت دیتے تھے کہ یہ علامات اس پر صادق آتی ہیں ایسے ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ مقصد تک نہیں پہنچایا کرتا۔

اور اگر یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم اپنے مقصد کو پہنچے ہوئے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے، یہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہوا کرتے جو نہ اللہ کے احکام کا حق ادا کریں نہ رسول کے احکام کا حق ادا کریں، پھر سمجھیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں یہ غلط ہے، ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا، ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، اور سب لوگوں کی لعنت ہے، یہ ملعون ہیں کہ اقرار کرنے کے باوجود، جاننے کے باوجود، بینات آ جانے کے باوجود، تعصب کی بنا پر حق کے منکر ہیں یا کتمان حق کرتے ہیں، یہ ملعون ہیں۔

اس لعنت کا اثر یہ ہوگا کہ جہنم میں جائیں گے اور جہنم میں ہمیشہ پڑے رہیں گے کیونکہ لعنت کا اصل مفہوم ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری، اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے دور کردے یہ ہے اللہ کی طرف سے لعنت، اور جب اللہ کی رحمت سے کوئی شخص محروم ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ جہنم میں گیا، تو یہ نار اور دوزخ جو جہنم کے لفظ سے سمجھی جا رہی ہے ''فیھا'' کی ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے، ہمیشہ رہیں گے اس جہنم میں ''لایخفف عنھم العذاب'' ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا ''ولاھم ینظرون'' اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

''الاالذین تابوا من بعد ذلک'' ہاں البتہ اس ظلم کے بعد جو لوگ توبہ کرلیں کہ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے جو توبہ کرلیں گے وہ اس لعنت سے بچ جائیں گے، ''واصلحوا'' اور اپنے احوال کو درست کرلیں خاص طور پر دل کی کیفیت بھی ٹھیک ہو یہ نہیں کہ نفاق کے طور پر ایمان قبول کریں ''الا'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ ملعون نہیں ہوں گے، یہ لعنت سے بچا لیے جائیں گے جو گناہ بھی کیے ہوں گے تو توبہ کرنے کے بعد سب معاف ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

''ان الذین کفروا بعد ایمانھم'' بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایمان کے بعد یا تو پہلے نبیوں پر ایمان تھا پھر آنے والے پیغمبر کا انکار کر کے کافر ہو گئے، یا پہلے اسی نبی پر ایمان لائے پھر بعد میں مرتد ہو گئے یہ دونوں کو شامل ہے، پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے، یعنی ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوئی، ایسے شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی کیا مطلب؟ کہ کفر میں ہے اور کفر میں ترقی کرتا جا رہا ہے اور کافر ہوتے ہوئے اگر دوسرے گناہوں سے توبہ کرتا ہے معصیت سے توبہ کرتا ہے تو یہ توبہ اللہ کے ہاں قبول نہیں، کیونکہ توبہ ایک نیک عمل ہے اور اس کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے، جب تک ایمان نہ ہو تو یہ قبول نہیں ہوتی یا رسمی طور پر مرتے وقت توبہ کریں گے یا آخرت کے عذاب کو دیکھ کر توبہ توبہ پکاریں گے، اس توبہ کا کوئی اثر نہیں ہوگا یہی لوگ ہیں جو راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

ایمان کتنا قیمتی ہے؟:

'' ان الذین کفروا وماتوا '' بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ کافر ہیں تو آخرت میں جس وقت عذاب ان کے سامنے آئے گا اس وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ اگر ان کے پاس زمین کے بھراؤ کے برابر سونا ہو، اندازہ کر لیجئے کہ کتنی دولت بنتی ہے؟ تولوں کے حساب سے نہیں، کلوں کے حساب سے نہیں، منوں کے حساب سے نہیں، ٹنوں سے بھی حساب نہیں ہو سکتا کہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو اور ان میں سے کسی کے پاس موجود ہو پھر یہ لجاجت بھی کریں کہ سونا لے لو اور مجھے عذاب سے چھٹکارا دے دو تب بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، یعنی آخرت میں ایمان کا بدل اتنا سونا بھی نہیں بن سکے گا، بالفرض اگر کسی کے پاس ہو اور وہ دے کر جان چھڑانا چاہے تو فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایمان کتنی قدر و قیمت والی چیز ہے، دنیا کے اندر اگر کوئی شخص چند ٹکوں کی خاطر اپنے ایمان کو خراب کرتا ہے تو کتنی جہالت ہے، ایمان کی قدر و قیمت آخرت میں معلوم ہوگی۔

اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا اوران کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اس میں بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے اس عقیدے کی تردید مقصود ہے کہ جو سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء علیہم کی اولاد ہیں، بڑوں کی اولاد ہیں، بڑوں کے ساتھ ہماری نسبت ہے اور یہ نسبت آخرت میں ہمارے کام آجائے گی، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح وہاں سونا چاندی کام آنے والا نہیں اسی طرح بڑوں کی طرف تم نسبت کا جو دعویٰ لئے بیٹھے ہو یہ بھی کام نہیں آئے گا، اگر ایمان پاس نہ ہوا تو دولت کام نہیں آئے گی اور اسی طرح ایمان پاس نہ ہوا تو کسی کی سفارش بھی کام نہیں آئے گی، اور کوئی کسی قسم کی سفارش کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوگا، اس لئے فرمایا ''ومالھم من ناصرین'' ان کا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہیں حاصل کر سکتے تم کامل نیکی جب تک کہ نہ خرچ کرو تم اس چیز میں سے جس کو تم پسند کرتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا

پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے ﴿۹۲﴾ سب کھانا حلال تھا

لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ

بنی اسرائیل کے لئے سوائے اس کھانے کے جس کو حرام ٹھہرا لیا اسرائیل نے اپنے نفس پر

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ

توراۃ اتارے جانے سے قبل، آپ کہہ دیجئے لے آؤ توراۃ پھر پڑھو تم اس توراۃ کو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

تم سچے ہو ﴿۹۳﴾ پھر جو شخص گھڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ قف فَاتَّبِعُوْا

پس یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۹۴﴾ آپ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا، پس پیروی کرو تم

مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ

ابراہیم کے طریقہ کی ایسا ابراہیم جو کہ حنیف تھا، اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا ﴿۹۵﴾ بے شک

اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی

پہلا گھر جو کہ متعین کیا گیا لوگوں کے لئے البتہ وہی ہے جو مکہ میں ہے اس حال میں کہ وہ برکت دیا ہوا ہے اور راہنمائی کا ذریعہ ہے

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ ج فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۵ ج وَمَنْ دَخَلَهٗ

جہانوں کے لئے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح واضح نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جائے

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

تو وہ امن والا ہو جاتا ہے، اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا قصد کرنا ہے جو طاقت رکھتا ہے

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

اس بیت کی طرف راستہ کی، اور جو کوئی کفر کرے پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تمام جہانوں سے ﴿۹۷﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ حاضر ہے

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

اس چیز پر جو تم کرتے ہو ﴿۹۸﴾ آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! کیوں روکتے ہو تم

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ

اللہ کے راستہ سے ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے طلب کرتے ہوئے تم اس راستہ کو ٹیڑھا حالانکہ تم گواہ ہو،

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿۹۹﴾

تفسیر:

محبوب چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب:

"لن تنالوا البر" نال ینال حاصل کرنا، پہنچنا، البر اس کا اصل مفہوم ہوتا ہے وفاداری ادائے حقوق، کسی کے حقوق کو پورا پورا ادا کر دینا اور وفا کا معنی بھی یہی ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے حق آپ کے ذمہ ہیں ان کو آپ ادا کریں، بر صفت کا صیغہ ہے وفادار کے معنی میں ہے، حقوق ادا کرنے والے کے معنی میں ہے، جس کی جمع ابرار آتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے "ان الابرار لفی نعیم "یعنی وہ لوگ جو اللہ کے حقوق ادا کرنے والے ہیں اللہ کے وفادار ہیں، اس بر کے مقابلہ میں فجور آتا ہے اس لئے قرآن کریم میں ابرار کے مقابلہ میں لفظ فجار کا ذکر کیا گیا ہے، " ان الابرار لفی نعیم وان الفجارلفی جحیم "تو فجور کا معنی ہو جائے گا حقوق کا تلف کرنا، حقوق ادا نہ کرنا، اور جس وقت کسی کے پورے حقوق ادا کر دیے جاتے ہیں تو انسان سبکدوش ہو جاتا ہے تو یہاں بر کا معنی ہے کامل نیکی کامل ثواب، یہ حاصل ترجمہ ہے اور اصل معنی یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو اور اللہ کے ساتھ وفاداری کرنا چاہتے ہو تو پھر اپنی محبوب اشیاء میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اس آیت میں اپنی محبوب چیز کو اللہ کے راستہ

میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس کا ماقبل کے ساتھ تعلق یوں لگایا گیا کہ پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ کافروں کی طرف سے زمین کے بھراؤ کے برابر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو وہ بطور فدیہ کے دینا چاہیں گے، اور اسی طرح مسئلہ ہے کہ کفر کی حالت میں اگر دنیا میں بھی کوئی سونے کا پہاڑ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دے تو بھی قابل قبول نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ قبول تبھی ہوتا ہے کہ جس وقت وہ شخص ایمان بھی لایا ہوا ہو اور جب تک ایمان نہ لائے اس وقت تک اس کے صدقات قبول نہیں ہیں، تو یہ ''لن تنالوا'' میں گویا کہ خطاب ہے مسلمانوں کو کہ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ اپنی محبوب ترین چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اور خرچ کرنے کے بعد کمال درجہ کا ثواب اور کمال درجہ کی نیکی حاصل کرو، اگر تم اپنی محبوب ترین چیز اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرو گے تو جو بھی خرچ کرو گے اللہ کے علم میں ہے ثواب اس کے اوپر ملے گا، لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ ثواب اور عمدہ سے عمدہ ثواب لینے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے محبوب مال کو اللہ کے راستہ میں قربان کیا جائے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا:

چنانچہ جس وقت یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑھ بڑھ کر اپنی محبوب چیزوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بہت بڑے صاحب حیثیت تھے مسجد نبوی کے سامنے ہی ان کا باغ تھا جس کا نام بیرحا تھا، حدیث شریف میں اس کا ذکر آیا ہوا ہے، اس میں ایک بڑا اچھا کنواں تھا اور اس کا پانی عمدہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور اس کا پانی پیتے تھے جب یہ آیت اتری تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب ترین مال خرچ کرنے کے لئے کہا ہے اور میرے مال میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب یہی باغ ہے میں اس کو اللہ کے راستہ میں خیرات کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ کہا کہ یہ تو بہت نفع والی تجارت ہے جو تو کرنے لگا ہے، اب میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اپنے قریبی رشتہ داروں میں اسے تقسیم کر دے، چنانچہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے چچوں کی اولاد میں اس باغ کو تقسیم کر دیا (درمنثور) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرنا یہ بھی صدقہ کی ایک اعلیٰ قسم ہے کہ ہر ضرورت مند کو دینا ثواب لیکن جس کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اس کو دینے میں دگنا ثواب ہے صلہ رحمی کا بھی اور صدقہ کا بھی۔

اسی طرح اور بہت سارے واقعات ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عزیز ترین چیز کو اللہ کے راستہ میں خیرات کیا اسی کمال ثواب کو حاصل کرنے کے لئے، گویا کہ پہلے جو مضمون اہل کتاب کے متعلق چلا آ رہا ہے اب اس مضمون سے کلام مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گئی اور مسلمانوں کو درمیان میں یہ نصیحت کر دی اور آگے پھر وہی بنی اسرائیل کا قصہ آ رہا ہے۔ تفاسیر میں اس آیت کی یہ تقریر بھی مذکور ہے۔

آیت بالا کا دوسرا مفہوم:

اور یوں بھی ہے کہ" لن تنالوا " کا خطاب اہل کتاب کو ہی ہے جن کے متعلق خطاب پہلے سے چلا آرہا ہے انہیں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اپنی محبوب ترین چیزوں کی جس وقت تک تم قربانی نہیں دو گے اور اللہ کے راستہ میں ان کو خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم کمال ثواب حاصل نہیں کر سکتے ، اپنے زعم میں تم سمجھتے ہو کہ ہم اللہ کے بڑے محبوب ہیں، اللہ کے بڑے مقرب ہیں اور ہمیں کمال نیکی حاصل ہے، یہ بات غلط ہے اپنی محبوب چیزیں، اپنی مشتہیات، دل کی خواہشات ان کی قربانی دو، عزیز ترین چیز اللہ کے راستہ میں لگاؤ تب جا کر تم کمال کو حاصل کر سکو گے تو مال کی محبت میں جو مبتلا تھے ان پر انکار کرنا مقصود ہے، حب جاہ کے اندر جو مبتلا تھے ان پر انکار کرنا مقصود ہے کہ جس وقت تک تمہارے اندر یہ قربانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا ، اس وقت تک تمہیں نہ ایمان نصیب ہوسکتا ہے اور نہ تمہیں کمال ثواب حاصل ہوسکتا ہے، اس لئے قربانی دینا سیکھو تب جا کے تمہارے لئے ایمان قبول کرنا آسان ہوگا ، موقع محل کے اعتبار سے اس کا یہ مقصد بھی ذکر کیا جاسکتا ہے، ویسے زیادہ تر یہ الفاظ پہلے مضمون پر زیادہ چسپاں ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ترغیب دینا مقصود ہے کہ اچھی سے اچھی چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

چیزوں کی حلت وحرمت کے متعلق یہود کے باطل نظریہ کی تردید:

"کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس کلام کا صراحتاً تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ ہے، پچھلے پارے میں آپ نے ایک دو رکوع قبل یہ پڑھا تھا ملت ابراہیمی کا قصہ کہ یہود ونصاریٰ کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کا جو طریقہ تھا ہم اسی پر ہیں جیسا کہ یہ آیت آئی تھی ، "ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما " اور اس میں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے یا تو وہ لوگ ہیں جو اس وقت ان کے متبع تھے یا یہ نبی اور اس نبی کے اوپر ایمان لانے والے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے یہ لوگ ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اُن کے مسلک پر یہی لوگ ہیں۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقہ کو ملت ابراہیمی قرار دیا اور قرآن کریم میں صراحتاً آپ کو ملت ابراہیمی کی ہی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اس بحث میں اسرائیلیوں کی طرف سے کچھ سوال اٹھائے گئے جس کا تعلق ہے اس بات کے ساتھ کہ آپ کا ملت ابراہیمی پر ہونا مشتبہ ہے، ملت ابراہیمی کی چیزیں آپ میں موجود نہیں ہیں، مثلاً یہود نے یہ کہا کہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام تھیں، تو جب ملت ابراہیمی میں حرام تھیں تو ان کو حلال کہنے والا ملت ابراہیمی پر کیسے ہوسکتا ہے، دوسرا ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا تعلق

بیت المقدس سے ہے مسجد اقصیٰ کے ساتھ جو کہ اہل کتاب کا قبلہ تھا جدھر منہ کر کے حضور ﷺ نے بھی مدینہ منورہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی تھی تو پھر یہ طریقہ جو چھوڑ دیا، بیت المقدس کو جو چھوڑ دیا اور خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے یہ بھی ملت ابراہیمی کے خلاف ہے۔

وہ کہتے تھے مکہ معظمہ کے ساتھ یا بیت اللہ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ یہی مضمون آپ کے سامنے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ دہرائی گئی تھی اس میں بھی اس مضمون کو واضح کیا گیا تھا کہ یہ جگہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آباد کی ہوئی ہے اور اس کی نسبت بھی ان کی طرف ہے، ایک بیٹے کو یہاں آباد کیا تھا یہ بیت اللہ انہی کے ہاتھوں کی تعمیر ہے اور یہاں واضح واضح علامات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس جگہ کے ساتھ تعلق ہے تو ان کے ان شبہات کو دور کر کے سرور کائنات ﷺ کے طریقہ کو ملت ابراہیمی ہونا واضح کیا ہے۔

"کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس میں اسی شبہ کا جواب ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ جو کھانا اس وقت زیر بحث ہے جن چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ یہودی اور بھی کئی چیزوں کو حرام ٹھہرائے ہوئے تھے جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ الانعام میں آئے گی، تو یہ سب کی سب چیزیں جو اس وقت زیر بحث ہیں جن کے متعلق یہودی کہتے تھے کہ ملت ابراہیمی سے حرام چلی آرہی ہیں یہ ساری کی ساری چیزیں بنی اسرائیل پر بھی حلال تھیں تو راۃ کے اترنے سے پہلے، تو راۃ کے اترنے کے بعد ان کے اوپر بعض چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا، تو حرمت کی نسبت تو راۃ کی طرف ہے تو راۃ سے قبل زمانہ میں یہ اشیاء حرام نہیں تھیں، ہاں البتہ ایک چیز تھی جس کو اسرائیل نے اپنے نفس کے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا بعد میں اس کی حرمت بھی ان کی اولاد میں چلی آئی اسرائیل سے یعقوب علیہ السلام مراد ہیں۔

تفسیری روایات کے اندر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک تکلیف تھی جس کو عرق النساء کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس تکلیف کے اندر وہ مبتلا تھے اور انہوں نے اس طرح نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے دے تو میں اپنی محبوب چیز جو کھانے میں سے مجھے محبوب ہے میں اسے ترک کر دوں گا، جب شفا ہو گئی تو ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ پسند تھا تو آپ نے وہ ترک کر دیا اس نذر کے تحت اور اس قسم کی نذر ان کی شریعت میں جائز تھی کہ نذر کے تحت کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا جائے یہ ان کی شریعت میں جائز تھی، ہماری شریعت میں نذر کا یہ مفہوم تو ہے کہ ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیں یہ تو ہو جاتا ہے، باقی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا یہ یمین کے حکم میں ہے اور اس قسم کی یمین ہمارے ہاں حماقت ہے کہ حلال چیز کو نذر کے تحت اپنے اوپر حرام نہیں کیا جا سکتا۔

اٹھائیسویں پارہ میں سورۃ التحریم کے اندر یہی مسئلہ آپ کے سامنے آئے گا "یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك" کہ جو چیز اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے آپ اس کو اپنے اوپر حرام کیوں ٹھہراتے ہیں، وہاں شہد کا مسئلہ ہے

حضور ﷺ نے اس کو اپنے اوپر ممنوع ٹھہرا لیا تھا تو اس قسم کی نذر ہماری شریعت میں منسوخ ہے، اور اس قسم کی نذر جائز نہیں ہے، اگر کوئی نذر مان لے تو اس کا توڑنا ضروری ہے، اور اس کا کفارہ یمین ہوتا ہے ان کی شریعت میں جائز تھی، تو اونٹ کی حرمت اور اس کے دودھ کی حرمت یہ بھی اسرائیل کی نذر کے تحت ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ وضاحت کی گئی کہ جو چیزیں اس وقت زیر بحث ہیں جن کو اسرائیلی اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں ملت ابراہیمی میں بالکل حرام نہیں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حرام نہیں تھیں، اونٹ حرام ہوا اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی نذر کے تحت، اپنے نفس پر انہوں نے اس کو ممنوع قرار دے لیا، اور باقی چیزیں حرام ہوئیں توراۃ کے اترنے کے بعد، لہٰذا آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کو حلال قرار دینا یہودیت کے خلاف ہے، ان کو حلال قرار دینا توراۃ کے خلاف ہے، باقی یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے خلاف ہے اور ان کے زمانہ میں یہ چیزیں حرام تھیں یہ بات غلط ہے۔

یہ ہے ہمارا دعویٰ باقی "فأتوا بالتوراة ان كنتم صادقين" تم اپنی کتاب توراۃ ہی لے آؤ اور پڑھ کے دکھا دو اگر اس میں لکھا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ چیزیں حرام تھیں تو تم سچے اور ہم جھوٹے اور اگر توراۃ سے یہ بات تم ثابت نہ کر سکو اور توراۃ سے یہی بات نکلے کہ ان کی حرمت یہودیوں پر بعض جرائم کی سزا کے طور پر کی گئی، یا یہ نذر حضرت یعقوب علیہ السلام نے مانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے بعد تو پھر تمہارا ان باتوں کو علامت قرار دینا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں ہیں یہ بات صحیح نہیں ہے اس شبہ کو اس طرح زائل کر دیا۔

تو "کل الطعام" سے ہر وہ کھانا مراد ہے جو زیر بحث ہے جس کو یہودی حرام کہتے تھے، یہ ہر کھانا بنی اسرائیل کے لئے حلال تھا سوائے اس کے جس کو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا حلال تھا توراۃ کے اتارے جانے سے قبل، توراۃ کے اترنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض جرائم کی سزا کے طور پر بعض چیزیں ان کے اوپر حرام ٹھہرا دی تھیں، تو نسبت ان کی توراۃ کی طرف ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نہیں ہے، اور آپ کہہ دیجئے "فأتوا بالتوراة" توراۃ لے آؤ اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو تو توراۃ سے ہی ثابت کر دو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ حرام تھیں۔

اور اگر توراۃ میں یہ مذکور ہے کہ ان کی حرمت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نہیں ہے تو پھر بات صاف ہو گئی، پھر تمہارے شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اگر اتنی وضاحت کے بعد بھی تم لوگ یہی بات کہتے چلے جاؤ کہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام ٹھہرائیں تھیں، اس لئے ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر اسے ہی سمجھا جائے گا جو ان چیزوں کو حرام سمجھے گا، اور جو ان کو حرام نہیں سمجھتا اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں سمجھا جائے گا، یہ تمہارا اختراع ہے تمہارا جھوٹ ہے جو تم اللہ کے اوپر باندھتے ہو، اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ظلم نہیں کہ کوئی انسان اللہ کے اوپر جھوٹ باندھتا ہے،

"فمن افتریٰ علی الله الکذب من بعد ذلك " ان لفظوں کا مطلب یہی ہے من بعد ذلك کا مقصد کہ اس وضاحت کے بعد جو ہم نے آپ کے سامنے کردی تھی، اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کے اوپر جھوٹ باندھے گا "فاولئك هم الظالمون" پس یہی لوگ ظالم ہیں، یہی لوگ بے انصاف ہیں، یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے، تو سرور کائنات ﷺ کے طریقے کو ملت ابراہیمی کے خلاف ثابت کرنے کے لئے انہوں نے جو بعض چیزوں کو حلال قرار دینے سے دلیل پکڑی تھی اس کی تردید ہوگئی۔

بیت اللہ کے بارے میں یہود کے باطل نظریہ کی تردید:

دوسری بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اگر تم ملت ابراہیمی پر ہو تو پھر اسے ہی قبلہ قرار دو، اور مکہ معظمہ سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق کو توڑتے تھے آگے اس کو ذکر کیا گیا کہ یہ بیت اللہ جو مکہ معظمہ میں ہے افضل ترین ہے، تمام جگہوں سے افضل ہے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کے لئے یہی گھر متعین کیا گیا تھا، اور اس میں بہت واضح واضح نشانات موجود ہیں، جس سے اس کی مقبولیت اور افضل المواضع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور ان کا اس کو آباد کرنا، اپنی اولاد کو یہاں بسانا یہ ساری کی ساری چیزیں ثابت ہوتی ہیں تو اتر کے ساتھ یہ چیزیں آرہی ہیں تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ اس بیت کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا تعلق کوئی نہیں اور اس کو قبلہ بنالینا ملت ابراہیمی کے خلاف ہے یہ بات بھی غلط ہے اس مضمون کی وضاحت پہلے تحویل قبلہ کے مسئلہ میں گذر چکی ہے۔

"قل صدق الله" یہ بات تو پچھلے مضمون کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا، اللہ کی طرف سے وضاحت ہوگئی "فاتبعو ا ملة ابراهيم حنيفاً " پھر تم پیروی کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو کہ حنیف تھا "وماکان من المشرکین" اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

"ان اول بیت وضع للناس " پہلا گھر جو متعین کیا گیا لوگوں کے لئے یعنی عبادت کے واسطے، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام جس وقت زمین پر آئے ہیں تو آنے کے بعد سب سے پہلا حکم ان کو یہی ہوا تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرو، پہلی تعمیر آدم علیہ السلام کے زمانہ کی ہے چاہے فرشتوں کی وساطت سے ہوئی، چاہے آدم علیہ السلام نے براہ راست کی، بہر حال آدم علیہ السلام کے آتے ہی عبادت کے لئے اس پہلے گھر کو متعین کر دیا، یا تو اور گھر آدم علیہ السلام نے ابھی اپنی رہائش کے لئے نہیں بنایا تھا، پھر تو اولیت حقیقی ہوئی ہر گھر کے اعتبار سے، یا یہ ہے کہ چاہے اپنے گھر کے لئے کوئی کمرہ خیمہ بنالیا ہو لیکن عبادت کے طور پر پہلی جگہ یہی متعین کی گئی ہے تو یہ اول بیت ہے "وضع للناس "جو لوگوں کے لئے متعین کیا گیا یعنی اولاد آدم کے لئے، جیسے آدم علیہ السلام اول الناس ہیں تو آدم علیہ السلام کے لئے عبادت کے واسطے جو گھر متعین کیا گیا ہے یہ بھی اول بیت ہے، لوگوں کے لئے پہلا گھر یہ متعین کیا گیا ہے، یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

مکہ مکرمہ کا پرانا نام بکہ ہے:

پرانی کتابوں میں مکہ کا نام بکہ آتا ہے، اور با اور میم قریب المخرج ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، بکہ یہ مکہ کا ہی نام ہے اور بکہ کا لفظی معنی شہر ہے، جیسے بعلبک بعل کا شہر وہاں بھی بک کا لفظ آیا ہوا ہے اور یہ لفظ پہلے کتابوں کے اندر موجود تھا اور یہود نے اس لفظ کے اندر بھی تحریف کی ہے، اور اس بکہ کو انہوں نے بکاء بنا دیا ہے تو وادی بکہ کی بجائے وادی بکاء رونے والی وادی، اور پھر اس کی نشاندہی کرتے کہ یہ شام کے علاقہ میں بیت المقدس کے پاس کوئی وادی ہے جس کا نام ہے وادی بکاء، تو لفظ کے بدلنے کے ساتھ مفہوم یوں گڑبڑ کر دیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق اس وادی کے ساتھ لگاتے اور یہ کہتے کہ اس وادی سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کو مکہ کہتے ہیں تو لفظ کے اندر تحریف کر کے اس کا مفہوم یوں بگاڑ دیا۔

یہاں وضاحت کر دی گئی کہ بکہ یہی گھر ہے جو عبادت کے لئے سب سے پہلے متعین کیا گیا تھا یہ وہی ہے جو کہ بکہ میں ہے یعنی مکہ معظمہ میں ہے۔

بیت اللہ کی برکت اور ہدایت:

''مبارکا'' برکت والا ہے، ظاہری باطنی برکات مشاہدہ میں ہیں، باطنی برکات یعنی عبادت کرنے میں ثواب بہت بڑھ جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ گھروں کے اندر جو عام طور پر نماز پڑھتے ہیں تو ایک نماز محلّہ کی مسجد میں پڑھو تو اس میں اور زیادہ ثواب ہو گیا پچیس گنا بڑھ گئی، اور جامع مسجد میں پڑھو جس میں جمعہ ہوتا ہے تو پانچ سو گنا ہو گئی، اور پھر بیت المقدس میں اگر نماز ادا کی جائے تو اور بڑھ گئی، مسجد نبوی میں اس سے زیادہ ثواب اور یہ بیت اللہ میں جو ادا کی جاتی ہے تو اس میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہو جاتی ہے، یہ باطنی برکت ہے کہ عبادت کے ساتھ ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

اور جو ظاہری برکت ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے باوجود اس بات کے کہ چٹیل میدان میں ہے، اور وادی غیر ذی ذرع میں ہے، کوئی کھیتی نہیں، نباتات نہیں، باغات نہیں، لیکن اس گھر کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وہاں رزق کی اتنی وسعت کی ہوئی ہے کہ لاکھوں کے حساب سے لوگ جاتے ہیں اور وہاں علاقے کی پیداوار کچھ بھی نہیں لیکن کسی کو وہاں رزق کی تنگی محسوس نہیں ہوتی، ہر چیز ہر موسم میں وہاں ملتی ہے، ہر ملک کا پھل وہاں ملتا ہے، آج سے نہیں جب سے مکہ آباد ہوا اس وقت سے یہی حال ہے یہ ظاہری برکت ہے جو اللہ نے دی ہے۔

''ھدی للعالمین'' تمام جہانوں کے لئے مرکز ہدایت ہے، نماز کا رخ متعین کرنے کے لئے بھی وہ ہادی اور اسی

طرح اللہ کی طرف توجہ کرنے کے لئے بھی وہ ہادی ہے، اور آخری زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سرچشمہ اسی بیت کو بنایا ہے کہ وہ نبی اٹھایا جو کہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا باعث بنا تو ھدی للعالمین کا معنی ہوگا کہ تمام جہانوں کے لئے یہ بیت مرکز ہدایت ہے، اسی سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

بیت اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات:

"فیه آیات بینات "اس بیت میں بہت واضح نشانیاں ہیں جس سے اس کی مقبولیت بھی ثابت ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے، جن میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم ہے، مقام ابراہیم کا ذکر بھی پہلے پارہ میں آ گیا تھا کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی بناء کی تھی، جب تعمیر کرتے ہوئے دیوار اونچی ہوگئی تو پھر ضرورت پیش آئی کہ نیچے کوئی چیز رکھی جائے جس کے اوپر کھڑے ہو کر پتھر لگائیں تو پھر یہ پتھر وہاں دیوار کے پاس رکھا گیا جس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے، تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کے اندر ایسی صلاحیت رکھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جتنا اونچا ہونے کی ضرورت ہوتی یہ اتنا اونچا ہو جاتا، اور جب اس سے اترنا ہوتا تو پتھر نیچا ہو جاتا تھا۔

اور پھر ایک نشان باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو موم جو کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پاؤں اس کے اندر دھنس گئے، اور اس وقت تک ان دونوں قدموں کا نشان نمایاں ہے، پرانی تاریخ سے تواتر کے طور پر یہ بات چلی آرہی تھی کہ یہ پتھر وہی ہے اور اس کے اوپر جو نشان ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے ہی نشان ہیں، جو علی الاعلان بتاتے ہیں کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے اور یہ نقش پا انہی کا ہے۔

اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس کو اسی طرح محفوظ کر لیا گیا پہلے یہ بیت اللہ کے دروازے کے ساتھ پڑا ہوتا تھا، پھر جب اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم آیا کہ اس کے پاس نماز پڑھا کرو پھر اگر یہاں نماز پڑھی جاتی تو طواف کرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی، تو پھر بیت اللہ کے دروازے سے اٹھا کر اس کو اس زمانہ میں جو مطاف تھا اس کے کنارے پر رکھ دیا گیا اور آج تک یہ پتھر وہیں رکھا ہوا ہے، اور اس وقت اس کے اوپر شیشہ کا خول چڑھایا ہوا ہے اگر دیکھیں تو پتھر بھی نظر آتا ہے اور وہ نشان بھی نظر آتا ہے، یہ ایک حسی علامت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تک پہنچے، اور تواتر کے ساتھ یہ بات چلی آرہی ہے کہ یہ نقش پا انہی کا ہی ہے جس سے اس جگہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت ثابت ہوگئی کہ اگر بیت المقدس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آباد ہوئی اور ان کی اولاد کے لئے وہ مرکز بنا تو یہ مرکز بھی انہی کا ہے یہ کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے ایک علامت ہے "ومن دخله كان آمناً" جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے، اس کو امن نصیب ہو جاتا ہے، یہ مسئلہ بھی آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ یہ شرعی حکم ہے کہ وہاں داخل ہو جانے کے بعد قتل وقتال جائز نہیں، کسی کو مارنا جائز نہیں ہے، انسان تو کیا جو حیوان وہاں چلے جاتے ہیں ان کو بھی امن حاصل ہے اس لئے وہاں کسی شکاری جانور کو پکڑنا درست نہیں ہے اس کی تفصیل فقہ کے اندر موجود ہے اور آپ پڑھتے رہتے ہیں۔

ہر دور میں حج صرف بیت اللہ کا ہی ہوا ہے:

"ولله على الناس حج البيت" اس کا یہ شرف بھی پہلے سے نمایاں ہے سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی کا ہی حج کرتے تھے، حج صرف بیت اللہ میں ہوا ہے حج کبھی بھی بیت المقدس میں نہیں ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اعلان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ اعلان سب تک پہنچایا تو آپ کی اولاد نے اور آپ کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام نے اسی بیت اللہ کا ہی حج کیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ فلاں وادی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے حج کرنے کے لئے جا رہے ہیں اور وہ لبیك لبیك پکارتے ہوئے جا رہے ہیں اسی طرح آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی حج کرنے کے لئے جا رہے ہیں، ایک وادی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے (مشکوٰۃ ص ۵۰۸) معلوم ہوتا ہے عالم روحانیت میں بھی یہی جگہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مرکز ہے اور حج وغیرہ کے لئے توجہ ادھر ہی ہوتی ہے۔

حج فرض ہونے کی شرائط:

لوگوں کے ذمہ ہے اس بیت اللہ کا حج، اس کا قصد کر کے جانا، حج کا لفظی معنی ہوتا ہے قصد کرنا، باقی قصد کرنے کا خاص طریقہ خاص وقت خاص ہیئت جس طرح یہ قصد کیا جاتا ہے، وہ ساری تفصیل کتابوں کے اندر موجود ہے، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی ہے لیکن یہ حج ہر کسی کے ذمہ نہیں "من استطاع اليه سبيلا" جو بیت اللہ تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو جس کو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت حاصل ہے، چنانچہ حج کی فرضیت کے لئے شرط ہے کہ انسان سفر خرچ برداشت کر سکے، اور جتنی دیر تک اس نے وہاں رہنا ہے وہ اپنے متعلقین کو جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے وہ خرچ دے سکے تب جا کے اس کے اوپر حج فرض ہوتا ہے۔

اگر اس کے پاس اتنے پیسے تو ہیں کہ وہ جا سکتا ہے لیکن پیچھے متعلقین کے لئے کچھ نہیں بچتا، اپنی اولاد کے لئے

بیوی بچوں کے لئے کوئی خرچ باقی نہیں رہتا تو کسی صورت میں بھی حج فرض نہیں ہے، حج کی فرضیت تبھی ہوتی ہے جب اہل وعیال کو بھی ان کا خرچ دیا جاسکے اور آنے جانے کے اور وہاں جتنے دن لگتے ہیں اس کے اخراجات بھی اس کے پاس موجود ہوں تب جا کے حج فرض ہوتا ہے تو "من استطاع الیہ سبیلا" کے اندر یہی ہے، اور بدنی صحت بھی ضروری ہے اگر کوئی لولا لنگڑا اندھا ہے، یا اتنا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا تو اس کو بھی استطاعت حاصل نہیں ہے اس پر بھی حج فرض نہیں ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کرنا:

"من کفر" اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ کسی کو استطاعت حاصل ہو حج اس پر فرض ہو جائے پھر وہ حج کرتا نہیں تو ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا، پھر یہ عملی کفر ہے جس طرح "من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر" میں آپ کہا کرتے ہیں کہ ترک صلوۃ کفر ہے یعنی کافروں والا فعل ہے عملی کفر ہے، اسی طرح یہاں بھی ترک حج پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے جو کفر کرے یعنی باوجود استطاعت ہونے کے حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو سب سے مستغنی ہے اس میں اللہ کا کیا نقصان؟

اس کی تفصیل کرتے ہوئے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جس کے اوپر حج فرض ہو گیا اور اس کو استطاعت حاصل ہے اور پھر وہ حج نہیں کرتا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے وہ نصرانی ہو کر مرے اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہے وہ اسی "غنی عن العالمین" کی تفصیل اس میں ہے کہ اللہ کو کوئی پرواہ نہیں چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے تو کفر سے ترک حج مراد ہوگا، اور اس پر کفر کا اطلاق ایسے ہی ہے جیسے ترک صلوۃ کے اوپر کفر کا اطلاق ہے اس کو آپ عملی کفر قرار دیں گے حقیقی کفر نہیں، اور اگر کوئی اس کا انکار ہی کرے تو انکار کرنے کی صورت میں حقیقی کفر آجائے گا پھر انسان حقیقتاً کافر بن جاتا ہے۔

ورنہ اگر اس "من کفر" کا تعلق اہل کتاب کے ساتھ ہی لگا دیا جائے تو پھر بھی بات صاف ہے کہ اس بیت کے اندر آیات بینات موجود ہیں اور مقام ابراہیم یہ بتاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اس سے تعلق ہے اور یہ احکام بھی پہلے سے ملت ابراہیمی کے اندر چلے آرہے ہیں، اور یہ بالکل واضح واضح آیات ہیں، اور اگر پھر بھی تم انکار کرتے ہو اور اس مرکز ہدایت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرکز ماننے کے لئے تیار نہیں اور سمجھتے ہو کہ اس بیت اللہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اگر تمہارا خیال یہ ہے تو پھر تم کافر ٹھہرے، اور تمہارا یہ عقیدہ کفر ہے، یعنی آیات بینات ہونے کے باوجود پھر بھی اگر تم نہ مانو تو جو کفر کرتا ہے اللہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں، اللہ کو کیا ضرورت ہے

کسی کی، تو کفر کا تعلق اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اس معنی کے اعتبار سے پھر اگلی آیتیں بھی اسی مضمون کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے جڑ جاتی ہیں۔

اہل کتاب کو تنبیہ:

"قل یااھل الکتاب" اس وضاحت کے بعد آپ کہہ دیجئے کہ کتاب والو! تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیات کا تو جہاں اور آیات ہوں گی تو وہاں" فیه آیات بینات " بھی اس کا مصداق ہوگی، اے اہل کتاب! تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیات کا اور اللہ تعالیٰ شہید ہے، مشاہدہ کرنے والا ہے، حاضر ہے، دیکھنے والا ہے، گواہ ہے تمہارے عملوں پر، اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستہ سے اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے، طلب کرتے ہو تم اس راستہ میں کجی یعنی شبہات پیدا کرتے ہو، کجیاں تلاش کرتے ہو اور اس طرح ایمان والوں کو روکتے ہو "وانتم شھداء" حالانکہ تم تو گواہ ہو حق کے، تمہارے ذمہ لگایا گیا تھا کہ تم نے حق لوگوں کے سامنے واضح کرنا ہے اور حق بات کہنی ہے تو گواہ ہو کر بھی تم نے اس کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔

فرض تو تمہارا تھا کہ ہر حق بات کے اوپر شہادت دیتے اور لوگوں کو اس حق بات کی طرف بلاتے لیکن اس گواہ ہونے کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکلف کیا تھا تمہیں یہ منصب دیا تھا حق کی وضاحت کا اس کے باوجود اگر تم اس قسم کی حرکتیں کرتے ہو تو یہ بہت بری حرکتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں ہے، جس قسم کے عمل تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی قسم کی جزا و سزا پاؤ گے۔
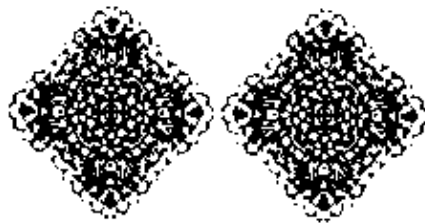
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ

اے ایمان والو! اگر اطاعت کرو گے تم ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے ایک گروہ کی وہ تمہیں لوٹا دیں گے

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

تمہارے ایمان کے بعد کافر ﴿۱۰۰﴾ اور تم کیسے کفر کرو گے، اور حال یہ ہے کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ

اللہ کی آیات اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اور جو کوئی مضبوطی کے ساتھ تھام لے اللہ کو پس تحقیق وہ ہدایت دیا گیا ایسے راستہ کی طرف

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ

جو سیدھا ہے ﴿۱۰۱﴾ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا تم

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا

مگر اس حال میں کہ تم صاحب اسلام ہو ﴿۱۰۲﴾ مضبوطی سے تھامو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور آپس میں جدا جدا نہ ہوو، اور یاد کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے جب کہ تم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَ

پھر ہو گئے تم اللہ کے احسان کی وجہ سے بھائی بھائی، اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے چھڑایا

كُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تمہیں اس سے، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم سیدھا راستہ پاؤ ﴿۱۰۳﴾

تفسیر:

مدینہ منورہ میں یہود کا سازشی کردار:

ان آیات کے شان نزول میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہ دو قبیلے جو مشرکوں کے تھے اوس اور خزرج، جو سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کی وجہ سے انصار کہلائے، ان کی زمانہ جاہلیت میں آپس میں بہت عداوتیں تھیں، جس وقت کوئی جنگ چھڑتی پھر وہ کئی سال تک چلتی رہتی تھی آخری آخری جنگ جو ان کے

اندر ہوئی اور وہ بڑی تباہ کن تھی ان قبیلوں کے لئے اس کا نام جنگ بعاث ہے، وہ تقریباً جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک سوبیس سال تک ان کے درمیان میں رہی، ایک سوبیس سال تک کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں میں جنگی حالات بحال رہے گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں، اور آخری جھڑپ سرورِ کائنات ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے سے کچھ دیر پہلے ہوئی جس میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بہت سارا جانی نقصان ہوا، اسی طرح یہ لوگ ہمیشہ خانہ جنگی کے اندر مبتلا رہتے تھے، یعنی ایک واقعہ پر جنگ چھڑ جاتی اور پھر کئی سال تک وہی واقعہ جنگ کا باعث بنا رہتا، اور گاہے گاہے اسی واقعہ کی بناء پر آپس میں جھڑپیں ہوتی رہتیں۔

تو اسی طرح یہ بعاث کی لڑائی جس پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعاث کی مشہور جنگ ایک سوبیس سال تک رہی، ایک سوبیس سال کا لفظ فوائد عثمانی میں ہے تو مطلب اس کا یہی ہے کہ کسی واقعہ پر لڑائی ہوئی اور پھر وہ لڑائی کے حالات ہی بحال رہے، اور اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر آپس میں خونریزی ہوتی تھی، اور حضور ﷺ کے آنے سے پہلے ان کے درمیان بہت کمر توڑ خون ریزی ہوئی، جس میں دونوں قبیلوں کی بڑی بڑی قوتیں ختم ہو گئیں، اور بڑے بڑے آدمی مارے گئے، اور سرورِ کائنات ﷺ جس وقت تشریف لائے تو آپ کے آنے کی برکت سے دونوں قبیلوں کی آپس میں صلح ہوگئی اور دونوں اسلام کے رشتہ سے جڑ گئے، اور وہ جنگی حالت ختم ہوگئی بھائیوں کی طرح آپس میں رہنے لگ گئے۔

مدینہ منورہ کے اردگرد جو یہود کے قبیلے آباد تھے، یہود قوم ابتداء سے ہی کچھ سازشی اور شرارتی واقع ہوئی ہے، اور یہ لوگ دوسروں کے اوپر تسلط قائم کرنے کے لئے ہمیشہ خفیہ طور پر ریشہ دوانیوں سے کام لیتے ہیں، اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ان قبائل کی جو آپس میں جنگیں تھیں ان جنگوں کے اندر بھی یہودیوں کی سازشوں کا دخل ہوتا تھا، وہ ان کو اکٹھے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے تھے، ان کو لڑاتے رہتے تاکہ ان کی قوت کمزور رہے، اور پھر ان لڑائیوں کی وجہ سے یہ مالی مشکلات میں مبتلا ہوتے اور پھر یہ یہودیوں سے قرض لیتے، یہودی ان کو سود پر قرض دیتے اس طرح یہودیوں کا ان پر مالی تسلط قائم رہتا تھا، اور آپس میں لڑنے بھڑنے کی وجہ سے یہودی ان سے بچے رہتے تھے اور امن میں رہتے تھے، یہ ماحول تھا اس وقت مدینہ منورہ کا۔

موجودہ دور میں یہود کا سازشی کردار:

اور اگر آج بھی آپ غور فرمائیں گے تو آج بھی دنیا کے اندر یہودی ذہن یہی کام کر رہا ہے کہ جہاں دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا آپس میں اتفاق ہو گیا تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو یہ اپنے خفیہ ہاتھوں کے ساتھ مختلف قسم کے شوشے چھوڑ کے ان کو آپس میں لڑا دیتے ہیں، اور جس وقت لڑتے ہیں تو پھر چونکہ اسلحہ کی منڈیاں انہی کے پاس ہیں چاہے وہ روس ہے چاہے وہ امریکہ دونوں جگہ قیادت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، تسلط دونوں جگہ یہودیوں کا ہے، روس کے اندر بھی جتنی قیادت ہے وہ سب یہودی ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کارل مارکس جس نے کیمونسٹ والا نظریہ پیش کیا ہے یہ یہودی تھا، اور اس کی زندگی میں اس کے نظریات پر انقلاب نہیں آیا، اس کے بعد انہی نظریات پر لینن روس میں انقلاب لایا ہے، اور یہ بھی یہودی تھا اور لینن کے بعد ان کا سب سے بڑا لیڈر سٹالن ہوا وہ بھی یہودی تھا، تو یہ کیمونسٹ نظریہ بھی یہودی ذہن کی پیداوار ہے، اور اس کی قیادت بھی یہود کے ہاتھ میں ہی ہے، یہ بگڑے ہوئے یہودی جو پھر خدا کے بھی منکر ہو گئے، اور عیسائیت سے انتقام لینے کے لئے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا، کیونکہ روس میں بھی تسلط عیسائیوں کا تھا، چین میں بھی تسلط عیسائیوں کا تھا، اور عیسائیوں اور یہودیوں کی آمیزش پہلے سے چلی آتی تھی۔

اس فتنہ کی لپیٹ میں پھر اسلامی ممالک بھی آ گئے تو جہاں عیسائیت کے خلاف انقلاب آیا اور دہریت پھیلی، اسی طرح اسلام کے خلاف بھی مختلف جگہوں میں یہ ذہن پیدا ہوا اور یہ دہریت مسلمانوں میں بھی پھیلی، اب جس وقت یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا آپس میں اتفاق ہو رہا ہے تو کسی نہ کسی طرف سے شوشہ چھوڑ کے آپس میں لڑا دیں گے، لڑائی کے اندر دو پارٹیاں بنیں گی، ایک اسلحہ کی خریدار ہوگی روس سے، دوسری اسلحہ کی خریدار ہوگی امریکہ سے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں پارٹیاں ایک ہی جگہ سے خریداری کرتی ہیں، اور وہ خوب ان کو جنگی ہتھیار دیتے ہیں، اور اپنی تجارت چمکاتے ہیں اور یہ آپس میں لڑتے اور مرتے ہیں تو تسلط قائم رکھنے کے لئے آج بھی دنیا میں یہودی سازش اسی طرح ہے کہ ان کو آپس میں لڑاؤ اور ان کو کمزور کرو اور ان کے اوپر مالی تسلط قائم رکھو۔

پاکستان اور بھارت کی جو تین جنگیں ہوئیں جتنی تباہی اس میں ہوئی ہے اگر یہ جنگیں آپس میں نہ ہوتیں تو ہم مغربی ممالک کے اتنے مقروض نہ ہوتے جو کچھ جمع کرتے ہیں پانچ سات سال میں کوئی نہ کوئی لڑائی ہو جاتی ہے اور سب جمع شدہ ختم ہو جاتا ہے، اور ایک ایک دن میں کروڑ ہا روپے کا اسلحہ برباد ہوتا ہے، آدمی علیحدہ مرتے ہیں، جائیدادیں علیحدہ تباہ ہوتی ہیں، اور منڈیاں چمکتی ہیں ان کی، وہ لاٹھی اس کے ہاتھ میں بھی دینے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں بھی دینے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں تاکہ یہ آپس میں لڑیں، اور جب آپس میں لڑیں گے تو پھر چودراہٹ ہماری چمکے گی۔

ابتدائی آیات کا شان نزول:

بالکل بعینہٖ یہی ذہنیت مدینہ کے اردگرد تھی کہ یہودی قبائل سازشیں کر کے ان کو آپس میں لڑاتے تھے اور لڑانے کے بعد پھر ان کے اوپر تسلط جماتے تھے، ان لڑائیوں میں یہود کا ہر طرح سے فائدہ تھا، ان کو وہ اکٹھا نہیں دیکھ سکتے تھے، تو جب سرور کائنات ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد ان کا آپس میں اتفاق ہو گیا تو ایک مجلس کے اندر اوس اور خزرج کے لوگ اکٹھے بیٹھے تھے، اور صدیوں بعد ان کو یہ چیز نصیب ہوئی تھی کہ آپس میں مل جل کر اکٹھے ہو کر بیٹھیں، ہنسیں، کھیلیں۔

تو وہاں ایک یہودی تھا جس کا نام تھا شاس بن قیس وہ ان کا اتفاق دیکھ کر، ان کی محبت دیکھ کر برداشت نہ کر سکا، اس کے اندر کی جلن زور پکڑ گئی، اس نے اپنے کسی آدمی سے کہہ کر وہ شعر پڑھوانے شروع کر دیے جو آپس میں اختلافات کے دور میں انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر و شاعری تو عرب میں عروج پر تھی وہ لوگ زبانی طعنوں کو تلوار سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے، اوس نے خزرج کو ذلیل کرنے کے لئے جو شعر کہے اور اپنی مفاخرت قائم کی، اور خزرج والوں نے جو اوس کے خلاف شعر کہے اور اپنی مفاخرت قائم کی اور ان کی توہین و تذلیل کی جس وقت یہ شعر اس مجلس میں پڑھے گئے تو پرانی باتیں یاد آ گئیں تو اسی سے آپس میں توں توں میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔

جیسے دو آدمیوں کے درمیان اگر پرانی لڑائی ہو، لڑائی کے دوران میں انسان ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہہ لیتا ہے جس میں صحیح باتیں بھی ہوتی ہیں اور غلط باتیں بھی ہوتی ہیں، اور پھر بعد میں اگر اتفاق ہو جائے تو اتفاق ہونے کے بعد پرانی باتیں بھلا دی جائیں پھر تو اس اتفاق کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے، پرانی باتوں کو دبا دو، جو دفن ہو گیا اس کو دفن ہی رہنے دو اب اس کو اکھیڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اگر ان باتوں کو بھلا دو گے، اپنے ذہن سے فراموش کر دو گے تو آپس میں اتفاق بحال رہ جائے گا، ورنہ ان باتوں کو اگر آپس میں یاد کرو گے یا تیسرا آدمی ان باتوں کو چھیڑنا شروع کر دے تو بسا اوقات جذبات کنٹرول میں نہیں رہتے، اور فریقین کے اندر دوبارہ وہی بدمزگی ہو جایا کرتی ہے۔

اس یہودی نے اسی انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھایا کہ جب وہ پرانے شعر پڑھنے شروع کیے تو عرب کا گرم خون جوش میں آیا تو توں توں میں میں تک نوبت پہنچی، اور دوبارہ ایک دوسرے کے خلاف بہادری دکھانے کے لئے لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ تاریخ بھی متعین کر لی کہ فلاں دن پھر مقابلہ ہوگا، دیکھیں گے کیا ہوتا ہے، جس وقت یہ شروع ہوا اور آپس میں اس طرح بات بڑھی، سرور کائنات ﷺ کو پتہ چلا تو آپ اپنے ساتھ مہاجرین کی ایک جماعت لے کر وہاں پہنچے، اور وہاں ان کو کچھ ملامت کی اور انہیں سمجھایا کہ تمہیں کیا ہو گیا یہ یہود تو تمہیں لڑانا چاہتے ہیں ان کی سازشوں کو تم سمجھتے نہیں اور ان کی سازشوں کی بناء پر تم نے کیسی تباہی اور بربادی دیکھی، کیا ابھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں، اگر تم ان کی باتیں مانو گے اور ان کی باتوں میں آؤ گے تو دوبارہ پھر یہ تمہیں کافر بنا دیں گے۔

ایمان سے ہی نکال دیں گے، یا عملاً کافر بنا دیں گے کہ آپس میں لڑنے لگ جاؤ گے آپس میں لڑنا یہ عملی کفر ہے، "سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر" (ترمذی ص ۱۹ ج ۲) مومنوں کا آپس میں گالی دینا فسق ہے اور آپس میں لڑنا کفر ہے یہ صحیح روایت ہے، سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کے اندر جو خطبہ دیا تھا اس خطبہ کے اندر خاص طور پر اس بات کے اوپر متنبہ کیا تھا "لاترجعوا بعدی كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض" (ترمذی ص ۴۲ ج ۲)

میرے بعد پھر کافر نہ ہو جانا، کافروں جیسی حرکتیں نہ کرنے لگ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ، وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ میرے بعد کہیں لوٹ کر دوبارہ کافروں والا کردار ادا نہ کرنے لگ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ، تو اسلام سے ہی نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو کفر حقیقی ہے۔

اور اگر ان باتوں میں آ کے تم آپس میں لڑ پڑے تو یہ بھی وہی کافرانہ کردار ہے، مؤمن کا کام ہے ایک دوسرے سے محبت کرنا، ان کی تو آپس میں محبت ہونی چاہیئے، ایمانی رشتہ کے ساتھ آپس میں لڑنا یہ ایمانی بات نہیں ہے، یہ تو کافرانہ کردار ہے حضور ﷺ نے ملامت کی اور کہا کہ ابھی اللہ کی آیتیں تمہارے اوپر اتر رہی ہیں، قرآن تمہارے درمیان پڑھا جا رہا ہے، اللہ کا رسول تمہارے اندر موجود ہے پھر بھی تم ایسی حرکتیں کرنے لگ گئے کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم اس قسم کی باتوں میں آ کر آپس میں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور کفر کی طرف جانے لگ گئے، جب اس طرح ملامت کی تو اوس وخزرج کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اپنی اس حرکت کے اوپر نادم ہوئے، وہیں ایک دوسرے کے گلے لگ کے روئے اور ایک دوسرے سے معذرت کی اس طرح یہود کی سازش ناکام کر دی گئی اور اوس وخزرج کی آپس میں محبت بحال رہ گئی۔

ابتدائی آیات کا مفہوم:

یہ آیات اسی سلسلہ کے اندر نازل ہوئی ہیں، پچھلی آیتیں جو کل آپ کے سامنے آئی تھیں ”قل یااهل الکتاب لم تکفرون بآیات الله“ بعض مفسرین کے مطابق تو آیات یہاں سے شروع ہوئی ہیں، پہلے اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے اور بعد میں مؤمنین کو خطاب کر کے اگلی ہدایات دی گئی ہیں، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ”یایها الذین آمنوا“ سے آیات اس واقعہ کے متعلق اتری ہوں، اور پچھلی آیات پچھلے مضمون سے تعلق رکھتی ہوں، ایسا بھی ہو سکتا ہے تو یہ نصیحت ہے مؤمنین کو کہ اگر اہل کتاب میں سے تم ایک گروہ کا کہنا مانو گے، دیکھو قرآن کریم جس وقت اہل کتاب پر تنقید کرتا ہے تو انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

ہر یہودی یا ہر عیسائی کے جذبات ایسے نہیں تھے بعض منصف مزاج بھی تھے جو آہستہ آہستہ اسلام کے قریب آ گئے اور مسلمان ہو گئے، کچھ ان میں شرارتی تھے جن کو فریقاً کے اندر بیان کر دیا جو اس قسم کی شرارتیں پھیلاتے تھے ان کو فریق کے ساتھ تعبیر کیا، ہر ہر فرد کے اوپر یہ انکار نہیں کیا اگر اہل کتاب میں سے تم ایک فریق کا کہنا مانو گے ”یردوکم بعد ایمانکم کافرین“ تو یہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں گے، اگر تو کہنا مان لیا عقائد کے بارے میں تو حقیقتاً کفر، اور اگر عقائد کی بجائے دوسری باتوں میں کہنا مان لیا تو پھر وہ کفر والے دور کی طرف تمہیں دوبارہ لے جائیں گے، جس طرح کفر کے زمانہ میں تم ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور ایک دوسرے کے گلے کاٹتے تھے پھر وہی دور آ جائے گا، اور تم کافر

کیسے ہوسکتے ہو یہ تعجب کی بات ہے، حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات اترتی ہیں تمہاری راہنمائی کرتی ہیں، ہدایت دیتی ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جارہی ہیں اور تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے یہ دو چیزیں تو ایسی ہیں جو تمہیں کفر سے بچانے والی اور ایمان پر ثابت قدم رکھنے والی ہیں، تو اتنے بڑے داعیوں کی موجودگی میں کہ اللہ کی کتاب بھی پڑھی جارہی ہے اور اللہ کا رسول بھی موجود ہے، ان کی موجودگی میں تم کفر کیسے کرو گے، یعنی اگر ان کی موجودگی میں کفر کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روز روشن میں تم اندھا پن اختیار کر رہے ہو، جب کہ ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے، نور ہی نور ہے، کسی قسم کا اخفا نہیں، اللہ کی آیات اتر رہی ہیں اور اللہ کا رسول موجود ہے تو ایسے وقت میں تمہارا کفر کرنا بڑے تعجب کی بات ہے۔

یہ ہے اس موقع کے متعلق جبکہ حقیقتاً سرور کائنات ﷺ ظاہری طور پر دنیا میں موجود تھے تو یہ لفظ اس واقعہ پر بالکل صادق آتے ہیں کہ اللہ کی آیات پڑھی جارہی تھیں، اور اللہ کا رسول وہاں موجود تھا، اور اب جس وقت ہم مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کریں گے تو اب بھی یہی بات ہوگی "تتلیٰ علیکم آیات اللہ" میں تو کوئی اشتباہ کی بات نہیں ہے کہ اللہ کی آیات تو پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم کی آیات پڑھ کے نصیحت کی جاتی ہے اور "وفیکم رسولہ" یہ بھی صادق آتا ہے کہ رسول اپنے رسول ہونے کی حیثیت سے اب بھی ہمارے اندر موجود ہیں، کیونکہ وہ موجود ہوتے تو ان کی زبان سے باتیں ہمارے سامنے آجاتیں، اب اگرچہ وہ موجود نہیں لیکن ان کی ایک ایک نصیحت، ایک ایک بات ہمارے اندر موجود ہے، اب ان لکھی ہوئی باتوں کو جو حدیث شریف میں آگئیں، روایات کو ماننا یہ ایسے ہی ہے جیسے رسول کی ہدایت کو مانا جارہا ہے، زندگی میں بھی یہی ہدایات دیتے تھے جو اس وقت موجود ہیں، اس وقت بذات خود اگر سرور کائنات ﷺ موجود نہیں ہیں تو تعلیم ان کی موجود ہے، جب ان کی تعلیم اور ہدایت موجود ہے تو ایسے سمجھو جیسے وہ خود ہی موجود ہیں، اور ان ہدایات کی ہمیں پابندی کرنی چاہیے، اور ان کافروں کی سازشوں سے ہمیں بچنا چاہیے۔

"ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم" اور جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے تھام لے گا، اعتصام یہ عصم سے ہے، عصم یعصم بچانا اور اعتصم کہتے ہیں بچنے کو اور بچنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک آدمی کا پاؤں پھسلنے لگا ہے اور کوئی رسی لٹک رہی ہے تو آپ اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو یہ مضبوطی سے پکڑنا گرنے سے بچنے کا ذریعہ ہے کہ جو آدمی اس قسم کی لٹکی ہوئی رسی کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے پھر وہ گرتا نہیں ہے، اور اللہ کو مضبوط تھامنے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی تعلیم کو، اللہ کی ہدایت کو، اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا، جیسا کہ آگے **"واعتصموا بحبل اللہ"** کے اندر حبل کا لفظ ظاہر کر دیا گیا، یہاں بھی وہی مقصود ہے، اور پیچھے اس کو "عروۃ الوثقیٰ" کے ساتھ تعبیر کیا گیا تھا تو جو اللہ تعالیٰ

کو مضبوطی سے تھام لے "فقد هدی الیٰ صراط مستقیم" "تو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی وہی شخص کیا گیا ہے، ہدایت پر وہی شخص سمجھا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو مضبوطی سے تھامتا ہے، یہ تو ملامت تھی ان کے آپس میں اختلاف پر اور جھگڑا کرنے پر۔

اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، کیا مطلب؟ کہ اللہ تعالیٰ کے جس طرح آپ پر حقوق ہیں ان حقوق کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو، پھر ایک ہے دنیا کے حاکموں سے ڈرنے کی بات اس میں کمزوری ہوتی ہے بایں معنی کہ ضروری نہیں کہ ہماری حرکت کا ان کو پتہ چل جائے، بچنے اور چھپنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس لئے حاکم وقت کا ڈر کمزور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جب یہ نظریہ ہے کہ ہمارا کوئی جرم اس سے چھپ نہیں سکتا تو ڈرنے کی بنیاد مضبوط ہوگئی، تو اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے کہ خلوت جلوت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔

دنیا کے حاکم سے خلوت اور جلوت میں فرق پڑ جاتا ہے صرف اس وجہ سے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم علی الاعلان کوئی نافرمانی کریں گے تو گرفت میں آجائیں گے، اگر چھپ چھپا کر کریں گے تو کون پوچھتا ہے، اس لئے وہاں اطاعت کا جذبہ کمزور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز مخفی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بنیاد زیادہ مضبوط ہے، پھر دنیا کے حاکم سے ڈرنے میں ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یہاں سے چھوٹنے کا امکان ہوتا ہے سفارش سے چھوٹ جاؤ گے، رشوت سے چھوٹ جاؤ گے، کہیں چھپ جاؤ گے ان کی گرفت میں نہیں آؤ گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات بھی نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو پھر کسی طرح سے چھوڑے گا نہیں، اور کہیں بھاگ کر چھپ کر تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے، پھر دنیا کے حاکم کی سزا کی حد بھی ہے کہ اگر وہ پکڑ بھی لے گا سزا بھی دے گا تو آخر ایک حد ہے کہ اگر مر بھی جائے گا تو چھوٹ جائے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی سزا کی کوئی حد نہیں ہے تو یہ مضبوط بنیادیں ہیں جن کی بناء پر سب سے زیادہ خوف اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہیئے، اتنا انسان کسی سے نہ ڈرے جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اور اگر اس قسم کے مجازی حاکموں سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ہو تو یہ اس وجہ سے حماقت ہے کہ ایک مضبوط ترین جو اس حاکم پر بھی حاکم ہے اس کا تو انسان نافرمان ہو جائے اور ایک کمزور کی پناہ میں آجائے ایسا نہیں ہونا چاہیئے، دنیا کی کوئی قوت اور طاقت انسان کو اللہ کے حکم سے پھیر نہ سکے "حق تقاته" یہ ہے، اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

دوسری جگہ یہ آیت آئے گی جس میں یہ لفظ ہوگا "فاتقوا الله مااستطعتم" اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے، اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو، کیا مطلب؟ کہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے میں اپنی پوری قوت اور طاقت صرف کردو، تمہاری طرف سے کوئی کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، پوری قوت اور طاقت صرف کرلوگے تو اللہ کے تقویٰ کا حق تمہاری طرف سے ادا ہوگیا اس لئے دونوں لفظوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اور دوسری جگہ آگیا کہ اللہ سے ڈرو اپنی طاقت کے مطابق، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں، اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی پوری استطاعت کو صرف کرو، جتنا تمہارے اندر اختیار ہے سارا اللہ کے احکام کی اطاعت میں صرف کرو، جس وقت آپ اپنی قوت اور طاقت کے مطابق اللہ کا تقویٰ اختیار کریں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے تقوی کا حق جو آپ کے ذمہ تھا ادا ہوگیا۔

اس لئے دونوں باتوں کے درمیان کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں ہوگا اور "حق تقاته" کا مفہوم ادا کرتے ہوئے تفسیروں کے اندر یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ "حق تقاته" یہ ہے "ان يطاع فلا يعصیٰ" کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے "وان يذكر فلا ينسیٰ" اس کو یاد رکھا جائے اس کو بھلایا نہ جائے، "وان يشكر فلا يكفر" اس کی شکرگزاری کی جائے اس کے ساتھ ناشکری کا معاملہ نہ کیا جائے یہ محض ادا کرنے کے لئے عنوانات ہیں ورنہ اصل یہی ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے اور اللہ کے احکام کی اطاعت ہو کبھی اس کی نافرمانی نہ ہو۔

اپنی قدرت اور قوت کے مطابق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھ کے، اس کے احسانات کو یاد رکھ کے، اس کی عظمت کو دل میں محسوس کرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے ڈرو، وہ یاد رہے نسیان نہ ہو، شکرگزاری ہو کفران نہ ہو، اور اسی طرح اس کی اطاعت ہو عصیان اختیار نہ کیا جائے، یہ "حق تقاته" کے سمجھانے کے لئے مختلف الفاظ ہیں، اس میں عقائد کے اعتبار سے ڈرنا بھی آجائے گا، اعمال کے اعتبار سے ڈرنا بھی آجائے گا، خیالات وجذبات کے لحاظ سے ڈرنا بھی آجائے گا تو یہ تقویٰ انسان کے ظاہر و باطن پر محیط ہوجائے گا۔

موت تک فرمانبردار رہو:

"ولاتموتن الا وانتم مسلمون" اس میں بظاہر نفی موت پر آئی ہوئی ہے کہ تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو، مطلب اس کا یہ ہے کہ موت جب بھی تمہیں آئے فرمانبرداری کی حالت میں آئے، دوسرے طریقہ سے اس مفہوم کو ہم یوں ادا کرسکتے ہیں کہ یہ فرمانبرداری موت تک جاری رہنی چاہیے، یہ نہیں کہ وقتی طور پر تو فرمانبرداری اختیار کرلی بعد میں نافرمان ہوگئے، اور اگر نافرمانی کی حالت میں موت آگئی تو موت اسلام کی حالت میں نہ آئی، ہر لحہ

ہر لحظہ اسلام کے پابند رہو، فرمانبردار رہو تاکہ جب بھی تمہیں موت آئے تو اسی حال میں آئے یہ بھی خوف پیدا کرنے والی بات ہے چونکہ موت کے وقت کا پتہ نہیں ہے اس لئے اگر کسی انسان کا کبھی کسی معصیت کی طرف رجحان ہو، شیطان یہ چکر دے گا کوئی بات نہیں اس طرح کر لیتے ہیں بعد میں توبہ کرلیں گے ایسا خیال بھی انسان کے دل میں آتا ہے، لیکن اگر یہ بات انسان کے ذہن میں رہے کہ موت کے وقت کا تو کچھ پتہ نہیں ہے اس لئے یہ خیال اپنے دل کے اندر رکھو، جب بھی کسی گناہ کی طرف رجحان پیدا ہو تو سوچو شاید یہی آخری عمل نہ ہو اور اگر یہی آخری عمل ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری موت اسلام پر نہیں آئی۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ساری زندگی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور اتنا جنت کے قریب چلا جاتا ہے کہ جیسے ایک ذراع کا فاصلہ رہ گیا کہ مرے گا اور جنت میں جائے گا، پھر انسان کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت معصیت پر آجاتی ہے، اور آخری عمل معصیت کا وہی انسان کو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، تو اگر انسان کے ذہن کے اندر یہ خیال موجود رہے کہ شاید یہی عمل میرا آخری عمل ہو تو پھر اگر اس پر موت آگئی تو پھر موت اسلام پر نہیں ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عمل کی وجہ سے میں جہنم میں چلا جاؤں گا۔

تو یہ خیال انسان کو بہت سارے گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، غفلت ہے جو اصل میں انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے اگر اس قسم کی یادداشت انسان کے ذہن میں باقی رہے تو پھر انسان گناہ سے بچتا ہے، تو پہلی بنیادی بات یہ ہوئی کہ تقویٰ اختیار کرو۔

انسانی وحدت کی بنیاد صرف اللہ کی تعلیم ہے:

اور دوسری بات یہ ہے کہ "واعتصموا بحبل الله جميعاً" اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سارے مل کر، اللہ کی رسی سے مراد قرآن کریم ہے قرآن کریم کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم ہے۔

اور حبل کا مصداق عہد بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے تھام لو اور اللہ کی کتابیں چونکہ اللہ کے ساتھ عہد کا ذریعہ ہیں کہ بندوں کا عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہی کتابوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو حبل الله کا مصداق اللہ کی کتاب بھی ہو سکتی ہے، اس میں گویا کہ اتفاق کی بنیاد مہیا کر دی گئی، اتفاق ہو سکتا ہے تو کس چیز پر ہو سکتا ہے، آج کل دنیا میں لوگ اپنی قوموں کو اور اپنے ملک کے باشندوں کو اتفاق کی دعوت دیتے ہیں کس بات پر؟ کوئی سندھی اٹھتا ہے کہتا ہے سندھی بولنے والو سب اکٹھے ہو جاؤ، جس کو لوگ لسانی وحدت سے تعبیر کرتے ہیں، آپ دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اندر سینکڑوں

زبانیں بولی جاتی ہیں اگر لسانی وحدت کا نعرہ لگایا جائے تو یہ وحدت نہیں اصل کے اعتبار سے ساری انسانی برادری کو سینکڑوں ٹکڑوں کے اندر بانٹنے والی بات ہے۔

سرائیکی بولنے والے ایک طرف ہوجائیں، پنجابی بولنے والے ایک طرف ہوجائیں، اردو بولنے والے ایک طرف ہوجائیں، پشتو بولنے والے ایک طرف ہوجائیں، تو یہ وحدت نہیں ہے یہ تو پارہ پارہ کرنے والی بات ہے اس میں بیسیوں ٹکڑے بنتے ہیں اور یہ بنیاد ایسی ہے جو اختیاری نہیں، اب ہمارے بس میں نہیں تھا کہ ہم سندھ میں پیدا ہوجاتے اور ہم بھی سندھی بولتے، نہ ہمارے بس میں یہ تھا کہ ہم ریاست بہاولپور میں پیدا ہوجاتے اور سرائیکی بولتے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے، جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کردیا وہی زبان، تو ایک غیر اختیاری چیز کو بنیاد بنا کے اتفاق کی دعوت کس طرح دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح وطن کو بنیاد بنا کے کوئی شخص اتفاق کی دعوت دیتا ہے تو یہ اتفاق نہیں حقیقت کے اعتبار سے انتشار ہے، کوئی کہے کہ ہندی ایک ہوجائیں، پاکستانی ایک ہوجائیں، تو یہ نعرہ ہر ملک کو علیحدہ علیحدہ کردے گا، اور انسانی برادری کا اتفاق کبھی نہیں ہوسکتا، یا جس طرح گورے اور کالے ہیں گورے گورے ہونے کی بناء پر آپس میں اتفاق پیدا کریں، کالے اپنے کالے ہونے کی بناء پر آپس میں اتفاق پیدا کریں، جیسا کہ امریکہ اور افریقہ کے اندر ان کے اختلافات ہوتے رہتے ہیں، ان کا آپس میں اتنا اختلاف ہے کہ گوروں کے بیت الخلاء علیحدہ کالوں کے علیحدہ، گوروں کے فٹ پاتھ علیحدہ کالوں کے علیحدہ، گوروں کے بچوں کے سکول علیحدہ کالوں کے علیحدہ، دونوں مل کر ایک جگہ رہ نہیں سکتے، یہ بنیادیں ایسی ہیں وطنی بنیاد، لسانی بنیاد، رنگ کی بنیاد یہ سب غیر اختیاری چیزیں ہیں ان کے اوپر کبھی انسانیت کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا اس میں وحدت نہیں ہے انتشار ہے، اور جو لوگ اس کو وحدت کی بنیاد بناتے ہیں اصل کے اعتبار سے وہ انسانی برادری کو سینکڑوں ٹکڑوں کے اندر بانٹتے ہیں۔

وحدت کی بنیاد اگر بن سکتی ہے تو اللہ کی تعلیم اور اللہ کے بیان کردہ اصول بن سکتے ہیں، اس سے انسانوں کے صرف دو گروہ بنیں گے، ماننے والے اور نہ ماننے والے، "خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن" دو پارٹیاں بنیں گی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیان کردہ اصول ایسے ہوں گے، چونکہ وہ خالق الکل ہے اس کے اندر نہ کسی پارٹی کی حمایت ہے نہ مخالفت ہے، وہ اصول ایسے ہوں گے جو انسانی بہبود سے تعلق رکھتے ہیں انسان کے فائدے کے ہیں، اور یہ بات بھی دماغ میں نہیں آسکتی کہ ہم فلاں کی بات کیوں مانیں؟ اور فلاں کی کیوں نہ مانیں؟ جب نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو ہر کسی کے لئے ماننا بھی آسان ہے تو اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اصولوں پر اگر اکٹھے ہوجائیں تو اس سے ایک وحدت قائم ہوسکتی ہے،

اوراس میں یہ بات بھی نہیں ہوگی کہ کوئی اپنی پستی محسوس کرے، کوئی اپنی بلندی محسوس کرے، جب اللہ کی تعلیم کو بنیاد بنایا جائے تو یہ اتفاق کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔

اللہ کے احسانات کو یاد کرو:

"ولا تفرقوا" اورآپس میں جدا جدا نہ ہوؤ فرقے فرقے نہ بنو، آپس میں انتشار نہ پھیلاؤ، "واذکروا نعمة الله علیکم" اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے، "اذ کنتم اعداء" جبکہ تم آپس میں دشمن تھے "فالف بین قلوبکم" اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، آپس میں عداوت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پھٹکار اور لعنت ہے، دنیا کے اندر زندگی کو جہنم بنانے والی چیز ہے، اور آپس کی الفت یہ دنیا کے اندر ہی زندگی کو جنت بنانے والی چیز ہے، عداوت ختم ہوگئی، آپس میں الفت پیدا کردی، "فاصبحتم بنعمته اخوانا" تو آپس میں اعداء ہونے کے بعد اللہ کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے، کتنا خوشگوار ماحول تمہارے اندر پیدا ہوگیا یہ تو ایک حسی فائدہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ تم کفر میں مبتلا تھے شرک میں مبتلا تھے، جہنم کے کنارے پر کھڑے تھے، کنارے پر کھڑے ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ابھی مرے اور جہنم میں گئے یہ حال تھا تمہارا "کنتم علیٰ شفا حفرة من النار" جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے، "فانقذکم منها" اللہ نے تمہیں اس جہنم سے چھٹکارا دیا کہ اللہ کا رسول آیا اس نے تمہیں کفر سے بچایا اور ایمان کے راستہ پر لگایا تو تم جہنم سے چھوٹ گئے، یہ اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو تو اب ان نعمتوں کی بے قدری نہ کرو کہ بھائی بننے کے بعد دوبارہ دشمن بن جاؤ، یا اللہ کی طرف سے ہدایت آجانے کے بعد پھر تم کفر کی طرف جاؤ تا کہ پھر جہنم میں گرو اللہ تعالیٰ کے احسان کی ناقدری نہ کرو اللہ کا احسان یاد کرو اور اس کی قدر کرو، "کذلك یبین الله لکم آیاته" اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے، "لعلکم تهتدون" تا کہ تم سیدھا راستہ پاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو دعوت دیتی رہے خیر کی طرف اور معروف کا حکم کرتے رہیں اور روکتے رہیں

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

منکر سے ، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

جو فرقہ فرقہ ہوگئے اور اختلاف کیا انہوں نے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آگئے اور یہی لوگ ہیں کہ

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

ان کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کہ چہرے سفید ہوں گے اور سیاہ ہوں گے ،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

پھر وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوجائیں گے ، انہیں کہا جائے گا کیا تم نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

پس چکھو تم عذاب بسبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ لیکن وہ لوگ

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

جن کے چہرے پر رونق ہوں گے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے ، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی باتیں ہیں پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر ٹھیک ٹھیک ، اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

عالمین پر ﴿۱۰۸﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ، اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

لوٹائے جائیں گے تمام امور ﴿۱۰۹﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں اعتصام بحبل اللہ کی تاکید کی گئی تھی، اور فرقہ بازی سے نہی ذکر کی گئی تھی اور حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، جس کا حاصل یہ تھا کہ تقویٰ اور اتفاق یہ دو چیزیں مسلمانوں کے اندر موجود ہونی چاہئیں، عداوت کی وجہ سے دشمنی کی وجہ سے جو نقصان اٹھا چکے تھے دشمن کی طرف سے ریشہ دوانیاں، خفیہ سازشیں مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے ہوتی رہتی ہیں، اس کی بھی نشاندہی کی گئی تھی، اب اس آیت میں جماعتی طور پر یہ تاکید کی گئی ہے کہ ایک طبقہ ضرور ایسا موجود رہنا چاہیے کچھ افراد ایسے ضرور موجود ہوں کہ جو اہل ایمان کو خیر کی دعوت دیتے رہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں، مسلمانوں کو بھی کریں اور اس دین کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنیں غیر مسلموں کے اندر، دعوت الی الخیر یہ عام ہے مسلمانوں کو بھی دعوت الی الخیر کرنی ہے کہ جہاں دیکھا کہ حبل اللہ چھوٹنے لگی اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی مخالفت ہو رہی ہے تو ان کو یاد دہانی کرائیں، اور اسی طرح غیر مسلموں کو بھی دعوت دیں جماعتی طور پر یہ سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ کچھ افراد اس قسم کے موجود ہوں۔

خیر اور معروف کا مصداق:

اس آیت کے اندر جو خیر کا لفظ استعمال کیا گیا یہ بہت جامع لفظ ہے، خیر کا معنی بھلائی، خیر کی طرف دعوت دیں، اچھی حالت اور بھلائی کی طرف دعوت دیں، اور تفاسیر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے سرورِ کائنات ﷺ کی طرف سے کہ "الخیر ھو اتباع القرآن وسنتی" قرآن اور میری سنت کا اتباع یہ خیر کا مصداق ہے یعنی وہ لوگوں کو دعوت دیتے رہیں کہ قرآن کریم کی اتباع کرو اور لوگوں کو دعوت دیں کہ سرورِ کائنات ﷺ کے طریقہ پر چلیں، یہ تو ایک عمومی دعوت ہے اتباع قرآن اور اتباع سنت کی اور پھر صراحت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے آگے درجات ہیں معروف کا معنی ہے پہچانی ہوئی چیز، یعنی جو شریعت میں جانی پہچانی ہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔

اور اسی طرح شرفاء کے عرف میں جو چیز جانی پہچانی ہوتی ہے شرافت کے معیار پر کہ لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ بھی معروف کا مصداق ہے، سوسائٹی میں بعض عادتیں اچھی سمجھی جاتی ہیں، وہ بھی درجہ بدرجہ اسی معروف کا مصداق ہوں گی جن کو شرفاء کے طبقہ کے اندر جانا پہچانا ہوا قرار دیا جاتا ہے، امر بالمعروف یعنی اس معروف کا امر کریں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مختلف درجات ہیں:

پھر اس کے مختلف درجات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں، ہے کہ امر بالمعروف ہاتھ کے ساتھ بھی ہوتا ہے، ہاتھ کا مطلب یہ ہے کہ قوت اور طاقت کے ساتھ نیکی کو رائج کیا جائے، اور امر بالمعروف زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو سمجھایا بھی جائے اور برائی کرنے والوں کو زبان سے ٹوکا بھی جائے ان کی مذمت کی جائے، ان کے اوپر انکار کیا جائے، اور نیکی کی ترغیب دی جائے، اور اسی طرح امر بالمعروف دل کے ساتھ بھی ہوتا ہے، دل کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی برائی آپ نے دیکھی آپ کے سامنے ہے آپ میں اتنی قوت اور طاقت بھی نہیں کہ آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کو بند کر دیں اور یہ بھی طاقت نہیں کہ آپ زبان سے کہہ سکیں، زبان سے کہہ سکنے کی طاقت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ گونگے ہیں بول نہیں سکتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زبان کے ساتھ آپ کے کہنے کے بعد آپ پر کوئی اس قسم کی مصیبت آئے گی، پریشانیاں آئیں گی ان لوگوں کی طرف سے جن کے خلاف آپ اپنی زبان استعمال کریں گے کہ جس کے دفاع پر آپ قادر نہیں اور جس کا برداشت کرنا آپ کی قدرت میں نہیں اس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص بولنے پر قادر نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد ہے دل کا درجہ کہ دل میں اس کو برا جاننا اور دل کے اندر یہ جذبات ہوں کہ یا اللہ! کسی طرح یہ برائی مٹ جائے تو اچھا ہی ہے، کسی طرح یہ نیکی رائج ہو جائے تو اچھا ہی ہے، یہ دل کا جذبہ تیسرے نمبر پر ہے، چنانچہ حدیث شریف کے اندر اس کے درجات بیان کرنے کے لئے جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہی ہیں "من جاهدهم بيده فهو مؤمن و من جاهدهم بلسانه فهو مؤمن و من جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل" (مشکوۃ ص ۲۹) تو جہاد کا لفظ ہے کہ جو ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے، جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے، جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے، آپ جانتے ہیں صرف نفرت کرنا یہ جہاد نہیں کہلاتا جہاد یہی ہے کہ اپنی قلبی قوتیں یعنی توجہ صرف کرے اس معاملہ برائی کو مٹانے کے لئے، نیکی کو جاری کرنے کے لئے۔

اور اسی طرح دوسری روایت میں لفظ ہیں "من راى منكم منكرا فليغيره بيده "اس کی تغییر اپنے ہاتھ کے ساتھ کرے "فان لم يستطع " جو ہاتھ کے ساتھ تغییر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا "فبلسانه" وہ زبان کے ساتھ اس کی تغییر کرے، 'فان لم يستطع فبقلبه"اور جو زبان کے ساتھ بھی تغییر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اپنے دل کے ساتھ تغییر کرے اور اس کو پھر اضعف الایمان قرار دیا ہے (مشکوۃ ص ۴۳۶) اور ایک روایت میں ہے "ليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل" اس کے بعد تو پھر ایمان رائی کا دانہ بھی نہیں، یعنی اگر دل میں بھی برائی کے خلاف جہاد نہیں ہے، اور دل میں بھی تغییر کا جذبہ نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ دل ایمان سے خالی ہے یہ تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

جہاد بالقلب کا مفہوم:

تو جہاد بالقلب اور تغییر بالقلب کا مطلب یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہو اور انسان سوچے اور ہر وقت اس کے سامنے یہ چیز رہے کہ کوئی ذریعہ ایسا نکل آئے جس کی وجہ سے اس برائی کو مٹا دیا جائے، میرے بس میں ہو تو میں اس نیکی کو جاری کر دوں اور اس برائی کو مٹا دوں، یہ جذبات انسان کے قلب میں ہونے چاہئیں، اور اگر یہ جذبات بھی قلب کے اندر نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے مٹنے پر اور اس برائی کے جاری رہنے پر انسان مطمئن ہوگیا، اور اس معاملہ میں اس کے دل پر کوئی حرکت نہیں ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ نیکی کے مٹنے پر اطمینان اور برائی کے جاری رہنے پر اطمینان یہ ایسے قلب کی خاصیت نہیں ہے جس قلب کے اندر ایمان کا ذرہ بھی ہو تو نیکی کے مٹنے پر دکھ ہوتا ہے، اور برائی کے عام ہونے پر دکھ ہوتا ہے۔

اور اس برائی کے مٹانے کا جذبہ ہوگا نیکی کے جاری کرنے کا جذبہ ہوگا تب جاکے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان ہے، اس کے دل میں ایمان کی قدر ہے، یہ معروف اور منکر میں فرق جانتا ہے ورنہ معروف اور منکر کا فرق مٹ جائے گا، اور انسان اس حالت پر مطمئن ہوجائے گا تو یہ قلب کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔

معروف کو جاری کرنا اور برائی کو مٹانا ہر شخص کا کام نہیں:

تو امر بالید تو کرے گا وہ شخص جس کو قوت اور اقتدار حاصل ہے جس کے ہاتھ اٹھانے پر دوسرا شخص آگے سے ہاتھ نہ اٹھا سکے، اس لئے پہلا فرض تو یہ حکومت کا ہے، چونکہ حکومت کو قوت اور طاقت ہوتی ہے وہ نیکی کو جاری کرسکتی ہے برائی کو مٹا سکتی ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا اور نجی درجہ میں جس شخص کو جتنی قوت حاصل ہے اتنا یہ ہاتھ اٹھا سکتا ہے، والدین کو اپنی اولاد پر، استاد کو اپنے شاگرد پر، شیخ کو اپنے مرید پر، بڑے بھائی کو چھوٹے بہن بھائیوں پر۔

اور اسی طرح جس کسی کو بھی جزوی اختیار حاصل ہے تو وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی تغییر کرے اس کو ہاتھ اٹھانا چاہیئے، اور اگر یہ ہاتھ کے ساتھ تغییر نہیں کرے گا تو اپنے فرض میں کوتاہی کرتا ہے، اور زبان کے ساتھ انکار کرنا یہ زیادہ تر سمجھدار اور اہل علم کا کام ہوتا ہے جو یہ درجات سمجھتے ہیں کہ یہ فرض ہے، یہ حرام ہے، یہ واجب ہے، یہ مکروہ ہے، یہ مستحب ہے، یہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ خلاف اولیٰ ہے، یہ اولیٰ ہے، کیونکہ ہر چیز کے اوپر انکار اس کے درجہ کے مطابق کرنا ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک چیز مستحب ہے اور ہم اس کے اوپر اس طرح زور ڈال دیں جس طرح فرض پر ڈالا جاتا ہے، اور ایک چیز مکروہ ہے ہم اس کے اوپر اس طرح تشدد اختیار کرلیں جس طرح حرام کے بارے میں کیا جاتا ہے، اس کے نتائج پھر بسا اوقات غلط نکلتے ہیں، فرض کے بارے میں تنبیہ سخت ہے، اسی طرح حرام کے ارتکاب کے بارے میں بھی تنبیہ سخت ہے۔

مکروہ اور مسنون کے بارے میں بھی درجات ہیں، اور اگر اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے تو بہت ہی نرم انداز اختیار کیا جائے۔ اور اگر دوسرا اس کے اوپر عمل نہیں کرتا تو اس کے اوپر شدت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ درجات معلوم ہونے چاہئیں صحیح طور پر، اور پھر سمجھانے کا سلیقہ بھی ہونا چاہیئے کہ ایک معزز آدمی ہے اس کو اگر نرم لب ولہجہ کے ساتھ کہیں گے تو متاثر ہوگا اور اگر اس کے ساتھ ہم ذرا اکڑ کے بولے تو یہ بھی آگے سے اکڑ جائے گا اور الٹا یہ ہمارے تشدد کے نتیجہ میں اور دوسری طرف کو نکل جائے گا، اور ایک آدمی ہے جس کے متعلق انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر نرمی کارگر نہیں ہوگی اس کے ساتھ سخت لب ولہجہ اختیار کرنا پڑے گا، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں چونکہ اتنی چیزوں کی رعایت ضروری ہے اس لئے یہ ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس بارے میں چند مخصوص افراد تمہارے اندر موجود رہنے چاہئیں، فرض ساری امت پر ہے اس میں کوئی شک نہیں، اس لئے اگر کوئی جماعت بھی موجود نہیں ہوگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والی تو یوں سمجھو کہ ساری امت گناہ گار ہے، لیکن اگر امت میں سے کچھ افراد اس قسم کے کھڑے ہو جائیں جو کہ اس فریضہ کو ادا کریں تو یہ بوجھ ساری امت سے ٹل جائے گا۔

ایسی حکومت کا موجود ہونا ضروری ہے جو معروف کو جاری کر سکے:

اس سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ اس قسم کی حکومت کا قائم کرنا بھی اس امت کے ذمہ فرض ہے جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرے کیوں؟ اس لئے کہ معروف کے جاری کرنے کے لئے اور منکر کے مٹانے کے لئے صرف وعظ اور نصیحت کسی دور میں بھی کافی نہیں ہوتا، اگر دلیل کے ساتھ کسی کو منوایا جا سکتا یا دلیل کی قوت کے ساتھ چاہے وہ کتنی ہی جگر سوزی کے ساتھ کیوں نہ ہو، کتنی ہی خلوص کے ساتھ کیوں نہ ہو، کتنی ہی محبت کے ساتھ کیوں نہ ہو اگر دلیل کے ساتھ ہر کسی کو روکا جا سکتا تو کم از کم انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں کفر باقی نہ رہتا۔

انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مضبوط دلیل اپنے مدعا پر کوئی نہیں دے سکتا، انبیاء علیہم السلام سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد کوئی نہیں ہو سکتا، انبیاء علیہم السلام سے زیادہ موقع شناس کوئی نہیں ہو سکتا، انبیاء علیہم السلام اپنے مخالفین کے لئے جتنی رقت اور دل سوزی کرتے تھے اتنی کوئی نہیں کر سکتا اس لئے یہ کہہ دینا کہ رقت اور دل سوزی کے ساتھ، محبت اور پیار کے ساتھ، دلائل کی قوت کے ساتھ سمجھانا کافی ہے اگر یہ کافی ہوتا تو کم از کم انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں کفران کے سامنے نہ ٹھہرتا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے بہترین سے بہترین دلائل دیے، بہت اصرار کے ساتھ، تکرار کے ساتھ، خلوت میں، جلوت میں، جماعتی صورت میں، اجتماعی صورت میں، انفرادی صورت میں اپنے مخالفین کو ہر طرح سمجھایا لیکن مخالفین نہیں سمجھے اور اس کے بعد پھر آیا کرتی ہے

قوت جس وقت ڈنڈا ہاتھ میں آتا ہے تو رکاوٹیں دور ہوتی ہیں اور کفر آگے سے بھاگتا ہے تو دلیل کی قوت بھی ہو، وعظ ونصیحت بھی ہو۔

اور جو متاثر ہونے والے نہیں معاند اور ضدی ہوتے ہیں ان کی پٹائی بھی کی جائے، اور کھوپڑیاں بھی توڑی جائیں تب جا کے خیر اچھی طرح پھیلا کرتی ہے، اس لئے اس امت کو جو خیر کے پھیلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اگر اس کے ہاتھ میں قرآن دیا گیا ہے دلائل کی صورت میں تو ایک ہاتھ میں اس کو تلوار پکڑنے کا حکم بھی ہے، اگر کوئی دلیل کے ساتھ سمجھ جائے تو بڑی اچھی بات ہے اس کی نیک بختی لیکن اگر کوئی سمجھتا بھی نہیں، اور دوسروں کو سمجھنے دیتا بھی نہیں، اور درمیان میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ جہاد بالسیف ہے پھر ڈنڈا اٹھاؤ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور ڈنڈا اٹھانے کے لئے آپ جانتے ہیں کہ پھر اقتدار اور قوت چاہیئے اس لئے حکومت کی سطح کے اوپر بھی اس قسم کا انتظام ہونا ضروری ہے تب جا کے کفر کا زور توڑا جا سکتا ہے اور کفر کو مٹایا جا سکتا ہے۔

آسمان سے کتابوں کے ساتھ لوہا اتارنے کی حکمت:

نجی محفلوں اور مجلسوں میں بھی اسی طرح جہاں کسی کو تھوڑا بہت اقتدار حاصل ہو ہر دفعہ زبان سے سمجھانا بسا اوقات کافی نہیں ہوتا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر دار العلوم دیوبند حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے چار تو کتابیں اتاری ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا "وانزلنا الحدید فیه باس شدید" ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں بہت سخت دبدبہ ہے وہ فرماتے تھے کہ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو کتابوں کی دلیل سے نہ سمجھے تو اس کو نعل دار جوتے سے سمجھاؤ، یعنی وہ جوتا جس کے نیچے لوہے کی میخیں لگی ہوئی ہوتی ہیں کہتے ہیں کہ یہ بھی بسا اوقات روشن دماغ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دلیل کے ساتھ کسی کے دماغ کی ظلمت دور نہ ہو تو اس کا نعل دار جوتے سے دماغ روشن ہو جاتا ہے۔

یہ چیز بھی چلتی رہتی ہے تو تغییر بالید کا بھی جس وقت حکم ہے اور جہاد بالید کا بھی حکم ہے تو یہ لازم ہوگا کہ امت اس بات کی مکلف ہے کہ اپنے لئے اتنی قوت اور طاقت مہیا کر کے رکھے کہ اگر سامنے سے کفر اپنی ضد نہیں چھوڑتا تو پھر اس کا سر بھی کوٹا جا سکے، حکومت کی سطح پر اس بات کو کرنا بھی ضروری ہے۔

جب حکومت وقت یہ کام نہ کرے تو پھر کون کرے؟:

اور اگر حکومت کی سطح اس بات سے خالی ہو جائے کہ وہ خیر کو پھیلاتی نہیں اور شر کو مٹاتی نہیں، نہی عن المنکر نہیں کرتی امر بالمعروف نہیں کرتی تو نجی طور پر پھر مسلمان مکلف ہیں کہ اپنے طور پر جماعتیں بنائیں اور اپنی وسعت کے مطابق

خیر کو پھیلانے کی کوشش کریں، لیکن اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے علم اور حکمت کی تاکہ ہر بات کا درجہ بھی معلوم ہو اور موقع محل بھی سمجھ سکے تو ایسے افراد موجود ہونے چاہئیں۔

چونکہ بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے اس لئے ہر شخص اس ذمہ داری کا متحمل نہیں اسی تفصیل کے تحت اس ذمہ داری کو ادا کریں گے، حکام کریں گے، علماء کریں گے، اور دوسرے لوگ اپنے دل کے اندر اس طرح کے جذبات رکھیں کہ کسی عالم کے پیچھے لگ کے کسی حاکم کے حکم کے تحت برائی کو مٹائیں ہر شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جہاں کوئی برائی دیکھے جا کے ہاتھ ڈال لے اس سے لوگ پھر خانہ جنگی کے اندر مبتلا ہو جائیں گے اور خیر کی بجائے شر پھیل جائے گا، مثلاً بازار میں کچھ لوگ سینما کا اعلان کرتے پھرتے ہیں کس طرح شر ہمارے سامنے ناچتا ہے، اور کتنا دندناتا ہوا آتا ہے، کیسی فحش فحش اس کے اوپر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں لیکن اس کو چونکہ حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور حکومت کے آدمی شہر کے اندر موجود ہیں، اگر کوئی شخص ان کے اوپر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کرے گا تو یہ اس کا منصب نہیں ہے حکومت کو کہا جا سکتا ہے حکومت اس کو مٹائے گی، ہم اگر ہاتھ اٹھائیں گے تو مقابلہ میں دوسرے آدمی کھڑے ہو جائیں گے، بازار کے اندر ہی لڑائی شروع ہو جائے گی اور اس کے ساتھ خیر پھیلنے کی بجائے الٹا غلط اثرات پھیلتے ہیں۔

اس لئے عوام کا کام نہیں ہے کہ کسی برائی کو دیکھ کر اس پر ہاتھ اٹھائیں اور آپس میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کریں اس درجہ کے ساتھ یہ تبلیغ ضروری ہے اور مجموعی طور پر امت کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر کوئی بھی نہیں کرے گا تو ساری امت گناہ گار، اور اگر ان کے اندر کچھ افراد بھی موجود ہوں گے تو فرض ساری امت سے ادا ہو جائے گا، پھر اس طبقہ کو خاص طور پر کہا گیا ہے "اولئك هم المفلحون" یہ طبقہ فلاح پانے والا ہے کامیاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ خیر کے پھیلنے، معروف کے جاری کرنے کا ذریعہ بنالیں وہ شخص مفلح ہے کامیاب ہے۔

کن مسائل میں اختلاف کیا جا سکتا ہے اور کن میں نہیں:

"ولا تکونوا" یہ گویا کہ جو پیچھے بات کہی گئی تھی کہ حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لو، تقویٰ اختیار کرو اس کے لئے تحفظ کی تدبیر بتائی ہے کہ ہر وقت جو اس قسم کے افراد موجود ہوں گے، تو نگرانی کریں گے کسی طرف سے تقویٰ میں بھی خلل واقع نہ ہونے دیں، اور لوگوں کو متفق بھی رکھیں اور دشمنوں کی سازشوں کے اوپر نظر بھی رکھیں اس سے امت کا شیرازہ مجتمع رہے گا، آگے پھر ممانعت آگئی جیسے پیچھے آیا تھا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور اختلاف کیا انہوں نے واضح دلائل کے آجانے کے بعد، یہ لفظ بھی آپ کے لئے قابل غور ہے جس اختلاف کی یہاں ممانعت آرہی ہے وہ ہے "من بعد ماجاء هم البينات" بینات کے آجانے کے بعد، واضح دلائل آجانے کے بعد قطعیات مہیا ہو جانے کے بعد، آپس میں اختلاف کر کے ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے آپس میں فرقے بنالیے۔

مسئلہ اسی طرح ہے کہ اگر کسی چیز کے اوپر کوئی واضح دلیل مہیا ہو قرآن کریم میں قطعی دلیل آ گئی، یا حدیث شریف کے اندر ایک بات بہت واضح طور پر کہہ دی گئی جس میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اس سے اختلاف کرنا حرام ہے اور اس سے اختلاف کرنے کی وجہ سے جو فرقہ بنے گا وہ فرقہ ضالہ ہے گمراہ ہے اور وہ ان کا مصداق ہے جن کا منہ آخرت میں کالا ہوگا اور جس مسئلہ پر بینات نہیں آئیں قرآن کریم میں کچھ الفاظ آئے ہیں لیکن ان کی مرادیں مختلف ہو سکتی ہیں، ان کی دلالت مختلف معنوں پر ہو سکتی ہے، جیسے اصول الشاشی کے پہلے سبق میں آپ پڑھتے ہیں "یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" اب یہاں قرآن کریم میں قروء کا لفظ آ گیا جو لغوی طور پر حیض پر بھی صادق آتا ہے اور طہر پر بھی صادق آتا ہے تو یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں ہے۔

اور عدت حیض ہے یا طہر اس میں دونوں احتمال ہیں کہ حیض مراد ہے یا طہر اس قسم کے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے، اور اس اختلاف کو ہم "من بعد ماجاء ھم البینات" نہیں کہیں گے، بلکہ قرآن کریم اور حدیث پاک کی مرادیں مختلف ہونے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، قرآن کریم کے الفاظ کے جتنے مطلب نکل سکتے ہیں اتنے مطلب لے کر ہی امت اس پر عمل کر رہی ہے، حدیث شریف سے جتنے مسئلے ثابت ہو سکتے ہیں اتنے ہی مسئلے لے کر امت ان کے اوپر عمل کر رہی ہے، گویا کہ قرآن کریم کا کوئی احتمال ایسا نہیں جس کے اوپر عمل نہ ہو، اب اگر ہم کہیں کہ ساری امت اکٹھی ہو جائے کہ اس سے حیض ہی مراد ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد طہر ہو تو تم حیض پر عمل کرتے رہو اور ساری امت ہی طہر کو چھوڑ کر بیٹھ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت وسعت پیدا کرنے کے لئے بعض مسائل کو ہماری رائے پر چھوڑ دیا تو جس طرح کسی کا ذوق کسی کا اجتہاد تقاضہ کرتا ہے اسی قسم کی تعبیر اختیار کر کے وہ عمل کرے گا تو کتاب اللہ پر ہی عمل ہے اس کو کتاب اللہ کے خلاف نہیں کہیں گے، اور نہ اس سے حبل اللہ چھوٹتی ہے۔

اس لئے ایسے اختلافات جو بینات کے بعد نہیں ہیں بلکہ مشتبہ روایات یا متعارض روایات یا ذو احتمالین آیات کی موجودگی میں جو اختلاف ہوتا ہے یہ منکر نہیں، اس لئے اس قسم کے اختلافات کے اوپر انکار کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ عین قرآن وحدیث کی منشاء کے مطابق ہیں اس کے اوپر جھگڑا کرنا، اس کے اوپر انکار کرنا، اس کو منکر میں داخل کرنا جہالت ہے،

فروعی مسائل میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے:

اب احادیث کی طرف دیکھتے ہوئے صحابہ کرام کی دو رائیں ہو گئیں کہ نماز پڑھتے وقت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں، ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنی چاہیئے، ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پڑھنی چاہیئے، اس لئے یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں ہے، جب یہ بینات کے تحت نہیں ہے تو ہم پڑھنے والوں

کو برا نہیں کہہ سکتے، ابتداءِ امت سے ہی دونوں رائیں موجود ہیں، دونوں طبقے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، اس لئے نہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منکر اور نہ نہ پڑھنا منکر، تو جب یہ منکر ہی نہیں تو اس کے اوپر انکار کرنا، پڑھنے والوں کو برا بھلا کہنا، یا نہ پڑھنے والوں کو برا بھلا کہنا یہ عمل خود ضلالت ہے جس سے روکنے کی ضرورت ہے کہ ایسا نہ کرو دلائل کے تحت دونوں کے لئے گنجائش ہے، جس کے بڑوں کا یہ مسلک ہے کہ پڑھنا چاہیئے وہ اپنے بڑوں پر اعتماد کر کے پڑھتا رہے، اور جس کے بڑوں کا یہ مسلک ہے کہ نہ پڑھنا چاہیئے وہ ان پر اعتماد کرتا ہوا نہ پڑھے۔

کبھی کسی شافعی نے فتویٰ نہیں دیا کہ حنفی بے نماز ہیں اور کبھی کسی حنفی نے فتویٰ نہیں دیا کہ شافعی حرام کار ہیں، ایک دوسرے سے بیعت کا تعلق، ایک دوسرے سے شاگردی کا تعلق شروع سے ہوتا چلا آیا ہے اس لئے میں نے یہ چیزیں آپ کی خدمت میں بارہا عرض کی ہیں کہ جو مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہو جائے، یا صحابہ کرام کے بعد ائمہ عظام میں مختلف فیہ ہو جائے تو سمجھ لیا کرو کہ بینات سے ثابت نہیں ہے، یعنی ان کا آپس میں اختلاف ہو جانا یہ علامت ہے کہ یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں آیا جب یہ بینات کے تحت نہیں تو دونوں قولوں کی گنجائش ہے اور ان میں سے کسی کے اوپر انکار کرنا ٹھیک نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ انسان اپنا رجحان بیان کر سکتا ہے کہ میرا رجحان ادھر ہے باقی جس کا رجحان دوسری طرف ہے اس کے ساتھ لڑنے جھگڑنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فروعی مسئلہ میں اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگوں کے ذوق کی وجہ سے اس طرح کے مسئلوں میں فرق پڑتا تھا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب غزوہ احزاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کر دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کی طرف چلے اور اعلان کر دیا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس جا کر پڑھنی ہے، اب جیسے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطلاع ملتی گئی ویسے ویسے چلتے گئے، ایک طائفہ ایسا چل رہا تھا کہ جن کو نماز کا وقت راستہ میں آ گیا اور یہ خیال تھا کہ اگر ہم یہاں نماز نہیں پڑھیں گے اور ادھر جا کر پڑھیں گے تو دیر ہو جائے گی، نماز مکروہ وقت میں چلی جائے گی یا قضاء ہو جائے گی، ایسا حال پیدا ہو گیا اب اس گروہ میں دو رائیں پیدا ہو گئیں، بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا کہ جلدی آنا اور وقت پہ پہنچ جانا تاکہ عصر کی نماز وہاں پڑھو، یہ مقصد نہیں تھا کہ اگر راستہ میں وقت ہو گیا تو نماز نہ پڑھنا اس لئے ہم تو نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے کہنے لگے نہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصر کی نماز وہاں جا کے پڑھنی ہے چاہے وقت رہے چاہے نہ رہے ہم وہاں جا کر پڑھیں گے، اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے دونوں کا حال معلوم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں

میں سے کسی پر سختی نہیں کی، دونوں کو برداشت کر لیا جس طرح خلوص کے ساتھ انہوں نے حضور ﷺ کے قول کا مطلب سمجھا انہوں نے اسی پر عمل کیا، اور حضور ﷺ نے دونوں کو برداشت کر لیا، جس سے معلوم ہو گیا کہ اگر الفاظ اس قسم کے ہوں جس سے دو مطلب نکل سکتے ہیں تو خلوص کے ساتھ اپنی پوری اجتہادی قوت کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوا انسان اس میں سے جس کو بھی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے کبھی درستگی کو پہنچتا ہے اور کبھی خطا بھی کر جاتا ہے، درستگی کو پہنچ جائے گا تو اللہ کے ہاں دوہرا ثواب ملے گا اور اگر خطا بھی کھا جائے تو بھی اللہ اسے ثواب دے گا اور اس قسم کے مسائل کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس میں حق کیا ہے اور خطا کا احتمال کدھر ہے، قرائن دونوں طرف موجود ہیں، اس قسم کے اختلاف میں کسی پر انکار نہیں کیا جاتا، چاہے وہ فقہ کے مسائل ہوں چاہے ان کا تعلق نظریات کے ساتھ ہو، ورنہ آپ کو کہنا پڑے گا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا منہ قیامت کے دن کالا ہوگا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ ان بزرگوں میں سے کسی کے متعلق ہم اس قسم کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے یہ سارے روشن چہرے والے ہیں، چاہے کوئی رفع یدین کرتا ہے چاہے نہیں کرتا، چاہے کوئی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے چاہے نہیں پڑھتا، ان میں سے کسی کے اوپر انکار کرنا، کسی سے نفرت کرنا اور کسی پر روک ٹوک کرنا یہ قطعاً حکمت دینی کے خلاف ہے۔

زمانہ الٹی چال چل گیا:

اور آج طریقہ یہی ہے کہ جو متفق علیہ فرض ہیں مثال کے طور پر نماز چھوڑنے والے سے اتنی نفرت نہیں ہے اور اس کے چھوڑنے والے کے خلاف اشتعال انگیزی نہیں ہے، اور متفق علیہ حرام جیسے شراب اور زنا ہے اس کے ارتکاب کرنے والے سے اتنی نفرت نہیں ہے نہ ان کے اوپر انکار ہے، اور جھگڑا ہوتا ہے تو اسی پر کہ رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا، فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں پڑھنی، آمین اونچی کہنی ہے یا نہیں کہنی، جو مسئلے انکار کے تھے ہی نہیں ان کو ہم نے جھگڑے فساد کا ذریعہ بنا لیا، اور جو بینات کے تحت آئے ہوئے مسائل ہیں ان سے ہم درگزر کر گئے۔

کس طرح ہم نے راہ راست کو چھوڑ دیا، حالانکہ لڑائی جھگڑے کی بات تو یہ تھی کہ جو متفق علیہ فاسق وفاجر ہے اس کے خلاف جہاد ہوتا، نماز چھوڑنے والوں کو کہا جاتا کہ نماز پڑھو، وہ اگر کہے کہ میں کیسے پڑھوں رفع یدین کروں یا نہ کروں تو اس کو کہو چاہے کر چاہے نہ کر نماز پڑھ، وہ کہے کہ میں نماز کیسے پڑھوں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھوں یا نہ پڑھوں، کہو تیری مرضی فاتحہ پڑھ نہ پڑھ لیکن نماز پڑھ، یعنی اس قسم کے اختلافات کو اگر کوئی بہانہ بناتا ہے تو جواب یہ دینا چاہیے کہ جیسے تیرا جی چاہے کر لیکن نماز پڑھ، یہ اختلافات نماز چھوڑنے کا بہانہ نہیں ہیں۔

اور اسی طرح محرمات ہیں ادھر تو ہماری توجہ ہی نہیں رہی ہماری لڑائی اگر رہ گئی تو ایسی کہ جس میں تعبیرات کے

اختلاف کی گنجائش ہے یہی امت کے اندر افتراق اور فرقہ بازی ہوگئی اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، حضرت مفتی محمد شفیع ؒ کی ایک تقریر ہے وحدت امت کے عنوان سے اس میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سید انور شاہ صاحب کشمیری ؒ کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ حضرت بہت غمزدہ اور افسردہ بیٹھے ہیں، میں نے پوچھ لیا کہ حضرت کیا بات ہے آج اتنے پریشان کیوں ہیں، تو حضرت سید انور شاہ صاحب ؒ فرمانے لگے کہ میں اس غم میں بیٹھا ہوں کہ ہم نے اپنی ساری کی ساری زندگی ساری کی ساری محنت ان اختلافی مسائل کو بیان کرتے ہوئے گنوادی کہ جن کے متعلق نہ برزخ میں سوال ہونا ہے اور نہ میدان قیامت میں پوچھا جانا ہے، یہ سوال ہی نہیں ہوگا برزخ کے اندر کہ تم رفع یدین کرتے تھے یا نہیں کرتے تھے، قیامت کے دن یہ سوال ہی نہیں اٹھے گا کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے یا نہیں پڑھتے تھے، اس قسم کے اختلافی مسائل کے اوپر ہم نے اپنی ساری صلاحیتیں اور سارا وقت صرف کر دیا۔

اور جو مسائل توجہ کے قابل تھے ادھر ہماری توجہ ہی نہیں گئی، یعنی حضرت زیادہ تر متاثر تھے مرزائیوں کے فتنہ سے اور آخر عمر میں پھر ان کا سارا کا سارا رجحان مرزائیوں کے خلاف ہوگیا تھا کہ یہ چیزیں ہیں جن کے اوپر ہمیں کوشش کرنی چاہیے، اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہییں، اور ہمارا سارا وقت انہی فقہی مسائل کے اوپر گزر گیا جس کے متعلق نہ برزخ میں سوال ہے نہ حشر میں سوال ہے، اور یہ چیز زیر بحث آئے گی ہی نہیں کہ کون حق پر تھا کون باطل پر تھا تو ان مسائل کا تو درجہ یہ ہے جن کے اوپر ہم نے الجھنا شروع کر دیا، اسی طرح دوسرے چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں کہ جن کی کوئی حیثیت نہیں ان کے متعلق قرآن کریم میں کوئی واضح ہدایت موجود نہیں ہے، اور جو قطعی مسائل ہیں ہم نے ان سے صرف نظر کر لیا ہے، اور یہ بھی زوال کی علامت ہے کہ غلط راستہ پر چل کے ہم اپنی صلاحیتیں برباد کر رہے ہیں، اور جو چیزیں آپس میں لڑنے کی نہیں تھیں ان کو فرقہ بازی کا ذریعہ بنالیا ہے۔

اب جنازہ کے بعد دعا مانگنی ہے یا نہیں یہ کون سی بینات کے تحت آئی ہوئی بات ہے، کھانا سامنے رکھ کر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس میں کیا بات ہے نہ پڑھا تو اس میں کیا بات ہے، یہ قرآن کریم کی کون سی آیت کا ترجمہ ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر قرآن نہ پڑھا کرو، ہاں ایک چیز ہے اگر کسی نے اس نظریہ کے تحت پڑھ لیا تو ہم کہیں گے یہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں، اس طرح نہیں کرنا چاہیے، یہ اس درجہ کی بات ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ سنت سے ثابت نہیں یہ سنت کے خلاف ہے، باقی اگر کوئی کرتا ہے تو اس کا وہ درجہ تو نہیں جو نماز چھوڑنے والے کا ہے، اس کا وہ درجہ تو نہیں جو زانی کا ہے، زانی سے تو آپ بغل گیر ہو سکتے ہیں، اور اگر جنازہ کے بعد کوئی دعا مانگ لے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ سلام کے قابل ہی نہیں رہا، یہ بے اعتدالی

ہے جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث شریف سے ثابت نہیں، اور اس کو ضروری قرار دینا یہ نظریہ بدعت ہے، لیکن اس کا وہ درجہ نہیں جو زنا اور شراب کا ہے۔

لیکن تمہارے ذہنوں کے اندر یہ چیز ہے کہ شرابی آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، زانی آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، تارک صلوۃ آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، اگر کسی کے متعلق پتہ چل گیا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے تو بدعتی بدعتی کا شور مچاتے ہوئے کہتے ہو کہ نہ اس کا اکرام جائز ہے نہ سلام جائز ہے۔

ہر مسئلہ میں فرق اس طرح کرنا ہے کہ اگر تو بینات کے تحت ہے تو اس سے اختلاف کرو، اور اگر بینات کے تحت نہیں تو اپنے ذوق کا اختلاف ہے کسی نے کیسے کرلیا کسی نے کیسے کرلیا، تو درجات پہچانو کوئی مستحب کے خلاف کرتا ہے، کوئی سنت کے خلاف کرتا ہے، کوئی واجب کا تارک ہے، کوئی فرض کا تارک ہے، اور ایک مکروہ کا ارتکاب کرتا ہے ایک حرام کا ارتکاب کرتا ہے، تو یہ درجات ہیں اور آج ہم فروعی مسائل میں الجھ گئے اور جو قطعی چیزیں ہیں ان کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے ہیں، تو جو مسئلہ بینات کے تحت ہوگا اس میں تشدد کریں گے اور جو بینات کے تحت نہیں ہوگا اس میں تشدد نہیں کریں گے، اس لئے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اختلاف وہ ممنوع ہے جو بینات کے آنے کے بعد ہے اور جو بینات کے بعد نہ ہو بلکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس پر نہ یہ فرقہ بازی صادق آتی ہے جس کی یہاں ممانعت آرہی ہے، اور نہ اس کے اوپر وہ تشدد اختیار کیا جاسکتا ہے جو بینات کے مسائل میں ہوا کرتا ہے۔

مؤمنین اور کافروں کا انجام:

"اولئك لهم عذاب عظيم" ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے "يوم تبيض وجوه وتسود وجوه" جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے نورانی ہوں گے بعض سیاہ ہوں گے، جن کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اب یہاں بھی ایمان کے بعد کفر کا لفظ ہے مرتد پر تو یہ بات صراحتاً ثابت آتی ہے کہ پہلے وہ ایمان لایا پھر اس نے کفر اختیار کرلیا، منافق پر یہ بات صادق آتی ہے کہ زبان سے ایمان لایا اور دل سے کفر اختیار کرلیا، مبتدع پر یہ بات صادق آتی ہے کہ رسول پر ایمان لا کے اتباع سنت کا دعویٰ کر کے اس نے عملاً کفر اختیار کرلیا، اصلی کافر پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ عالم ارواح میں "بلیٰ" کہہ کے ایمان لایا اور دنیا میں آکے کفر کرلیا، اہل کتاب پر یہ بات صادق آتی ہے کہ پہلے نبی پر ایمان لائے، بعد میں دوسرے نبی کا انکار کر کے کفر اختیار کرلیا، تو "كفرتم بعد ايمانكم" میں سارے آسکتے ہیں۔

پھر اللہ کی حکمت کے تحت دیکھو کہ اللہ کہتا ہے کہ تم عذاب چکھو اپنے کفر کے سبب سے، یہاں "خالدين فيها"

اور اس قسم کی بات کا ذکر نہیں چونکہ بعض لوگوں کا عمل کفر بھی ہوگا تو بعد میں وہ اس سزا سے چھوٹ بھی جائیں گے، جس طرح ایک شخص مبتدع ہے سنت کے خلاف عمل کرتا ہے وہ دائمی جہنمی نہیں ایک دن سزا پا کے چھوٹ جائے گا، کفر عملی بھی ہوتا ہے اور عقیدہ کا بھی ہوتا ہے، سب طبقوں کے اوپر درجہ بدرجہ یہ بات ثابت آئے گی۔

اور جن کے چہرے روشن ہوگئے نورانی ہوگئے، جس کا مطلب ہے کہ ان کے دل میں ایمان ہے، اتباع سنت کا نور ہے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے، یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے ان کو اللہ کی رحمت میں لے جانے کے بعد پھر کسی وجہ سے نکال دیا جائے یہ باتیں جو ہم نے تیرے اوپر پڑھی ہیں سب واقعہ کے مطابق ہیں، سچی ہیں اور اللہ تعالیٰ جہانوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا کہ ان کی حق تلفی کرے، اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کی طرف ہی سب امور لوٹائے جائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

تم بہترین امت ہو خاہر کیے گئے ہو لوگوں کے نفع کے لئے حکم دیتے ہو تم معروف کا اور روکتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

منکر سے اور ایمان لاتے ہو تم اللہ کے ساتھ، اور اگر کتاب والے ایمان لے آتے تو بہتر ہوتا

لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ

ان کے لئے، ان میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں ﴿۱۱۰﴾ ہرگز یہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر

اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

کچھ تکلیف پہنچانا، اور اگر یہ تمہارے ساتھ لڑیں تو تمہاری طرف پیٹھیں پھیریں گے پھر یہ مدد نہیں کیے جائیں گے ﴿۱۱۱﴾ لازم کردی گئی

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

ان کے اوپر ذلت جہاں بھی یہ پائے جائیں مگر اللہ کی طرف سے معاہدہ کے سبب سے اور لوگوں کی طرف سے معاہدہ کے سبب سے

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور یہ لوٹے اللہ کے غضب کے ساتھ اور لازم کردی گئی ان کے اوپر مسکنت، یہ اس سبب سے ہے کہ بے شک یہ لوگ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

اور حد سے نکلتے تھے ﴿۱۱۲﴾ سب اہل کتاب برابر نہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے راستہ پر قائم ہونے والی ہے

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

پڑھتے ہیں وہ لوگ اللہ کی آیات کو رات کے حصوں میں اس حال میں کہ وہ سجدہ کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور یوم آخرت کے ساتھ اور حکم دیتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے

وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے جلدی کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں صالحین میں سے ﴿۱۱۴﴾ جو یہ کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اچھا کام اس کی ناقدری نہیں کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ متقین کو جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ بے شک وہ لوگ

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں

شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

کچھ بھی، اور یہ لوگ جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿۱۱۶﴾ مثال اس چیز کی جس کو

يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

یہ خرچ کرتے ہیں دنیوی زندگی میں ایسے ہے جیسا کہ ہوا ہو اس میں سردی ہے پہنچ گئی وہ ہوا

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ

ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر پھر اس ہوا نے اس کھیتی کو ہلاک کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا

وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

لیکن یہ لوگ اپنے نفسوں پر ہی ظلم کرتے ہیں ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو تم کسی کو مخلص دوست نہ بنایا کرو

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

مومنین کو چھوڑ کر یہ کوتاہی نہیں کرتے تمہیں خرابی پہنچانے میں، یہ چاہتے ہیں تمہارا مشقت میں واقع ہونا، تحقیق

بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

ظاہر ہو گیا بغض ان کے مونہوں سے، اور جس چیز کو ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ بہت بڑی ہے،

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ

ہم نے تمہارے لئے آیات واضح کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾ خبردار تم ہی یہ لوگ ہو تم تو ان سے محبت کرتے ہو

وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم ساری کتابوں پر ایمان لاتے ہو ، اور جس وقت وہ تمہیں ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ

اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

ہم بھی ایمان لے آئے ، اور جس وقت خلوت میں چلے جاتے ہیں تو کاٹتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ کی وجہ سے ، آپ کہہ دیجئے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

مرجاؤ اپنے غصہ کی وجہ سے ، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان امور کو جو تمہارے دلوں میں ہیں ﴿۱۱۹﴾ اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ

تمہیں کوئی اچھی حالت پہنچتی ہے تو ان کو وہ غم میں ڈال دیتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ خوش ہو جاتے ہیں،

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ۧ

عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے ﴿۱۲۰﴾

تفسیر:

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر امۃ کہنے کی وجہ اور اس کے تقاضے:

پچھلے رکوع میں یہ لفظ آئے تھے کہ تم میں ایسی جماعت ضرور موجود رہنی چاہیئے جو دعوت الی الخیر کا کام کرتی رہے اور امر بالمعروف کرے، نہی عن المنکر کرے اس رکوع کی پہلی آیت اسی مضمون کا تتمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خیر امۃ بنایا ہے اور تمہاری خیریت اسی وجہ سے ہی ہے کہ تمہارے ذمہ یہ فرض لگایا گیا ہے کہ تم نیکی پھیلاؤ و برائی کو مٹاؤ اور اللہ پر کامل درجہ کا ایمان رکھو، پہلی امتیں جو گزری ہیں ان کے مقابلہ میں جو اس امت کو خیر امت کہا گیا اور ان کی خیریت کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ لوگوں کی ہدایت، لوگوں کی اصلاح تمہارے ذمہ ہے اور تم نے اس بات کی نگہداشت کرنی ہے اور اس فرض کی ادائیگی اس صورت میں ہوگی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خاص طور پر اپناؤ اور اللہ پر کامل ایمان رکھو۔

باقی امتوں کے مقابلہ میں یہ چیز امتیاز اس وجہ سے رکھتی ہے کہ سرور کائنات ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری تھا، ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو فوراً دوسرے نبی آجاتے اور ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی آئے اس وقت تبلیغ کا زیادہ تر فریضہ انبیاء علیہم السلام کے ہی سپرد تھا، اور وہی وعظ کرتے تھے نصیحت کرتے تھے لوگوں کے مفاد کی نگرانی کرتے تھے اور امتوں کے اوپر اتنا بوجھ نہیں ڈالا گیا تھا کہ ان کو دوسرے لوگوں کے لئے مبلغ قرار دیا جائے اور اس دین کی اشاعت ان کے ذمہ لگائی جائے، براہ راست امتوں کے اوپر یہ بوجھ نہیں ڈالا گیا، سرور کائنات ﷺ جس وقت تشریف لے آئے تو آپ کے بعد چونکہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی مخلوق کی ہدایت چونکہ اپنے ذمہ لی ہے کہ ان کی راہنمائی کرنی ہے تو سرور کائنات ﷺ کے بعد مجموعی طور پر یہ ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی گئی، اس لئے مجموعی طور پر یہ امت اس فرض کی حامل ہے جو گذشتہ امتوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر عائد کیا تھا اس لئے دین کی اشاعت کے یہ ایسے ذمہ دار ہیں جس طرح پہلے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ" کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء "(بخاری ص۴۹۱ ج ۱، مشکوٰۃ ص۳۲۰) بنی اسرائیل کی سیاست تو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی ان کی سیاست انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے اور میرے بعد انبیاء علیہم السلام تو ہوں گے نہیں، خلفاء ہوں گے اور وہ بہت زیادہ ہوں گے تو جو کام بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے ذمہ لگایا گیا تھا وہ میرے خلفاء کے ذمہ ہوگا خلفاء کا مصداق اول درجہ میں تو وہی لوگ ہیں جو اقتدار حاصل کریں گے، ان کو دینی و دنیوی دونوں طور پر سرور کائنات ﷺ کی نیابت حاصل ہوگی، جیسا کہ خلفاء راشدین کے دور میں تھا ان کی دینی حیثیت بھی تھی اور دنیوی حیثیت بھی تھی اور اگر اس قسم کا طبقہ موجود نہ رہے تو علماء، مشائخ قاری یہ سارے کے سارے حضور ﷺ کی خلافت میں ہی یہ سارے کام سرانجام دے رہے ہیں، تو انبیاء علیہم السلام والا کام جو تھا وہ اس امت پر ڈال دیا گیا، جس کی بناء پر اس امت کو باقی امتوں کے مقابلہ میں خیر امۃ قرار دیا گیا۔

لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے کہ جیسے انبیاء علیہم السلام کا وجود رحمت ہوتا ہے کہ لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں، اب یہ ڈیوٹی تمہاری ہے تم نے اس دین کی اشاعت کرنی ہے اور اس دنیا کے اندر معروف کو پھیلانا ہے اور اس دنیا سے منکر کو مٹانا ہے اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو یعنی ظاہری طور پر یہ صیغے اگرچہ بطور خبر کے آئے ہیں کہ تم ایسے ہو تم ایسے ہو اور اصل مقصد انشاء ہے کہ تم نے ایسا کرنا ہے اپنے ایمان کو بھی کامل رکھنا ہے، اور اپنے ایمان کو کامل رکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہو اور ان عقائد کے مطابق عمل بھی ہو تب جاکے کہتے ہیں کہ ایمان کامل ہے اور اگر عمل کے اندر نقص آجائے تو عمل میں نقص آنے کے ساتھ ایمان میں نقص آتا ہے اور ایمان ناقص ہوجاتا ہے۔

تو جس وقت ان ہدایات پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ہیں جن کا پھیلانا تمہارے ذمہ لگایا ہے، ان ہدایات پر اگر عمل نہیں ہوگا تو تمہارا اپنا ایمان کامل نہیں ہوگا تو پھر یہ کھوکھلے سینوں سے چاہے کتنی زوردار وعظیں کیوں نہ ہوں اور کتنی اونچی آوازیں کیوں نہ نکلیں تو ان کھوکھلے سینوں سے نکلی ہوئی چیخیں اثر نہیں دکھا سکتیں، ان چیزوں کے اندر اثر تبھی پیدا ہوتا ہے جب انسان کے اپنے اندر بھی پوری قوت موجود ہو عقیدہ کی اور اس کے مطابق انسان کا عمل بھی ہو تب جا کے اس سے خیر پھیلا کرتی ہے، ورنہ پھر حال وہی ہوگا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔

"اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" کہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولے بیٹھے ہو اور جو خود بھولا بیٹھا ہے وہ دوسرے کو کہے کہ یہ کام کر تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کہنے والے کے دل میں خود اس کام کی اہمیت نہیں ہے، جب خود کہنے والے کے دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے تو دوسرا اس سے کیا متاثر ہوگا اس لئے کامل طور پر تم یہ فرض تب ہی ادا کر سکو گے جب تمہارا اپنا ایمان بھی کامل ہو اور اپنے ایمان کا کمال یہی ہے کہ جو کہو اپنے عمل کے ساتھ ثابت کرو کہ ہم ایسے ہی سمجھتے ہیں اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز چھوڑنے کے ساتھ دوزخ جانا پڑے گا تو خود نماز نہ چھوڑو تب پتہ چلے گا کہ تمہیں اس دی ہوئی خبر پر یقین ہے اور تم واقعی سمجھتے ہو کہ جو نماز نہیں پڑھے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

اگر زبان سے کہتے ہو کہ شراب نہ پیو کیونکہ اس کے اندر بہت ساری خرابیاں ہیں تو عملاً تم بھی شراب کو ترک کر دو تب پتہ چلے گا کہ تمہیں اپنی بات پر یقین ہے، اور اگر لوگوں کو کہو کہ شراب نہ پیو اور خود شراب پیتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر دار سخن سازی ہے، ورنہ تمہیں بھی اپنی بات کے اوپر خود یقین نہیں ہے اس سے سننے والے پر پھر اچھے اثرات نہیں پڑا کرتے، اس لئے ایمان کامل ضروری ہے جو بھی داعی الی الخیر ہو اس میں ایمان کامل ضروری ہے، اور ایمان کامل کے لئے عقیدہ اور عمل دونوں ضروری ہیں، تو صورۃً یہاں خبر دی گئی اور معناً یہ انشاء ہے، "کنتم خیر امۃ" میں ماضی کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ اس میں دوام ہے جس طرح "کان اللہ علیما حکیما" میں آپ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، اس کے اندر ماضی میں ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دوام ہے اور یہاں بھی دوام ہے کہ تم ایسے ہو اور فرض تمہارا یہ ہے۔

خیر امۃ کا منصب نسب سے نہیں اعمال وکردار سے ملتا ہے:

"ولو آمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم" اس میں یہ بات کہہ دی گئی کہ پہلے زمانہ میں اہل حق کی جماعت جو تھی وہ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے علمی منصب انہی کے پاس ہی تھا، لیکن جب انہوں نے منصب کو ضائع کر دیا اپنے کردار سے اپنی مفاد پرستی سے، اپنی دنیاداری سے، مال ودولت کی محبت

ہے، اور جب یہ مخلوق کے لئے مفید نہ رہے اور حق ان کی وجہ سے محفوظ نہ رہا تو اب اس جماعت کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا، اور اب یہ منصب ان کو دے دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خیر نصیب ہوتی ہے اس کا تعلق کسی نسل یا نسب کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ ان اعمال پر ہے جو ذمہ لگائے جاتے ہیں تو جب ان لوگوں نے ان اعمال کو نہیں سنبھالا تو اس منصب سے معزول ہو گئے۔

اب یہ اسرائیل کی اولاد میں سے ہیں، انبیاء ﷺ کی اولاد میں سے ہیں تو نسل کی بناء پر یہ خیریت اللہ کے ہاں نصیب نہیں ہوتی، یہ خیر امۃ کا منصب اگر ملتا ہے تو اعمال اور کردار کی بناء پر ملتا ہے اور جب انہوں نے انبیاء ﷺ کی وراثت کو ضائع کر دیا تو یہ اس منصب سے معزول ہو گئے اب اگر یہ اس منصب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اب موجودہ رسول پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت پر عمل کریں یہ بھی خیر امۃ کا مصداق بن جائیں گے، "لو آمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم " کا یہی مطلب ہے۔

قرآن مجید کا انصاف:

"منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون " پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ قرآن کریم کا یہ انصاف ہے جب یہ مخالفین کا ذکر بھی کرتا ہے تو پھر یہ یکسر رگڑا نہیں لگا دیتا، بلکہ اس میں جو معتدل قسم کے لوگ ہوتے ہیں اچھے قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ان کو ہمیشہ اس مذمت سے مستثنیٰ کر لیا جاتا ہے، جماعتی سطح پر اگر کسی کے ساتھ اختلاف ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں ایسے افراد بھی ہوں کہ جو کسی وجہ سے اس جماعت کی طرف منسوب ہیں لیکن ان کے خیالات اچھے ہیں، ان کے جذبات اچھے ہیں، تو ان کو اس برائی بیان کرنے سے مستثنیٰ کر کے رکھو، اور یہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کو حق سمجھایا جاتا ہے تو جلدی سے سمجھ جاتے ہیں اور سمجھنے کے بعد وہ حق کو قبول کر لیتے ہیں۔

تو اہل کتاب میں جو اس قسم کے منصف لوگ تھے جنہوں نے اس وقت بھی اپنے ایمان کو سنبھالا ہوا تھا سرور کائنات ﷺ کی دعوت جب ان تک پہنچی تو فوراً انہوں نے اس کو قبول کر لیا، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہ یہودیوں میں سے تھے، پہلی ملاقات میں ہی حق ان کے سامنے واضح ہو گیا اور فوراً انہوں نے قبول کر لیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے بھی کسی درجہ میں اپنے ایمان کو سنبھالے ہوئے تھے، دنیا کی محبت میں آ کے، حب جاہ کے اندر مبتلا ہو کے انہوں نے اپنی صلاحیت کو خراب نہیں کیا تھا اس لئے جب حق کی آواز ان کے کان میں آئی تو انہوں نے فوراً لبیک کہہ دیا نجاشی عیسائیوں میں سے تھا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ جتنے لوگ تھے انہوں نے اپنے ایمان کو سنبھالا ہوا تھا ان کو فکر تھی جیسے ان کو حق معلوم ہوتا تھا اس کو قبول کرتے تھے، اسی صلاحیت کی بناء پر سرور کائنات ﷺ کی بات جب ان کے

سامنے آئی فوراً انہوں نے قبول کرلیا، انہی لوگوں کا ذکر ہے کہ ان میں سے بعض ایمان والے ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں، فاسق ہیں طاعت سے نکلے ہوئے ہیں۔

گالیاں دینا دشمن کا شیوہ ہے:

"لن یضروکم الا اذیً" اب چونکہ ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا اور صراحتاً یہ منصب بنی اسماعیل کو دے دیا گیا، سرور کائنات ﷺ کی جماعت کو، تو اللہ تعالیٰ مطمئن کرتے ہیں کہ تم اب اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں لگو، یہ یہودی یہ نصرانی یہ مشرک جو تمہارے مخالف ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہاں جن اہل کتاب کا ذکر آرہا ہے " لن یضروکم " یہ تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، "الا اذیً" سوائے تکلیف کے اس کا مطلب یہ ہے کہ طعن و تشنیع کرلیں، بلاوجہ تم پر بہتان لگائیں، اختراع پردازی کریں، فضول قسم کے اعتراضات کریں جن کو سن کے تمہارا دل دکھے، گالیاں دیں، برا بھلا کہیں اس قسم کی تکلیفیں تو پہنچیں گی، اور وہ کوئی ایسا نقصان نہیں جس کو ہم کہیں کہ جماعتی سطح پر نقصان ہے تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ، یہ بولیں گے بری زبان استعمال کریں گے" اذیً" سے مراد اس قسم کی طعن و تشنیع ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے "ولتسمعن " البتہ ضرور سنو گے تم "اذیً کثیراً " ان اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف سے تم اذاء کثیر سنو گے، تو سننے کی باتیں ہوا کرتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اذاء کثیر کا مصداق باتیں ہیں، تکلیف دہ باتیں سنو گے تم ان کی طرف سے، کبھی تمہیں گالی دیں گے، کبھی تمہارے پیغمبر کو برا بھلا کہیں گے، فضول قسم کے بہتان لگائیں گے، کہیں گے کہ تم بزرگوں کے منکر ہو، تم بزرگوں کا طریقہ چھوڑ گئے، ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہمارے پاس ہے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہمارے پاس ہے اور گالیاں دیں گے برا بھلا کہیں گے، بہتان لگائیں گے، افتراء کریں گے جیسے ان کا طریقہ تھا کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہم ہیں اور تم لوگ ملت ابراہیمی کو چھوڑ گئے ہو اور انبیاء علیہم السلام ہم میں آئے ہیں تم نے ہمارا طریقہ چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام کا قبلہ چھوڑ دیا اس قسم کے بہتان ان کی طرف سے بہت سنو گے۔

تو یہ کوئی ضرر نہیں ہے، تم صبر کرنا، برداشت کرنا، یہ تمہارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، جیسے کہا جاتا ہے کہ باتوں سے پسلیاں نہیں ٹوٹا کرتیں، کسی آدمی نے اپنی زبان سے اگر کسی کو برا کہہ دیا تو ذرا تھوڑی سی برداشت کرنے والی بات ہے ورنہ بات کے ساتھ کسی کی پسلی تو نہیں ٹوٹتی، کوئی نقصان نہیں پہنچتا، ایسے وقت پر انسان دونوں کان استعمال کرے کہ ایک کان سے سنا دوسرے سے نکال دیا، نہ دل خراب کرنے کی ضرورت ہے نہ دماغ پریشان کرنے کی ضرورت ہے دیکھو کہ وہ تمہیں نقصان کیا پہنچاتے ہیں، اگر نقصان پہنچاتے ہیں تو اس کا دفاع کرو اور اگر اپنی زبان کے ساتھ بولتے ہیں تو بولتے رہنے دو،

تمہارا کیا نقصان کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی تھا کہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کی باتوں میں نہیں الجھتے تھے اس قسم کی چیزوں کے اندر الجھنا یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں تھا۔

ہاں البتہ اگر کوئی معقول اعتراض ہے تو اس کا جواب دو، کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کا دفاع کرو، اور آپ پڑھتے رہتے ہیں سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، اب اس حصہ کو آپ تقسیم کر لیجئے اگر ایک طبقہ کے حصہ میں گالیاں دینا آگیا ہے تو تم دوسری سنت اپنالو دعائیں دینے والی، اور اگر گالیوں کے جواب میں تم نے بھی گالیاں دینا شروع کر دیں تو ایک ہی سنت پر دونوں عامل ہو گئے، اور ایک سنت دونوں سے چھوٹ گئی، اگر ایک طبقہ بدبختی کے ساتھ اس طریقہ کو اپنائے کہ ہم نے تو گالیاں ہی دینی ہیں اور وہ جب بولے برا ہی بولے، جب کسی کا ذکر کرے تو برے الفاظ کے ساتھ ہی کرے تو دوسری سنت تم اختیار کر لو کہ تم ان کے لئے دعائیں کرو کہ اللہ تمہیں ہدایت دے، اور اچھے الفاظ کے ساتھ تم ان کے سامنے حق پیش کرو اگر وہ قبول کریں تو اچھی بات ہے، اور اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا کیا نقصان ہے۔

یہ طرز ہے جو قرآن کریم کی طرف دیکھ کر سمجھ آتا ہے ورنہ اگر وہی اینٹ کا جواب پتھر سے دو کہ اگر وہ بولتے ہیں تو ان کے دانت توڑ دو، یا بولتے ہیں تو ان کی زبان گدی سے کھینچ لو تو ہم نے آج تک نہ کسی کو دانت توڑتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ زبان گدی سے کھینچتے ہوئے دیکھا ہے، ایسا تو ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس کے اندر بکواسات کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا اور دوسرے دوسری مجلس میں بیٹھ کر اسی لب ولہجہ کے ساتھ ان کے تذکرے کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں، دانت نہ انہوں نے توڑے نہ انہوں نے توڑے، زبان نہ انہوں نے گدی سے کھینچی نہ انہوں نے کھینچی، بس قوم کو الو بنانے والی بات ہے، ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے تمہیں "الاذیٰ" مگر کچھ تکلیف دہ باتیں، طعن وتشنیع کریں گے، برا بھلا کہیں گے، گالیاں دیں گے بہتان لگائیں گے۔

"وان یقاتلوکم" اگر یہ تم سے لڑ پڑیں تو تمہاری طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر یہ مدد نہیں کئے جائیں گے، چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ یہود کے قبائل جو ارد گرد موجود تھے ان میں نیک بخت لوگ تو ایمان لے آئے دوسرے لوگوں نے سوائے اس قسم کے بہتان بازی اور زبان درازی کے اور کوئی شغل نہیں رکھا تو نتیجہ یہی ہوا کہ ذلیل ہوئے، اور پھر چھیڑ چھاڑ تک نوبت پہنچی تو کچھ قتل ہوئے، کچھ جلاوطن ہوئے اور بالکل برباد ہو گئے، صبر وتقویٰ کے ساتھ ہی ان کو اس برے انجام تک پہنچا دیا گیا۔

اسرائیل میں یہودیوں کی حکومت حبل من الناس کے تحت ہے:

"ضربت علیھم الذلۃ این ما ثقفوا" یہ آیات آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں گزری ہیں سوائے ان لفظوں کے "الا بحبل من اللہ وحبل من الناس" اور اسی آیت کا حوالہ دے کر میں نے اس مضمون کی وضاحت وہیں

سورۃ البقرۃ میں کردی تھی کہ ذلت اور مسکنت کے اندر یہ لوگ مبتلا کردیئے گئے جس کا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ دنیا کے اندر ان کو جماعتی طور پر عزت نہیں ملے گی جس کی وجہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی کہیں حکومت نہیں بنے گی، یہ مفسرین کے اقوال ہیں قرآن کریم کے اندر اس قسم کا کوئی لفظ نہیں جس کی وجہ سے ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا کہ ان کی کہیں حکومت نہیں بنے گی، اللہ تو کہتا ہے کہ انہیں ذلیل اور مسکین بنادیا گیا، ذلیل ہوگئے لوگوں کی نظر میں عزت نہیں رہی، مسکین ہوگئے کہ ان کے اپنے دل میں بھی حوصلے نہیں رہے، خودغرضی اور مفاد پرستی میں اس طرح مبتلا ہوئے کہ ان میں قربانی اور ایثار کا کوئی جذبہ نہیں رہا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر ان کو کوئی باعزت حکومت بھی نہیں ملے گی مفسرین کے ذکر کرنے کے ساتھ یہ صراحت ہے۔

پھر اس پر شبہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں تو ان کی حکومت بن گئی ٹھیک ہے دو ہزار سال بعد یہ نوبت آگئی کہ ایک ٹکڑے کے اوپر یہ حکومت بنا بیٹھے تو پھر اس پر اشکال ہوا اور لوگ پوچھتے یوں ہی ہیں کہ قرآن میں تو آتا ہے کہ ان کی حکومت نہیں بنے گی اور اب ان کی حکومت بن گئی، حالانکہ قرآن میں یہ لفظ کہیں نہیں آتے تو اس شبہ کا ازالہ یہی ہے کہ یہاں استثناء یہی ہے ”الا بحبل من اللہ وحبل من الناس“ کہ یا تو یہ اللہ کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے ذلت اور مسکنت سے بچ سکتے ہیں یا لوگوں کے ساتھ معاہدہ سے اور لوگوں کا سہارا لے کر ذلت اور مسکنت سے بچ سکتے ہیں۔

اللہ کے ساتھ معاہدہ اس طرح کہ یا تو ایمان لے آئیں تب بچ جائیں گے یا اللہ کے حکم کے تحت بعض افراد کو جان مال کا تحفظ حاصل ہے کہ جو یہودی نصرانی اپنے عبادت خانوں میں عبادت میں لگے ہوئے ہیں مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان کا خیال کرو ان سے کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں کرنا ان کی جان مال محفوظ ہے، اور اسی طرح عورتیں اور بچے، اور اسی طرح کمزور بوڑھے ان کو اللہ تعالیٰ نے امان دیا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض جائز نہیں ہے، اس لئے جہاں جزیہ کی بات آتی ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے مذہبی آدمی اور نابالغ بچے اور عورتیں ان پر جزیہ بھی نہیں رکھا جاتا، ان کو مسلمانوں کی حکومت کے اندر امان حاصل ہے ان سے تعارض نہیں کیا جاتا۔

اور ”حبل من الناس“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے کوئی معاہدہ کرلیں کوئی مصالحت کرلیں مسلمانوں سے معاہدہ ہوجائے تو مسلمانوں کے تحفظ میں آجائیں گے اور ناس کا لفظ یہاں بولا ہے جس کا مطلب ہے عیسائیوں سے کرلیں، دہریوں سے کرلیں، آتش پرستوں سے کرلیں، کسی سے کرلیں، تو ان کے سہارے پر بھی یہ لوگ اپنی زندگی بچا سکتے ہیں، اور کسی درجہ میں ذلت اور مسکنت سے نکل سکتے ہیں۔

چنانچہ آج جو یہ سلطنت ہے یہ بھی ”حبل من الناس“ کا مظہر ہے کہ اگر یہ دوسری حکومتیں جو اصولاً یہودی نہیں ہیں یا وہ عیسائی ہیں یا لا مذہب ہیں اگر وہ ان کو سہارا نہ دیں تو نہ ان کا وجود بنے نہ ان کا وجود باقی رہے، اس وقت بھی اگر ان

کی بقاء ہے تو "حبل من الناس" کے تحت ہی ہے، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں کہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوگئے، یعنی ان کو تعلیم تو ایسی دی گئی تھی کہ یہ اپناتے تو یہ دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرتے لیکن انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑا تو دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوئے "ضربت" کا معنی کہ ان کے اوپر لازم کردی گئی جس طرح دیوار کے اوپر گارا لیپ دیا جاتا ہے، اس طرح ان کے اوپر بھی ذلت اور مسکنت کو لیپ دیا گیا تھوپ دیا گیا لازم کردیا گیا۔

یہود پر ذلت اور مسکنت لازم کرنے کی وجہ:

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ ان کی تاریخ کے بدترین قسم کے جرائم ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنا، اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی یاد دہانی کے لئے آتے تھے انبیاء علیہم السلام اور آمرین بالقسط ان کو قتل کرتے تھے، اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے دشمن تھے، جو جماعت اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی دشمن ہوجائے وہ اپنے لئے دنیا اور آخرت میں عزت کیسے پاسکتی ہے، ان کے لئے اگر ذلت نہ پڑے تو اور کیا ہوگا، ناحق قتل کرتے تھے ناحق قتل کرنا، یہ اس زور دکھانے کے لئے کہ نبی کا قتل کسی صورت میں بھی حق نہیں ہوسکتا، جو اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی بات بتانے کے لئے آیا ہے اس کا قتل کبھی بھی حق نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی "بغیر حق" کا لفظ بڑھا کر اس میں شدت پیدا کردی گئی کہ ان کا سارے کا سارا اقدام ناحق ہے، اور یہ قتل انبیاء علیہم السلام کی جرأت اور کفر بآیات اللہ کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ ان میں عصیان ہے، سرکشی ہے، نافرمانی ہے ان میں اطاعت کا جذبہ نہیں ہے۔

اور جس شخص کے اندر بھی عصیان ہوگا نافرمانی ہوگی تو وہ اس کے نتیجہ میں انکار بھی کرے گا اور انبیاء علیہم السلام جو ان آیات پر چلانے کے لئے آئے ہیں وہ ان کے جانی دشمن بھی ہوجائیں گے اور یہ لوگ حد سے بڑھنے کے عادی ہیں۔

اہل کتاب کے منصف مزاج لوگ:

اتنی زبردست مذمت ان کی جماعتی طور پر کی گئی لیکن پھر وہی استثناء کرلیا گیا "لیسوا سواءً" یہ سارے برابر نہیں ہیں ان اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو قائم علی الحق ہیں، حق کے اوپر قائم ہیں یہی لوگ جو ایمان لے آئے جس وقت حق کی آواز آئی فوراً انہوں نے اس کو قبول کرلیا، اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں رات کے حصہ میں، رات کے حصوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ رات کی عبادت ہی اصل میں بے ریا عبادت ہے، اور جس شخص کو اپنے انجام کا فکر ہوتا ہے وہ رات کو ہی اللہ کی باتیں یاد کرکے اللہ کے سامنے روتا ہے، دن میں لوگوں کے سامنے رونے کی شکل بنالینا، آنسو بہادینا، ریاکاری کی نمازیں پڑھ لینا بہت کچھ ہوسکتا ہے، وہ لوگ بھی ایسا کرسکتے ہیں جن کا آخرت پر سرے سے ایمان ہی نہیں ہوتا لیکن اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے نیکی کو ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن رات کی نماز اور خلوت میں اللہ کی آیات کی تلاوت اور اللہ کے سامنے رونا یہ سوائے اخلاص کے کبھی بھی نہیں ہوتا۔

اس لیے یہ لوگ آخرت کا فکر کرنے والے ہیں اور اس آخرت کے فکر کی وجہ سے رات کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں، اور رات کے مختلف حصوں میں اللہ کے سامنے سجدے کرتے ہیں یہ ہے بے ریا کی نماز جو خلوص کی علامت ہے اور اللہ سے ڈرنے کی علامت ہے اور آخرت کی فکر کی علامت ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا، اللہ پر ایمان لاتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، اور نیکیوں میں دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں یہی لوگ ہیں صالحین، صالحین کی یہی علامتیں ہیں جن میں خاص طور پر ذکر کی گئی ہے رات کو خلوت میں نماز، اللہ کے سامنے سجدہ ریزی، اور آخرت کے اوپر پختہ یقین، اللہ پر ایمان، نیکی کی عادت صالحین کی یہی علامت ہے، یہی لوگ نیک ہیں یہی لوگ متقی ہیں جن کو آگے "اللہ علیم بالمتقین" میں ذکر کیا ہے۔

اور جن کے یہ جذبات ہوں، یہ عقائد ہوں، یہ اعمال ہوں، یہ جو بھی نیکی کا کام کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی ان کی ہر نیکی اللہ کے ہاں قبول ہوگی، اور اس نیکی کے اوپر اللہ تعالیٰ اجر وثواب دیں گے، اور بخلاف اس کے کہ جن کا ایمان صحیح نہیں تو ان کو اس طرح سمجھو جیسے کسی درخت کی جڑ کٹ گئی، اب اگر پتوں پر کوئی پانی چھڑکتا رہے، ان کو کوئی سنبھالتا رہے تو پھر یہ پتے اور شاخ کسی کام کی نہیں جب جڑ محفوظ نہیں ہے، اسی طرح دوسرے اہل کتاب کوئی کسی طرح کی نیکی کریں ان کی کوئی قدر نہیں اور جن کا ایمان صحیح ہے یہ جو نیک کام بھی کریں گے اللہ کے ہاں قدر کی جائے گی اور اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ متقین کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے اور جو کافر ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور اپنی اس دنیا کی محبت کی وجہ سے اگر وہ اللہ کے سامنے اکڑے ہوئے ہیں تو انہیں یہ خبر دے دو کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے مال نہ ان کی اولاد، نہ ان کے جتھے ان کے کام آئیں گے، نہ مال کام آئے گا جس مال کی محبت میں مبتلا ہو کے یہ ایمان سے دست بردار ہیں اللہ کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور یہ جہنم میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

کافروں کے خرچ کیے ہوئے کی مثال:

اور ظاہری طور پر اگر یہ خرچ کرتے ہیں خیرات کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیکی کے کام کر رہے ہیں تو یہ بھی بے کار ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی ظالم قوم ہو اور اس کی کھیتی ہے اور وہ کھیتی سرسبز ہے لیکن اس کے اوپر ٹھنڈی ہوا آئی جس میں کورا تھا اور کورا پڑ گیا اور وہ ساری کی ساری کھیتی بے کار ہو گئی جیسے ان کاشتکاروں کی محنت بے کار جاتی ہے اسی طرح ان یہودیوں کی نصرانیوں کی جو ایمان نہیں لاتے ظاہری طور پر اگر یہ خرچ کرتے ہیں تو یہ ایسے ہی بے کار ہے تو یہاں مثال دیتے ہوئے "حرث قوم ظلموا انفسھم" کا لفظ بولا کہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو وہ ہوا پہنچ جائے جس میں

کورا ہے وہ تو کسی ظالم کی کھیتی میں جائے گی اس کو بھی برباد کردے گی، کسی صوفی کی کھیتی میں جائے گی اس کو بھی برباد کردے گی، تو یہ "ظلموا انفسھم" کا لفظ کیوں بڑھادیا؟ کیا نیک لوگوں کی کھیتی پر ایسی ہوا آجائے تو نقصان نہیں ہوتا، یقیناً ہوتا ہے، تو پھر" ظلموا انفسھم" کی قید کیوں لگائی؟

کہتے ہیں کہ " ظلموا انفسھم "کی قید اس لئے لگائی کہ جو ایمان والے ہیں ظاہری طور پر ان کی کھیتی اور باغات پر کوئی آفت بھی آجائے تو یہ اللہ کا امتحان ہوتا ہے، اور اگر وہ صبر کرلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا اجر آخرت میں دیتے ہیں ان کی کھیتی برباد نہیں ہوتی، اگر دنیا کے اندر نقصان ہو بھی جائے تو اس مصیبت پر آخرت میں ثواب ملتا ہے، پوری طرح سے کامل مکمل تباہی اگر آتی ہے تو کافر کی کھیتی پر آتی ہے کہ اس کو دنیا کے اندر بھی کوئی مفاد حاصل نہ ہوا اور اس مصیبت کی وجہ سے آخرت میں بھی کوئی کسی قسم کا اجر حاصل نہیں ہوگا، اس لئے "حرث قوم ظلموا انفسھم " کی قید لگادی کہ ہم نے دکھایا یہاں اس مثال کے ساتھ ان کے مکمل نقصان کو کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا دنیا میں بھی ان کے ہاتھ سے گیا اور آخرت میں بھی اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوگا۔

تو یہ کامل مکمل مثال تب بنے گی جس وقت کافر کی کھیتی برباد ہونے کا ذکر کیا جائے، ورنہ مؤمن کی کھیتی اگر برباد ہو تو وہ آپ کے سامنے آچکا "ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین" کہ جو صبر کے ساتھ اس کو برداشت کر جائیں اور اس امتحان کے اندر پورے اتریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بشارت ہے، ان کے لئے صلوات ہیں، ان کے لئے رحمت ہے تو ان کی کھیتی کی بربادی بہر حال مکمل بربادی نہیں ہے بلکہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجر وثواب دیں گے اس لئے مثال دیتے ہوئے "حرث قوم ظلموا انفسھم " کا ذکر کیا کہ جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسا کہ ہوا ہو جس میں کورا ہے پہنچ گئی وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پھر اس نے اس کو ہلاک کردیا اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ظلم نہیں کیا لیکن یہ اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ دوست اور دشمن کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی جائے:

"یایھا الذین آمنوا لاتتخذوا "شروع سورۃ سے اہل کتاب کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی تھی جس کے ضمن میں مختلف مسائل آپ کے سامنے واضح ہوئے یہ اس حصہ کی آخری آیات ہیں جس میں اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ کا جو موضوع شروع ہوا تھا وہ اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے اور اگلے رکوع سے جہاد بالسیف کا تذکرہ ہوگا، غزوہ احد کا ذکر تفصیل سے آئے گا، غزوہ بدر کے واقعات کی طرف بھی اشارہ ہوگا، غزوہ حمراء الاسد آئے گا، یعنی جہاد باللسان کے موضوع کو ختم

کرنے کے بعد جہاد بالسیف کا ذکر شروع ہوگا، ان چند آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو چند ہدایات دی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں سرور کائنات ﷺ کی جماعت میں شامل ہونے والے افراد میں کوئی منافق نہیں تھا سب مخلص تھے، وجہ یہ تھی کہ جو بھی آپ پر ایمان لاتا اس کو مار کھانی پڑتی تھی، ہڈیاں تڑوانی پڑتی تھیں، دنیا کی ہر چیز سے وہ محروم ہوجاتا تھا حتیٰ کہ برادری کنبہ اور اس سے بڑھ کر اپنے بیوی بچے ان کے ساتھ بھی موافقت نہیں رہتی تھی ہر چیز سے جدا ہونا پڑتا تھا۔

اور یہ بہت سخت امتحان کی بھٹی تھی جس میں انسان کو کلمہ پڑھنے کے بعد جلنا پڑتا تھا تو ایسے وقت میں وہی شخص اپنے جان مال عزت کی بازی لگایا کرتا ہے جو انتہائی درجہ کا مخلص ہو چونکہ بظاہر دنیا کا اس وقت کوئی مفاد نہیں ہوتا سختیاں ہی سختیاں ہوتی ہیں تو دکھلاوے کے طور پر کسی کے ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے اہل تاریخ اہل سیر اور سب لوگ متفق ہیں کہ مکہ معظمہ میں نفاق نہیں تھا۔

اور جس وقت مدینہ منورہ میں سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے تو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی اور ہر آنے والا دن اس سلطنت کو مضبوط کرتا چلا گیا، اسلام پھیلتا چلا گیا حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے علاقہ میں اسلام کو سیاسی اقتدار حاصل ہوگیا، اور مخالفین اپنے لئے مستقبل کے اعتبار سے کچھ خطرات محسوس کرنے لگ گئے تو پھر یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جس وقت کوئی جماعت اٹھتی ہے اس کی مخالفت میں جو لوگ ہوتے ہیں پہلے پہلے تو اس کو ہر لحاظ سے دبانے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ اس طرح نہ دبائی جاسکے پھر چالاک لوگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت میں اپنے آدمی شامل کر دیتے ہیں جو بظاہر اس جماعت کے ساتھ لگے لپٹے ہوتے ہیں، اور اندر سے ان کی وفاداریاں دوسرے لوگوں کے ساتھ ہوتی ہیں تو سازشی طور پر بھی ایسے افراد شامل کر لیے جاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے اندرونی طور پر فتنہ پردازی کر کے اس جماعت کو خراب کیا جاسکے، یا اس کو اپنے مفاد میں موڑ لیا جائے اور جو سیاسی مفاد اس جماعت کو حاصل ہوں گے ہم اس میں حصہ دار بن جائیں گے تو سازش کے طور پر بھی ایسے افراد کو شامل کر دیا جاتا ہے۔

اور بعض لوگ بزدل ہوتے ہیں مفاد پرست وہ بھی پھر یہ دورنگی پالیسی اختیار کر لیتے ہیں جو جماعت قوت پکڑتی جارہی ہے اس کے ساتھ بگاڑنے کی جرأت نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے کہ کل ہم انہی کے محتاج ہوجائیں اگر آج انہی سے بگاڑ لی تو کل کیا کریں گے، بظاہر ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے دل میں خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کل کو ان کی مخالف جماعت اقتدار پر آجائے اور اونٹ ان کی کروٹ بیٹھ جائے تو اگر ہم ان سے بگاڑیں گے تو کل ان کے سامنے شرمساری ہوگی وہ ہمارے مفاد کا خیال نہیں رکھیں گے، اس قسم کے مفاد پرست اور دوغلے قسم کے لوگ پھر کچھ

یاری اِدھر لگاتے ہیں اور کچھ یاری اُدھر لگاتے ہیں، وہ نکھر کر صاف ستھرے ہو کے ایک طرف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو قرآن کریم میں ذکر کی گئی "مذبذبین بین ذلك لاالی هٰؤلاء ولا الیٰ هٰؤلاء" وہ درمیان میں لٹکے ہوئے متردد ہوتے ہیں نہ پوری طرح اِدھر ہوتے ہیں اور نہ پوری طرح اُدھر ہوتے ہیں۔

یا جیسے سرور کائنات ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ ان مفاد پرست لوگوں کی مثال جن کو شرعی اصطلاح کے اندر منافق کہا جاتا ہے ان کی مثال اس شہوتی بکری کی طرح ہوتی ہے جو کبھی اس ریوڑ کی طرف بکرے کی تلاش میں دوڑتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف بکرے کی تلاش میں دوڑتی ہے تو یہ ان کی مفاد پرستی اور شہوت پرستی کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہی صورت حال پیدا ہوگئی کہ یہودی اندر گھسے ہوئے تھے، اوس وخزرج کے ساتھ ان کے جاہلیت کے زمانہ کے معاہدے تھے اور آپس میں دوستیاں تھیں ایک دوسرے کے حلیف تھے، شخصی اور انفرادی طور پر بھی ایک دوسرے سے تعلقات تھے اور قومی سطح پر بھی ایک دوسرے کے ساتھ معاہدے تھے۔

اب جس وقت اوس اور خزرج نے اسلام قبول کرلیا اب یہود حسد کے اندر مبتلا ہوگئے، حسد کے اندر مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ پھر آئے دن کوئی نہ کوئی سازش کرکے مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے پچھلے رکوع میں جو یہودیوں کی جانب سے جنگ برپا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایات دی تھیں کہ ان اہل کتاب کی طرف سے ہوشیار رہو یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دوبارہ اسی دور کی طرف لوٹا دیں جس دور سے تم اس اسلام کی طرف آئے ہو اسی سلسلہ کی یہ آیات ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ دوست اور دشمن کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی جائے، اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی جماعت کے ساتھ ہی کامل مکمل تعلق رکھیں جو لوگ اپنی جماعت میں شامل نہیں ہیں، جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا ان کی دوستیوں کے اوپر اب اعتماد چھوڑ دیں۔

اور اگر ان پر بھی اعتماد رکھیں گے ان کو اپنے مشوروں میں لیتے رہیں گے اور ان کے ساتھ بھی میل جول رہے گا تو اول تو ان کو سازشیں پھیلانے کا موقع ملتا ہے وہ ایک دوسرے کے خلاف بہکا کر لڑائیں گے، دوسرا یہ کہ تمہارے راز معلوم کریں گے اور ان رازوں کو تمہارے دشمنوں تک پہنچائیں گے اور اس طرح بھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، اس لئے اب ضروری ہے کہ دونوں جماعتوں کو ممتاز کردیا جائے، اور اہل ایمان کو ہوشیار کیا جارہا ہے کہ تم اپنے آدمیوں کے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد نہ کیا کرو اور نہ ان کو اپنے مشوروں کے اندر شریک کیا کرو، اور نہ ان کو اپنے راز کے اوپر آگاہ کرو یہ پیش قدمی کی جارہی ہے تاکہ ان یہود کو ان نصاریٰ کو مسلمانوں کے اندر فتنہ پھیلانے کا موقع نہ ملے، اور ان کے راز دوسروں تک پہنچ کے قومی اور جماعتی سطح پر نقصان نہ ہو۔

یہ حاصل ہے ان آیات کا جو آرہی ہیں کہ اے ایمان والو! اپنی جماعت کے علاوہ کسی کو راز دار نہ بنایا کرو، کسی کو اپنا مشیر نہ بناؤ، اپنے معاملات میں کسی کے اوپر اعتماد نہ کرو خاص طور پر اس میں اشارہ ہے یہود کی طرف جو مدینہ کے ارد گرد آباد تھے، اور جن کے ساتھ اوس اور خزرج کے تعلقات تھے، عام طور پر مؤمنین تو ویسے ہی تعلقات کئے ہوئے تھے لیکن ان مؤمنین میں سے ایک گروہ جو اپنے آپ کو اہل ایمان میں شامل کرتا تھا اور ایمان کا اظہار کرتا تھا لیکن دل کے اندر نفاق تھا اور ظاہری طور پر چونکہ مؤمنین میں شامل تھے اور ان کی دوستیاں ان کے ساتھ تھیں خصوصیت کے ساتھ ان کے تعلق کو توڑنا مقصود ہے جس کے بعد ضروری ہو گیا کہ جو یہود کے ساتھ تعلقات رکھے گا تو یہ علامت متعین ہو جائے گی کہ یہ شخص مسلمانوں کے حق میں مخلص نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی مخالفت کرتا ہے۔

اصل کے اعتبار سے تو منافقوں کو سمجھانا مقصود ہے اور چونکہ وہ اپنے آپ کو کلمہ گو ہی کہتے تھے، مسلمان ہی کہتے تھے اس لئے خطاب عام رکھا گیا، اپنے علاوہ کسی دوسرے کو بطانہ نہ بناؤ، خاص دوست نہ بناؤ، راز دار نہ بناؤ کہ یہ لوگ تمہارے اندر خرابی پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، جہاں بھی ان کو موقع ملے گا یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے، یہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں، تمہارا مشقت میں پڑ جانا انہیں پسند ہے، یہ تمہارے خیر خواہ نہیں تمہاری تکلیف پر یہ خوش ہوتے ہیں، ان کی گفتگو پر نظر رکھا کرو جب یہ گفتگو کرتے ہیں تو ان کی گفتگو میں بلا اختیار ایسے الفاظ ٹپک پڑتے ہیں جس سے تم استدلال کر سکتے ہو کہ تمہارے خلاف ان کے دل میں کتنا بغض ہے، اور جو زبان سے ظاہر ہوتا ہے یہ بہت کم ہے، اور جو یہ سینوں میں چھپائے بیٹھے ہیں یہ بہت زیادہ ہے۔

اور ہمیشہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کے دل کے اندر کسی کے خلاف بغض ہے تو کتنی ہی احتیاط سے گفتگو کیوں نہ کرے پھر بھی زبان سے ایسے الفاظ ٹپک پڑتے ہیں جس سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ اس کے دل کے کیا جذبات ہیں تو زبان سے اظہار تھوڑا ہوتا ہے اور دل کے اندر چھپی ہوئی باتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں، کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے بغض ان کے مونہوں سے یعنی ایسی باتیں یہ اپنی زبان سے نکال بیٹھتے ہیں جو دل کے جذبات ہیں وہ الفاظ کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، اور اس سے تم سمجھ جایا کرو کہ جو بغض ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ کتنا ہوگا، ہم نے تمہارے لئے نشانیاں واضح کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو عقل سے سوچو گے تو ان علامات سے پہچان جاؤ گے کہ یہ تمہارے دوست نہیں ہیں۔

کفار کبھی بھی مؤمنین کے دوست نہیں بن سکتے:

آگے پھر وہ نفسیاتی بات ہے چونکہ متنفر کرنا ہی مقصود ہے کہ تم یہ خیال کرو کہ تم تو ان کے ساتھ محبت کی پینگیں چڑھاتے ہو، محبت کا اظہار کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے نہیں، یہ کون سی تمہاری خودداری ہے کہ تم ان کے پیچھے مرو اور تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت نہ کریں، حالانکہ اسباب ایسے ہیں کہ انہیں تمہارے ساتھ محبت کرنی چاہیئے تمہیں ان کے

ساتھ نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ تم سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہو جن میں ان کے انبیاء علیہم السلام بھی ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا نام تم احترام سے لیتے ہو ان کو اللہ کا پیغمبر مانتے ہو، ان پر ایمان لاتے ہو تو راۃ کو اللہ کی کتاب کہتے ہو تو ان کا جتنا دین ہے وہ تم نے تسلیم کرلیا اور وہ نہ تمہارے پیغمبر کو مانیں اور نہ تمہاری کتاب کو مانیں تو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ تمہیں اچھا سمجھیں تمہارے ساتھ محبت رکھیں کیونکہ تم ان کے پیغمبر کو مانتے ہو ان کی کتاب کو مانتے ہو اس کے اوپر ایمان لاتے ہو۔

اور تمہیں ان سے نفرت ہو کہ وہ نہ تمہارے نبی کو مانیں نہ تمہاری کتاب کو مانیں، اور یہاں الٹا حساب ہے کہ تمہاری طرف سے رجحان ہے اور وہ بغض سے بھرے ہوئے ہیں خبر دار تم ہی یہ لوگ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے تو پہلے تو جو تم سے محبت نہیں کرتا تو تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی ان سے محبت نہ کرو، پھر اسباب بھی اس کے برعکس ہیں کہ تم ایمان لاتے ہو ساری کتابوں کے ساتھ جس میں ان کی کتاب بھی ہے، اور ان کے نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہو اور وہ نہ تمہاری کتاب کو مانیں اور نہ تمہارے نبی پر ایمان لائیں۔

باقی کبھی کبھی آکے اس قسم کی باتیں جو کرنے لگ جاتے ہیں جس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں یہ نفاق ہے، یہ ایک سیاسی چال ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب خلوت میں چلے جاتے ہیں "عضوا علیکم الانامل" تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کے اظہار کے لئے کہ جب انسان اپنے غصہ کے مطابق عمل نہ کر سکے تو ہاتھ کی انگلیوں کو کاٹتا ہے اور ہمارے ہاں اس کے متعلق محاورہ ہے دانت پیسنا تو تم پر دانت پیستے ہیں، اور یہ دانت پیسنا ہاتھ کاٹنا سب سے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں اس کو اس طرح چبالوں، یہ دل کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اپنے حلیہ کے ساتھ اور اپنی شکل کے ساتھ، تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کی وجہ سے اتنا ان کے دل میں تمہارے خلاف بغض ہے۔

تو آپ انہیں کہہ دو "موتوا بغیظکم" کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ چاہے تمہاری جان نکل جائے غصہ کی وجہ سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا، ہم تمہارے غصہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، "ان اللہ علیم بذات الصدور" بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے، یہ "قل" کے تحت بھی آسکتا ہے کہ تم یہ کہہ دو کہ تم مر جاؤ اپنے غصہ میں، چاہے تم ظاہر نہیں کرتے کہ تمہارے دل میں ہمارے خلاف اتنا بغض ہے لیکن اللہ تو دل کی باتیں جانتا ہے، اس لئے اس نے ہمیں بتا دیا کہ تم دل سے ہمارے دشمن ہو اس لئے دونوں باتیں "قل" کے تحت آگئیں۔

دوسرا احتمال تفسیروں میں یہی نقل کیا گیا ہے کہ "قل" کا مقولہ "موتوا بغیظکم" ہے اور آگے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، اور تمہیں جو ان کے دل کی کیفیتیں بتا رہا ہے وہی صحیح

ہیں اس لئے تمہارے سامنے آ کر اگر اس کے خلاف ظاہر کریں کہ ہمارے دل میں تمہارے لئے بڑی خیر خواہی ہے یہ سب ان کا نفاق ہے اور دشمنی کی ایک اور علامت ہے کہ دنیا کے اندر ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ دوست وہ ہوا کرتا ہے جو دوست کی اچھی حالت پہ خوش ہو اور تکلیف کے اوپر رنجیدہ ہو لیکن ان کا معاملہ برعکس ہے کہ اگر تمہیں اچھی حالت پہنچتی ہے تو یہ غمزدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں، یہ علامت بھی ان کی دشمنی کی ہے کہ تمہاری اچھی حالت پر یہ کسی صورت میں خوش نہیں ہوتے، جب کوئی اچھی حالت تمہیں پہنچتی ہے تو غمزدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جاتی ہے کہ کوئی تکلیف پہنچ گئی شکست ہوگئی، کوئی اور نقصان ہوگیا تو پھر یہ خوشیاں مناتے ہیں۔

کیا ایسے لوگ بھی دوست ہوتے ہیں؟ اور ایسے لوگوں کی محبت پر بھی اعتماد کیا جاتا ہے؟ اس لئے ان کے ساتھ تعلق توڑ دو اور یہ خطرہ نہ محسوس کرو کہ تعلق توڑنے سے ہمارا کوئی نقصان ہوگا، اگر تم صبر کر کے تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی خفیہ تدبیریں، ان کے مکر وفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، تقویٰ کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو، صبر اور استقلال کو اپناؤ، ان کے مکر وفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، ”ان اللہ بما یعملون محیط“ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے وہ ان کو اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ

قابل ذکر ہے وہ وقت جب آپ صبح کو چلے اپنے گھر والوں سے آپ جاتے تھے مومنین کولڑائی کے ٹھکانوں پر، اللہ تعالیٰ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ

سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب قصد کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ ہمت چھوڑ دیں، اللہ

وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ

ان دونوں کا ساتھی تھا، چاہیئے کہ اللہ پر ہی ایمان والے بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾ البتہ تحقیق مدد کی تمہاری

اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

اللہ نے بدر میں اس حال میں کہ تم کمزور تھے، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہو جاؤ ﴿۱۲۳﴾ جب کہ کہہ رہے تھے آپ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

مومنین کے لئے کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ امداد دے اللہ تعالیٰ تمہیں فرشتوں میں سے تین ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

فرشتوں کے ذریعہ سے جو اتارے ہوئے ہوں گے ﴿۱۲۴﴾ کیوں نہیں اگر تم مستقل مزاج رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا اور وہ آجائیں تمہارے پاس

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اپنے اسی جوش سے تو مدد دے گا تمہیں تمہارا رب فرشتوں میں سے پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ

نہیں بنایا اللہ نے اس بات کو مگر بشارت تمہارے لئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اس خبر کے ذریعہ سے اور نہیں ہے مدد

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

مگر اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۱۲۶﴾ تاکہ ہلاک کردے اللہ ان لوگوں میں سے ایک حصہ کو

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ

جنہوں نے کفر کیا یا انہیں ذلیل کردے پھر وہ مڑ جائیں نامراد ہوکر ﴿۱۲۷﴾ آپ کے لیے امر سے اختیار نہیں

شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

کوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رجوع کرے یا انہیں عذاب دے پس بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بخشے گا جسے چاہے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور عذاب دے گا جسے چاہے گا، اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۹﴾۔

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر وتقویٰ کی تاکید فرمائی تھی اور یہ کہا تھا کہ اگر صبر وتقویٰ اختیار کروگے تو ان لوگوں کا مکر وفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور ان آیات کے اندر غزوہ بدر اور غزوہ احد کا ذکر آرہا ہے، یہاں غزوہ بدر کا ذکر ضمناً ہے سورۃ الانفال میں تفصیل کے ساتھ آئے گا، زیادہ تر واقعات جو آگے ذکر کئے جارہے ہیں وہ غزوہ احد کے ہیں، ان واقعات سے اللہ تعالیٰ اوپر والے اصول کی تصدیق فرمائیں گے، مثال کے ساتھ یہ بات واضح ہوجائے گی کہ جب تم نے صبر وتقویٰ اختیار کیا تو اللہ کی مدد ونصرت کیسے رہی، کافر تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور جہاں تمہارے صبر وتقویٰ کے اندر کسی وجہ سے کمی آئی اسی وقت تم نے نقصان اٹھایا اس لئے اگر صبر وتقویٰ کو اختیار کروگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت شامل حال رہے گی، اور یہ کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اس طرح غزوہ احد کا ماقبل سے ربط واضح ہوگیا۔

غزوہ احد کا پس منظر:

غزوہ احد سرور کائنات ﷺ کے غزوات میں سے مشہور غزوہ ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ سترہ رمضان ۲ھ مقام بدر میں مشرکین کا مقابلہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا واقعہ کی تفصیل سورۃ الانفال میں آئے گی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، صحیح روایات کے مطابق تین سو تیرہ تھے جن میں محض چند ایک گھوڑے تھے اور تھوڑے سے اونٹ تھے، اکثر لوگ پیدل تھے، چند گنتی کی تلواریں تھیں، اتفاقی طور پر ایک قافلہ کا راستہ روکنے کے لئے نکلے تھے لڑائی کا خاص اہتمام کرکے نہیں آئے تھے تو اس طرح مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں تھے

اور مقابلہ میں جو مشرکین مکہ تھے وہ باقاعدہ لڑائی کا ارادہ کر کے آئے تھے پوری طرح مسلح ہو کے آئے تھے، تعداد بھی ان کی ایک ہزار تھی اور ہر قسم کے جنگی سامان سے وہ لیس تھے، چن چن کر سارے جوان اس کے اندر جمع کئے گئے تھے اس کے اندر قریش کی تمام شاخوں کے سردار شامل تھے،، یہ مقابلہ ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہوئی تو یہ تین سو تیرہ ایک ہزار پر غالب آگئے، اور یہ بے سروسامان لوگ ان مسلح لوگوں کو شکست دینے کا باعث بن گئے۔

جن میں ستر مشرک مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور یہ لڑائی مشرکین مکہ کی کمر توڑ گئی ذلت بھی ہوئی نقصان بھی اٹھایا تو پھر ان کے انتقامی جذبات بھڑکے، ابوجہل جو ان کا قائد تھا وہ تو اس جنگ میں واصل جہنم ہو گیا تھا، اب ابو سفیان نے مشرکین مکہ کی قیادت سنبھالی جو اس وقت اس قافلہ کو شام سے لے کر آرہے تھے، جو قافلہ اس لڑائی کا سبب بنا تھا، مکہ معظمہ میں پہنچنے کے بعد مشرکین مکہ نے یہ طے کیا کہ اس قافلہ میں جتنا مال ہے وہ سارے کا سارا جنگ کے لئے بطور چندہ کے جمع کرا دیا جائے تاکہ لڑائی کی تیاری ہو، اور ارد گرد والے قبائل کے جذبات بھی بہت بھڑکائے گئے تو صرف ایک سال کے بعد شوال کے پہلے ہفتہ میں ۳ھ میں جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ شوال کی سات تاریخ تھی جس وقت سرور کائنات ﷺ گھر سے نکلے، تو شوال کے پہلے ہفتہ میں ہی کفار اکٹھے ہو کے تین ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی، اس جنگ میں یہ عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے تاکہ میدان کے اندر وہ جوانوں کو غیرت دلائیں، اور بھاگنے سے روکیں، ان کے جذبات بھڑکائیں۔

لڑائی کے بارے میں حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینا:

سرور کائنات ﷺ کو جس وقت پتہ چلا کہ یہ مکہ کے مشرک اتنا بڑا لشکر جرار لے کر احد کے قریب عینین پہاڑی کے پاس انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا ہے، حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی رائے بھی کچھ اس طرف تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہم ان کا مقابلہ کریں اور دفاعی لڑائی لڑیں، اور اس لڑائی سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد عبداللہ بن ابی سلول خزرجی نے بھی ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا حقیقت میں مسلمان نہیں تھا، تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد یہ پہلی لڑائی ہے جو مسلمانوں نے لڑی، سرور کائنات ﷺ نے اس سے بھی مشورہ لیا اس کی رائے بھی یہی تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر لڑائی لڑی جائے باہر نہ نکلا جائے، لیکن بعض نوجوان مسلمان جن کی اکثریت تھی وہ پورے جوش وخروش میں تھے بدر کی لڑائی کا نقشہ دیکھ کر اہل بدر کے فضائل سن کر وہ کہہ رہے تھے کہ یہ لڑائی پیش آرہی ہے ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضائل حاصل کرنا چاہتے ہیں اس لئے میدان کے اندر نکل کر لڑنا چاہیے، اگر ہم گھروں کے اندر بیٹھے رہے اور شہر کے اندر ہم نے مورچہ بندی کر لی تو مشرک اس کو ہماری بزدلی پر محمول کریں گے اس لئے میدان میں نکلنا چاہیے۔

اکثریت کی رائے یہی تھی اس لئے سردار کائنات ﷺ نے یہ رائے قبول کر لی، جس وقت قبول کر لی تو آپ ﷺ نے تیاری فرمائی گھر تشریف لے گئے اور مسلح ہو کے آپ باہر آئے تو پھر بعض بزرگوں کو خیال آیا کہ ہم نے حضور ﷺ کو آپ کی منشاء کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا ہے، اس لئے آگے بڑھ کر انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ تو ایک ہماری رائے تھی جو ہم نے آپ کے سامنے ظاہر کی تھی اگر آپ مناسب یہی سمجھتے ہیں تو پھر بے شک شہر میں ٹھہرے رہیں، آپ نے کہا کہ اب نہیں ایک نبی کے لئے یہ زیب نہیں ہے کہ وہ مسلح ہو کے نکلے پھر ہتھیار اتار دے جنگ میں شریک ہوئے بغیر، حکم دے دیا کہ اب چلو احد کی طرف ایک ہزار کا لشکر تیار ہوا اور آپ اس کو لے کر چل دیے۔

عبداللہ بن ابی کا اپنے ساتھیوں سے راستہ سے واپس آنا:

لیکن عبداللہ بن ابی چونکہ منافق تھا اس کو تو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی جب اس کو معلوم ہوا کہ آگے مشرکوں کا اتنا بڑا لشکر آیا ہوا ہے یہ سمجھا کہ اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ میں ہزار آدمیوں کا جانا ایسے ہی ہے جیسے اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونکنا، ایمان تو تھا نہیں کہ آخرت کی فضیلت حاصل کرنے کا خیال ہو، شہادت کا شوق ہو، مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی کہ ہم اپنی جماعت کے ساتھ مل کر ان کے لئے قوت کا باعث بنیں، تو جب مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہیں تو باہر جا کر اس نے اپنے ساتھیوں کو بہکایا اور تین سو افراد سمیت یہ شخص راستہ سے واپس آ گیا، جس وقت یہ تین سو واپس ہوئے تو باقی رہ گئے سات سو، اب آپ جانتے ہیں کہ ابتداء ہی سے کوئی لڑائی میں شریک نہ ہو یہ اتنا اثر انداز نہیں ہوتا جب ساتھ شریک ہو کر چل پڑیں اور راستہ میں بزدلی دکھا کر واپس آ جائیں تو پھر باقیوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں اور حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

دو قبیلے ہیں بنوسلمہ اور بنوحارثہ ان میں سے بنوحارثہ اوس میں سے ہیں اور بنوسلمہ خزرج میں سے ہیں، ان دونوں کے بھی دل کچھ ڈھیلے ہونے لگے کہ جب اتنے لوگ واپس چلے گئے ہیں تو ہمیں بھی واپس ہو جانا چاہیے، لیکن یہ بات ان کے دل میں وسوسہ کے درجہ تک ہی رہی اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا جس کا ذکر اس آیت کے اندر آئے گا کہ تم میں سے دو طائفے تھے جو ڈھیلے ہونے لگے تھے لیکن اللہ نے انہیں سنبھال لیا تو قرآن میں "الله ولیهما" کا جو لفظ آ گیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے لوگ کہا کرتے تھے یہ آیت جو قرآن کریم میں اتری ہے اس میں اگرچہ ہماری کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن اس کا اترنا ہمیں زیادہ پسند ہے نہ اترنے کے مقابلہ میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے "الله ولیهما" کی بشارت بھی ہمیں اس آیت میں دی ہے اس لئے اس کا اترنا ہمیں زیادہ محبوب ہے اس کے نہ اترنے سے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا۔

میدان احد میں حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف جگہوں پر متعین کرنا:

تو سرور کائنات ﷺ نے اپنے ان سات سو ساتھیوں کو لے کر احد کے دامن میں جا کے ٹھکانہ لگایا، احد پہاڑ کو اپنی پشت کی جانب کیا اور مختلف جگہوں پر صحابہ کرام کی ڈیوٹیاں لگائیں، احد کے پاس ہی ایک پہاڑ ہے جس کو آج کل جبل رماۃ کہتے ہیں، اس پہاڑی اور مدینہ منورہ کی جانب بہت گہری وادی ہے اور اس وقت تک بھی وہ گہری ہے، یعنی وہ ایسی وادی ہے جہاں حضور ﷺ نے اپنے لشکر کو ٹھہرایا تھا کہ پہاڑ کی طرف آپ نے پشت کی اور میدان میں آپ ٹھہرے، اگر اس میدان میں لڑائی ہوتی تو اس وادی میں سے کوئی لشکر پہاڑ کے اوپر سے آ کر یوں حملہ کرے تو اس میدان میں لڑنے والوں کو وہ آنے والے نظر نہیں آتے کہ وادی اتنی گہری ہے اور مسلمان بالکل محاصرہ میں آ جاتے، اس لئے حضور ﷺ نے اس وادی کے کنارے پر ایک پہاڑی ہے اس کے اوپر پچاس آدمی متعین کر دیئے کہ تم نے اس کی نگرانی کرنی ہے کہ کوئی شخص اس وادی میں سے آ کر ہمارے پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس آدمیوں پر امیر مقرر فرمایا ان کی ڈیوٹی وہاں لگ گئی اور حضور ﷺ نے تاکید کر دی ہم فتح پا جائیں یا شکست کھا جائیں کچھ ہو تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا جس وقت تک میرا حکم نہ آ جائے، اور اسی طرح مورچہ بندی کی، کسی کو کہیں ٹھہرایا کسی کو کہیں ٹھہرایا اور اس پہاڑی کے آس پاس ہی پیدل لوگوں پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا، چنانچہ ان کی جو شہادت گاہ کا نشان ہے وہ اس پہاڑی کے بالکل متصل ہے، جہاں ان کا پہلا مقبرہ ہے اب وہ وہاں مدفون نہیں وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کئے گئے ہیں۔

غزوہ احد میں لڑائی کے مختلف مناظر:

مختلف جگہوں پر متعین کرنے کے بعد لڑائی کی ابتداء ہوگئی جس وقت لڑائی کی ابتداء ہوئی تو پہلے حملہ میں ہی مسلمانوں نے مشرکوں کو آگے لگا لیا، مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے، اور بہت سارے لوگ ان میں سے قتل بھی ہوئے تو اس وقت وہ میدان جو لڑائی کے لئے تجویز ہوا تھا وہ خالی ہو گیا وہ بھاگے اور صحابہ پیچھے بھاگے تو جو لوگ پہاڑی پر کھڑے تھے ان میں سے بعض کہنے لگے اب ہمارے یہاں کھڑے رہنے کی کیا ضرورت؟ لڑائی تو ختم ہوگئی اب تو سارے مشرک بھاگ گئے میدان خالی ہے اب ہمیں اترنا چاہیئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مال غنیمت اکٹھا کرنا چاہیے۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی! حضور ﷺ کا حکم آیا تھا کہ جب تک میں پیغام نہ بھیجوں اس وقت تک تم نے اس پہاڑی کو نہیں چھوڑنا، بعض کہنے لگے کہ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ لڑائی کے دوران میں اب تو لڑائی ختم ہوگئی ہے، ہمیں بھی ان کا پیچھا کرنا چاہیئے، اب کون سا خطرہ ہے کہ ادھر سے آ کر وہ حملہ کریں گے اس طرح آپس میں اختلاف رائے ہو گیا،

اڑتیس آدمی وہاں سے اتر آئے اور صرف بارہ آدمی وہاں پہاڑی کے اوپر قائم رہ گئے تو مشرکوں کے فوج کے اندر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے اور یہ جرنیل قسم کے آدمی امور جنگ کے ماہر، جس طرح مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے اپنے جنگی کارنامے سرانجام دیے تو جب یہ مشرکوں کے اندر تھے تو اس وقت بھی ان کی بہادری نمایاں تھی، انہوں نے جس وقت دیکھا کہ اب یہ پہاڑی خالی ہے تو انہوں نے فوراً ہی تدبیر کی کہ اس وادی میں ایک لشکر لے کر نیچے پیچھے آئے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ان کے اوپر نظر پڑی مقابلہ ہوا مگر یہ بارہ آدمی تھے اتنے بڑے لشکر کی یلغار کو کیسے روکتے اور دوسری طرف مسلمان سارے مشرکین کے پیچھے لگے ہوئے تھے تو وہ پیچھے سے آئے اور یہ بارہ آدمی مقابلہ میں شہید ہوگئے۔

اور پھر اس پہاڑی کے اوپر آکر پیچھے سے خالد بن ولید نے حملہ کیا جو اندیشہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کہ وہ ادھر سے نہ آجائیں تو وہ پورا ہوگیا، ان صحابہ کی اس لغزش کی وجہ سے کہ انہوں نے وہ مورچہ چھوڑ دیا، جب پیچھے سے حملہ ہوا اور مشرکوں کو بھی احساس ہوا کہ ہمارے آدمی پیچھے سے پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے بھی پیچھے کو منہ کرلیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں لشکروں کے درمیان میں آگئے اور ایک طرف پہاڑ ہے تو اس اچانک حملہ کے ساتھ جو گھبراہٹ ہوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، افراتفری پھیل گئی کوئی آگے کو بھاگا جا رہا ہے کوئی پیچھے کی طرف دوڑ رہا ہے کچھ لوگ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف چلے گئے مدینہ منورہ کی طرف دوڑ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ساتھی اس میدان میں منتشر ہوگئے۔

اتفاق سے کسی نے آواز بلند کردی "ان محمدا قد قتل" (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی قتل کردیئے گئے، کیونکہ پتھر لگنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوگیا تھا اور دانت مبارک بھی ٹوٹ گیا تھا اور خود گھس گئی اور خون ہی خون ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چکر کھا کے گر گئے تھے جس کی وجہ سے یہ آواز بلند ہوئی "ان محمدا قد قتل" پھر جو آپ کے ساتھ تھوڑے سے افراد رہ گئے تھے انہوں نے آپ کو سنبھالا اور آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور پہاڑ کے اندر ایک غار ہے اس غار میں لے جا کر بٹھا دیا، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ وہاں حفاظت کے لئے کھڑے ہوگئے اس طرح مسلمانوں نے نقصان اٹھایا اور اکثر بھاگ گئے جس کی وجہ سے مشرکین کو خیال آیا کہ ہم نے اب میدان ختم کرلیا ہے۔

ابوسفیان نے ایک جگہ کھڑے ہوکر نعرہ لگایا اعلیٰ ھبل، ھبل بلند ہوا جس کا مسلمانوں نے جواب دیا تھا "اللہ اعلیٰ واجل" اس نے آواز دے کر پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ ابوبکر ہے؟ عمر ہے؟ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع کردیا تھا تو وہ کہنے لگا سب قتل ہوگئے ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا تو پھر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ سب زندہ ہیں اور تجھے ذلیل کرنے کے لئے ابھی یہ باحیات ہیں، اس قسم کی آوازیں بھی ایک دوسرے پر کسی گئیں۔

مسلمانوں کی کھلی فتح:

لیکن یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہی ایک نصرت ہے جس کے اوپر اہل تاریخ حیران ہیں اور واقعی حیرانگی والی بات ہے کہ مسلمانوں میں افراتفری ہوگئی، حضور ﷺ بھی زخمی ہوگئے، میدان چھوٹ گیا لیکن اس کے باوجود مشرک خود بخود پسپا ہوگئے اور انہوں نے میدان چھوڑ دیا جس کو فیصلہ کن شکست کہتے ہیں وہ مسلمانوں کو نہ دے سکے۔

ورنہ وہ موقع ایسا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو مدینہ کی بستی کو اجاڑ سکتے تھے، اگر چاہتے تو بھاگے ہوئے لوگوں کو پکڑ سکتے تھے اور یہ سات آٹھ افراد جو حضور ﷺ کے اردگرد تھے ان کو بھی وہ نقصان پہنچا سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلوب پھیر دیئے گئے کہ یہ چیزیں ان کے ذہن میں نہیں آئیں، اور محض قدرت خداوندی کے ساتھ ہی جنگ کا رخ بدلا کہ وہ اس میدان کو چھوڑ کے واپس آگئے، جب وہ کئی میل باہر نکل آئے تو پھر ان کو خیال آیا کہ ہم نے یہ کیا کیا؟ اب تو موقع ایسا ملا تھا ہمیں تو پوری طرح صفائی کردینی چاہیئے تھی، واپس چلتے ہیں لیکن پھر مرعوب ہوگئے جس کا تذکرہ آگے غزوہ حمراء الاسد کے عنوان کے تحت آئے گا، دوبارہ ان کو ادھر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پھر زخمی صحابہ حضور ﷺ کے اردگرد اکٹھے ہوئے اور شہداء کو اکٹھا کیا گیا، ستر یا پچھتر کے قریب افراد شہید ہوئے، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی میدان میں ہوئی، اور پھر ان کی قبریں کھودی گئیں، ایک ایک قبر کے اندر دو دو تین تین کو لٹایا گیا، چونکہ زخموں کی وجہ سے سارے تھکے ہوئے تھے اور اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ قبر کھودیں خاص طور پر اس پہاڑی علاقہ میں تو ایک ایک قبر کے اندر کئی کئی کو لٹایا گیا اس طرح ان شہداء کو وہاں دفن کردیا گیا۔

اور یہ جو لڑائی پیش آئی اس میں جہاں مسلمانوں کو نقصان پہنچا اس کے ساتھ ہی کافروں کے، منافقوں کے، یہودیوں کے کچھ حوصلے بھی بلند ہوگئے،، جس طرح بدر کی لڑائی میں ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے اور وہ سمجھے تھے کہ اب مسلمانوں کو زیر کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ منافقانہ طور پر بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہود بھی دب گئے اور ان کی شرارتیں بھی کم ہوگئیں، اور اس غزوہ احد کے ساتھ ان کے حوصلے پھر کچھ بلند ہوگئے کہ یہ کوئی ایسی قوت نہیں ہے کہ جس کو شکست نہ دی جاسکے تو ان کو شکست بھی دی جاسکتی ہے۔

تو اس طرح مخالفوں کے حوصلے بلند ہونے کے بعد پھر چھیڑ چھاڑ کا دور زیادہ شروع ہوگیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس غزوہ کے حالات پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوا ان کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو نصیحتیں کی گئی ہیں اور جو صبر وتقویٰ کے اندر کچھ کمی ہوئی تھی اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے، اور کافروں اور مشرکوں کے سامنے مسلمانوں کی اس تکلیف کی حکمتیں واضح کی گئیں، اس لئے یہ واقعہ قرآن کریم کے اندر کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے یہ مختلف پہلو ہیں جن کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ابتدائی آیات کا مفہوم:

"واذ غدوت من اھلك" ان ابتدائی آیات میں واقعہ شروع ہو رہا ہے کہ یاد کیجئے! جس وقت آپ چلے صبح کے وقت اپنے گھر سے ٹھکانہ دیتے تھے آپ ایمان والوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر، لڑائی کے مورچوں میں یا لڑنے کے لئے آپ مختلف ٹھکانوں پر ٹھہراتے تھے، یہ وہ ابتدائی قصہ ہے جب حضور ﷺ احد سے چلے ہیں، اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے، مخالف موافق سب کی باتیں اللہ کو معلوم ہیں، یاد کیجئے! جس وقت تم میں سے دو گروہ بزدل ہونے لگے تھے قصد کیا انہوں نے کہ بزدل ہو جائیں، ہمت چھوڑ دیں پھر اللہ نے انہیں ہمت چھوڑنے نہیں دی، اللہ ان کا ولی تھا اس لئے ان کو سنبھال لیا، یہی واللہ ولیھما کا لفظ ہے جس کو بنو سلمہ اور بنو حارثہ اپنے لئے بشارت قرار دیتے ہیں "وعلی الله فلیتوکل المؤمنون" اس میں ان کے اس فعل کے اوپر انکار ہے کہ تم اس لئے حوصلہ چھوڑ رہے تھے کہ تعداد تمہاری کم ہو گئی اور بہت سارے افراد تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے، تعداد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ ساز و سامان پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

مومنوں کا کام ہے کہ نظر اللہ پر رکھیں جتنے اسباب اپنے بس میں ہوں ان کو تو جمع کرنا چاہیئے ان میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے لیکن اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ قرار دیتے ہوئے اپنی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے، توکل کا یہی معنی ہوتا ہے، توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کی بھی رعایت نہ رکھو ظاہری اسباب کی رعایت تو تھی کہ حضور ﷺ نے بھی زرہ پہنی اسلحہ اٹھایا، ساتھی اکٹھے کئے، جماعت بنائی یہ سب ظاہری اسباب تو ہیں، لیکن اپنی طاقت کے مطابق اور اپنے وسائل کے مطابق جس وقت اسباب ظاہری جمع ہو جائیں تو پھر یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اسباب کمزور ہیں، ہم ضرور شکست کھا جائیں گے، ہماری تعداد تھوڑی ہے دشمن ہمارے اوپر ضرور غالب آ جائے گا۔

پھر وہی بات ہے جو طالوت کے ساتھیوں نے کہی تھی "کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله والله مع الصابرین" تو صبر کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت ہوتی ہے، باقی قلت و کثرت کے اوپر فتح و شکست نہیں، ایمان والوں کا جذبہ یہی ہو کہ اپنی طرف سے ہمت میں کمی نہ کریں اور اپنی طرف سے ہمت صرف کر کے پھر بھروسہ اللہ پر کریں کہ فتح و شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے، اپنی قلت سے متاثر ہونا اچھی بات نہیں ہے اللہ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

"ولقد نصرکم الله ببدر" یہ مثال دے دی کہ پچھلے واقعہ کو دیکھو کہ اس وقت تمہاری تعداد کوئی زیادہ نہ تھی، اس وقت اسلحہ تمہارے پاس بہت نہ تھا، جس وقت اللہ نے تمہاری مدد کی اور تمہیں فتح دی تو وہاں بھی اللہ کی نصرت کے ساتھ ہی ہوا، اب بھی تمہیں چاہیئے تھا کہ اللہ کی نصرت پر ہی نظر رکھو کہ اللہ نے مدد کی تمہاری بدر کے میدان میں اس حال میں کہ تم

کمزور تھے بے سروسامان تھے یہ ہے اذلۃ کا مفہوم، یہ اعزہ کے مقابلہ میں ہے، اور اعزہ وہ ہوتے ہیں جو غالب ہوں، جن پر کوئی غالب نہ آسکے جو طاقت والے ہوں اس کے مقابلہ میں جب اذلہ بولیں گے تو اس سے کمزور اور بے سروسامان لوگ مراد ہوں گے، اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ونصرت کے تم شکرگزار رہو، تقویٰ پر اللہ کی طرف سے جو نصرت آتی ہے اس کی شکرگزاری یہی ہے کہ اللہ کے مزید احکام کی پابندی کرو اور مزید تقویٰ اختیار کرو۔

اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ بدر میں یا احد میں؟:

"اذتقول للمؤمنین" یہ آیات غزوہ احد سے متعلق ہیں یا غزوہ بدر سے اس میں مفسرین کی دونوں رائیں ہیں، بعض حضرات کے نزدیک یہ غزوہ بدر سے متعلق ہیں کہ غزوہ بدر میں حضور ﷺ نے مؤمنین کو تسلی دی تھی کہ جب اللہ کے سامنے نصرت کی دعا کی تو اللہ نے پہلے وعدہ کیا ہزار فرشتوں کا جس کا ذکر سورۃ انفال میں آئے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید اطمینان دلانے کے لئے تین ہزار کی بشارت دی، اور پھر جب مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ مشرک قرظ بن جابر بہت بڑا لشکر لے کر مشرکوں کی حمایت کے لئے آرہا ہے اس سے پھر خوف وہراس طبیعتوں میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کروں گا، اور یہ خبر جو دی جارہی ہے یہ محض بشارت اور تمہارے اطمینان قلب کے لئے دی جارہی ہے، ورنہ نصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے بغیر فرشتوں کی وساطت سے بھی اللہ غالب کرسکتا ہے، پھر یہ آیات بدر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کہ مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کی زبان سے یہ بشارتیں دلوائیں کہ یہ فرشتے اللہ کی طرف سے اتریں گے بطور مدد کے۔

اور بعض مفسرین نے اس کو غزوہ احد کے ساتھ ہی لگایا ہے کہ جب یہ منافقین تین سو کی تعداد میں واپس ہوگئے تو مسلمانوں پر طبعی طور پر اس کا کچھ اثر پڑا تو سرورکائنات ﷺ کی طرف سے ان کو بشارت دی گئی کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے اگر یہ تین سو واپس ہوگئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا اور جیسے مشرکوں کی طرف سے جوش وخروش کی خبریں آرہی ہیں، اگر اسی جوش وخروش کے ساتھ وہ حملہ آور ہو بھی جائیں گے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا، تین ہزار کی بشارت یوں مناسب ہوجائے گی کہ کفار کا لشکر تین ہزار تھا یا یہ واپس ہونے والے تین سو تھے تو اللہ نے دس گنا کرکے فرشتے ذکر کردیے۔

اور پانچ ہزار کی مناسبت اس طرح ہے کہ بڑے لشکر کے پانچ حصے ہوا کرتے ہیں اس لئے بڑے لشکر کو خمیس کہتے ہیں، پانچ حصے ہوا کرتے ہیں مقدمۃ الجیش آگے ہوا کرتے ہیں، میمنہ جو دائیں طرف ہوتے ہیں، میسرہ جو بائیں طرف ہوتے ہیں، ساقہ جو سب سے پیچھے ہوتے ہیں، قلب جو درمیان میں ہوتے ہیں، یہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں، گویا کہ

ایک ایک حصہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہزار ہزار فرشتے بطور مدد کے شامل ہوجائیں گے تو یہ غزوہ احد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بشارت دی تھی ، اس طرح اس کو غزوہ احد کے ساتھ بھی جوڑا جاسکتا ہے۔

یاد کیجئے جب آپ کہہ رہے تھے مؤمنوں کو کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ اللہ تمہیں مدد دے تین ہزار فرشتوں کی جو اتارے ہوئے ہوں گے یہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں جو عام طور پر دوسرے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر ٹھہرائے ہوئے ہیں، یہ وہ فرشتے ہوں گے جو جنگ میں شمولیت کے لئے اتارے جائیں گے، کیوں نہیں یعنی یہ بھی کافی ہیں لیکن آگے نیا وعدہ ہے کہ اگر تم مستقل مزاج رہے صابر رہے اور متقی رہے اور وہ لوگ تمہارے پاس اس جوش وخروش کے ساتھ آ گئے تو تمہیں تمہارا رب مدد دے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگانے والے ہوں گے، یعنی ان پر کوئی خصوصی علامات لگی ہوئی ہوں گی جس سے معلوم ہوگا کہ یہ جنگ میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔

اس خبر کو نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لئے مگر بشارت اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجائیں اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے، اصل مدد تو اللہ کی جانب سے ہے باقی فرشتوں کی تعداد وغیرہ دلوں کے اطمینان کے لئے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کیوں اتارے گا یہ مدد تمہیں کیوں دے گا تاکہ مشرکوں کے، کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے اور باقیوں کو خائب وخاسر کرکے واپس لوٹا دے، یا بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اگر اس کو بدر کے ساتھ لگائیں کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کیوں کی تاکہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے اور باقی خائب وخاسر ہوکر واپس لوٹ جائیں۔

لیس لک من الامر شیء کا شان نزول:

"لیس لک من الامر شیء "اس آیت کے شان نزول میں بھی دونوں قسم کی باتیں ہیں اگر تو اس کو غزوہ احد کے ساتھ لگایا جائے تو پھر اس کا مطلب یوں ادا کیا جائے گا کہ یہ منافق جو تین سو واپس لوٹ گئے ہیں آپ ان کی وجہ سے غمزدہ نہ ہوں اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، آپ نے جہاں تک تبلیغ کرنی تھی جہاں تک ان کو سمجھانا تھا سمجھا دیا اب اگر وہ سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہیں آئے تو اس میں آپ پریشان نہ ہوں، اللہ کے اختیار میں ہے چاہے آئندہ کے طور پر ان کی توبہ قبول کرلے اور ان پر رجوع کرے اور ان کو اچھا بنا دے کہ آئندہ اس قسم کی یہ لغزش نہ کریں، اور اگر اللہ تعالیٰ مناسب سمجھیں تو ان کو عذاب دیں، اسی نفاق کے اندر مبتلا رکھے اور اسی نفاق کے اوپر موت دے کہ بے شک یہ ظالم ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے، یوں بھی اس کا تعلق قائم کیا گیا ہے کہ ان منافقوں کے چلے جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوا

تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، آپ کے ذمہ تبلیغ تھی، آپ نے سمجھانا تھا سمجھا دیا اب ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو چاہے آئندہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے اور یہ توبہ استغفار کرلیں اور اللہ ان کی توبہ قبول کرلے یا ان کو نفاق پر ہی موت دے کر ان کو عذاب میں مبتلا کر دے، یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہے بخشے نیکی کی توفیق دے اور جس کو چاہے عذاب دے دے، آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے ہر قسم کا اختیار اللہ کے لئے ہے۔

اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آ گیا تو اس وقت آپ نے کافروں کے لئے ایک بددعا کرنی چاہی یا اس قسم کے الفاظ آپ کی زبان پر آئے کہ اس قوم کا کیا حال ہوگا یا وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ حال کیا، اور اشارہ اپنے دانت کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت اتاری کہ آپ صبر و تحمل رکھیں اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ کی حکمتیں ہیں چاہے ان کافروں کو توبہ کی توفیق دے دے اور ان کو نیکی کی توفیق دے کر ان کے لئے مغفرت کا سامان پیدا کر دے یہ بھی اللہ کے اختیار کی بات ہے، اور چاہے تو یہ اپنے کفر و شرک کے اوپر پڑے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دے یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے آپ اس معاملہ میں کوئی دخل نہ دیں۔

تو زخمی ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بددعا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت یہ آیت اتری، دونوں طرح اس آیت کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے، بہر حال یہ آیات غزوہ احد سے متعلق ہیں یا غزوہ بدر سے، نہیں ہے آپ کے لئے امر سے کچھ بھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رجوع کرے ان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے پس بے شک یہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بخشے گا جس کو چاہے گا عذاب دے گا جس کو چاہے گا اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا

اے ایمان والو سود نہ کھایا کرو کئی کئی گنا بڑھا یا ہوا ، اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَ

اللہ تعالیٰ سے تا کہ تم فلاح پاجاؤ ﴿۱۳۰﴾ اور بچو تم آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے ﴿۱۳۱﴾ اور

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ۚ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے

رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ الَّذِيْنَ

رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین ہیں تیار کی گئی ہے متقین کے لئے ﴿۱۳۳﴾ جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تکلیف میں اور غصہ کو دبانے والے ہیں اور درگزر کرنے والے ہیں

عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا

لوگوں سے ، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ﴿۱۳۴﴾ وہ لوگ جس وقت کرلیتے ہیں

فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۖ

کوئی فاحشہ یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پھر استغفار کرتے ہیں اپنے گناہوں کے لئے ،

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۖ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا

کون گناہوں کو بخشتا ہے سوائے اللہ کے ، اور وہ اصرار نہیں کرتے اس کام پر جو انہوں نے کیا

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ یہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغات ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ؕ

جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ، عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے ﴿۱۳۶﴾

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا

تحقیق گزر گئے تم سے پہلے بھی واقعات ، پس تم زمین میں چلو پھرو پھر تم دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ﴿۱۳۷﴾ یہ لوگوں کے لئے وضاحت ہے اور ہدایت ہے

وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور نصیحت ہے متقین کے لئے ﴿۱۳۸﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

شروع میں غزوہ احد کا ذکر آیا تھا جس کے ضمن میں کچھ بدر کے واقعات کی طرف اشارہ کر دیا گیا تھا اور یہ آیات جن کا ترجمہ کیا گیا ہے ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو کچھ ہدایات دی ہیں، اور ان ہدایات کا حاصل یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیجئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہ ہونے پائے، بدر کے اندر صبر وتقویٰ مضبوط تھا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت حاصل ہوئی، اور احد کے اندر بعض معاملات میں صبر وتقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محرومی ہوئی، تو جس وقت تک تم صبر وتقویٰ کو اختیار کیے رہو گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل رہے گی تو اس میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے چونکہ جہاد کے لئے یہ بھی بہت ضروری ہے، جس طرح جہاد میں جانی قربانی دی جاتی ہے اسی طرح مال کی قربانی بھی دی جاتی ہے کہ جب تک خرچ نہیں کریں گے اس وقت تک جہاد کی تیاری نہیں ہوگی، اصل مقصود خرچ کی ترغیب دینا ہے۔

سود کی حرمت میں حکمت:

خرچ کرنے کی ترغیب دینے سے پہلے سود لینے کی ممانعت کر دی، سورۃ البقرۃ کے آخری حصہ میں آپ کے سامنے گذر چکا کہ سود صدقہ کے ساتھ تضاد کا تعلق رکھتا ہے، اللہ کے راستہ میں مال وہ شخص خرچ کر سکتا ہے جس کے دل میں مال کی محبت نہ ہو بلکہ آخرت کی قدر ہو، اور سود خور انتہائی طور پر مال کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے کہ اگر کسی کو بوقت ضرورت وہ قرض دیتا ہے تو اپنے پیسے واپس لیتا ہے اور صرف اپنے پیسے ہی واپس نہیں لیتا تھوڑا سا وقت جو اس نے اس کے مال سے فائدہ اٹھایا ہے اس کی قیمت بھی وصول کرتا ہے، تو یہ انتہائی بخل اور مال کے ساتھ انتہائی محبت کی علامت ہے، تو جب کوئی

شخص مال کی محبت میں اس طرح مبتلا ہو جائے تو پھر وہ مال اللہ کے راستہ میں صدقہ خیرات کے طور پر نہیں دے سکتا، اور جب مال کے بارے میں اتنا بخل ہوگا تو جان کے بارے میں بھی بخل کرے گا۔

ایثار اور ہمدردی اللہ کے راستہ میں، اپنی جان اور مال کی قربانی یہ سود کھانے والوں سے ممکن نہیں ہوتی اور اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے اردگرد چونکہ یہود کے قبائل آباد تھے اور یہود سودی کاروبار بہت کرتے تھے، اور سرورکائنات ﷺ کے تشریف لانے سے قبل اوس اور خزرج اور دوسرے قبائل کے بھی ان کے ساتھ یہی سودی معاملات چلتے رہتے تھے، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد سرورکائنات ﷺ نے سود کی ممانعت کردی کیونکہ یہ مالی نشیب وفراز بہت زیادہ پیدا کردیتا ہے ایثار اور ہمدردی سے انسان محروم ہو جاتا ہے اور پھر اب یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہود کے ساتھ تعلقات چھوڑ دو "لاتتخذوا بطانۃ من دونکم لا یألونکم خبالا" تو ان تعلقات کے قطع کرنے کے لئے بھی سود کی ممانعت مفید ہے کہ جس وقت تک یہ سودی کاروبار چلتے رہیں گے اس وقت تک مسلمانوں کے تعلقات ان یہودیوں کے ساتھ رہیں گے، اور جب سودی معاملات چھوٹ جائیں گے تو یہودیوں کے ساتھ قطع تعلق ہو جائے گا۔

"اضعافاً مضاعفة" کی قید واقعہ کا بیان ہے:

بہر حال اسی مقاصد کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں سود کی ممانعت کی ہے اور سود کی ممانعت کرتے ہوئے لفظ یہ آئے "لاتأکلوا الربا اضعافا مضاعفة" کہ کئی گنا سود نہ کھایا کرو یہ "اضعافا مضاعفة" کی جو قید لگائی ہے یہ احترازی نہیں بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہے، احترازی اگر ہو تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ تھوڑا بہت تو کھالیا کرو لیکن جو اصل کے مقابلہ میں کئی گنا ہو جائے وہ نہ کھایا کرو، یہ مطلب غلط ہے، چونکہ قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ مطلقاً ربا کی حرمت مذکور ہے،"احل اللہ البیع وحرم الربوا "اور سود کھانے والوں کی مذمت بھی علی الاطلاق کی گئی ہے، تھوڑا کھائیں یا زیادہ کھائیں۔

اور سرورکائنات ﷺ نے اپنی کلام پاک میں بھی سود کے ایک ایک درہم کی مذمت بیان فرمائی ہے اس لئے سود کی حرمت کا تعلق اس سے نہیں کہ وہ اصل سے بڑھ جائے بلکہ کم سے کم ہو تو بھی وہ حرام ہے اس کی حرمت دوسری آیات اور صحیح روایات سے ثابت ہے اور یہاں جو " اضعافامضاعفة"کی قید لگائی ہے یہ اس کی قباحت کو زیادہ مستحضر کرنے کے لئے ہے جس طرح دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے کوئی شخص یوں کہے کہ بھائی مسجد میں گالی نہ دو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مسجد کے باہر گالی دینا جائز ہے بلکہ گالی کی زیادہ قباحت ظاہر کرنے کے لئے ایک نقشہ سامنے حاضر کردیا کہ دیکھو تم مسجد میں گالی دیتے ہو گالی تو مطلقاً بھی ممنوع ہے اور پھر مسجد میں دینا اور بھی زیادہ ممنوع ہے، تو یہ قید واقعہ کے مطابق ہوتی ہے تو اس وقت بھی لوگوں کے ہاں سود ایسے ہی چلتا تھا کہ ایک سو روپیہ دیتے اور اس کے اوپر دس روپے سود لگتا پھر اگر وقت پر وہ ادا نہ

کر سکے تو ایک سو دس کو اصل قرار دے کر پھر اوپر سود لگا دیتے جس کو سود در سود کہتے ہیں کہ سود کو اصل رقم کے اندر شامل کر کے پھر اس کے اوپر سود لگاتے رہتے تو ایک سو روپیہ سود پر دے کر ہزاروں روپے یہ لوگوں سے وصول کرتے ہیں تو "اضعافامضاعفة " کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، بہت گھناؤنی چیز ہے کہ جتنے پیسے تم نے دیے تھے اس سے کئی کئی گنا زیادہ وصول کر و کتنی بری بات ہے تو زیادہ قباحت ظاہر کرنے کے لئے یہ قید لگائی ہے۔

ورنہ یہ مطلب نہیں کہ سود اگر کم ہو تو جائز ہے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے، یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعہ کا بیان ہے اور زیادہ قباحت کو بیان کرنے کے لئے لگائی گئی ہے، سود نہ کھایا کرو کئی کئی گنا زیادہ، اس صورت میں خود اس کی قباحت زیادہ نمایاں ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ یعنی آج دنیا کا نظریہ یہ ہے کہ سود لینا اور سودی کاروبار کرنا یہ کامیابی کا ذریعہ ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان مالی مشکلات میں اسی لئے مبتلا ہیں کہ یہ سودی کاروبار نہیں کرتے، یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان یہ ہے کہ فلاح اسی میں ہے کہ تم سود کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو، اہل ایمان کا جذبہ یہی ہونا چاہیئے کہ چاہے دنیا کی کامیابی ہے چاہے آخرت کی کامیابی ہے یہ اللہ کے احکامات ماننے میں ہے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں نہیں ہے، " لعلکم تفلحون" میں اسی بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کو قبول کرو۔

مؤمنین کا جہنم میں جانا دائمی نہیں:

"واتقوا النار التی " بچو جہنم سے جو کہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے یہ لفظ آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں بھی آئے تھے، وہاں عرض کر دیا گیا تھا کہ جہنم اصل کے اعتبار سے تو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے لیکن مؤمن جس وقت تک اس کے اندر کوئی کفر کا شعبہ نہ پایا جائے اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا، کفر ہے دو قسم کا، ایک ہے کفر اعتقادی اور ایک ہے کفر عملی، کفر اعتقادی اگر ہو گا تو جہنم اسی کے لئے ہے وہ تو دائما اس میں رہے گا اس کو اس سے نکلنا نصیب نہیں ہو گا اور جس وقت کفر اعتقادی تو نہیں ہے البتہ کوئی کام کافروں والا ہو گیا اللہ تعالیٰ کی معصیت کا جو شعبہ بھی ہے وہ سب کفر کا شعبہ ہے، اگر کوئی شخص ان نافرمانیوں میں سے کسی نافرمانی کو اختیار کرتا ہے مثلاً نماز نہیں پڑھتا تو نماز نہ پڑھنا یہ بھی کافروں کا کام ہے، زکوٰۃ نہیں دیتا تو زکوٰۃ نہ دینا یہ بھی کافروں کا کام ہے، حج نہیں کرتا تو حج نہ کرنا یہ بھی کافروں کا کام ہے، یا اسی طرح کسی بدمعاشی، فسق وفجور کے اندر مبتلا ہوتا ہے تو یہ ساری کی ساری چیزیں کفر کے شعبے ہیں ایمان کے شعبے نہیں۔

تو جس وقت کوئی شخص اس کفر کے شعبہ کو اختیار کرتا ہے عملی طور پر تو اس عملی مشابہت کی بناء پر وہ جہنم میں جائے گا، لیکن فرق یہ ہو گا کہ اگر اس میں صرف عملی کفر تھا تو سزا پائے گا اور سزا پانے کے بعد بخشا جائے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت کے ساتھ ابتداءً بھی معاف فرما دے، بہر حال گناہ گار آدمی جس کا عقیدہ صحیح ہو وہ دائمی جہنمی نہیں، دائمی جہنمی

وہی ہے جو عقیدۃً کافر ہے، باقی مومن جو جہنم میں جائے گا تو اس کافر کی مشابہت کی بناء پر جائے گا، اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف نہ کرے یا کسی کی سفارش سے جان نہ چھوٹے تو اس عملی کفر کی سزا پانے کے لئے وہ جہنم میں جائے گا اور جس وقت وہ سزا پوری ہو جائے گی اللہ کے علم کے مطابق تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا پھر وہ نجات پا جائے گا، تو مومن آخر کار ناجی ہے یہ اصل تیار کافروں کے لئے کی گئی ہے۔

اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم:

"واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، یہاں دو لفظ بولے گئے اللہ اور رسول، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اب اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام صراحتاً اترتے ہیں جیسے کتاب اللہ میں آ گئے، ان کو اگر آپ براہ راست مانتے ہیں تو یہ اللہ کی اطاعت ہے اور اس کے علاوہ رسول کا یہ منصب ہے کہ وہ آپ کو ایسے احکام بھی دے سکتا ہے کہ جن کا ذکر صراحتاً کتاب اللہ کے اندر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول کا منصب بیان کیا ہے، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت تو تعلیم کا تعلق اس کے ساتھ ہی ہے کہ لفظی ترجمہ کے علاوہ اس کا کچھ مفہوم بھی سمجھا جائے اور حکمت سے سنت بھی مراد لی گئی ہے، اور رموز و نکات جو کتاب اللہ سے ثابت ہوتے ہیں وہ بھی مراد ہیں، تو جب رسول کا منصب ہے کہ وہ معلم کتاب ہے اس لئے جو کچھ وہ اس کتاب کی تعلیم کے تحت کہیں گے ان کا ماننا بھی ضروری ہوا اب چونکہ وہ صراحتاً تو قرآن کریم میں ہوں گی نہیں، نسبت ان کی رسول کی طرف ہو گی چاہے حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی اللہ کی بات ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" یہ رسول اپنی خواہش نفس کے تحت نہیں بولتا، ایسی باتیں نہیں کہتا جو اس کی خواہش نفس سے ناشی ہیں جو کہتا ہے اللہ کی طرف سے وحی شدہ ہوتی ہیں، چاہے الفاظ اس کے وحی شدہ ہوں چاہے کوئی مفہوم وحی شدہ ہو چاہے اصول وحی ہوں اور ان سے وہ مستنبط کر کے کہتا ہے۔

بہر حال ان کا بیان کردہ کوئی حکم ہوائے نفس سے ناشی نہیں ہے، ہوتا سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو جب رسول کا منصب یہ ہے تو جو کچھ رسول بیان کرے گا اس کا ماننا بھی ضروری ہوا، اس لئے ان کا ذکر علیحدہ کر دیا گیا اگر رسول نے صرف وہی بات کہنی ہو جو کتاب اللہ کے اندر آئی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ رسول کا کوئی دوسرا منصب نہ ہو تو پھر صرف "اطیعوا اللہ" کہنا کافی تھا "اطیعو االرسول" بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جگہ جگہ جو رسول کے اس منصب کو بیان کیا ہے "لتبین للناس مانزل الیھم" تاکہ تو واضح کرے لوگوں کے لئے اس چیز کو جو ان کی طرف اتاری گئی یا "ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا" جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لیا کرو، اور جس سے روکے اس سے رک جایا کرو، رسول کا یہی منصب بیان کرنا مقصود ہے۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص اپنے عیش وعشرت کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے یا میری کوئی نہی آئے اور وہ کہے کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے جو ہم اس میں پائیں گے ہم اس کی اتباع کریں گے تو ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ میں بھی لوگوں کو احکام دیتا ہوں اور اس قسم کے احکام دیتا ہوں جن کی اتباع ضروری ہے اور وہ قرآن کریم میں مذکور نہیں بلکہ میرے بیان کردہ احکام قرآن کریم کے بیان کردہ احکام سے زیادہ ہیں بہرحال ''الرسول'' کا لفظ جو مستقل طور پر ذکر کیا گیا تو معلوم ہو گیا کہ رسول کی ایسی بات جو صراحتاً قرآن کریم میں مذکور نہیں اس کو ماننا بھی ضروری ہے، اور اصل کے اعتبار سے اطاعت رسول وہی کہلائے گی۔

اولوالامر کی اطاعت کا حکم:

جیسے ایک اور آیت آئے گی جس میں ایک لفظ اور بڑھا ہوا ہوگا ''اطیعو االله واطیعو اارسول واولی الامر منکم'' اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت بھی کرو، اب اولی الامر سے کون مراد ہیں حکام مراد ہیں یا علماء اس میں دونوں باتیں ہیں، اطاعت رسول ان باتوں میں ہوگی جو اللہ نے صراحتاً نہیں کہیں، اور اولی الامر کا لفظ جو آ گیا تو اس سے مراد ایسی باتیں ہوں گی جو اللہ اور اللہ کے رسول نے صراحتاً نہیں کہیں، اگر اولی الامر نے بھی وہی بات آپ کو بتائی ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول نے صراحتاً کہی ہے تو پھر اس لفظ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی، یہ لفظ جو بڑھایا گیا تو معلوم ہو گیا کہ اولوالامر کا ایک منصب ایسا بھی ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کہیں جن کا ذکر صراحتاً قرآن کریم میں نہیں، صراحتاً حدیث شریف میں نہیں تو ان باتوں کا ماننا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی سے تعلق نہ رکھتی ہوں کہ ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' (مشکوٰۃ ص ۳۲۱) خالق کی معصیت جہاں لازم آتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی۔

اگر تو اولوالامر سے حکام مراد ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے ملکی انتظام کے لئے جو ہدایات دیں ان کا ماننا ضروری ہے اور شرعی فرض ہے اور گر علماء ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن اور حدیث کی طرف دیکھتے ہوئے جو احکام وہ مستنبط کرتے ہیں جن کا ذکر صراحتاً قرآن اور حدیث کے اندر نہیں ہے، ان کا ماننا بھی ضروری ہے تو یہ تیسرے لفظ کا بڑھانا اسی لئے ہے کہ صراحتاً وہ بات آپ کو نہ اللہ کی کلام میں ملے گی نہ رسول اللہ ﷺ کی کلام میں ملے گی، اس قسم کے احکام جو ہوں گے ان کا ماننا ضروری ہوگا، اور اس قید کے ساتھ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے خلاف نہ ہوں، اولوالامر کا کہنا ماننے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی لازم نہ آئے، اگر ان کی

نافرمانی لازم آئے گی تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کا حق مقدم ہے، اور اگر وہ ایسی بات کہتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے ساتھ موافقت رکھتی ہے چاہے صراحتاً حکم ان کی کلام کے اندر موجود نہیں ہے اس کا ماننا واجب ہے پھر اس کی نافرمانی درست نہیں ہے۔

انتظامی امور میں یہ چیزیں آجایا کرتی ہیں جس وقت تک حاکم کی اطاعت کا اصول نہ اپنایا جائے اس وقت تک دنیا کا نظم ٹھیک نہیں رہ سکتا اس لئے یہ ہدایت دے دی گئی۔

حجیت حدیث پر استدلال:

"لعلکم ترحمون" تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے، تو حجیت حدیث کے لئے یہ لفظ دلیل ہے کہ حدیث بھی حجت ہے، کیونکہ حدیث کا مطلب یہاں یہی ہے کہ جو حکم صراحتاً کتاب اللہ میں مذکور نہیں اور سرور کائنات ﷺ کی حدیث میں ہے اس کا ماننا بھی ضروری ہے، چاہے وہ حکم ایسا ہو کہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی اشارہ موجود نہیں ہے چاہے وہ حکم قرآن کریم میں مجمل آیا ہوا ہے، اور اس کی تفصیل اللہ کے رسول نے بیان کر دی، جیسے قرآن کریم نے کہا کہ نماز قائم کرو لیکن اس کا کوئی عملی نقشہ کتاب اللہ میں نہیں دکھایا گیا، رکوع سجدہ کا ذکر ہے لیکن کوئی پتہ نہیں رکوع کا طریقہ کیا ہے، سجدہ کا طریقہ کیا ہے، سجدہ کس طرح کرنا ہے نماز اپنی پوری ہیئت کذائیہ کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے، سرور کائنات ﷺ نے اس کے مطابق عمل کر کے دکھا دیا کہ اس ہیئت کے ساتھ نماز ادا کرنا، ان اوقات میں اتنی رکعات اتنے رکوع اور اتنے سجدے یہ ساری کی ساری اطاعت رسول ہے۔

تو نماز پڑھنی فرض ہے اور اس طرح پڑھنی فرض ہے جس طرح حضور ﷺ نے پڑھ کر دکھائی ہے یا سکھائی ہے تو مجمل لفظ آگیا اس کی تشریح حضور ﷺ نے کر دی، اسی طرح زکوٰۃ ہے، قرآن نے کہا ہے کہ زکوٰۃ دو، اب کس کس مال میں سے دینی ہے، کتنا مال ہو تو دینی ہے، اور کس مقدار کو ادا کرنا ہے، جانوروں میں کیا اصول ہے، سونا چاندی میں کیا اصول ہے، مال تجارت میں کیا اصول ہے یہ ساری کی ساری وضاحت اللہ کا رسول کرے گا ان باتوں کو ماننا یہ اطاعت رسول ہے۔

"وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم" بھاگ کے چلو، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو کیونکہ نیکی میں مسارعت مرغوب ہے۔

فاستبقوا الخیرات کا مفہوم:

مقابلہ کرو ایک دوسرے کے ساتھ، کوشش کرو کہ میں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اللہ کی رحمت حاصل کرلوں،

دوسرے سے زیادہ اللہ کی مغفرت حاصل کروں، نیکی کے اندر مقابلہ یہ مطلوب ہے، "فاستبقوا الخیرات" نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، اپنے رب سے مغفرت کی طرف، مغفرت کی طرف دوڑنے کا مطلب موجبات مغفرت کی طرف دوڑنا، یعنی وہ کام کرو جن کی بناء پر تمہارے رب کی طرف سے مغفرت حاصل ہوتی ہے، اور اسی طرح وہ کام کرو جن کی وجہ سے جنت حاصل ہوگی، اور جنت کو معمولی نہ سمجھو "عرضها السمٰوٰت والارض" اگر تو یہ عرض طول کے مقابلہ میں ہے پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی زمین اور آسمان باقی طول کا حال اللہ جانے، اتنی لمبی چوڑی وہ جنت ہے۔

اور عرض سے مراد قیمت بھی لی گئی ہے عرض سامان کو بھی کہتے ہیں جو مقابلہ میں پیش کیا جائے، مطلب یہ ہے کہ جنت اتنی قیمتی چیز ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے مقابلہ میں آجائیں تو بھی جنت زیادہ قیمتی ہے، یہ ترجمہ بھی بعض تفاسیر میں کیا گیا ہے لیکن مشہور ترجمہ وہی ہے کہ عرض سے طول کے مقابل مراد ہے اور اس میں جنت کی وسعت بیان کرنی مقصود ہے، "اعدت للمتقین" یہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے، متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہو اور آگے جیسے جیسے عمل کے اندر تقویٰ آئے گا اتنا ہی جنت کی طرف انسان زیادہ قریب ہوتا چلا جائے گا، اور تقویٰ میں خلل ہوگا تو جہنم کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔

اور جس شخص کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے اس میں ادنیٰ درجہ کا بھی تقویٰ نہیں ہے چونکہ عقیدہ صحیح نہ ہو تو اعمال کا کوئی اعتبار نہیں ایسے شخص کا جنت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے مؤمن اگر گناہ کرتا ہے تو اس گناہ کی بناء پر اس کو جہنم میں تو بھیجا جائے گا، اور سزا بھگت کے واپس آجائے گا، لیکن اگر کافر کوئی نیکی کرتا ہے تو کافر کی اس نیکی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے اس نیکی کی بناء پر وہ جنت کا حقدار نہیں ہوگا، عقیدہ کے فساد کے بعد عملی نیکی کا کوئی درجہ نہیں ہوتا، "اعدت للمتقین" یہ متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

متقین کی صفات اور ان کی جزا:

اب آگے متقین کی کچھ صفات بیان کردیں جن کا حاصل کرنا متقی بننے کے لئے ضروری ہے، اور جس وقت یہ حاصل ہو جائیں گی تو اس کے بعد جزا یہی ہے کہ " اولئك جزاء هم مغفرة من ربهم وجنات" اور یہی مغفرت اور جنت ہے جس کی طرف بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ جو آپ کو کہا گیا ہے کہ اللہ کی مغفرت حاصل کرنے کی کوشش کرو اور جنت حاصل کرنے کی کوشش کرو اس کا راستہ بتادیا کہ یہ راستہ ہے جب تم اس راستہ پر چلو گے تو اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ گے تو متقین کی

جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہیں، "الذین ینفقون فی السراء والضراء" متقین وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی، یعنی ان کو خرچ کرنے کی عادت ہے، ان کے پاس تھوڑا ہو اس میں سے خرچ کرتے ہیں، زیادہ ہو اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اصل یہ ہے کہ ان میں انفاق کا جذبہ ہوتا ہے یعنی دوسرے سے لینے کا جذبہ نہیں ہوتا، دینے کا جذبہ ہوتا ہے، اور ایمان کا تقاضا اصل میں یہی ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ ہو اور پھر اس انفاق کو یہاں عام ذکر کیا ہے اس کا مفعول مال ذکر نہیں کیا تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی کے پاس مال ہے تو مال خرچ کرے اور اگر مال خرچ نہیں کر سکتا تو پھر جو چیز بھی اس کے پاس ہے اس کو اللہ کے راستہ میں لگائے اور مخلوق کو فائدہ پہنچائے۔

اس لئے مال اگر نہ ہو تو علم کی نشر و اشاعت، بدنی قوت اگر آپ کو حاصل ہے تو بدنی قوت کا اللہ کے راستہ میں صرف کرنا اور لوگوں کو بدنی قوت کے ساتھ ہی فائدہ پہنچانا یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے اندر داخل ہے جیسا کہ مفسرین نے تعمیم کی ہے، تو "ینفقون" کے بعد "اموالھم" ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو عام چھوڑا ہے تنگی میں کشادگی میں جو چیز بھی آپ اللہ کے راستہ میں صرف کر سکتے ہیں صرف کیجئے، مال ہے تو مال کو صرف کیجئے، اللہ نے علم دیا ہے تو علم کو صرف کیجئے، بدنی قوت دی ہے تو بدنی قوت کو صرف کیجئے، بہر حال مخلوق کی خدمت اللہ کی رضا کے لئے کرنا بھی انفاق میں شامل ہے۔

اور سراء اور ضراء دونوں لفظ بول دیے کیونکہ بسا اوقات تنگی ہوتی ہے تو انسان اللہ سے غافل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات خوشحالی ہوتی ہے تو اللہ سے غافل ہو جاتا ہے، متقی وہ ہوتا ہے جو نہ تنگی میں اللہ کو بھولتا ہے اور نہ کشادگی میں اللہ کو بھولتا ہے، دونوں ہی صورتوں میں وہ اللہ کے راستہ میں اپنی صلاحیتیں اور مال سب صرف کرتا ہے یہ مخلوق کو فائدہ پہنچانے والی بات ہے۔

"والکاظمین الغیظ" غصہ کو دبانے والے ہیں یعنی انسان جس وقت اپنی انسانی برادری میں رہتا ہے تو بہت سارے واقعات ایسے ہیں جو طبیعت کے خلاف پیش آتے ہیں اور جب طبیعت کے خلاف واقعات پیش آتے ہیں تو پھر غصہ بھی آتا ہے اور غصہ کے آنے کے بعد پھر انسان لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا ہے، دوسرے پر ہاتھ اٹھاتا ہے، اگر وہ شخص جس کو غصہ آیا ہے انتقام لینے پر قادر ہے اور قدرت کے باوجود اپنا غصہ دبا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یا اللہ! تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب بندہ تجھے کون سا ہے؟ کس بندے سے تجھے زیادہ محبت ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ جو قادر ہونے کے باوجود معاف کر دے، اگر کوئی شخص انتقام لے ہی نہیں سکتا تو صبر تو وہ بھی کرے گا لیکن اس کے صبر میں اتنا کمال نہیں ہے کہ جتنا

ایسے شخص کے صبر میں کمال ہے کہ جو ہر طرح سے سزادے سکتا ہے، انتقام لے سکتا ہے، بدلہ لے سکتا ہے لیکن پھر وہ معاف کردے، اور انسانی برادری کے اندر یہ عادت بہت اہم ہے چونکہ ایک دوسرے سے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اگر ہر شخص اپنی تکلیف پر انتقام لینے کی کوشش کرے گا تو کبھی بھی ماحول کے اندر سکون اور اطمینان پیدا نہیں ہوسکتا، غصہ دبانے کی کوشش سکون اور اطمینان پیدا کرتی ہے کہ اگر کسی بات پر غصہ آ بھی جائے اس کو دبا جاؤ اس کو ہمیشہ آگے چالو نہ کردیا کرو۔

"والعافین عن الناس" اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں کہ اگر کوئی اپنے حق میں کوتاہی ہوہی گئی یا بدنی طور پر کوئی تکلیف پہنچ گئی یا عزت کو کوئی نقصان پہنچ گیا، دوسرے کی طرف سے کوئی ایسا معاملہ ہوگیا جو باعث تکلیف ہے تو درگزر کرجاتے ہیں " واللہ یحب المحسنین " صرف یہی نہیں کہ معاف کردیتے ہیں بلکہ احسان کی صفت بھی ان میں پائی جاتی ہے کہ اپنے ستانے والوں پر الٹا احسان کرتے ہیں اور جو بھی احسان کرنے والا ہو اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، یہاں بھی وہی بات ہے کہ دوسرے کو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا جائے یہ بھی خوبی ہے، لیکن اگر برائی کرنے والے کے ساتھ پھر احسان کیا جائے تو اور بھی زیادہ خوبی کی بات ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

بدی را بدی سھل باشد جزاء

اگر مردی احسن الیٰ من اساء

کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے یہ تو عام آدمی بھی کرسکتا ہے کہ برائی کے بدلہ میں برائی کرلے جس طرح عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیئے، بدی کے مقابلہ میں بدی یہ آسان ہے اگر تو جوان مرد ہے بہادر ہے تو احسان کر اس شخص کے ساتھ جو تیرے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے۔

یہی اصول ہے صلہ رحمی میں کہ اگر کوئی رشتہ دار آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے آپ مقابلہ میں اچھا برتاؤ کرتے ہیں یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن زیادہ قابل تعریف نہیں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی یہی ہے کہ تمہارے ساتھ اگر کوئی قطع رحمی سے پیش آئے تو تم اس سے صلہ رحمی سے پیش آؤ، تو یہ ہے احسان کا جذبہ، کظم غیظ اور عفو کے بعد احسان کا درجہ ہے کہ غصہ کو دبا جاؤ، دوسرے کی کوتاہی سے درگزر کرجاؤ اور پھر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یہ صفت حاصل کرو گے تو تب جاکے انسان کامل درجہ کا متقی بنتا ہے اور اس شخص کے متعلق ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ایسے شخص کے لئے تیار کی ہے اور یہی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعلیٰ درجہ کی مغفرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔

"والذین اذا فعلوا فاحشۃ" اور یہ متقی وہ لوگ ہیں کہ جس وقت کوئی فاحشہ کرلیتے ہیں، کوئی گناہ کرلیتے ہیں

جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے "او ظلموا انفسھم " کے اندر آجائے گا کہ ایسا گناہ کرتے ہیں کہ جس کا اثر معاشرہ پر نہیں پڑتا، دوسروں پر نہیں پڑتا، اپنا ہی ذاتی نقصان ہے اور اگر کوئی شخص ظلم وستم کرتا ہے تو ایسا گناہ ہے کہ اس میں اس کا اپنا نقصان بھی ہے اور دوسروں تک بھی یہ نقصان متعدی ہوتا ہے، یا فاحشہ سے مراد کھلی بے حیائی ہے، اور "ظلموا انفسھم" ایسا گناہ جو عام طور پر لوگوں کے اندر شہرت نہیں رکھتا" فاحشة" اور" ظلموا انفسھم " کے اندر تمام گناہ آجائیں گے کہ جب وہ کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں، یا ایسا کام کر بیٹھتے ہیں کہ جس کا نقصان دوسروں تک پہنچتا ہے یا اپنے نفسوں پر ظلم کر لیتے ہیں تو" ذکروا الله" اللہ کو یاد کرتے ہیں، "فاستغفروا لذنوبھم " پھر اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب بھی انسان سے گناہ صادر ہوتا ہے تو اللہ کے ذکر سے غفلت کی بناء پر صادر ہوتا ہے، اور اگر اللہ یاد رہے اور اللہ کا ذکر ہو تو پھر انسان کا نفس اللہ کی معصیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

اگر بشری کمزوری کے تحت کسی وجہ سے گناہ صادر ہو بھی جائے تو فوراً اللہ کو یاد کریں اور پھر اپنے گناہوں پر استغفار کریں، اور اللہ کے علاوہ گناہوں کو بخش کون سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی بخشتا ہے، "ولم یصروا علیٰ مافعلوا " اور یہ لوگ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں اس بات کو کہ ہم نے گناہ کیا اور استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے، نہیں استغفار کریں گے تو اللہ کی طرف سے سزا ہوگی ان باتوں کو جانتے ہوئے وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے یہ بھی متقین کی صفت ہے، یعنی انسانی دنیا کے اندر چونکہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں، انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی کمزوریاں رکھی ہیں کہ جن کی بناء پر یہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اپنے ماحول سے تأثر کی بناء پر نفسی تقاضہ سے انسان پھسل جاتا ہے تو متقی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے سرے سے گناہ ہی نہ ہو یہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرے لوگوں کے لئے مشکل ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے گناہ نہیں ہوتا وہ ہر طرح سے پاک ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کتنا ہی عظیم انسان کیوں نہ ہو اس معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اس سے لغزش ہو جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی وہ اس قسم کی کوتاہی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم گناہ کا نام دیتے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اللہ کو یاد کر کے فوراً اپنے گناہ سے استغفار کر لیا جائے، جس قسم کا گناہ اس کے مطابق توبہ، اگر کسی کا مالی نقصان کیا ہے تو یہ حق ادا کر دو یا اس سے معاف کرواؤ، پھر اللہ سے استغفار کرو تب وہ گناہ معاف ہوگا، کوئی فرض چھوٹ گیا ہے مثلاً نماز نہیں پڑھی تو پہلے قاعدہ کے مطابق اس کو قضا کرو پھر اللہ سے استغفار کرو طریقہ یہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسا کام ہو گیا شریعت نے جس کا کفارہ متعین کیا ہے تو اس کا کفارہ دو، قضا متعین کی ہے تو قضا کرو، جو طریقہ شریعت نے بتایا ہے اس گناہ کو مٹانے کا وہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

جن لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کی جزا ہے مغفرت ان کے رب کی طرف سے اور باغات جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے، اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے، تو جس مغفرت اور جنت کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو مسارعت کا حکم دیا گیا تھا گویا کہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ یہ صفتیں اپناؤ، اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اور غصہ کو دبا جایا کرو، لوگوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور مخلوق کے ساتھ احسان سے پیش آؤ، اور اگر کوئی گناہ کا کام ہو بھی جائے تو فوراً اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہ کی معافی مانگو اور دل میں یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ معاف نہیں کر سکتا، کبھی بھی یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہم سے غلطی ہو گئی اس کے اوپر اصرار نہ کرو جس وقت یہ صفتیں اپناؤ گے تب وہ مغفرت اور جنت حاصل ہو گی جس کے حصول کے لئے تمہیں مسارعت کا حکم دیا گیا ہے۔

زمین میں چلو پھرو اور مکذبین کا انجام دیکھو:

"قد خلت من قبلکم سنن" یہاں پھر تاریخ کا حوالہ ہے کہ تم سے پہلے بہت واقعات گذر گئے اگر تم غور کرو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جنہوں نے صبر و تقویٰ کو اپنایا کامیاب وہی رہے، اور زمین کے اندر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا، تمہارے سامنے یہ بات آجائے گی کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکذیب کرتے ہیں آخر کار خسارہ میں وہی رہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں کامیابی انہی کو نصیب ہوتی ہے اس زندگی میں بھی اور آخرت کی کامیابی بھی انہی لوگوں کے لئے واضح کر دی گئی، اور یہ ہدایت اور موعظت ہے متقین کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیان کے ذریعہ سے حق و باطل کے درمیان فرق کرو، اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو، ہدایت اور موعظت کے درمیان فرق یہی ہے کہ ہدایت راہنمائی ہے یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی چیز ہے اور موعظت یعنی ترغیب ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی تو یہ جو وضاحت آپ کے سامنے کی جا رہی ہے اس وضاحت کے بعد حق و باطل کے درمیان فرق کر کے اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیئے متقین کا کام یہی ہے۔
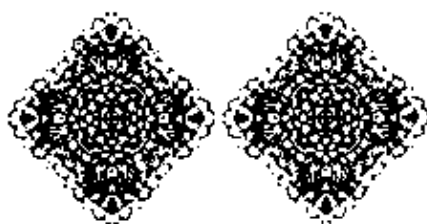
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ

تم ہمت نہ چھوڑو اور غمزدہ نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مومن ہو ﴿۱۳۹﴾ اگر

يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ

تمہیں زخم پہنچا ہے پس تحقیق پہنچا ہے زخم قوم کو بھی ایسا ہی ، یہ ایام ہم

نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ

ادل بدل کرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان ، تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ اختیار کرے تم میں سے

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

شہداء ، اللہ تعالیٰ ظالموں کے ساتھ محبت نہیں رکھتا ﴿۱۴۰﴾ تاکہ صاف ستھرا کرے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ

اور تاکہ کافروں کو مٹادے ﴿۱۴۱﴾ کیا تم نے سمجھ لیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک نہیں جانا ظاہری طور پر

اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں معلوم کیا صابرین کو ﴿۱۴۲﴾ البتہ تحقیق تم تمنا کیا کرتے تھے

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا

موت کی قبل اس سے کہ تم اس موت کو ملتے پس تم نے اس موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ تم جھانک رہے تھے ﴿۱۴۳﴾ نہیں ہیں

مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

محمد مگر رسول ، تحقیق گزر گئے اس سے پہلے رسول ، کیا اگر آپ کو موت آگئی یا آپ قتل کر دیے گئے تو کیا

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ

تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے ، اور جو شخص پھر جائے اپنی ایڑیوں پر پس ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو

شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا

کچھ بھی ، عنقریب اللہ تعالیٰ بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو ﴿۱۴۴﴾ نہیں ہے کسی نفس کے لئے کہ وہ مرجائے مگر

بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ

اللہ کے اذن کے ساتھ موت لکھی گئی ہے وقت متعین پر، اور جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلہ کا ہم دے دیتے ہیں اس کو اس دنیا میں سے،

وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو کوئی ارادہ کرتا ہے آخرت کے ثواب کا دے دیتے ہیں ہم اس کو اس میں سے، ہم عنقریب بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو ﴿۱۴۵﴾

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ

کتنے ہی نبی ہیں کہ لڑائی لڑی ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے، ان اللہ والوں نے ہمت نہیں چھوڑی ان مصیبتوں کی وجہ سے

اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

جو ان کو پہنچی ہیں اللہ کے راستہ میں اور نہ ان کا زور کم ہوا اور نہ وہ دبے، اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے

الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا

صبر کرنے والوں سے ﴿۱۴۶﴾ نہیں تھی ان کی بات مگر یہی کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ

وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ہمارے معاملہ میں ہمارا حد سے تجاوز کر جانا اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہماری مدد کر کافر لوگوں کے خلاف ﴿۱۴۷﴾

فَاٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ دیا، اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

احسان کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں ﴿۱۴۸﴾

تفسیر:

لاتھنوا ولا تحزنوا کا مفہوم:

"لاتھنوا" یہ وہن سے ہے اور اس کا معنی ہے ہمت نہ ہارو، وہن کا یہ مفہوم ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کیا کہ ایک وقت آئے گا جب تم

اس طرح ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کے سامنے خس وخاشاک ہوتا ہے اور سیلاب ان کو بہا کر لے جاتا ہے، تمہاری حیثیت اس قسم کی ہو جائے گی اور تمہارے اندر وہن آ جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حب الدنیا و کراهیة الموت" (مشکوٰۃ ص ۴۵۹) دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت، موت سے ڈرنے لگ جاؤ گے اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے، آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں کیفیتیں قلب سے تعلق رکھتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہن کا مفہوم یہ بیان کیا ہے تو وہن ایک کیفیت ہے جو قلب پر طاری ہوتی ہے، جس میں انسان لڑنے سے ہمت چھوڑ دیتا ہے، بلکہ اپنے لئے دنیا کی راحت کا طالب ہو جاتا ہے، اور موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہے کیفیت جو قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس کو وہن کہتے ہیں، تو لاتھنوا کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ہمت نہ چھوڑو، ہمت نہ ہارو، تمہارے دلوں کے اندر کسی قسم کی بزدلی اور ضعف نہیں آنا چاہیئے تو قلبی ضعف ہے جس کو وہن سے تعبیر کیا گیا ہے "ولاتحزنوا" اور غمزدہ نہ ہوؤ یعنی پہلے جو مصیبت آ گئی تکلیف آ گئی فتح شکست سے بدل گئی اس پر غم نہ کرو۔

ابتدائی آیات کا شان نزول اور ان کا مفہوم :

یہ آیات غزوہ احد سے تعلق رکھتی ہیں، واقعہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کچھ اپنی لغزش کی وجہ سے جو انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر پابندی نہیں کی اور تیر اندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اس کی بناء پر فتح شکست سے بدل گئی، ستر کے قریب صحابہ شہید ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی غزوہ میں ہوئی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے اور آپ کا ایک دانت مبارک بھی شہید ہو گیا، سر پر بھی چوٹ لگی، چہرہ بھی زخمی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چکر کھا کر گر گئے تھے جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ اعلان کر دیا کہ "ان محمداً قد قتل" محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے، یہ اعلان ہوا تو اس سے رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور قدم اکھڑ گئے کچھ مدینہ منورہ کی طرف بھاگ گئے، کچھ احد کی طرف چڑھ گئے، اور تھوڑے لوگ تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے اور اس افراتفری میں دلوں کے اندر مختلف قسم کے وسوسے آنا شروع ہو گئے، اور کمزور ایمان والے لوگوں نے کچھ اس قسم کی باتیں کرنی شروع کر دیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی شہید ہو گئے تو پھر ہمیں ان کافروں سے پناہ لے لینی چاہیئے ان سے صلح کر لیں، منافق قسم کے لوگوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ جب آپ ہی نہیں رہے تو پھر ہمیں پہلا دین ہی قبول کر لینا چاہیئے۔

اور بعض مخلص قسم کے جانباز ایسی باتیں کرنے لگ گئے کہ جب آپ ہی نہ رہے تو ہمارے رہنے کا کیا فائدہ، ہمیں اس طریق پر چل کر جان دے دینی چاہیئے جس طریق پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے یہ مختلف قسم کی باتیں لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوئیں، اور بعض نے اس میدان میں کمزوری کا مظاہرہ کیا تو یہ بہت دردناک واقعہ تھا، بدر میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ

کی نصرت شامل حال تھی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی اب اس واقعہ سے معاملہ برعکس ہوگیا اور مشرکین کا حوصلہ بڑھ گیا اس لئے جاتے ہوئے ابوسفیان اعلان بھی کرگیا کہ اگلے سال پھر بدر میں مقابلہ ہوگا اور مسلمانوں کی طرف سے اس کو قبول کرلیا گیا بہرحال اس قسم کی باتیں یہ علامت ہیں کہ مشرکین کے حوصلے بڑھ گئے، اور یہود جو اردگرد تھے ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر اس واقعہ کے بارے میں مسلمانوں کو مختلف باتیں سمجھائی ہیں کہ ہمت چھوڑنے کی کوئی بات نہیں ہے ایسے واقعات اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قوموں کو پیش آیا کرتے ہیں، پہلے تو یہ کہا کہ تم ایمان کے تقاضوں پر پورے رہو تو انجام تمہارے حق میں ہی ہے، "وانتم الاعلون" غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ ایمان کے اندر پختہ رہو، دوسرے نمبر پر یہ بات کہی کہ اس میدان میں اگر تمہیں زخم پہنچ گیا ہے تمہارے بہت سارے آدمی شہید ہوگئے ہیں تو کیا ہوا؟ آخر تمہارے مدمقابل قوم کو بھی تو زخم پہنچا ہے، ان کو زخم پہنچ چکا ہے، اس میدان میں بھی ان کے آدمی کام آئے اور پچھلے سال بدر کے اندر انہوں نے کتنا نقصان اٹھایا تھا وہ اتنا نقصان اٹھا کے پھر بھی جرأت کر کے تمہارے مقابلہ میں آگئے انہوں نے ہمت نہیں چھوڑی تو تمہیں خیال کرنا چاہیے اگر تمہیں زخم پہنچ گیا تو تم ہمت کیوں چھوڑتے ہو۔

اگر کافر شکست کھا کر مصیبت اٹھا کر اپنے کفر سے باز نہیں آتا تو تمہیں تو بدرجہ اولیٰ ڈٹ جانا چاہیے باقی اس قسم کے واقعات اللہ تعالیٰ جو ادل بدل کرتے رہتے ہیں اس میں امتحان مقصود ہوتا ہے، اگر ہمیشہ حق والے فتح ہی پاتے چلے جائیں تو پھر حق قبول کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آجاتا ہے جس میں حق والے مغلوب ہوجاتے ہیں جس سے اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس اشتباہ سے ہی امتحان مقصود ہے اور اس قسم کی مصیبتوں کے اندر مؤمن اور منافق کا پتہ چلتا ہے، ظاہری طور پر جس وقت تک کسی امتحان کی بھٹی میں نہ چڑھائے جائیں اس وقت تک مخلص اور منافق کا پتہ نہیں چلتا۔

اب اس واقعہ میں جو کچھ انسان کے اندر تھا باطن میں تھا سب باہر آگیا ہر ایک نے اپنے دل کے جذبات اگل دیے معلوم ہوگیا کہ اس کے دل کی کیفیت یہ ہے، اور مسلمانوں کو اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملا کہ اپنی کوتاہیوں پر نظر کریں اور جس قسم کی لغزشوں کی بناء پر اس شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے آئندہ بچنے کی کوشش کریں، مصیبتوں میں مؤمن مخلص کے اخلاق نکھرتے ہیں، طبیعت کی کمزوریاں دور ہوتی ہیں، ٹھوکریں کھا کے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں اس قسم کے مقصدوں کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ اس قسم کے واقعات اہل حق پر بھی ڈالتے رہتے ہیں، اور پھر تم نے ایمان جو قبول کیا تھا تو یہ سمجھ کر قبول کیا تھا کہ ہم تو فوراً جنت میں چلے جائیں گے۔

یہ تو اپنے آپ کو امتحان کی بھٹی میں ڈالنے والی بات ہے ایمان قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو امتحان میں ڈالنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ ایسے واقعات تم پر بھیجے گا جس سے پتہ چلے گا کہ اللہ کا نام لینے والے، اللہ کے رسول پر ایمان لانے والے کس طرح جانباز ہیں، مال اور جان کو اللہ کے راستہ میں کس طرح قربان کرتے ہیں، اور جو قربان نہیں کرتے ان کا امتیاز بھی ہو جائے گا، تو ایمان لانا یہ اپنے آپ کو امتحان گاہ میں پیش کرنا ہے، منتظر رہو کہ ابھی اور واقعات بھی پیش آئیں گے جن میں مجاہدین اور غیر مجاہدین کا امتیاز ہوگا، اور صابرین اور غیر صابرین کا امتیاز ہو جائے گا، کون مستقل مزاج ہے اور کون مستقل مزاج نہیں ہے، ایسے واقعات کے ذریعہ سے سب امتیاز ہو جائے گا اور پھر آگے ایک آیت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی ملامت ہے کہ بدر میں جس وقت مسلمان شریک ہوئے تھے اور فتح پا گئے اور اہل بدر کی فضیلتیں نازل ہوئیں تو بعض لوگ جو اس میدان میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ حسرت کے ساتھ کہنے لگے کہ اے کاش! ہم بھی اس میدان میں ہوتے تو ہم بہادری دکھاتے اور اگر اب کوئی موقع آیا تو ہم اپنی جان لڑائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب جہاد کریں گے تاکہ ہم بھی اس قسم کی فضیلتیں حاصل کرلیں جس قسم کی فضیلتیں شہداء بدر کو حاصل ہوئی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ موت سے ملاقات ہونے سے قبل تو تم بھی موت کی تمنا کرتے تھے کہ کوئی موقع آئے گا تو ہم یوں جانبازی دکھائیں گے اور اب جب موت آنکھوں کے سامنے آگئی تو پھر ڈر گئے یہ کون سی بہادری کی بات ہے کہ پہلے تو باتیں بناؤ اور پھر موقع آنے پر اپنی باتوں پر پورے نہ اترو جیسے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے "لم تقولون مالا تفعلون" تم ایسی باتیں بولتے کیوں ہو جب تم ایسے کام کرتے نہیں یعنی اگر منہ سے کہتے ہو کہ ہم ایسا کر کے دکھائیں گے تو پھر موقع آنے پر کر کے دکھانا بھی چاہیئے، اس طرح ملامت کی ہے کہ تم تو موت کے متمنی تھے اور موت کو تلاش کرتے تھے کہ موقع ملے تو ہم بھی قربانی دیں اور جس وقت موت آنکھوں کے سامنے آگئی تو پھر تم گھبرا گئے، رکوع کی آخری آیت تک یہی مضمون ہے کہ کچھ شکست کی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے اور کچھ تسلی دی ہے اس لئے ان آیات کو دیکھ لیجئے۔

"لاتھنوا" سست نہ ہو جاؤ ہمت نہ ہارو جو کچھ ہو گیا اس پر غم نہ کرو تم ہی غالب آؤ گے اگر تم مؤمن ہو، اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس قوم کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے قوم سے مدمقابل قوم مراد ہے اور یہ دن یعنی فتح وشکست کے دن ہم ان کو پھیرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان تاکہ ہم آزمالیں اور تاکہ جان لے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو منافقوں سے جدا کر کے اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم میں سے شہدا پیدا کرے، باقی یہ بات کہ کافر فتح پا گئے اس سے یہ استدلال نہ کرنا کہ ان کافروں سے اللہ کو محبت ہو گئی، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کیا کرتا اور تاکہ خالص کرے اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یعنی ان مصیبتوں کے ساتھ ان کے اخلاق کی تطہیر ہو جائے، نفسانی کمزوریاں دور ہو جائیں اور تاکہ اللہ کافروں کو مٹا دے یعنی تم پر جو مصیبت آئی

یہ کافروں کے مٹانے کا ذریعہ بنے گی، وہ اس طرح کہ جتنا وہ پہلے کفر میں پکے تھے اس واقعہ کے بعد اس کفر میں اور پکے ہو جائیں گے، اور وہ غرور میں مبتلا ہوں گے۔

اور جتنا کفر میں زیادہ ترقی کریں گے، جتنا غرور میں آئیں گے اتنا ہی اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں گے، اہل حق کے ساتھ ٹکرانے کا جذبہ ان کے اندر جتنا زیادہ پیدا ہوگا اتنا ہی وہ پاش پاش ہوں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات کو کافروں کے مٹانے کا ذریعہ بناتا ہے یعنی ظاہری طور پر جو انہوں نے فتح پالی یہ آئندہ ان کے مٹنے کا ذریعہ بنے گی، کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ نہیں معلوم کیا اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے یعنی ان لوگوں سے جدا کر کے جو جہاد کرنے والے نہیں ہیں، اور نہیں معلوم کیے صبر کرنے والے، البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اس سے ملو پس تحقیق تم نے اس موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ تم جھانک رہے تھے یعنی کھلی آنکھوں تم نے اس موت کو دیکھ لیا تو اب تو چاہیے تھا کہ تم اپنی حسرتوں کو پورا کرتے لیکن جیسی تمہاری تمنائیں تھیں اس کے مطابق تم نے میدان میں بہادری نہیں دکھائی اور تم ثابت قدم نہ رہے۔

وما محمد الا رسول کا مفہوم:

"وما محمد الا رسول" ان آیات کا تعلق اس واقعہ سے ہے جو شہرت ہوگئی تھی کہ سرور کائنات ﷺ قتل کر دیئے گئے "ان محمدا قد قتل" اور اس کے بعد لوگوں کے اندر مختلف قسم کے جذبات ابھرے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ہدایات دی ہیں کہ اس واقعہ کی خبر سن لینے کے بعد تمہارا اس طرح دلوں کو چھوڑ دینا اور ایسی باتوں میں مبتلا ہو جانا یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے، محمد ﷺ کوئی خدا تو نہیں کہ ان پر موت ممتنع ہو کہ ان پر موت نہیں آسکتی یا انہوں نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے "حی لایموت" تو اللہ کی شان ہے اللہ کے علاوہ کوئی "حی لایموت" نہیں ہے، محمد ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں، بنی آدم میں سے ایک ہیں، خدا نہیں صرف رسول ہی تو ہیں، ان کے لئے کوئی ممتنع نہیں ہے ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے، یہاں تو امکان کے درجہ میں بات ہوگی کہ آپ اپنی طبعی موت سے وفات پاجائیں یا کسی دشمن کے ہاتھ سے قتل ہو جائیں جس طرح دونوں احتمال انسانوں میں ہوتے ہیں یہاں بھی دونوں احتمال ہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کو طبعی موت آجائے یا آپ قتل کر دیے جائیں لیکن تم یہ بتلاؤ کہ اگر آپ کو طبعی موت آگئی، یا آپ ﷺ قتل کر دیے گئے تو کیا تم اس دین کو چھوڑ دو گے، میدان جہاد سے بھاگ جاؤ گے، اور اپنی جاہلیت کی طرف عود کر جاؤ گے، اگر ایسا کرو گے تو ہمارا کیا بگاڑ دو گے نقصان اپنا کرو گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی کہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ جس قسم کے عاشقانہ جذبات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے تو آپ کی وفات پر اس قسم کے جذبات ابھر سکتے تھے تو سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں ہی ایک واقعہ ایسا پیش آگیا

کہ جس میں ان خیالات کے سامنے آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آگئی، اب اگر کوئی وفات کا واقعہ پیش آئے تو لوگوں کی راہنمائی کے لئے یہ آیات کافی ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جس وقت سرور کائنات ﷺ کو حقیقتاً وفات آگئی اور آپ اس جہاں سے رخصت ہو گئے اس وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل چھوٹ گئے اور مختلف قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر انہی آیات کو تلاوت کیا تھا اور ان آیات کے پڑھنے سے یہ ثابت کیا تھا کہ آپ پر موت وغیرہ کا واقعہ پیش آجانا یہ کوئی خلاف عقل نہیں ہے، جس طرح دوسرے رسولوں کو پیش آئے آپ کو بھی پیش آیا جس میں اشارہ کیا اس امکان کی طرف اور واقعہ سامنے آگیا کہ آپ پر موت کا ورود ہو گیا۔

تو جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں تسلی ہوئی اور یقین آیا کہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہو گئی، پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے ہیں پھر واپس تشریف لائیں گے، یقین ہی نہیں آتا تھا کہ آپ پر موت کا ورود ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر یہ آیات پڑھیں جن کے اندر موت کا امکان ذکر کیا گیا اور پھر یہ واقعہ سامنے آیا تو جس کی بناء پر یقین آگیا کہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہو گئی، نہیں ہیں محمد مگر رسول ہی یعنی خدا نہیں ہیں کہ جن پر موت ممتنع ہو آپ سے پہلے بھی بہت سارے رسول گزر چکے اور وہ بھی اپنی اپنی عمر گزار کے اس دنیا سے چلے گئے ان پر بھی موت کا ورود ہوا کچھ قتل بھی ہوئے۔

تو اگر آپ کو موت آگئی یا آپ قتل کر دیے گئے تو تم اپنی ایڑھیوں پر لوٹ جاؤ گے پھر تم بھی جاہلانہ باتیں کرنے لگ جاؤ گے یا اسلام کو چھوڑ دو گے، میدان جہاد سے بھاگ جاؤ گے، اگر ایسا کرو گے تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے، جو پھرے گا اپنی ایڑھیوں پر پس وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا اللہ کو کچھ بھی اور اللہ تعالیٰ بدلہ دیتے ہیں شاکرین کو جو قدر دان ہیں اسلام کی نعمت کے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت والی نعمت کے جو قدر دان ہیں، جو اللہ کے احکام کی پابندی کریں اور ایسے واقعات کے پیش آجانے کے باوجود وہ دل نہیں چھوڑتے اور جاہلیت کی باتیں نہیں کرتے اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا۔

موت تو وقت پر آکر رہتی ہے:

"وما کان لنفس ان تموت" موت کی خبر سن کے گھبرانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے لئے جو وقت مرنے کے لئے مقدر ہے اس وقت موت آتی ہے پہلے نہیں آسکتی، اور اس وقت سے ٹل نہیں سکتی، مرنا تو ہر کسی نے ہے پھر اس قسم کے واقعہ کو سن کے گھبرانے کی کیا ضرورت؟ ہمیشہ زندہ تو کسی نے رہنا ہی نہیں، کوئی نفس نہیں مرتا مگر اللہ کے اذن کے ساتھ اور وقت مقررہ پر، وقت مقررہ یہ حاصل مفہوم ہے یعنی وقت متعین کر کے اس کی موت لکھی گئی ہے اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرلے کہ ایسے وقت میں دنیا کا مفاد سوچنے لگ جائے کہ ہمیں کافروں سے امن لے لینا

چاہیئے، ان سے صلح کر لینی چاہیئے، یہ سارے کا سارا مقصد اس لئے ہے تاکہ ہماری دنیوی زندگی تلخ نہ ہو اور ہمیں دنیا کے اندر راحت مل جائے، تو جو کوئی دنیوی ثواب کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو دنیا میں سے دیتے ہیں۔

دوسری آیات میں ہے کہ اتنا دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں جو اس کے لئے مقدر ہے، یہ نہیں کہ اس قسم کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد وہ حسب منشاء دنیا کو حاصل کر لیتا ہے ایسی بات نہیں ہے، اتنا ہی دیتے ہیں جتنی ہماری منشاء ہوتی ہے اور جتنا اس کے لئے مقدر ہوتا ہے اور جو شخص ثواب آخرت کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کو آخرت میں سے دیتے ہیں اور عنقریب ہم بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو، یہاں شکر گزاروں کا مفہوم یہ ہے جو اپنے اعمال میں آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔

پہلے لوگوں سے نصیحت حاصل کرو:

"وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر" یہاں پھر تاریخی واقعہ ذکر کر کے ہمت بڑھائی کہ جس طرح تمہیں اپنے وقت کے نبی کے ساتھ مل کے لڑنے کی نوبت آئی اسی طرح پہلے بھی بہت سارے نبی گزرے جن کے ساتھ ان کی جماعت جو اس وقت ربیون تھے اللہ والے تھے انہوں نے اس نبی کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑائی کی اور فتح و شکست بھی ہوتی رہتی ہے، میدان جنگ کے اندر مصیبتیں بھی آتی ہیں، لوگ قتل بھی ہوتے ہیں، زخمی بھی ہوتے ہیں ان کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے، جب ان کو اس قسم کے واقعات پیش آئے تو نہ انہوں نے دل چھوڑا نہ ان کے بدن ڈھیلے ہوئے اور نہ وہ دشمن کے سامنے دبے، تو تمہیں بھی چاہیئے تھا کہ اگر اپنے نبی کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑ رہے ہو تو ان مصیبتوں کی بناء پر جو اللہ کے راستہ میں پیش آ رہی ہیں نہ تمہیں ہمت چھوڑنی چاہیئے اور نہ تمہارے بدنوں کا زور کم ہونا چاہیئے نہ ان کے سامنے دبنا چاہیئے بلکہ مستقل مزاج رہو اور مستقل مزاج رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

اور وہ ربیون ایسے لوگ تھے کہ اگر کسی وقت میں وہ مصیبت میں مبتلا ہو بھی گئے تو انہوں نے اس قسم کی کمزور باتیں زبان سے بھی نہیں کہیں بلکہ ان کا ذہن ہمیشہ اس بات کی طرف گیا کہ ہماری ہی کوتاہیاں ہیں جن کی بناء پر اللہ نے ہمیں اس امتحان کے اندر ڈال دیا ہے یہ مصیبت جو ہم پر آئی ہے یہ ہماری ہی کسی غلطی کی بناء پر آئی ہے ان کا ذہن یہ ہے اور وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری غلطیوں کو معاف کر دے اور اس معاملہ میں ہم سے کوئی حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اس سے بھی درگزر کر اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد کر تو ان ربیون کا واقعہ ذکر کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی نصیحتیں ذکر کرنی مقصود ہیں کہ اللہ کے راستہ میں مصیبتیں پیش آیا کرتی ہیں، اور اللہ والوں کو کثرت سے پیش آتی ہیں پہلے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کو بھی اس قسم کی تکلیفیں پیش آتی تھیں جیسے انہوں نے ہمت نہیں چھوڑی

کمزور نہیں ہوئے، دبے نہیں اسی طرح تمہیں بھی مضبوط رہنا چاہیئے اور اپنی کوتاہیوں کو مستحضر کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ سے نصرت مانگنی چاہیئے یہ جذبات ہونے چاہئیں۔

یہ واقعہ پیش کر کے اسی پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے تو جب وہ لوگ ڈٹے رہے اپنی کوتاہیوں کی معافی اللہ سے چاہی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے قدموں کو مضبوط کر دے اور کافروں کے خلاف مدد کر، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا فتح اور نصرت دی اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا، اور اللہ تعالیٰ محسنین کو، نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں، محبت رکھتے ہیں تو تمہیں بھی یہی صفت احسان اختیار کرنی چاہیئے، اخلاص، ہر معاملہ میں اللہ کی طرف توجہ اور اس قسم کا واقعہ پیش آنے کے بعد اپنی کوتاہیوں کا استحضار اور دلوں کی مضبوطی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ رکھتے ہوئے مصیبتیں برداشت کرنا جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام کے رفقاء نے کیا تھا تو تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

اے ایمان والو اگر تم نے اطاعت کی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تو وہ لوٹا دیں گے تمہیں تمہاری ایڑیوں پر

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

پھر پھر و گے تم خسارہ پانے والے ﴿۱۴۹﴾ بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے، اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے ﴿۱۵۰﴾

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا

عنقریب ڈال دیں گے ہم رعب ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا بسبب شریک ٹھہرانے ان کے

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى

اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو کہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں اتاری، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور برا ٹھکانہ ہے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ

ظالموں کا ﴿۱۵۱﴾ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے سچا کیا تم سے اپنے وعدہ کو جبکہ تم انہیں قتل کر رہے تھے اللہ کے اذن سے،

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

حتی کہ جب تم ہی سست پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے دکھا دی تمہیں

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

وہ چیز جو تم چاہتے تھے، تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا کا ارادہ کرتے تھے اور تم میں سے بعض وہ تھے جو آخرت کا ارادہ کرتے تھے، پھر

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ

اللہ نے پھیر دیا تمہیں ان مشرکین سے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے، البتہ تحقیق معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں، اللہ تعالیٰ

فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي

مہربانی والے ہیں مؤمنین پر ﴿۱۵۲﴾ جب تم بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے

اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

کسی شخص پر اور رسول تمہیں پکارتا تھا تمہارے پیچھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بدلہ دیا غم کا غم کے ساتھ

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

تاکہ تم غمزدہ نہ ہو؍ اس چیز پر جو تم سے فوت ہوگئی اور نہ اس چیز پر جو تمہیں پہنچی ، اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

ان کاموں کی جو تم کرتے ہو ﴿۱۵۳﴾ پھر اتارا اللہ تعالیٰ نے تم پر غم کے بعد چین

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

یعنی اونگھ وہ اونگھ ڈھانپتی تھی تم سے ایک طائفہ کو ، اور ایک گروہ کو غم میں ڈال رکھا تھا

اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ

ان کی جانوں نے وہ گمان کرتے تھے اللہ کے متعلق ناحق جاہلیت کا گمان کرنا ، کہتے تھے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ

کیا ہمارے لئے امر سے کوئی شیء ہے ، آپ فرما دیجئے بے شک امر سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے ،

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

چھپاتے تھے وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں جو تیرے لئے ظاہر نہیں کرتے تھے ، کہتے تھے کہ اگر ہوتی

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ

ہمارے لئے امر سے کوئی شیء ، تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے ، آپ کہہ دیجئے اگر تم ہوتے

بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

اپنے گھروں میں البتہ باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر قتل ہونا مقدر کیا گیا تھا اپنے گرنے کی جگہوں کی طرف ،

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ

تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور خالص کردے اس چیز کو جو تمہارے قلوب میں ہے ،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

اللہ جاننے والا ہے سینہ کی باتوں کو ﴿۱۵۴﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

اس دن جس دن کہ دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں سوائے اس کے نہیں کہ پھسلا لیا ان کو شیطان نے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

البتہ تحقیق اللہ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

تفسیر:

کافروں سے ہوشیار رہنے کی تاکید:

یہ آیات غزوہ احد سے ہی متعلق ہیں واقعہ آپ کے سامنے مفصل ذکر کیا جا چکا ہے اور اس غزوہ میں چونکہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تھی، فتح بعد میں شکست کی صورت اختیار کر گئی اور سرور کائنات ﷺ کو بھی تکلیف پہنچی تھی تو ان واقعات کے اوپر مختلف پہلوؤں سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایات دے رہے ہیں اور تبصرہ فرما رہے ہیں، پہلی آیت کا تعلق تو اس مضمون سے ہے جو پچھلے رکوع میں گزرا جب یہ شہرت ہوگئی تھی کہ سرور کائنات ﷺ قتل کر دیئے گئے تو لوگوں کے اندر مختلف قسم کے خیالات پھیل گئے تھے اس موقع پر بعض منافقین نے یہ مشورہ بھی دینا شروع کر دیا کہ جب حضور ﷺ وفات پا گئے تو ہمیں اپنا پہلا دین ہی قبول کر لینا چاہیئے، مشرکین سے امان مانگ لینی چاہیئے اور اس جھگڑے کو یوں ختم کر دینا چاہیئے کہ ہم آپس میں ایک ہو جائیں جس طرح پہلے آپس میں اکٹھے تھے، اس قسم کی باتیں جو انہوں نے کرنی شروع کیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مؤمنین کو یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہ تمہیں کفر کی طرف واپس لے جانا چاہتے ہیں بظاہر چاہے خیر خواہی سے پیش آئیں دوستی کا اظہار کریں لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں ان کی ایسی باتوں پر کان نہ دھرنا اگر ان سے متاثر ہو گئے تو پھر تمہیں یہ ایمان سے محروم کر دیں گے۔

پہلی آیت کا تعلق تو اسی مضمون سے ہی ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم نے کہنا مانا ان کافروں کا چاہے وہ علی الاعلان کافر تھے جیسے یہود جو مدینہ منورہ کے ارد گرد آباد تھے انہوں نے بھی مختلف قسم کے خیالات چھوڑ کر وسوسے ڈال کر مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کی کوشش کی، اور منافقین جو در پردہ کافر تھے وہ بھی اس قسم کی باتیں جو ایمان کے منافی ہیں کرتے تھے تو دونوں ہی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں اگر تم نے اطاعت کی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تو لوٹا دیں گے تمہیں تمہاری ایڑیوں پر یعنی جس حالت پر تم پہلے تھے ادھر ہی لوٹا کر لے جائیں گے اور پھر تمہارا یہ پھرنا کوئی کامیابی نہیں ہوگا بلکہ تم اسی حالت میں پھرو گے کہ خسارہ میں جانے والے ہو گے یہ انقلاب خسارہ کا انقلاب ہے یہ کوئی نفع کا انقلاب نہیں ہوگا اس طرح دشمنوں سے چوکنا کر دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آنا اگر ان کی باتوں میں آگئے تو دولت ایمان سے محروم ہو جاؤ گے۔

اس وقت یہود، مشرکین اور منافقین نے بہت پروپیگنڈہ کیا تھا بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کے جو حوصلے بڑھ گئے تھے یہ حوصلے کم کرنے کے لئے اور ان کے اندر ضعف اور کمزوری پیدا کرنے کے لئے انہوں نے پورا زور لگایا کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو اب یہ شکست کیوں کھا گئے تم کہتے تھے کہ ان کو فرشتوں کی مدد حاصل ہے اب فرشتے کہاں چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں تمہیں بہلانے کے لئے کی گئی ہیں ورنہ یہ لڑائی تمام لڑائیوں کی طرح اسباب کے تابع ہے، جس کو اسباب مہیا ہو گئے وہ کامیاب ہو گیا اور جس سے کوئی لغزش ہو گئی وہ شکست کھا گیا جیسے دنیا میں لڑائیاں ہوتی ہیں یہ بھی ویسی ہی لڑائیاں ہیں یہ سب باتیں تمہیں بہلانے کے لئے کی گئی ہیں حقیقت ان میں کچھ نہیں ہے، جیسا کہ ابوسفیان نے اس میدان میں اعلان کر دیا تھا کہ ”الحرب سجال“ کہ یہ لڑائی تو ڈول بھرنے کی طرح ہے کبھی تم نے بھر لیا کبھی ہم نے بھر لیا اس کا بھی یہی معنی تھا اس قسم کی باتیں کر کے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ ان کی ہمت جو بدر کے میدان میں بندھی تھی وہ ختم ہو جائے اور یہ مرعوب ہو جائیں، اسی قسم کے پروپیگنڈے سے محتاط رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے کہ ان کی باتوں میں نہ آنا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا وعدہ اور اس کا پورا ہونا:

”سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب“ یہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ایک وعدہ کر لیا کہ ظاہری طور پر اس میدان میں جو یہ لوگ غالب آ گئے ہیں یہ ایک عارضی سی بات ہے ہم عنقریب ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، تمہارا رعب ان کے دلوں پر طاری ہو جائے گا، کیونکہ یہ مشرک ہیں اور انہوں نے غیر اللہ کے سہارے لے رکھے ہیں، غیر اللہ کا سہارا بہت کمزور سہارا ہے وہ دل کے لئے قوت کا باعث نہیں بن سکتا ایسی چیزیں کہ جن کے شریک ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری، نہ عقل کے ساتھ اس پر کوئی دلیل قائم ہے، نہ نقل کے ساتھ قائم ہے، نہ فطرت کے ساتھ قائم ہے، کسی صورت میں بھی ان کے اوپر کوئی دلیل قائم نہیں ہے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کی نحوست یہ پڑے گی کہ ان کے دلوں کے اوپر رعب طاری ہو جائے گا اور یہ واقعہ نقد بنقد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا پہلے تو اس میدان میں ہی باوجود اس بات کے کہ مشرکین غلبہ پا گئے تھے لیکن وہ مسلمانوں کا استحصال نہ کر سکے اور بغیر کسی ظاہری سبب کے ہی میدان چھوڑ کر چل دیئے جیسا کہ اس کی تفصیل میں عرض کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نصرت تھی کہ اتنا غلبہ پا جانے کے باوجود مشرکین اس جنگ کو نتیجہ تک نہ پہنچا سکے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا تعاقب کرتے اور ان کو قتل کرنے کی کوشش کرتے یا مدینے پر چڑھ جاتے اور مدینہ کو جا کے اجاڑ دیتے اگر ایسا کرتے تو یہ ان کے لئے آسان تھا لیکن بغیر کسی قسم کے ظاہری سبب کے اس میدان کو

چھوڑ کر چل دیئے اور پھر جس وقت چلے گئے تھوڑی دور پہنچے وہاں جا کر خیال ہوا کہ ہم نے تو بڑی غلطی کی ہے ہمیں تو چاہیئے تھا کہ ان کو اچھی طرح اجاڑتے اور اچھی طرح برباد کرتے پھر ارادہ کیا کہ واپس چلیں۔

سرور کائنات ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہوگئی آپ نے فوراً اعلان کر دیا کہ مشرکین کا تعاقب کرنا ہے اکٹھے ہو جاؤ تو وہی زخمی لوگ اکٹھے ہوئے اور حضور ﷺ ان کو ساتھ لے کر چلے، مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل ان کا تعاقب کیا، حمراء الاسد ایک جگہ ہے وہاں جا کر حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے لیکن مشرکین کو واپس آنے کی ہمت نہ ہوئی، بلکہ کوئی قافلہ آ رہا تھا اس قافلے کے لوگوں کو انہوں نے طمع دلائی کہ ہم تمہیں اتنا مال دیں گے تم مدینہ منورہ میں جا کر ہماری طرف سے خوف دہراس پھیلاؤ کہ وہ دوبارہ آ رہے ہیں انہوں نے اس طرح سازوسامان اکٹھا کر لیا ہے اور جس وقت وہ لوگ آئے اور انہوں نے آ کر اس قسم کی باتیں شروع کیں تو مسلمانوں نے جواب یہ دیا "حسبنا الله ونعم الوکیل" ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اگر وہ سازوسامان کے ساتھ آ رہے ہیں تو ہمیں کوئی کسی قسم کا ڈر نہیں یہ حمراء الاسد کا واقعہ احد کے اختتام پر قرآن کریم میں آئے گا، اس وقت وہ مرعوب ہو گئے اور پھر واپس آ کر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ تھا جس کا ظہور فوراً ہوا کہ ہم عنقریب ڈال دیں گے ان لوگوں کے دلوں میں رعب جنہوں نے کفر کیا بسبب اس کے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو جس کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری یہ دنیا میں مرعوب ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ان ظالموں کا بہت برا ٹھکانہ ہے، ظالمین سے یہاں مشرکین مراد ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے " ان الشرك لظلم عظیم " شرک ظلم عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کے تلف کرنے کا بھی ذریعہ ہے اور یہ شرک اپنے نفس پر بھی ظلم ہے کہ انسان شرک کے ذریعہ سے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اتنا کسی دوسری چیز کے ذریعہ سے نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور باقی کائنات کو اس کا خادم بنایا ہے اور جو چیزیں اس کی خدمت کے لئے تھیں انہی کے سامنے اگر انسان جھکنے لگ جائے تو یہ انسانیت کی تذلیل ہے یہ اپنے آپ پر بدترین قسم کا ظلم ہے تو ان ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے۔

مدد کے وعدہ کے باوجود فتح شکست میں کیوں بدلی:

باقی وہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو نصرت کا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ وعدہ تو ہم نے سچا کر دیا کہ جس وقت تم صحیح طریقہ پر چلے، نبی کی ہدایات کی تم نے پابندی کی، سرور کائنات ﷺ کے طریقہ کے مطابق تم نے جنگ لڑی تو ہمارا وعدہ سچا تھا اور سچا کر دکھایا کہ تم دشمنوں کو قتل کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کیا جب کہ تم قتل کرتے تھے

ان کو اللہ کے اذن کے ساتھ، اللہ کی توفیق کے ساتھ، ہماری طرف سے نصرت ہو رہی تھی اور تم غلبہ بھی پا رہے تھے، لیکن پھر خرابی تمہاری طرف سے آئی کہ تم میں فشل آ گیا کمزوری آ گئی اور ایک معاملہ میں تمہارا آپس میں جھگڑا ہو گیا کیونکہ جب جماعتی حیثیت سے کوئی کام ہو رہا ہو تو جماعت میں سے کسی ایک فرد کی غلطی جو ہوتی ہے اس کا خمیازہ ساری جماعت کو بھگتنا پڑتا ہے، انفرادی زندگی اور انفرادی معاملات اور طرح کے ہوتے ہیں، جماعتی معاملات اور طرح کے ہوتے ہیں، جماعت کو نقصان پہنچنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کسی سے لغزش ہوئی ہو بلکہ بسا اوقات ایک کی لغزش سب کو نقصان میں مبتلا کر دیتی ہے، نسبت جماعت کی طرف ہوتی ہے۔

ایک کشتی کے اندر آپ سارے سفر کر رہے ہوں اور آپ سارے محتاط ہیں اور آپ میں سے ایک ساتھی اس کشتی کے اندر سوراخ کر دے اب اس سوراخ کے ساتھ جب کشتی میں پانی آئے گا تو غرق تو سارے ہو جائیں گے، اب یہ تو نہیں ہو گا کہ چونکہ صرف ایک نے نقصان کیا ہے تو اسی کو ہی تکلیف پہنچے وہی ڈوبے، لیکن جب کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوب جائیں گے تو جہاں بھی جماعتی سطح پر کوئی کام ہوا کرتا ہے تو جماعتی سطح پر کام ہوتے وقت چند افراد کی غلطی کا خمیازہ ساری جماعت کو بھگتنا پڑتا ہے، اب ہم پاکستان کے باشندے ہیں اگر کسی وقت کسی ملک کے ساتھ لڑائی چھڑ جاتی ہے ہماری فوج مقابلہ میں چلی جاتی ہے تو بسا اوقات ایک جرنیل کی غلطی ساری قوم کو غلام بنا کر رکھ دیتی ہے، اب اپنے طور پر باقی قوم کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو لیکن جب ان میں سے بعض افراد غلطی کریں گے تو غلطی کا اثر ساری جماعت پر پڑے گا، اجتماعی کاموں کے اندر اسی طرح ہوا کرتا ہے۔

اب یہاں تنازع تو ہوا تھا ان لوگوں میں جو حضور ﷺ نے جبل رماۃ پر متعین کیے تھے وہ پچاس آدمی تھے تا کہ اس درہ کی حفاظت کریں کہ کوئی شخص پیچھے سے آ کر حملہ نہ کرے اور جب مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، میدان خالی ہو چکا ہے ہمیں نیچے اترنا چاہیئے اور دوسرے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مال غنیمت اکٹھا کرنا چاہیئے، ظاہری طور پر ان لوگوں کی توجہ مال دنیا کی طرف ہو گئی، ظاہری طور پر اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس میدان میں مال غنیمت جو بھی حاصل ہوتا ہے آپ جانتے ہیں شرعی قواعد کے مطابق وہ صرف انہیں لوگوں کا نہیں ہوتا جو بالفعل لڑتے ہیں، بلکہ اس میدان میں جن کی ڈیوٹیاں علیحدہ علیحدہ لگی ہوئی ہوں جیسے یہی درہ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے مال غنیمت جو بھی حاصل ہوتا اس میں یہ برابر کے شریک تھے حصہ تو ان کو بہر حال ملنا تھا یہ نہیں کہ اگر یہ مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے نہ اترتے تو ان کو مال غنیمت نہ ملتا، اور یہ اس لئے اتر کر آ گئے کہ اگر ہم نہ اترے تو ہمیں یہ مال حاصل نہیں ہو گا یہ مقصد نہیں تھا، مال غنیمت سے یہ کسی صورت میں محروم نہ ہوتے لیکن انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر ہم درہ کے اوپر کھڑے رہے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون نہیں ہے مال غنیمت اکٹھا کرنے میں ہمیں بھی اترنا چاہیئے تا کہ اپنے

ساتھیوں کے ساتھ مل کر مال اکٹھا کروائیں، جس طرح ہم نے پہلے درہ کی حفاظت کر کے ثواب لیا ہے اسی طرح ان کافروں کا پیچھا کر کے ان کا تعاقب کر کے اس طرح بھی حصہ لینا چاہیئے۔

لیکن ظاہری طور اس میں توجہ مال اکٹھا کرنے کی طرف ہوگئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت ہے اپنی کتاب میں کہ اپنے محبوبوں کی ذرا ذرا سی بات پر گرفت ایسے سخت انداز میں کرتے ہیں کہ جس طرح ان سے کوئی بہت بڑا جرم ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ عادت انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں بہت زیادہ نمایاں ہے کہ جب کسی نبی سے کوئی کسی قسم کی لغزش ہوتی ہے تو عام لوگوں سے زیادہ سخت لب ولہجہ کے ساتھ ان پر گرفت کی جاتی ہے یہ ان کے تقرب کی دلیل ہے، اللہ کے نزدیک محبوب ہونے کی دلیل ہے کہ ''مقرباں را بیش بود حیرانی'' جتنا کوئی مقرب ہوا کرتا ہے اتنا ہی وہ جلدی زیر عتاب بھی آتا ہے اور اس کی معمولی معمولی لغزش کے اوپر گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر جانا چاہیئے یہ صورتاً خطا جو ان سے ثابت ہوگئی یہ بھی ان سے نہیں ہونی چاہیئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ مزید ان کو درجات کی بلندی کی طرف لے جاتی ہے، اور آئے دن ان کے حال کو سدھارتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ کی محبوب شخصیات ہیں ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں ایک اجتہادی اختلاف ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہاں سے ہلنا نہیں لیکن ان کا آپس میں اختلاف ہوا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس وقت تک جنگ کے آثار ہیں اس وقت تک نہیں ہلنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی ہے جب جنگ ختم ہوگئی تو اب ہمارا یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے، ہمیں میدان میں اتر کر اپنے ساتھیوں سے تعاون کرنا چاہیئے لیکن یہ بات ایسی تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں غور فرمایا جاتا تو اس طرح عمل اختیار کرنے کی گنجائش بہت کم تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک میں پیغام نہ بھیجوں اس وقت تک تم نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا یہ غلطی تھی اب اس میں تنازع ہوا اختلاف ہوا اور اس امر کی مخالفت ہوگئی، عصیان صادر ہوگیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت واپس لے لی، جب اپنی نصرت واپس لے لی تو پہلے یہ مشرکین کے پیچھے دوڑے جارہے تھے اب ان کا رخ بدل گیا اور خالد بن ولید نے ایک لشکر کو لے کر اس درہ سے حملہ کیا، یہ دس بارہ آدمی جو رہ گئے تھے یہ مدافعت میں شہید ہوگئے، اور پیچھے سے حملہ ہوا تو مسلمان درمیان میں آگئے تو گویا کہ یہ شکست جو ہوئی تو اس میں تمہاری رائے کا اختلاف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ''تنازع فی الامر'' یہ سبب بنے شکست کا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت ان وجوہ کی بناء پر واپس لے لی، اور یہ جو کچھ پیش آیا یہ بھی تمہارے لئے بطور سزا کے نہیں اس لئے ہے تاکہ تمہیں آزمائش کی بھٹی میں ڈال کے آئندہ زیادہ سے زیادہ نکھار دیا جائے، یعنی سبب

اگر چہ تمہاری لغزش ہے لیکن اس میں حکمتیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں امتحان کی بھٹی میں ڈال کر تمہیں زیادہ سے زیادہ صاف ستھرا کرنا چاہتا ہے۔

یعنی اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیسی لغزش ہوئی کہ جس کا اثر قومی سطح پر بہت شدید پڑا کہ ایک شکست کا داغ لگ گیا، تاریخ اسلام کے اندر شکست کا ایک باب درج ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے، جماعت کے کتنے افراد شہید ہو گئے، مشرکوں کے حوصلے بڑھ گئے، یہود کو زبان درازی کا موقع مل گیا، اتنا شدید نقصان ہوا ہے ان چند صحابہ کی لغزش سے، قرآن کریم اس کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ یہ واقعات اس لئے پیش آئے کہ تم سے یہ لغزش ہوئی لیکن ساتھ ساتھ لطف اور مہربانی بھی ہے کہ ساتھ ساتھ تسلیاں بھی دی جا رہی ہیں کہ جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آیا میری طرف سے کوئی سزا نہیں بلکہ تمہارے لئے ایک امتحان بن گیا، آزمائش کی صورت پیش آ گئی تاکہ تمہیں اس آزمائش کے اندر ڈال کر تمہارے اندر زیادہ سے زیادہ پختگی پیدا کی جائے کہ یہ ٹھوکریں کھانا آئندہ کے لئے مضبوط ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اور پھر جو صورت حال پیش آئی بار بار اس کے اوپر معافی کا اعلان بھی کر دیا تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ثابت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محبوبیت نمایاں ہوتی ہے، نہ یہ کہ یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر طعن و تشنیع کا سبب ہے، یہی وجہ ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات نقل کی تھی کہ یہ میدان احد سے بھاگ گئے تھے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں زبان پر یہ بات نہیں لانی چاہیئے جب اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے تو تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اپنی کتاب کے اندر صراحتاً آ گئی جس کی وجہ سے اب یہ واقعہ کسی کے لئے طعن و تشنیع کا باعث نہیں بن سکتا۔

"حتیٰ اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر" یہ شکست کا سبب ذکر کیا جا رہا ہے کہ حتیٰ کہ جب تم ہی دل چھوڑ بیٹھے اور امر میں تم نے تنازع کیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں تمہاری محبوب چیز دکھا دی تھی، محبوب چیز سے فتح مراد ہے تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا کا ارادہ کیے ہوئے تھے ظاہری طور پر جوان کا مال کی طرف رجحان ہو گیا تو اس کو ارادہ دنیا سے تعبیر کیا ہے میں نے عرض کیا ہے کہ یہاں انہیں حقیقتاً دنیا مطلوب نہیں تھی اگر حقیقتاً دنیا مطلوب ہوتی تو میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو وہاں کھڑے رہتے تو بھی مال غنیمت میں ان کا حصہ تھا لیکن یہ ظاہری رجحان جو اس مال کے اکٹھا کرنے کی طرف ہو گیا اس کی بھی مذمت کی جا رہی ہے تمہیں تو مال کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے تھی یہ مال جمع کرنے کا تصور جو تمہارے دماغ کے اندر آیا یہ تمہارے قدم اکھڑنے کا باعث بن گیا، ورنہ مسئلہ کی رو سے مجاہدین کا حصہ مال غنیمت میں ہوتا ہے چاہے وہ عملاً جنگ میں شریک ہوں چاہے ان کی ڈیوٹی کسی دوسری جگہ لگی ہوئی ہو، وہ سارے کے سارے مال غنیمت میں شریک ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اگر پہاڑ سے نہ اترتے اور اس درہ کو نہ چھوڑتے، میدان میں نہ آتے تو بھی مال غنیمت میں یہ برابر کے شریک تھے لیکن ظاہری صورت پیدا ہوگئی کہ مال کو دیکھ کر لپک پڑے چاہے ان کی نیت یہی تھی کہ ہم اس کو اکٹھا کریں تاکہ دشمن کو زیادہ نقصان پہنچے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون ہو، لیکن بظاہر رجحان مال اکٹھا کرنے کی طرف ہے جس کو قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے بعض تھے جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں جس کا مصداق خاص طور پر وہ لوگ ہو جائیں گے جو اس مال کی طرف نہیں لپکے اور اپنی جگہ پر قائم رہے اور اس مال کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی، "ثم صرفکم" پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا "لیبتلیکم" تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے "ولقد عفا عنکم" کتنے صاف لفظوں کے ساتھ معافی کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ تم سے درگزر کر گیا وہ مؤمنین پر مہربانی کرنے والا ہے۔

تہہ بتہہ غم دینے کی حکمت:

"اذ تصعدون" جب تم چڑھے جا رہے تھے اور کسی پر مڑ کے توجہ بھی نہیں کرتے تھے اور رسول تمہیں آوازیں دے رہا تھا تمہارے پیچھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم پر غم یعنی مسلسل غم دیا پہلا غم تو یہ تھا کہ فتح شکست سے بدل گئی دوسرا غم یہ تھا کہ اپنے بہت سارے ساتھی شہید ہوگئے، اور تیسرا غم حضور ﷺ کی وفات کی خبر سے پہنچ گیا، یہ غم تہہ بتہہ آ گئے ایسی خبریں تمہیں پہنچی ہیں جو کہ موجب غم ہوئیں اور یہ اتنا شدید غم دیا جس میں مقصد یہ تھا کہ تمہیں غم برداشت کرنے کی عادت پڑ جائے کیونکہ زندگی میں کسی شخص کے ساتھ کوئی واقعہ اگر اس قسم کا نہ پیش آیا ہو تو جب بھی کوئی تھوڑا بہت واقعہ پیش آئے گا تو انسان بالکل ہی حوصلہ چھوڑ دیتا ہے اور بہت غمزدہ ہو جاتا ہے اور جس کو اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں تو ان واقعات کے پیش آنے کے ساتھ طبیعت میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے پھر اگر کوئی خلاف طبیعت واقعہ پیش آ بھی جائے تو انسان اس کو برداشت کر لیتا ہے تو یہ غم کے واقعات پیش آنا انسان میں پختگی کا باعث ہیں پھر آئندہ کے لئے غم کی کیفیت ہلکی ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ سنا ہے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے

عادی ہو رنج کا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آسان ہوگئیں

کہ جب انسان رنج برداشت کرنے کا عادی ہو جائے تو پھر رنج سرے سے مٹ ہی جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے نفسوں کے اندر یہ پختگی پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ آئندہ اگر کوئی چیز تم سے فوت ہو جائے، کوئی موقع تمہارے ہاتھ سے

چلا جائے تو ایسی صورت میں تمہیں غم نہ ہو اور جو مصیبت پہنچے اس کے اوپر بھی کوئی کسی قسم کا حزن نہ ہو اللہ تعالیٰ تمہاری طبیعت کے اندر یہ پختگی پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے تمہیں یہ مسلسل غم دیا۔

دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو غم پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بدلہ میں تمہیں غم دے دیا یہاں بھی مقصد وہی تا کہ تمہیں غم برداشت کرنے کی عادت ہو، اور آئندہ کے لئے اگر اس قسم کا خلاف طبیعت واقعہ پیش آجائے تو تم گھبرا نہ جاؤ کہ جو تم سے فوت ہو جائے، کوئی اچھا موقع تمہارے ہاتھ سے چلا جائے اس کے اوپر تم غمزدہ نہ ہوا کرو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر بھی تمہیں حزن نہ ہوا کرے اس لئے تمہیں یہ غم دیا، اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والے ہیں تمہارے عمل کی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نیند کا طاری ہونا اور منافقین کا پریشان ہونا:

پھر اللہ نے اتارا تمہارے اوپر غم کے بعد چین، اطمینان اتار دیا جو نیند کی صورت میں تھا یعنی میدان جنگ میں نیند آجانا یہ سارے کے سارے منتشر خیالات کو دماغ سے نکالنے کا باعث بن جاتا ہے، تھکاوٹ بھی دور ہو جاتی ہے تو میدان احد میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نیند صحابہ رضی اللہ عنہم پر طاری ہوئی جس کی وجہ سے پریشانی کے خیالات ختم ہو گئے طبیعت کو سکون حاصل ہو گیا اور بدر کے میدان میں جب گئے تھے تو وہاں بھی لڑائی سے پہلے رات کو اطمینان سے سونے کا موقع دے دیا، میدان جنگ میں مجاہدین کو سونے کا موقع مل جائے، آرام کرنے کا موقع مل جائے اور امن کے ساتھ نیند آجائے یہ بہت بڑی قوت کا باعث ہوتا ہے۔

اور وقت پر نیند کا نہ آنا پریشانی کا باعث ہوتا ہے پھر انسان کے حوصلے اور بھی چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطمینان نازل کیا گیا، صحابہ کے اوپر نیند طاری کر دی گئی جس سے تھکاوٹ بھی دور ہوئی اور منتشر خیالات بھی دور ہو گئے، لیکن یہ نیند ان کو آئی جن کے دلوں کے اندر خلوص تھا اور سرور کائنات ﷺ کے وعدوں پر ایمان تھا، عقیدے ان کے صحیح تھے اور جو منافق قسم کے لوگ تھے ان کے دلوں میں پریشانی تھی تو پریشانی کی حالت میں نیند نہیں آتی، ان کو نیند نہیں آئی، ان کو اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی وہ نیند ڈھانپتی تھی تم میں سے ایک طائفہ کو' نعاساً " چونکہ لفظوں میں مذکر ہے اس لئے یغشیٰ یہ مذکر کی ضمیر لوٹی اور نیند کا لفظ اردو میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اس لئے ترجمہ مؤنث کے ساتھ کیا جا رہا ہے، وہ نیند ڈھانپتی تھی تم میں سے ایک طائفہ کو اور ایک طائفہ کو غم میں ڈال رکھا تھا ان کی جانوں نے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق گمان پکاتے تھے جاہلیت والے گمان، برے برے خیالات ان کے دل میں آتے تھے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ان کو یقین نہیں تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ کیا ہمارے لئے اس امر سے کوئی شئی ہے ہمیں اس امر میں کچھ اختیار ہے،

اب اس لفظ کے دو پہلو ہیں، مصیبت آ گئی تکلیف آ گئی بہت سارے رفقاء شہید ہو گئے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بس نہیں چلتا، ہمارے بس میں کچھ نہیں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

ظاہری سطح تو اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے انسان بے بس ہے اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے یہ پہلو تو اس کا صحیح ہے اور اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا کہ ہاں انہیں کہہ دیجئے کہ واقعی اختیار سارا اللہ کا ہی ہے، بندوں کا کوئی اختیار نہیں لیکن ان کے دل میں جو بات تھی وہ اور تھی وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم نے تو مشورہ دیا تھا کہ باہر نکل کر نہیں لڑنا مدینہ منورہ میں لڑنا ہے اگر ہمارا کوئی بس چلتا تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے، اور یہ ہمارے رفقاء اور ساتھی اور ہمارے خاندان کے لوگ قتل نہ ہوتے ہماری چونکہ بات نہیں مانی گئی اس لئے نقصان اٹھایا ہے، ان کے دل میں یہ بات تھی۔

ظاہری طور پر جو یہ کہتے تھے کہ ہمارا کوئی بس نہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہمارا بس چلتا تو ہماری تجویز پر عمل ہوتا تو یہ نقصان نہ اٹھاتے، اللہ تعالیٰ اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ بات ہے ظاہر اس کو اور انداز سے کرتے ہیں جس سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کا تقدیر پر اعتماد ہے کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں جو ہوتا ہے اللہ کی جانب سے ہوتا ہے ان لفظوں کا بظاہر یہ مطلب سمجھ آتا ہے کہ یہ تقدیر پر اعتماد کو ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں یہ بات ہے کہ اپنی تقدیر پر ان کا اعتماد ہے کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی اور ہمارا بس چلتا تو آج یہ نقصان نہ ہوتا۔

اسی کو کہا آگے جا کر کہ "یخفون فی انفسھم مالا یبدون لک" یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تیرے سامنے ظاہر نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے یعنی ہماری تدبیر پر عمل نہیں کیا گیا اگر ہماری تدبیر پر عمل ہو جاتا تو یہ نقصان نہ اٹھاتے، آپ انہیں کہہ دیجئے! ہمیشہ تقدیر ہی غالب آیا کرتی ہے تدبیر کچھ نہیں، اگر تمہاری تدبیر پر عمل ہوتا اور شہر میں بیٹھے رہتے تو پھر بھی جن کے اوپر قتل ہونا مقدر کر دیا گیا تھا وہ اپنے مضاجع کی طرف باہر نکل آتے، وہیں مرتے جہاں ان کے مرنے کی جگہ اللہ کی طرف سے مقدر تھی، اور یہ واقعہ جو پیش آیا اس میں وہی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ اس لئے پیش آیا تاکہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کی آزمائش ہو جائے، تمہارے جذبات تمہارے خیالات کی تطہیر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا کا مفہوم:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے جس دن دونوں جماعتوں کی ٹکر ہو گئی تھی ان سے پہلے کوئی کام ایسا ہوا جس کی بناء پر شیطان نے ان کو مزید لغزش میں ڈال گیا، "ببعض ما کسبوا" یہاں قرآن کریم میں مبہم ذکر کیا ہے

جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں، چھوٹی چھوٹی کمزوریاں جو بعد میں کسی بڑی کمزوری کا باعث بن جاتی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آخر معصوم تو نہیں تھے، معصوم تو انبیاء علیہم السلام کی ذات ہے تو بعض چھوٹے چھوٹے گناہ مزید ان کو لغزش میں ڈالنے کا باعث بن جاتے ہیں، یہ لفظ اسی طرح مبہم ذکر کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو مبہم ہی ذکر کریں گے باقی اس میں کسی ایسے جرم کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ چونکہ انہوں نے پہلے یہ جرم کیا تھا تو وہ جرم پھر باعث بن گیا کہ شیطان ان کو اس جرم میں مبتلا کر گیا، کچھ اپنی لغزشیں ایسی تھیں کہ جن کی وجہ سے شیطان کو اور زیادہ بہکانے اور پھسلانے کا موقع ملا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح نیکی، نیکی کا باعث بنتی ہے اگر ایک شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کی نیکی کی دنیا کے اندر یہ بھی جزا ہے کہ مزید نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے۔

اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کوئی برا کام کر بیٹھا چاہے وہ کسی درجے کا ہو پھر وہ برائی مزید برائی کا باعث بن جاتی ہے یعنی قلب کے اوپر اس کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ پھر دوسری برائی کے لئے راستہ اور ہموار ہو جاتا ہے اسی طرح ان بھاگنے والوں کی کچھ لغزشیں تھیں جن کی بناء پر شیطان ان کو مزید بہکا گیا، کوئی بات نہیں ایسا ہوتا رہتا ہے جو کچھ بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، جس سے یہ چوکنا کر دیا کہ اپنی زندگی کے اوپر ہمیشہ نظر رکھا کرو اور اپنی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں اور لغزشوں کی فوراً تلافی کیا کرو، توبہ اور استغفار کیا کرو، تاکہ شیطان تمہاری ان کوتاہیوں کو ذریعہ بنا کے تمہیں کسی اور کوتاہی کے اندر مبتلا نہ کر دے، تو زندگی کو سنوارنے اور زندگی کو صاف ستھرا کرنے کے لئے ایک تنبیہ ہو گئی کہ کبھی کسی لغزش کے بعد یا کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جانے کے بعد، یا کسی غلطی کے صدور کے بعد مطمئن ہو کے نہ بیٹھو یہ مزید کسی گناہ کا باعث بن جائے گا، بلکہ اس کو جلدی سے مٹاؤ توبہ اور استغفار کرو تاکہ شیطان اس سے آگے دوسری کسی برائی کے اندر تمہیں مبتلا نہ کر دے۔

اور بعض تفاسیر کے اندر "ببعض ما کسبوا" کا مصداق وہ بدر کے قیدیوں کے متعلق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیصلہ تھا اس کو بھی قرار دیا گیا ہے، چونکہ جب قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ ان کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، لیکن اگر فدیہ لے کر چھوڑو گے تو تمہارے بھی اتنے ہی آدمی دوسرے موقع پر قتل کیے جائیں گے، اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ کو ترجیح دی اور یہ کہا کہ ہم میں سے قتل ہو جائیں گے کوئی ایسی بات نہیں اس وقت ضرورت ہے کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یہ بھی توقع ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے کچھ ہمیں بھی سہارا مل جائے گا، جیسے سورۃ الانفال کے اندر اس کی تفصیل آئے گی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ فیصلہ جو تھا قیدیوں کو چھوڑنے کا بعض نے "ببعض ما کسبوا" کا مصداق اس کو بنایا ہے کہ یہی سبب بن گیا کہ دوسرے وقت میں تمہارے قدم اکھڑ گئے۔

بہر حال یہ لفظ مبہم ہے مجمل ہے اس میں کسی جرم کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ ہم کہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

یہ جرم سرزد ہوا تھا تو اس کے بعد شیطان نے ان کو پھر پھسلا دیا، اجمالی طور پر یہ بات ٹھیک ہے کہ بعض غلطیاں اس قسم کی ہوتی ہیں جو مزید غلطی کا باعث بن جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں تنبیہ کی جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ ہمیشہ اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہو کوئی کوتاہی گناہ کی سرزد ہو جائے تو اس پر خاموشی اختیار نہ کیا کرو توبہ واستغفار کر کے اس کو صاف کر لیا کرو ورنہ پھر وہ کسی اور بڑے گناہ کا باعث بن جاتی ہے جو کچھ بھی ہوا بہر حال اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا "ولقد عفا الله عنهم" اللہ تعالیٰ ان سب سے درگزر کر گیا جو پھسلنے والے تھے، بھاگنے والے تھے، میدان چھوڑنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دیا" ان الله غفور حليم " بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے۔

سبق کا خلاصہ:

غزوہ احد کے واقعات آپ کے سامنے تفصیل سے آرہے ہیں پہلا غزوہ جو مسلمانوں نے کفار کے خلاف کیا تھا بڑا غزوہ وہ غزوہ بدر ہے، یہ دو ہجری میں پیش آیا تھا، اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اس کے کہ تعداد میں کم تھے اور اسلحہ اور سامان بھی کم تھا اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ مشرکین مکہ کے مقابلے میں غالب آئے، یہ غزوہ رمضان شریف میں پیش آیا تھا، اگلا رمضان گزرنے کے بعد شوال میں غزوہ احد پیش آیا، غزوہ احد میں بھی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت پورا ہوا مسلمانوں کو فتح ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غلبہ مشرکین کے اوپر نمایاں ہو گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے، "ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم باذنه" کہ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم انہیں اللہ کی توفیق کے ساتھ قتل کرتے جا رہے تھے، بعد میں یہ فتح شکست کے ساتھ بدلی، کیوں بدلی، اس کا کیا سبب پیش آیا، اللہ تعالیٰ کی نصرت کیوں رک گئی؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شکست کیوں کھا گئے؟ قرآن کریم کے الفاظ میں صراحت ہے کہ "حتىٰ اذا فشلتم وتنازعتم فى الامر وعصيتم من بعد ما اراكم ما تحبون" کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبوب چیز تمہیں دکھا دی تھی یعنی فتح، تم کافروں پر فتح پا رہے تھے، اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ تھی، کافروں کو تم قتل کرتے جا رہے تھے۔

لیکن بعد میں تمہارے اندر رائے کی کمزوری پیدا ہوئی اور ایک معاملہ میں تم نے آپس میں جھگڑا کیا، اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی تم نے نافرمانی کی اس کا تعلق اس جماعت کے ساتھ ہے جو کہ پہاڑ کے اوپر حضور ﷺ نے ایک درے کی حفاظت کے لئے متعین کی تھی، اور میں نے کل آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ جب ایک کام اجتماعی شکل میں کیا جاتا ہے تو اس میں سے بعض افراد کی لغزش نقصان ساری جماعت کو پہنچاتی ہے، اور جس وقت اس واقعہ پر تبصرہ کیا جائے گا تو نسبت ساری جماعت کی طرف ہو گئی کہ تم نے یہ کیا، اس لئے نقصان ہو گیا چاہے کرنے والے بعض افراد ہوتے ہیں، قرآن کریم نے جو شکست کی وجہ بیان کی ہے وہ ہے رائے کی کمزوری کہ اپنے خیال میں وہ ٹھوس نہ رہے اور ان میں تنازع پیدا ہو گیا کہ ہمیں

یہاں ٹھہرنا چاہیئے یا نہیں ٹھہرنا چاہیئے اور آپس میں اختلاف ہوا اور سرور کائنات ﷺ نے جو حکم دیا تھا کہ تم نے یہیں جمنا ہے اس جگہ کو چھوڑنا نہیں ہے اس میں ان سے عصیان ہوگیا اور یہ عصیان بھی کیوں ہوا؟

آپس میں اس خیال کی بناء پر کہ اب فتح مکمل ہو چکی ہے میدان خالی ہوگیا، اب کافر بھاگے جارہے ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کافروں کا تعاقب کریں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تعاون کریں اور مال غنیمت اکٹھا کروائیں، ظاہری طور پر ان کی توجہ مال غنیمت کی طرف ہوئی مال کا تصور آ گیا ورنہ یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر ہم مال غنیمت میں شریک نہ ہوئے تو ہمیں حصہ نہیں ملے گا، حرص اور لالچ اگر کہا جاسکتا ہے تو اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اگر ہم نے مال غنیمت جمع کرنے میں شرکت نہ کی تو ہمیں حصہ نہیں ملے گا، اس لئے ہمیں دوڑ کے جانا چاہیئے، ہم مال اکٹھا کروائیں تاکہ ہمیں بھی حصہ ملے پھر تو ہم کہہ سکتے تھے کہ حرص اور لالچ کی بناء پر انہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑا لیکن جب بدر کی غنیمت تقسیم ہونے کے بعد یہ قانون واضح ہوگیا تھا کہ غنیمت کے حصہ دار صرف وہی نہیں سمجھے جاتے کہ جو باقاعدہ میدان کے اندر لڑ رہے ہوں بلکہ جو نگرانی پر کھڑے ہیں دوسری خدمات کے لئے متعین ہیں وہ بھی اسی طرح شریک ہوتے ہیں۔

اس قانون کے مطابق ان جبل رماۃ والوں کو حصہ تو بہر حال ملنا تھا، محروم تو انہوں نے رہنا نہیں تھا اب ان کا اترنا اس اجتہاد کی بناء پر تھا کہ یہاں رہنے کی اب ضرورت ختم ہوگئی اب کافروں کا تعاقب کرنا چاہیئے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے مال کے اکٹھا کرنے میں، اس لئے اس میں کوئی حرص اور لالچ کی بات نہیں لیکن ظاہری طور پر ان کی توجہ مال کے اکٹھے کرنے کی طرف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی انکار فرمایا کہ تم میں سے بعض تھے جو دنیا کا ارادہ کئے ہوئے تھے یہ تو ہے قرآن کریم کا مضمون اور پھر ان سے جو لغزش ہوئی اس لغزش کے نتیجہ میں جماعت کا نقصان ہوا، سرور کائنات ﷺ زخمی ہوئے، بہت زیادہ نقصان ہوا اسلام کے اندر باقاعدہ ایک شکست کا باب قائم ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمتیں واضح کیں کہ کوئی بات نہیں اگرچہ تم سے غلطی ہوئی لیکن اس سے یہ فوائد حاصل ہوئے، مؤمن مخلص کا اور منافق کا امتیاز ہوگیا اور آئندہ کے لئے تمہیں تجربہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ کو امتحان مقصود تھا، باقی سب غلطیاں ہم نے معاف کردیں، معافی کا اعلان بار بار کردیا تو ان آیات میں بھی عتاب کے مقابلہ میں شفقت زیادہ نمایاں ہے۔

مودودی صاحب کا تعاقب:

یہ ہے قرآن کریم کا مفہوم لیکن ہمارے مودودی صاحب جن کی یہ عادت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر گرفت کے بہانے تلاش کرتے ہیں، اور کسی قسم کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس کو اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں، دیکھو ایک ہے میرا انداز بیان کہ اکابر کے طرز پر ایک ایک بات بھی ذکر کریں لیکن ایسے انداز کے ساتھ کہ صحابہ کا دامن صاف ہوتا نظر آئے

اور اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی ہے تو ہلکی سے ہلکی ہوتی نظر آئے تا کہ اس جماعت کی عظمت بحال رہے، مسلمانوں کے اندر جو ان کا مقام ہے اس کی حفاظت ہو اور ان کا ذہن یہ ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بات آجاتی ہے تو اس کو ایسے سخت انداز سے ذکر کرتے ہیں جس سے وہ معاشرہ ہمارے آج کل کے معاشرے جیسا معلوم ہوتا ہے انہوں نے شکست کا جو سبب قرار دیا یہی آپ کو سنانا چاہتا ہوں، یہ کہتے ہیں کہ سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والوں میں حرص طمع بخل اور خود غرضی تھی۔

اور بعض سود دینے والے تھے جن میں نفرت، غصہ بغض اور حسد تھا احد کی لڑائی میں شکست کے معاملہ میں ان بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل ہو گیا، اور یہی عبارت ہے تفہیم القرآن کی جس کے اوپر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست قسم کی گرفت کی ہے اسی انداز میں جیسے میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں یہ ان کی کتاب ہے ''یتیمۃ البیان'' اس میں اس عبارت کا عربی میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے، یہ جو عبارت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ ہے صفحہ نمبر ۷۰ پر اور صفحہ ۸۱ پر یہی گرفت ہے جو میں نے آپ کے سامنے کی کہ قرآن کریم نے تو نشاندہی یہ کی ہے شکست کے اسباب کی انہوں نے معلوم نہیں یہ کہاں سے نکال لی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف حرص، طمع، بخل، خود غرضی، اور اسی طرح نفرت غصہ بغض حسد اس کو جو اسباب میں ذکر کیا ہے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے خلاف ہے۔

چوہدری افضل حق کا تعارف:

یہ بات تو تھی مودودی صاحب کی اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے چوہدری افضل حق صاحب رئیس الاحرار آپ شاید ان سے متعارف نہیں ہیں، احرار کے لیڈر ہیں لیکن احرار ایک ایسی جماعت تھی جو انگریز کے خلاف ایک آزادانہ ذہن رکھنے والوں کی جماعت تھی، جو بھی انگریز کے خلاف تھے، آزادی کے متوالے تھے، جانباز قسم کے لوگ وہ اس اسٹیج پر جمع تھے، باقی عقیدہ یا نظریہ کی بنیاد پر اس میں اجتماع نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ اس جماعت میں شیعہ بھی تھے، مظہر علی اظہر آخر وقت تک اس میں رہا ہے وہ شیعہ تھا اور اس میں غیر مقلد بھی تھے اور اس میں بریلوی بھی تھے، نواب زادہ نصر اللہ یہ ہمیشہ احرار میں رہا ہے تو جانباز قسم کے لوگوں کی ایک جماعت تھی جو انگریز کے خلاف جہاد کا جذبہ رکھتے تھے، باقی ایک عقیدہ ایک نظریہ اس پر اس کی بنیاد نہیں تھی ہر مسلک کے لوگ لے لئے جاتے تھے بشرطیکہ ان میں آزادی کا جذبہ ہو وہ جانباز قسم کے لوگ ہوں جو انگریز کے خلاف ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہوں۔

ان میں سے ایک چوہدری افضل حق بھی ہیں، مجاہد قسم کے آدمی ہیں، صاحب قلم ہیں لیکن علم میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، ادیب ہیں، صاحب قلم ہیں، قرآن و حدیث کی تشریح و تفسیر کے اندر ان کا کوئی مقام نہیں ہے، اس لئے علماء نے کبھی ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی، ایک آدمی کی اگر ایک میدان میں عظمت مان لی جائے تو اس کا یہ معنی

نہیں ہوتا کہ ہر میدان میں اس کی عظمت کا اعتراف کیا جائے، اب مولانا آزاد تھے ہم ان کو سیاسی لیڈر سمجھتے ہیں، اور سیاسی قائد ہیں، ہمارے اکابر نے ہمیشہ ان کو سیاست میں امام مانا ہے، باقی فقہی مسائل اور قرآن و حدیث کی تشریح میں ان کی رائے کا کبھی اعتبار نہیں کیا، اس لئے کبھی اس قسم کے مسائل حل کرنے میں ان کا حوالہ نہیں دیا جاتا، جو نظریہ ان کا ہمارے بزرگوں کے خلاف ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور سیاسی اتحاد کے طور پر احرار ہو، جمعیت علماء ہند ہو، ہندوستان کی سیاسی زندگی کے اندر یہ نہرو اور گاندھی کو بھی آگے رکھتے تھے کیونکہ ہندوستان کو آزاد کرانا جو مقصود تھا جو بھی اس میں مفید تھا وہ اس کا ساتھ دیتے، تو ان کا یہ مقام نہیں ہے کہ مذہبی مسائل میں، مذہبی نظریات میں ان کے حوالے دیئے جائیں یہ تو چونکہ کتاب میرے پاس تھی اور یہ مودودی صاحب کی عبارت بھی سامنے تھی تو اس سے زیادہ سخت عبارت [illegible] کی ہے اس کو صرف آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

چوہدری افضل حق کے باطل نظریات پر گرفت:

یہی غزوہ احد کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف لوٹ کی لالچ میں اپنی جگہ چھوڑ دینے والے بھی سود خور تھے، انہیں خدا کی راہ میں جان دینے کی بجائے غنیمت کا مال اڑا لینے کا خیال تھا ان کے اس لالچ نے نبی برحق کو احد میں شکست دلوائی دانت شہید کروا کر نڈھال کر دیا، جنگ احد کی شکست نے ثابت کر دیا کہ سود خوروں کا گروہ اسلام کی لڑائیاں نہیں جیت سکتا، انہیں حب مال ان کی جان اور ایمان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اب اس شریف آدمی سے کوئی پوچھے کہ جس وقت تک جبل رماۃ والوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی اس سے پہلے تو مسلمانوں نے غلبہ پا لیا تھا اور اس وقت کیا اس معاشرہ کے اندر سود خوری نہیں تھی، اور اس سے ایک سال قبل بدر کے اندر انہی لوگوں نے فتح پائی تھی، یہ انتہائی درجہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو مجروح کرنے والی بات ہے۔

ابھی تو یہ قابل تحقیق بات ہے کہ غزوہ احد سے پہلے سود حرام بھی ہوا تھا یا نہیں؟ قطعی طور پر سود کے حرام ہونے کا حکم حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے اور سورۃ البقرۃ کے آخر میں آپ کے سامنے آیات گزری ہیں اور وہ مدنی زندگی کے آخری دور کی ہیں اسی لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ابواب ربا میں سے بہت ساری باتیں ایسی رہ گئیں جن کی تشریح حضور ﷺ نے ہمارے سامنے نہیں کی، اس وقت تو قطعی طور پر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ربا کی حرمت آگئی تھی تو پھر بدر کے اندر ان لوگوں کا غالب آنا اور احد کے میدان میں پہلے فتح پانا اور پھر یہ مرکز چھوڑنے کی بناء پر فتح کا شکست سے بدل جانا قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہے، تو ان کا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے منافی ہے۔

اور اس قسم کی کتابوں کو دیکھ کر اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سوشلزم سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں، کسی مذہب کی کتاب کو دیکھنا چاہتے ہو سب کے اوراق الٹ پلٹ کر کے دیکھ لو، غریبوں کی خدمت، بے کسوں پر مہربانی ہر مذہب کی تعلیم کی جان ہے مگر اس کتابی سچائی کو زندگی کی حقیقت یا اسلام نے ابتدائی تیس سال اور اس کے بعد یہ روس کی کوشش بس یہ دو ہیں جو اس حقیقت کو اپنا رہے ہیں باقی اسلام کے ابتدائی تیس سال چھوڑ کے اور اس کے بعد تیرہ سو سال کا زمانہ جو ہے اس میں کسی نے اس چیز کو نہیں اپنایا، یعنی یہ تیس سال بھی بڑی مشکل سے ان کے قلم سے نکل گئے، ورنہ یہ تو اس سے بھی پیچھے ہٹے ہوئے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اچانک شہید ہو گئے انہوں نے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس شروع کر دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی سرمایہ داری کے مار آستین نے سر نکالا اور روح اسلامی کو ڈس لیا، یعنی تیس سال بھی پورے نہیں ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی سرمایہ داری کے مار آستین نے سر نکالا اور اس نے روح اسلامی کو ڈس لیا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہے اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ہے تو ان کے خیال کے مطابق سرمایہ داری کی زہر اس وقت معاشرہ میں پھیلنے لگ گئی تھی۔

بس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت تک یہ معاملہ تھوڑا سا ٹھیک رہا ہے، اور اس کے بعد سرمایہ داری آ گئی تو تیس سال بھی پورے نہیں ہوتے اس لئے ان کی عبارات اس قسم کی ہیں جن میں بہت سخت انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جس میں بعض تو اس قسم کی ہیں کہ اگر ظاہر کو دیکھا جائے تو بہت ہی سخت الفاظ ہیں، میں تو اس کتاب کو پڑھ کر بہت بددل ہوا ہوں، انسان جب سوشلزم سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے جذبات کدھر کو جاتے ہیں باوجود اس بات کے کہ یہ اچھے بھلے لیڈر ہیں لکھتے ہیں کہ خدا کے نام پر سرمایہ داری کے نظام کو چلانے والوں کی چیرہ دستیوں سے چیخ اٹھنے والی بھوک کی ماری مخلوق سوائے خدا کو کوسنے کے کیا کرے، (یعنی اگر یہ اللہ کو گالیاں نہ دے تو اور کیا کرے) جس نے انسان بنا کر انہیں حیوان سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا اگر شخصی جائیداد خدا کی طرف سے ایک مقدس حق ہے تو خدا غریب کے لئے مقدس ہستی نہیں (ہم تو کہتے ہیں کہ شخصی جائیداد مقدس حق ہے تو یہ شرطیہ جو ذکر کر رہے ہیں تو اگر مقدم ثابت آ جائے تو تالی خود بخود ثابت آ جائے گا ان کے خیال کے مطابق) بلکہ خون آشام سرمایہ داروں کا ساتھی ہے یعنی سرمایہ دار جو خون پیتے ہیں پھر خدا ان کا ساتھی ہے، اگر کہا جائے کہ شخصی جائیداد کوئی مقدس حق ہے اور ہم تو اس کو مانتے ہیں ہم تو کہتے ہیں کہ مقدس حق ہے، حلال ذرائع سے حاصل کر کے شخصی جائیداد کوئی کتنی ہی بنا لے حقوق اسلامی اگر ادا کرتا ہے تو اس کی مقدس چیز ہے اس میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کو مقدس حق قرار دیا جائے تو پھر غریب کے نزدیک خدا مقدس ہستی نہیں ہے، اور ایک

جگہ لکھتے ہیں کہ "بے زبان غریب کی اگر شخصی سرمایہ کے محافظ خدا کے خلاف زبان کھل جائے تو سچے مسلمان کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ مسلمانوں کا خدا انسانوں میں سے کسی بھی امتیاز کا روادار نہیں" اب اللہ تعالیٰ کی ہدایات تو ہیں لیکن واقعہ کیا ہے اگر مسلمانوں کے اندر بھی شخصی سرمایہ ہے اور اللہ نے اس کو تحفظ دیا ہوا ہے جائز طریقہ کے ساتھ کمائے ہوئے سرمایہ کو اسلام نے تحفظ دیا ہوا ہے، خود بخاری شریف کے اندر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جائیداد کا جو حساب آیا ہوا ہے بڑا پیچیدہ سا حساب ہے ان کی وراثت جو تقسیم ہوئی قرضے ادا کرنے کے بعد چھ کروڑ دو لاکھ کی مالیت چھوڑ گئے تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور جائیداد کا حساب خود بخاری شریف میں آیا ہوا ہے اب یہ شخصی جائیداد ہے اسلام نے اس کو تحفظ دیا ہے اور اس تحفظ کے بعد انسان اگر اس کے حقوق ادا کرتا چلا جائے تو کوئی کسی قسم کی بات نہیں ہے تو یہ انداز ایسا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد غریب آدمی کے اندر خوانخواہ خدا سے بغاوت پھیلتی ہے۔

اور ایسے ہی ابتداء کے اندر انہوں نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نماز وغیرہ اردو میں ہونی چاہیے، اور قرآن کریم کی تلاوت اردو میں اگر کی جائے تو اس کو قرآن پڑھنا ہی قرار دیا جائے، مولویوں پر ذمہ داری ہے کہ اس مسئلہ کو حل کریں ورنہ قوم اگر جاہل ہے اور قوم اگر اسلامی جذبات نہیں اپناتی تو اس کی ذمہ داری بھی علماء پر آتی ہے، اور کمال اتاترک وغیرہ نے جو عربی ممنوع قرار دے دی تھی ترک کے اندر اور نماز اذان وغیرہ سب عربی میں ممنوع قرار دے دی تھی اس کی عبارت سے اس کی گویا کہ تائید نکلتی ہے، اور یہ جو عربی پڑھنے کے اوپر اصرار کرتے ہیں کہ قرآن بھی عربی میں پڑھا جائے اور نماز بھی عربی میں پڑھی جائے ان کے اوپر یہ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں اس لئے یہ حضرات اس قابل نہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے اور مطالعہ کر کے ان سے نظریات کو اخذ کیا جائے یہ چیزیں ہمارے اکابر کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

ہمارے مذہبی راہنما یہ ہیں:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبی حیثیت بھی تھی اور سیاسی حیثیت بھی تھی بلکہ مذہبی حیثیت غالب تھی اور سیاست ان کی اس مذہبی حیثیت کے تابع تھی، وہ کوئی اقدام اس قسم کا نہیں کرتے تھے جو قرآن وحدیث یا علماء اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہو اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے صحیح جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تقریباً پینتیس سال تک انہوں نے حدیث مصطفیٰ کی اشاعت کی ہے اور ان کی تحریرات نقش حیات اور اسی طرح مکتوبات کے چار جزء، چار جلدیں موجود ہیں ان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے ذہن کے اندر اسلامی حدود کی کتنی پابندی ہے کیا مجال ہے کہ ایک لفظ بھی ان کے قلم سے بے احتیاطی کے ساتھ نکل جائے اور پھر ان کے پینتیس سال کے شاگردان کے علوم کے حامل ہیں۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وارث حضرت شیخنا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے ہی ان کے معروف شاگرد میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ سارے کے سارے حضرات ایسے تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی اشاعت کی تو جہاں مذہبی نقطہ نظر سے دیکھنے کی بات ہوگی کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر کیا ہے تو علماء دیوبند میں سے انہی علماء کی تحریریں دیکھو، انہی کی کتابیں پڑھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت کیا تھی، قرآن وحدیث کی وہ کس طرح عظمت بحال رکھتے تھے، کس طرح حدود الٰہیہ کی پابندی کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد ہیں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جو اس تحریک آزادی میں بہت آگے نکلے جس کی بناء پر ان کو پھر یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا، بائیس سال وہ باہر کی دنیا کے اندر چکر لگاتے رہے ان کے نظریات میں کچھ تختی آئی، تو جس وقت وہ واپس ہندوستان میں آئے ہیں تو علمی مقام کے طور پر ان کے فتاویٰ کو اور خیالات کو دیوبندی مسلک میں جگہ نہیں ملی، دیوبندی مسلک کی ترجمانی مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی اور دار العلوم کے دار الافتاء کے پاس رہی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سیاسی لیڈر ہیں مذہبی نہیں:

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سیاسی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ہمارے اکابر میں احترام کی نظر سے دیکھے گئے ہیں لیکن ان کے خیالات کو اس دیوبندی مسلک کے اندر کوئی جگہ نہیں دی گئی اور ان کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی تصانیف کم ہیں وہ باہر مختلف حلقوں کے اندر جو کچھ بیان کرتے رہے وہ لوگوں نے جمع کر کے شائع کر دیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک سمجھنے کے لئے ان کتابوں کے اوپر مدار نہیں رکھا جا سکتا جن کے اندر اہل علم کا واسطہ نہیں ہے بلکہ انگریزی خواں قسم کے لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے، جو کتابیں انہوں نے ان کے اقوال کے طور پر لکھی ہوں ان کی چھانٹی کی جائے گی جو باتیں ہمارے اکابر کے خیال کے مطابق ہوں گی ہم ان کو صحیح قرار دیں گے اور جو بات ہمارے اکابر کی تحقیق کے خلاف ہوگی ہم راوی کی غلطی بتائیں گے، چونکہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت قابل احترام ہے ہم یہ کہیں گے کہ چونکہ ان کے اپنے قلم کی باتیں لکھی ہوئی نہیں ہیں اس کے ناقل دوسرے لوگ ہیں اگر کوئی غلط بات ان کتابوں کے اندر آئے گی تو ہم اس کو ناقل کی غلطی بتائیں گے۔

اور آپ کے سامنے کیا عرض کروں پچھلے دنوں اس بارے میں بعض حضرات سے ملاقات کر کے ان کو توجہ بھی دلائی، یہ ان کی تفسیر شائع ہوئی ہے الہام الرحمٰن کے نام سے یہ ان کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی نہیں، انہوں نے کسی کو پڑھائی اور اس نے وہ اقوال جمع کر لئے، جمع کرنے کے بعد اس کو شائع کر دیا اب ہم اس کی کسی بات کی ذمہ داری قبول کرنے کے

لئے تیار نہیں، جو بات اس میں سے صحیح ہوگی اس کو مولانا کی قرار دیں گے اور جو بات صحیح نہ ہو ہمارے اکابر کی تحقیق کے خلاف ہو اس کو غلط کہیں گے کیونکہ مولانا کی شخصیت قابل احترام ہے اس لئے مولانا کی طرف نسبت کرنے کی بجائے ہم ناقلین کی غلطی بتائیں گے، کتاب اٹھا کر دیکھیں گے تو اس کتاب کے اندر صراحت کے ساتھ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے، رفع عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے، صاف الفاظ میں بغیر کسی تاویل کے اس کو یہودی داستان قرار دیا گیا ہے اور اس عبارت پر میں نے بہت سارے حضرات کو متوجہ کیا ہے۔

اور حضرت سید جاوید حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی وساطت سے حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اس کی تردید کرو اس کے متعلق بیان دو، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے خیالات تو وہی ہیں جو ہمارے اکابر کے ہیں اور اس کی نسبت بھی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرنے کو تیار نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ ناقلین کی غلطی ہے اس قسم کی باتیں ان کی طرف منسوب کتابوں میں موجود ہیں اگر یہ ان کی کتاب مان لی جائے اور یہ تصریحات ان کی تسلیم کر لی جائیں تو لازماً کہنا پڑے گا کہ آج تک جو ہمارے اکابر ان چیزوں کے انکار کرنے والوں کو کافر کہتے رہے ہیں تو وہ فتویٰ غلط ہے، اور اگر یہ فتویٰ صحیح ہے تو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت غلط ہے، لیکن جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر تو اعتماد کرتے ہیں اور ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو پھر ان کو بچانے کے لئے ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان تحریرات کی ذمہ داری حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ پر نہ ڈالی جائے۔

بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ بے دین قسم کے ناقلین جو ان کے اردگرد جمع ہو گئے تھے انہوں نے اس قسم کی باتیں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیں، تو جس وقت تک ان باتوں کے اندر واسطہ اہل علم کا نہیں ہوگا ہم ان باتوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ہے ہمارا نظریہ کہ جہاں اہل علم کا واسطہ ہوگا اور جو بات ہمارے اکابر کی تصریحات کے مطابق ہوگی ہم اس کو قبول کریں گے اور جو بات اکابر کی تصریحات کے خلاف ہو اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا

اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جو کفر کرتے ہیں اور بھائیوں کے متعلق کہتے ہیں جس وقت

ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ج

وہ بھائی زمین میں چلیں یا وہ غازی ہوں اگر وہ ہمارے پاس رہتے نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے ،

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ط وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ط

نتیجہ ان باتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان کے دلوں میں حسرت بنا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ زندگی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے ﴿۱۵۶﴾ اور اگر تم قتل کر دیے جاؤ اللہ کے راستے میں

أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾

یا تمہیں موت آجائے البتہ بخشش ہے اللہ کی طرف سے اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں ﴿۱۵۷﴾

وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

اور اگر تم وفات پا جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تم جمع کیے جاؤ گے ﴿۱۵۸﴾ اللہ کی رحمت کے سبب سے

اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا

آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ، اور اگر آپ ترش رو ہوتے اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ بکھر جاتے

مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي

آپ کے اردگرد سے ، پس تو انہیں معاف کر دے اور ان کے لیے معافی طلب کر اور ان کے ساتھ مشورہ کیا کر

الْأَمْرِ ج فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

معاملات میں ، پھر جس وقت آپ پختہ عزم کر لیں پھر آپ اللہ پر بھروسہ کریں ، بے شک اللہ تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ج وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں ، اور اللہ تعالیٰ تمہیں نصرت سے محروم کر دے تو کون ہے جو

يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا

تمہاری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے چھوڑ دینے کے بعد ، اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ﴿۱۶۰﴾ نہیں

كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

مناسب کسی نبی کے لئے کہ وہ خیانت کرے ، اور جو بھی خیانت کرے گا لے آئے گا وہ اپنی خیانت کو قیامت کے دن ،

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس جو اس نے کیا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿۱۶۱﴾ کیا پھر وہ شخص جو

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

اللہ کی رضا کا تابع ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہوا اور اس شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے ،

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۶۲﴾ وہ مختلف درجوں والے ہیں اللہ کے نزدیک ، اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

یہ لوگ کرتے ہیں ﴿۱۶۳﴾ البتہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر جبکہ ان میں ایک رسول اٹھایا

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انہی میں سے ہی تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیات کو اور انہیں سنوارتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

و حکمت کی ، بے شک یہ لوگ اس رسول کے آنے سے قبل کھلی گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

غزوہ بدر کے حالات آپ نے تفصیل سے سنے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان واقعات کی حکمت بیان کرتے ہوئے ایک حکمت یہ بھی بتائی تھی کہ ایسے مصائب کے وقت میں مخلصین اور منافقین کا امتیاز ہو جاتا ہے، جب خوشحالی کے دن ہوتے

ہیں، امن اور چین کے دن ہوتے ہیں تو سارے ہی محب اور سارے ہی مخلص ہوتے ہیں لیکن اصل کے اعتبار سے دل کی گہرائی میں جو جذبات چھپے ہوئے ہوتے ہیں ہمیشہ وہ اس قسم کے حادثات میں نمایاں ہوا کرتے ہیں، پھر دل کی گہرائی میں چھپی ہوئی باتیں انسان کی زبان پر آتی ہیں تو یہاں بھی واقعہ ایسے ہی ہوا کہ مدینہ منورہ میں بہت سارے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ظاہری طور پر ایمان کو قبول کیا ہوا تھا، در پردہ ان کو اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور ان کی ہمدردیاں یہود کے ساتھ تھیں، مشرکین مکہ کے ساتھ تھیں اور یہی لوگ ہیں جن کو ہم منافقین کے لفظ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور ان کا سردار تھا عبداللہ بن ابی ابن سلول، سلول اس کا دادا نہیں بلکہ اس کی ماں ہے اس لئے اس کو ابن سلول پڑھنا ہے۔

یہ تھا ان منافقین کا سردار چنانچہ جنگ احد کے لئے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے نکلے ہیں تو یہ راستہ سے اپنے ساتھیوں کو واپس لے گیا تھا، تین سو رفقاء اس کے ساتھ واپس چلے گئے تھے انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا، اللہ کی مرضی، ہوا ایسا کہ غزوہ احد میں شکست ہوگئی تقریباً ستر کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم اس میدان میں شہید ہوئے جن میں اکثریت انصار کی تھی اور کچھ مہاجرین بھی تھے، جس طرح غزوہ بدر کے اندر بھی چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں آٹھ انصاری تھے چھ مہاجر تھے اور یہاں بھی شہید ہونے والوں میں اکثریت انصار کی تھی، اور یہ انصاری ان منافقوں کے ہم رشتہ ہم نسب قبیلوں کے لوگ تھے تو جس وقت یہ واقعات پیش آگئے تو اب ان منافقین کو اپنے نفاق کے ظاہر کرنے کا موقع ملا اور اس قسم کی باتیں ان کی زبان کے اوپر آئیں کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی دلی ہمدردیاں حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کے ساتھ نہیں ہیں، اس موقع پر انہوں نے جماعت کے اندر انتشار پھیلانے کی پوری کوشش کی اور بھی بہت ساری باتیں کیں جن میں سے ایک بات خصوصیت سے کے ساتھ لوگوں کے اندر پروپیگنڈے کے طور پر پھیلائی تا کہ سرور کائنات ﷺ پر اعتماد ختم ہو جائے اور یہاں ان کے آنے کے بعد سرداری ان کو مل گئی اور سرداری ہماری نہ رہی، اقتدار ہمیں حاصل نہ ہو سکا۔

تو ممکن ہے اس پروپیگنڈے کے ساتھ ان کے قدم اکھیڑ دیے جائیں دوبارہ اسی عبداللہ بن ابی کو سرداری مل جائے اس لئے کہ یہ سرغنہ تھا اس پروپیگنڈے کا اور اس کے رفقاء ان باتوں کو پھیلانے والے تھے، اس رکوع کے اندر تقریباً اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہی کے پروپیگنڈے کا ازالہ کیا ہے۔

منافقین کا پروپیگنڈہ اور اس کا مقصد:

حاصل یہ ہے کہ انہوں نے یوں باتیں کرنی شروع کیں کہ دیکھو ہم نے مشورہ دیا تھا کہ شہر سے باہر نہ جاؤ اگر ہمارا مشورہ مان لیا جاتا تو کم از کم یہ خون ریزی تو نہ ہوتی، یہ مرتے تو نہ، ہمارے مشورے پر عمل کرتے تو یہ مصیبت نہ آتی، یہ مصیبت اس لئے آئی ہے کہ انہوں نے ہمارا مشورہ نہیں مانا، ہم نے تو بہت زور لگایا تھا حتیٰ کہ ہم نے ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ہم نہیں جاتے شہر میں رہنا چاہیے لیکن انہوں نے اپنی ضد پوری کی اور اس ضد میں آکے ہماری قوم مروا دی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق اس قسم کے پروپیگنڈے کئے کہ یہ ہمارے حق میں مخلص نہیں ہے اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہے اور قربانی ہماری دی جارہی ہے، مشورے ہمارے نہیں مانتے، جدھر دیکھو بس ہمارے آدمی قتل کروائے جارہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو ان کے اوپر اعتماد کیا ہے اور اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دیا، ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اپنا جان مال ان کے سپرد کر دیا یہ ہمارے حق میں مخلص نہیں ہیں یہ اسی طرح ہماری قوم کو تباہ کروائیں گے۔

اس طرح منافقین نے مسلمانوں کے اندر پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا، تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے دل کی گہرائی میں جو چھپے ہوئے جذبات تھے، سرور کائنات ﷺ کے ساتھ عدم عقیدت، حضور ﷺ کے اوپر پورا اعتماد نہ کرنا اس قسم کے جذبات ان کے دل کی گہرائی میں جو چھپے ہوئے تھے تو ذرا سا رگڑا لگا اور اندر کے سارے داغ نمایاں ہوگئے، اور اگر اس قسم کی مصیبتیں نہ آتیں تو ان کا یہ نفاق اور ان کے یہ جذبات جو حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کے متعلق تھے یہ نکھر کے سامنے نہ آتے اور انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اب ایک واقعہ سامنے آگیا اب یہ پروپیگنڈہ عام کرو جس وقت پروپیگنڈہ عام ہوگا تو کم از کم اہل مدینہ کا اعتماد حضور ﷺ سے اٹھ جائے گا، جب اہل مدینہ کا اعتماد اٹھ جائے گا تو یہاں سے ان کے قدم اکھڑ جائیں گے اور دوبارہ ہماری سرداری پھر آجائے گی جس طرح کہ پہلے تھی۔

یہود کے ساتھ ان کے تعلقات تھے، یہود سے ان کی ہمدردیاں تھیں، وہ بھی ان کو اس قسم کی پٹیاں پڑھاتے تھے اور خود بھی یہ لوگ چونکہ اقتدار کے بھوکے تھے، حب جاہ کے اندر مبتلا تھے، اور یہ بات بخاری شریف کے اندر صراحتاً آتی ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک دفعہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ خزرج کے سردار ہیں وہ بیمار ہوگئے اور وہ مخلصین میں سے تھے تو حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے گئے، حمار پر سوار تھے گدھے پر سوار ہو کے جس وقت چلے تو دیہاتوں میں جس طرح رواج ہوتا ہے کہ سڑک کے کنارے پر ایک طرف مجلس لگا لیتے ہیں، تو ایک طرف مجلس لگی ہوئی تھی اور یہ عبداللہ بن ابی بھی وہیں موجود تھا اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا یہ بدر سے پہلے کی بات ہے اور اس مجلس کے اندر کچھ مسلمان تھے، کچھ مشرکین تھے، کچھ یہود تھے، مشترکہ سی مجلس تھی تو حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو سواری سے اترے اور اتر کر ان کو تبلیغ کی اسلام کی باتیں کیں، تو اس وقت یہ عبداللہ بولا کہنے لگا کہ جو باتیں آپ کرتے ہیں یہ بڑی اچھی باتیں ہیں لیکن ہمیں ہماری مجلسوں میں آکر تنگ نہ کیا کرو، اپنی جگہ بیٹھا کرو جو وہاں آپ کے پاس آجائے اس کو یہ باتیں سنایا کرو اور جو آپ کے پاس نہیں آتا تو ہماری مجلسوں میں آکر اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو۔

اور جو درمیان میں مخلص صحابہ بیٹھے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا آنا تو ہمارے لئے بڑی خوشی کا باعث ہے آپ ضرور تشریف لایا کریں اور ہمیں اس قسم کی باتیں بتایا کریں، ادھر سے وہ ادھر سے یہ بولے بات توں توں میں میں

تک پہنچ گئی حضور ﷺ نے سب کو چپ کرایا اور پھر آپ سوار ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے جس وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے وہاں جا کے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ دیکھو آج اس نے ایسی باتیں کی ہیں جو اس کے لئے مناسب نہیں تھیں، تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! اسے معذور سمجھو۔

آپ کے آنے سے قبل اس طرف کے لوگ یعنی مدینہ منورہ کے لوگ طے کر چکے تھے کہ اوس اور خزرج دونوں مل کر اس عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنالیں انہوں نے اس کو پہنانے کے لئے تاج تیار کر رکھا تھا، پگڑی اس کو بندھوانی تھی اور اس کو سردار بنانے والے تھے اور اس سے قبل اوس اور خزرج کا کسی شخص پر اتفاق نہیں ہوا جیسا اتفاق اس وقت عبداللہ بن ابی پر ہو رہا تھا، اور آپ کے آنے کے ساتھ وہ سارے کا سارا پروگرام درہم برہم ہو گیا، وہاں لفظ آتے ہیں کہ یہ بات اس کے گلے میں اٹکی ہوئی ہے اس لئے یہ حسد میں مبتلا ہو گیا ہے تو آپ اس کی باتوں پر کان نہ دھریے، آپ اس سے درگزر کر جایئے تو وہاں سے یہ سارا نقشہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی سب سے بڑا منافق کیوں تھا؟ اور ہر موقع پر وہ حضور ﷺ اور مہاجرین کی جماعت کو مدینہ منورہ سے نکالنے کے پروگرام کیوں بناتا تھا؟

غزوہ بنی مصطلق کے وقت بھی اسی نے فتنہ اٹھایا تو کوئی موقع یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا کوشش کرتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس کی بناء پر مہاجرین کے قدم اکھیڑ دیے جائیں اور یہ شیرازہ منتشر ہو جائے تو میں اسی طرح دوبارہ مدینہ منورہ کا سردار بن جاؤں گا جس طرح کہ پہلے تجویز ہوئی تھی تو یہ بات تھی جس کی بناء پر اس کے دل کی جلن جاتی نہیں تھی تو ایسے موقع پر انہوں نے بڑا فائدہ اٹھایا جبکہ نقصان ہوا بہت سارے لوگ شہید ہو گئے اور ظاہر یہ ہے کہ اس کے مشورے کے خلاف یہ بات ہوئی تھی اس کا مشورہ تھا کہ باہر جا کے نہیں لڑنا تو انہوں نے یوں پروپیگنڈہ کر کے پھر بددلی پھیلانے کی کوشش کی تو ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی کہا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرنے والے حقیقت کے اعتبار سے کافر ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔

منافقین کے پروپیگنڈے کا جواب:

اصل بات یہ ہے کہ یہ باتیں ان کے لئے حسرت اور افسوس کا باعث ہیں اگر ان کا اللہ پر صحیح اعتماد ہو کہ حیات وموت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر واقعہ پیش آجانے کے بعد یوں کہیں کہ ان کی زندگی اتنی تھی، ایسے ہی ہونا تھا، جب اس قسم کی بات کی جایا کرتی ہے تو دل کو اطمینان آجاتا ہے پھر زیادہ صدمہ نہیں ہوتا۔

ایک آدمی تقدیر کا قائل ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم، حکمت، قدرت پر اس کا اعتماد ہے اس کا بچہ فوت ہو گیا تو وہ کہتا ہے کہ بس اللہ کو ایسے ہی منظور تھا اسی میں اللہ کی حکمت تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہوا ہمارے حق میں وہی بہتر ہے

توطبعی طور پر اگرچہ اس کو صدمہ ہوگا لیکن دو چار دن میں طبیعت صاف ہوجائے گی، دل کو اطمینان ہوجائے گا اور اگر وہ یوں سوچنے لگے کہ ہائے اگر فلاں حکیم سے علاج کرواتا تو شاید بچ جاتا، اگر میں اس کو فلاں ہسپتال میں لے جاتا تو یہ بچ جاتا یہ اس لئے مرگیا کہ میں نے فلاں کا مشورہ نہیں مانا اس لئے مرگیا یہ باتیں جتنی کریں گے اتنی دل کے اندر بے چینی پیدا ہوگی تو یہ باتیں ان کے لئے بھی اسی طرح حسرت اور افسوس کا باعث بنی ہوئی ہیں، ورنہ مسلمان کا تو عقیدہ یہ ہے کہ ''الله یحی ویمیت'' حیات وموت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جیسے پیچھے آیا تھا کہ اگر وہ گھروں میں بھی چھپ کے بیٹھے رہتے تو بھی جن کے لئے موت مقدر تھی وہ مرنے کی جگہوں کی طرف نکل کے ضرور آتے۔

اور اس رکوع کے آخر میں پھر یہ بات آئے گی کہ ''قل فادرؤا عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین'' تم چھلانگیں مارتے پھرتے ہو کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ مرتے پھر تم موت سے بچ کے دکھادینا، جب تمہارا وقت آجائے گا پھر دیکھیں گے تم موت سے کس طرح بچتے ہو، اگر تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے ساتھ کوئی موت سے بچ سکتا ہے تو تمہیں تو بدرجہ اولیٰ بچ جانا چاہیئے، لیکن جب تمہیں موت آئے گی دیکھیں گے تم کہاں تک بچتے ہو اس سارے رکوع کے اندر یہی کچھ بیان کیا گیا ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ درمیان میں حضور ﷺ پر اعتماد ظاہر کیا گیا ہے کہ دل کے اندر خیانت رکھنا، دل کے اندر کسی کے متعلق غداری کے جذبات رکھنا یہ کسی نبی کی شان نہیں ہے کہ ظاہری طور پر خیر خواہی کا اظہار کریں اور دل میں بدخواہ ہوں، یا دل میں کسی کو نقصان پہنچانا مقصود ہو یہ کسی نبی کی شان نہیں ہے۔

نہ مالی طور پر نبی خیانت کرسکتا ہے کہ مال غنیمت میں سے کچھ اٹھالے اور باقی قوم کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ ان معاملات کے اندر کسی قسم کی خیانت کرسکتا ہے کہ ظاہری طور پر کچھ ہو اور اندر سے کچھ ہو، نبی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا یہ اس کی شان کے منافی ہے، خائنین تو اللہ کی دربار میں رسوا ہوں گے اور اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹیں گے اور نبی تو اللہ کا محبوب ہوتا ہے یہ لوگ تو درجات والے ہوتے ہیں ان کے متعلق ایسا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے اس لئے پھر آگے جا کر بتلایا کہ مومنوں کو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا رسول بھیج دیا، ایمان والوں کے جذبات تو شکر گزاری کے ہونے چاہئیں، جس وقت تک یہ نہیں آئے تھے تو ہم کس طرح اینٹوں کے سامنے جھک رہے تھے، آگ پانی کی پوجا کرتے تھے صراحتاً گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ان کے آنے کے ساتھ اللہ نے ہمیں شرف بخشا تو اللہ کے شکر گزار ہونا چاہیئے اور اللہ کے اس احسان کی قدر کرنی چاہیئے جو اللہ کے رسول کی شکل میں آیا، ''لقد من الله علی المؤمنین'' کے اندر یہ بات بیان فرمائی ہے۔

حضور ﷺ کا نرم رو ہونا:

اور درمیان میں پھر سرور کائنات ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی کہ آپ نے جن کے ساتھ یہ رویہ اختیار

کیا کہ باوجود ان کی اس قسم کی غلطیوں کے جن سے اتنا بڑا نقصان ہوا اور باوجود ان کے اس قسم کے طعن و تشنیع کے آپ کے چہرے پر انقباض نہیں آیا، آپ ان کے ساتھ خوشی سے پیش آتے ہیں مسکراتے ہوئے پیش آتے ہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے آپ کا مزاج ایسا بنا دیا ورنہ اگر آپ ترش رو ہوتے، سخت دل ہوتے تو اس وقت یہ فدائیوں کی جماعت جو آپ کے ارد گرد جمع ہے یہ اس طرح مجتمع نہ رہتی یہ آپ سے منتشر ہو جاتے تو گویا کہ آئندہ کے لئے بھی تلقین فرمادی کہ ان کی اس قسم کی غلطیوں پر خوش رو رہنا چاہیئے ترش روئی نہیں کرنی، سخت دل نہیں ہونا۔

اور مصلح کے لئے اصل بات یہی ہے کہ اس کے دل میں بھی نرمی ہو، اس کی قوم کے لوگ، اس کے ماننے والے، اس کے متبعین اگر کسی قسم کی غلطی کر بھی لیں تو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی جائے، سخت دلی کے ساتھ یا ترش روئی کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، اور پھر ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ جو ان سے ہوا آپ ان کو معاف بھی کر دیں، ترتیب ایسی رکھی کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا اور پھر حضور ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ بھی معاف کر دیں اور معاف کرنے کے ساتھ ساتھ پھر ان کے لئے میرے سے استغفار بھی کریں کہ یا اللہ! ان کا گناہ معاف کر دو کیونکہ یہ دل کے زیادہ صاف ہونے کی علامت ہے اور پھر ان کو اعتماد دلانے کے لئے کہ آپ نے ان کو دل سے معاف کر دیا ہے اور آپ ان پر ناراض نہیں ہیں معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہنا تو جس وقت آپ ان سے مشورہ کریں گے ان کی بات سنیں گے تو ان کو اور زیادہ اعتماد ہوگا کہ حضور ﷺ ہم کو دل سے معاف کر چکے ہیں ہم پر خوش ہیں ناراض نہیں ہیں۔

اور پھر صحابہ مخلصین کو بھی اعتماد دلایا جا سکتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ شاید حضور ﷺ نے اوپر اوپر سے معاف کر دیا ہو اور دل میں کوئی غصہ رکھ لیا ہو اس قسم کی باتوں کو چھپانا نبی کی شان نہیں ہے، مخلصین کے لئے لفظ یوں صادق آ سکتا ہے اور منافقین کے لئے یوں صادق آئے گا کہ دل میں بدخواہی رکھنا اور ظاہری طور پر خیر خواہ بن کر رہنا یہ نبی کی شان نہیں ہے، نبی ہمیشہ خیر خواہ ہوتا ہے اور اس کے اندر کوئی اس قسم کے جذبات نہیں ہوتے جن کو خیانت سے تعبیر کیا جا سکے اس طرح ان آیات کی ترتیب ہے۔

مشورہ کی ترغیب اور آداب:

"وشاورھم فی الامر" اور آئندہ کے لئے بھی ان سے مشورہ کرتے رہیئے، امر سے مراد ہے کوئی مہتم بالشان کام پیش آ گیا، جو معاملات ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی ہدایات آ جائیں ان میں کسی کے مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور سرور کائنات ﷺ کے بعد جس معاملہ میں حضور ﷺ کی طرف سے قطعی ہدایات

ہیں اس میں بھی مشورے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، ہاں البتہ حکومت کے معاملات اور اپنے شخصی معاملات جن میں کوئی پہلو متعین نہیں تو یہاں ذی رائے لوگوں سے پوچھ لینا اور ان سے مشورہ کر لینا تو اس میں خیر و برکت ہوتی ہے، وہ خیر و برکت اس لئے ہوتی ہے کہ ایک آدمی اکیلا جب کسی معاملے کو سوچنے والا ہوتا ہے تو بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس کی ایک پہلو پر نظر ہے دوسرے پہلو پر نظر نہیں ہے، اور جب چار آدمی بیٹھ کر اکٹھے سوچیں گے تو ہر پہلو پر نظر چلی جائے گی، سارے پہلو سامنے آجانے کے بعد پھر انسان جو بات طے کرے گا اس میں بصیرت زیادہ ہوتی ہے۔

اس لئے عام معاملات میں بھی اور حکومت کے معاملات میں بھی جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی قطعی ہدایات نہیں ہیں اب بھی مسئلہ اسی طرح ہے کہ یہ مشورہ کے ساتھ طے ہونے چاہیئں، اس لیے اسلام نے جو نظام ہمیں دیا ہے وہ شورائی نظام ہے اور مشورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ پیش آجائے اس معاملہ کے متعلق سمجھدار لوگ جو بصیرت رکھنے والے ہیں ان کو اکٹھا کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے اور رائے معلوم کرنے کے بعد دلیل کے اعتبار سے جو قوی معلوم ہو اس کو اپنا لیا جائے، اور وقت کا حاکم چونکہ چنا ہوا ہوتا ہے سمجھدار قسم کا ہوتا ہے پھر سب کی باتیں سن لینے کے بعد آخری فیصلہ اس کی رائے پر ہے اس لئے فرمایا "اذا عزمت فتوکل علی اللہ" اور اس عزم کے اندر یہ ضروری نہیں کہ جو مشورہ دینے والے زیادہ ہیں یا تھوڑے ہیں ان میں سے کسی کی رائے کو ضرور لیا جائے، سب کی بات سن لینے کے بعد اگر انسان یہ رائے قائم کرتا ہے کہ یہ رائے اگرچہ قلیل کی ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اس کا اختیار کرنا درست ہے تو حاکم وقت کو وہ بھی اختیار کرنی جائز ہے، اکثریت کی اتباع کا کوئی اصول نہیں ہے اصل دلیل کی قوت ہے۔

اس لئے سرور کائنات ﷺ جتنا اعتماد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے عام لوگوں پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے اور جس بارے میں دونوں کی رائے اکٹھی ہو جاتی تھی حضور ﷺ اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے اسی کو اپنا لیتے تھے، حدیث شریف کے اندر اس قسم کے واقعات موجود ہیں، شخصی معاملات میں بھی اسی طرح ہوتا ہے، آپ مثال کے طور پر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو کسی سمجھدار سے پوچھو کہ میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں اس میں نفع ہے یا نقصان، کروں تو کیسے کروں، اور عام معاملات میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے امراء تم میں سے بہتر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے سے طے ہوں تو ایسے وقت میں زندگی موت سے بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء تم میں سے بدتر ہو جائیں اور تمہارا مالدار طبقہ بخیل ہو جائے اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں کہ جیسے بیوی نے کہنا ہے ویسے ہی کرنا ہے، کسی سے پوچھنے اور مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تو ایسے وقت میں موت زندگی سے بہتر ہے (مشکوٰۃ ص ۴۵۹)۔

تو عام معاملات میں بھی مشورہ کی ترغیب ہے اور مشورہ کا اصول یہی ہے کہ جو کام پیش آجائے اس کے متعلق سمجھدار لوگوں سے پوچھا جائے اور پھر جس سے مشورہ لیا جائے اس کے متعلق بھی تاکید ہے حضور ﷺ نے فرمایا "المستشار مؤتمن" جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین سمجھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے جو دل میں صحیح بات آئے وہی بتانی چاہیئے اور اگر دل میں تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام یوں کرے تو بہتر ہے لیکن آپ اس کو وہ نہیں بتاتے کوئی دوسرا راستہ دکھا دیتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ خیانت ہے، تو مستشار کو بھی پابند کردیا گیا ہے کہ امانت کا خیال رکھے جو صحیح بات ذہن میں آئے وہی بتائے، اس طرح معاملات میں خیر و برکت ہوتی ہے جب انسان آپس میں مشورہ کر کے چلتا ہے۔

وما کان لنبی ان یغل کا مفہوم ومصداق:

"وما کان لنبی ان یغل "اگر تو اس کو لگایا جائے مال غنیمت میں خیانت کرنے کے متعلق تو تفسیروں کے اندر ایک روایت لکھی ہوئی ہے کہ بدر کی مال غنیمت میں ایک چادر یا شلوار گم ہوگئی تھی، جس کے متعلق بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ شاید حضور ﷺ نے رکھ لی ہو، اب یہ بات جو ان کی زبان سے نکلی اگرچہ کوئی ایسی اہم نہیں ہے لیکن مالی معاملات میں اس قسم کے خیالات کا لوگوں کے دلوں میں آجانا کسی درجہ میں عظمت کے منافی ہے، اور اگر یہ بات لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑ جائے کہ حضور ﷺ لوگوں کے مال سے اس طرح رکھ لیتے ہیں اور ہمیں بتاتے نہیں ہیں تو کسی وقت بھی شیطان وسوسہ ڈال کے انسان کو حضور ﷺ سے دور ہٹا سکتا ہے اور بد اعتمادی کی فضاء پیدا ہوسکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی شان نہیں کہ مال غنیمت میں خیانت کرے پھر یہ آیت بدر سے متعلق ہے احد سے متعلق نہیں، لیکن بدر والی بات کو رکھ دیا گیا غزوہ احد کے واقعات کے اندر کیونکہ اس میں بھی نبی کی شخصیت نمایاں کرنی مقصود ہے کہ نبی مخلص ہوتا ہے نبی خائن نہیں ہوتا، تو اس موقع محل کے مطابق پھر بھی اشارہ اس بات کی طرف کرنا مقصود ہوگا، مال غنیمت سے متعلق خیانت کرنے کا مسئلہ ہو تو پھر یہ غزوہ احد سے متعلق نہیں ہے، پھر یہ غزوہ بدر سے متعلق ہے۔

لیکن موقع محل کے مطابق بات یہ ہے کہ اصل میں نبی کی شخصیت کو نمایاں کرنا مقصود ہے کہ نبی خائن نہیں ہوتا، نہ مال غنیمت میں نہ دوسرے معاملات میں کہ اس کے دل میں خیر خواہی کے جذبات نہ ہوں، ہمدردی کے جذبات نہ ہوں، بلکہ اپنی ضد میں آکے اپنے جذبات میں آکے قوم کی قربانی دے دے اور ان کے مفاد کا خیال نہ رکھے، ایسی بات نہیں ہے نبی مخلص ہوتا ہے، نبی خیر خواہ ہوتا ہے اس کے دل کے اندر کوئی کسی قسم کی بدخواہی نہیں ہوتی، منافقین اس قسم کی باتیں مشہور کر کے نبی ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنا چاہتے تھے اس کی صفائی دینی مقصود ہے، پھر ہم نے اس کو عام رکھ دیا کہ نبی نہ مال غنیمت میں خیانت کرے نہ عام مال کے اندر خیانت کرے، نہ ظاہر کے خلاف کوئی بات اپنے دل کے اندر چھپا کے رکھے یہ ہے اس آیت کا مفہوم۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ

جب تمہیں مصیبت پہنچی اس سے دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو ، کیا تم کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آگئی ، آپ کہہ دیجئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

کہ یہ تمہارے اپنے نفسوں کی طرف سے ہے ، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۶۵﴾ جو مصیبت

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ ۙ

تمہیں پہنچی جس دن کہ دو جماعتوں کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی پس یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ اللہ جان لے مؤمنین کو ﴿۱۶۶﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ

اور جان لے ان لوگوں کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا ، اور ان سے کہا گیا کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ

یا دفاع کرو ، وہ کہنے لگے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے ، وہ لوگ کفر سے

يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

آج زیادہ قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے ، وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو نہیں ہے

فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

ان کے دلوں میں ، اور اللہ خوب جانتا ہے اس بات کو جس کو وہ چھپاتے ہیں ﴿۱۶۷﴾ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

اور خود بیٹھ گئے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے ، انہیں کہو کہ تم دور ہٹا دو اپنے نفسوں سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ

موت کو اگر تم سچے ہو ﴿۱۶۸﴾ ہرگز نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو قتل کیے گئے

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ ۙ فَرِحِيْنَ

اللہ کے راستہ میں مرے ہوئے ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں ﴿۱۶۹﴾ خوش ہونے والے ہیں

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ

اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے ان کو دے دی اپنے فضل سے اور خوش ہونے والے ہیں ان لوگوں کے سبب سے جو ان کے ساتھ ملے نہیں

مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ

ان کے پیچھے سے ، نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ غمزدہ ہیں ﴿۱۷۰﴾ خوش ہوتے ہیں

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ ، اور اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ﴿۱۷۱﴾

تفسیر:

اہل ایمان کو تسلی اور تنبیہ:

ان آیات کا تعلق بھی غزوہ احد کے حالات سے ہی ہے، پہلی آیت میں اہل ایمان کے لئے ایک قسم کی تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی، مختلف انداز کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل سے اللہ تعالیٰ نے اس غم کو ہلکا کیا ہے، اور جو ان سے لغزش ہوئی تھی اس کے بارے میں بار بار متنبہ کیا ہے تا کہ آئندہ اس بارے میں احتیاط برتی جائے تو یہ جو دلوں میں خیال آتا تھا کہ ہم اہل ایمان ہیں، اللہ کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں، اللہ کے دین کے سپاہی ہیں یہ شکست کیوں ہوگئی، ہونی نہیں چاہیے تھی اللہ کی طرف سے نصرت کا وعدہ تھا پھر کیا وجہ ہوئی کہ ہم شکست کھا گئے؟ دلوں کے اندر اس قسم کے خیالات بھی ابھرتے تھے، اس آیت میں اس کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اس طرح کیوں سوچتے ہو اگر تمہیں اس میدان میں تکلیف پہنچ گئی تو کیا ہو گیا اس سے پہلے تم اپنے فریق مخالف کو دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو جیسے بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور یہاں اگر تمہارے ستر مارے گئے تم میں سے کم از کم گرفتار تو کوئی نہیں ہوا، اور پھر اس لڑائی میں بھی ان کو بہت تکلیف پہنچی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے بہت سارے آدمیوں کو قتل کیا۔

تو جب تم انہیں دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو تو اس میں اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، باقی اگر یہ پوچھتے ہو کہ کیوں پہنچی تو اس کے پہنچنے کا منشاء بھی تمہاری اپنی ذات کی طرف سے ہے، ”قل ھو من عند انفسکم“ میں وہ تنبیہ آ گئی کہ اگر اتنا ہی شوق ہے تمہیں یہ معلوم کرنے کا کہ یہ مصیبت کدھر سے آ گئی تو یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے اور اپنی طرف سے کیسے آئی ہے تو تفصیل آپ کے سامنے آ چکی کہ تم نے صبر و تقویٰ کے اندر خلل ڈالا اور اس خلل کی بناء پر اللہ کی نصرت

بند ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس وقت وہ کسی کی مدد کرنا چاہے تو مدد کرنے پر بھی قادر ہے، اور جس وقت کسی سے مدد روکنا چاہے تو یہ بھی اس کی قدرت میں ہے تو اپنی ان باتوں کے اوپر غور کرو تا کہ آئندہ کے لئے پھر اس قسم کی لغزش کی نوبت نہ آئے لیکن جو بھی پہنچ گئی اب اس کو چھوڑو کہ کیوں پہنچ گئی، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھیں جو کچھ ہوا اللہ کی اجازت سے ہوا، کتنا بڑا فائدہ ہوا اس مصیبت کے آنے سے کہ مؤمنین مخلصین اور منافقین علیحدہ علیحدہ ہوگئے اب ان حکمتوں کے اوپر نظر رکھو، اگر ان حکمتوں کے اوپر نظر رکھو گے تو تمہارا یہ صدمہ ہلکا ہو جائے گا۔

منافقین کا کردار:

آگے منافقین کے اس کردار پر تبصرہ کیا ہے کہ دیکھو ان کا نفاق کیسے کھل کے سامنے آیا ہے جس وقت یہ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس ہونے لگا تھا جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے اس وقت لوگوں نے اسے کہا تھا کہ آؤ اللہ کے راستہ میں لڑو اگر تم لڑنا نہیں چاہتے تو ساتھ شامل رہو تا کہ تمہاری وجہ سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہو تو دشمن پر رعب پڑے گا، تم صرف دفاع کرو، دفاع کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اتنا سوچ لو کہ اگر مشرکین غالب آگئے تو پھر وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ یہ مخلص تھا یہ منافق تھا، پھر وہ تو سب کو رگڑیں گے، اپنی جان مال سے دشمن کو دور ہٹاؤ، اگر اللہ کے راستہ میں لڑنے کا خیال نہیں ہے تو کم از کم اپنی جان مال کا ہی دفاع کرو، اگر وہ دشمن غالب آجائے گا تو تمہیں بھی نقصان ساتھ ہی پہنچے گا، یہ نہیں کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا مدافعت کرو۔

یا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ شامل رہ کر کثرت تعداد کے ساتھ دشمن سے مدافعت کرو، دشمن کے اوپر اس بات کا رعب بیٹھے گا کہ یہ کتنے زیادہ ہیں دشمن ڈرے گا اور اس کے حوصلے پست ہوں گے، جب ان کے سامنے اس قسم کی بات کہی گئی یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لیے کہا گیا جس میں ترغیب کا پہلو ہے اور مدافعت کے لئے کہا گیا جس میں دفع مضرت کا پہلو ہے تو انہوں نے آگے سے یہ جواب دیا "لو نعلم قتالاً لاتبعناکم" اس کا مطلب دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے علم میں ہو کہ یہ قتال ہے تو ہم جاتے لیکن یہ کوئی لڑائی نہیں ہے، ایک طرف ایک ہزار اور ایک طرف تین ہزار، ایک طرف اسلحہ سے لیس اور ایک طرف بے سروسامان یہ کوئی لڑائی ہے یہ تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنا ہے، ہم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ہلاکت میں کیسے چھلانگ لگادیں، اگر یہ کوئی لڑائی ہوتی تو ہم جاتے یہ لڑائی نہیں ہے یہ تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے والی بات ہے اس طرح وہ وقت پر طوطا چشمی کر گئے۔

اور اس کا دوسرا مفہوم اس طرح بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے تفصیل آئی تھی کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر عبداللہ بن ابی سے بھی مشورہ لیا تھا کہ ہمیں شہر کے اندر رہتے ہوئے لڑنا چاہیئے یا شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے،

عبداللہ بن ابی کا مشورہ یہ تھا کہ باہر نہ نکلیں گھروں میں رہیں اور اپنے گھروں میں رہ کے دشمن کی مدافعت کریں، لیکن یہ مشورہ مانا نہ گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت اس طرف ہوگئی کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے ہم گھروں میں چھپے رہے تو دشمن اس کو ہماری بزدلی پر محمول کرے گا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شق کو اختیار فرمایا اور باہر نکلنے کا حکم دے دیا تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے، اب اس کا دل تو اندر سے بیٹھتا جارہا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غلبہ پاجائیں اس کا خیال تھا کہ موقع ایسا آئے کہ ان کی پٹائی ہو اور مدینہ ان سے خالی ہوجائے اور مجھے دوبارہ وہی سیادت وقیادت حاصل ہوجائے جو پہلے حاصل تھی۔

لیکن اب یہ بہانہ کرکے واپس آگیا کہ تمہارے خیال کے مطابق ہمیں تو لڑنا آتا ہی نہیں ہم تو جانتے ہی نہیں کہ لڑائی ہوتی کیا ہے تمہارے ساتھ جانے کا کیا فائدہ، اگر ہم لڑنا جانتے اور ہمیں علم ہوتا کہ لڑائی ہے تو ہم تمہارے ساتھ چلے جاتے، تم نے تو ہماری رائے پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ ہم اناڑی ہوں، ہمیں پتہ ہی نہ ہو کہ لڑائی کیا ہوتی ہے، جب میرا مشورہ نہیں مانا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے انجان قرار دے دیا کہ یہ لڑائی کے متعلق جانتا ہی کچھ نہیں، تو جب ہم لڑنا جانتے ہی نہیں تو ہمیں ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے، گویا کہ مشورہ نہ مانے جانے کی وجہ سے اس طرح ناراضگی کا اظہار کرکے وہ لاتعلق ہوکر چلے گئے، یعنی اگر تمہارا خیال ہمارے متعلق یہ ہوتا کہ ہم بھی کوئی لڑنا جانتے ہیں تو تم ہماری تجویز مانتے جب تم نے ہماری تجویز پر عمل نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق ہم لڑنا جانتے ہی نہیں۔

جب ہم قتال کے متعلق جاہل ہیں اور ہمیں یہ طریقہ آتا ہی نہیں کہ لڑا کیسے جاتا ہے تو تمہارے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تمہارا خیال ہے کہ ہم لڑنا جانتے ہیں تو ہماری تجویز پر عمل ہونا چاہیئے تھا گویا کہ مشورہ نہ مانے جانے کو بہانہ بنا کر وہ شخص واپس آگیا تو "لو نعلم قتالا لا اتبعناکم" کا یہ مفہوم بھی ہوا، جب انہوں نے اس قسم کی باتیں کیں اور عین موقع پر آکے طوطا چشمی کی تو آج یہ کفر کے زیادہ قریب ہوگئے بمقابلہ ایمان کے کہ پہلے ایمان کے قریب تھے کہ کفر کی باتیں زبان پر نہیں لاتے تھے دل میں اگرچہ کفر تھا لیکن ظاہری طور پر مؤمنوں کے قریب تھے اور آج اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے تو کفر کے زیادہ قریب ہوگئے اتنا یہ ایمان کے قریب نہیں تھے جتنا یہ کفر کے قریب چلے گئے، تو ان باتوں نے ان کے نفاق کو ظاہر کردیا اور دل کے چھپے ہوئے جذبات نمایاں ہوگئے۔

پھر آگے ان کے نفاق کی یہ بات نقل کی کہ خود تو بیٹھ گئے جاکے گھروں میں اور جو مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت شہید ہوگئے ان کے متعلق بیٹھ کر یہ باتیں بناتے ہیں کہ دیکھا ہماری بات نہیں مانی تھی آخر قتل ہوگئے، اگر ہماری بات مان لیتے ہماری تجویز پر عمل کرلیتے ہمارے مشورے کو قبول کرلیتے تو یہ لوگ قتل نہ ہوتے

اور یہ نقصان نہ ہوتا یہ مضمون پہلے بھی تفصیل کے ساتھ آچکا ہے، اس طرح مؤمنین مخلصین کے دل میں بددلی پھیلانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے پھر یہی کہا کہ اگر تمہاری تجویزیں اتنی ہی پختہ ہیں تو پھر تم اپنے آپ کو موت سے بچا کر دکھادینا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر آجائے گا پھر تمہاری تجویزیں دھری کی دھری رہ جائیں گی، جب مرنا تو ہر حال میں ہے تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے یہ کون سی بات ہے، یہ نفاق کی بات ہے۔

اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَوْلَوْ کرنے سے بچا کرو یہ منافقین کا طریقہ ہے، واقعہ پیش آنے سے پہلے تو تدبیر کرو جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے مطابق لیکن پھر جس وقت واقعہ پیش آجائے تو لَوْلَوْ نہ کیا کرو کہ اگر ہم ایسا کرتے تو یوں ہوجاتا اس طرح ہوجاتا، یہ منافقوں کا طریقہ ہے، واقعہ پیش آنے کے بعد یوں کہا کرو کہ اللہ کو یونہی منظور تھا پھر لَوْلَوْ کرنا یہ اچھی بات نہیں ہے اس قسم کی باتیں یہ نفاق کی علامت ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر اعتماد کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیئے کہ ہم لاکھ جتن کر لیتے ہونا اسی طرح تھا جس طرح ہو چکا ہے اور اس میں حکمت ہے جو پیش آگیا۔

شہید کو مردہ سمجھنے کی بھی اجازت نہیں:

اور آگے بات آگئی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اتنے جو ہاتھ مل رہے ہیں کہ یہ قتل کیوں ہوگئے انہیں پتہ نہیں کہ اللہ کے راستہ میں لڑتا ہوا اگر کوئی شخص قتل ہوجاتا ہے تو وہ حقیقت میں مردہ نہیں ہے، وہ زندہ ہے تمہاری تدبیر پر عمل کرتے گھروں میں بیٹھے رہتے تو موت سے تو نہ بچتے البتہ اس شرف سے محروم ہوجاتے، مرنا تو اپنے وقت پر ہے ہی اگر اللہ کے راستہ میں لڑتے ہوئے مریں گے تو وہ موت موت نہیں حقیقت کے اعتبار سے وہ حیات ہے، اگر ان منافقین کی بات کو مان لیتے تو اس شرف سے محرومی ہوجاتی۔

اسی مضمون کی آیت آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں بھی گذر چکی ہے وہاں لفظ آیا تھا "ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا" اس آیت پر بھی اس آیت کا تذکرہ کردیا گیا تھا کہ جہاں تک شہید کی موت کا تعلق ہے تو اس کو مات کہنا جائز ہے اور شہید کو میت بھی کہا جاسکتا ہے، موت کا اطلاق اس کے اوپر ہوتا ہے جو موت انسان کے لئے مقدر ہے وہ شہید کو آتی ہے اس لئے یہاں مطلب یہ ہے کہ دوسرے مردوں کی طرح انہیں مردہ نہ کہو، اور دوسرے مردوں کی طرح انہیں مردہ نہ سمجھو، یہ نہیں کہ شہید میت نہیں شہید میت ہے اور موت کا لفظ اس پر صادق آتا ہے دوسرے مردوں کی طرح نہ اس کو مردہ کہنا چاہیئے اور دوسرے مردوں کی طرح نہ اس کو مردہ سمجھنا چاہیئے، زبان پر بھی یہ بات نہ آئے اور دلوں میں بھی یہ خیال نہ آئے۔

"لاتحسبن" کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تمہارے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ دوسرے مردوں کی طرح یہ مرگیا اور اسی طرح اپنی زبان کے ساتھ بھی یہ نہ کہو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں، قرآن کریم کے ظاہر کا تعلق یہ ہے کہ شہداء کا جب بھی ذکر

کیا جائے احیاء کے عنوان سے ذکر کیا جائے، اموات کا عنوان زبان پر بھی اللہ کو پسند نہیں، اور اموات کا عنوان دل میں بھی اللہ کو پسند نہیں ہے وہ زندہ ہیں۔

شہید کی زندگی کیسی ہے؟:

باقی رہی یہ بات کہ ان کی زندگی کیسی ہے؟ تو جہاں تک ارواح کا تعلق ہے تو روح کافر کی بھی زندہ ہوتی ہے، روح کو فنا نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کیا ہے پیدا کرنے کے بعد ان اجساد کے ساتھ جوڑا تو یہ دنیوی زندگی ہمیں حاصل ہوگئی اور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس تعلق کو کاٹ دیا جائے گا اور ہمارا یہ بدن بے حس و بے حرکت ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ روح کو یہاں سے نکال لے گا یہ ہے موت، باقی روح زندہ رہتی ہے روح فنا نہیں ہوتی، اور پھر برزخ میں جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین صالحین کی راحت وہ بھی سب کے لئے ہے چاہے شہید ہو چاہے شہید نہ ہو، اور جو کافر ہیں بدکردار ہیں ان کو قبر میں عذاب بھی ہوتا ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا قطعی عقیدہ ہے جس کا انکار کفر ہے تو ان سب سے بالاتر شہید کے کچھ حالات ایسے ہیں جو عام اموات سے زائد ہیں ان کی روح کو اس طرح راحت ہے کہ باقیوں کو اس طرح راحت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے، اور پھر ان ارواح کا تعلق بھی اپنے بدن کے ساتھ باقی ارواح کے مقابلہ میں ممتاز ہے۔

یہی وجہ ہے اس تعلق کا اثر اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ شہید کی لاش مٹی کے اندر خراب نہیں ہوتی جیسا کہ صحیح روایات کے اندر شہداء احد کے حالات بیان کئے گئے ہیں تو وہ حیات کا اثر ہے، باقی اس کی صحیح کیفیت کہ وہ دوسرے مردوں سے کتنا ممتاز ہوتے ہیں یہ عالم غیب سے تعلق رکھنے والی بات ہے جس سے ہم واقف نہیں ہو سکتے، اپنے شعور کے ساتھ اس کو معلوم نہیں کر سکتے، آنکھوں سے دیکھیں گے تو ہمیں جیسے دوسرے مردے معلوم ہوں گے یہ بھی ویسے ہی معلوم ہوں گے، جو کیفیت ان کی ہوگی وہی کیفیت ہمیں ان کی نظر آئے گی، شعور کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے حواس کے ساتھ معلوم نہیں کر سکتے، پھر ان کی صحیح کیفیت یا تو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا فراست صحیحہ جو وحی کی اتباع کی بناء پر اہل روحانیت کو حاصل ہوتی ہے ان کے کشف کے ساتھ یہ کیفیات معلوم کی جا سکتی ہیں۔

بہر حال عام صالحین کے مقابلہ میں بھی ان کے کچھ ایسے حالات ہیں جن کی بناء پر ان پر میت کی بجائے حی کا اطلاق زیادہ بہتر ہے اس سے زیادہ محتاط مسلک اور آپ کے سامنے ذکر نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات واضح ہے کہ ان کی حیات کو ترجیح دینے کی کوشش کرنا، زبان پر ان کی حیات کے تذکرے قرآن کریم کے عنوان کے زیادہ مطابق ہیں بمقابلہ ان کی موت کے تذکروں کے۔

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں:

اور یہاں تو شہداء کا ذکر ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق اس قسم کے الفاظ حدیث شریف میں آئے ہوئے ہیں "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہاں نماز بھی پڑھتے ہیں، اور جیسے معراج پر جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور اس قبر سے یہی قبر مراد ہے جو زمین پر بنی ہوئی ہوتی ہے، عالم برزخ یا عالم بالا مراد نہیں، کیونکہ گزرے آپ اسی قبر کے پاس سے تھے جیسا کہ فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو ایک سرخ ٹیلے کے پہلو میں ہے یعنی عام طور پر لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا پتہ نہیں یہودیوں کو بھی معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں مدفون ہیں کیونکہ یہودی اس وقت وادی تیہ میں حیران و پریشان پھر رہے تھے، جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا ان کے دفن کے بارے میں ان کو کوئی علم نہیں ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو بتاتا کہ یہ قبر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، تو جب آپ لیلۃ المعراج میں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، تو کچھ ان روایات کے اندر ذکر کر دیا گیا، رزق کا ملنا، نماز کا پڑھنا، اور خوش ہونا، جنت کے اندر آنا جانا پھر عرش کے نیچے قندیلوں کے اوپر بیٹھنا، اور بدن کے ساتھ ان کی ارواح کا بمقابلہ دوسرے کے زیادہ تعلق، یہ چیزیں ہیں جن کو ہم اپنی زبان پر لا سکتے ہیں باقی اپنی عقل اور شعور کے ساتھ اس سے زائد باتیں معلوم نہیں کر سکتے، سب سے زیادہ انسب یہی ہے کہ جو باتیں صحیح روایات میں آگئیں اور جو عنوان قرآن کریم میں اختیار کر لیا گیا بس اس کے اوپر اکتفاء کیا جائے گا اگر باریکیوں میں پڑو گے تو چونکہ یہ عالم غیب کی چیز ہے جس کا آپ کو مشاہدہ نہیں کروایا جا سکتا تو عالم غیب کی چیز ہونے کی وجہ سے مشاہدہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے انسان مختلف قسم کے ذہنی اشکالوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ اولیاء کے کشف پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن قطعی وہ بھی نہیں ہیں، اس لئے ان کو اگر کوئی مانتا ہے تو ٹھیک ہے نہیں مانتا تو انکار کرنے کے ساتھ بھی کفر لازم نہیں آتا اور اس سے زائد اپنی طرف سے کھینچا تانی کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر بھی اموات کا اطلاق ٹھیک ہے ان کو بھی میت کہہ سکتے ہیں اس سے بحث نہیں کہ موت آئی یا نہیں آئی موت یقیناً آئی ہے جس کو بھی آئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی انبیاء علیہم السلام اپنا وقت گزار کے اس دنیا سے موت کا مزہ چکھ گئے لیکن موت کا ورود کن کیفیات کے تحت ہوا، اور موت کا ورود ہو جانے کے بعد برزخ میں ان کے اوپر کیا کیفیات طاری ہیں یہ عقل کے ساتھ معلوم کرنے کی باتیں نہیں، بس جو الفاظ روایات کے اندر آگئے ہم ان کو اسی طرح ادا کریں گے،

باقی ان کا حقیقی حال اور حقیقی مصداق اللہ کے سپرد کریں گے چونکہ عالم غیب کی بات ہے، یہ کیفیات یا وحی کے الفاظ سے سمجھی جاسکتی ہیں یا اصحاب کشف کے کشف پر اعتماد کر کے ان کے متعلق کچھ کہا یا سوچا جاسکتا ہے اس سے زائد اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ان کی حیات معلوم کرنے کا، بسا اوقات ظاہری طور پر ایک چیز ہوتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کی نیند میں بھی فرق ہے:

مثلاً نیند ہے نیند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوالموت کہا ہے کہ یہ بھی موت کی بہن ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ''اینام اهل الجنة'' کیا جنت والے سوئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''النوم اخوالموت ولایموت في الجنة'' (مشکوۃ ص۵۰۰) نیند تو موت کی بہن ہے (یہ اخ کا ترجمہ بہن کے ساتھ کر رہے ہیں کیونکہ اردو میں نیند مؤنث استعمال ہوتی ہے اور عربی میں نوم مذکر ہے اس لئے اخ کا لفظ بولا گیا اور اخ کا معنی ہوتا ہے بھائی اس انداز کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا) فرمایا نیند تو موت کی مثل ہے ''ولایموت في الجنة'' اور جنت کے اندر موت نہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنت میں نیند بھی نہیں، اب نیند کی کیفیت تو ایک ہے ''نام زید'' بھی کہہ سکتے ہیں اور ''نام الانبیاء علیہم السلام'' بھی کہہ سکتے ہیں اور ''نام النبی'' بھی کہہ سکتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سونے کا اطلاق ہوتا تھا لیکن دونوں کی نیند کے اندر زمین اور آسمان کا فرق ہے کہ ہم جس وقت سوتے ہیں تو بالکل غافل ہو جاتے ہیں نہ دنیا کی خبر نہ آخرت کی، نہ عالم بالا کی خبر نہ عالم سفلی کی، ہوا خارج کرتے ہیں ٹانگ کدھر کو جاتی ہے، بازو کدھر کو جاتا ہے ہماری نیند کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے لیکن نوم انبیاء علیہم السلام اس قسم کی ہے کہ ''تنام عیناي ولا ینام قلبي'' کہ نیند کا اثر میری آنکھوں تک ہوتا ہے دل میرا بیدار ہوتا ہے دل کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب اس طرح قطعی ہے جس طرح ظاہری وحی ہوتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہوتے تھے تو صحابہ جگانے کی کوشش نہیں کرتے تھے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر کوئی کیفیت وارد ہو رہی ہو اور ہم اس میں خوامخواہ خلل ڈال دیں، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کیا کرتے تھے صرف اس وجہ سے کہ پتہ نہیں آپ کا دل کس حال میں ہے، ''تنام عیناي ولا ینام قلبي'' کے تحت جس طرح انبیاء کرام اور ہماری نیند میں فرق ہے اسی طرح موت دونوں پہ وارد ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام پر بھی وارد ہوتی ہے اور دوسروں پر بھی وارد ہوتی ہے لیکن کیفیت کو ایک ٹھہرانا یہ مناسب نہیں ہے، اور مرنے کے بعد برزخ میں کیا کچھ ان کو ملتا ہے کن حالات میں وہ رہتے ہیں تو جو الفاظ روایت میں آ گئے ہم یونہی کہیں گے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں، قبروں کے

اندر نماز پڑھتے ہیں ان کو رزق ملتا ہے ہم یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کر سکتے ہیں اور ان کی موت ثابت کرنے کے مقابلہ میں ان کی حیات ثابت کرنا یہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے ظاہر کے زیادہ مطابق ہے، لیکن اس میں ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اجمال کے طور پر ہم اتنا عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ شہداء سے ان کا درجہ فائق ہے، اور ان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ممتاز حیات حاصل ہے اور اس قسم کی حیات عام مؤمنین کو حاصل نہیں۔

کشف مدارِ ایمان نہیں، مدارِ ایمان وحی ہے:

اور جہاں تک صرف روح زندہ ہونے کی بات ہے تو صرف روح تو کافر کی بھی زندہ ہوتی ہے اس میں مؤمن ہونے کی بھی قید نہیں ہے، یہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طاعات میں لگے ہوئے ہوتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں حتی کہ قبور کے اندر تلاوت قرآن کے واقعات بھی حدیث کے اندر آتے ہیں، مشکوٰۃ میں بھی ایک واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے کہیں خیمہ لگایا اور وہاں کوئی قبر تھی اور اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک اس کے کان میں آواز آنے لگ گئی کہ کوئی شخص زمین کے نیچے سورۃ تبارك الذی پڑھ رہا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کی آواز اس کے کان میں آئی اس نے آکر حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ منجیہ ہے نجات دلانے والی، جو شخص اس کی پابندی کے ساتھ تلاوت کرتا رہتا ہے تو عذاب قبر سے یہ اس کو بچاتی ہے (مشکوٰۃ ص ۱۸۷)۔

بہرحال اس قسم کے واقعات صالحین کے، شہداء کے کثرت کے ساتھ روایات میں بھی آئے ہوئے ہیں، اولیاء اللہ کے کشف کے ساتھ بھی معلوم ہیں لیکن کشف مدارِ ایمان نہیں ہوتا، اگر کوئی تسلیم کرے تو اولیاء اللہ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ کسی ظاہری نص قطعی کے خلاف نہ ہو، اور اگر کوئی نہیں مانتا انکار کرتا ہے تو چونکہ یہ مدارِ ایمان نہیں ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا، بہرحال احتیاطی پہلو اس میں یہی ہے کہ الفاظ اسی قسم کے استعمال کرو جس قسم کے قرآن اور حدیث کے اندر آئے ہوئے ہیں باقی موت کے ورود میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، ''مات النبی ﷺ'' بالکل صحیح ہے ''مات الشهيد'' بالکل صحیح ہے، حقیقت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کو اموات کہا جاسکتا ہے، لیکن باقی مردوں کی طرح نہیں، ان کے امتیاز کو اسی طرح باقی رکھنا چاہیے کہ باقیوں کی موت، موت ہے اور ان کی موت حیات ہے، باقی کیفیات متعین نہیں کی جاسکتیں کیونکہ یہ چیزیں دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہیں وحی کے ذریعہ سے جو کچھ کہہ دیا جائے اسی پر اعتماد ضروری ہوتا ہے، سب روایات کا حاصل یہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیا اس سے زیادہ محتاط مسلک اور کوئی نہیں بیان کیا جاسکتا۔

المہند علی المفند کا تعارف:

یہ میرے ہاتھ میں کتاب ہے "المهند علی المفند" اس کتاب کا تعارف یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی صاحب ہمارے اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر حرمین شریفین لے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے ان عبارات پر علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا حرمین شریفین کے علماء سے اور وہ جو کچھ مجموعہ تیار کر کے لائے تھے "حسام الحرمین" کے نام سے انہوں نے ہندوستان میں شائع کیا، جس وقت ہندوستان میں اس کی اشاعت ہوئی تو حضرات دیوبند کو اس کا پتہ چلا، ادھر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے ان کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے وہاں سارے حالات کی تحقیق کر کے حالات لکھے اور وہاں کے لوگوں کو اس فتنہ پرداز کے فتنہ سے متنبہ کیا، چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جو شہاب ثاقب کے نام سے معروف ہے وہ اسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں یہ سارے حالات لکھے ہوئے ہیں، جب اہل حرمین کو اس کا پتہ چلا کہ وہ جماعت تو ایسی نہیں ہے جس کے اوپر ہم نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو پھر انہوں نے اپنے طور پر کچھ سوالات مرتب کر کے بھیجے تھے علماء دیوبند کے عقائد کی تحقیق کے لئے کہ علماء دیوبند کے عقیدے کیا ہیں، جو اشکالات ان کے ذہن میں ڈالے گئے وہ مرتب کر کے بھیجے کہ ان کے جوابات دیئے جائیں تاکہ ہمیں ان کے پہچاننے کا موقع ملے کہ علماء دیوبند کے کیا عقائد اور خیالات ہیں؟

ادھر سے پھر جواب لکھا تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، مظاہر العلوم سہارنپور کے اندر ان دنوں صدر مدرس تھے جواب لکھنے کے بعد اس وقت جتنے اکابر موجود تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود تھے، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود تھے، یہ بڑے بڑے حضرات تھے اور جتنے علماء تھے سب کی خدمت میں یہ جوابات پیش کئے گئے، اور سب نے ان کی تصدیق کی اس کتاب کے پیچھے ان سب کے دستخط ہیں تو گویا کہ یہ دستاویز ہے علماء دیوبند کے عقیدوں کی پھر ان دستخطوں کے ساتھ یہ تحریر بھیجی گئی حرم میں تو مدینہ منورہ کے علماء نے بھی اس پر تصدیق لکھی تھی کہ یہ عقیدے صحیح ہیں اور مکہ معظمہ کے علماء نے بھی اس کے اوپر تصدیق لکھی کہ یہ بالکل صحیح عقیدے ہیں، اور پھر یہ دستاویز شام کے علماء کے سامنے پیش ہوئی شام کے علماء نے تصدیق کی، عراق کے علماء کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے بھی تصدیق کی، مصر کے علماء کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے بھی تصدیق کی، گویا کہ اس کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط ہیں۔

مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر عالم اسلام کے علماء کا اتفاق:

تو یہ جو سوالات آئے تھے ان میں سے پانچواں سوال ہے کہ کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں

حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟ یہ پانچواں سوال ہے ان سوالوں میں سے تو جواب یہ دیا گیا ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء علیہم السلام میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی قبروں میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پھر اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی پر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں ہے اور ہمارے شیخ مولانا قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام آب حیات ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ گویا کہ علماء دیوبند کے عقیدہ کو واضح کیا گیا اور اس عقیدے کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط لیے گئے، یہ عقیدہ جو ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے یہی عقیدہ برحق ہے اور اس کے مطابق ہمیں اپنا عقیدہ رکھنا چاہیے، ''المهند علی المفند'' کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کو برزخی حیات بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمانہ برزخ کا ہے اور ویسے حیات دنیوی ہے دنیوی حیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی حضور ﷺ کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی اور شہداء کی اس بدن سے تعلق رکھتی ہے بدن کے اوپر بھی حیات کے اثرات ہیں، اسی طرح اگر اس کو رزق اور دیگر کمالات کے اعتبار سے روحانی حیات کہا جائے تو اس میں بھی گنجائش ہے۔

اس لئے نہ تو کسی عبارت میں حیات روحانی دیکھ کر بدکنا چاہیے اور اگر کسی عالم کی تحریر کے اندر آ جائے کہ یہ حیات برزخی ہے تو اس کو بھی محسوس نہیں کرنا چاہیے، اور اگر اس کو حیات دنیوی قرار دیا گیا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے تو تینوں لفظ استعمال کیے جا سکتے ہیں، حیات برزخی بھی، حیات روحانی بھی، حیات دنیوی بھی، لیکن مدار اس بات کے اوپر ہے کہ ان کی حیات اتنی قوی ہوتی ہے کہ جس قسم کی زندگی دنیا میں تھی قبر میں بھی اسی طرح ہے، اس لئے کہیں گے ہم یہی کہ حیات دنیوی ہے لیکن اس کو برزخی کہنے کی گنجائش ہے، کیونکہ موت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ برزخ کہلاتا ہے اور اس زمانہ کے اندر چونکہ یہ حیات حاصل ہے اس لئے اس کو برزخی بھی کہہ سکتے ہیں تو تینوں قسم کی حیات کا اطلاق ہو سکتا ہے، اگر کسی کلام میں حیات برزخی کا لفظ ہوگا جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام میں ہے کہ وہ اس حیات کو برزخی قرار دیتے ہیں تو وہ اس عقیدے کے خلاف نہیں ہے، یہ ہے معتدل اور محتاط مسلک جس کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط موجود ہیں، اور اس دستاویز کو ہمارے بزرگوں نے ''المهند علی المفند'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ

وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا، ان لوگوں کے لیے

اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ

جو کہ نیکوکار ہیں ان میں سے اور متقی ہیں ان کے لئے اجر عظیم ہے ﴿۱۷۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو کہا لوگوں نے کہ بے شک لوگوں نے

قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

جمع کیا ہے تمہارے لئے تم ان سے ڈرو تو اس بات نے بڑھا دیا ان صحابہ کو از روئے ایمان کے، اور صحابہ نے کہا ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا

الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

کارساز ہے ﴿۱۷۳﴾ پھر لوٹے یہ صحابہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ کہ ان کو کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی،

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ

اور انہوں نے پیروی کی اللہ کی رضا کی، اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے ﴿۱۷۴﴾ بے شک اس قسم کی افواہ پھیلانے والا شیطان ہے

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وہ اپنے دوستوں سے تمہیں ڈراتا ہے، ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۷۵﴾

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا

آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو بھاگے جاتے ہیں کفر میں، بے شک وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے

اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ کو کوئی، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ نہ کرے ان کے لئے کوئی حصہ آخرت میں، اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ

بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختیار کیا کفر کو ایمان کو چھوڑ کر ہرگز نہیں

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نقصان پہنچائیں گے یہ اللہ کو کچھ بھی، ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ ہرگز نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

کفر کیا کہ ہمارا مہلت دینا ان کو بہتر ہے ان کے نفسوں کے لئے، سوائے اس کے نہیں کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تا کہ وہ بڑھ جائیں

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي

گناہوں میں، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾ نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مؤمنوں کو اسی حالت پر

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

جس پر کہ تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے خبیث کو طیب سے، اور نہیں ہے اللہ کہ

لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠

تمہیں مطلع کر دے غیب پر لیکن اللہ تعالیٰ چنتا ہے جس کو چاہتا ہے یعنی اپنے رسولوں کو، کہ تم

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ، اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے ﴿۱۷۹﴾

تفسیر:

غزوہ حمراء الاسد میں مسلمانوں کی فتح:

اس رکوع کی ابتدائی آیات غزوہ حمراء الاسد سے تعلق رکھتی ہیں جس کا ذکر احد کے ضمن میں آپ کے سامنے کیا گیا تھا کہ ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر واپس تو لوٹ گیا جب وہ مدینہ منورہ سے باہر مقام روحاء پر پہنچا تو وہاں جا کے ان کو یہ خیال آیا کہ ہم نے تو غلطی کر لی ہم کیوں اتنی جلدی واپس آ گئے اب تو وہ شکست کھا گئے تھے ہمیں چاہیئے تھا کہ ہم ان کا بالکل صفایا کر دیتے، مدینہ منورہ پر چڑھائی کرتے اور اس کو اجاڑ دیتے اور یہ زخمی جو بھاگے ہوئے تھے ہم ان کا پیچھا کرتے تا کہ ہمیشہ کے لئے یہ جماعت ختم ہو جاتی، ایسی حالت میں ان کو چھوڑ آنا یہ ہماری کوئی عقلمندی نہیں ہے، یہ خیال ان کو مدینہ منورہ سے کچھ دور جا کے آیا، سرور کائنات ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہو گئی کہ مشرکین کچھ سوچ رہے ہیں دوبارہ واپس آنے کے لئے تو آپ نے اعلان فرما دیا مدینہ منورہ میں کہ مشرکین مکہ کا پیچھا کرنا ہے تیار ہو جاؤ، اور میرے ساتھ انہی لوگوں کو چلنے کی اجازت ہے جو احد میں میرے ساتھ تھے، جو کل احد کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے یہ اعلان اس لئے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد منافقین مخلصین سے جدا ہو گئے تھے تو اب احد کے میدان میں

شریک رہنے والے زخم اٹھانے والے سارے کے سارے مخلصین تھے جن میں نفاق کا کوئی شبہ نہیں تھا تو آپ یہ چاہتے تھے کہ مشرکین مکہ کا جو ہم نے پیچھا کرنا ہے تو مخلصین ہی ساتھ ہوں ان کے اندر دوبارہ کوئی ایسے لوگ نہ شامل ہو جائیں کہ جو پھر کوئی ایسی حرکت کر کے دوبارہ قدم اکھیڑیں جس طرح پہلے منافقین نے کی تھی۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعلان سنتے ہی باوجود اس بات کے کہ زخموں سے چور تھے، باوجود اس بات کے کہ شکست کا صدمہ تھا اور اپنے بہت سارے آدمی شہید ہو گئے تھے اور ان کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا، زخم ابھی تازہ تھا وہ تیار ہو گئے اور حضور ﷺ ان کو لے کر مشرکین کے پیچھے نکل گئے، مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ حمراء الاسد ہے وہاں جا کے حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور معلوم ہوا کہ مشرکین مرعوب ہو کے مکہ معظمہ کی طرف چلے گئے ہیں اور مدینہ منورہ کی طرف آنے کا ارادہ انہوں نے ملتوی کر دیا ہے، ادھر ان کو کچھ لوگ مل گئے جو مدینہ منورہ کی طرف آ رہے تھے جو عبدالقیس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے ایک شخص تھا جس کا نام نعیم بن مسعود لکھا ہے، مشرکین نے کچھ دے دلا کے اس کو آمادہ کیا کہ تم جا تو رہے ہو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو ذرا ڈرانا دھمکانا تا کہ ان کے دلوں کے اندر خوف وہراس پیدا ہو جائے، ان کو پریشانی لاحق ہو جائے اور انہیں کہنا کہ ابوسفیان نے بڑے لشکر جمع کر لیے ہیں، بڑا سامان اکٹھا کر لیا ہے اور وہ دوبارہ حملہ کرنا چاہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ شکست کھانے کے بعد زخم خوردہ ہونے کے بعد ان کی طبیعتوں میں گھبراہٹ تو ہے ہی جب اس قسم کا پروپیگنڈہ ہوگا تو ان کے حوصلے اور پست ہوں گے۔

چنانچہ وہ شخص آیا جب اس کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی اور آ کر اس نے اس قسم کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ابوسفیان تو بڑے لشکر اکٹھے کر رہا ہے، بڑا سامان جمع کر رہا ہے دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس خبر کے سننے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں خوف اور گھبراہٹ پیدا ہونے کی بجائے جوش ایمانی اور بڑھ گیا، وہ کہنے لگے اگر وہ لشکر اکٹھے کر رہا ہے تو کیا حرج ہے "حسبنا الله ونعم الوكيل" ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، ہمیں تو اللہ کی ذات پر اعتماد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، وکیل اس کو کہتے ہیں کہ اپنا معاملہ جس کے سپرد کر دیا جائے، یہ عدالتوں میں جو آپ مقدمے لے کر جایا کرتے ہیں اور اس مقدمہ میں جو آپ وکیل بنایا کرتے ہیں اس کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ آپ اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں اب اس کی جیت ہار آپ کی جیت ہار ہوتی ہے وکیل کا یہی مفہوم ہوا کرتا ہے۔

تو یہ لفظ انہوں نے بولے اور سرور کائنات ﷺ کے ساتھ باقاعدہ مشرکین کا پیچھا کیا، مشرکین واپس نہ آئے تو وہاں تین دن تک حضور ﷺ ٹھہرے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملاقات ہوگئی، صحابہ کرام نے کچھ تجارت بھی کی تو ظاہری نفع بھی پایا اور عزت وغلبہ کے ساتھ لوٹے کہ یہ زخمی ہونے کے باوجود پیچھے گئے اور مشرکین واپس نہیں آ سکے،

اس عزت وغلبہ کے ساتھ اللہ کی رضا کو حاصل کر کے ثواب حاصل کر کے واپس آگئے یہ چونکہ انہوں نے تازہ اقدام کیا تھا اور یہ بھی ان کی جانبازی اور فدائیت کی علامت تھی تو ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طبقہ کی تعریف فرمائی ہے۔

حجیت حدیث کی دلیل:

"الذین استجابوا لله والرسول" وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، بات کو مان لیا، اب یہاں اللہ کا ذکر بھی اور رسول کا ذکر بھی ہے حالانکہ تمام کی تمام روایات اس بات کے اوپر متفق ہیں کہ یہ حکم سرور کائنات ﷺ نے اپنی طرف سے دیا تھا، بلایا تھا لوگوں کو کہ چلو مشرکین کے مقابلہ میں چلنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بلانے کو اپنا بلانا بھی قرار دیا جس سے معلوم ہو گیا کہ قول رسول قول اللہ ہی ہوتا ہے، رسول کی ہر بات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور ان کی بات ماننا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی بات ماننا، تو حجیت حدیث کے لئے اس قسم کی آیات پیش کی جاسکتی ہیں کہ یہاں بلایا رسول اللہ ﷺ نے تھا اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس بلانے پر لبیک کہا ان کو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات مان لی، "من اطاع الرسول فقد اطاع الله" اس کا یہی مفہوم ہے کہ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے حقیقت کے اعتبار سے اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے، "من بعد ما اصابهم القرح" بعد اس کے کہ زخم پہنچا یعنی زخم پہنچنے کے بعد یہ صورت پیش آئی تھی ان لوگوں کے لئے جو محسنین ہیں اور متقین ہیں یہ مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے کیونکہ یہ جتنے بھی تھے اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کو ماننے والے یہ سارے ہی محسنین تھے اور سارے ہی متقین تھے۔

جیسا کہ سورۃ الفتح کے آخر میں بھی آیت آئے گی "وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما" وہاں بھی اسی طرح مِنْ بیانیہ ہے کیونکہ جن کا ذکر پیچھے سے آرہا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا جنہوں نے بیعت کی تھی وہ سارے کے سارے "آمنوا وعملوا الصالحات" کے مصداق تھے اسی طرح یہ بھی سارے کے سارے محسنین اور متقین کا مصداق ہیں ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

احسان اور تقویٰ کا مفہوم:

احسان کا معنی ہوتا ہے ہر کام کو اچھی طرح کرنا تو یہاں اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری کا جنہوں نے حق ادا کر دیا "للذين احسنوا" کا مصداق وہ لوگ ہیں اور تقویٰ یہ عام احکام کی پابندی ہو گئی، اور احسان فی العبادت کی تفصیل حدیث جبرائیل علیہ السلام میں یہی ہے کہ "ان تعبد الله كانك تراه" کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اللہ آنکھوں کے سامنے ہے کیونکہ تم اگر اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو اللہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے، "فان لم تكن تراه فانه يراك" بہر حال اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری اور ان کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنا اور پھر اخلاص فی العبادت یہ احسان کا مصداق ہے۔

اور اتقاء بچنے کو کہتے ہیں کہ جو بچ بچ کے چلتے ہیں، اللہ کی نافرمانیوں سے ڈرتے ہیں تقویٰ کا مفہوم یہ ہوتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ غالباً حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تھا کہ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے؟ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے امیر المؤمنین! آپ کبھی خاردار وادی میں چلے ہیں کہ جہاں کانٹے ہی کانٹے بکھرے ہوئے ہوں، اردگرد کانٹے دار جھاڑیاں ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں بارہا چلا ہوں تو کہنے لگے کہ وہاں چلنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ تو کہا کہ وہاں چلنے کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ انسان اپنا دامن بھی سنبھالتا ہے کہ کانٹوں میں نہ الجھ جائے اور پاؤں بھی سوچ سوچ کر رکھتا ہے کہ کہیں پاؤں میں کوئی کانٹا نہ لگ جائے بہت محتاط ہو کے چلتا ہے، فرمایا کہ بس یہی تقویٰ ہے کہ دنیا کے اندر بھی انسان اسی طرح پھونک پھونک کے قدم رکھے، اردگرد معاصی کی طرف دعوت دینے والی بہت ساری چیزیں ہیں گناہوں کے کانٹے ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا بچ بچ کر چلنا بس یہی تقویٰ ہے (تفسیر قرطبی ص ۱۶۱ ج ۱، تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۱) تو "للذین احسنوا" اور "الذین اتقوا" یہ دونوں باتیں ان صحابہ کے اوپر صادق آتی تھیں کہ وفادار بھی تھے ہر کام کو اچھی طرح کرتے تھے اور اپنی اس دنیوی زندگی کے اندر اللہ کے احکام کے مطابق چلتے تھے اور بچ بچ کے چلتے تھے کہ کہیں کوئی معصیت اور نافرمانی نہ ہو جائے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلند ہمتی:

"الذین قال لھم الناس" اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف ہے جنہوں نے مشرکین کے اس نمائندے کا پروپیگنڈا سن کے قوت ایمانی کا اظہار فرمایا اس معاملہ میں تعریف ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کچھ لوگوں نے کہا جو کہ مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے یہ ہو گئے خبر پہنچانے والے، پروپیگنڈا کرنے والے انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے یعنی مشرکین مکہ نے ابوسفیان کی پارٹی نے اکٹھے کیے ہیں تمہارے لئے لشکر یا جمع کیا ہے تمہارے لئے سامان "فاخشوھم" کہ تم ان سے ڈرو تمہارے اوپر خوف اور خشیت طاری ہونا چاہیئے اس بات نے ان کے جوش ایمانی کو بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، اگر اسلحہ ان کے پاس ہم سے زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں، اگر ان کے پاس جماعت ہم سے زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں ہمارے لئے اکیلا اللہ ہی کافی ہے، ہمارا اللہ پر اعتماد ہے جب اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہو گی تو نہ کوئی سامان جنگ کے ذریعہ سے ہمارے اوپر غالب آسکتا ہے اور نہ لشکر کی کثرت سے ہم پر غالب آسکتا ہے تو ایسے خوف و ہراس کے وقت میں "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" یہ اپنی زبان کے اوپر لانا یہ ایمان کا اظہار بھی ہے اور یہ کلمہ بھی بابرکت ہے کہ بار بار اس تکرار کے ساتھ قلب کو قوت بھی حاصل ہوتی ہے اس لئے پریشانی کے وقت میں اولیاء اللہ اسی کا ورد بتایا کرتے ہیں کہ "حسبی اللہ ونعم الوکیل" مفرد کے طور پر پڑھو یا جمع

کے طور پر "حسبنا الله ونعم الوکیل" ان الفاظ کو بار بار پڑھنا یہ مشکلات کے حل کے لئے اچھا معاون بنتا ہے اور دل کو قوت حاصل ہوتی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی لفظ ادا کیے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

"فانقلبوا بنعمة من الله" پھر یہ لوٹے اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی، نہ بدنی تکلیف پہنچی اور نہ کوئی دوسری مشکل پیش آئی، اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے ثواب بھی ملا اور ظاہری طور پر مال تجارت میں نفع بھی پایا، یا یہ ظاہری فضل بھی ہے اور یہ اللہ کی رضا کے متبع ہو گئے گویا کہ اللہ کی رضا بھی ان کو حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والے ہیں اور ان کو بڑا فضل دیں گے جنہوں نے اس نازک موقع پر اللہ کے رسول کی اس بات کو مان لیا۔

خوف صرف اللہ سے ہونا چاہیے:

"انما ذٰلکم الشیطان یخوف اولیاء ہ" اس آیت میں اس شخص کی برائی ہے جس نے آ کر مشرکین کے حق میں پروپیگنڈا کرنے کی کوشش کی تھی، یہ شخص جو اس قسم کی باتیں پھیلاتا ہے یہ عملاً شیطان ہے یعنی اس کی کاروائی شیطانوں جیسی ہے، جو شرارت پھیلایا کرتا ہے کیونکہ شیطان ہر سرکش اور شرارت پھیلانے والے کو کہہ دیا جاتا ہے چاہے وہ من الجن ہو چاہے وہ من الانس ہو، وہ جو برائی پھیلاتا ہے اور برائی کی اشاعت کرتا ہے وہ شیطان کا مصداق ہے یہ شخص عملاً شیطان ہے شیطان والا کام کر رہا ہے، اپنے دوستوں سے تمہیں ڈراتا ہے کوئی ضرورت نہیں ان سے ڈرنے کی ان سے مت ڈرو، ہاں مجھ سے ڈرتے رہو کہ میری نافرمانی نہ ہونے پائے اگر تم ایمان والے ہو، ایمان والے کا کام یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرتا ہے کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا کیونکہ نفع ونقصان کا مالک بھی اللہ ہے اور اسی طرح فتح وشکست بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔

تو جس کی ہر طرح سے قوت ہے، قدرت ہے جو ہر طرح سے ہمارے اوپر قابض ہے ڈرنا اسی سے چاہیے باقی دوسروں کے مقابلہ میں فتح اور شکست بھی اس کی مشیت سے ہوتی ہے، اور نفع ونقصان بھی اسی کی مشیت سے ہوتا ہے تو جن کے ہاتھ میں کچھ نہیں ان سے ڈرنا کوئی عقلمندی نہیں اور جس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے اس سے ڈرنا عقل کا تقاضا ہے، تو اگر تم ایمان والے ہو تو تم پر خوف میرا طاری ہونا چاہیے کہ میری نافرمانی نہ ہونے پائے باقی کسی دوسرے سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

"فلایحزنك الذین یسارعون فی الکفر" یہ آیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ہیں اور "الذین یسارعون فی الکفر" سے اشارہ منافقین کی جماعت کی طرف ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے تو یہ کفر کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور باتیں کر کر کے کفر میں جا گرتے ہیں ان کی وجہ سے آپ کو دکھ نہ ہو حزن نہ ہو، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، آپ کا کام ہے ان کو سمجھانا جب یہ نہیں سمجھتے دوڑ دوڑ کے کفر کی طرف جاتے ہیں تو اس سے آپ کا نقصان کوئی نہیں

آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے متعلق ارادہ یہی ہے کہ ان کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے اور یہ عذاب عظیم میں جائیں گے، "لایحزنك" آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو کفر میں دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں یعنی کفر کی باتوں میں جلدی کرنے لگ جاتے ہیں، جب کوئی موقع آتا ہے تو ان کی زبان پر ایسی باتیں جاری ہو جاتی ہیں جس قسم کی کافروں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے ان کے متعلق اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا ایمان کے بدلے یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، یعنی نقصان انہی کا ہی ہے، اللہ کا اور اللہ کی جماعت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

منافقین کو تنبیہ:

"ولایحسبن الذین کفروا انما نملی لھم " اب ان منافقین کو ذرا تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم زخموں سے بھی بچ گئے، قتل سے بھی بچ گئے ہمارے لئے بڑی خوشحالی ہے، اپنی اس کاروائی پر تم ناز نہ کرو یہ دو چار دن تمہیں اگر عافیت مل گئی ہے تو یہ عافیت اسی لئے ہے تاکہ تمہاری خباثتیں اور بڑھ جائیں اور پیمانہ بالکل لبریز ہو جائے، جب پکڑے جاؤ تو چھوٹنے کی گنجائش نہ ہو، یہ ڈھیل ہے جو تمہیں دی گئی ہے یہ اللہ کی طرف سے انعام نہیں ہے، اس لئے کافر اور منافق اگر دنیا کے اندر خوش حال ہے تو یہ استدراج ہے، اللہ کی طرف سے رسی ڈھیلی ہے، ہرگز نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں اور وہ ڈھیل دینا ان کے لئے بہتر ہے، سوائے اس کے نہیں کہ ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ بڑھ جائیں از روئے گناہ کے یعنی ہماری ڈھیل دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے گناہوں میں ترقی ہوتی چلی جائے گی اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

مصائب نازل ہونے کی حکمت:

"ماکان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ماانتم علیه "اس آیت میں مؤمنوں پر مصیبتیں آنے کی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ تمہارا معاشرہ اسی طرح رہ جائے جس میں مخلص مؤمن اور منافق کا امتیاز ہی نہ ہو، کھرے کھوٹے سب ایک جیسے ہی رہ جائیں، اللہ ان کے درمیان امتیاز کرنا چاہتا ہے اب ایک تو امتیاز کی صورت یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے بتلا دیا جائے کہ فلاں بھی منافق، فلاں بھی منافق، یہ اللہ کی عادت نہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کی غیبی باتیں اپنے رسولوں کو بتاتا ہے براہ راست ہر کسی کو نہیں بتایا کرتا، اور واقعات کے ضمن میں جب کوئی چیز نمایاں ہوگی تو تم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ یہ کتنا وفادار ہے، یہ کتنا رسول کا مطیع ہے اور یہ کتنا قربانی دینے والا ہے، اور جب واقعات کے ساتھ امتیاز ہوگا تو تم ہر کسی کے اوپر الزام قائم کر سکتے ہو، اور اگر غیبی طور پر اطلاع دے دی جائے کہ فلاں منافق ہے تو دوسرے پر الزام

قائم کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ غیب کے اوپر اطلاع براہ راست اگر دیتا ہے تو اپنے رسولوں کو دیتا ہے ہر کسی کو غیب پر اطلاع نہیں دیا کرتا۔

یہ اطلاع علی الغیب ہر رسول کے ساتھ ہوتی ہے اور رسول کی وساطت سے پھر ہمیں بھی ہو جاتی ہے، جس طرح قیامت غیب ہے، جنت اور دوزخ غیب ہے، دوزخ کے اندر جو واقعات پیش آئیں گے وہ غیب ہیں، جنت کے اندر جو واقعات پیش آئیں گے وہ غیب ہیں مستقبل کے جو واقعات بیان کیے گئے وہ غیب ہیں، ماضی کے زمانہ کے واقعات ہمارے لئے غیب ہیں، اور اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہمیں غیب کی اطلاع دیتا ہے، لیکن ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ اس غیب سے مطلع کرے یہ اللہ کی عادت نہیں ہے البتہ اپنے رسولوں کو بتلاتا ہے، غیب کی اطلاع دیتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے پھر دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چل جاتا ہے، یہ اللہ کی عادت ہے باقی مؤمن اور کافر کا امتیاز واقعات کے ذریعے سے اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ تم سب لوگ واقعات سے استدلال کر کے دوسرے پر الزام قائم کر سکو کہ دیکھو یہ واقعہ دلیل ہے کہ تم منافق ہو، اور اگر اس قسم کا واقعہ پیش نہ آئے اور تم صرف غیب کی اطلاع پانے کی بناء پر کہو کہ تم منافق ہو دوسرا آدمی آگے سے انکار کر سکتا ہے وہ کہے گا کہ نہیں میں تو مخلص ہوں، تمہیں اطلاع غلط ملی ہے یا تم اس اطلاع کا صحیح مطلب نہیں سمجھے، آگے سے چوں چراں کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

لیکن جب واقعات سے امتیاز ہو جائے تو پھر دوسرے پر الزام بھی صحیح ہو جاتا ہے اور استدلال واضح ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ تم پر اس قسم کے امتحانات ڈالتا رہے گا ایسے واقعات تمہارے سامنے پیش آتے رہیں گے تاکہ خبیث اور طیب کے اندر امتیاز ہو جائے تو اطلاع علی الغیب کے ذریعہ سے کسی کو عالم الغیب کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ پھر تو اللہ کی طرف سے اطلاع انبیاء علیہم السلام کو ہوئی انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہمیں ہوگئی اگر اس اطلاع علی الغیب کی بناء پر کسی کو عالم الغیب کہہ سکیں تو پھر تو جتنے نبی پر ایمان لانے والے امتی اور نبی سے سن کر غیب کی باتوں کو جانتے ہیں سب پر یہ لفظ صادق آئے گا اس لئے اس پر علم غیب کا لفظ صادق نہیں آتا، اس کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا، اللہ کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد پھر رسول اور امتی سب اس غیب میں شریک ہو جاتے ہیں اس اطلاع علی الغیب سے اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب کے اندر کسی کی شرکت لازم نہیں آتی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا

ہرگز نہ سمجھیں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے بھیجی اپنے فضل سے کہ وہ بہتر ہے

لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ

ان کے لئے بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے عنقریب طوق پہنائے جائیں گے وہ اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن، اللہ ہی کے لئے ہے

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ

زمین و آسمان کی میراث، اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کے ساتھ خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۹۰﴾ البتہ تحقیق

سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ

سن لی بات اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں، ہم ضرور لکھیں گے

مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

اس بات کو جو انہوں نے کہی اور لکھیں گے ہم ان کا قتل کرنا انبیاء کو ناحق اور کہیں گے ہم چکھو تم جلانے والی آگ کا عذاب ﴿۱۸۱﴾

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ۚ اَلَّذِيْنَ

اور یہ بسبب ان کاموں کے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ﴿۱۸۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ نہ آئے وہ رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر

تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ

جس کو آگ کھا جائے، آپ فرما دیجئے تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح دلائل لے کر اور یہی معجزہ لے کر

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ

جو تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾ پھر یہ اگر آپ کو جھوٹا بتلائیں تحقیق

كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ

جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے بھی جو واضح دلائل لے کر آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے صحیفے لے کر اور کتاب لے کر آئے تھے

الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ

روشن ﴿۱۸۴﴾ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور سوائے اس کے نہیں کہ تم پورا پورا دیئے جاؤ گے اپنا اجر دن

الْقِيَامَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا

قیامت کے، پھر جو شخص دور ہٹا دیا گیا آگ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ

دنیوی زندگی مگر دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾ البتہ ضرور آزمائے جاؤ گے تم اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں،

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا

اور البتہ ضرور سنو گے تم ان لوگوں کی طرف سے جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا

أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾

بہت تکلیف، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ ان کاموں میں سے ہیں جن کا عزم کیا جاتا ہے ﴿۱۸۶﴾

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ

یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے لیا پختہ عہد ان لوگوں کا جو کتاب دیئے گئے کہ البتہ ضرور بیان کرو گے تم اس کتاب کو لوگوں کے لئے

وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۥ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا

اور تم اس کتاب کو چھپاؤ گے نہیں، پھینک دیا ان لوگوں نے اس عہد کو پشتوں کے پیچھے اور حاصل کیے اس کے بدلہ میں ثمن

قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ

قلیل، پس بری ہے چیز جس کو یہ خریدتے ہیں ﴿۱۸۷﴾ ہرگز گمان نہ کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں

بِمَآ أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

اپنے کیے پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں کے ساتھ جو انہوں نے کئے نہیں پس ہرگز نہ سمجھ تو انہیں

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

عذاب سے چھٹکارے میں، اور ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

آسمانوں کی اور زمین کی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۸۹﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

غزوۂ احد کے واقعات جو آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ گزرے ان میں منافقین کی طرف سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے بارے میں کوتاہی کھل کر سامنے آگئی کہ جس طرح یہ لوگ اللہ کے راستہ میں جان قربان کرنے سے دریغ کرتے تھے اور بزدلی کی بناء پر جہاد کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہے تھے اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرو تو مال خرچ کرنے میں بھی وہ کوتاہی کرتے تھے جب کوئی موقع آتا تو مخلص صحابہ تو اپنے گھر تک لٹا دیتے تھے جو کچھ گھر میں سامان ہوتا سب اللہ کے راستہ میں دے دیتے اور یہ بخل کرتے تھے تو جیسے اس جہاد میں کوتاہی کرنے کی بناء پر ان کی مذمت کی گئی ان آیات میں ان کے بخل کی مذمت کی گئی ہے، جیسے وہاں کہا گیا تھا کہ یہ چھپے پھرتے ہیں پھر بھی موت سے بچیں گے نہیں، موت تو آخر ایک وقت آنی ہے لیکن جہاد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنے سے ایک شرف والی موت سے انسان محروم ہو جاتا ہے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے جو موت آتی ہے وہ برائے نام موت ہے حقیقت میں زندگی ہے۔

اسی طرح یہاں کہا جائے گا کہ جس مال کو یہ سنبھال سنبھال کے رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سنبھال کر رکھنا ہمارے مستقبل کے لئے مفید ہے یہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں، دوسرے وقت میں یہ مال ہمارے کام آئے گا ان کا یہ نظریہ غلط ہے، مستقبل کے لئے مفید یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے، اس کے ساتھ دنیا میں بھی امن وعافیت نصیب ہوتی ہے، مثلاً اس وقت یہ لوگ اگر سارے کے سارے ہی اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرتے تو دنیا بھی برباد ہوتی، کافر غالب آتے اور آخرت تو برباد ہے ہی اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے جہاں جہاد کی تیاری ہوگی دشمن کے اوپر غلبہ حاصل ہوگا تو آخرت کا ثواب بھی ملے گا، اور سنبھال سنبھال کے جو رکھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے مستقبل کے لئے مفید ہے یہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے والی چیز نہیں ہے یہ مرجائیں گے سارا مال پیچھے رہ جائے گا، آخر یہ چیز واپس اللہ کی طرف ہی جانے والی ہے، تو جب یہ چیز آخر کار لوٹ کے اللہ کی طرف جانی ہے تو تم اپنے ہاتھ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں اپنی خوشی سے خرچ کرو گے تو چیز تو پھر بھی جائے گی لیکن تمہارے لئے اجر وثواب کا باعث بنے گی۔

جیسے وہاں تھا کہ مرنا بہرصورت ہے لیکن اللہ کے راستہ میں موت آجائے گی تو اللہ کی مغفرت اور فضل حاصل ہو جائے گا ورنہ یہ نہیں کہ اگر تم اللہ کے راستہ میں نکلو گے نہیں تو موت سے بچ جاؤ گے، اسی طرح اس مال نے لوٹ کے جانا تو اللہ کے پاس ہے ساری دنیا مرجائے گی زمین وآسمان پیچھے رہ جائیں گے تو سوائے اللہ کے کون ان کا وارث ہے لیکن جو لوگ اپنے اختیار کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے خرچ کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاں اجر وثواب پالیں گے۔

صدقہ کو لفظ قرض سے تعبیر کرنے کی حکمت:

صدقہ کی ترغیب دیتے ہوئے قرآن کریم میں بار بار اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ''من ذاالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا'' کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے، قرض کا لفظ استعمال کرنا یہ صدقہ کے لئے ترغیب کا باعث ہے ترغیب اس اعتبار سے کہ جب کسی کو قرضہ دیا جاتا ہے تو قرضہ لینے والا اخلاقاً اپنے ذمہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے واپس ضرور کرنا ہے اگر اس کے پاس گنجائش ہو کہ تنگدست نہیں ہے اور اس کو حق کے ادا کرنے کا فکر ہو کہ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا تو قرضہ کو کوئی دبایا نہیں کرتا۔

شرفاء کے اندر عرف یہی ہے اور جب دیتا ہے انسان قرض کسی ایسے آدمی کو جس کے متعلق خیال ہے کہ یہ مفلس نہیں کہ واپس نہیں کر سکے گا، اور یہ ظالم نہیں کہ دبا لے گا اس اعتماد پہ دیا جاتا ہے کہ لازماً یہ واپس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے لئے قرض قرار دیتے ہیں اور پھر جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی ترغیب دیتے ہیں کہ صبح کے وقت طلوع فجر کے وقت صبح صبح جس وقت اللہ اپنی مغفرت اور رحمت کی طرف بلاتے ہیں، تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ اعلان کرنے کے بعد کہ مجھ سے مانگو میں دینے کے لئے تیار ہوں، مجھ سے استغفار کرو کہ میں تمہارے گناہ معاف کروں، دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ہاتھ پھیلاتے ہیں اور پھیلا کے کہتے ہیں ''من یقرض غیر ظلوم ولا عدوم'' کوئی ہے جو ایسے کو قرض دے جو مفلس بھی نہیں اور ظالم بھی نہیں، یہ دو لفظ جو بولے گئے تو اس لئے بولے گئے کہ مفلس کو قرض دیتے ہوئے انسان ڈرتا ہے کہ اس کے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں دے گا کہاں سے، اور ظالم کو دیتے ہوئے ڈرتا ہے کہ اس کو تو حق دبانے کی عادت ہے ہمارا حق بھی دبا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ ظلوم بھی نہیں اور عدوم بھی نہیں اس لئے ترغیب کا پہلو ہے کہ اللہ کے راستہ میں جب دیں تو اس کی واپسی کا تمہارے دل میں اتنا خیال ہونا چاہئے کہ جس طرح تم کسی اچھے بھلے آدمی کو قرض دیتے ہو تو تمہارے دل میں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ یہ ضائع نہیں ہو گا دوسرے وقت میں لوٹ کے آئے گا اس پہلو سے ترغیب دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ قرض استعمال کیا ہے۔

یہود اور منافقین کا مذاق:

یہود نے اس لفظ کا مذاق اڑایا باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے قائل تھے اور ان کی کتابوں میں اس قسم کے عنوانات موجود تھے لیکن جب آپس میں ضد ہو جاتی ہے تو اس قسم کی باتیں مذاق میں آجاتی ہیں، اور یہ منافقین چونکہ یہود سے ہی متاثر تھے انہوں نے بھی اس لفظ کا اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر مذاق اڑایا کہ لو جی آج تو اللہ محتاج ہو گیا، (نعوذ باللہ نقل کفر

کفر نباشد) فقیر ہے ہم سے قرضہ مانگتا ہے گویا کہ ہم مال دار ہیں اور اللہ فقیر ہے، یہود بھی اس لفظ کا مذاق اڑاتے تھے اور منافقین نے بھی اپنی مجلسوں میں اس لفظ کا مذاق اڑایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی ہے اور تنبیہ میں یہ نہیں کہا کہ میں جو قرض کا لفظ بولتا ہوں تو اس کی مراد یہ ہے کیونکہ یہ بات تو واضح تھی، اللہ تعالیٰ کے متعلق فقیر ہونے کا تصور کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کر سکتا، یہ تو اس کی شفقت ہے کہ اپنے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرواتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں اس کو ضرور واپس کروں گا، تو ان کو ڈرایا ہے کہ یہ باتیں ہم سن رہے ہیں اور تمہارے نامہ اعمال میں یہ باتیں ہم لکھ کر رکھیں گے، اور جس طرح تمہارے دوسرے جرائم ہیں خاص طور پر یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ جماعتی سطح پر تم نے جو جرم کیے ہوئے ہیں انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا، حق کی مخالفت جو فہرست جرائم کی ہے اس فہرست کے اندر اس جرم کا اضافہ ہو گیا ہے اور قیامت کے دن ساری کی ساری چیزیں سامنے آئیں گی اس وقت ہم کہیں گے کہ جس طرح تم باتیں کر کر کے اہل اللہ کا دل جلایا کرتے تھے آج جلنے والے عذاب کا مزہ چکھو، تو یہاں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ان کے بڑوں کا کردار بھی سامنے لائے جو انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا کرتے تھے، کیونکہ یہ ان حرکتوں کو جاننے کے باوجود اپنے بڑوں کے کردار پر انکار نہیں کرتے تھے، انکار نہ کرنے کی بناء پر وہ جرم جماعتی سطح پر ان کے سر پر بھی آتا ہے کہ جیسے تمہارے یہ بڑے بڑے جرائم فہرست میں آئے ہوئے ہیں ان جرموں کے اندر یہ بھی شریک ہو گیا اس طرح یہ یہود کو تنبیہ ہو گئی، یہود سے متاثر ہو کر منافقین جو اس قسم کی باتیں کرتے تھے تو منافقین کو بھی تنبیہ ہو گئی ابتدائی آیات تو یہ ہیں۔

خرچ کرنے سے مال بڑھنے کی حسی مثال:

"ولایحسبن الذین یبخلون" ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اللہ کے دیے ہوئے فضل کے ساتھ بخل کرتے ہیں یہ دیا ہوا اللہ کا ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی کے ساتھ، اپنے فضل کے ساتھ جو کچھ دیا ہے اس کو خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں ان کا جذبہ یہی تھا کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں مال کو محفوظ رکھیں گے تو دوسرے وقت میں کام آئے گا، حالانکہ یہی بات ان کے حق میں بری ہے اس کو اگر آپ ایک حسی مثال کے ساتھ سمجھنا چاہیں تو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ غلہ آپ کے گھر میں پڑا ہے، فصل بونے کا وقت آ گیا اب ایک آدمی گندم کی بوری اٹھاتا ہے اور لے جا کے باہر مٹی میں بکھیر دیتا ہے، اور ایک آدمی اس بوری کو سنبھال کے رکھتا ہے کہ ہم اس بوری کو مٹی میں کیوں ڈالیں، ایسا نہ ہو کہ یہ ضائع ہو جائے کل کو ہمارے ہاں بھوک ہو گی تو ہم کیا کریں گے۔

اب یہ مثال آپ کے سامنے جس طرح دونوں شخصیتوں کو لاتی ہے کہ ایک آدمی اللہ کی عادت پر اعتماد کرتا ہوا جا کے مٹی کے اندر غلہ کو بکھیر دیتا ہے کہ اللہ کی عادت یہی ہے کہ جب موسم پر اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق یہ دانے بکھیر دیے جاتے ہیں تو دوسرے وقت یہ سو سو زائد ہو کے واپس آتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی اس عادت پر اعتماد

کرتا ہے اور اعتماد کر کے وہ دانے مٹی میں ملا دیتا ہے تو چند دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے اپنی عادت کے تحت مخلوق سے کیا ہوا ہے اس کے مطابق ایک بوری بکھیری تھی بیس بوریاں آ جاتی ہیں چالیس بوریاں آ جاتی ہیں تو ایک دانہ کا سو سو دانہ بن گیا، لیکن اگر ایک بے وقوف یہ کہے کہ کیا پتہ، ہوسکتا ہے کہ اس کو کیڑا لگ جائے، ہوسکتا ہے کہ فصل برباد ہو جائے تو ہم اپنے گھر کے اندر پڑے ہوئے دانوں کو کیوں برباد کریں، ہم اس کو سنبھال کے رکھیں گے، دوسرے وقت میں ہمارے کام آئیں گے، اب ظاہری طور پر اس کی بات کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت کے تحت اس شخص کا اپنے آپ پر یہ ظلم ہے، کیونکہ جو اس نے تھوڑا بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے یہ رہے گا تو ہے نہیں کھالے گا تو ختم ہو جائے گا، اور اگر نہیں کھائے گا تو گھن لگ جائے گا ختم تو اس نے ہو جانا ہے، اور اگر طریقہ کے مطابق اس کو صرف کرتا ہے تو یہ بڑھتا بھی ہے اور محفوظ بھی ہوتا ہے جس طرح یہ حسی مثال ہے رزق کے بڑھنے کی کہ خرچ کرنے کے ساتھ بڑھتا ہے اور لوٹ کے انسان کی طرف آتا ہے۔

بالکل یہی حساب ہے معنوی طور پر کہ جب اللہ کے نام پہ دیا جاتا ہے تو یہ رزق کے اندر اضافہ کا باعث بنتا ہے، حضور ﷺ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صدقہ دینے سے کسی کا مال کم نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ برکت دیتے ہیں اور دوسرے راستہ سے لوٹ لوٹ کے وہی آتا ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے جو اس طرح کرتے ہیں۔

خرچ نہ کرنے والے مال داروں کا انجام:

"سیطوقون مابخلوا به یوم القیامة "ان لفظوں کی تشریح حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مال دار لوگ جو اپنے مال میں سے اللہ کے نام پر خرچ نہیں کرتے تھے، حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے تھے ان کا وہ مال، ان کا خزانہ ایک سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا اور پھر وہ سانپ ان کے گلے کا ہار بنا دیا جائے گا، اور سانپ ان کے منہ پر کاٹے گا اور ساتھ یہ بھی کہے گا"انا کنزك انامالك" تو گویا کہ طوق بنا کے گلے میں ڈالنے کا مطلب حدیث شریف میں یہ ذکر کیا گیا کہ اس خزانہ کو اس مال کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا، اور وہ سانپ ان کے گلے کا ہار بنا دیا جائے گا اور پھر وہ ان کو کاٹے گا بھی اور یاد بھی دلائے گا کہ میں وہی مال ہوں جس کو تو سنبھال سنبھال کے رکھتا تھا (مشکوۃ ص ۱۵۵)۔

وللہ میراث السموات والارض کا مفہوم:

"وللہ میراث السمٰوٰت والارض "اس میں وہ بات بھی کہہ دی گئی کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے آخر جانا تو اس نے لوٹ کر اللہ کے پاس ہی ہے تم مرجاؤ گے پیچھے چھوڑ جاؤ گے، جس طرح دنیا کے اندر ایک آدمی مرتا ہے پیچھے مال چھوڑ

جاتا ہے تو اس کو ورثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہاں بھی جب ساری مخلوق مرجائے گی، سارے زمین و آسمان اللہ ہی کے لئے باقی رہ جائیں گے، یہ ایسے ہی ہے جیسے ظاہری طور پر ایک وارث ہوتا ہے پیچھے بچا ہوا سب اللہ کے قبضہ میں ہوگا مطلب یہ ہوا کہ لوٹ کے یہ چیز جانی تو اللہ کے پاس ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرلو، جیسے موت کا مسئلہ ہے کہ موت آنی تو یقیناً ہے اندر گھس جاؤ گے تو مرجاؤ گے "ولو کنتم في بروج مشيدة" چونا گچ قلعوں کے اندر بند ہو جاؤ مرنا تو تب بھی ہے لیکن اس طرح چھپ چھپ کے مرو گے تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بھی بنو گے اور اگر اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے مرو گے موت تو پھر بھی آنی ہے لیکن وہ باعث رحمت اور مغفرت ہوگی۔

یہود اور منافقین کے استہزاء کا جواب:

"لقد سمع الله قول الذين قالوا" اس میں اس بات پر انکار ہے جو انہوں نے استہزاء کیا تھا کہ تحقیق سن لی بات اللہ تعالیٰ نے ان کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے ہم مال دار ہیں ضرور لکھیں گے ہم ان کی کہی ہوئی باتوں کو اور انبیاء علیہم السلام کے قتل کرنے کو جو انبیاء علیہم السلام کو یہ ناحق قتل کرتے تھے اور ہم کہیں گے کہ جلنے والی آگ کا عذاب چکھو، اور پھر ساتھ یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، انسان کے تمام اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف ہی ہوتی ہے چاہے وہ زبان سے ہوں یا کسی اور عضو سے، مطلب یہ کہ تیرے اپنے کئے ہوئے اعمال کا یہ بدلہ ہے، اور یہ تو واقعہ ہے کہ اللہ بندوں پر زیادتی نہیں کرتا جو کچھ بھی ہے یہ تمہارا اپنا کیا ہوا سامنے آرہا ہے، جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے، اگر تم نے اپنے کھیتوں کے اندر کانٹے ہی بکھیرے ہیں تو کل اگر کانٹے دار جھاڑیاں اگیں گی تو تمہارے پاؤں کو زخمی کریں گی تمہارے دامن میں الجھیں گی تو اپنا بویا ہوا ہی دیکھا ہے اور اگر اچھی چیز بوؤ گے تو اچھا انجام سامنے آئے گا یہ تو تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

یہود کے مختلف بہانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

"الذين قالوا ان الله عهد الينا" یہ دوسری بات ان کے سامنے ذکر کی جارہی ہے کہ یہود کو جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے ہم اس نبی پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہوا ہے کہ ہم ایسے شخص پر ایمان لائیں گے جو ہمارے سامنے یہ معجزہ ظاہر کرے کہ اللہ کے نام پر کوئی قربانی پیش کرے اور آسمان سے آگ آئے جو اس قربانی کو جلا جائے جب تک یہ معجزہ نہیں دکھایا جائے گا اس وقت تک ہم نہیں مانیں گے اور یہ ان کا افتراء تھا بہتان تھا یہ ٹھیک ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ انہوں نے قربانی کے طور پر کوئی

چیز پیش کی اور آسمان سے آگ آئی اور اس کو کھا گئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس وقت تک کوئی نبی اس معجزہ کو نہ دکھائے تو وہ نبی نہیں نہ ان کی کتاب کے اندر یہ مذکور ہے گویا کہ حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے کے لئے وہ اس قسم کے بہانے تراشتے تھے۔

چونکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد و پیان نہیں تھا کہ جب تک کوئی نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس وقت تک اس کو نہیں ماننا یہ بات واقعہ کے خلاف تھی اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو الزام دیا ہے کہ یہ بات جو یہ کرتے ہیں یہ بھی ایمان نہ لانے کے لئے ایک بہانہ ہے ورنہ ان سے پوچھو کہ جو نبی آئے تھے اور اسی قسم کا معجزہ لائے تھے ان کے ساتھ انہوں نے کیا کیا، اگر یہ اتنے ہی عہد کے پکے ہیں تو جو نبی آئے تھے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا تھا ان کے ساتھ انہوں نے کیا کیا، ان کو بھی قتل کر دیا ان کو بھی نہیں مانا تو یہ کیسے کہتے ہیں کہ ایسا معجزہ دکھائیں تو ہم مان لیں گے ایسا معجزہ دکھانے والوں کا بھی انہوں نے یہی حال کیا ہے تو اصل یہ ہے کہ ماننا ہے نہیں اور نہ ماننے کے لئے مختلف بہانے ہیں۔

"فان کذبوک" اس میں حضور ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں یہ ان کی پرانی عادت ہے اور رسولوں کے ساتھ یونہی ہوتا آیا ہے جب ان کی پرانی عادت ہے اور رسولوں کے ساتھ پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے تو آپ کو تسلی رکھنی چاہیے، آپ کے لئے کوئی غم کی بات نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جس جماعت میں انسان شامل ہو اس جماعت کی خصوصیات اپنانی پڑتی ہیں جیسے ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ لگاؤ اگر ہاتھی والوں سے دوستی لگانی ہے تو پھر دروازے بڑے بڑے رکھو، کیونکہ پھر جب ہاتھیوں والے آئیں تو ان کے اندر آنے کی گنجائش تو ہو یعنی جن کے ساتھ دوستی ہو تو پھر ان کے لوازمات کی رعایت رکھی جاتی ہے، آپ ہیں رسولوں کی جماعت کے فرد اور رسولوں کے ساتھ لوگوں نے ہمیشہ ایسے ہی کیا ہے جب ایسے ہی کیا ہے اور آپ اس جماعت میں شامل ہیں تو آپ کو بھی حوصلہ رکھنا چاہیے، لوگ آپ کے ساتھ یونہی کریں گے برداشت کرو۔

جیسے آپ کی خدمت میں میں عرض کیا کرتا ہوں کہ آج کل بسا اوقات بچے گھبرا جاتے ہیں کہ لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں جب اس قسم کی بات ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بھائی تعلق کس جماعت سے رکھتے ہیں، اللہ تو اپنے رسول کو کہتے ہیں "ولقد استھزیء برسل من قبلك" کہ اگر یہ تیرا استہزاء کرتے ہیں تو کیا ہو گیا پہلے رسولوں کا بھی ان لوگوں نے ایسے ہی استہزاء کیا ہے، جب رسولوں کے ساتھ یہ ہوا اور تم انبیاء کے وارث ہو اور رسولوں کے وارث بنے بیٹھے ہو تو وراثت کے اندر جہاں فوائد حاصل ہوا کرتے ہیں وہاں ذمہ داریاں بھی آیا کرتی ہیں، یہ نہیں کہ صرف فوائد فوائد حاصل کر لو اور ذمہ داریوں سے جان چھڑاؤ تو ان ذمہ داریوں کے ساتھ اس قسم کی باتیں بھی آئیں گی کہ جیسے رسولوں کو لوگوں نے

پتھر بھی مارے، استہزاء بھی کیا، ان کی تکذیب بھی کی، اس طرح تم بھی اپنے لئے یہ برداشت کرو، اگر یہ استہزاء اور تکلیف تم برداشت نہیں کرنا چاہتے تو اس جماعت میں رہنے کا کیا مطلب، جب اس جماعت میں شامل ہوں گے تو اس قسم کے واقعات تو پیش آئیں گے اور آپ کو ٹھنڈے دل سے سننے پڑیں گے اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کوئی تعجب نہیں آپ سے پہلے بھی تھے کتاب منیر کا مصداق خاص طور پر توراۃ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کتابیں اتریں ان میں سب سے واضح کتاب توراۃ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ سب اسی کتاب کے حامل تھے۔

دنیاوی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے:

"کل نفس ذائقة الموت" یہ بھی تسلی کی بات ہے کہ کوئی بات نہیں اگر یہ دندناتے ہیں، اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں، طعنے دیتے ہیں، باتیں کر کے دل جلاتے ہیں آخر ایک دن مرنا ہے جب مرنا ہے تو پھر آنا تو ہمارے پاس ہی ہے، "کل نفس ذائقة الموت" ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہارے اجر پورے پورے دے دیئے جائیں گے پھر جو شخص جہنم سے دور ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوگیا، اور دنیوی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے، دھوکہ کے سامان کا مطلب اس طرح سمجھیں کہ جس طرح ایک خوبصورت لیبل لگا ہوا بہترین ڈبہ اور اس کے اندر کوئی ردی قسم کی چیز ڈال دی جائے تو ظاہری شکل دیکھ کر انسان مست ہو کے بہت سارے پیسے دے کر گھر لے آئے اور گھر آ کر دیکھا تو اوپر سے خوبصورت اور اندر سے چیز ردی نکلی تو دھوکہ کا سامان یہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں دنیا کی زیب وزینت پر آرائش پر زیبائش پر انسان مرتا ہے اور اس کی طرف انسان رغبت کرتا ہے حالانکہ یہ بالکل فانی ہے اور چند دنوں کے بعد اس کا نتیجہ جو سامنے آتا ہے تو نتیجہ خطرناک ہے۔

اس کی مثال اگر آپ سمجھنا چاہیں تو اس طرح سمجھ لیجئے کہ جیسے سانپ تو آپ حضرات نے دیکھے ہی ہوں گے کہ بعض بعض سانپوں پر بڑا نقش ونگار ہوتا ہے، اور دیکھنے میں بڑے خوبصورت محسوس ہوتے ہیں اور اگر انسان اس کو خوبصورت سمجھ کے اٹھا کے جیب میں ڈال لے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے لیکن جب وہ ڈنگ مارے گا اور اس کی زہر پھیلے گی تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس مار منقش کے اندر جو زہر تھی یہ کتنی مہلک ہے، اسی طرح دنیا کی لذت پرستی اور دنیا کی آرائش ظاہری طور پر انسان کو اچھی لگتی ہے اور جب انسان اس کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے شہوت پرستی میں پڑ جاتا ہے، لذات اٹھانے لگ جاتا ہے تو تھوڑے سے وقت میں ہی اس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک شکل میں سامنے آتا ہے تو اس کو دھوکہ کا سامان نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔

جو شخص بھی اس کے دھوکہ میں آ گیا اور اس کو مطلوب بنا کے اس کے پیچھے پڑ گیا آخر وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھا

اس سے زیادہ دھوکہ کسی کے ساتھ اور کیا ہوگا، تو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اس کا لیبل دیکھ کے، اس کے ظاہری نقش ونگار دیکھ کے اس کے اوپر مرو نہیں یہ اندر سے بڑی خطرناک چیز ہے، اتنا ہی لو جتنا کہ تمہارے لئے ضروری ہے اور باقی فکر اپنی آخرت کی کرو، صحیح کامیابی یہ ہے کہ انسان جہنم سے بچ جائے اور جنت کے اندر داخل کر دیا جائے۔

وہ اپنا کام کرتے ہیں تم اپنا کام کرو:

"لتبلون فی اموالکم وانفسکم" اب اس قسم کی باتیں سن کے جس قسم کی باتیں منافق اور یہ یہودی کرتے تھے بڑا دکھ ہوتا تھا مسلمانوں کو بلکہ تفسیروں کے اندر ایک واقعہ بھی لکھا ہے غالباً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی یہودی نے ایسی بات کردی "ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء" تو ان کو جو غصہ آیا تو اس کو تھپڑ ماردیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واقعہ پہنچا تو آپ نے کہا یہ کیا بات ہے اس سے بھی بڑی بڑی باتیں سنو گے صبر کرو بس اللہ کے احکام کی پابندی کرو، ایسے اقوال موذیہ ان کی طرف سے سنتے ہی رہو گے، کس کس بات پر ان کے ساتھ الجھو گے، جتنا الجھنے کی کوشش کرو گے اتنا یہ اور چڑھ آئیں گے تمہارا وقت ضائع کریں گے، ساری توجہ اس طرف ہو جائے گی اور باقی کام چھوٹ جائیں گے، جیسے دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک آدمی دوسرے کی بات کے اوپر چڑنے لگ جائے تو دوسرا اس کو اور زیادہ چڑاتا ہے پھر بات بات پر اس کے اوپر الجھو گے تو اپنے بہت سارے کام چھوڑ بیٹھو گے، اور طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس قسم کی بدتمیزی کی بات کرتا ہے تو ان سنی کردو گویا کہ سنی ہی نہیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دشمن خود نا کام ہو جائے گا، تمہارا وقت ضائع نہیں کر سکے گا، تمہیں پریشان نہیں کر سکے گا اور تمہارے اپنے کام بھی ہوتے رہیں گے، اس لئے صبر واستقلال کو اپناؤ تقوی کو اپناؤ کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو باقی مشرکوں کی طرف سے، یہودیوں کی طرف سے، ان منافقوں کی طرف سے تکلیف دہ باتیں تم سنتے ہی رہو گے اور بہت ساری سنو گے، یہ کیا ہے اس لئے ہر ہر بات پر اشتعال میں نہیں آجانا چاہیئے۔

منافقین اور یہود کو تنبیہ:

"ولا تحسبن الذین یفرحون" اس میں بھی منافقوں اور یہودیوں پر مشترکہ انکار ہے جو آدمی چالباز ہوا کرتا ہے وہ بسا اوقات دوسرے کو دھوکہ دے کر خوش ہوتا ہے، اور بسا اوقات چالباز آدمی شرارت کرتا ہے اور اس شرارت کے ساتھ دوسرے کو پریشان کر دیتا ہے اور دوسرے کو پریشان دیکھ کر پھر خوش ہوتا ہے، یہ دنیا کے اندر ہوتا رہتا ہے، اس قسم کے کردار کے اوپر منافق بھی خوش ہوتے تھے جہاد کا موقع آتا گھروں میں چھپ کے بیٹھ جاتے جیسے سورۃ براءۃ میں اس کی تفصیل آئے گی، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آتے تو قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے کہ یہ واقعہ پیش آگیا تھا ورنہ ہم نے ضرور چلنا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاف کر دیتے پھر وہ لوگ خوش ہوتے کہ دیکھو ہم جہاد میں بھی نہیں گئے اور انہیں خوش بھی

کرلیا اس قسم کی باتوں کے او پر وہ خوش ہوتے تھے، اور پھر جو کام انہوں نے نہیں کیے ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کاموں کی بناء پر ہماری تعریف کی جائے مثلاً جو یہودی یہ حق بیان تو نہیں کرتے تھے لیکن ان کا دل چاہتا تھا کہ ہمیں حق پرست کہا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ بڑے حق گو ہیں، بڑے متقی ہیں، بڑے پرہیزگار ہیں، بڑے اللہ والے ہیں۔

اور منافقین کے دل میں بھی یہی جذبہ تھا کہ کرتے کچھ نہیں تھے لیکن ہمیں مجاہد ملت کہا جائے، یہ تو بڑے خادم دین ہیں بڑے عاشق رسول ہیں، اس قسم کی تعریفیں سننے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کے یہ جذبات ہیں کہ اختیار کرتے ہیں برا کردار اور پھر خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو ہم نے کیا کرلیا اور اسی طرح کام کرتے نہیں اور حالات پیدا کر کے اپنی تعریف کروانا چاہتے ہیں یہ اپنے آپ کو کامیاب نہ سمجھیں یہ کوئی کامیابی نہیں ہے، ان کو آخرت میں جا کے جب ان سب چیزوں کا سامنا کرنا ہوگا اور دردناک عذاب ان کو پہنچے گا تب پتہ چلے گا کہ ان کے جذبات کیا تھے تو اس آیت کے اندر منافقین اور یہود دونوں کے اوپر مشترکہ انکار ہے کہ ہرگز نہ سمجھو آپ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور پسند کرتے ہیں کہ وہ تعریف کئے جائیں ایسے کاموں کے ذریعہ سے جو انہوں نے کیے نہیں ان کو عذاب سے چھٹکارے میں نہ سمجھو ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ

عقل والوں کے لئے (۱۹۰) جو یاد کرتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوتے ہیں

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج

اور غور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں ، اے ہمارے رب تو نے اس مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا ،

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ط

تو ہر قسم کے عیب سے پاک ہے پس بچا تو ہمیں جہنم کے عذاب سے (۱۹۱) اے ہمارے رب بے شک تو جس کو داخل کردے جہنم میں پس تو نے اسے رسوا کر دیا ،

وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ

اور نہیں ہے ظالموں کے لئے کوئی مددگار (۱۹۲) اے ہمارے پالنے والے بے شک ہم نے سن لیا ایک شخص کو جو آواز دے رہا تھا ایمان کے لئے کہ

اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ق رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لے آئے ، اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری چھوٹی موٹی غلطیوں پر بھی پردہ ڈال دے

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ج رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ

اور تو ہمیں وفات دے نیکوکاروں کے ساتھ (۱۹۳) اے ہمارے رب دے تو ہمیں وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبان پر

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

اور ہمیں رسوا نہ کرنا قیامت کے دن ، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا (۱۹۴) پس قبول کرلیا

لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ

ان کے لئے ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میری عادت یہ ہے کہ میں نہیں ضائع کرتا کسی کام کرنے والے کے کام کو مذکر ہو یا

أُنْثٰى ج بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ

مؤنث ، تمہارا بعض بعض سے ہے ، پھر وہ لوگ جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا اور وہ نکال دیئے گئے

دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

اپنے گھروں سے اور وہ تکلیف پہنچائے گئے میرے راستہ میں اور انہوں نے لڑائی لڑی اور قتل ہوئے البتہ ضرور مٹادوں گا میں ان سے

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ج

ان کے گناہ اور البتہ ضرور داخل کروں گا میں انہیں باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ،

ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اس حال میں کہ یہ بدلہ ہے اللہ کی جانب سے ، اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ﴿۱۹۵﴾

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ قف

ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے تجھے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں ﴿۱۹۶﴾ یہ بہت تھوڑا سا سامان ہے ،

ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ، اور وہ برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

اپنے رب سے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّ

یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے ، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے ابرار کے لئے ﴿۱۹۸﴾ اور بے شک

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں نہیں لیتے وہ اللہ کی آیات کے بدلے

ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

ثمن قلیل ، یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس ، بے شک اللہ تعالیٰ جلدی لینے والا ہے

الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ

حساب ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو صبر کرو اور دشمنوں کے مقابلہ میں بھی ڈٹ جاؤ اور نیک اعمال پر مداومت اختیار کرو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۲۰۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط اور سبق کا خلاصہ:

یہ سورۃ آل عمران کا آخری رکوع ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کے آخر میں ایمان لانے والوں کی تعریف فرمائی اور ان کو کچھ دعاؤں کی تلقین کی کہ وہ یوں دعائیں کرتے ہیں پھر ان دعاؤں کو قبول کرنے کا ذکر فرمایا اسی طرح آل عمران کے آخر میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے توحید اختیار کرنے والوں کا ذکر کیا، کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والوں کا ذکر کیا اور پھر ان کی زبان سے کچھ دعائیں ذکر کی ہیں کہ وہ یوں دعائیں کرتے ہیں اور پھر اپنی طرف سے ان کو قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور پھر خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مہاجرین کے عنوان سے ذکر کیے جاتے تھے بہت تکلیفیں انہوں نے اللہ کے راستہ میں اٹھائیں تھیں پھر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا کہ میں کسی کے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا لیکن میرے راستہ میں جو تکلیفیں اٹھانے والے ہیں اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر آنے والے ہیں، میرے راستہ میں لڑتے ہیں، مارتے ہیں، مرتے ہیں ان کے عمل کو میں نے کیا ضائع کرنا ہے؟ ان کو ثواب دوں گا، اور پھر یہ ذکر کیا کہ کافر لوگ اگر عارضی طور پر دندناتے پھرتے ہیں تو کسی دھوکہ میں نہ پڑ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عارضی سی چیز ہے جو انہیں دی گئی ہے ان کا آخر ٹھکانہ جہنم ہے۔

حقیقی کامیابی اگر انسان کو نصیب ہوتی ہے تو تقویٰ کے ساتھ اور نیکی اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کے مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر اس طرح انعام کرے گا جس طرح انسان مہمان کی خدمت کیا کرتا ہے، مہمان کو اپنی حیثیت کے مطابق کھلاتا، پلاتا، راحت اور آرام پہنچاتا ہے تو اس قسم کے لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں پھر آپ نے دیکھا کہ ساری سورۃ میں ہی ابتداء سے اہل کتاب کے ساتھ خاص طور پر گفتگو رہی ہے، بلکہ سورۃ کے شروع میں جو مسئلہ توحید کو شروع کیا گیا تھا وہ اہل کتاب کی وجہ سے ہی شروع کیا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تذکرہ ہوا تو توحید کا مضمون آیا تھا اب آخر میں جا کے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف

کردی جو اپنی کتابوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس نئی کتاب کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں اور دوسرے دنیادار یہود و نصاریٰ کی طرح حق کو چھپا کر دنیا کا فائدہ حاصل نہیں کرتے ، اور آخری آیت کے اندر مسلمانوں کو چند ایک نصیحتیں کی گئی ہیں اور ان کے اوپر پابندی کے لئے کہا گیا ہے یہ مضمون اس رکوع کا ہے جو آپ کے سامنے پڑھا گیا۔

سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی فضیلت:

”ان فی خلق السمٰوٰت والارض “ ان آیات کی فضیلت حدیث شریف میں بھی خصوصیت کے ساتھ آتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح سورۃ البقرۃ کی آیات کی فضیلت ہے ان کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص سورۃ البقرۃ کی آخری تین آیتیں رات کو پڑھ لے تو وہاں لفظ ہیں یہ آیتیں اس کے لئے کافی ہو جاتی ہیں، یعنی کوئی شخص پھر اگر رات کو کوئی اور وظیفہ نہ بھی کر سکے تو اس کو غافل نہیں سمجھا جائے گا ، بلکہ ان آیات کے پڑھنے کی وجہ سے جو حق اس کے ذمہ آتا ہے قرآن کریم کا وہ ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح ان آیات کے متعلق آتا ہے کہ ان آیات کو اگر کوئی شخص رات کو تلاوت کرتا ہے تو اس کو قیام لیل کا ثواب ملتا ہے، تہجد کی روایات میں سرور کائنات ﷺ کی عادت منقول ہے کہ آپ جس وقت اٹھا کرتے تھے تو اٹھتے ہی پہلے ان آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے، ان آیات کی تلاوت کرنے کے بعد پھر وضو وغیرہ کر کے نماز پڑھتے تھے اٹھتے ہی پہلے ان آیات کی تلاوت کرتے تھے بہت ساری روایات میں اس کو ذکر کیا گیا ہے بعض میں ”انك لاتخلف المیعاد “ تک اور بعض میں رکوع کے آخر تک ہے اور اس پڑھنے پر قیام لیل کے ثواب کا وعدہ ہے (مشکوٰۃ باب قیام اللیل ص ۱۰۶)۔

دلائل قدرت سے توحید پر استدلال:

مضمون اس میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ آسان ہے کہ ” لله ملك السمٰوٰت والارض والله علیٰ كل شیء قدیر “ کے اندر بھی توحید مذکور تھی ، آگے انتقال اسی مناسبت سے توحید کے مضمون کی طرف ہے ، زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں دن رات کے اختلاف میں یہ لفظ پہلے بھی گذر چکے ہیں ، یہ آیات علامات ہیں عقل والوں کے لئے کہ عقل کے ساتھ اگر سوچنا شروع کریں ، زمین کی پیدائش میں غور کریں ، آسمان کی پیدائش میں غور کریں کہ کس طرح یہ بنائے گئے ، کتنی عظیم الشان چیزیں ہیں ، کیسا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میں نظم قائم کیا ہے ، بلندی کی جانب آسمان آ گیا ، پستی کی جانب زمین آ گئی تو دونوں طرف ذکر کرنے کے ساتھ گویا کہ احاطہ ہو گیا کہ جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کا ذکر آ گیا ، تو زمین و آسمان میں غور کریں گے اس کے اندر ستارے ہیں ، سیارے ہیں ، سورج ہے ، چاند ہے اور فضاؤں کے اندر ہوا کا چلنا یہ کچھ بھی ہے ان سب چیزوں کے اندر جب غور کیا جائے گا تو غور کرتے ہوئے انسان

اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نہ تو اس میں کسی انسان کی عقل کام کر رہی ہے اور نہ یہ ساری چیزیں خود بخود چل رہی ہیں، کیونکہ خود بخود کوئی چیز اتنے نظم ونسق کے ساتھ اور اتنے فوائد پر مشتمل ہو کے اپنا وقت نہیں گزار سکتی۔

اور انسان کی عقل بھی اس میں دخیل نہیں ہے کہ کوئی انسان ہی اس کو چلانے والا ہو کیونکہ ہمارے سامنے یہ تجربہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اسباب مہیا ہو جانے کے بعد اور اپنی کامل عقل کو استعمال کرنے کے بعد انسان ایک چیز بناتا ہے اور یہ روزمرہ کے مشاہدے ہیں کہ وہ چیز بھی انسان کی منشاء کے مطابق چلتی نہیں، ہوائی جہاز بنایا وہ بھی کبھی کبھی ایسے گرتا ہے کہ اس کے چلانے والوں اور اس میں بیٹھنے والوں کا نام ونشان تک نہیں ملتا، موٹریں اور کاریں کتنی ہی احتیاط کے ساتھ ان کو بنائے اور کتنی ہی احتیاط کے ساتھ ان کو چلانے کی کوشش کرے لیکن آئے دن یہ ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں اور انسان حادثہ کا شکار ہوتا رہتا ہے، ریل گاڑیاں ہیں، سمندری جہاز ہیں، بڑی سے بڑی چیزیں انسان کی ایجاد ہیں جن کے اندر پورے کے پورے وسائل استعمال کیے گئے ہیں اس میں پوری احتیاط رکھی جاتی ہے لیکن یہ سمندری جہاز بھی آئے دن سمندر میں غوطے کھاتے رہتے ہیں اور ریل گاڑیاں بھی آئے دن پٹڑی سے اترتی رہتی ہیں اور آپس میں ٹکراتی رہتی ہیں۔

انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی چیز جو انسان کے اختیار کے ساتھ چلتی ہے وہ انسان کے لئے امن کا پیغام نہیں ہے آئے دن حادثات کی وجہ سے انسان کے لئے خطرات پیدا ہوتے رہتے ہیں، تو جب یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان کتنی ہی کامل عقل استعمال کر کے کوئی چیز بنائے اس کا نظم ونسق انسان کی منشاء کے مطابق نہیں رہتا، اور یہ زمین وآسمان اللہ نے بنائے، کب سے بنائے اور کتنی طویل مدت سے چلے آرہے ہیں اور ان کے اندر اللہ نے ایسا نظم ونسق قائم کیا ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی اگر اس میں کوئی تغیر برپا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی، دن رات اپنے وقت پر آئیں گے، سورج چاند اپنے وقت پر چڑھیں گے اور جو ان کی متعین مسافت ہے اسی پر جائیں گے، موسم اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنا دیے اسی طرح آتے جاتے ہیں اور بغیر انسان کے اختیار کے آتے جاتے ہیں تو ضرور کوئی غیبی قدرت ہے جو ان کو کنٹرول کیے ہوئے ہے، اس طرح استدلال کر کے ان کے خالق ومالک پر اپنے عقیدے کو لے جاتے ہیں، اور اللہ کے وجود کے قائل ہوتے ہیں اور اس کی قدرت اور حکمت کے قائل ہوتے ہیں اس غور وفکر کے ذریعہ سے۔

آیات سے یہاں ایسی آیات مراد ہیں جو اللہ کے وجود اور وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہیں، تو عقل والوں کا کام یہی ہے کہ ان کے اندر غور وفکر کر کے ان کے پیدا کرنے والے کو سمجھیں اور اگر عقل سے کام نہیں لیا اور یہ نہیں سوچا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا کون ہے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے، یہ تو ایک سفلی رجحان ہے جس کا انسان مظاہرہ کرتا ہے کہ وقتی طور پر بس ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سوچتا نہیں کہ پیدا کرنے والے نے ان کو کیوں پیدا کیا؟ اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟

اس پر اگر غور نہ کیا جائے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے، عقلمندی یہی ہے کہ ان کے اندر غور کر کے ان سے آیات اور نشانیاں اخذ کر کے اللہ کے وجود اور اللہ کی وحدانیت تک انسان پہنچے، اور پھر اس کو اپنا خالق اور مالک مانتا ہوا اس کو اپنا محسن اور منعم مانتا ہوا ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اس کو یاد کرے۔

عقلمند کون ہیں؟:

اس لئے عقلمندوں کا معیار یہ ذکر کیا گیا کہ ''الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم'' کہ ہر وقت وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت کی تعمیم کے لئے تین لفظ بول دیے، کھڑے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے، بیٹھے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے، لیٹے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے، زبان پر بھی اللہ کا نام مختلف الفاظ میں ''سبحان الله ،الحمدلله،لااله الاالله الله اکبر'' زبان پر بھی یہ جاری کیا جائے، اور حدیث شریف میں مختلف اوقات میں جو مختلف دعائیں پڑھنے کا تذکرہ آیا ہوا ہے اگر کوئی شخص اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے، آتے جاتے ان دعاؤں کو پڑھتا رہے تو وہ بھی اس کا مصداق بن جاتا ہے کہ اس کو ہر وقت اللہ یاد ہے، اشارہ اس سے اس بات کی طرف ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیئے، قرآن کریم میں جیسا کہ صراحتاً یہ حکم آیا ہوا ہے ''یاایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا'' اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت کے ساتھ یاد کرو، صبح وشام اللہ کی تسبیح اور تحمید بیان کرو۔

اللہ کو یاد کرتے ہیں ''ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض'' اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں غور کرتے ہیں، تفکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد مخلوق میں سوچ وبچار کر کے معرفت میں ترقی حاصل کرتے ہیں، سوچ وبچار کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز آپ کے سامنے آگئی اس میں غور وفکر کیا اس سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش کی، جیسے انسان دنیا کی چیزوں کو دیکھتا ہے کہ ان کا وجود بھی آپ کے سامنے ہے پھر ان کا فنا ہونا بھی آپ کے سامنے ہے، ایک انسان پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، ساری زندگی کوشش کر کے جائیداد بناتا ہے، محلات تعمیر کرتا ہے لیکن آپ کے سامنے وہ مرتا ہے اور اس کا جنازہ اٹھ جاتا ہے۔

تدبر اور تفکر کا نتیجہ:

آپ اس میں غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی ہی دنیا کی ان چیزوں کے ساتھ انسان کا تعلق بہت عارضی ہے، اور جس نے اپنی زندگی کا حاصل انہی چیزوں کو بنایا ہے تو وہی بالآخر تہی دست اس دنیا سے جاتا ہے، جب یہ ایک دن چھوٹنے والی ہیں تو پھر انسان ان کی محبت کے اندر گرفتار کیوں ہو؟ تفکر کا طریقہ یہ ہوا کرتا ہے، مثلاً آج کل آپ کے سامنے شاہ ایران ایک داستان بنا ہوا ہے یعنی دنیا کے اندر اونچے سے اونچا مرتبہ اگر کسی کو مل سکتا ہے تو وہ بادشاہت

ہی ہے اس سے اوپر تو کوئی درجہ نہیں ہے، اور اس بادشاہت کے نتیجہ میں اس کے ساتھ کیا ہوا دنیا کے اندر اب اس بے چارے کو ایک انچ جگہ نہیں ملتی کہ جہاں امن چین کے ساتھ اپنا وقت گزار لے، دولت اس کے پاس اتنی ہے کہ جس کا حساب کوئی نہیں لیکن امن چین سے وہ محروم ہے، اور اس کی پریشانی کے قصے آئے دن آپ سنتے رہتے ہیں تو اس میں غور کر کے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ واقعی یہ مال و دولت، یہ بادشاہت اور یہ اقتدار انسان کو کامیاب زندگی کی طرف نہیں لے جاتا یہ تو خطرات سے بھری ہوئی چیزیں ہیں، اور انسان کے لئے مصیبت بنتی ہیں۔

اس کی بجائے اگر اللہ تعالیٰ ضرورت کے مطابق دے اور امن وعافیت عنایت فرمائے اور سکون واطمینان کی زندگی دے دے تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے، ایک غریب اگر اپنی کٹیا میں روکھا سوکھا کھا کے امن کے ساتھ سو جاتا ہے اور اس کو کوئی فکر نہیں اور صبح جب وہ اٹھتا ہے تو فارغ البال ہوتا ہے اور اس کا دل کسی قسم کی بے چینی میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اس کروڑ پتی سے بہتر ہے جس کو اپنے محلات کے اندر رات کو چین کے ساتھ نیند نہیں آتی اور صبح اٹھتا ہے تو کروڑ ہا فکر اس کے پیچھے لگے ہوئے ہوتے ہیں نہ کھانے میں مزہ ہے نہ سونے میں مزہ ہے نہ کسی دوسری چیز میں، یہی چیزیں ہیں جو انسان تفکر کے بعد اخذ کرتا ہے کہ اصل چیز اللہ کی رضا آخرت کی کامیابی اور دنیا کے اندر رہتے ہوئے امن اور سکون کی زندگی، یہ چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو اس کے بعد پھر کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں ہے، تفکر اسی طرح ہوتا ہے غور کر کے انسان نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر وہ جذبات اپنے دل میں لاتا ہے دنیا کی چیزوں میں غور کر کے ان کا فناء ہونا سمجھو اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں تو اللہ کی آیات میں اللہ کی مخلوقات میں غور کرنے کے بعد اپنے دل میں نور ایمان کو داخل کرو اس سے یہی مقصود ہے۔

غور کرتے ہیں وہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اور غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ان چیزوں کو بے کار پیدا نہیں کیا، ہر کام میں تیری حکمت ہے اور یہ اتنا بڑا کارخانہ تو نے جو قائم کر دیا اگر اس کا کوئی بھی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو یہ عبث بے کار اور کھیل تماشا ہے، اور عبث اور بے کار کام کرنے سے تو پاک ہے، تیری ذات کی طرف ہم ایسی نسبت نہیں کر سکتے کہ تو نے بغیر کسی مقصد کے اس کو بنا کے رکھ دیا، جس طرح سے بچے آپس میں کھیلتے ہیں اور کھیلنے کے لئے گھر بنا لیتے ہیں اور آخر میں اس کو ڈھا دیتے ہیں، خالق کا یہ درجہ نہیں جس کام میں کوئی حکمت نہ ہو وہ کام تیری طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا جو بھی کام ہے وہ پر حکمت ہے یہ جو دنیا تو نے بنائی ہے، زمین وآسمان آباد کیے ہیں اس کا لازماً ایک نتیجہ نکلنے والا ہے اس طرح مخلوق میں غور کرتے ہوئے پھر آخرت تک وہ اپنے ذہن کو لے جاتے ہیں کہ نتیجہ یہی سامنے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حق وباطل میں امتیاز کریں گے، جنہوں نے اس دنیا میں رہتے ہوئے حق کو پہچانا ہے ان کا انجام اچھا ہوگا اور جنہوں نے حق کو نہیں پہچانا ان کا انجام خراب ہوگا یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔

بالکل اسی طرح جیسے ایک کاشتکار کھیتی بوتا ہے بونے کے بعد اس کی پرورش کرتا ہے وہ آباد ہوتی ہے بڑھتی ہے اور ایک وقت آتا ہے جب وہ انتہاء پر پہنچتی ہے تو اس کو کاٹ لیا جاتا ہے کاٹ کر پھر اس میں سے غلہ کو علیحدہ کیا جاتا ہے، بھوسہ کو علیحدہ کر لیا جاتا ہے، جس طرح کھیتی پکنے کے بعد اس کے اجزاء کو بکھیر کے اس میں سے مقصود اور غیر مقصود کو علیحدہ کر لیتے ہیں اسی طرح یوں سمجھیے کہ جس وقت یہ دنیا اپنے کمال کو پہنچ جائے گی اللہ تعالیٰ اس کو بھی توڑے پھوڑے گا اور نتیجہ کے طور پر اس میں سے بھی اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز کیا جائے گا، ان چیزوں میں غور کر کے ذہن آخرت تک چلا جاتا ہے۔

مؤمنین کی مختلف دعائیں:

پھر آخرت کے عذاب سے بچنے کی وہ فکر کرتے ہیں اور اللہ کے سامنے پھر اس طرح دعائیں کرتے ہیں یوں ربط ہو جائے گا مابعد سے کہ غور کرتے کرتے آخرت تک وہ اپنے ذہن کو لے جاتے ہیں اور پھر آخرت کی کامیابی کے لئے اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعائیں کرتے ہیں "فقنا عذاب النار" اے اللہ! تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جس کو جہنم میں داخل کر دے گا تو نے اس کو رسوا کر دیا یعنی اصل رسوائی یہی ہے کہ کوئی جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

اور ان ظالموں کے لئے جن کے لئے جہنم تجویز ہوگئی ان کی بدکرداری کی بناء پر ان کا کوئی مددگار نہیں، جس کو تو جہنم میں ڈالنا چاہے اس کو کوئی بچا نہیں سکتا، اور جس کو تو جہنم میں ہمیشہ کے لئے رکھنا چاہے اس کو وہاں سے چھڑا کوئی نہیں سکتا، ہاں البتہ ایسا ہوگا کہ اگر تو نے عارضی طور پر کسی کو جہنم میں بھیج دیا پھر تیرا ارادہ اس کو چھوڑنے کا ہے تو پھر اجازت کے ساتھ جو سفارش ہوگی وہ اصل کے اعتبار سے رحمت تیری ہی ہے، ان آیات کے ساتھ سفارش اور شفاعت کی نفی نہیں کی جاسکتی جو کچھ ہوگا اللہ کی اجازت سے ہوگا، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا، یہ تو ان کا عقلی استدلال کے طور پر ایمان لانا ہے اور آگے نقلی استدلال آگیا کہ اے ہمارے پروردگا! بے شک ہم نے ایک بلانے والے کو سنا آواز دینے والے کو سنا جو آواز دے رہا تھا ایمان کے لئے، اس سے مراد سرور کائنات ﷺ اللہ کے رسول ہیں ان کی آواز ہم سنتے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے لوگ جو حضور ﷺ کے سامنے موجود تھے انہوں نے بلاواسطہ آپ کی دعوت کو سنا اور ہم بالواسطہ سن رہے ہیں وہی باتیں نقل ہو کے ہم تک آگئیں۔

تو گویا کہ توحید کے بعد رسالت کے ایمان کا ذکر بھی آگیا، آوازیں دے رہا تھا ایمان کے لئے کہ ایمان لے آؤ اپنے پروردگار پر، ہم اس کی دعوت پر اعتماد کرتے ہوئے بھی ایمان لے آئے، اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس ایمان

کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری کوتاہیوں کو دور کردے اور ہمیں نیکوں میں شامل کر کے وفات دے، نیکوں کے ساتھ وفات دینے کا یہ مطلب نہیں کہ نیکوں کی جماعت مرے تو ہم بھی ساتھ ہی مر جائیں، مطلب یہ ہے کہ وفات تک ہم ابرار میں شامل رہیں، جس وقت ہماری وفات ہو تو ہم ابرار میں شمار ہوں نیکی پر ہمیں موت آئے جب نیکی پر موت آئے گی تو ہم بھی ابرار کا مصداق ہوں گے، تو ہماری شمولیت ابرار کے ساتھ ہوگی، اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا اپنے رسولوں کی زبان پر کہ ایمان کی برکت سے یہ نعمتیں دوں گا، وہ چیزیں ہمیں عطا فرما، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا کہ ہمیں تو عذاب دے بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

ہم جو تیرے سامنے التجا کر رہے ہیں یہ اس لئے کر رہے ہیں کہ ہمارے اوپر کوئی ایسا حال طاری نہ ہو جائے کہ ہم تیرے اس وعدے کے اہل نہ رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے اس کے مطابق کرے گا، ہماری درخواست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ساتھ آخرت میں یوں ہو اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم آخر وقت تک تیرے اس وعدہ کے اہل رہیں، ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا خاتمہ نیکوں کے ساتھ کرنا کہ تیرے وعدے سے فائدہ اٹھانے کے ہم اہل رہ جائیں ورنہ تو تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، تو اس دعا میں دفع مضرت اور جلب منفعت دونوں باتیں آگئیں، عذاب سے بچنے کے لئے جو دعا کی گئی ہے یہ دفع مضرت ہے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی جو دعا کی گئی ہے یہ جلب منفعت ہے تو یہ ایک جامع دعا ہے۔

دعاؤں کی قبولیت کا اعلان:

"فاستجاب لهم ربهم " تو جس وقت وہ یوں اپنے دل کی بصیرت اور معرفت کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں بار بار" ربنا ربنا " کہنا یہ الحاء وزاری کے لئے ہے، دعا کرتے وقت بار ہا اس قسم کے الفاظ کہے جائیں یا اللہ! یا رب! اس طرح بار بار جو ندا کی جاتی ہے اس سے الحاء وزاری پیدا ہوتی ہے جو دعا کے اندر مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو اچھی لگتی ہے تو جب وہ یوں دعائیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری تو عادت ہے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو چاہے عورت ہو جو بھی نیک عمل کرے گا میں اس کے عمل کا اس کو بدلہ دوں گا نیک عمل کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، نیکی دونوں کے لئے نیکی ہے اور دونوں اللہ کے ہاں ثواب پائیں گے "بعضكم من بعض " بعض تم بعض سے ہو یعنی تم سارے ایک ہی چیز ہو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہو اس لئے میرا برتاؤ دونوں کے ساتھ مرد ہو یا عورت ایک جیسا ہوگا جو بھی نیکی کا کام کر کے آئے گا میں اس کو اجر دوں گا چاہے وہ مرد ہے چاہے وہ عورت ہے۔

مہاجرین کا ذکر اور رضا کا اعلان:

پھر خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا ان لوگوں کا جنہوں نے میرے راستہ میں اپنے گھر بار کو چھوڑا ہجرت کی اور چھوڑا بھی خوشی کے ساتھ نہیں، سیر و سیاحت کے لئے نہیں، بلکہ میرا نام لینے کی وجہ سے ان کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، اور وہ گھروں سے نکال دیے گئے اور تکلیفیں پہنچائے گئے، اس میں دیکھو کتنی قدر افزائی ہے مہاجرین کی کہ اللہ تعالیٰ جس وقت یہ اظہار کرے کہ میرے لئے ان کے ساتھ سب کچھ ہوا تو مطلب یہ ہے کہ ان کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں ہے جنہوں نے یہ کام کیا ہے، اپنے گھر بار کو چھوڑا ہے، مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں، اللہ کہتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ میرے لئے کیا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ جتنے مہاجرین تھے، جتنے گھر بار کو چھوڑ کر آئے تھے ان کا خلوص اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل قبول ہے۔

تو اللہ اقرار کرتا ہے کہ ان لوگوں نے جو کچھ کیا میرے لئے کیا ہے ان کے سامنے اپنی کوئی غرض نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ جمہور امت کا فیصلہ ہے کہ مکہ معظمہ میں ایمان قبول کرنے والوں میں منافق کوئی نہیں تھا کہ جس نے ظاہری طور پر کسی غرض فاسد کے ساتھ ایمان قبول کیا ہو مہاجرین میں منافق کوئی نہیں تھا، کیونکہ منافق جو تھے وہ تو اپنا مطلب اور مقصد حاصل کرنے کے لئے کلمہ پڑھتے تھے، اور اندر اندر سے کافر تھے، اور مکہ معظمہ میں ایمان لانا تو اپنے آپ کو مصیبتوں کی دعوت دینا تھا تو جو مطلب پرست لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے وقت میں کہاں کلمہ پڑھتے ہیں اور کہاں ایمان لاتے ہیں۔

نفاق جتنا ہے مدینہ منورہ جانے کے بعد آیا ہے جب کہ اسلام کو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور پھر ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے وہ مسلمانوں والے مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے، مکہ معظمہ میں ایمان لانے سے تو انسان پٹتا تھا، لٹتا تھا گھر بار سے محروم ہوتا تھا، تو خود غرض لالچی حریص قسم کے لوگ ایسے وقت میں کلمہ نہیں پڑھا کرتے تو یہ جتنے گھر بار کو چھوڑ کے آنے والے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا میرے لئے کیا اس لئے ان کے اندر منافق کوئی نہیں تھا مکہ معظمہ کے اندر جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ سارے کے سارے مخلص تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا سب اللہ کی رضا کے لئے کیا۔

''قاتلوا'' لڑائی لڑی ''قتلوا'' قتل بھی کیے گئے، یعنی ان میں سے بعض، دور ہٹا دوں گا میں ان سے ان کے گناہوں کو اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے، یہ تو پٹنے اور لٹنے والوں کی فضیلت آ گئی۔

مشرکین کا حال اور ان کا انجام:

اور اس کے مقابلہ میں ان کو پیٹنے والے اور ان کو گھر بار سے نکالنے والے جو سمجھتے تھے کہ ہم غالب ہیں اور ہم ان کے اوپر ہر طرح سے حاوی ہیں، اور وہ خوش ہو رہے تھے اس بات پر کہ ہم نے ان کو نکال دیا اور تجارت کرتے ہوئے شہروں

کے اندر پھرتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی حالت دیکھ کے دھوکہ میں نہ آ جانا کہ شاید یہ کامیاب ہیں یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول یا محبوب ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تو وہ ہیں جو اس راستہ میں پٹتے ہیں، لٹتے ہیں، مرتے ہیں یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ان کا نتیجہ یہ نکلنے والا ہے اور یہ جو کھاتے پیتے، زیب و زینت کے ساتھ دندناتے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ آ جانا یہ بہت عارضی سی حالت ہے جو ان کے سامنے ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی پھانسی کی کوٹھی میں ہو اور پھانسی کا فیصلہ ہو گیا ہو حکومت کی طرف سے اس کو مراعات دی جاتی ہیں کہ جس سے ملنا چاہتے ہو مل لو، جو کھانا چاہتے ہو کھا لو اور ان کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پتہ تو ہے کہ چند دنوں کے بعد اس کو لٹکا دینا ہے جو کھانا چاہتا ہے کھا لینے دو۔

اور ایک آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کا بڑا اس کی تربیت کرنا چاہتا ہے تو تربیت کرتے ہوئے اس کو باکمال بنانے کے لئے بسا اوقات اس کو فاقہ بھی کراتا ہے اور بسا اوقات ظاہری طور پر سزا اور مار دھاڑ بھی ہوتی ہے جس طرح بچوں کے ساتھ کرتے ہیں، اساتذہ مارتے ہیں، والدین تنبیہ کرتے ہیں بظاہر پٹتے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اچھے انجام کے لئے ہے، اور جن کو ظاہری طور پر کھلایا پلایا جاتا ہے تو اس لئے کھلایا پلایا جاتا ہے تاکہ چند دنوں کے بعد جب اس کو لٹکائیں تو پچھلا معاملہ خود ہی بے باک ہو جائے گا، یہ حالتیں دنیا کے اندر بھی ایسی ہوتی رہتی ہیں، بظاہر ایک آدمی کے ساتھ سختی کی جاتی ہے اس کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے کہ سختی کا انجام اچھا ہونے والا ہے اور ایک آدمی کو کھلایا پلایا جاتا ہے تاکہ یہ زیادہ برباد ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کے حال کو دیکھ کے دھوکہ میں نہ پڑ جانا یہ بہت تھوڑا سا فائدہ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

متقین اور منصف مزاج اہل کتاب کا انجام:

"لکن الذین اتقوا ربھم" لیکن جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اللہ کی طرف سے یہ مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ابرار کے لئے بہتر ہے۔

"وان من اھل الکتاب" اس میں اہل کتاب کی تعریف آ گئی جو ایمان لانے والے ہیں قرآن کریم پر اور سرور کائنات ﷺ پر کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئی اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے وہ ثمن قلیل کو حاصل نہیں کرتے یعنی دوسرے یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں جو حق پوشی کرتے ہیں اور غلط مسئلے بیان کر کے دنیا کا مفاد حاصل کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں یہی لوگ ہیں کہ ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس

بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یعنی قیامت جلدی آنے والی ہے یا جب حساب شروع ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب کو جلدی فارغ کر دے گا۔

صبر اور رباط کا مفہوم:

"یایھا الذین آمنوا اصبروا" اس آیت کے اندر یہ نصیحت آ گئی کہ اے ایمان والو! صبر کرو، صبر کا مفہوم آپ کے سامنے بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بہت جامع لفظ ہے، بہت جامع خلق ہے، اس میں اصل ہوتا ہے استقلال مزاج کہ انسان مستقل مزاج ہو، مصیبت آ جائے تو اس کو برداشت کرنے کی کوشش کرے اس میں واویلا نہ کرے، چیخ وپکار نہ کرے، شکوہ شکایت نہ ہو یہ صبر علی المصیبت ہے، اور نیکی کے کام کے وقت اپنے نفس کو اس کے اوپر جمائے نیک کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تو بھی اپنے آپ کو مجبور کر کے نیکی کے کاموں میں لگائے یہ صبر علی الطاعت ہے، معصیت کی طرف رجحان ہے تو اپنے آپ پر دباؤ ڈال کر اپنے آپ کو معصیت سے روکنے کی کوشش کرے یہ صبر علی المعصیت ہے تو یہ صبر کا مفہوم سب کو شامل ہے، حاصل یہ ہے کہ نفس میں پختگی ہونی چاہیے، اگر خلاف طبیعت کوئی واقعہ پیش آ جائے جس کو مصیبت کہتے ہیں تو اس کو برداشت کرو اور نیکی کا کام آ جائے تو اپنے آپ کو اس کا پابند کرو، معصیت کی طرف رجحان ہو تو اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرو یہ جو قوت انسان کے قلب میں پیدا ہوتی ہے استقلال والی اس کو صبر کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اس کے بعد "صابروا" باب مفاعلہ آ گیا یعنی پہلا صبر تو اپنے ذاتی حالات میں ہے اور "صابروا" دوسرے کے مقابلہ میں بھی ہے یعنی اگر دشمن کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو وہاں بھی ثابت قدم ہو، وہاں بھی ڈٹ جاؤ اور "رابطوا" نیک اعمال پر دوام اختیار کرو یہ بھی اس کا مفہوم ہے اور ہمیشہ اپنی سرحدوں کی نگرانی رکھو کہ تمہاری غفلت سے دشمن فائدہ نہ اٹھائے، ان دونوں قسم کے اعمال کی فضیلتیں حدیث شریف کے اندر آتی ہیں مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اچھی طرح سے وضو کرتا ہے باوجود اس بات کے کہ ناگواریاں ہیں، وضو پوری طرح کرتا ہے باوجود ناگواریوں کے اور پھر کثرت کے ساتھ مسجد کی طرف آتا جاتا ہے اور پھر ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کی انتظار میں رہتا ہے فرمایا "ذلکم الرباط" یہ بھی رباط کا مصداق ہے کیونکہ جو شخص اس قسم کے مستحبات کی پابندی کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ وہ اپنے سارے دین کو محفوظ کر لیتا ہے، کوتاہی تب شروع ہوتی ہے جب پہلے انسان مستحبات میں غفلت برتتا ہے، جب مستحبات سے غفلت برتی تو آپ کے دین کی حدود سمٹ کر سنتوں پر آ گئی، پھر اگر سنتوں کی آپ پابندی نہیں کریں گے سنتوں میں غفلت برتیں گے تو گویا کہ سنت والا معاملہ بھی آپ کے قبضہ سے نکل گیا تو اب یہ حدود واجبات پر پہنچ گئی، اب اگر واجبات کی پابندی بھی آپ نہیں کریں گے تو آپ کا معاملہ فرض تک پہنچ گیا، تو ایسا شخص آہستہ آہستہ فرض کو بھی ضائع کر بیٹھتا ہے پھر اس کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

اور اگر کوئی شخص یہ تہیہ کر لے کہ میں نے کسی مستحب کے بھی خلاف نہیں کرنا تو جب وہ مستحب کی پابندی کرے گا تو سنت کی یقیناً کرے گا، واجب کی اس سے زیادہ کرے گا، فرض کی اس سے زیادہ کرے گا، تو مستحبات کی پابندی کرنے والے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فرض چھوٹ جائے، جس نے نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کرنی وہ نماز کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ تو رباط کا یہاں یہ معنی ہے کہ ان مستحبات کی نگرانی کرو جس وقت تک مستحبات کی نگرانی کرو گے تو تمہارا سارے کا سارا دین محفوظ رہ جائے گا اور اگر اس میں کوتاہی شروع کر دو گے تو معاملہ آہستہ آہستہ سرے تک پہنچ جائے گا۔

اسی طرح گناہوں سے بچنے کے لئے مکروہات سے بچنے کی کوشش کرو جو شخص مکروہات سے بچنے کی کوشش کرے گا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ حرام کے اندر واقع ہو جائے، پہلے انسان مکروہات میں غفلت برتتا ہے پھر وہ قریب آجاتا ہے حرام کی سرحد کے پھر یہ غفلت اور لاپرواہی کی عادت آہستہ آہستہ اس کو حرام کے اندر مبتلا کر دیتی ہے، تو معنوی طور پر اپنے دین کی سرحد کی حفاظت اسی صورت میں ہوتی ہے کہ انسان آخری کنارے کی نگرانی کرے، آخری کنارہ یہی ہے کہ مامورات میں مستحبات کی پابندی کرو اور منہیات میں مکروہات سے بھی بچنے کی کوشش کرو تو سارے کا سارا دین محفوظ رہ جائے گا۔

ورنہ اگر اس سرحد کی حفاظت چھوڑ دو گے تو آہستہ آہستہ اہم چیزیں بھی چھوٹتی چلی جائیں گی، اور آپ کے سارے دین کو نقصان پہنچ جائے گا اور ظاہری طور پر بھی اسی طرح ہے کہ ملک کا جو آخری کنارا ہوتا ہے چاہے وہاں ویرانہ ہے، پہاڑ ہے کوئی آبادی نہیں ہے نگرانی اس کی کرو گے تو تمہارا ملک محفوظ رہے گا، اور اگر سرحد سے غفلت برتو گے تو دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھا کر تمہارے اوپر حملہ کر دے گا، ملک ہاتھ سے نکل جائے گا "رابطوا" کے اندر یہی بات ہے کہ سرحدوں کی نگرانی کرو، نیک اعمال کے اوپر مداومت اختیار کرو اور اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہو، تقویٰ تمام نیکیوں کے لئے قوت کا باعث بنتا ہے اللہ سے ڈرتے رہو "لعلکم تفلحون" تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اٰیاتھا ۱۷۶ ۴ سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ رکوعاتھا ۲۴

سورۃ النساء مدنی ہے اس کی ۱۷۶ آیات ہیں اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے پیدا کیا تمہیں ایک نفس سے

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا

اور پیدا کیا اس نفس سے اس کی زوجہ کو اور پھر پھیلایا ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور بہت ساری

وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

عورتوں کو، اور ڈرو اللہ سے جس کے واسطے سے تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت سے ڈرو، بے شک اللہ

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

تم پر نگہبان ہے ۝۱ دے دیا کرو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

خبیث مال کو اچھے مال سے، اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جایا کرو، بے شک یہ

حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

بہت بڑا گناہ ہے ۝۲ اور اگر تمہیں ڈر ہو یتیم بچوں کے بارے میں کہ انصاف نہ کرسکو گے تو نکاح کرلو

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ

ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہیں دو دو، تین تین اور چار چار، اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ

اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا

ان کے درمیان برابری نہیں کرسکو گے تو ایک پر ہی اکتفاء کرو یا ان باندیوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں، یہ زیادہ قریب ہے

تَعُوْلُوْا ۝٣ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ

اس بات کے کہ تم ظلم نہیں کرو گے ③ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو ، اگر خوش ہو جائیں تمہارے لیے

عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝٤ وَ لَا تُؤْتُوا

وہ اس مہر سے کسی شی سے ازروئے دل کے تو کھا جایا کرو اس کو اس حال میں کہ وہ لذیذ ہے خوشگوار ہے ④ اور نہ دیا کرو

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ

نادان بچوں کو اپنے ایسے مال جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان کو کھانے کے لیے دو

فِيْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٥ وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

اس مال میں سے اور ان کو کپڑے پہنا دو اور انہیں اچھی بات کہتے رہا کرو ⑤ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہا کرو

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

حتیٰ کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں ، پھر اگر تم ان سے رشد معلوم کرو تو پھر سپرد کر دیا کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ

ان کی طرف سے مال ، اور نہ کھایا کرو ان کے مال فضول خرچی کرتے ہوئے اور نہ جلدی کرتے ہوئے ان کے بڑے ہونے سے پہلے

وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

جو شخص غنی ہے وہ بچ کے رہے ، اور جو شخص محتاج ہے تو وہ کھالے

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

معروف طریقے سے ، اور جب تم ان کی طرف ان کے مال سپرد کر دو تو گواہ بنا لیا کرو

عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

ان پر ، اور اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے ⑥ مردوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جس کو چھوڑ جائیں

الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

والدین اور رشتے دار ، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز سے جس کو چھوڑ جائیں والدین

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا

اور رشتے دار وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ، یہ حصہ ہے مقرر کیا ہوا ⑦ اور جب

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین تو انہیں کچھ دے دیا کرو

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

اس میں سے اور انہیں اچھی بات کہہ دیا کرو ⑧ چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں وہ

مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

اپنے پیچھے کمزور بچے تو ان کے متعلق اندیشہ کریں گے ، پس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور درست بات کیا کریں ⑨ بے شک جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کا مال

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ؑ

ناحق سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ، اور عنقریب وہ داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں ⑩

تفسیر:

حضرت حواؑ کی پیدائش کے متعلق مختلف آراء:

"یاایھاالناس" اے لوگو! یہ خطاب صرف اہل ایمان کو نہیں بلکہ تمام لوگوں کو ہے "اتقو اربکم" اپنے رب سے ڈرتے رہو، ڈرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے، ایسا رب کہ جس نے تمہیں پیدا کیا، "من نفس واحدۃ" ایک نفس سے، اس نفس واحدہ کا مصداق حضرت آدم علیہ السلام ہیں، تو گویا کہ جتنے بھی انسان ہیں سارے کے سارے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل ہوئے "وخلق منھا زوجھا" اور پیدا کیا اس نفس سے اس کی زوجہ کو، زوج کا معنی جوڑا، اس کا مصداق حضرت حواء علیہا السلام ہوئیں، منھا کا کیا مطلب؟ عام طور پر مشہور اس لفظ کی تشریح یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تو براہ راست مٹی سے بنایا، مٹی سے

ان کا پتلا تیار کرنے کے بعد اس میں نفخ روح کیا جیسے کہ وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے، اور حواء علیہا السلام کی جو بنیاد اٹھائی وہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر اس سے حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی اس لئے عورت میں کچھ نہ کچھ کجی اور ٹیڑھ پن ہے جس طرح پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو ٹیڑھی رکھتے ہوئے ہی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو، اور اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی، یا تم اسے توڑ دو گے، اور توڑنا اس کا یہی ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو گے یعنی اس کو طلاق دے دو گے، تو عورتوں کی فطرت میں کچھ نہ کچھ کجی مردوں کے مقابلہ میں ہے، اس لئے میل جول کے اندر اس کی طبعیت مرد کے ساتھ پوری طرح سے موافقت نہیں رکھتی، گاہے گاہے بلاوجہ ہی یہ آپس میں اختلاف کر لیتی ہے اور یہ اڑی اور ضد کا مظاہرہ کرتی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور سمجھتے ہوئے درگزر کر جایا کرو، اور اگر چاہو گے کہ بالکل تمہارے موافق ہو جائے بالکل سیدھی ہو کر رہے یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے بالکل سیدھی ہو کر نہیں رہے گی، اس کو کج رکھتے ہوئے ہی اس سے فائدہ اٹھاؤ، زیادہ سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ٹوٹ جائے گی، یہ اس کی فطرت کو بیان کرتے ہوئے سرور کائنات نے بیان فرمایا۔

اس روایت کے تحت بھی شراح حدیث اور اس آیت کے تحت مفسرین نے صراحت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے مادہ لے کر حضرت حواء علیہا السلام کی بنیاد اٹھائی گئی تھی، گویا کہ حضرت حواء علیہا السلام کے پیدا ہونے میں آدم علیہ السلام واسطہ ہوئے لیکن پیدا ہونا اس طریقے سے نہ ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے تحت آدم کو مٹی سے بنایا، حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کا ایک جزء لے کر اس سے بنایا، تو ''منها زوجها'' کا مفہوم یہ ہو گیا، لیکن ایک دوسری رائے بھی ہے کہ ''منها'' کا یہ معنی نہیں کہ آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، آدم علیہ السلام سے بنایا اس کی زوجہ کو، بلکہ منها کا معنی ہے آدم علیہ السلام کی جنس سے کہ جیسے آدم علیہ السلام ویسے حواء علیہا السلام تو ''منها سے من جنسها'' مراد ہو جائے گا اس نفس کی جنس سے ہی اس کی زوجہ کو بنایا تو حواء علیہا السلام کی خلقت جو ہے وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح مستقل ہے، آدم کے جزء سے نہیں بنائی گئی، یہ قول نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی نے تردید کی کہ یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن ہمارے قصص القرآن والے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ من کا محاورہ دوسری جگہ بھی مذکور ہے یہاں تو آدم علیہ السلام کے متعلق آیا کہ آدم علیہ السلام سے اس کی زوجہ کو بنایا، اور دوسری جگہ ہے ''خلق لکم من انفسکم ازواجا'' سب انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ''خلق لکم من انفسکم ازواجا'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری

بیویاں بنائیں تو جیسے وہاں ''من انفسکم ازواجا'' کا معنی یہ ہے کہ تمہاری جنس سے جیسے تم ہو ویسے تمہیں تمہاری بیویاں بنا کر دیں، وہاں من کا یہ معنی نہیں کہ وہ انفسکم کا جزء ہے، اسی طرح یہاں بھی منہا کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدم علیہ السلام تھے اسی طرح آدم علیہ السلام کی جنس سے ہی، نفس واحدہ کی جنس سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو بنایا، قصص القرآن میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔

اور موجودہ جدید مفسرین میں سے مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر القرآن میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے، اور شراح حدیث میں سے موجودہ دور کے ہمارے قاضی شمس الدین صاحب گجرانوالہ والوں نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے ''الہام الباری'' بخاری شریف کی روایات کے متعلق کچھ انہوں نے تشریح کی ہے، اس میں انہوں نے بھی اس روایت کو جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے کہ پسلی سے مادہ لے کر عورت کو پیدا کیا گیا، اس کے تحت انہوں نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ یہاں تشبیہ دینا مقصود ہے جنس سے کہ عورت پسلی کی طرح کجی والی ہے ورنہ یہ بتلانا مقصود نہیں کہ پسلی سے ہی مادہ لے کر اس کو پیدا کیا گیا، اس کی طبیعت کے اندر جو پسلی کی طرح کجی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کجی کو بیان کرنے کے لئے سرور کائنات نے یہ تعبیر اختیار فرمائی، گویا کہ انہوں نے بھی اس رائے کا اظہار کیا کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے حواء علیہا السلام کو پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ جنس عورت کی کجی کو بیان کرنے کے لئے یہ ایک تشبیہ ہے، تشبیہ کے طور پر اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کی تائید بھی قرآن کریم کے ایک محاورے سے ہو سکتی ہے ''خلق الانسان من عجل'' انسان عجل سے پیدا کیا گیا، جلد بازی سے پیدا کیا گیا، یعنی اس کی فطرت کے اندر جلد بازی ہے، تو جس طرح سے جلد بازی انسان کی فطرت میں ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح عورت کی فطرت کے اندر کجی ظاہر کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے، بہرحال یہ دونوں رائیں ہیں، بیان القرآن میں تو اسی پہلی رائے پر زور دیا گیا ہے کہ پسلی سے پیدا کیا گیا، حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر پیدا کیا گیا، روح المعانی میں بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور دوسرے قول کو مردود ٹھہرایا ہے میں تو صرف ناقل ہوں کہ محاورات سے دونوں کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن ہمارے قریبی اکابر جو ہیں اکابرین دیوبند وہ پہلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے مادہ لے کر ہی حواء علیہا السلام کو پیدا کیا گیا ہے، اس طرح کی جو چیزیں ہوتی ہیں جو قرآن کریم کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں کی گئیں اور محاورات کے ساتھ ان کے دونوں مطلب بن سکتے ہیں تو اس میں کوئی ایسے اختلاف کی

بات نہیں ہوا کرتی، اور نہ یہ چیزیں ایمان کا دارومدار ہوتی ہیں، بہرحال آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے بنایا گیا، حواء علیہا السلام کی پیدائش اس طرح سے نہیں ہوئی جس طرح سے موجودہ انسانوں کی ہوتی ہے یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی براہ راست مٹی سے بنایا یا اس کی بنیاد آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی چیز لے کر رکھی گئی دونوں باتوں کی گنجائش ہے اب یہ جوڑا تیار ہو گیا۔

نسل انسانی اور رشتہ اخوت:

جوڑا تیار ہونے کے بعد ”وبث منهما رجالا كثيرا ونساء“ پھر ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور بہت ساری عورتوں کو پھیلایا، آگے نسل انسانی اس طرح سے چلی کہ اس جوڑے سے آگے مرد اور عورت پیدا ہوتے گئے اور یوں خاندان آباد ہو گئے تو بنیاد یہی ہے انسان کی، تمام ادیان سماویہ کے ساتھ یعنی اس نظریے میں کسی دین سماوی نے اختلاف نہیں کیا کہ نسل انسانی کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے اور آدم علیہ السلام کی بیوی حواء علیہا السلام سے، اس سے آگے پھر نسل چلی، پیدائش کے طور پر تو گویا کہ سارے کے سارے انسان ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو رشتہ داری سب سے ہوئی کسی سے قریب کی اور کسی سے دور کی، تو اصلاح معاشرہ کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی کہ انسان سارے کے سارے بھائی بھائی ہیں، اور آپس میں معاملات یوں طے کیا کرو جس طرح کہ بھائی بھائیوں سے کرتے ہیں۔

اور سرور کائنات ﷺ نے بھی حدیث شریف میں اسی چیز پر زور دیا ”لايؤمن احدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه (بخاری ج ا ص ٦)“ اس وقت تک کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یعنی معاملات کے اندر ہمیشہ دوسرے کے معاملے کو اپنے معاملے کی طرح سمجھو، جس طرح تم اپنے ساتھ برتاؤ پسند کرتے ہو اسی طرح سے دوسرے بھائی کے ساتھ برتاؤ کیا کرو، تم چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کی جائے، تم چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کو نقصان نہ پہنچایا جائے، مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے، جان کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اپنے ساتھ تم دوسرے کو ہمدرد دیکھنا چاہتے ہو، خیرخواہ دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی طرف سے دوسروں کے ساتھ تم بھی انہی جذبات کا اظہار کرو، کمال ایمان کا تقاضہ یہی ہے، اور انسانی برادری کے ساتھ تعلق رکھنے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب معاملات کو اسی طرح سے سوچو۔

اصلاح معاشرہ کی بنیاد تقویٰ اور صلہ رحمی:

”واتقوا الله الذى تساءلون به والارحام“ پھر دوبارہ تقویٰ کا حکم آ گیا کہ تعلق اگرچہ واضح کر دیا گیا کہ

تم سب ایک خاندان کے ہو لیکن اس قسم کے قواعد وضوابط کی رعایت رکھنا اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھیں گے تبھی جا کے یہ معاشرہ صحیح ہو سکتا ہے''ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس کے واسطے سے تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو'' یعنی جب تمہارا معاملہ کسی دوسرے سے اٹک جاتا ہے یا آپ کا حق کسی دوسرے کے ذمے لگ جاتا ہے تو آپ اسے کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر اور میرا حق ادا کر تو جب دوسرے کو اللہ کا ڈر سناتے ہو تو خود بھی تو اللہ سے ڈرو، اور خود اللہ سے ڈر کر دوسرے کا حق ادا کرو، اگر یہ تقویٰ عام ہو جائے، خوف خدا عام ہو جائے تو دوسرا آپ کے حق کی رعایت کرے گا، آپ اس کے حقوق ادا کرنے کی رعایت کریں گے، معاملہ سیدھا رہ جائے گا تو جیسے دوسرے سے اپنا حق مانگتے وقت اللہ یاد دلاتے ہو تم بھی دوسروں کے حق ادا کرتے وقت اللہ کو یاد رکھا کرو۔

''والارحام'' ارحام یہ رحم سے آ گیا، رحم اصل کے اعتبار سے تو بچہ دانی کو کہتے ہیں لیکن پھر ولادت کے طور پر جس کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ میرا ذی رحم ہے، ذی رحم، ذوی الرحم یہ لفظ دونوں طرح بولا جاتا ہے، رشتہ داری کے معنی میں ہوگا یا قرابت کے معنی میں، اور قرابت سے ڈرو یعنی قطع رحمی سے بچو، رشتہ داریوں کے تعلق کاٹا نہ کرو، صلہ رحمی کو اختیار کرو، یہ دوسری بنیاد ہے اصلاح معاشرہ کے لئے کہ صلہ رحمی کرو اور قطع رحمی سے بچو، عمومی تعلق تمام انسانوں سے ہوا، اس کے بعد پھر خصوصی تعلق اپنے قریبی رشتہ داروں سے کہ جتنا جتنا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا چلا جائے گا اتنے اس کے حقوق بڑھتے چلے جاتے ہیں، مثلاً والدین یہ بلاواسطہ آپ کے رشتہ دار ہوئے اور اسی طرح سے اپنے بہن بھائی یہ والدین کی وساطت سے آ گئے اور دادا جو ہے وہ باپ کی وساطت سے آ گیا، چچے جو ہیں وہ دادا کی وساطت سے آ گئے، چچوں کی اولاد ہو گئی، ادھر ماں کی وساطت سے نانا نانی ہو گئے، اور پھر نانا نانی کی وساطت سے ماموں اور خالہ ہو گئی، اسی طرح سے پھر یہ دونوں طرف سے رشتہ پھیلتا چلا جاتا ہے، درجہ بدرجہ ان کی رعایت رکھی جاتی ہے۔

اس کی تاکید بھی حدیث شریف میں بہت زیادہ آئی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا (مشکوٰۃ ص ۴۱۹) جو رشتے داروں کے اندر رشتہ داری کی رعایت نہیں رکھتا وہ جنت میں نہیں جائے گا، اور جس قوم کے اندر کوئی قاطع الرحم موجود ہو وہ ساری کی ساری قوم ہی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتی ہے، اور صلہ رحمی کی تاکید کی ہے کہ جو صلہ رحمی کرے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اور رشتے داروں کو اپنے ساتھ ملا کر رکھے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ ملائے گا، جو رشتہ داروں کو اپنے سے کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے کاٹ دے گا (مشکوٰۃ ص ۴۱۹) بہر حال یہ صلہ رحمی کی تاکید بہت زیادہ ہے، قطع رحمی جو ہے اس کو حرام قرار دیا ہے، رزق کے اندر برکت

،مال کے اندر اضافہ،عمر کے اندر اضافہ حضور نے یہ صلہ رحمی کے فوائد بتائے ہیں جتنا انسان قطع رحمی کی طرف جاتا ہے،رشتہ داروں سے کٹتا ہے،رشتہ داروں سے دور ہوتا ہے رزق میں بھی بے برکتی ہے اور عمر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے،مستقل ابواب کتب حدیث کے اندر اس مسئلہ میں ہیں جس میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور صلہ رحمی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرو،ان کے دکھ میں کام آؤ،مالی تنگی میں مبتلا ہیں تو ان کی معاونت کرو ان کے پاس آ جاؤ،حالات کی خبر رکھو،خوشی پہ خوشی کا اظہار کرو،غمی کے اندر غمی کا اظہار کرو۔

دنیا کے اندر جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہوتا ہے تو عام انسانی برادری کے مقابلہ میں جن کے ساتھ جتنی جتنی رشتہ داری ہوتی چلی جائے گی اتنا ان کے ساتھ معاونت رکھنا آپس میں ملنا جلنا گاہے گاہے ہدیے تحفے دینا،دعوت کرنا ان کے پاس جانا،اور اس طرح بوقت ضرورت ان کے کام آنا،یہ ساری کی ساری چیزیں صلہ رحمی میں داخل ہیں''ان اللہ کان علیکم رقیبا'' بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے اور تمہارا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں رہے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے انسانی حقوق ایک دوسرے کے ادا کرو،خصوصیت کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں کا خیال رکھو،معاشرے کی اصلاح کے لئے یہی بنیادی اصول ہیں۔

اموالِ یتیم کے متعلق چند کوتاہیوں کا ذکر:

''واٰتوا الیتٰمٰی اموالھم'' اب آگے جزوی احکام ہیں،جاہلیت میں سرور کائنات کے تشریف لانے سے پہلے عورتیں اور یتیم بہت مظلوم تھے،لوگ ان کے حقوق کی رعایت نہیں رکھتے تھے،کوئی بچہ نابالغ جس کا باپ مر جاتا دوسرا کوئی متولی بنتا تو اس کا مال اڑا جاتے تھے اور جائیداد وغیرہ پر قبضہ کر لیتے تھے،اور ان کی رعایت نہیں رکھتے تھے،اسی طرح عورتوں کو نہ وراثت میں سے حصہ دیا جاتا تھا،اور نہ معاشرے کے اندر ان کا اور حق پہچانا جاتا تھا،یہ بھی بہت مظلوم تھیں تو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ ان کے متعلق تاکید فرمائی ''واتوا الیتمی اموالھم'' یتیموں کو ان کے مال دیتے رہا کرو،بطور خرچ کے دیتے رہا کرو،اور کلیۃً سپرد کرنے ہیں کب؟جس وقت کہ وہ سمجھ دار ہو جائیں اور آپ لوگوں کا خیال یہ ہو کہ اب یہ مال کو سنبھال لیں گے مال کو ضائع نہیں کریں گے،آگے آ رہا ہے ''وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح الخ'' جب وہ سمجھدار ہو جائیں اور تمہیں خیال ہو جائے کہ اب یہ اپنے مالوں کو سنبھال سکتے ہیں،تب ان کی طرف ان کے مال سپرد کیا کرو،بوقت ضرورت ان کو دیتے رہو،''واتوا الیتمی اموالھم'' دے دیا کرو یتیموں کو ان کے مال۔

"ولاتتبدلوا الخبیث بالطیب" جس قسم کی لوگ گڑ بڑ کرتے تھے ان مالوں میں اب اس کا ذکر ہے، یتیم کے متولی ہو جاتے ان کے مالوں کے اندر کوئی اچھی چیز ہوتی اور اپنے پاس بھی وہی چیز ہوتی تو ٹھیک اور اگر اپنے مال میں گھٹیا درجے کی چیز ہوتی تو گھٹیا چیز ادھر رکھ دی جاتی اور اچھی لے لی جاتی، یہ بھی یتیموں کے مال سے ایک ناجائز فائدہ اٹھانے کی صورت تھی کہ اپنے گھر کی گھٹیا چیز اس کے مال میں ڈال دی، اس کی اچھی چیز جو تھی وہ اپنے ساتھ کرلی، اور کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم کے مال کو اپنے مال میں خلط ملط کر لیتے، اور اس خلط ملط کا بہانہ کر کے یتیم کا مال کھاجاتے یعنی ملاتے تو اس لئے کہ جب ہم اکٹھے رہتے ہیں تو اکٹھے کھائیں گے لیکن اپنا مال برائے نام ڈالا اور اس کا زیادہ ڈال لیا، اور اس بہانے کے ساتھ کھا گئے، اس لئے پہلے پہلے ممانعت کردی گئی تھی کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط کیا ہی نہ کرو، سورۃ البقرۃ کے اندر اس کی تفصیل آئی تھی جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کچھ مشکلات پیش آئیں تو پھر پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ اصل مقصد تو اصلاح ہے، "قل اصلاح لهم خير" ان کی مصلحت کی رعایت رکھی جائے اور اگر ان کو اپنے ساتھ خلط کر کے رکھنے میں مصلحت ہے تو خلط بھی کر سکتے ہو۔

"وان تخالطوهم فاخوانكم في الدين" اگر تم ان کو اپنے ساتھ خلط ملط کرلو تو تمہارے بھائی ہیں لیکن مفسد اور مصلح کو اللہ جانتا ہے کہ کون مصلحت کی رعایت رکھتا ہے اور کون مصلحت کی رعایت نہیں رکھتا، یہ تفصیل وہاں بھی آئی تھی اور یہاں بھی یہی کہا جارہا ہے کہ اپنے مالوں کے اندر ان کے مال خلط ملط کر کے بھی نہ کھایا کرو، اور ان کے مالوں سے اچھی چیز لے کر ردی چیز ان کے لئے نہ رکھ دیا کرو، یہ کوتاہیاں تھیں جو اس دور میں ہوتی تھیں، اور آج بھی اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہیں، خوف خدا ان پر نہیں ہے تو یتیموں کے مال کو آج بھی لوگ خلط ملط کرتے ہیں، نہ بدلا کرو ردی کو طیب کے ساتھ، یعنی اپنی ردی چیز ڈال دی اور ادھر سے اچھی چیز لے لی ایسا نہ کیا کرو۔

"ولاتاكلوا اموالهم الى اموالكم" اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ان کے مال نہ کھایا کرو یعنی خلط ملط اس نیت کے ساتھ نہ کیا کرو کہ اس بہانے کے ساتھ یتیموں کا مال کھا جائیں گے اور ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے جو بیان القرآن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جس وقت تک تمہارے اپنے مال موجود ہیں اس وقت تک یتیموں کا مال نہ کھایا کرو، ہاں البتہ تمہارے پاس اپنا مال نہیں اور تم یتیم کے متولی ہو تو پھر حق الخدمت لے سکتے ہو، جیسا کہ آگے صراحتاً آئے گا "ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف" یہ اجازت آگے آئے گی، فقیر کا معنی ہے محتاج، تمہارے

پاس اپنا مال موجود نہیں ہے، تم ہو گئے محتاج اور یتیم کی خدمت تمہیں کرنی پڑتی ہے، اس کے مال کو سنبھالنا پڑتا ہے، تمہارا وقت اس کے اوپر خرچ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر اگر حق الخدمت کے طور پر تم یتیم کے مال میں سے لے لو، کھالو تو تمہیں اجازت ہے بقدر ضرورت، تو "الیٰ اموالکم " یہ ہوگا کہ جب تک تمہارے اپنے مال موجود ہیں تو اس وقت تک اپنے مال ملا کر ان کے مال نہ کھاؤ، البتہ تمہارے پاس اپنا مال نہ رہے تم محتاج ہو جاؤ تو ایسے وقت میں پھر تم یتیم کا مال کھا سکتے ہو اور وہ کھانا پھر اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا نہ ہوا جس کی ممانعت ہے بلکہ ضرورت کے وقت حق الخدمت لی جاسکتی ہے،

"وآتوا الیتمی اموالھم ولاتتبدلوا الخبیث بالطیب" یتیموں کو ان کا مال دے دیا کرو اور خبیث کو طیب کے ساتھ بدلا نہ کرو، "ولاتأکلوا اموالھم الی اموالکم "اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جایا کرو "انه کان حوبا کبیرا" ان کے طیب لے کر ردی رکھ دینا یا ان کے مالوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس بہانے سے کھا جانا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم بچیوں کے حقوق کے متعلق ہدایات:

"وان خفتم الاتقسطوا فی الیتمی " اب یہ دوسرا مسئلہ آ گیا، یہ بھی ایک خرابی تھی اس دور میں کہ بسا اوقات ایک یتیم بچی ہوتی وہ کسی کی کفالت میں ہے اور وہ کفیل ایسا ہے کہ جس کا اس بچی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے مثال کے طور پر آپ کی تولیت میں آپ کے چچا کی بچی آ گئی، آپ کی تولیت میں آپ کی خالہ کی بچی آ گئی، پھوپھی کی لڑکی آ گئی، یتیم ہونے کی وجہ سے آپ کی کفالت میں آ گئی، اب اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال بھی ہوتا، خوبصورت بھی ہوتی تو متولی کو رغبت ہوتی اور اس سے نکاح کر لیتا اور پھر نکاح کرنے کے بعد اس کے حقوق ادا نہ کرتا، اس وجہ سے کہ کوئی دوسرا اس کے متعلق پوچھنے والا ہے ہی نہیں، آپ ہی اس کے متولی تھے آپ نے ہی اس سے نکاح کر لیا، مرضی کے ساتھ تھوڑا بہت اس کو مہر دے دیا اور نہ چاہا تو نہ دیا، اور اس طرح سے اس کے مال کے اوپر قبضہ کر لیا جاتا یوں اس یتیم بچی کے حقوق تلف ہوتے اگر متولی خود اس کو اپنے نکاح میں لے لیتا چونکہ دوسرا کوئی شخص اس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے والا ہوتا نہیں تھا، اور اگر اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دی جاتی اور آپ رہتے اس کے متولی تو آپ اس کے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے کہ اگر اس کا خاوند اس کا مہر ادا نہ کرتا تو آپ مہر دلوا سکتے تھے، اگر وہ نفقہ پورا نہ دیتا تو آپ اس کو نفقہ دلوا سکتے تھے۔

اس لئے منع کیا گیا کہ اگر تم میں یہ اندیشہ ہو کہ یتیم بچیوں کے تم حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں تم

ان سے نکاح کیا ہی نہ کرو، اپنے نفس کے لئے یہ بہانہ مہیا کیا ہی نہ کرو بلکہ ان کی شادی کسی دوسری جگہ کرو، اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرو، اور خود اور عورتوں سے شادی کرلو جو تمہیں پسند ہوں جو تمہارے لئے حلال ہیں، اللہ تعالیٰ نے قاعدہ بنا دیا دو دو کر سکتے ہو، تین تین کر سکتے ہو، چار چار کر سکتے ہو، تو اور عورتیں بہت ہیں ان یتیم بچیوں سے پھر شادی نہ کیا کرو کیونکہ ان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد ان کے حقوق جب ادا نہیں ہوں گے تو پھر وہ مظلوم بن جائیں گی اور تم ظالم بن جاؤ گے تو بہتر یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی دوسری جگہ کر کے خود ان کے حقوق کی نگہداشت کرو۔

تعدد ازواج اور عدل بین النساء:

”وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی“ اگر تمہیں یہ ڈر ہو یتیم بچیوں کے بارے میں کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے ”فانکحوا“ تو نکاح کرلیا کرو، ”ماطاب لکم من النساء“ جو تمہیں پسند ہیں، ”طاب لکم“ طاب حلال ہونے کے معنی میں بھی ہے اور پسند ہونے کے معنی میں بھی ہے، جو تمہیں پسند ہیں عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار کرلیا کرو تمہیں اجازت ہے، اور یہ اجماع امت ہے کہ چار سے زیادہ شادی کرنی کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے یعنی بیک وقت چار بیویاں رکھی جاسکتی ہیں، چار سے زائد نہیں رکھی جاسکتیں، چوتھی اگر مر جائے یا طلاق دے دی جائے تو پھر اور بھی کی جاسکتی ہے یعنی نکاح تو چار سے زائد بھی ہوسکتے ہیں لیکن بیک وقت بیویاں چار ہی رہ سکتی ہیں، ایک کو طلاق دے دو یا مر جائے تو پھر اس کے بعد اور بھی کر سکتے ہیں، اس بات کے اوپر اجماع ہے، اور سرور کائنات کی خصوصیت ہے کہ آپ کے نکاح کے اندر بیک وقت چار سے زائد بیویاں رہیں اور حضور نے ہر اس شخص کو جو مسلمان ہوا اور اس کے پاس زائد بیویاں تھیں تو اس کو پابند کیا کہ چار رکھیں اور باقی کو فارغ کریں۔

”فان خفتم الا تعدلوا“ لیکن جو دو دو تین تین چار چار کرنے کی تمہیں اجازت دی جارہی ہے یہ بھی تب کرنا جب تمہیں اپنے پہ اعتماد ہو کہ تم سب کے حقوق ادا کر سکتے ہو اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان برابری نہیں کرسکو گے، حقوق کے اندر ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ نہیں کر سکتے تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کیا کرو، یا باندی پر اکتفاء کرو کیونکہ باندی کے ایسے حقوق ہوتے ہی نہیں، اور ایک ہوگی تو برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو ایک ہی ہے اس کا دوسری کے ساتھ حقوق کا مطالبہ نہیں ہے، تو عدل بین النساء یہ بھی فرض ہے، اور متعدد بیویاں کرنے کی تب اجازت ہے جب تم کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ ہم عدل کریں گے اور اگر اپنے پر اعتماد نہیں اور متعدد بیویاں کرو گے تو نکاح تو پھر بھی ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ گار ہوں گے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کے درمیان برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے ایک پہلو کے اوپر فالج گرا ہوا ہو گا، وہ اس حالت میں آئے گا، اور سرور کائنات تمام بیویوں کے درمیان باوجود اس بات کے کہ آپ پر مساوات فرض نہیں تھی لیکن پھر بھی آپ سب کے حقوق برابر ادا کرتے تھے، اور حق کے اندر نفقہ تو ہے ہی، اور ایک دوسرا حق ہوتا ہے شب باشی کا کہ ایک رات اِس کے پاس گزاری ہے تو ایک رات اُس کے پاس بھی گزارے، باقی آپس میں مجامعت اس میں مساوات ضروری نہیں ہوتی کیونکہ یہ نشاط طبع پر مبنی ہے کہ کسی دن طبعیت میں رغبت ہوتی ہے کسی دن نہیں ہوتی ،اور قلبی محبت اور قلبی رجحان یہ انسان کے اختیار میں نہیں۔

جیسے حضور فرمایا کرتے تھے "اللھم ھذا قسمی فیماأملك ولاتلمنی فیمالااملك" اے اللہ! جو میرے اختیار میں تھا وہ تو میں نے تقسیم کر دیا اور جو میرے اختیار میں نہیں تیرے اختیار میں ہے اس معاملے میں میرے پر ملامت نہ کرنا، اس سے حضور کا اشارہ ہوتا تھا میلان قلبی کی طرف کہ دل کا میلان کسی بیوی کی طرف زیادہ ہو تو اس میں جرم نہیں ہے ظاہری حقوق میں برابری ہو کہ ان کو وقت برابر دیا جائے، اور حیثیت کے مطابق نفقہ میں دونوں کی رعایت رکھی جائے تو اگر عدل نہیں کرو گے تو پھر آخرت میں گناہ گار ہو گے اور اس بے انصافی کو دور کرنے کے لئے حکومت مداخلت بھی کر سکتی ہے، اگر کسی بیوی کے حقوق ادا نہ کیے جائیں تو حکومت آپ کو مجبور کرے گی اور اگر آپ ادا نہ کریں تو پھر حاکم تفریق کر سکتا ہے لیکن نکاح کرنے کی صورت میں نکاح ہو جائے گا، بیوی وہ بن جائے گی۔

"فواحدۃ" ای فالزموا واحدۃ" یا "فاختاروا واحدۃ" پھر تم ایک کو ہی لازم پکڑ لو یا ایک کو ہی اختیار کرو یا ایک پر ہی اکتفاء کرو، "او ماملکت ایمانکم" یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو۔

تطبیق بین الآیات اور متجددین کا جواب:

قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" تم سے ہو ہی نہیں سکتا کہ تم عورتوں کے درمیان برابری کرو، اس لئے آج کل متجددین جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد شادیاں کرنے کی اجازت تب دی ہے جس وقت انسان عدل کر سکے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ میں عدل نہیں کر سکوں گا، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے صاف فیصلہ دے دیا کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر متعدد شادیاں ہونی ہی نہیں چاہئیں، اور شادی صرف ایک ہی ہونی چاہیئے، ان دونوں آیتوں کو جوڑ کر یہ نتیجہ نکال لیا ہے، اور یہ بات

اجماع امت کے خلاف ہے، اور قرآن کریم کے فہم کے بھی خلاف ہے اگر ایسی بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے تو ایک سے زیادہ کرنے کی اجازت ہی نہیں پھر پہلے کہنا دو دو تین تین کر لیا کرو اگر تمہیں خیال ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو، اور پھر دوسری جگہ جا کر کہہ دیا کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو دو تین کرنی ہی نہیں چاہئیں تو یہ پیچ دار معاملہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ صاف کہہ دیا جاتا کہ چونکہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے لہٰذا ایک ہی شادی کی اجازت ہے دوسری کی نہیں۔

وہاں جو کہا گیا "لن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" اس سے آگے لفظ آتے ہیں "فلاتمیلوا کل المیل" تم سے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم عورتوں کے درمیان میں ہر لحاظ سے برابری کرو، لیکن پھر تم پوری طرح سے ایک جانب ہی نہ ڈھلک جایا کرو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو، اب ان لفظوں کے اندر غور کرو تو بات خود نکل آئی کہ اس طرح سے برابری کرو ظاہراً و باطناً یہ تم سے ممکن نہیں ہے، جیسے حضور نے فرمایا کہ میلان قلبی اختیار میں نہیں ہے لیکن اس طرح سے مائل نہ ہو جاؤ پورے کے پورے کہ جیسے دل ایک کی طرف مائل ہے تو تم ظاہری طور پر بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ، اور دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو نہ وہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ وہ بے خاوند سمجھی جائے، اگر دل کے اندر میلان ایک کی طرف ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ظاہری طور پر میلان ایک طرف ہو جانا ایک ہی طرف کو ڈھلک جانا یہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے، ظاہری برابری تم کر سکتے ہو کہ ایک رات اس کے پاس گزاری ہے تو ایک رات اس کے پاس بھی گزارو، نفقہ اس کو دیتے ہو اس کو بھی دے دو۔

یہ ظاہری حقوق یہاں مراد نہیں ہیں کہ تم ان کے درمیان میں برابری نہیں کر سکتے ورنہ تو یہ بداہت کے خلاف ہے یعنی اگر ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اگر ایک رات وہ ایک مکان میں جا کے سو جائے تو دوسری رات وہ دوسرے مکان میں کیوں نہیں سو سکتا، کیا وہ عاجز آ گیا ہے؟ دوسرے مکان میں سونا اس کے اختیار میں نہیں ہے؟ جب اس نے ایک رات ایک کمرہ میں گزاری ہے تو کیا وہ دوسری رات دوسرے کمرہ میں جا کر نہیں گزار سکتا، تو پھر ہم کیسے کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم برابری نہیں کر سکتے، برابری تو ہو گی، اور اگر تم ایک کو پچاس روپے خرچہ دیتے ہو تو دوسری کو تم کیوں نہیں دے سکتے، اور اگر تمہارے پاس ہیں ہی پچاس روپے تو تم پچیس پچیس روپے کیوں تقسیم نہیں کر سکتے، تو یہ ساری کی ساری باتیں اختیار میں ہیں عدم استطاعت ان میں مراد نہیں ہے، اگر عدم استطاعت ان میں مراد ہو تو یہ بات بداہت کے خلاف ہے کہ تم برابری کر ہی نہیں سکتے کہ اگر ایک دن ایک چارپائی پر گئے ہو تو دوسرے دن دوسری چارپائی پر جا ہی نہیں سکتے، ایک کو اگر روٹی کپڑا دیتے ہو تو دوسری کو دے ہی نہیں

سکتے، یہ تو بداہت کے خلاف ہے، یہ دونوں باتیں انسان کے اختیار میں ہیں کہ ایک رات ایک طرف گزاری ہے تو دوسری رات دوسری طرف گزار سکتا ہے جیسے ایک کو نان نفقہ دیتا ہے تو دوسری کو بھی دے سکتا ہے۔

یہاں برابری ان میں مراد نہیں جس کو عدم استطاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے یہ ہے دل کا میلان کہ اگر تم یہ چاہو کہ ظاہراً و باطناً پوری طرح سے عورتوں میں برابری رکھو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے، لیکن تم ایسے طور پر ایک طرف نہ لڑھک جایا کرو کہ دوسری کو بالکل ہی چھوڑ دو، تو اگر ظاہری طور پر بھی اسی کے ہو کر رہ جاؤ گے اور باطنی طور پر بھی اسی کے ہو کر رہ جاؤ گے، اب دوسری بیوی معلقہ ہوگی، اور اگر دل کے اندر تو برابری نہیں ہے میلان قلبی جو ہے وہ ایک طرف کم اور ایک طرف زیادہ ہے لیکن ظاہری طور پر تمہیں ڈھلکنے کی اجازت نہیں، ظاہری طور پر برابری رکھا کرو جو تمہارے اختیار میں ہے، یہ اگلے لفظ جو ہیں وہ خود اس مراد کو واضح کر دیتے ہیں باقی ظاہری حقوق کے اندر برابری ممکن نہیں یہ بات بداہت کے خلاف ہے، کیوں ممکن نہیں؟ آخر انسان کو طاقت ہے، قدرت ہے وہ رات اِس کے پاس بھی گزار سکتا ہے اور اُس کے پاس بھی گزار سکتا ہے، نفقہ اِسے بھی دے سکتا ہے اُسے بھی دے سکتا ہے، لہٰذا وہ آیت ظاہری حقوق کے اندر برابری میں عدم استطاعت کو ذکر نہیں کر رہی۔

یہ آج کل کے لوگوں کا اس طرح سے استدلال جس کی بناء پر یہ دوسری شادی کو ممنوع قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے، اصل مقصد شریعت کا ہے حقوق کی حفاظت، حقوق کی حفاظت کرنی چاہیئے اس میں اللہ سے خوف دلا کر بھی تم کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے، اور اس میں حکومت دست درازی بھی کر سکتی ہے کہ اگر کوئی عورت جا کر عدالت میں دعویٰ کر دیتی ہے کہ میرا نکاح اس کے ساتھ ہے لیکن یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا تو حاکم پھر مجبور کرے گا اور اگر پھر بھی وہ سیدھا نہیں ہوتا تو پھر حاکم تفریق کر دے گا، اور یہ حقوق کا تلف کرنا جیسے متعدد بیویوں میں ہو سکتا ہے تو ایک بیوی میں بھی ہو سکتا ہے، اس میں کون سی بات ہے۔

تعدد ازواج کے فوائد:

باقی تعدد ازواج یہ چونکہ شریعت کی ایسی حکمت ہے کہ اس کے ساتھ زنا اور بدکاری کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے، لازمی بات ہے کہ جس وقت ایک بیوی ہوگی تو ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کافی کافی مدت تک وہ بیوی خاوند کے لئے کارآمد نہیں ہوتی، بیمار ہونے کی صورت میں، وضع حمل کی صورت میں، ماہواریوں کی صورت میں، اور آدمی ہوتا ہے مغلوب الشہوت اگر اس کو اتنا ناغہ کرنا پڑ جائے تو اندیشہ ہے کہ کسی بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا، تو اس کا تحفظ اسی میں ہے کہ اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دے دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں تعدد ازدواج نہیں ہے اور دوسری شادی پر پابندی ہے کہ دوسری شادی نہیں کی جاسکتی تو وہاں یاری باشی کے طور پر وہ اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں اور وہاں کسی قسم کی پابندی نہیں، اور پھر وہاں یہ عیاشی فحاشی جو ہے یہ عام ہو جاتی ہے ایک بات یہ ہوئی، اور دوسری بات یہ ہے کہ قدرتاً عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے، پیدائش عورت کی زیادہ ہے مرد کے مقابلہ میں، اب اگر دوسری شادی کی اجازت نہ ہو تو بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو بغیر شوہر کے رہ جائیں گی، اور اگر اس مسئلے کو حل کیا جائے تو تعدد ازدواج کے ساتھ ہی حل کیا جاسکتا ہے کہ ایک خاوند کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے تو اس کے ساتھ دنیا کا نظم بھی ٹھیک رہ جائے گا، اور اسی طرح سے فحاشی بدمعاشی کے اوپر پابندی ہوگی اور جہاں ایسی بات نہ ہو وہاں زنا اور فحاشی جو ہے وہ زیادہ پائی جائے گی، اس لیے یہ مجمع علیہ مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے البتہ حکومت اتنا کنٹرول کرسکتی ہے کہ اگر اس کے نوٹس میں آجائے کہ یہ حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کو مجبور کرے گی اور اگر اس کے باوجود بھی حقوق ادا نہیں کرتا تو حاکم تفریق کرسکتا ہے۔

"ذلك ادنيٰ ان لاتعولوا" یہ ایک پہ اکتفاء کرنا یہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم ظلم نہیں کرو گے یعنی ترغیب اسی کی ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ حقوق ادا نہیں کرسکتے تو ایسی صورت میں پھر اکتفاء ایک پہ کیا کرو بلکہ اس سے بڑھ کر روایت سے معلوم ہوگا کہ اگر ایک کے متعلق بھی انسان کی حقوق ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے، بدنی صحت کے لحاظ سے یا دوسرے احوال کے اعتبار سے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے شادی کرلی تو میں بیوی کے حقوق ادا نہیں کرسکتا تو اس کو ایک بھی کرنے کی اجازت نہیں، اور ایک بھی تبھی کرنی ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ میں اس ایک کے بھی حقوق ادا کرسکتا ہوں ورنہ پھر احتیاط کی جائے۔

مہر معاف کرانے کا مسئلہ:

"و آتوا النساء صدقاتهن نحلة" اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو، رغبت کے ساتھ، نحلة خوشی کے ساتھ کوئی چیز دینا، صدقات صدقہ کی جمع، عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ دیا کرو، یہ نکاح میں جو مہر متعین کیا جاتا ہے یہ عورت کا قرض ہوتا ہے جو خاوند کے ذمے لگتا ہے، اور عام طور پر آج یہی رواج ہوگیا ہے کہ لوگ ادا نہیں کرسکتے رسماً معاف کروالیتے ہیں، اور معافی چونکہ رواج کے دباؤ سے ہے یا حالات کے دباؤ سے تو یہ کوئی معتبر نہیں ہے، خاوند کے ذمے یہ قرض ہوتا ہے ادا کرنا چاہیے اس کو ادا کرنے کے بعد پھر وہ عورت اگر خوشی کے ساتھ واپس کردے پھر کوئی شک وشبہ نہیں اور خارجی حالات کے دباؤ کے ساتھ اگر خود وہ خوشی سے معاف کردیتی ہے کہ میں لیتی نہیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن دباؤ دے کر اس سے معاف کروانا، چاہے وہ دباؤ رواج کے تحت دلایا جائے یا کسی دوسری چیز کے تحت وہ معافی معتبر نہیں۔

”فان طبن لکم عن شیء منه نفسا فکلوہ هنیئاً مریئاً“ اگر خوش ہو جائیں تمہارے لئے وہ اس مہر میں سے کسی شی سے از روئے دل کے یعنی دل سے خوش ہو جائیں کیونکہ طیب نفس کے ساتھ ہی دوسرے کا مال حلال ہوسکتا ہے، کئی دفعہ مسئلہ آپ کے سامنے آیا کہ دل کی خوشی کے بغیر دوسرے کے مال سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لئے آپ زبردستی جو دوسروں کی چیزیں لے لیتے ہیں مجبور کر کے دوسروں سے دعوت منوالی جاتی ہے یہ ٹھیک نہیں ہے ،دل کی خوشی کے تحت ہی ایک دوسرے کو عطیہ دیا جائے ،ہدیہ دیا جائے ،دعوت کی جائے وہی بہتر ہوتی ہے، جہاں یہ دل کی کراہت آجائے گی اور جبر والی بات آجائے گی وہاں پھر کھانا پینا جائز نہیں ہوتا اگر وہ دل کی خوشی کے ساتھ کوئی چیز چھوڑ دیں ”فکلوہ هنیئا مریئا“ تو اس کو لذیذ سمجھ کر، خوشگوار سمجھ کر کھا جایا کرو، کھا جایا کرو اس کو اس حال میں کہ وہ لذیذ ہے خوشگوار ہے۔

مال کی اہمیت اور اس کی حفاظت:

”ولاتؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیٰما“ نادان بچوں کو، ناسمجھ بچوں کو اپنے مال نہ دیا کرو ایسے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام بنایا ہے، تمہاری زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ مال کی اہمیت ہے یعنی مال کوئی ایسے ضائع کرنے والی چیز نہیں ،انسان کے گزران کا باعث ہے، اس کے ساتھ انسان کا وقت اچھا گزرتا ہے، آج تو یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ اگر مال ضائع ہو جائے، اگر مال کے اعتبار سے انسان محتاج ہو جائے تو نہ عزت رہتی ہے نہ وقار، اور انسان بہت جلدی اپنے دین سے ہاتھ دھو لیتا ہے، پھر کھانے کمانے کے لئے انسان حرام ذرائع اختیار کرتا ہے، اپنے دین کو بیچتا ہے، پہلے دور سے ہی یہ بات اسی طرح سے چلی آ رہی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشکوۃ میں مذکور ہے فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس یہ دراہم وغیرہ ہوں وہ اس کو سنبھال کے رکھے کیونکہ زمانہ ایسا آگیا ہے کہ اگر انسان محتاج ہو جائے تو سب سے پہلے اپنے دین کو خرچ کرتا ہے، پھر روٹی کمانے کے لئے اپنے دین کو برباد کرتا ہے تو یہ کوئی ضائع کرنے والی چیز نہیں، انسان کی عزت کا تحفظ بھی مال کے ساتھ ہوتا ہے، دین کا تحفظ بھی مال کے ساتھ ہوتا ہے اگر کسی کے پاس مال ہو تو اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے ، یہ قابل قدر چیز ہے، سرمایہ زندگی ہے اگر بے سمجھ لوگوں کے ہاتھوں میں دے دو گے تو وہ ضائع کر دیں گے تو نادان بچوں کو ان کے مال نہ دیا کرو، اپنے مال تم نادانوں کے سپرد نہ کیا کرو، ایسے مال کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گزران کا باعث بنایا ہے، ہاں البتہ ان سفہاء کو اس میں سے رزق دیتے رہا کرو، ان کے کپڑے کا خوراک کا اس میں سے انتظام کرو، اور انہیں اچھی بات کہتے رہا کرو کہ اگر یہ مانگیں بھی کہ یہ میرے

پیسے ہیں تو آپ کہو کہ ہاں آپ کے ہیں لیکن ہم آپ پر خرچ کریں گے، بقدر ضرورت ہم آپ کو دیں گے، ہم آپ کے مفاد میں ہی کررہے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں اس طرح سے نرمی کے ساتھ ان کو سمجھاؤ۔

یتیموں کے مال کی نگہداشت کے متعلق احکام:

''وابتلوا الیتمی'' اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہا کرو یعنی کبھی کبھی ان کو کچھ خریدنے کے لئے بھیج دیا، بیچنے کے لئے بھیج دیا، ان کی سمجھداری کی آزمائش کرو حتی کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، بالغ ہو جائیں پھر اگر وہ تمہیں سمجھدار معلوم ہوں ''فان انستم منهم رشدا'' اگر تم ان سے رشد معلوم کرو، سمجھ دار معلوم ہو جائیں ''فادفعوا الیهم اموالهم'' تو پھر ان کے مال ان کے سپرد کر دیا کرو، البتہ اگر وہ اسی طرح سے سفیہ ہیں، نادان ہیں، مغلوب العقل ہیں تو پھر چاہے بالغ ہو جائیں مال ان کے سپرد نہ کیا کرو۔

''ولاتاكلوها اسرافا'' ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہوئے یتیموں کے مالوں کو نہ کھایا کرو، اور اس بات سے سبقت لے جاتے ہوئے نہ کھایا کرو کہ بڑے ہو کر مال ہم سے لے لیں گے، ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی جلدی تصرف کرو تا کہ یہ بڑے ہو کر ہم سے مال لے نہ لیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، بقدر ضرورت خرچ کرو اور مناسب اندازے کے ساتھ خرچ کرو، اگر تمہارے دل میں یہ جذبہ ہو کہ ہم جلدی جلدی خرچ کرلیں ورنہ یہ بالغ ہو جائے گا اور بڑے ہونے کے بعد یہ اپنا مال ہم سے لے لے گا یہ بھی ایک مجرمانہ کوشش ہے، ''من كان غنيا'' جو کوئی شخص غنی ہے اس کی اپنی ضرورت گھر سے پوری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کھانے پینے کے لئے دے رکھا ہے پھر اگر وہ یتیم کی خدمت بھی کرتا ہے تو یتیم کے مال میں سے لینا نہیں چاہیئے، ''فليستعفف'' پھر وہ بچ کے رہے ''ومن كان فقيرا'' اور اگر وہ محتاج ہے ضرورت مند ہے تو پھر جو یتیم کی خدمت کرتا ہے اس خدمت کے عوض میں یتیم کا مال وہ معروف طریقے سے کھا سکتا ہے، معروف کا معنی جس قسم کا دستور ہے، عقل مندوں کے نزدیک، شرفاء کے طبقے میں جو دستور ہے کہ اتنا لے سکتے ہیں اپنا معیار زندگی یہ ہے، یتیم کے مال کی نوعیت یہ ہے، یہ نہ ہو کہ یتیم کے پاس تو مثال کے طور پر پیسے تھوڑے سے ہیں اور متولی جو ہے وہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ وقت گزارتا ہوا بہانے سے یتیم کا مال کھا جائے یہ درست نہیں یتیم کی نوعیت، یتیم کے مال کی نوعیت، اس کی خدمت کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے عرف کے مطابق معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

''فاذادفعتم اليهم اموالهم'' اور جب تم ان کی طرف ان کے مال دفع کرو ''فاشهدوا عليهم'' تو گواہ بنا لیا کرو، یتیم کی جائیداد اس کے سپرد کرتے ہوئے گواہ بنا لو تا کہ کوئی کل کو کسی قسم کا نزاع نہ پیدا ہو جائے، ''وكفى

باللہ حسیباً " تو اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے، لیکن پھر بھی ظاہری طور پر حساب صاف رکھو، اور مال ان کے سپرد کرتے وقت کسی کو گواہ بنالیا کرو۔

وراثت کی تقسیم کے اصول:

آگے بنیاد اٹھائی جارہی ہے وراثت کے مسئلے کی کہ پہلے زمانے میں سرور کائنات سے پہلے وراثت جو تھی وہ اکثر وبیشتر بالغ لڑکے ہی سنبھال لیتے تھے، بالغ لڑکا نہ ہوتا تو جو بھی خاندان کے اندر بڑا ہوتا وہی قبضہ کرلیتا تھا نہ عورتوں کو حصہ دیتے تھے اور نہ بچیوں اور بچوں کو دیتے تھے، تو یہاں وہ حصے متعین کئے جارہے ہیں کہ جو شخص بھی مال وغیرہ چھوڑ کر جائے اس کو تقسیم کس اصول سے کرنا ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے جس کو والدین چھوڑ جائیں اور رشتے دار چھوڑ جائیں، مرد بھی حصے میں شریک ہیں "وللنساء نصیب" اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو والدین چھوڑ جائیں اور رشتے دار چھوڑ جائیں یعنی ماں باپ کے چھوڑے ہوئے میں لڑکیاں بھی شریک ہیں اور لڑکے بھی شریک ہیں، اور رشتے دار کے چھوڑے ہوئے مال میں لڑکے بھی شریک اور لڑکیاں بھی شریک، یہاں پر اقرب کا لفظ بولا ہے جیسا کہ آپ کے سامنے آئے گا کہ وراثت کی تقسیم کا مدار اقربیت پر ہے جو زیادہ قریب ہو وہ حق دار ہے اور جو اس کے مقابلے میں بعید ہو وہ حق دار نہیں ہے، پچھلے دنوں میں آپ نے سنا ہوگا یہ بات اچھی خاصی پھیلی ہوئی تھی کہ دادے کے فوت ہونے کے وقت پوتے وارث ہیں یا نہیں، یہ بھی اجماع امت کے ساتھ طے شدہ مسئلہ ہے اس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک آدمی خود بعد میں فوت ہوتا ہے اس کا ایک لڑکا تھا اور وہ فوت ہوگیا اور یہ آدمی بعد میں فوت ہوا اس کا ایک لڑکا موجود ہے اور دوسرے پوتے پوتیاں موجود ہیں، تو لڑکا چونکہ اقرب ہے وراثت اس کو ملے گی، ابعد کو وراثت نہیں ملے گی، یہ متفق علیہ اصول ہے اجماع امت کے ساتھ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

ہاں ان پوتے پوتیوں کے لئے دادا اپنی زندگی میں جو چاہے انتظام کردے یعنی اگر ان کا باپ زندہ ہوتا تو پھر تو آدھی جائیداد ملنی تھی اور اب دادے کو اپنی زندگی میں اختیار ہے چاہے آدھی سے بھی زیادہ دے دے، وصیت ان کے لئے کرسکتا ہے، اپنی زندگی میں اس قسم کے انتظام کئے جاسکتے ہیں، لیکن جب وراثت تقسیم ہوگی وراثت کے اندر اقربیت کا اصول مدنظر رکھا جائے گا کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد جو ہے وہ محروم ہوگا۔

"مماقل منہ او کثر" تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اس میں مرد بھی شریک ہیں اور اس میں عورتیں بھی شریک ہیں "نصیبامفروضا" اور یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کئے ہوئے ہیں۔

غیر ورثاء کا خیال رکھنا:

اور اگر وراثت تقسیم کرتے وقت ایسے رشتے دار آجائیں جو کہ وراثت میں حصے دار نہیں ہیں یا مساکین آجائیں ان کو ویسے عطیہ کے طور پر تھوڑا بہت بطور خیرات کے دے دیا کرو، کوئی اچھی بات کہہ کر ٹال دیا کرو، لیکن یہ جو بطور خیرات دینا ہے یہ بھی بالغ ورثاء اپنے حصے میں سے دیں، نابالغ کے حصے میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اگر نابالغ اجازت بھی دے دے تو اس کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں، اگر کچھ ورثاء بالغ ہیں اور کچھ نابالغ ہیں تو بالغین اپنے حصے میں سے بطور صدقہ خیرات کے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصے کی میراث جو ہے اس میں سے بطور صدقہ خیرات کے بھی کوئی چیز نہیں دی جاسکتی، مرنے والے کے ایصال ثواب کے لئے بھی کھانا کھلانا ہو تو نابالغ کے مال سے نہیں کھلایا جاسکتا۔

اور مرتے ہی سارا کا سارا مال وراثت میں چلا جاتا ہے، اس لئے جس وقت تک وراثت تقسیم نہ ہو مرنے والے کے گھر سے عام طور پر مہمانی کا کھانا بھی کھانے میں احتیاط کرنی چاہیئے اگر اس میں یتیم بچے شامل ہیں، جب حاضر ہوں تقسیم کو رشتے دار یتیم اور مسکین تو انہیں اس میں سے کچھ دے دیا کرو، اور انہیں اچھی بات کہہ دیا کرو، یعنی اچھی بات نرم بات کہہ کر ٹال دیا کہ تمہارا حصہ نہیں ہے یا یہ ورثہ جو ہے نابالغوں کا ہے جس سے ہم بطور صدقہ خیرات سے بھی کچھ نہیں دے سکتے، اس طرح سے نرم گفتگو کر کے ٹال دیا کرو۔

یتیموں کی نگہداشت کے متعلق احکام:

اگلی آیت کے اندر یتیموں کا خیال رکھنے کے لئے کہا گیا ہے اور اس میں اس نفسیاتی اصول کو برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر تم یہ سوچو کہ تم مرجاؤ اور پیچھے یتیم بچے چھوڑ جاؤ تو تمہارے جذبات کیا ہیں کہ تمہارے بچوں کے ساتھ لوگ کس طرح سے پیش آئیں؟ تو جیسے تم اپنے بچوں کے متعلق سوچتے ہو کہ مرجانے کے بعد تمہارے بچوں کے ساتھ لوگ کس طرح سے پیش آئیں جیسے تم اپنے بچوں کے متعلق سوچتے ہو کہ مرجانے کے بعد تمہارے بچوں کے متعلق یہ جذبات ہوں تو دوسروں کے بچے اگر اس طرح سے یتیم ہوگئے ہیں تو اس طرح سے انسان کو ان کے متعلق بھی ایسے ہی جذبات رکھنے چاہئیں، چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں وہ اپنے پیچھے کمزور بچے تو ان کے متعلق اندیشہ کریں گے بس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور درست بات کیا کریں، اچھی بات کہیں، نرمی کے ساتھ ان کو کہیں، بات درست کریں نرم کہیں اور ایسے خیال کریں کہ اگر ہمارے یہ بچے ہوتے تو ہم ان کے ساتھ برتاؤ کس طرح کرتے، بے شک وہ لوگ جو یتیموں کے مال کو کھاتے ہیں ناحق، حق

کے ساتھ تو کھانا درست ہوا جس طرح سے پیچھے آیا، ناحق اموال یتامیٰ جو کھاتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، یعنی یہ کھانا آج لذیذ معلوم ہورہا ہے کل کو یہی کھانا آگ کی صورت اختیار کرجائے گا ''وسیصلون سعیرا'' اور عنقریب وہ داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ

اللہ وصیت کرتا ہے تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں ، مذکر کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے

فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ

اگر وہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ماترک کا ثلث ہے ، اور اگر

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

لڑکی ایک ہی ہو تو اس کے لیے نصف ہے ، اور اس مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ

چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو اس نے چھوڑا ہے اگر اس کی اولاد ہو ، اور اگر اس کی اولاد نہیں

وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ

اور اس کے وارث صرف اس کے والدین ہی ہیں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے ، اگر مرنے والے کے بہن بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لیے

السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِي بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَآؤُكُمْ

چھٹا حصہ ہے بعد وصیت کے جو مرنے والے نے کی یا قرض کے ، تمہارے آباء

وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۗ فَرِيضَةً مِّنَ

اور تمہارے ابناء تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لیے از روئے نفع کے ، یہ متعین کیے ہوئے حصے ہیں

اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ

اللہ کی طرف سے ، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے (۱۱) اور تمہارے لیے نصف ہے اس چیز سے جو چھوڑ جائیں

أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

تمہاری بیویاں اگر ان کی اولاد نہ ہو ، اور اگر ان کے لیے اولاد ہو پھر تمہارے لیے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ

چوتھا حصہ ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑ جائیں بعد وصیت کے جو وہ کریں یا بعد قرضے کے ،

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ

اور ان بیویوں کے لیے چوتھا حصہ ہے اس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے لیے اولاد نہ ہو ، اور اگر ہے

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تمہارے لیے اولاد تو پھر ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے

تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلَالَةً أَوِ

جو تم کرو یا قرضے کے بعد، اگر وہ آدمی جس کی میراث ہے ہو وہ مرد کلالۃ یا

امْرَأَةٌ وَّلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ

عورت اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ، اور اگر وہ

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ

ایک سے زیادہ ہیں تو پھر یہ شریک ہیں تیسرے حصے میں بعد

وَصِيَّةٍ يُّوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ

وصیت کے جو کی جائے یا قرضے کے بعد اس حال میں کہ وصیت کرنے والا نقصان پہنچانے والا نہ ہو، یہ تاکیدی حکم ہے اللہ کی طرف سے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اللہ تعالیٰ علم والا ہے بردبار ہے ﴿۱۲﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں جو شخص بھی اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ

اللہ ان کو داخل کرے گا ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ،

وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ

اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۖ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾

اس کی باندھی ہوئی حدوں سے داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿۱۴﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

"یوصیکم اللہ فی اولادکم" پچھلے رکوع میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ والدین اوراقربون جو کچھ چھوڑ جائیں تھوڑا ہو یا بہت ہو اس میں مرد عورت دونوں شریک ہیں اور وہ مال ان میں تقسیم ہوتا ہے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بعض ورثاء کے حصے متعین کیے ہیں، آیات کا مطلب چونکہ صاف صاف ہے اس لئے ترجمہ کے ساتھ ہی مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

ورثاء کی اقسام:

ورثاء تین قسم کے ہیں جیسا کہ میراث کی کتابوں میں تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی جاتی ہے ، بعض تو اصحاب فرائض ہیں اور اصحاب فرائض انہیں کہا جاتا ہے کہ جن کے حصے قرآن کریم میں متعین کر دیئے گئے کہ ان کو مال میں سے کتنا دینا ہے، فرائض فریضہ کی جمع متعین کیا ہوا حصہ ، اس لئے علم المیراث کو علم الفرائض سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حصوں کو تقسیم کرتے ہوئے "فریضة من الله" کہا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے متعین کئے ہوئے ہیں، اس لئے علم المیراث علم الفرائض کہلاتا ہے، تو یہ ہوں گے اصحاب فرائض جن کے حصے متعین کر دیئے گئے۔

اور بعضے ہیں عصبات ، عصبات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا حصہ کوئی متعین نہیں ، اصحاب فرائض کو ادا کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ انہیں دے دیا جاتا ہے ، اور تیسرے نمبر پر ہوتے ہیں اولوالارحام ، اولوالارحام انہیں کہا جاتا ہے کہ جو میت کے رشتہ دار ہیں بواسطہ انثیٰ ، یعنی جن کے واسطے میں مؤنث آتی ہے مذکر نہیں آتا ، جس طرح نواسے ہوگئے ، بھانجے ہوگئے ، ماموں ہوگیا اور اسی طرح سے نانا نانی ہوگئے ، یہ آخری درجہ میں ہیں کہ جب اصحاب فرائض میں سے بھی کوئی نہ ہو ، عصبات میں سے بھی کوئی نہ ہو تو پھر ان میں سے بعض کو میراث دی جاتی ہے جس کی تفصیل سراجی کے اندر مذکور ہے ، تو یہاں کچھ احکام آئیں گے اور باقی احکام روایات میں ہیں ، یا فقہاء نے روایات و آیات کی طرف دیکھتے ہوئے مستنبط کئے ہیں تو پورے فن کے طور پر یہ چیز مدون ہے۔

وارث بننے کی شرائط:

ورثاء جو یہاں ذکر کئے جائیں گے ان میں سے اگر کوئی مرنے والے سے اختلاف دین رکھتا ہو یعنی مرنے والا مسلمان ہے اور کوئی وارث کافر ہے یا مرنے والا کافر ہے اور وارث مسلمان ہے ، اس اختلاف کے وقت

میں انسان وراثت سے محروم ہوتا ہے، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اتحاد دین شرط ہے اس وراثت کے پانے کے لئے ، اگر اتحاد دین نہ ہوتو ایسی صورت میں وراثت سے محروم ہے، اوراگر ان ورثاء میں سے کوئی وارث قاتل ہو یعنی اپنے مورث کو قتل کردے تو مقتول کی وراثت سے قاتل بھی محروم ہوتا ہے یہ حدیث شریف کے اندر ذکر کیا گیا ہے۔

تقسیم وراثت کے اصول:

اور پھر جس وقت انسان مرتا ہے تو اس کی جائیداد میں تصرف کرنے کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کفن دفن کے اخراجات نکالے جائیں گے، کفن دفن کے خرچ سے فارغ ہونے کے بعد پھر دیکھا جائے گا کہ اس کے ذمے کوئی قرض تو نہیں، اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو پہلے اس کی متروکہ جائیداد میں سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی، منقولہ غیر منقولہ حتیٰ کہ اگر مکان ہو تو وہ بھی بیچ دیا جائے گا، پھر دیکھیں گے کہ مرنے والے نے کوئی وصیت تو نہیں کی اگر وصیت کی ہے تو ثلث کے اندر اندر وہ نافذ ہوگی، یعنی تیسرے حصے کے اندر اندر تیسرے حصے تک، اوراگر تیسرے حصے سے زائد کی وصیت کی ہے تو نافذ نہیں ہے، اوراس طرح سے وصیت وارث کے بارے میں نافذ نہیں ہے، مرنے والا اگر وارث کے بارے میں کوئی وصیت کر جائے تو وارث کو ورثہ چونکہ شریعت کے مطابق ہی مل جائے گا تو مرنے والے کی وصیت کا اعتبار نہیں ہوگا، ثلث کے اندر وصیت نافذ کی جائے گی، ثلث نکال لینے کے بعد یا اگر وصیت نہ ہو تو قرض ادا کرنے کے بعد جو بچے گا پھر ان حصوں کے مطابق ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جو ورثاء آپ کے سامنے یہاں ذکر کئے جا رہے ہیں۔

یہاں جو آیات آپ کے سامنے آئیں گی ان میں وصیت کا ذکر پہلے آئے گا قرض کا بعد میں آئے گا ’’ومن بعد وصیۃ یوصی بہا او دین ‘‘ وصیت کا ذکر پہلے آئے گا اور دین کا بعد میں آئے گا لیکن اجماع امت ہے کہ جس وقت وراثت کو تقسیم کرنا ہے تو دین وصیت سے مقدم ہے پہلے حساب دین کا لگائیں گے اس کے بعد وصیت کا اور وصیت کو مقدم کر کے ذکر اس لئے کر دیا کہ وصیت کا بسا اوقات موصیٰ الیہ کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میرے متعلق کوئی وصیت کر گیا ہے تو ایسے وقت میں اندیشہ ہوتا ہے کہ ورثاء کہیں دبا نہ جائیں، ان کو تاکید کر دی کہ قرضہ لینے والے تو خود پیچھا کرلیں گے اور یہ پتہ ہوتا ہے کہ ان سے جو قرضہ لیا ہے ان کے پاس کوئی ثبوت ہوگا دلیل ہوگی، وہ تو خود مطالبہ کرلیں گے، وصیت چونکہ ایک مخفی سی چیز ہے اس لئے ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ کی بھی ہے کہ نہیں کی، تو کس کے لئے کی ہے کتنے مال کی کی ہے یہ چیز بہت مخفی سی ہے اس لئے ورثاء کو تاکید کی گئی ہے کہ وصیت کی رعایت رکھیں،

وصیت نافذ کرنا ضروری ہے، ترتیب کے لحاظ سے قرضے کی ادائیگی مقدم ہے، یہ ہیں کچھ وراثت کے موٹے موٹے اصول اب آگے حصہ داروں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

وراثت میں اولاد کے مختلف احوال:

"یوصیکم اللہ فی اولادکم "اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، وصیت کرتا ہے تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں، اولاد کا لفظ یہاں عام ہے مذکر ہو یا مؤنث، اولاد ولد کی جمع ہے "للذکر مثل حظ الانثیین "انثیین دو لڑکیاں ہوگئیں اور ذکر سے مذکر مراد ہے، لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر، یعنی وراثت تقسیم کرتے وقت لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے، شریعت نے لڑکی کو کم حصہ دیا لڑکے کو زیادہ دیا اور یہ عین حکمت کے مطابق ہے کیونکہ لڑکی جو ہے وہ اپنی معاشی ذمہ داریوں سے بری ہوتی ہے اس پر کسی قسم کی معاشی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں، جس وقت اس کا نکاح ہوجائے گا اس کا نان نفقہ سکنی جو کچھ بھی ہے یہ سب خاوند کے ذمے ہے پھر جو اس کی اولاد پیدا ہوگی وہ اولاد جو ہے اس کا بوجھ بھی ماں پر نہیں ہوتا، اس کا کل نفقہ جو ہے وہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے، تو اس اصول کے تحت لڑکی آدھی میراث لے کر بھی لڑکے کے مقابلے میں زیادہ خوشحال ہوسکتی ہے، کیونکہ یہ جو اس کی زائد آمدنی ہوگی اس کو اپنی آرائش اور زیبائش پر، اور اپنی دوسری خواہشات پر اس کو خرچ کرسکتی ہے، اور جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے وہ خاوند کے ذمے ہے اور جہاں تک اولاد کا بوجھ ہے وہ بھی خاوند کے ذمے ہے، عورت پر اس کے خاوند کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، مذکر کے لئے دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

"فان کن نساء فوق اثنتین" اور اگر وہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں دو سے زیادہ "فلھن ثلثا ماترک" پھر ان لڑکیوں کے لئے ماترک کا دو ثلث ہے اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہیں ان کی میراث میں آپ پڑھیں گے کہ تثنیہ پر ہی جمع کا حکم لگ جاتا ہے دو لڑکیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، دو تو چونکہ واضح ہے اس لئے دو سے زیادہ کا عنوان رکھ لیا گیا، ان کے لئے ماترک کا دو ثلث ہے یعنی دو تہائی ان کو دے دیا جائے گا، "وان کانت واحدۃ" اور اگر لڑکی ایک ہی ہو "فلھا النصف "تو اس کو میراث کا نصف دے دیا جائے گا، گویا کہ یہاں تین صورتیں ذکر کردی گئیں، اگر تو مرنے والے کی اولاد میں لڑکے لڑکیاں مشترک ہیں پھر تو تقسیم یوں کریں گے کہ ایک لڑکا دو لڑکیوں کے قائم مقام، یا دو لڑکیاں ایک لڑکے کے قائم مقام اس طرح سے حصے تقسیم کردیئے جائیں گے، اور اگر صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں ایک سے زیادہ دو یا دو سے زیادہ تو ایسی صورت میں کل میراث کا دو ثلث لے کر لڑکیوں پر تقسیم کردیا جائے گا، اور اگر لڑکی صرف ایک ہی ہے نہ اس کے ساتھ کوئی دوسری لڑکی ہے اور نہ لڑکا ہے ایسی صورت میں وہ اپنے باپ کی نصف جائیداد کی حصہ دار ہوگی، اولاد کا حصہ ختم ہوا۔

وراثت میں والدین کے احوال:

"ولابویه لکل واحدمنهماالسدس مماترك ان کان له ولد" والدین میں سے ہرایک کے لئے، مرنے والے کے والدین کے لئے یعنی ان دونوں میں سے ہرایک کے لئے سدس چھٹا حصہ ہے "ماترك" اس مال میں سے جواس نے چھوڑا ہے اگر مرنے والے کی اولاد ہو، اگر مرنے والے کی اولاد لڑکا لڑکی کوئی ہوتوایسی صورت میں ماں باپ چھٹے چھٹے حصے کے وارث ہیں، "ولم یکن له ولد" اوراگر مرنے والے کی اولادنہیں "وورثه ابواه" اس کے وارث صرف اس کے والدین ہی ہیں توایسی صورت میں اس کی ماں کوتیسرا حصہ دے دیں گے، اور باقی دوحصے جوہیں وہ باپ کے کیونکہ پچھلے لفظوں میں آگیا کہ وارث صرف اس کے والدین ہیں، جب کل ورثہ جوہے وہ والدین کوملنا ہے تووالدہ کے لئے حصہ متعین کردیا گیا ثلث توباقی دوحصے باپ کے ہوئے ،اگر مرنے والے کی اولادنہیں ہے اور ماں باپ زندہ ہیں تو پھر تیسرا حصہ ماں کودے دو، اوردوحصے باپ کودے دو، لیکن یہ تیسرا حصہ ماں کوتب دینا ہے اگر مرنے والے کے بہن بھائی موجودنہ ہوں ،اگر مرنے والے کے بہن بھائی موجودہیں چاہے وہ حقیقی بہن بھائی ہیں یعنی ماں باپ دونوں میں شریک اورچاہے وہ علاتی بہن بھائی ہیں یعنی صرف باپ میں شریک ہیں، چاہے وہ اخیافی بہن بھائی ہیں یعنی صرف ماں میں شریک ہوں ،اگر یہ بہن بھائی موجودہوں توایسی صورت میں ماں کا حصہ ثلث کی بجائے سدس ہوجائے گا یعنی چھٹا حصہ، اورباقی ساراما ل باپ کا ہوگا، بہن بھائیوں کوکچھ نہیں ملے گا یعنی اگر بہن بھائی موجودہوں توماں کے حصے کوکم کردیتے ہیں باقی باپ کی موجودگی میں خودوارث نہیں ہوتے ،یہی مسئلہ آگے ذکرکیا گیا ہے۔

"فان کان له اخوۃ "اگر مرنے والے کے بہن بھائی ہیں اخوۃ سے مراد ہے ایک سے زائد جیسے میں نے عرض کیا کہ اس میراث کے مسئلے میں تثنیہ کے اوپر جمع کا حکم لگ جاتا ہے "فلامه السدس" تواس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، "من بعد وصیة یوصی بها" بعدوصیت کے جوکہ مرنے والا کرتا ہے اورقرض کے یعنی قرض اور وصیت اداکرنے کے بعد، یہ حصے جو ذکر کیے گئے ہیں یہ میں نے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کردیئے ہیں، "آباؤکم وابناؤکم" تمہارے آباء اورتمہارے ابناء تمہارے ماں باپ اورتمہارے بیٹے، "لاتدرون ایهم اقرب لکم نفعا" تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لئے ازروئے نفع کے، دنیا اورآخرت میں تمہارے لئے ان میں سے کون زیادہ مفید ہے، تمہیں نہیں پتہ، "فریضة من الله" یہ اللہ کی طرف سے متعین کیے ہوئے حصے ہیں، "ان الله کان علیما حکیما" بے شک اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے اس لئے اس

نے میراث کے اندر جو حصے متعین کر دیئے علم کا تقاضا بھی یہی ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے، اور اگر کسی شخص کو ان متعین کیے ہوئے حصوں پر کوئی اعتراض ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے اوپر اعتماد نہیں ہے، اور اگر یہ تمہاری مرضی پر چھوڑ دیئے جاتے کہ تم جس طرح سے چاہو تقسیم کر لو، تم یوں سوچتے کہ اپنے لئے جس کو زیادہ مفید پاتے اس کو زیادہ دیتے، اور جس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہوتا کہ ہمارے کوئی کام نہیں آتا اور ہمارے لئے مفید نہیں ہے تو اس کو تھوڑا دیتے یا بالکل محروم کر دیتے، اور اس چیز کا جان لینا کہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے کون مفید ہے کون مفید نہیں ہے یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔

آج ایک لڑکے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ ماں باپ کا بڑا خدمت گزار ہے، دوسرے کے متعلق خیال ہے کہ نافرمان ہے، آپ ساری وراثت اس کو دے دیں گے اور دوسرے کو محروم کر دیں گے، اور کل کو حالت بدل جائے گی تو نافرمان جو تھا وہ خدمت گزار بن جائے گا، اور خدمت گزار جو تھا وہ نافرمان بن جائے گا تو پھر کیا کرو گے، اور دنیا میں کون مفید آخرت میں کون مفید یہ اللہ جانتا ہے، اس لئے اللہ کے علم وحکمت پر اعتماد کرتے ہوئے جو حصے اس نے متعین کر دیئے ہیں دل جمعی کے ساتھ اسی طرح سے وراثت کو تقسیم کرو، اپنے جذبات کے تحت یا اپنے منطقی دلائل کے ساتھ یا اپنے فلسفے کے تحت اس کے اندر کسی قسم کے تغیر وتبدل کی کوشش کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم وحکمت کے اوپر اعتماد نہیں، اولاد اور والدین کی بات ختم ہوئی۔

شوہر کے مختلف احوال:

"ولکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لهن ولد" تمہارے لئے نصف ہے اس چیز سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر ان بیویوں کی اولاد نہ ہو، عورت مر گئی اور اس کی اولاد نہیں ہے چاہے اس خاوند سے چاہے دوسرے خاوند سے، مطلب یہ ہے کہ اس کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد موجود نہیں ایسی صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا، اور اگر ان کے لئے اولاد ہو "فان کان له ولد" اگر عورت کے لئے اولاد ہے چاہے موجودہ خاوند کی چاہے کسی پہلے خاوند کی یعنی اس کے بطن سے پیدا شدہ اولاد موجود ہے، "فلکم الربع" پھر تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے، "مماترك" اس مال میں سے جو مال تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں "من بعد وصیة یوصین بها اودین" بعد وصیت کے جو وہ عورتیں کریں اور یا قرضے کے بعد یعنی بیویوں کا قرضہ ادا کرنے کے بعد، اگر انہوں نے وصیت کی ہے تو وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو بچے گا اب دو حال سے خالی نہیں کہ مرنے والی تمہاری بیوی اس کی کوئی اولاد موجود ہے کہ نہیں، چاہے وہ اولاد تمہاری ہو چاہے پہلے خاوند کی ہو، اگر اس مرنے والی عورت کی اولاد موجود ہو تو تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے، اور اگر اس کی اولاد موجود نہیں تو نصف ہے۔

زوجہ کے احوال:

"ولهن الربع مما ترکتم" اوران بیویوں کے لئے چوتھا حصہ ہے اس مال میں سے جوتم چھوڑ جاؤ"ولم یکن لکم ولد" اگرتمہارے لئے اولاد نہ ہو،"فان کان لکم" اگرتمہارے لئے اولاد ہے چاہے اس بیوی کے بطن سے ہے چاہے کسی دوسری بیوی کے بطن سے،"فلهن الثمن" پھران کے لئے آٹھواں حصہ ہے"مما ترکتم" اس مال میں سے جوتم چھوڑ جاؤ"من بعد وصیة" بعد وصیت کے جوتم کرویا،قرضے کے بعد،یعنی اب خاوند مرگیا خاوند کے مرنے کے بعد دیکھیں گے کہ خاوند کی اولاد موجود ہے کہ نہیں،چاہے اس موجودہ بیوی سے چاہے کسی دوسری بیوی سے،اگراس کی اولاد موجود ہوتو پھر بیوی کے لئے آٹھواں حصہ ہے،ایک بیوی ہے تو آٹھواں حصہ ہے، دو ہیں تین ہیں چار ہیں تو ایک آٹھواں حصہ لے کر سب پر تقسیم کردیا جائے گا،بیویوں کو آٹھویں حصے سے زیادہ نہیں ملے گا،یعنی اگرایک ہوتو اس کو آٹھواں حصہ پورا مل جائے گا،اوراگر وہ دو ہیں تو آٹھویں حصے کو دو حصوں میں تقسیم کریں گی،تین ہیں تو آٹھویں حصے کو تین حصوں میں تقسیم کریں گی اوراگر چار ہیں تو چار حصوں میں تقسیم کریں گی،ملے گا بہر حال آٹھواں حصہ،اوراگرتمہاری اولاد موجود نہیں ہے نہ اس بیوی سے نہ دوسری بیوی سے تو ایسی صورت میں چھوڑے ہوئے مال کا چوتھا حصہ بیویوں کے لئے ہوتا ہے،وصیت اوردین کی رعایت رکھنی چاہیئے۔

کلالہ کی تعریف اوراس کی وراثت:

"وان کان رجل یورث کلالة" کلالة اصل کے اعتبار سے تو یہ مصدر ہے،تھکنے کے معنی میں،اورپھر کلالة اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے اصول وفروع موجود نہ ہوں یعنی نہ ماں ہو نہ باپ ہو،ماں باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے،یہ تفصیل تو اپنی جگہ ہوگی،باپ کی عدم موجودگی میں دادا یعنی اصول کی طرف کوئی موجود نہیں ہے نہ ماں باپ موجود ہیں نہ دادا وغیرہ موجود ہے اورفروع میں بھی کوئی موجود نہیں،نہ صلبی اولاد اورنہ اولاد کی اولاد،جس کے اصول وفروع موجود نہ ہوں اس مرنے والے کو بھی کلالة کہتے ہیں،اسی طرح سے جو رشتہ داراصول وفروع کے علاوہ ہیں جیسے بھائی بھتیجے ہوگئے اس قسم کے رشتہ داروں کو بھی کلالة کہتے ہیں تو اصل کے اعتبار سے مفہوم ہوتا ہے"ذوی کلالة"ضعف والا کمزوری والا،یعنی ایسا رشتہ دار جو کہ اصول وفروع کے علاوہ ہو،اورچونکہ وہ کمزور ہوتا ہے اس لئے اس کو "ذوی کلالة" سے تعبیر کردیتے ہیں،اورمرنے والا جس کے یہ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں وہ بھی ایک قسم کا عاجز اورکمزور ہوتا ہے،جس کی بناء پراس کو بھی "ذوی کلالة" کہہ دیتے ہیں،تو کلالة کا مفہوم اصل میں"ذوی کلالة" ہے۔

"وان کان رجل یورث کلالۃ "وہ آدمی جس کا ورثہ چلایا جارہا ہے، اگر وہ آدمی جس کی میراث ہے، جس کا ورثہ چلایا جارہا ہے، جس کے وارث بنائے جارہے ہیں اگر وہ آدمی کلالۃ ہے یا وہ عورت کلالۃ ہے یعنی کلام دونوں طرف ہے مرد ہو یا عورت ہو اس کے اصول وفروع اگر موجود نہیں ہیں،"وله اخ او اخت " پھر اس کا ایک بھائی موجود ہے یا ایک بہن موجود ہے ایک بھائی یا ایک بہن، اور بالا جماع یہاں اخت سے اخیافی مراد ہے یعنی ماں شریک کیونکہ جو باپ شریک ہیں ان کا مسئلہ اس سورۃ کے آخر میں آئے گا، وہ بالکل اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں ان کے اوپر میراث تقسیم ہوتی ہے "للذکر مثل حظ الانثیین" کے اصول سے اگر بہن بھائی دونوں موجود ہوں اور اگر ایک بہن موجود ہو تو نصف دو بہنیں موجود ہوں تو "ثلثاماترک" چھوڑے ہوئے کے دوثلث، اور اگر اکیلا بھائی موجود ہے تو وہی سارے کا وارث، جو درجہ اولاد کا ہے وہی درجہ حقیقی بہن بھائیوں کا ہوتا ہے جس وقت ماں باپ بھی موجود نہ ہوں اور اولاد بھی موجود نہ ہو، یہ مسئلہ اس سورۃ کے آخر میں آئے گا، اور بالا جماع یہاں اخ سے اخیافی بھائی مراد ہے، اور اخت سے بھی اخت اخیافی مراد ہے، یعنی یہ ماں شریک ہیں اگر اس کے لئے بھائی اخیافی ہے یا بہن یعنی ان دونوں میں سے ایک ہے۔

"فلکل واحد منهماالسدس" پھر ان کے لئے چھٹا حصہ ہے یعنی ایک بھائی موجود ہو تو وہ بھی چھٹا لے لے گا، اور اگر ایک بہن موجود ہے تو وہ بھی چھٹا لے لے گی، یہاں مرد عورت کا حصہ برابر ہے،"فان کانوا اکثر من ذلك " اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہیں مثلاً دو بھائی اخیافی ہیں یا دو بہنیں اخیافی ہیں یا ایک اخیافی بھائی ہے اور ایک بہن ہے ایک سے زیادہ ہوگئے تو ان سب صورتوں میں "فهم شر کاء فی الثلث" یہ تیسرے حصہ کے اندر شریک ہیں، تیسرا حصہ مال کا لے کر اخیافی بہن بھائیوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا، یہاں مرد اور عورت کے حصے کا کوئی فرق نہیں جتنا بھائی کو ملنا ہے اتنا بہن کو ملنا ہے، یہ اخیافی بہن بھائیوں کا حکم ہے تو پھر یہ شریک ہیں تیسرے حصہ میں،"من بعد وصیة یوصی بهااودین "بعد وصیت کے جو کی جائے اور دین یا قرضے کے بعد۔

وصیت کی شرط:

"غیر مضار" اس حال میں کہ وصیت کرنے والا نقصان پہنچانے والا نہ ہو اگر وہ نقصان پہنچائے گا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اگر وہ ثلث سے زیادہ وصیت کر جائے ورثاء کو نقصان پہنچانے کے لئے تو وہ وصیت سرے سے نافذ ہی نہیں ہوتی، اور اگر وارث کے لئے وصیت کر کے جائے اس میں دوسرے ورثاء کا نقصان ہے اس وارث کے مقابلے میں تو ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے ورثاء اجازت دیں گے، تو دوسرے وارث کے لئے وصیت پر عمل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، یہ غیر مضار کے ساتھ تاکید لگ گئی، اگرچہ یہ لفظ یہیں آیا ہے لیکن ہر جگہ وصیت پر اعتبار ہے

وصیت کرنے والا نقصان پہنچانے کے جذبات پر نہ ہو یعنی کسی کو نقصان پہنچانے کا جذبہ اس میں نہ ہو اگر نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کرے گا تو بعض صورتوں میں اس کی وصیت نافذ ہی نہیں ہوگی ، اور بعض صورتوں میں اگر نافذ ہوگی تو آخرت میں وہ گناہ گار ہوگا، نہ نقصان پہنچانے والا ہو "وصیة من الله " اللہ تعالیٰ تمہیں یہ تاکیدی حکم دیتا ہے ،"والله علیم حلیم" اللہ تعالیٰ علم والا ہے، ان متعین حقوق میں کوئی کسی قسم کا خلل ڈالو گے تو اللہ کے علم میں ہے، اور اگر اس خلل ڈالنے کے بعد تمہیں وہ جلد سزا نہ دے تو سمجھ لینا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حلم اور بردباری ہے ورنہ یہ نہیں کہ تم سزا سے بچ جاؤ گے ایسی بات نہیں ہے۔

اطاعت کا انعام اور نافرمانی کی سزا:

"تلك حدود الله" یہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے بتائے ہوئے ضابطے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے اندر کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں کرنا چاہیے،"ومن یطع الله ورسوله " اور جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا،"یدخله جنات تجری من تحتها الانهار "اللہ تعالیٰ انہیں داخل کرے گا باغات میں جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، "خلدین فیها" اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے،"وذلك الفوز العظیم" اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ،"ومن یعص الله ورسوله" اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا،"ویتعد حدوده"اور اس کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا،"یدخله نارا خالدا فیها" داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں اور ہمیشہ پڑا رہے گا وہ اس آگ میں"وله عذاب مهین "اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

جو عورتیں ارتکاب کریں بے حیائی کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ بنالیا کرو ان پر

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى

اپنے میں سے چار آدمی، پھر اگر وہ چار گواہی دے دیں تو روک رکھا کرو ان عورتوں کو گھروں میں حتیٰ کہ

يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا

وفات دے دے ان کو موت یا بنادے اللہ ان کے لیے کوئی راستہ ﴿۱۵﴾ اور جو دو شخص اس بے حیائی کا ارتکاب کریں

مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ

تم میں سے پس ان دونوں کو تکلیف پہنچایا کرو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنے حالات ٹھیک کرلیں پھر تم ان سے اعراض کرجایا کرو بے شک اللہ

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۶﴾ سوائے اس کے نہیں توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے ہے جو کام کرتے ہیں

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ

برا نادانی سے پھر وہ جلدی ہی توبہ کرلیتے ہیں پس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کرتا ہے،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿۱۷﴾ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لیے جو برائیاں کرتے رہتے ہیں،

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی تو وہ کہتا ہے میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کے لیے توبہ ہے

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

جو مرجاتے ہیں اس حال میں کہ یہ کافر ہیں، یہی لوگ ہیں ہم نے تیار کیا ہے ان کے لیے دردناک عذاب ﴿۱۸﴾ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۗ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم وارث ہوجایا کرو عورتوں کے اس حال میں کہ وہ عورتیں ناگوار سمجھنے والی ہوں اور ان عورتوں کو روکا نہ کرو

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

تا کہ تم لے جاؤ اس مال کا بعض جو تم نے ان کو دیا ہے مگر یہ کہ وہ ارتکاب کریں صریح بے حیائی کا،

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

اچھے طریقے سے ان کے ساتھ مل جل کر رہا کرو اگر وہ عورتیں تمہیں طبعاً پسند نہیں (تو صبر کیا کرو) ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر خیر کثیر کردے ﴿۱۹﴾ اور اگر تم ارادہ کرو تبدیل کرنے کا ایک بیوی کو دوسری بیوی

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

کی جگہ اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی عورت کو ڈھیروں مال تو اس میں سے کچھ بھی نہ لیا کرو کیا تم اس مال کو لوگے

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

از روئے بہتان لگانے کے اور صریح گناہ کرنے کے ﴿۲۰﴾ اور کیسے لے سکتے ہو تم اس مال کو حالانکہ پہنچ چکا ہے تمہارا بعض

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ

بعض کی طرف اور ان عورتوں سے تم نے پختہ عہد لیا ہے ﴿۲۱﴾ نکاح نہ کیا کرو ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے آباء نے

النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع

مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، بے شک یہ بے حیائی کی بات ہے اور نفرت کی بات ہے، اور بہت بری بات ہے ﴿۲۲﴾

تفسیر:

زنا کی حد اور جاری کرنے کی شرائط:

ان آیات میں بھی کچھ اصول ذکر کیے گئے ہیں خاص طور پر عورتوں کے اوپر جو ظلم و ستم ہوتا تھا اس کی تلافی آخری آیات میں کی گئی ہے، پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے یعنی مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھے اس بے حیائی سے مراد مفسرین کے نزدیک زنا ہے، اور یہ آیات اس وقت اتری تھیں جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ابھی تک زنا کے بارے میں کوئی حد متعین نہیں ہوئی تھی تو یہ ذکر کیا گیا کہ

پہلے زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ طلب کیا کرو، جس وقت تک چار گواہ نہ ہوں اس وقت تک کسی پر زنا کا ثبوت نہیں ہوتا، اور یہ سخت پابندی اس لئے لگادی گئی کہ زنا ایک بہت بڑا اہم معاملہ ہے، جس میں صرف عورت ہی کی عزت نہیں جاتی بلکہ سارے کا سارا خاندان رسوا ہوتا ہے، اور اس کے بہت برے اثرات واقع ہوتے ہیں تو اجازت نہیں دی گئی کہ بغیر اہم ثبوت کے کوئی شخص کسی عورت کی طرف یا کسی مرد کی طرف اس جرم کو منسوب کرے ورنہ لوگوں کی عادت ہے کہ غصے میں آکے ضد میں آکے ایک دوسرے کی طرف اس قسم کے بے حیائی کے کاموں کو منسوب کرتے رہتے ہیں، اور جس کے نتیجے میں فساد جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے ہیں جیسے آج اس بے احتیاطی کے نتیجے میں کتنا بگاڑ ہے، جس پہ چاہا تہمت لگادی، جس کے متعلق چاہا برالفظ نکال دیا یہ عزت کا معاملہ ہے، اور یہ بہت بڑا جرم ہے معاشرت کے طور پر بھی اور نسب پر بھی اثر پڑتا ہے، اور خاندانوں کی عزتیں برباد ہوجاتی ہیں تو اجازت نہیں ہے کہ بغیر اہم ثبوت کے کوئی شخص زبان سے اس قسم کی بات نکالے۔

سورۃ النور کی تفسیر میں آپ کے سامنے آئے گا کہ اگر بلاوجہ کوئی شخص کسی دوسرے پر اس قسم کی تہمت لگادیتا ہے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرسکتا چاہے وہ قسمیں کھاتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو بھی اس کو پکڑ کر اس کی دبر پر اسی (۸۰) کوڑے لگادیئے جائیں گے، جب تک شہادت نہ ہو اس وقت تک کسی کو اپنی زبان سے اس قسم کے لفظ نکالنے کی اجازت نہیں ہے، پہلے تو چار گواہ طلب کیا کرو، اور پھر چار گواہ تم میں سے مسلمان ہونے چاہئیں، مرد ہونے چاہئیں حدود کے معاملے میں عورت کی شہادت قبول نہیں ہے، اور غیر مسلم کی شہادت مسلم کے معاملے میں ہوتی ہی نہیں، کسی معاملے میں حدود میں یہ بھی ایک احتیاط ہے کہ عورت کو گواہ نہیں بنایا جاتا، مرد ہونے چاہئیں پھر چار آدمی اگر گواہ ہوجائیں تو پھر ان عورتوں کو بطور سزا کے گھروں میں روک کر رکھو ان کو باہر نہ نکلنے دو، دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا اختلاط ختم کردو، یہ روکنا بطور سزا کے ہے، اور انتظار کرو یا تو اسی حالت میں مرجائیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے، بعد میں جس وقت حدود نازل ہوئیں تو سرور کائنات نے فرمایا کہ مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے سبیل بنادیا، تو گویا کہ حضور نے ان حدود کو سبیل کا مصداق بنایا فرمایا کہ اب اگر اس قسم کا جرم پایا جائے تو اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کے سو درے لگاؤ اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو رجم کرو، یہ سبیل کا مصداق بنایا۔

حضور نے اس روایت کے اندر تغریب عام کا ذکر کیا ہے کہ سال بھر اس کو جیل میں بھیج دیا جائے اپنے علاقے سے نکال دیا جائے، جلاوطن کردیا جائے لیکن اس جلاوطنی کے اضافے کو حد کے اندر شامل کیا گیا ہے یا نہیں کیا گیا، یہ فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ مسئلہ ہے، احناف کے نزدیک سو کوڑے یہ حد ہے جس کے معاف کرنے

کا حاکم کو کوئی حق نہیں ہے، ثبوت ہو جانے کے بعد اس حد کا معاف کرنا حاکم کے اختیارات سے باہر ہے، اور سال بھر کے لئے علاقے سے نکال دینا، جلاوطن کر دینا یا جیل میں بھیج دینا یہ بھی تغریب کا مصداق ہے یہ سیاست ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو سزا دے نہ مناسب سمجھے تو نہ سزا دے، فقہ حنفی میں آپ اس کی تفصیل یہی پڑھیں گے، اور شوافع کے نزدیک یہ بھی حد کا حصہ ہے کہ سو درے بھی لگانے پڑیں گے اور سال بھر کے لئے اس کو اس علاقہ سے باہر نکالنا پڑے گا، کسی دوسرے علاقے میں بھیج دیا جائے، بہرحال فقہاء کے نزدیک تغریب عام کے اندر اختلاف ہے، باقی حد جو ہے وہ سو کوڑے قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہوا ہے، رجم کا ذکر اگرچہ اس وقت قرآن کریم میں موجود نہیں لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نازل شدہ حکم ہے، اور سرور کائنات ﷺ نے اپنے سامنے بعض زانیوں کو رجم کروایا، اجماع امت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ شادی شدہ کو رجم کیا جاتا ہے، اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جاتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، قرآن کریم میں اگرچہ وہ پڑھا نہیں جاتا لیکن ہے ایسے ہی قطعی جیسے قرآن کریم کی آیت ہوتی ہے تو یہ سبیل کا مصداق ہے تو پھر سزا جس وقت دے دی جائے گی تو اب وہ حبس کی بات جو ہے وہ ختم ہو گئی ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد حاکم اس کے اوپر سزا جاری کر دے گا۔

"فاستشهدوا عليهن اربعة منكم" اپنے میں سے چار گواہ طلب کیا کرو، "فان شهدوا" پس اگر وہ گواہی دے دیں "فامسكوهن" پھر ان کو روک رکھا کرو بطور سزا کے باہر نہ آنے جانے دو، لوگوں سے ان کا اختلاط ختم کر دو حتی کہ انہیں موت وفات دے دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ متعین کر دے، اور راستہ متعین ہو گیا۔

والذان یاتیانها کا مصداق:

"والذان ياتيانها" یہ لفظ چونکہ مذکر کے صیغے کے ساتھ آیا ہے اس لئے بعض مفسرین نے اس کی تفسیر کی کہ جو دو مرد تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کرلیں، جب یہ ترجمہ کیا جائے گا تو پھر اس کا مصداق ہے قضائے شہوت بالجنس، جس کو آج کل لواطت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے یعنی مرد مرد کے ساتھ ارتکاب کرے، قضائے شہوت کرے تو پھر "والذان ياتيانها منكم" کا مصداق یہ دونوں ہوں گے اور اگر اس کو تغلیباً کیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اوپر ذکر صرف عورتوں کا ہوا ہے اور آگے تعمیم کر دی کہ یہ حکم صرف عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ سزا انہیں دینی ہے بلکہ جو شخص بھی یعنی مرد و عورت اس کا ارتکاب کر بیٹھیں دونوں کو تکلیف پہنچاؤ، دونوں کو تکلیف پہنچانے کی عورتوں کے لئے وہ صورت ہوگی کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، باہر آنے جانے نہ دو مرد کو گھر میں تو بند نہیں رکھا جائے گا، باہر چل پھر سکتا ہے لیکن اس کو دوسری طرح سے تکلیف پہنچاؤ، ملامت کرو، جوتے مارو، سزا دو جس طرح سے بھی ہو اور جب حد نازل ہو گئی پھر اس کے لئے بھی ایذاء کی صورت متعین ہو گئی کہ مرد ہو

تو اس کو بھی وہی سزا دی جائے گی جو حدِ زنا کے اندر ذکر کر دی گئی، اور اگر دو مرد مراد لئے جائیں پھر یہ سزا جو ہے گویا کہ لواطت کی سزا کے طور پر ذکر کی گئی کہ ان دونوں کو تکلیف پہنچایا کرو، پھر اس تکلیف کا مصداق صراحتاً شریعت کے اندر مذکور نہیں ہے، اس لئے فقہاء کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

مرد کا مرد سے شہوت پوری کرنا غیر فطری فعل ہے:

یہ فعل جس کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ زنا کے مقابلے میں زیادہ غلیظ ہے، اور زیادہ برا ہے اس لئے اس کو کتابوں کے اندر غیر فطری فعل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، غیر فطری فعل، غیر فطری کا مطلب یہ ہے کہ فطرت کا تقاضہ نہیں، یہ فطرت سے بغاوت ہے، فطرت کا تقاضا ہے کہ مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف ہو، اللہ تعالیٰ نے حیوان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ نر کا رجحان مادہ کی طرف ہے تمام انواع حیوانات میں کہ نر جو ہے وہ قضائے شہوت کرتا ہے مادہ کے ساتھ رجحان اس طرح سے ہے لیکن یہ نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کرے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے اندر یہ بات نہیں رکھی حیوانات کی فطرت کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ جتنے حیوانات آپ کے سامنے پھرتے ہیں کتے بلیوں سے لے کر پرندوں تک بڑے چھوٹے جتنے جانور بھی ہیں ان میں سے کبھی آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کر رہا ہو، نمونہ کوئی موجود نہیں، البتہ ایک کتاب کے اندر نظر سے گزرا ہے وہ ہمیشہ میں ذکر کیا کرتا ہوں، سیرت کی کتاب ہے "انسان العیون فی سیرت امین المامون" جس کو سیرت حلبی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس میں ایک جملہ ہے کہ "لایلوط من الحیوانات الا الحمار والخنزیر" یہ لواطت والا عمل حیوانات میں سے صرف گدھوں اور خنزیروں میں پایا جاتا ہے، باقی حیوانوں میں سے کسی حیوان میں نہیں ہے، تو میں بارہا ذکر کیا کرتا ہوں کہ ہمارے چاروں طرف گدھے تو ہیں ہی اور یہ علاقے کے اندر کثرت کے ساتھ موجود ہیں، لیکن آج تک ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملا کہ کسی شخص نے گدھے کو گدھے پر چڑھتے پایا ہو کہ "ادخال الفرج فی الفرج" ہو جائے، ویسے مستیاں کرتے ہوئے لڑتے بھڑتے ہوئے ٹانگ کسی کے اوپر رکھ لی، اس طرح سے چھیڑ چھاڑ تو کرتے رہتے ہیں باقی ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی کو دیکھا ہو جس کو قضائے شہوت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسا نمونہ ہمیں آج تک نہیں ملا۔

باقی خنزیروں کے ریوڑ ہم نے دیکھے نہیں ہیں جو لوگ ان کو گھروں میں رکھتے ہیں ان کے سامنے کوئی نمونہ ہو تو بے شک ہو، بہر حال حیوان کی تاریخ اس بات سے خالی ہے کہ نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کرے، جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ فطرت حیوانی نہیں یہ فطرت سے بغاوت ہے، اس لئے کوئی شخص اگر ارتکاب کرتا ہے تو ایسے سمجھو کہ وہ حیوانیت کی حدود سے باہر ہے اس لئے یہ جرم زیادہ سخت ہے، مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف یہ فطرت کا تقاضا ہے

یہ بات ہر حیوان میں پائی جاتی ہے، لیکن آگے پھر حیوان میں اور انسان میں فرق یوں ہوجائے گا کہ اگر کسی قاعدے اور قانون کا پابند ہے تو وہ انسان ہے اور اگر وہ قاعدے قانون کا پابند نہیں جس کو دیکھا اس سے قضائے شہوت کرلی جیسے باقی حیوانات میں نہ ماں کی تمیز ہے، نہ بیٹی کی تمیز ہے، نہ بہن کی تمیز ہے، جس کو دیکھا اس کے ساتھ قضائے شہوت کرلی، اگر یہ صورت حال پیش آجائے تو آپ زیادہ سے زیادہ اس کو حیوانیت کہیں گے بہرحال یہ حیوانی فطرت سے باہر نہیں، قاعدے قانون کے پابند ہونا یہ انسانیت ہے، انسان جو ہے وہ اس قاعدے قانون کا پابند ہے کہ فلاں حلال ہے فلاں حرام ہے، اس صورت میں حلال ہے اس صورت میں حرام ہے، اور حیوان اس چیز کا پابند نہیں تو یہ غیر فطری فعل ہے اس لئے شریعت نے بھی اس کے اوپر وعید زیادہ کی ہے۔

لواطت کی ابتداء:

قرآن کریم نے ایک مستقل قوم کا ذکر کیا ہے کہ جس کو اس جرم کے نتیجے میں تباہ و برباد کر دیا گیا وہ قوم لوط ہے، لوط علیہ السلام اللہ کے پیارے پیغمبر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں ان کو ایک بستی سدوم میں متعین کیا گیا تھا اور اسی کے ساتھ ملحق بستیاں تھیں جن کے ساتھ یہ قوم آباد تھی ان میں کفر و شرک کے علاوہ اس قسم کا فعل بھی پایا جاتا تھا کہ وہ مرد عورت کی طرف رجحان رکھنے کی بجائے مرد مرد کی طرف رجحان رکھتا تھا۔

اور یہ کام انہیں سے شروع ہوا، اس سے پہلے انسانی معاشرے کے اندر یہ چیز موجود نہیں تھی جیسے کہ قرآن کریم میں موجود ہے ''ماسبقکم بھامن احدمن العالمین'' تمام جہانوں میں سے اس حرکت کے ساتھ تم سے کوئی شخص سبقت نہیں لے گیا، اس فعل کی ایجاد بھی انہیں کی ہے، یہ شروع بھی انہیں سے ہوا، باقی یہ ان میں کیسے شروع ہوگیا؟ یہ غیر فطری فعل اس میں اب کوئی واضح ثبوت تو ہے نہیں، اسرائیلی روایات قصے کہانیوں کی کتابیں ان میں اس قسم کی باتیں آتی ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک وعظ کے اندر ذکر فرمایا کہ اس کی ابتداء کس طرح سے ہوئی وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا باغ تھا، اور شیطان انسان کو اس غیر فطری فعل کے اندر مبتلا کرنا چاہتا تھا، بربادی لانے کے لئے تاکہ اس کی نسل منقطع ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین جرم کا مرتکب ہوجائے کیونکہ اس فعل کے نتیجے میں نسل بھی منقطع ہوجاتی ہے، جب عورتوں کی طرف رجحان نہیں ہوگا تو آگے اولاد کس طرح سے ہوگی؟ تو شیطان ایک خوبصورت لونڈے کی شکل میں اس باغ میں گیا اور جا کے پھل توڑنے شروع کر دیئے اور خراب کرنے شروع کر دیئے، باغ والے نے اس کو پکڑ لیا، پکڑ کے مارنا شروع کر دیا بہت پیٹا اور اس کو باغ سے نکال دیا اور اگلے دن وہ پھر آ گیا پھر آ کے اس نے اسی طرح سے حرکتیں شروع کر دیں، باغ والے نے پھر پکڑ لیا پھر اس کو

سزادی اور نکال دیا، اگلے دن پھر وہ آ گیا حتی کہ باغ والا اس کو پیٹتا پیٹتا عاجز آ گیا لیکن اس لونڈے نے اپنی حرکت نہ چھوڑی، باغ میں آتا اور بربادی لاتا، آخر باغ والے نے عاجز آ کر اس سے پوچھا کہ تو کسی طرح یہاں آنے سے رک بھی سکتا ہے مار مار کے تو میں نے دیکھ لیا ہے، وہ کہنے لگا کہ ایک کام اگر کرو تو پھر میں رک جاؤں گا وہ کہنے لگا کہ وہ کیا؟ تو اس نے کہا کہ میرے ساتھ یوں کرو جب اس باغ والے کو اپنے ساتھ مبتلاء کر لیا اب یہ ایک قدرتی سی بات ہے کہ اس کو اس میں لذت زیادہ آئی مقام کے تنگ اور خشک ہونے کی وجہ سے وہاں سے اس کو عادت پڑی، تو دوسرے کو نشاندہی کی تیسرے کو نشاندہی کی اس طرح کرتے کرتے سارا معاشرہ جو تھا وہ اس کی لپیٹ میں آ گیا، تو حضرت لوط علیہ السلام کے ذمے خاص طور پر اس فاحشہ کو مٹانے کا کام لگایا گیا تھا، اور انہوں نے بہت کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا حتی کہ جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ان کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جس طرح اس کی تفصیل قرآن کریم میں ہے، تو اس قوم سے یہ رسم بد جو تھی یہ انسانی معاشرے میں آئی اب چونکہ یہ کام شروع ہوا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے تو نسبت بھی اس کام کی ادھر ہو گئی۔

لفظ لواطت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے:

حدیث شریف میں جو عنوان ذکر کیا گیا ہے اس فعل کو نقل کرتے ہوئے وہ یہ ہے ”من عمل عملا قوم لوط“ اتنی لمبی ترکیب حضور ﷺ استعمال فرماتے ہیں، ”من عمل عملا قوم لوط“ جو کوئی شخص قوم لوط علیہ السلام جیسا عمل کرے، ”فاقتل الفاعل والمفعول به“ تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دیا کرو، ”ملعون من عمل عملا قوم لوط“ جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے وہ ملعون ہے، اس پر لعنت ہے اور اسی طرح سے اور روایتوں کے اندر بھی اتنی لمبی ترکیب نقل کی گئی ہے، ”من عمل عملا قوم لوط“ لیکن بعد میں ایک لفظ مستعمل ہو گیا، نیا لفظ بنا لیا گیا اب بن گیا، چل گیا تو فقہ کی کتابوں کے اندر آتا ہے، تفسیر کی کتابوں میں بھی آتا ہے، شارحین حدیث بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں لیکن ذخیرہ حدیث میں یہ لفظ ہے ہی نہیں یعنی یہ لفظ لواطت نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، حدیث شریف میں جہاں ذکر کیا گیا اتنی لمبی ترکیب کے ساتھ ذکر کیا گیا، ”من عمل عملا قوم لوط“ اب یہ لفظ مستحدث ہے بنا لیا گیا، جس نے بھی بنایا ہے اور اس لفظ کو ایجاد کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے، ہے یہ بہت بڑی زیادتی اب فعل اس سے استعمال ہوتا ہے، ”لاط یلوط“ گویا کہ اس نبی کے نام سے اس فعل کو اخذ کر لیا حالانکہ اس نبی کا اس سے کیا تعلق تھا؟ حرکت تو قوم کی تھی اب حضرت کا نام اس درجے میں آ گیا کہ کوئی شخص ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرتا ہوا ابراہیمی کہلائے گا، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کرتا ہوا عیسوی کہلائے گا، موسیٰ علیہ السلام کی طرف

نسبت کرتا ہوا موسوی کہلائے گا، محمد کی طرف نسبت کرتا ہوا محمدی کہلائے گا لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی لوطی کہلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ جہاں لوطی کا لفظ آیا نسبت اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ہے لیکن فوراً ذہن جو ہے وہ اس برے کام کی طرف چلا جاتا ہے، تو ایک نبی کے نام سے جو اس کو اخذ کر لیا گیا ہوگا۔

اب تو مفسرین بھی نقل کرتے ہیں، فقہ کی کتابوں کے اندر بھی آتا ہے، ادب کی کتابوں کے اندر بھی آتا ہے ''لاط یلوط'' فعل بن گیا لیکن اس کی ابتداء جو ہے وہ اچھی نہیں ہے جس میں نبی کا نام آ گیا ورنہ حدیث شریف کے اندر جو سرور کائنات سے نقل کیا گیا ہے تو اس کو اس انداز کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ''من عمل عملا قوم لوط'' ''قوم لوط والا کوئی شخص عمل کرے'' اتنی لمبی ترکیب کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

لواطت کی سزا:

سزا اس کی شریعت میں کیا ہے؟ قرآن کریم میں صرف یہی لفظ آیا ہے ''فاذوھما'' یا قوم لوط کو جو سزا دی گئی تھی ان کے اوپر سنگ باری کی گئی اور اس علاقے کو الٹ دیا گیا، زمین کے نیچے دبا کر ان کو ہلاک کر دیا گیا، لیکن متعین طور پر کوئی سزا ہماری شریعت میں جو ایسا کام کرتا ہوا پایا جائے متفق علیہ نہیں ہے صحابہ کرام کے اندر اس بارے میں اختلاف ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عبدالملک رضی اللہ عنہ جو خلیفہ اموی ہوا ان چاروں خلفاء کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا اور کوئی شخص اس فعل کا مرتکب پایا گیا تو انہوں نے اس کو زندہ آگ میں جلایا، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس کو کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اس کے اوپر دیوار گراؤ تاکہ قوم لوط والا نمونہ آ جائے، بعض کا قول یہ ہے کہ کسی بلند سے بلند عمارت پر لے جا کر سر کے بل اس کو زمین پر گرا کر اس کو ہلاک کر دو، پہاڑ کی چوٹی سے اس کو دھکا دے کر اس کو ہلاک کر دو اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے، اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ جس طرح حد زنا ہے ویسے ہی اس کو زنا کی سزا دی جائے۔

اور فقہاء میں بھی اسی وجہ سے اختلاف ہے بعضے اس کو زنا کی تعریف میں شامل کرتے ہیں وہ تو اس کے اوپر زنا والی سزا دیں گے، اور بعضے اس کو زنا کی تعریف میں شامل نہیں کرتے بلکہ فاحشہ کا مرتکب قرار دے کر اس کے لئے حاکم کو اختیار دے دیتے ہیں تعزیر کا، چاہے وہ درے لگا دے اور اگر بار بار سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتا تو اس کو قتل بھی کروا سکتا ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسری سزا دینا چاہے تو وہ بھی دے سکتا ہے، اس کی حدود کو وسیع کر دیا گیا، صاحبین کے نزدیک یہ زنا کے حکم میں ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں تعزیر ہے جو حاکم کے

اختیار میں ہے اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ زنا کے حکم میں ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کی سزا کے اندر اختلاف نہ ہوتا کیونکہ زنا کی حد تو قرآن کریم میں متعین ذکر کر دی گئی اس میں تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، تو جب اس کی سزا میں اختلاف کیا گیا ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ زنا کی تعریف میں نہیں ہے، سزا اس کی سخت ہے، تو مرد مرد کے ساتھ کرے تب بھی یہی بات ہے اور مرد عورت کے ساتھ دبر میں اس قسم کی شرارت کرے تب بھی یہی بات یہ فعل بھی حرام ہے، چاہے اپنی عورت کے ساتھ دبر میں اس قسم کی شرارت کرے تب بھی یہی بات یہ فعل بھی حرام ہے چاہے اپنی بیوی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؟ اس کی اجازت نہیں ہے یہ یہاں بھی غیر فطری فعل ہے، یہ ''اذوهما'' کی تفسیر کے تحت آ گئی کہ ان کو ایذاء پہنچاؤ اور اس ایذاء کی تفصیل یہ ہے اور اگر مرد اور عورت دونوں مراد لئے جائیں تو ایذاء کا مصداق وہی حد زنا اور اگر دو مرد مراد لئے جائیں تو اس کی تفصیل یہ ہے جو آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی بہر حال عقلاً عرفاً شرعاً ہر طریقے سے زنا کے مقابلہ میں یہ فعل زیادہ قبیح ہے۔

''فان تابا'' پھر اگر یہ دونوں توبہ کرلیں یہاں بھی اسی طرح سے یا دو مرد مراد ہیں یا ایک مرد اور ایک عورت مراد ہیں اور مذکر کا صیغہ تغلیباً آ جائے گا ''واصلحا'' اور اپنے فعل کو درست کرلیں، ''فاعرضوا عنهما'' پھر ان کا پیچھا چھوڑ دیا کرو پھر ہر وقت ان کے پیچھے لگے رہنا ملامت کرنا طعنے دینا یہ مناسب نہیں ہے، ان کے توبہ کر لینے کے بعد اور اصلاح کر لینے کے بعد ان کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے ''ان الله كان توابا رحيما'' بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

توبہ کی حقیقت:

آگے پھر توبہ کے متعلق کچھ آداب ذکر کر دیئے گئے، کیونکہ یہاں ''فان تابا'' توبہ کا ذکر آ گیا ہے اس کی مناسبت سے آگے توبہ کا مسئلہ ذکر کر دیا گیا، توبہ کی حقیقت حدیث شریف سے جس طرح معلوم ہوتی ہے ''التوبة ندامة'' اپنے کیے ہوئے پر شرمندہ ہونا یہ توبہ ہے اور اس شرمندگی کا تعلق قلب کے ساتھ ہے، دل میں انسان نادم ہو جائے، شرمسار ہو جائے، پشیمان ہو جائے کہ میں نے یہ کام کیوں کر لیا، مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیئے تھا، قلب کے اوپر یہ کیفیت طاری ہو جائے یہ حقیقت میں توبہ ہے، اور استغفار کا لفظ ہم بولا کرتے ہیں اس کا تعلق لسان کے ساتھ ہے توبہ استغفار دونوں لفظ آ جائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پشیمان ہو اور زبان سے اس توبہ کے لفظ کو استعمال کرے جو توبہ اور استغفار کی شکل میں آ جائیں، جس طرح سے ایمان کی حقیقت قلب سے تعلق رکھتی ہے اور ایک اقرار باللسان ہے اس طرح توبہ کا ایک تعلق قلب کے ساتھ ہے کہ دل میں ندامت ہو پشیمانی ہو اور

دوسرا تعلق اس کا زبان کے ساتھ ہے کہ زبان سے اقرار بھی کرے کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی آئندہ میں اس قسم کی غلطی نہیں کروں گا، یہ حقیقت ہے اس توبہ کی اور اگر دل کے اندر ندامت نہ ہو بلکہ دل میں تو اسی طرح سے شوق ہے اور پتہ بھی ہے کہ دوسرے موقع پر میں نے اسی طرح سے کرنا ہے اور انسان اس فعل سے باز نہیں آتا تو زبان کے ساتھ ایک لاکھ دفعہ بھی توبہ استغفار کرے تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ بے حقیقت توبہ ہے۔

جس طرح سے وہ فارسی کا ایک شعر آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ میں تو تسبیح پکڑی ہوئی ہے زبان پر توبہ توبہ دل اسی طرح گناہ کے شوق کے ساتھ بھرا ہوا ہے، تو گناہ کھڑا ہنستا ہے ہمارے استغفار پر کہ تیرا یہ استغفار مجھے مٹا نہیں سکتا، یہ مجھے دفعہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، تو اس کی قبولیت کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ قلب کے اندر ندامت آئے جس وقت تک انسان دلی طور پر شرمسار نہ ہو اس وقت تک توبہ کی حقیقت مہیا نہیں ہوتی، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لئے رکنے کا عزم ہو کہ پچھلے کے اوپر پشیمانی ظاہر کرے اور آئندہ کے لئے تہیہ کرے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، توبہ کرتے وقت یہ عزم ہو کہ میں آئندہ یہ کام نہیں کروں گا، میں بچ کے رہوں گا تو توبہ صحیح ہوگی، لیکن اگر پھر جذبات سے مغلوب ہو کر ماحول سے متاثر ہو کر یا نفسانی شرارت سے شیطان کے اکسانے بہکانے سے دوبارہ پھر اس جرم کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے پہلے گناہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ مستقل فعل ہے اس کے لئے مستقل توبہ چاہیئے، دوبارہ پھر توبہ کر لی جائے، پہلی توبہ اپنی جگہ بحال ہے جو اس سے پہلے گناہ کیا ہوا تھا وہ مٹ گیا پھر گناہ ہو گیا اب اس کے لئے دوبارہ توبہ کرو جتنی دفعہ بھی یہ فعل ہوتا جائے بشرطیکہ توبہ کرتے وقت دوبارہ اس کام کے کرنے کا ارادہ نہ ہو توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ ہو سکتا ہے اس لئے حضور نے فرمایا "**ما اصر من استغفر**" جو استغفار کر لے اس کو اڑنے والا نہیں کہا جا سکتا کہ یہ معصیت کے اوپر اڑا ہوا ہے "**وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ**" (مشکوٰۃ ص ۲۰۴) اگرچہ ایک دن کے اندر اس فعل کا ارتکاب وہ ستر دفعہ کرے، ستر دفعہ بھی اس سے اس فعل کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو بھی اس کو مصر نہیں سمجھا جائے گا اگر وہ شخص صدق دل کے ساتھ توبہ کر لے، مطلب یہ ہے کہ توبہ کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ یہ کام دوبارہ نہیں کرنا لیکن اگر پھر کسی وجہ سے پھسل گیا تو ایسی صورت میں پھر توبہ کی گنجائش ہے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔

غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں "**باز آ باز آ چہ ہستی باز آ**" اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے جو کچھ بھی تم ہو ایک دفعہ آ جاؤ اللہ کے سامنے، کافر ہو، آتش پرست ہو، بت پرست ہو جو کچھ بھی ہو آ جاؤ اس دربار میں ناامیدی نہیں ہے، اگر ستر دفعہ بھی توبہ کر کے توڑ چکے ہو اب بھی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ پھر گناہ معاف کر دیں گے۔

بہترین گناہگار:

تو توبہ کرتے وقت یہ عزم ہونا چاہیئے کہ ہم دوبارہ اس کام کو نہیں کریں گے اور اگر پھر بعد میں ہو بھی جائے تو بھی اسی طرح سے باز آئے اللہ تعالیٰ نے یہ توبہ کا مسئلہ جو ذکر فرمایا یہ انسانی دنیا کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان ہے کیونکہ گناہ ہو ہی نہ یہ تو فرشتوں کی حالت ہے، "لایعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایؤمرون" یہ فرشتوں کا مقام ہے کہ ان سے کوئی معصیت نہ ہو ان کی اللہ تعالیٰ نے فطرت ہی ایسی رکھی ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق چلتے ہیں اللہ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے یا انسانی طبقات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو یہ شرف دیا ہے کہ ان سے معصیت صادر نہیں ہوتی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ایک قسم کے قادر ہی نہیں ہوتے، یہ مسئلہ آپ کے سامنے عصمت انبیاء علیہم السلام کا آچکا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر باقی انسانی معاشرہ جتنا بھی ہے نیک ہو بد ہو، ولی ہو غیر ولی ہو، عالم ہو جاہل ہو اس دنیا میں رہتے ہوئے قدم پھسل جاتا ہے، گناہ کے اسباب چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، کہیں آنکھ خطا کر جاتی ہے، کہیں کان بہک جاتا ہے، اور کہیں دل بھٹک جاتا ہے، کہیں قدم سے لغزش ہو جاتی ہے، اس قسم کے حالات ہوتے رہتے ہیں جب کیچڑ زیادہ ہوتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں دنیا کے اندر اسی طرح سے ہوتا رہتا ہے، اب اگر اس میں توبہ کی بات نہ ہوتی اور اگر اللہ تعالیٰ اس کے ازالے کی کوئی تدبیر نہ بتاتے تو پھر کوئی شخص بھی اپنے نامہ اعمال کو صاف نہیں رکھ سکتا تھا ہاں البتہ معصیت کے بعد اس پر اڑ جانا ندامت کا اظہار نہ کرنا یہ شیاطین کا کام ہے۔

اور بنی آدم کی بات یہی ہے "کل بنی آدم خطاء" جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جتنے بچے ہیں سب خطاکار ہیں "وخیر الخطائین التوابون" (مشکوٰۃ ص ۲۰۴) لیکن ان خطاکاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں اس لئے غلطی اور لغزش ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے رو پڑنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ دینا ندامت کا اظہار کرنا یہ اصل میں آدمیت ہے، آدمی ہونے کا تقاضا یہی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے کہ اس غلطی اور اس نقص کے تدارک کا طریقہ بتا دیا۔

قبولیت توبہ کی شرائط:

اب جب گناہ ہو جائے یہاں قبولیت توبہ کے لئے ایک ضابطہ ذکر کیا جارہا ہے کہ گناہ ہوتا ہے بسا اوقات جذبات سے مغلوب ہو گئے، "بجھالۃ" کا لفظ جس طرح سے آیا، جہالت سے کیا مراد ہے اس میں بھی دونوں رائیں ہیں، یا تو یہاں جہالت سے مطلقاً بدعملی مراد ہے جو شخص بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ جاہل ہے، یوں سمجھو کہ

اس نے علم کے تقاضے چھوڑ دیئے اگر اس پر گناہ کی حقیقت مستحضر ہوتی اور اس کی سزا پر اس کو کامل یقین ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا، آپ کو پتہ ہے کہ آگ جلاتی ہے، آپ کو یقین ہے کہ انگارہ جلاتا ہے اور اگر کوئی شخص جہالت سے کام لے اور اٹھا کر انگارے کو گود میں رکھ لے کہیں گے کہ دیکھو نادان ہے اس نے حماقت کر لی اس نے جہالت کر لی کیونکہ اس نے اپنے علم کے تقاضے کو چھوڑ دیا۔

بچھو آپ کے سامنے ہے آپ کو پتہ ہے کہ یہ ڈنگ مارتا ہے اور ڈنگ کے بعد درد ہوتا ہے تو کوئی شخص اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کرتا، اور اگر اس کو کوئی ہاتھ لگائے گا پھر وہ ڈنگ جائے، اور درد ہو تو سارے کہیں گے کہ جاہل نادان تو نے ایسے کیوں کیا، تجھے پتہ نہیں تھا کہ بچھو ڈنگ مارتا ہے اور درد ہوتا ہے، جب تک کوئی اس تقاضے کو پورا نہیں کرتا جو علم کا تقاضہ ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ جاہل ہے اس لئے ہر بد عملی جو ہے وہ جہالت کا مصداق ہے تو یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ نادانی کے ساتھ، حماقت کے ساتھ، بے وقوفی سے اگر کوئی شخص گناہ کرے اور جو بھی گناہ کرتا ہے نادانی سے بے وقوفی سے حماقت کرتا ہے ورنہ اس گناہ کا جو نتیجہ ہے کہ قلیل لذت کے لئے کثیر عذاب جو برداشت کرنا پڑے گا، یا دو چار منٹ کی لذت کے لئے ہمیشہ کی رسوائی جو برداشت کرنا پڑے گی اگر اس کا استحضار ہو تو کوئی شخص گناہ کے قریب نہیں جاتا، تو ایسا کرنا گویا کہ جہالت ہے۔

دوسری قید یہ آئے گی کہ توبہ جلدی کرلے تو جلدی کا کیا مصداق ہے؟ ایک تو یہ ہے کہ جب تنبیہ ہوئی فوراً ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلی اور ایک یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے غرغرہ کی کیفیت سے پہلے پہلے توبہ کرلی جائے تو روایت کی طرف دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی "من قريب" کا مصداق ہے ہاں البتہ جس وقت جان کنی شروع ہو جائے گی اور آخرت منکشف ہو جائے گی ایسے وقت میں پھر توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، یہ "من قريب" کیا ہے؟ یہ موت سے قبل قبل بھی صادق آئے گی، اور "بجهالة" اگر غلط کار کے ساتھ صادق آ گیا تو ایسی صورت میں توبہ جو ہے وہ یوں وسعت اختیار کر گئی، اور اگر ان دونوں لفظوں کو احتراز کے لئے بنایا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ بسا اوقات تو گناہ ہوتا ہے کہ انسان جذبات میں یوں مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل اس کی کام کی نہیں رہتی جہالت سے یہی مغلوبیت جذبات کی مراد ہے، جہالت جس طرح علم کے مقابلہ میں آتی ہے اسی طرح سے حلم کے مقابلہ میں بھی آتی ہے کہ انسان سے برداشت کا دامن چھوٹ جائے اس کو بھی جہالت کہتے ہیں، "بعض الحلم عند الجهل" جس طرح سے حماسہ میں آپ نے پڑھا کہ بعض بعض برداشت دوسرے کی طرف سے جہالت کے مقابلے میں یہ اپنی ذلت کا یقین ہوتا ہے، دوسرے کی طرف سے تو جذباتی معاملہ ہو رہا ہے اور آپ اس کو آگے سے برداشت کرتے رہیں تو یہ حلم اور جہالت کا آپس میں مقابلہ ہے، تو جیسے علم آیا کرتا ہے جہالت کے مقابلہ میں ایسے حلم بھی آتا ہے۔

تو جو جذبات سے مغلوب ہوگئے اور مغلوب ہو کر ارتکاب کر بیٹھے تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی یہ توبہ ایسی ہے جس کے قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے، اور ایک ہے کہ مغلوب نہیں ہوئے بالکل اچھی طرح سے ہوش حواس قائم ہیں گناہ کی نوعیت بھی ہے سوچتے ہوئے قدم اٹھاتے ہوئے اس گناہ میں مبتلا ہوئے ہیں تو یہ گناہ گویا کہ ''بجهالة'' نہیں ہے، اور پھر گناہ کرنے کے بعد متنبہ ہو کر فوراً توبہ نہیں کرتے اور اس معاملے کو ملتوی کر دیتے ہو سستی کر جاتے ہو تو یہ ''من قریب'' نہیں ہے ایسی توبہ کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں ہے، باقی اپنی رحمت کے ساتھ اگر گناہ معاف کر دے تو کر دے وعدہ اس کا ہے کہ کسی وجہ سے جذبات سے مغلوب ہوگئے اور اس فعل میں مبتلا ہوگئے اور تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی اس قسم کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے، پھر جیسا گناہ ہوتا ہے ویسے ہی توبہ ہوتی ہے، مخفی گناہ اس کی توبہ بھی مخفی، اور اگر کوئی گناہ علی الاعلان کیا ہے تو اس کی توبہ بھی علی الاعلان کرنی پڑتی ہے، اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے تو وہ یا ادا کرنے پڑتے ہیں یا معاف کروانے پڑتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے فرائض کے ساتھ ہے تو اگر کسی کی قضاء ہے تو قضاء دینی پڑتی ہے، اور اگر کفارہ ہے تو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے وہ ساری کی ساری تفصیل آپ کتابوں میں پڑھیں گے توبہ کے قبول ہونے کے لئے ان سب چیزوں کا ہونا ضروری ہے، اگر ترک صلوۃ کا آپ نے گناہ کیا ہے تو اس کی توبہ یہ نہیں کہ آپ توبہ واستغفار کر لیں بلکہ اس کو قضاء کریں، اور قضاء کرنے کے بعد پھر اپنے قصور کی معافی مانگیں، کسی کی عزت کو آپ نے کوئی نقصان پہنچایا ہے یا اس کا تاوان دیں یا اس سے معاف کروائیں تب جا کے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ قبول ہوگی، لوگوں پر ظلم کرتے رہو، ان کا مال کھاتے رہو اور حق دباتے رہو تو توبہ استغفار زبان سے ادا کرنے کے ساتھ گناہ معاف نہیں ہوا کرتے یہ ساری تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔

تو ''بجهالة من قریب'' کو واقعی قاعدہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ جب گناہ ہوگا جہالت کے ساتھ ہوگا موت سے پہلے جو توبہ ہوگی وہ ''من قریب'' ہے، تو پھر ساری زندگی پہ پھیل گئی یہ آیت، اور اگر احترازی بنایا جائے تو ''بجهالة'' کا مطلب ہوگا کہ جذبات سے مغلوب ہو کر غلطی کر بیٹھے اور ''من قریب'' کا مطلب ہو گیا کہ تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی، ''سوائے اس کے نہیں کہ قبولیت توبہ اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لئے ہے جو برا کام کرتے ہیں نادانی سے پھر توبہ کر لیتے ہیں جلدی سے بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر توجہ فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے''۔

موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی:

''نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے جو کہ برائیاں کرتے رہتے ہیں'' گناہ میں مبتلا رہتے ہیں، تنبیہ ہونے کے

باوجود باز نہیں آتے حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی کو موت آتی ہے یعنی موت کی کیفیت طاری ہوگئی، غرغرہ کی کیفیت طاری ہوگئی، عالم آخرت منکشف ہوگیا، اللہ کا عذاب سامنے آگیا تو اس وقت کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اب توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

توبہ کا وقت دو طرح سے ختم ہوتا ہے ایک تو سارے عالم کے لئے ختم ہوگا جس وقت کہ مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوکر آئے گا پھر توبہ کا کوئی وقت نہیں رہے گا، اور تنبیہ کے طور پر توبہ کا وقت ختم ہوجاتا ہے کہ جس وقت نزاع کا عالم طاری ہوجائے، غرغرے کی کیفیت طاری ہوجائے، اور عالم آخرت منکشف ہوجائے اب توبہ کا وقت ختم ہوگیا اس سے پہلے پہلے چاہے مایوسی ہوجائے کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا لیکن ابھی نزع کی کیفیت نہیں ہوئی اس وقت تک توبہ کی گنجائش ہے یعنی اتنا بیمار ہوگیا کہ اب اندازہ ہے کہ اب یہ بچے گا نہیں، لیکن اب تک نزع کی کیفیت نہیں آئی اس وقت تک توبہ کی گنجائش ہے، البتہ نزع کی کیفیت آجانے کے بعد جب عالم آخرت منکشف ہوجائے، فرشتے نظر آنے لگ جائیں ایسی صورت میں پھر توبہ قبول نہیں ہوتی، نہ کسی کا ایمان لانا معتبر نہ کسی کا گناہ سے توبہ کرنا معتبر جیسے ''طلوع الشمس من المغرب'' کے بعد نہ کسی کا ایمان لانا معتبر نہ کسی کا گناہوں سے توبہ کرنا معتبر۔

"قال انی تبت الآن" کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں ''ولا الذین یموتون'' اور نہ توبہ ان لوگوں کے لئے جو کفر کی حالت میں مرجائیں وہ مرتے وقت کفر سے توبہ کریں یا وفات ان کی کفر پر ہوگئی اور زندگی کے اندر جو گناہوں سے توبہ کرتے رہے وہ بھی قبول نہیں ہے کیونکہ قبولیت توبہ کے لئے ایمان شرط ہے، ''اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما'' یہی لوگ ہیں کہ جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

والدین اولاد کو میراث سے محروم نہیں کرسکتے:

سوال والدین اپنے بچے کو وراثت سے محروم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب یہ مسئلہ شریعت کے اندر واضح طور پر مذکور ہے کہ میراث یہ اضطراری حق ہے یعنی اگر وارث کہے کہ میں وارث نہیں بننا چاہتا تو بھی وراثت اس کے ملک میں آجاتی ہے اپنے مورث کے مرنے کے بعد، اور مرنے والا کہہ دے کہ فلاں میرا بیٹا وارث نہیں ہے یا زندگی میں وصیت کرجائے کہ میرے فلاں بیٹے کو وراثت نہ دینا، یہ اس کو کوئی حق نہیں ہے مرنے کے بعد وہ وارث ہے کسی وارث کو محروم کرنے کا حق کسی شخص کو نہیں ہے یہ وراثت اضطراری ملکیت ہے، یہ اختیاری ملکیت نہیں ہے، وارث اپنی زبان سے نفی کردے کہ میں وارث نہیں ہوں تو بھی وہ وارث ہے، مرنے والا کہہ دے کہ فلاں لڑکا میرا وارث نہیں ہے تو بھی وہ وارث ہے، ہاں البتہ محروم کرنے کی ایک صورت ہوتی ہے کہ اپنی

زندگی میں صحت کی حالت میں مرض الموت کے اندر یہ مبتلا نہیں ہے اپنے اختیار کے ساتھ اپنی جائیداد کسی دوسرے کے نام منتقل کردے اور اس کو قبضہ دے دے، جب مرے تو اس کے پاس ہو ہی کچھ نہ، پھر ورثاء محروم ہی محروم ہیں پھر یہ شخص اگر اس نیت سے کر رہا ہے تاکہ میرے ورثاء کو نہ پہنچے پھر یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ گار ہے، قانون شریعت کے اندر دوسرا شخص مالک ہوجائے گا، اور وارث جو ہیں وہ محروم ہوجائیں گے، ورنہ اگر مرتے وقت اس کی ملکیت میں کوئی چیز ہوئی تو جو قانونی طور پر اس کے وارث ہیں وہ چیز ان کی ملکیت میں آئے گی، اور اس کے منع کرنے کے ساتھ وہ منع نہیں ہوگی کیونکہ یہ فعل اضطراری ہے اختیاری نہیں ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عورت پر ظلم اور اسلام کی تعلیم:

"یایھاالذین آمنو ا لایحل لکم ان ترثوالنساء کرھا" ان آیات میں پھر جاہلیت کی رسوم قبیحہ کی تردید ہے، عورتوں کے بارے میں جاہلیت میں بہت ظلم وستم کے طریقے تھے اگر کسی شخص کی کوئی بیوی ہوتی جس وقت وہ فوت ہوجاتا تو اس کے ورثاء جس طرح مال کے مالک بنتے تھے اسی طرح اس کی بیوی پر بھی قبضہ کرلیتے تھے حتیٰ کہ سوتیلی اولاد اپنے اس باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح بھی کرلیتی تھی اور اگر نکاح نہ بھی کرتے تو اس کو اپنے گھر میں زبردستی روک کر رکھتے مقصد یہ ہوتا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ ہمیں دے کر جان چھڑوالے، یا ہم اپنی مرضی کے ساتھ دوسری جگہ نکاح کریں گے، اور وہاں سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے، اور اسی طرح سے وراثت دینے کا رواج تھا ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برے طریقوں کی تردید کی ہے کہ اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جایا کرو، زبردستی کی قید یہ واقعہ کا بیان ہے تو اس وقت واقعہ ایسے ہی تھا کہ عورت چاہے نہ چاہے ورثاء جو تھے وہ مرنے والوں کی عورتوں پر بھی قبضہ کرلیتے تھے، انہیں روکا نہ کرو، عضل شدت کے ساتھ منع کرنے کو کہتے ہیں انہیں روکا نہ کرو اس نیت سے کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو یا تمہارا مورث جو کچھ دے چکا ہے اس کا بعض حصہ تم لے لو۔

بیویوں کے ساتھ لوگ ایسا کرتے تھے، بیویوں کے ساتھ نہ تو وہ زوجیت والا تعلق رکھتے تھے نہ ان کو طلاق دے کر فارغ کرتے تھے، بلکہ گھروں میں بٹھائے رکھتے تھے مختلف طریقوں سے تنگ کرتے تھے تاکہ ہمارا مہر واپس کردے اور پھر ہم اس کو اپنے گھر سے نکال دیں اور طلاق دے دیں،، اور پھر ہم اس کو اپنے گھر سے نکالیں گے اور طلاق دیں گے دیا ہوا مہر واپس لینے کے لئے اسی طرح سے اور مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنی بیویوں کو بھی تنگ کرتے تھے اس لئے " ما آتیتموھن " کا مصداق ازواج بھی ہوسکتی ہیں کہ جو کچھ تم نے اپنی بیویوں کو

دیا ہے اس میں سے بعض حصے کو وصول کرنے کے لئے ان کو روک کر گھروں میں نہ بٹھالیا کرو، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو تمہارے مورث نے دیا ہے جو مر گیا اس کے دیے ہوئے سے کچھ وصول کرنے کے لئے تم ان کو گھروں میں نہ روک رکھا کرو۔

"الاان یأتین بفاحشۃ مبینۃ" مگر یہ کہ وہ عورتیں کسی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں، صریح بے حیائی میں یہ بھی ہے کہ ہیں تمہاری بیویاں مگر وہ نافرمان ہیں وہ تمہارے ساتھ خود نبھا نہیں کرنا چاہتیں، مردوں کا قصور نہیں ہے، قصور وار عورت ہے تو ایسی صورت میں مرد کے لئے جائز ہے کہ عورت سے کچھ لئے بغیر طلاق نہ دے اور دیا ہوا مہر واپس لے لے، اور پھر طلاق دے جس وقت کہ نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہم خلع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یا طلاق علی المال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ جب نافرمانی ہے ہی عورت کی جانب سے مرد اس کو بسانا چاہتا ہے مگر وہ بستی نہیں، موافقت نہیں کرتی تو ایسے وقت میں اس کی جان نہ چھوڑی جائے جب تک کہ وہ لیا ہوا مہر واپس نہ کردے، یا کوئی اس کا حصہ واپس نہ کردے اس صورت میں خاوند کے لئے دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے، اور یا اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زنا کا ارتکاب کرے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھنے کے مطابق پہلے یہ جائز تھا کہ اگر بیوی اس قسم کا ارتکاب کرلیتی ہے تو خاوند اپنا دیا ہوا مال واپس لے کر گھر سے نکال دے اور اس کو طلاق دے دے لیکن اب اس طرح سے ہے کہ بیوی کے زانی ہونے کی صورت میں بھی مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا اور اس کا واپس لینا درست نہیں ہے، اس کی جو حد شرعی متعین ہوگئی ہے وہی اس کو سزا دی جاسکتی ہے اور دیا ہوا مال واپس نہیں لیا جاسکتا۔

"وعاشروھن بالمعروف" عورتوں کے ساتھ معاملہ اچھا رکھا کرو، برتاؤ ان کے ساتھ اچھا رکھا کرو، معاشرت ان کے ساتھ تمہاری معروف طریقے کے مطابق ہونی چاہیئے۔

عورت اگر پسند نہ ہو تو صبر سے کام لو:

اور کبھی ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح تو کرلیا لیکن بعد میں وہ عورت شکل وصورت کے اعتبار سے یا کسی اور اعتبار سے پسندیدہ نہیں ہے، اور اس میں اخلاقی خرابی کوئی نہیں صرف شکل وصورت کی بات ہے بسا اوقات انسان کا دل اس پر نہیں ٹکتا تو قرآن اس بارے میں یہ سمجھاتا ہے کہ تمہیں صبر سے کام لینا چاہیئے، صرف اپنی طبعی پسند اور ناپسندیدگی پر مدار رکھ کر عورت کو علیحدہ نہیں کرنا چاہیئے، بسا اوقات طبعاً ایک چیز پسند نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو خیر کثیر کا ذریعہ بنا دیتا ہے تمہاری وہ خدمت گزار ہو، فرمانبردار ہو، گھر کو سنبھالنے والی ہو، اگر وہ خوبصورت نہیں ہے یا دل کو نہیں بھاتی تو اس کے مقابلہ میں یہ فوائد بہت ہیں، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اولاد ایسی حاصل

ہو جائے جو تمہارے لئے دین و آخرت میں مفید ہو، کوئی بچہ پیدا ہو بچپن میں فوت ہو جائے تو آخرت کے لئے مفید ہو گیا، بچے پیدا ہوئے جوان ہوئے دنیا میں بھی خدمت گزار ہو سکتے ہیں اور آخرت کے لئے بھی مفید ہو سکتے ہیں، معمولی سی طبعی ناگواری کے طور پر عورتوں کو گھروں سے نکالنے کی کوشش نہ کیا کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھا کرو کہ یہ عورت دنیا و آخرت میں خیر کثیر بن سکتی ہے، یوں سوچ کے صبر کریں اگر وہ عورتیں تمہیں ناپسند ہوں تو صبر کیا کرو اسے برداشت کیا کرو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کو خیر کثیر کر دے۔

مہر میں دیا ہوا مال واپس نہیں لیا جا سکتا:

اور اگر تم ارادہ کر وایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو بدلنے کا یعنی نکاح اور کرنا چاہتے ہو لیکن بیک وقت دور کھ نہیں سکتے اس لئے خیال ہے کہ پہلی کو فارغ کر دیا جائے اگر اس طرح سے کوئی تبدیلی کا ارادہ ہے تو بھی دیا ہوا مال تمہارے لئے واپس لینا جائز نہیں ہے، چاہے تم کتنا مال ہی کیوں نہیں دے چکے، اگر ارادہ کرو تم بیوی کو بدلنے کا دوسری بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی کو "قنطار" ڈھیروں مال، "قنطار" مال کثیر کو کہتے ہیں، مقدار یہاں متعین نہیں ہے جتنا بھی تم دے چکے مہر دے چکے یا بطور ہدیہ کے دے چکے، فقہ کے اندر آپ نے پڑھا ہوگا کہ اگر زوجین آپس میں ایک دوسرے کو بطور ہدیہ کے کوئی چیز دے دیں پھر بھی اس کا واپس لینا ٹھیک نہیں ہے زوجیت کا تعلق یہ تحفہ ہدیہ بھی واپس لینے کو مانع ہے، اور مہر جو ہے وہ بھی لازم ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے تو مہر کے طور پر جو تم دے چکے یا ہدیہ تحفہ ہبہ کے طور پر کوئی چیز دے چکے ہو کتنا مال بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا کرو، اس وقت واقعہ اسی طرح سے ہوتا تھا کہ لوگ ایسے موقع پر اپنی بیویوں سے اپنا دیا ہوا مال واپس کرنے کے لئے اس کے اوپر مختلف قسم کے بہتان لگاتے، اس کے اوپر ظلم وستم کرتے تا کہ تنگ آ کر یہ مہر واپس کر دے تو اللہ تعالیٰ اسی پر انکار کرتے ہیں کہ کیا تم اس مال کو لوگے از روئے بہتان کے اور صریح گناہ کے یہ بھی اس وقت واقعہ تھا جس کی تردید کی جارہی ہے تم اس پر بہتان لگاؤ کتنی بری بات ہے، اس کے اوپر مختلف قسم کے ظلم وستم کر کے گناہ کا ارتکاب کرو کتنی بری بات ہے اس طرح سے مال واپس لینے کی کوشش نہ کیا کرو۔

"وكيف تأخذونه" تم اس دیے ہوئے مال کو کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تمہارا بعض بعض کی طرف بے حجاب ہو چکا، "واخذن منكم ميثاقا غليظا" اور وہ عورتیں تم سے میثاق غلیظ لے چکیں، میثاق غلیظ پختہ عہد اس سے مراد ہے نکاح، نکاح زوجین کے درمیان ایک پختہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شہادت سے قائم ہوتا ہے اور اس میں ایک دوسرے کے حقوق لازم ہوتے ہیں یہ عقد بھی ہو گیا پختہ عہد بھی ہو گیا، اور نکاح بھی ہو گیا، اور جو پھر نکاح سے مقصود ہے استمتاع وہ بھی ہو گیا جس وقت خاوند بیوی سے فائدہ اٹھا لے اور ایک دوسرے کے سامنے بے حجاب

ہو گئے وہ مال جو تھا وہ عورت کا حق بن گیا اب اس دیے ہوئے مال کو تم کس طرح سے واپس لے سکتے ہو اور اگر یہ ایک دوسرے کی طرف پہنچنے کی صورت نہ ہو اور نہ خلوت صحیح ہوئی ہے تو ایسی صورت میں پھر قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ مذکور ہے سورۃ البقرۃ میں وہ آیت آپ کے سامنے گذر چکی ہے کہ آدھا مہر واپس لیا جا سکتا ہے قانونی حیثیت سے لیکن یہ اگر ایک دوسرے تک پہنچ گئے پھر پورے کا پورا دینا خاوند کے ذمے ہے اور اس میں سے کچھ واپس نہیں لیا جا سکتا۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں:

"ولاتنکحوا مانکح آباؤکم" پہلے تو اصلاح کی گئی تھی ان معاملات کی جو زوجین کے آپس میں نکاح ہونے کے بعد کے ہیں اور اب محرمات کی تفصیل ذکر کی جا رہی ہے کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا ٹھیک ہے کن سے ٹھیک نہیں ہے اور اس میں بھی جاہلیت میں بڑی گڑبڑ تھی، جیسے پہلے آپ کے سامنے گزرا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ بھی سوتیلی اولاد نکاح کر لیا کرتی تھی، سوتیلی اولاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقی والدہ نہ ہوتی اس کی باپ کی منکوحہ ہوتی اس کو بھی نکاح میں لے لیتے تھے، اور اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو جمع کر لیتے تھے، تو ایسی بعض محرمات ان لوگوں نے حلال کر رکھی تھیں، تو اس کی تفصیل کرنا مقصود ہے، نکاح نہ کیا کرو ان عورتوں کے ساتھ "من النساء" یہ "ما" کا بیان ہے نکاح نہ کیا کرو ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے آباء نے، آباء کے اندر باپ بھی داخل ہے اور دادا بھی داخل ہے نانا بھی، اصول مراد ہیں، جہاں شرعی طور پر نکاح ہو گیا ایجاب وقبول ہو گیا اگر چہ رخصتی کی نوبت نہ آئی تو بھی وہ اولاد کے لئے حرام ہے یعنی باپ کا کسی عورت کے ساتھ عقد ہوا ہے شرعی عقد، رخصتی کی نوبت نہیں آئی عقد ہوتے ہی اولاد کے لئے وہ ماں کے قائم مقام ہو گئی اور اس کے ساتھ نکاح کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اور احناف رحمہم اللہ کے نزدیک خصوصیت سے باقی ائمہ کے نزدیک نہیں، باپ اگر لغوی نکاح کرے کسی کے ساتھ لغوی نکاح سے مراد ہے وطی یعنی باپ نے عورت کے ساتھ وطی کر لی عام ہے جائز طریقے سے کی یا ناجائز طریقے سے کی، جائز طریقے سے تو وہی منکوحہ بن گئی جس کا ذکر پہلے ہو گیا اگر ناجائز طریقے سے بھی ہو جس کو زنا کہتے ہیں تو وہ مزنیہ جو ہے وہ بھی اولاد کے لئے حرام ہوتی ہے، حرمت مصاہرت کے طور پر وہ بھی اولاد کے لئے جائز نہیں، یہ "مانکح آباؤکم" کے اندر تعمیم ہے گویا کہ باپ کی منکوحہ ہو تو جائز نہیں، باپ کی موطوءۃ ہو تو جائز نہیں، موطوءۃ جائز طریقے سے ہو نا جائز طریقے سے ہو کیسے بھی ہو اولاد کے لئے وہ عورت حرام ہو جائے گی، جس

کے ساتھ اس کے اصول نے اس قسم کا معاملہ کیا ہے، ''الا ماقد سلف'' مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، اس پہ گرفت نہیں ہے وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے، جو جاہلیت میں کر گزرے پچھلے معاملات کے اوپر گرفت نہیں، اس آیت کے اترنے کے بعد تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرو ''انه كان فاحشة'' اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا یہ بے حیائی کی بات ہے، نفرت کی بات ہے ''وساء سبيلا'' اور بہت بری بات ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں

الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ

جو دودھ شریک ہیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری وہ پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں ان بیویوں کی طرف سے

الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘

جن کے ساتھ تم نے دخول کرلیا ہے ، اور اگر تم نے ان عورتوں کے ساتھ دخول نہیں کیا پھر تم پر کوئی حرج نہیں ہے ،

وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ

اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو بیٹے تمہاری پشتوں سے ہیں ، اور یہ کہ تم جمع کرو

الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۙ﴿۲۳﴾

دو بہنوں کو مگر جو ہو چکا سو ہو چکا ، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۲۳﴾

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور حرام ہیں تم پر وہ عورتیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں مگر جو تمہاری باندیاں بن جائیں ، لکھا ہوا ہے

اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

یہ اللہ کا حکم تم پر ، حلال کردی گئیں تمہارے لیے ان کے علاوہ باقی عورتیں تم ان کو طلب کرلیا کرو اپنے مالوں کے ساتھ

مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

اس حال میں کہ پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو مستی نکالنے والے نہ ہو پھر تم ان میں سے جس عورت کے ساتھ استمتاع کرلو

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ

پھر ان کو ان کے اجور دے دیا کرو اس حال میں کہ وہ متعین کیے جاچکے ہیں ، کوئی گناہ نہیں تم پر اس چیز میں جس پر تم راضی ہو جاؤ

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ

فرض ہونے کے بعد، بے شک اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے ﴿۲۴﴾ اور جو شخص

لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

تم میں سے طاقت نہ رکھے اس بات کی کہ نکاح کرے وہ مؤمن آزاد عورتوں سے تو پھر وہ حاصل کرلیا کرے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

ان مؤمن عورتوں میں سے جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو،

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

سارے آدم کی اولاد میں سے ہو، نکاح کرلیا کرو ان کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ادا کردیا کرو

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

ان کو مہر اچھے طریقے کے ساتھ اس حال میں کہ وہ عورتیں قید نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ وہ بنانے والی ہوں

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

خفیہ دوست، پھر جس وقت یہ منکوحہ بن جائیں پھر اگر یہ کسی زنا کا ارتکاب کرلیں تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

نصف ہے اس عذاب کا جو کہ آزاد عورتوں پر ہے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو اندیشہ رکھے

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

تم میں سے اپنے اوپر زنا کا، اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۲۵﴾

تفسیر

وہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح حرام ہے:

"حرمت علیکم امھاتکم" حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں، حرام کردی گئیں یعنی ان کا نکاح حرام کردیا گیا، "امھات" سے وہ عورتیں مراد ہیں جو آپ کے اصول میں شامل ہیں جس میں ماں بھی آ گئی، نانی بھی

آ گئی، دادی بھی آ گئی، اصول میں جو عورتیں ہیں وہ ساری کی ساری آ گئیں، وہ ساری کی ساری یہاں مراد ہیں، ''وبناتکم'' اور تمہاری بیٹیاں بیٹیوں سے فروع مراد ہیں اپنی بیٹی ہو، بیٹے کی بیٹی ہو جس کو ہم پوتی کہتے ہیں، بیٹی کی بیٹی ہو جس کو ہم نواسی کہتے ہیں، نیچے کی طرف جتنا چلے جائیں تو آپ کے فروع میں آ کے یہ حرام ہیں ''اخواتکم'' حرام کردی گئیں تم پر تمہاری بہنیں، بہنوں کے اندر بھی تعمیم ہے حقیقی بہنیں ہوں جو ماں باپ دونوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، علاتی بہنیں جو صرف باپ میں شریک ہیں، اخیافی بہنیں جو صرف ماں میں شریک ہیں ان سب بہنوں کے ساتھ نکاح حرام ہے، ''وعمّاتکم'' اور حرام کردی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں، عمّۃ کہتے ہیں پھوپھی کو، یعنی باپ کی بہن اس میں بھی اسی طرح سے تعمیم ہے کہ باپ کی حقیقی بہن ہو باپ کی باپ شریک بہن ہو، یا باپ کی ماں شریک بہن ہو گویا کہ آپ کی حقیقی پھوپھی اسی طرح آپ کی علاتی پھوپھی اخیافی پھوپھی اس میں شامل ہیں۔

''وخالاتکم'' اور تمہاری خالات، خالات خالۃ کی جمع ہے جس کو آپ ماسی کہتے ہیں، ماسیاں بھی تم پر حرام کردی گئیں ہیں یہاں بھی وہی تعمیم ہے تمہاری ماں کی حقیقی بہن ہو، تمہاری ماں کی علاتی بہن ہو، تمہاری ماں کی اخیافی بہن ہو، یہ سب حرام ہیں، ''وبنات الاخ'' اور بھتیجی بھائی کی بیٹی بھی حرام کردی گئی اس میں بھی تعمیم کہ بھائی آپ کا حقیقی ہے تو بھی اس کی بیٹی حرام ہے، آپ کا علاتی بھائی اس کی بیٹی بھی حرام ہے اور اگر آپ کا اخیافی بھائی ہے تو اس کی بیٹی بھی حرام، بیٹی پوتی نواسی سب حرام ہیں، ''وبنات الاخت'' اور بہن کی بیٹیاں تم پر حرام کردی گئی ہیں، بہن میں بھی تعمیم ہے، آپ کی حقیقی بہن کی بیٹی ہو، علاتی بہن کی بیٹی ہو، اخیافی بہن کی بیٹی ہو، یہ سب حرام ہیں بیٹی سے وہی فروع مراد ہے بیٹی ہو پوتی ہو نواسی ہو یہ تو ہیں محرمات نسبیہ جن کے ساتھ نسبی تعلق کی بناء پر حرمت آ گئی آگے ذکر آ گیا محرمات رضاعت کا دودھ پلانے کی بناء پر جن کی حرمت آتی ہے حرمت رضاعت کے ساتھ ہم اس کو تعبیر کرتے ہیں۔

''وامھاتکم التی ارضعنکم'' تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، تھوڑا پلایا ہو یا بہت، بشرطیکہ دودھ پینے کی مدت میں پلایا ہو، جو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دو سال ہے، حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اڑھائی سال ہے لیکن فقہ حنفی میں بھی فتویٰ دو سال پہ ہے تو بچہ دو سال کے ہونے کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پی لے تو یہ رضاعت کا رشتہ قائم ہوگا اور اگر بڑی عمر کے اندر کسی عورت کا دودھ پی لیا جائے تو ایسی صورت میں رضاعت نہیں آیا کرتی، تھوڑا پلایا ہو یا بہت پلایا ہو، جن عورتوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وہ تمہاری مائیں بن گئیں، اور وہ بھی تم پر حرام ''واخواتکم من الرضاعۃ'' اور اس دودھ پینے کی وجہ سے جو تمہاری بہنیں ہیں وہ بھی حرام ہیں جس کو ہم

رضاعی بہن سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، کسی لڑکی کی حقیقی ماں کا آپ نے دودھ پی لیا تو بھی وہ آپ کی رضاعی بہن بن گئی یا کسی لڑکی نے اور آپ نے مل کر کسی تیسری عورت کا دودھ پی لیا یعنی وہ اس کی بھی نسبی ماں نہیں ہے، اور آپ کی بھی نسبی ماں نہیں ہے تو وہ بھی رضاعی بہن بن گئی، آپ کی ماں کا کوئی لڑکی دودھ پی لے وہ بھی آپ کی رضاعی بہن آپ کسی لڑکی کی ماں کا دودھ پی لیں وہ بھی آپ کی رضاعی بہن، لڑکا لڑکی مل کر کسی تیسری عورت کا دودھ پی لیں، وہ بھی آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو گئے تو یہاں ذکر اگرچہ ماؤں کا ہے اور بہنوں کا ہے لیکن بالا جماع روایات صحیحہ کے مطابق اس میں تعمیم ہے کہ جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوا کرتے ہیں اتنے ہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوا کرتے ہیں، ''یحرم من الرضاع مایحرم من النسب'' نسب کی وجہ سے جتنے رشتے حرام اتنے رشتے ہی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں، اس کو یوں سمجھیں کہ جس عورت کا آپ نے دودھ پیا وہ بن گئی آپ کی ماں اور جو اس کا شوہر ہے وہ بن گیا باپ، اس لئے اگر لڑکی دودھ پینے والی ہو تو اس عورت کا شوہر بھی اس سے شادی نہیں کر سکتا، اور اس عورت کی بہنیں آپ کی خالائیں بن گئیں، اور اس شوہر کی بہنیں آپ کی پھوپھیاں بن گئیں، اور اس شوہر کے بھائی جو ہیں وہ آپ کے چچے ہو گئے اور جتنی اس کی آگے اولاد ہو گی وہ سارے کے سارے، بہن بھائی بھتیجے بھانجے جس طرح سے نسبی طور پر سلسلہ چلتا ہے وہاں پر آپ کا اسی طرح سے سلسلہ چلے گا اور نسب کی وجہ سے جتنے رشتے حرام ہوا کرتے ہیں اتنے رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہوا کرتے ہیں، یہ تعمیم اجمالی ہے اور روایات صحیحہ کے اندر اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

''وامهات نسائکم'' یہ آگے حرمت مصاہرت ہے یہ عقد نکاح کی وجہ سے جن کے ساتھ حرمت آتی ہے تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی جس لڑکی کے ساتھ آپ کا نکاح ہو گیا اس کی جو ماں ہے جس کو ہم ساس کہتے ہیں وہ ساس جو ہے وہ بھی حرام ہے، نکاح ہوتے ہی ساس حرام ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد نکاح نہیں ہو سکتا یعنی اس لڑکی کے ساتھ آپ کو خلوت کا موقع ملا یا نہیں ملا، اپنی بیوی کے ساتھ تم نے خلوت کی ہے یا نہیں کی اس کی ماں بہر حال آپ کی ماں کے حکم میں آگئی، اس کے ساتھ آپ کا نکاح نہیں ہو سکے گا، بیویوں کی مائیں۔

''وربائبکم التی فی حجورکم'' رباب یہ ربیبہ کی جمع ہے، ربیبہ پالی ہوئی لیکن اس سے مراد ہوتی ہیں لے پالک بچیاں کہ ایک عورت ہے، وہ کہیں سے بیوہ ہو گئی یا مطلقہ ہو گئی آپ نے اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ اپنی اولاد کو ساتھ لے آئی تو یہ لڑکیاں جو اپنی ماں کے ساتھ آتی ہیں وہ بھی آپ کے لئے حرام ہیں، لیکن یہاں حرمت کی ایک قید ہے بشرطیکہ تم اپنی ان بیویوں سے مجامعت کر لو تب جا کے اس کی اولاد آپ پر حرام ہو گی یعنی بیوی

کی ماں جو ہے وہ تو بہرصورت حرام ہوگی نکاح ہوتے ہی چاہے بیوی کے ساتھ ملنے کا آپ کو موقع ملا یا نہیں، لیکن بیوی کی بیٹی جو دوسرے خاوند سے ہو وہ حرام تب ہوگی جس وقت کہ آپ بیوی کے ساتھ زوجیت والا تعلق قائم کرلیں گے، اگر زوجیت والا تعلق ابھی قائم نہیں ہوا ایسی صورت میں اس بیوی کی بیٹی جو ہے وہ آپ پر حلال ہے وہ حرام نہیں ہے۔

"وربائبکم التی فی حجورکم" یہ قید اتفاقی ہے، "التی فی حجورکم" والی محض وہ بچیاں جو تمہاری گود میں ہیں گود میں ہوں یا نہ ہوں پہلے خاوند سے اگر اولاد رہ گئی تو بھی ان کا یہی حکم ہے کہ جس وقت آپ نے اپنی بیویوں کے ساتھ مجامعت کرلی تو ان کی اولاد چاہے وہ آپ کی پرورش میں ہے چاہے آپ کی پرورش میں نہیں ہے اپنے پہلے باپ کے پاس ہیں یا کسی دوسری جگہ ہیں تو بھی آپ کے لئے حرام ہوجائیں گی، یہی قید آگے لگائی گئی ہے، تمہاری وہ پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں ان بیویوں کی طرف سے جن کے ساتھ تم نے دخول کرلیا ہے، اور اگر تم نے ان عورتوں کے ساتھ دخول نہیں کیا، "فلاجناح علیکم" پھر ان بچیوں سے نکاح کرنے میں تمہیں کوئی حرج نہیں ہے تو گویا کہ مدخولہ بیوی کی لڑکی حرام ہوتی ہے غیر مدخولہ کی حرام نہیں ہوتی، اور بیوی کی ماں بہرصورت حرام ہے چاہے اس کے ساتھ دخول ہوا ہو چاہے نہ ہوا ہو۔

"وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم" اصلاب یہ صلب کی جمع ہے، حلائل حلیلہ کی جمع ہے، حلیلہ سے بیوی مراد ہے تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو بیٹے تمہاری پشتوں سے ہیں یعنی تمہارے نسبی بیٹے ان کی جو بیوی ہے وہ بھی تمہارے لئے حرام ہے جس کو ہمارے ہاں بہو کہتے ہیں، یہ گھر کی بہو اپنے لڑکے کی بیوی جو ہے وہ بھی اپنے سسر پر حرام ہے، یعنی اپنے خاوند کا باپ جو ہے وہ ایسے ہوتا ہے جیسے اپنا باپ ان کا بھی آپس میں رشتہ نہیں ہوسکتا، "من اصلابکم" کی قید جو لگائی ہے یہ متبنیٰ کو نکالنے کے لئے ہے کہ اگر کوئی منہ بولا بیٹا رکھا ہوا ہے حقیقی بیٹا نہیں ہے ویسے بیٹا بنا کر اس کو رکھ لیا، جاہلیت میں ایسے بیٹے کی بیوی کو بھی حرام قرار دیتے تھے، اور یہ مسئلہ غلط ہے، متبنیٰ کی بیوی حرام نہیں ہے، وہ غیر محرم ہے اگر وہ متبنیٰ طلاق دے دے یا وہ فوت ہوجائے تو اس کی بیوی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، جیسے کہ سرور کائنات نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کے متبنیٰ تھے ان کی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ احزاب میں آئے گا تو "من اصلابکم" کی قید لگا کر متبنیٰ کو نکالنا مقصود ہے رضاعی بیٹے کو نکالنا مقصود نہیں ہے، رضاعی بیٹے کی بیوی باجماع امت حرام ہے رضاعی بیٹا سمجھ گئے یعنی آپ کی بیوی نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو تو وہ آپ کا رضاعی بیٹا بن گیا، اگرچہ وہ آپ کا نسبی بیٹا نہیں ہے آپ کے حسب نسب سے نہیں ہے،

آپ کا رضاعی بیٹا ہے لیکن اس کی بیوی آپ کے لئے حرام ہے، جس طرح کہ رضاعت کے مسئلے میں تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ذکر کر دیا گیا، تو یہاں "من اصلابکم" کی قید سے رضاعی بیٹوں کو نکال دینا مقصود نہیں وہ حرام ہے ازروئے حدیث اور ازروئے اجماعِ امت کے، اور یہاں نکالنا مقصود ہے متبنیٰ کو متبنیٰ کی بیوی جو ہے وہ نص قرآنی کے ساتھ جائز ہے جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ احزاب میں آئے گی۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا:

"وان تجمعوا بین الاختین الا ماقدسلف" اور یہ بھی حرام کر دیا تم پر کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، "الا ماقدسلف" جو ہو چکا سو ہو چکا، پہلے جو کچھ ہو گیا اس پر گرفت نہیں ہے، بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، اب یہاں بھی اسی طرح سے حدیث شریف کی طرف دیکھتے ہوئے تعمیم ہے اور وہ تعمیم اجماعی ہے کہ ہر دو عورتیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو دوسری کے ساتھ نکاح نہ ہو سکے ان دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، یہ بھی دو بہنوں کے حکم میں ہیں مثلاً بیوی اور اس کی خالہ، بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی بھتیجی، بیوی اور اس کی بھانجی، جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری کے ساتھ نکاح نہ ہو سکے جن کا آپس میں اس قسم کا رشتہ ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح کے اندر جمع نہیں کیا جا سکتا یہ بھی حرام ہے یہ تعمیم بھی حدیث شریف کی طرف دیکھتے ہوئے اجماعی ہے، اور اس سے پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر گرفت نہیں ہے، چنانچہ حضور کے پاس جس وقت لوگ آیا کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے لئے تو اگر کسی کے نکاح کے اندر اس قسم کی کوئی عورت ہوتی جن کو حرام ٹھہرایا گیا ہے یا بیک وقت نکاح کے اندر دو بہنیں ہوتی تو آپ ان کی علیحدگی کروایا کرتے تھے، اور یہ کہا کرتے تھے کہ ان میں سے ایک کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو حتی کہ ایک بہن آپ کے نکاح میں ہے اور آپ نے اس کو طلاق دے دی تو اس کی عدت کے اندر اندر دوسری بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا، عدت ختم ہونے کے بعد پھر نکاح کیا جا سکتا ہے، کیونکہ عدت کے اندر بھی نکاح کے کچھ نہ کچھ احکام باقی ہوا کرتے ہیں تو اگر دوسری بہن سے نکاح کرتے ہیں تو من وجہ اجتماع لازم آتا ہے "وان تجمعوا بین الاختین" لیکن یہ حرمت عارضی ہے یعنی بیوی کی زندگی میں آپ کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح نہیں کیا جا سکتا، بیوی مر جائے یا اس کو طلاق دے دی جائے تو دوسرے وقت میں اس سالی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے، "ان اللہ کان غفورا رحیما" کا مطلب یہ ہے کہ جو پہلے ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے اس پر کوئی گرفت نہیں، اور اس آیت کے اترنے کے بعد پھر یہ صورت درست نہیں ہے کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا جائے۔

شادی شدہ اور باندیوں سے نکاح کے احکام:

"والمحصنات من النساء" اور ایسے ہی حرام کردی گئیں تم پر وہ عورتیں جو شادی شدہ ہیں، محصنات، احصن احصان یہ عفیف ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے، پاک دامن اور نکاح کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں نکاح کرنے والا معنی مراد ہے، محصنات جن کا نکاح ہوا ہوا ہے، اور جو کسی دوسرے کی بیوی ہے وہ بھی تم پر حرام ہے، یعنی ایک عورت جب کسی ایک کے نکاح میں موجود ہو تو دوسرا آدمی اس کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا یہ حرمت بھی عارضی ہے جب ادھر سے نکاح ختم ہو جائے گا تو ایسی صورت میں پھر اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے، یعنی منکوحہ عورت دوسرے مرد کے لئے حرام ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ عورت میں شریعت کو کسی صورت بھی اشتراک گوارہ نہیں ہے، ہاں البتہ محصنات کے اندر ایک استثناء ہے "الا ماملکت ایمانکم" مگر جو تمہاری باندیاں بن جائیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالحرب میں ایک عورت شادی شدہ ہے اور جہاد ہوا جہاد کے دوران وہ پکڑی گئی اور خاوند اس کا دارالحرب میں رہ گیا، اور وہ عورت باندی بن کر مسلمانوں کے ہاں آگئی، ایسی صورت میں اس کا پچھلا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، جس مجاہد کے حصے میں وہ آجائے باندی بن کر تو استبراء رحم کے بعد یعنی ایک حیض گزرنے کے بعد استبراء ایک حیض کے ساتھ ہوتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ وہی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے جو کہ دوسری باندیوں سے ہوتا ہے، اور اگر دارالاسلام میں کوئی باندی ہے اور وہ منکوحہ ہے یعنی پہلے آقا نے اس باندی کا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے اور پھر آپ نے اس کو خرید لیا وہ آپ کی باندی بن گئی وہ آپ پر ویسے ہی حرام رہے گی یعنی باندی کے اندر بھی اشتراک درست نہیں ہے جس کی یہ صورت متعین ہے، اس لئے ان کے ازواج ان کے شوہر جو دارالحرب میں رہ گئے اور وہ عورتیں پکڑی ہوئیں دارالاسلام میں آگئیں تو یہ باندی بننے کی صورت میں ان کا پچھلا نکاح جو ہے وہ ختم ہو جائے گا، چاہے ان کے خاوند زندہ ہیں چاہے انہوں نے طلاق نہیں دی، لیکن "ماملکت ایمانکم" ان کا باندی بن جانا گویا کہ ان کے پہلے نکاح کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے ایسی صورت میں وہ تمہارے لئے حلال ہو جائیں گی۔

بشرطیکہ وہ باندیاں اسلام قبول کرلیں یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور اگر وہ باندی مشرکہ ہے جس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوگی اس وقت تک وہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے جس طرح سے منکوحہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اسی طرح باندی بھی وہی حلال ہوا کرتی ہے جو مسلمان ہو جائے یا اہل کتاب میں سے ہو اور اگر وہ مشرکہ ہو تو پھر حلال نہیں ہے، تو پہلے خاوند ان کے خاوند نہیں سمجھے جائیں

گے یہ نکاح ان کا ٹوٹ جائے گا، اس لئے وہ خاوند اگر مسلمان ہو کر آ بھی جائے دارالاسلام میں تب بھی وہ اس پر حق نہیں رکھے گا، ہاں البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو اس کا حمل ثابت النسب ہے، اور یہ بچہ جو ہے یہ اسی کی طرف منسوب ہوگا، جو اس کا پہلا شوہر ہے، اور جس وقت تک وہ حمل کو وضع نہیں کر دے گی اس وقت تک اس کے ساتھ یہ تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا، یہ تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، ''کتاب الله علیکم'' یہ اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے تم پر۔

حلال عورتوں کا ذکر اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ:

''واحل لکم ماوراء ذلکم'' یہ جتنی عورتیں ذکر کی گئی ہیں جو صراحتاً الفاظ میں مذکور ہوگئیں یا احادیث کی روشنی میں جو تعمیم کر دی گئی جس طرح سے میں نے آپ کی خدمت میں تفصیل عرض کر دی تو ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، حلال کر دی گئیں تمہارے لئے ان کے علاوہ باقی عورتیں، حلال کر دیا گیا تم پر کہ تم ان کو طلب کر لیا کرو اپنے مالوں کے ساتھ، یہ طلب کرنا ''ابتغاء بالمال'' مال سے یہاں مہر مراد ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں ہونا چاہیئے، نکاح کے اندر مال لازماً آتا ہے چاہے عقد کرتے وقت مہر کا ذکر ہو چاہے نہ ہو، تقدیراً مہر یقیناً ثابت ہوتا ہے، دوسری بات اس لفظ سے یہ ثابت ہوئی کہ مہر وہی چیز ہوا کرتی ہے جو مال بن سکے، جو مال کہلائے، جو مال کا مصداق ہے، جو چیز مال نہیں وہ مہر نہیں بن سکتی، اس لئے ہمارے ہاں تعلیم قرآن وغیرہ کو مہر نہیں متعین کیا جاسکتا کیونکہ یہ مال کا مصداق نہیں ہے ''طلب کیا کرو تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ'' یہ ''ماوراء ذلکم'' سے بدل الاشتمال ہے ان کے علاوہ عورتیں تم پر حلال کر دی گئیں یعنی ان کا طلب کرنا حلال کر دیا گیا اپنے مالوں کے ذریعے، مال خرچ کر کے ان کو طلب کر لیا کرو، اور اس میں وہ قید ہوگی کہ چار سے زائد نہ ہوں، یہ دوسری آیت سے ثابت ہے جو آپ کے سامنے پہلے ذکر ہو چکی، یعنی ساری عورتیں حلال ہیں جتنی بھی ان کے علاوہ ہیں باقی ساری عورتیں حلال لیکن بیک وقت نکاح جو ہے وہ آپ چار سے کر سکتے ہیں چار سے زائد سے نہیں جیسے دوسری آیت سے ثابت ہے۔

نکاح کا مقصد عفت حاصل کرنا ہے:

''محصنین غیر مسافحین'' طلب کر لیا کرو ان کو اس حال میں کہ تم ان کو قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ہو ''مسافحین'' یہ لفظ ''سفح'' سے لیا گیا ہے ''سفح'' گرانے کو کہتے ہیں، پانی گرانا، ''سفح الماء'' یعنی وقتی طور پر شہوت رانی کرنا مقصود نہ ہو بلکہ عفت طلب کرنا مقصود ہے اور قید نکاح میں رکھنا مقصود ہے، اس لئے نکاح شرعی طور پر معتبر ہے کہ کرتے وقت انسان اسی جذبے کے تحت ہی کرے کہ میں نے اس کے ساتھ زندگی

بھرنبھانا ہے، اگر صراحتاً وقت متعین کر دیا جائے کہ ایک مہینے کے لئے کیا جارہا ہے، پندرہ دن کے لئے کیا جارہا ہے تو یہ نکاح باطل ہے اور اگر دل کے اندر ارادہ یہ ہے تو اس میں کراہت ہے فقہی طور پر نکاح اگرچہ ہو جائے گا دل میں ارادہ یہ ہے کہ میں بس نکاح کر رہا ہوں دس دن کے بعد میں نے چھوڑ دینا ہے لیکن یہ ذکر میں نہیں آیا، دل کے اندر اس قسم کا ارادہ ہے تو بھی یہ بری بات ہے اگرچہ نکاح فقہی طور پر ہو جائے گا اصل نکاح کی حکمت یہی ہے کہ جس کے ساتھ تعلق کرو زندگی بھرنبھانے کی نیت سے کرو اور عفت حاصل کرنا مقصود ہو، پاک دامنی حاصل کرنا مقصود ہو، اور عورت کو نکاح میں رکھنا مقصود ہو، صرف وقتی طور پر پانی گرانا مقصود نہیں ہے، شہوت رانی مقصود نہیں ہے، اب اگر شہوت زور مارے اور انسان خیال کرے کہ چلو وقت گزرتا ہے جیسے متعہ میں ہوتا ہے وقتی طور پر تعلق قائم کرلیا، یہ تو ایسے ہے جیسے پیشاب نے زور مارا اور کسی پیشاب خانے میں چلے گئے اور مثانہ ہلکا کر آئے، اس قسم کی بے حیائی کی حرکتیں شریعت میں جائز نہیں ہیں کہ جس میں وقتی طور پر اپنا بوجھ اتارنا مقصود ہے، اور عورت کو قید نکاح میں رکھنا مقصود نہیں ہے یہ قید اس لئے لگادی کہ عفت کے تقاضے کے مطابق یہ قید ضروری ہے وقتی مستی نکالنا مقصود نہیں ہے۔

''غیر مسافحین'' اس حال میں کہ تم شہوت رانی کرنے والے نہیں، وقتی طور پر پانی گرانے والے نہیں یہ مفہوم ہے اس کا کہ قید نکاح میں رکھنے والے ہو نہ کہ وقتی طور پر مستی کرنے والے ہو، عورت کی طرف سے ہو تو تب بھی ایسے ہے، مرد جب قبول کرے گا اگر وقتی طور پر قبول کر رہا ہے تو بھی وہ اسی حکم میں ہے۔

ادائیگی مہر اور معافی کا مسئلہ:

''فمااستمتعم به منهن'' منهن ما کا بیان ہے پھر تم ان عورتوں میں سے جس عورت کے ساتھ استمتاع کرلو یعنی اس سے فائدہ اٹھالو ''واٰتوهن اجورهن'' پھر ان کو ان کے اجور دے دیا کرو، اجور اجر اس کا مصداق مہر ہے، پھر ان کے اجور ان کو دے دیا کرو جو کہ متعین کئے جاچکے ہیں ''فريضة'' اس حال میں کہ وہ متعین کئے جاچکے ہیں اور جس سے استمتاع نہ ہوا ہو صرف نکاح ہوا ہو وہاں پورا اجر نہیں دیا جاتا، وہاں نصف اجر دیا جاتا ہے، دوسری آیت کی طرف دیکھتے ہوئے مطلب واضح ہے، ان عورتوں میں سے جن سے تم استمتاع کرلو جس سے تم فائدہ اٹھالو تو دے دیا کرو ان کو ان کے اجور اس حال میں کہ متعین کیے ہوئے ہیں۔

''ولاجناح علیکم فیماتراضیتم به من بعدالفریضة'' کوئی گناہ نہیں تم پر اس چیز میں جس پر تم راضی ہو جاؤ فریضہ کے بعد، مطلب یہ ہے کہ نکاح کے اندر اگر مہر مقرر ہو گیا جس کے متعلق کہا جارہا ہے کہ استمتاع کے

بعد وہ عورت کی طرف ادا کر دینا چاہیئے، لیکن یہ تعین ایسا نہیں جس میں تغیر تبدل نہ ہو سکے، نکاح کے بعد زوجین اپنی رضامندی کے ساتھ اس میں تغیر تبدل بھی کر سکتے ہیں، مثلاً عورت اس کا کچھ حصہ معاف کر دے یا مرد کی طرف سے اس میں اضافہ ہو جائے، یعنی متعین پانچ سو ہوا تھا لیکن مرد خوشی کے ساتھ ایک ہزار دے دے، یا مہر متعین پانچ سو ہوا تھا عورت اس کو معاف ہی کر دے یا خوشی کے ساتھ آدھا چھوڑ دے اس قسم کا تغیر و تبدل یہ طرفین کے ساتھ زوجین کی رضامندی کے ساتھ ہو سکتا ہے، کوئی گناہ نہیں تم پر اس چیز میں جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ فریضہ کے بعد، آپس میں راضی ہو کر اگر کسی قسم کا تغیر و تبدل کر لیں تو اس میں کوئی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے، ''ان اللہ کان علیما حکیما'' بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کا ذکر فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو احکام آپ کو دیئے جا رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے تقاضے سے ہیں اس کے خلاف جو کام تم کرو گے، جیسے محرمات کی تفصیل بتا دی گئی عورتوں کے حقوق وغیرہ کا تذکرہ ہو گیا اس کے خلاف جو کچھ کرو گے وہ سب جہالت ہو گی اور حکمت اور دانشمندی کے خلاف ہو گی اور اگر یہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو بھی اللہ کے علم و حکمت پر اعتماد کرو اور اپنے علم کو اپنی حکمت کو اللہ کے علم و حکمت کے ساتھ ٹکرانے نہ دو، کیونکہ اگر تمہارا علم ٹکراتا ہے تو پھر حقیقتاً علم جہالت ہے اللہ کا علم صحیح اور اللہ کی حکمت صحیح، تو اپنے عقلی دلائل کے ساتھ اس قسم کی دوسری چیزوں میں تغیر تبدل کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ غیر دانش مندانہ حرکت ہو گی اور جہالت ہو گی۔

آزاد اور باندی سے نکاح کے احکام:

''ومن لم یستطع منکم طولا'' اور جو شخص تم میں سے طاقت نہ رکھے، طول بھی طاقت کو کہتے ہیں ''ان ینکح المحصنات المؤمنات'' یہاں محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں طاقت نہ رکھے اس بات کی کہ نکاح کرے وہ مؤمن آزاد عورتوں سے ''فمن ماملکت ایمانکم'' تو پھر وہ لے لیا کرے، حاصل کر لیا کرے ان عورتوں میں سے جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، ''من فتیتکم المؤمنات'' مملکت کا بیان ہے یعنی تمہاری وہ باندیاں جو کہ ایمان والی ہیں ایک شخص آزاد مؤمن عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تقاضا ہے طبیعت میں نکاح کا اور وہ اندیشہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں نے نکاح نہ کیا تو میں کسی برائی کے اندر مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ پھر کسی مؤمن باندی سے نکاح کر لیا کرے، اب یہاں ''محصنات'' کے ساتھ جو ''مؤمنات'' کی قید لگائی ہے یہ بھی ترغیب کے لئے ہے احترازی نہیں اس لئے اگر آزاد عورت ''مومنات'' میں سے نہ ہو اہل کتاب میں سے ہو پھر بھی یہی بات ہے ''اور فتیات''

کے ساتھ ”مؤمنات“ کی جو قید ہے یہ بھی ترغیب کے لئے ہے کوشش کرو کہ جو باندی ہو وہ مؤمنہ ہو ورنہ اگر مؤمنہ باندی نہ ہو اہل کتاب میں سے ہو تو بھی ٹھیک ہے، اور ”مؤمنات“ پر قدرت کے باوجود باندی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے لیکن اگر کوئی پہلے محصن عورت نکاح میں آچکی ہو تو اس کے بعد پھر باندی سے نکاح نہیں ہوسکتا، پہلے باندی نکاح میں ہو تو اس کے بعد پھر آزاد سے نکاح ہوسکتا ہے، لیکن اگر آزاد عورت نکاح میں ہے تو ایسی صورت میں پھر باندی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا آزاد پر لونڈی نہیں آسکتی اور لونڈی پر آزاد آسکتی ہے، اور اگر قدرت تو ہے آپ کو کہ محصنہ مؤمنہ سے نکاح کر سکتے ہیں یا محصنہ اہل کتاب سے نکاح کر سکتے ہیں اس کے باوجود بھی اگر آپ اس آزاد عورت سے نکاح نہ کریں باندی سے کرنا چاہیں تو بھی ٹھیک ہے تو یہ قیود جو ہیں یہ احترازی نہیں ہیں کہ طاقت نہ ہو تو نکاح کرنا جائز ہے اگر طاقت ہو تو نکاح جائز نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، طاقت ہو لیکن اگر آپ نے کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کیا تو بھی آپ کسی باندی سے نکاح کر سکتے ہیں۔

”واللہ اعلم بایمانکم “ اس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسان ہونے کے اعتبار سے تو آزاد اور غلام سب برابر ہیں اور شرعی نقطۂ نظر سے اصل فضیلت ایمان کی وجہ سے ہے اور وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس میں ایمان کتنا ہے؟ کس میں کتنا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ باندی کا ایمان تم سے زیادہ ہو، اور اللہ کے ہاں زیادہ قبول ہو تو نکاح کرنے میں کوئی کسی قسم کا حرج نہیں، نکاح کرلیا کرو جنس بھی تمہاری ایک ہے، ”**بعضکم من بعض**“ سارے آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اصل شرافت ایمان ہے وہ بھی اللہ جانتا ہے کہ کس میں کتنا ایمان ہے اور کیسا ہے کیسا نہیں ہے، تو بوقت ضرورت اس میں ہچکچانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نکاح کر سکتے ہو۔

باندی سے نکاح مولیٰ کی اجازت سے ہوگا:

”فانکحوھن باذن اھلھن “ نکاح کرلیا کرو ان کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ“ یہ مسئلہ واضح ہے فقہ کے اندر کہ باندی اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی، جس وقت تک کہ آقا کی طرف سے اجازت نہ ہو، باندی کے ساتھ نکاح اس کے آقا کی اجازت سے ہوسکتا ہے، جس طرح کہ ایک آزاد عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے اس کا نکاح ہوسکتا ہے باندی کا نکاح اس طرح سے نہیں ہوسکتا، اس کے مولیٰ کی اجازت ضروری ہے، ان کے مولیٰ کی اجازت کے ساتھ ان سے نکاح کرلیا کرو۔

”واٰتوھن اجورھن بالمعروف “ اور اچھے طریقے کے ساتھ ان کا مہر ادا کر دیا کرو، یہاں بھی وہی بات ہے کہ ”محصنات غیر مسافحات“ اس حال میں کہ وہ عورتیں قید نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والی ہوں

یعنی ان کے ساتھ بھی تعلق ایسے وقتی طور پر نہ ہو کہ صرف یہ بوجھ ہلکا کیا نہیں بلکہ وہاں بھی اگر نکاح کرو تو اسی طرح سے کرنا ہے کہ ان کو قید نکاح میں رکھنے والے ہو، "ولامتخذات اخدان" اخدان خدن کی جمع ہے، اور خدن خفیہ دوست کو کہتے ہیں اور وہ نہ بنانے والی ہوں خفیہ دوست، یعنی خفیہ طور پر بھی یاری آشنائی نہ لگاؤ اس لئے کہ نکاح کے اندر اعلان شرط ہے کہ جس میں کم از کم دو آدمیوں کا موجود ہونا ضروری ہے یا ایک آدمی اور دو عورتوں کا، نکاح میں اتنا اعلان ضروری ہے اگر کوئی شخص دو آدمیوں کی موجودگی میں نکاح کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ یہ "متخذات اخدان" نہیں ہے اور اگر وہاں گواہ موجود ہی نہیں یعنی دو گواہ موجود ہی نہیں یا ایک مرد دو عورتیں موجود نہیں ہیں تو پھر چاہے آپس میں نکاح کا لفظ بولا ہے اور ایجاب وقبول ہوا ہے تو یہ نکاح شرعی طور پر نکاح نہیں، بلکہ یہ خفیہ آشنائی ہے جس کو شریعت حرام ٹھہراتی ہے، اس کا اعلان ضروری ہے اس کا اظہار ضروری ہے، جس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہاں ایجاب وقبول کے وقت میں دو آدمی موجود ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں اگر اتنا کام نہیں ہوا تو وہ ایسی صورت میں خفیہ آشنائی کہلائے گا۔

ارتکاب زنا پر باندیوں کی سزا:

"فاذا احصن" پھر جس وقت یہ باندیاں قید نکاح میں لے لی جائیں یہ منکوحہ بن گئیں، "فان اتین بفاحشة" پھر اگر یہ کسی زنا کا ارتکاب کرلیں "فعليهن نصف ماعلى المحصنات من العذاب" پھر آزاد عورتوں کو جتنی سزا ہے ان باندیوں کو اس سے نصف ہوگی کیونکہ باندیوں میں اتنا تحفظ نہیں ہوتا جتنا کہ آزاد عورتوں میں ہوتا ہے، انہوں نے اپنے مولیٰ آقا کی خدمت کے لئے باہر چلنا پھرنا بھی ہوتا ہے تو اس میں اتنا چونکہ تحفظ نہیں جس کی بناء پر ان کی سزا بھی تھوڑی رکھی گئی ہے، اور جب یہ نصف کا ذکر آ گیا تو معلوم ہو گیا کہ ان کے اوپر رجم بالکل نہیں ہے کیونکہ رجم کی تقسیم نہیں ہوسکتی، رجم کا تو مطلب یہ ہے کہ ان کو اتنا مارو کہ ان کی جان نکل جائے اب اس کو آدھ کس طرح سے کریں کہ آدھی جان نکل جائے اور آدھی رہ جائے اس لئے باندیوں کے اوپر رجم نہیں آیا کرتا، باندیوں کی سزا جو ہے وہ صرف درے لگانا ہے نصف کے لفظ سے یہ بات نکل آئے گی کیونکہ رجم کی تقسیم نہیں یا تنصیف نہیں ہوسکتی ان پر نصف ہے اس کا عذاب، "من العذاب" یہ ما کا بیان ہے ان پر نصف ہے اس عذاب کا جو کہ آزاد عورتوں پر ہے۔

صبر کرنا باندیوں کے ساتھ نکاح سے بہتر ہے:

"ذلك لمن خشي العنت منكم" یہ جو باندیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے یا ترغیب دی گئی

ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے اوپر مشقت کا اندیشہ رکھتا ہے تم میں سے یعنی اس کو اندیشہ ہے ''عنت '' سے زنا مراد ہے یعنی یہ اس کو اندیشہ ہے کہ میں نے اگر نکاح نہ کیا تو میں کسی مشقت میں واقع ہو جاؤں گا ، کسی زنا میں واقع ہو جاؤں گا ، اس کو تو نکاح کر لینا چاہیئے باز رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ بھی انسان ہے جس طرح سے تم انسان ہو جس طرح سے تم مؤمن ہو ان کو بھی ایمان حاصل ہے حقیقت اللہ جانتا ہے کہ کس کا ایمان کیسا ہے کیسا نہیں ، اس کو تو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرنی چاہیئے نکاح کر لینا چاہیئے ، البتہ جو اپنے آپ پر قابو رکھ سکے اور اس کو مشقت میں واقع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ آزاد عورت سے تو نکاح کرے باندیوں سے کرنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کی صورت میں پھر کئی ساری مشکلات پیش آتی ہیں جیسے فقہ کے اندر آپ پڑھتے ہیں کہ مولیٰ پابند نہیں ہے کہ اس باندی کو آپ کے گھر بھیجے بلکہ وہ اپنی خدمت میں اس کو رکھ سکتا ہے ، اور خاوند کا بس اتنا کام ہوگا کہ جب بھی اس کو موقع ملے تو ملاقات کر سکتا ہے پھر وہ مولیٰ کی خدمت کرے گی ، مولیٰ کے مہمانوں کی خدمت کرے گی ، اس کے کام کاج کے لئے باہر آئے جائے گی تو بسا اوقات انسان کے لئے بدمزگی کا باعث بن جاتی ہیں اور جو نکاح سے مقصد ہے کہ مرد اور عورت کی زندگی پر لطف گزرے اس میں رکاوٹیں پڑتی ہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو ، ورنہ اگر اس قسم کا اندیشہ ہے کہ برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے تو پھر نکاح کر لینا چاہیئے پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے ، یہ اس شخص کے لئے ہے جو تم میں سے اپنے اوپر '' عنت '' کا اندیشہ رکھے ، تکلیف اور مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ رکھے یعنی زنا وغیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے ''وان تصبروا خیر لکم '' اور صبر کرنا تمہارا بہتر ہے تمہارے لئے ''واللہ غفور رحیم '' اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ واضح کرے تمہارے لیے اور راہنمائی کرے تمہاری ان لوگوں کے طریقوں کی طرف جو تم سے پہلے گزرے ہیں

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ

اور تم پر توجہ فرمائے ، اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿٢٦﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ متوجہ ہو

عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

تم پر ، اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ جو خواہشات کی اتباع کرتے ہیں کہ تم مائل ہو جاؤ مائل ہونا

عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ

بہت بڑا ﴿٢٧﴾ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے ، اور انسان پیدا کیا گیا ہے

ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

کمزور ﴿٢٨﴾ اے ایمان والو! نہ کھایا کرو تم آپس میں ایک دوسرے کے مال

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ

غلط طریقے سے مگر یہ کہ ہو وہ تجارت آپس کی رضامندی سے ،

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ

اور اپنے لوگوں کو قتل بھی نہ کیا کرو ، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے ﴿٢٩﴾ اور جو شخص کرے گا

ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ

یہ کام حد سے بڑھتا ہوا اور ظلم کرتا ہوا پس عنقریب ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے ، اور یہ جہنم میں داخل کر دینا

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اللہ پر آسان ہے ﴿٣٠﴾ جن گناہوں سے تمہیں روکا گیا ہے ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے اگر تم بچتے رہو تو ہم دور ہٹا دیں گے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا

تم سے چھوٹے گناہ اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت والی جگہ میں ﴿٣١﴾ تمنا نہ کیا کرو

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

اس چیز کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لیے حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ

اس چیز میں جو انہوں نے کیا، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز میں جو انہوں کیا، اور اللہ سے مانگتے رہا کرو

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

اس کا فضل، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۳۲) اور ہر کسی کے لیے ہم نے بنائے ہیں

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

وارث اس مال کے کہ جس کو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی رشتے دار اور جن کے ساتھ تمہارے عہد کو تمہاری قسموں نے باندھا ہے

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع

ان کو ان کا حصہ دے دیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے (۳۳)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

سورۃ کی ابتداء سے اصلاحِ معاشرہ کے اصول بیان ہوتے چلے آرہے ہیں، بنیاد اس کی اس بات سے اُٹھائی گئی تھی کہ انسان جتنے بھی ہیں وہ سب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، لہٰذا ان کے معاملات کو اس جذبے کے ساتھ ادا کرنا چاہیے جس طرح سے آپس میں بھائی معاملہ طے کیا کرتے ہیں، برادرانہ جذبات کو برانگیختہ کیا گیا تھا، انسانی برادری کی یکسانیت ذکر کر کے پھر اس کی تفصیل آگے کی گئی تھی، یتیموں پر زیادتی نہ کرو ان کے مال کی نگہداشت کرو، ہر معاملے میں ان کی اصلاح کا خیال رکھو، عورتوں کے بارے میں جس قسم کی زیادتیاں لوگ کرتے تھے ان کی اصلاح کی گئی تھی اور درمیان میں کچھ اخلاقی اصلاح کے ضابطے بھی بیان کیے گئے تھے، اور پھر اس رکوع سے متصل آیات میں کچھ نکاح کے احکام محرمات کا بیان اور عورت کے ساتھ دوسرے برتاؤ کے طریقے واضح کیے گئے تھے، اس رکوع میں ابتدائی دو تین آیتوں میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی عظمت بیان کی ہے تاکہ مؤمنین ان کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے ان احکام کی پابندی کریں اور ساتھ ساتھ ایک فتنے کی نشاندہی کی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے بارے میں غلط کاروں کا رویہ:

اس فتنے کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت بھی یہ اصلاحی اصول لوگوں کے سامنے ظاہر کئے جائیں گے تو جن لوگوں کی زندگیاں ان اصولوں کے مطابق نہیں ہیں وہ مزاحمت کے لئے میدان میں اتریں گے، یہ ہمیشہ سے دنیا کا دستور ہے کہ جب لوگ کچھ کھانے کمانے کے لئے کچھ غلط طریقے اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے سامنے جس وقت کوئی اصلاحی پروگرام رکھا جائے جس میں بظاہر وہ اپنا نقصان سمجھتے ہیں تو وہ اپنے منطقی فلسفی دلائل لے کر میدان میں آتے ہیں اور اس اصلاحی سکیم کو فیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً آج کل جو سودی نظام چل رہا ہے تو سرمایہ دار طبقہ جتنا بھی ہے وہ سودی نظام کا محتاج ہے اب اگر آپ قانون بنانے کی کوشش کریں کہ سود کو ترک کر دیا جائے تو وہ لوگ اپنے دلائل کے ساتھ جن کو وہ دلائل قرار دیے ہوئے ہیں منطقی دلائل عقلی دلائل ان کے ساتھ وہ مقابلے میں آتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اگر یہ سود نہیں لیا جائے گا تو یوں بربادی آجائے گی یوں تباہی آجائے گی، تجارت تباہ ہو جائے گی، صنعت ٹھیک نہیں رہے گی ہمارے دوسرے لوگوں کے ساتھ لین دین، دوسرے ملکوں کے ساتھ معاملہ کس طرح ہوگا، ہزاروں اس میں فائدے بتائیں گے اور اس کے چھوڑنے میں ہزاروں اس کے نقصان واضح کریں گے، مقصد یہ ہوگا کہ یہ اچھا اصول جو بیان کیا جارہا ہے معاشی اصلاح کے لئے اس کو ناکام کر دیا جائے، اور ہمارا مفاد جو ہے وہ جاری رہے تو اس طرح سے اس معاشرے میں لوگ یتیموں کا مال کھانے کے عادی تھے، یتیموں کے مال کے بارے میں بے احتیاطیاں جاری تھیں، عورتوں کے اوپر وہ ناجائز قبضے جماتے تھے، ان کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اپنی مرضی کے مطابق ان کو اپنے مالوں کے اندر تصرف نہیں کرنے دیتے تھے تو جن لوگوں نے یہ طریقے اپنا رکھے تھے جن کو یہ حرام کھانے کی عادت پڑی ہوئی تھی، اور ایسے ہی بعض محرمات کے ساتھ نکاح کرنے کی عادت تھی۔

جیسے تفصیل آپ کے سامنے آچکی کہ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ بھی نکاح کر لیتے تھے، دو دو بہنوں کو اپنے نکاح میں لیے بیٹھے تھے، اور چار سے زیادہ دس دس بیس بیس عورتوں سے نکاح کیے بیٹھے تھے، جب یہ قاعدے ان کے سامنے واضح کیے جائیں گے تو وہ لوگ اپنے مفاد کے خلاف سمجھیں گے اور پھر تمہارے ساتھ وہ مزاحمت کریں گے ٹکرلیں گے، تمہیں سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ یہ جو باپ دادا کی طرف سے طریقہ چلا آرہا ہے اور ہمارے بڑوں کی طرف سے ہمیں یہ ورثہ کے طور پر طرز زندگی ملا ہے یہی ہمارے لئے مفید ہے، اور اس کے ترک کرنے میں یہ نقصان ہے، ہمیں اپنے باپ دادا کے طریقے کو بدلنا نہیں چاہیے اس طرح سے

وہ ذہنی طور پر ٹکر لیں گے، اپنی طرف سے دلائل واضح کریں گے، اور کوشش کریں گے تمہیں اس راستے سے ہٹانے کی اور پھسلانے کی، اس بات سے خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں تمہارا فائدہ ہے اور یہ شہوت پرست لوگ، خواہشات کے بندے، نفس پرور لوگ جو ہیں تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکانا چاہتے ہیں تو جس وقت بھی وہ تمہارے سامنے ایسے دلائل لے کر آئیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوں تو سمجھ جایا کرو کہ دین اور دنیا کے دشمن ہیں، ان کی بات پر کان نہیں رکھنا اس طرح گویا کہ مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ترغیب دی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بات پر کان نہ دھریں، وہ لوگ مرتکب شہوات، نفس پرست ہیں، پیٹ کے پجاری ہیں وہ جس وقت اپنے مفاد کے اوپر زد پڑتی ہوئی دیکھیں گے یقیناً تمہیں راستے سے بھٹکانے کی کوشش کریں گے ان سے ہوشیار رہنا، تو دنیا کے اندر اس طرح سے ہوتا ہے جس وقت بھی معاشرے کے اندر کوئی غلط کار لوگ قابض ہو جائیں ان کے قبضے سے چھڑانے کے لئے کتنی اچھی سے اچھی سکیم کیوں نہ واضح کی جائے بہر حال وہ اپنے مفاد کی خاطر مخالفت کرتے ہیں۔

تو یہاں دو چیزیں ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں، اللہ کی طرف سے جو احکام آئیں ان کی عظمت محسوس کرو، ان کو دین اور دنیا کے لئے مفید سمجھو اور اس پر کاربند ہو جاؤ، اور اس کی مخالفت میں تمہیں بہکانے کے لئے اکسانے کے لئے اس راستے سے ہٹانے کے لئے لوگ کیسے ہی دلائل سے مسلح ہو کر آئیں ان کی بات پر کان نہیں دھرنا، پہلی آیتوں کے اندر تو یہ تاکید کی ہے، آگے پھر احکام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ان الفاظ کو دیکھ لیجئے، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے احکام کو واضح کرے اور ان الفاظ کی تبیین میں فائدہ تمہارا ہے "لکم" میں لام انتفاع کے لئے ہے تمہارے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور اپنے قواعد تمہیں بتاتا ہے اور تمہیں ان آیات کے ذریعے سے ان لوگوں کے واقعات اور ان لوگوں کے طریقے بتلاتا ہے جو پہلے گزرے ہیں، انبیاء ﷺ کے طریقے، صالحین کے طریقے، اللہ کی مقبولیت کے طریقے ان کے واقعات تاکہ ان واقعات کے ساتھ اور ان صالحین کے طریقے کے ساتھ تمہارے دل کے اندر ان قوانین کی عظمت آئے، بتلاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ راستے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی رحمت کے ساتھ ان پر توجہ کرے، "یتوب علیکم" اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے، اس لئے جو کچھ بیان کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی علم و حکمت پر مبنی ہوگا، اور اس کے خلاف جو کچھ آئے گا وہ سب جہالت اور غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا، جب اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے تو جو کچھ وہ بتلائیں گے علم کا تقاضہ بھی وہی ہے اور جو قاعدہ وہ بنائیں گے حکمت کا تقاضا بھی وہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ جو کوئی

بھی آئے گا آپ کے سامنے اگر اللہ کے حکم کے خلاف کسی طریقے کو لائے گا تو وہ علم کے بھی خلاف ہوگا حکمت کے بھی خلاف ہوگا، جاہلانہ طریقہ ہوگا غیر دانشمندانہ طریقہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کی عظمت کو بیان کرنا ہی مقصود ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی ارادہ کرتا ہے تم پر توجہ کرنے کا، تم پر رحمت سے متوجہ ہو اور جو لوگ شہوات کے متبع ہیں، جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں، لذات کے پیچھے مرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے ایک طرف مائل ہو جاؤ، وہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں، مائل ہو جاؤ تم ایک طرف مائل ہو جانا، تم سیدھے راستے پر نہ چلو بلکہ ایک طرف کو ڈھلک جاؤ، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تم پر تخفیف کا، بوجھ ہلکا کرنے کا کہ یہ جاہلیت کی رسمیں جو تمہارے سر کے اوپر ایک بوجھ بنی ہوئی ہیں تمہارے گلے کے اندر آباء واجداد کے طریقے جو طوق کی طرح پڑے ہوئے ہیں جس نے تمہاری دنیا کی زندگی بھی تلخ کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ تم سے ان بوجھوں کو ہٹانا چاہتا ہے یہ ناجائز پابندیاں اپنے سے دور کر دو جس طرح جاہلیت کے اندر تم پر عائد کی گئی ہیں، بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کو انسان رسم ورواج کے طور پر اپنائے ہوئے ہوتا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک معاشی بوجھ بھی ہوتی ہیں اور ذہنی بوجھ بھی ہوتی ہیں، لیکن جرأت نہیں ہوتی ان کو ہٹانے کی اور اللہ کے حکم کا سہارا لے کر انسان ان کو ہٹانا چاہے تو اس طرح کے بوجھ مٹائے جاسکتے ہیں اور اس قسم کے رواج ختم کیے جاسکتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات اور ہمارا معاشرہ:

اچھی طرح سے اس بات کو سمجھنے کے لئے اپنے معاشرے کی طرف ذرا دھیان لے جایئے کہ ہمارے ہاں آج کل بیاہ شادیوں کا طریقہ جو عام طور پر دیکھ رہے ہیں اس میں اس قسم کے اخراجات پڑ جاتے ہیں بچوں والوں پر کہ اگر چار آدمی عقل مند مل کر بیٹھیں گے تو وہ بھی سمجھیں گے کہ یہ خواہ مخواہ کا بوجھ ہے برادری کی روٹیاں برادری کو ہدیے تحفے دینے اور بارات کی پابندی جہیز کی پابندی جو اس قسم کے بوجھ ہیں جو رسم ورواج کے طور پر ہیں اتنا دیئے کی گنجائش نہیں ہے لیکن لوگ قرضے لیتے ہیں، زندگی بھر کی بنائی ہوئی جائیدادیں اس قسم کے کاموں میں آکر برباد ہو جاتی ہیں لیکن کسی شخص کے اندر جرأت نہیں کہ اس گدھے کی لد کو اتار کر پھینک دے اور انسان کہے کہ اس بوجھ کو ہم اٹھانے کے لئے تیار نہیں، یہ رسم ورواج کا بوجھ خواہ مخواہ ہمارے سروں پر ڈالا ہوا ہے، اور اللہ کے حکم کی طرف اگر دھیان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تخفیف ہی تخفیف کا حکم دیتا ہے کوئی پابندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی نہیں ہے کہ جب تک تم اتنے آدمی نہیں جاؤ گے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے، جب تک لڑکی کے لئے

اتنا جہیز نہیں ہوگا تو نکاح درست نہیں ہے ،اور جب تک تم ساری بارات کو دیگیں اتار اتار کر نہیں کھلاؤ گے نکاح درست نہیں ہے اللہ کی طرف سے یہ کوئی حکم نہیں ہے، اللہ نے تو سب تخفیف ہی تخفیف کی ہوئی ہے۔

اسی طرح سے موت کے وقت میں یعنی ایک بوڑھا بے چارہ مرتا تو ہے لیکن پیچھے والوں کے لئے مصیبت بنا جاتا ہے کہ ساری برادری کی دعوتیں کرو، اور ملاں ٹیکس علیحدہ ادا کرو، مولوی ٹیکس علیحدہ ادا کرو، اور فلاں کا ٹیکس علیحدہ ادا کرو، یعنی مرنے کے بعد ایک لمبا چوڑا دھندا شروع ہو جاتا ہے کہ انسان کو اس قسم کی ذمہ داریاں ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے آپ حضرات کے سامنے ہے جس طرح سے برادری آتی ہے کھا پی کر جاتی ہے دیوالیہ انسان کا کر جاتی ہے ایک تو ان کا آدمی مر گیا، ایک تو جانی نقصان ہوا اور دوسرا مال کو چٹ کر جاتے ہیں، یہ سارے کے سارے بوجھ ایسے ہوتے ہیں جو رسم ورواج نے ہمارے سروں کے اوپر ڈالے ہوئے ہیں یہ جاہلانہ رسم ورواج ہیں، اللہ تعالیٰ اس قسم کے بوجھ انسان پر نہیں ڈالتا، اللہ تعالیٰ کے سامنے انسان کی کمزوری ہے کہ کس طرح سے اس نے پیدا کیا ہے کمزور مخلوق ہے اس پر اس طرح کے بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جن کو یہ برداشت نہ کر سکے، ہم نے خود اپنے اوپر اس قسم کے بوجھ ڈال لئے ہمارے بڑوں کے رسم ورواج کے طور پر ہمارے خاندان میں یہ چیزیں جو آگئی ہیں اللہ کے احکام سب اس کے خلاف ہیں اور تم پر تخفیف پیدا کر دی، تو تمہیں چاہیئے کہ اس قسم کی برادری کی رسموں کو کاٹ دو اور یہ جو بوجھ تمہارے اوپر بلاوجہ پڑا ہے اس کو گرا دو اللہ تعالیٰ تمہاری خلقت سے واقف ہے، وہ تمہارے اوپر ذمہ داری اتنی ڈالتا ہے جس کو تم برداشت کر سکو۔

حلال طریقہ سے مال لینے کی صورتیں:

آگے پھر احکام کا سلسلہ ہے، اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقے سے نہ کھایا کرو، ہاں البتہ کھانے کا طریقہ تجارت ہے، اور وہ بھی وہ جو تمہاری طرف سے رضامندی سے صادر ہو، یہاں ایک طریقہ بتایا گیا ہے تجارت کا اور اس کے ساتھ رضامندی کی قید لگا دی گئی چونکہ عام طور پر دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا درست طریقہ یہی ہے ورنہ شریعت میں بہت ساری تفصیل موجود ہے اب یوں سمجھیں کہ آپ کے ہدایہ کی ساری کتاب البیوع وہ اسی آیت کی تفسیر ہے، دوسرے کے مال سے انسان فائدہ عاریت کے طور پر بھی اٹھا سکتا ہے باب العاریۃ مستقل شریعت میں ہے، حدیث کی کتابوں میں بھی ہے، ہدیہ بھی ایک طریقہ ہے دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا کہ خوشی کے ساتھ آدمی ایک دوسرے کو دے، دے کے مقابلے میں لے کچھ نہیں، وراثت کے طور پر بھی ایک کا مال دوسرے کو پہنچتا ہے اور اس طرح سے اور بھی جائز طریقے ہیں، دعوت کے طور پر بھی آپ ان کو

کھلا دیں ہدیہ تحفہ کے طور پر آپ ان کو دے دیں، آپ عاریت کے طور پر لے لیں، قرض کے طور پر لے کر آپ اس سے فائدہ اٹھالیں، کرائے پر لے لیں، اجارے پر لے لیں، یہ صورتیں بھی ہیں لیکن عموم کے ساتھ جو چیز واقع ہوتی ہے وہ ہے مبادلہ تجارت، ایک چیز لی جاتی ہے اور دوسری چیز دی جاتی ہے، اور اس مبادلے کے اندر مال کا مبادلہ مال کے ساتھ ہو جو عام طور پر تجارت ہوتی ہے یہ بھی ہے۔

اور یہاں مفسرین نے تصریح کی ہے کہ کسی کے گھر میں ملازمت اختیار کر کے اس سے تنخواہ لینا اور اس کے مال سے فائدہ اٹھانا یا اسی طرح اجارے کے طور پر منافع کے ساتھ جو مال کا مبادلہ ہوتا وہ بھی سب اس میں شامل ہے، حقیقت کے اعتبار سے تجارت ان پر بھی صادق آتی ہے، ایک ہے کہ دونوں طرف سے مال ہو جس کو ہم اپنے عرف کے طور پر تجارت قرار دیتے ہیں اور ایک ہے کہ ایک طرف سے مال ہو دوسری طرف سے منافع ہو آپ کسی کے گھر جا کے کام کیجئے اور اپنے بدنی منافع ان کو دیجئے اور اس کا مال لیجئے اور مال لے کر اس سے فائدہ اٹھائیں، اسی طرح آپ اس کو کوئی چیز کرائے پر دے دیں چیز کے منافع اس کے لئے چلے گئے، اور پیسے آپ اس سے لے لیں گے، آپ کسی کا مکان لے لیتے ہیں کرائے پر تو منافع اس سے لے لیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مال دیتے ہیں یہ سب تجارت میں شامل ہے، تو محنت کر کے کسی کے مال سے فائدہ اٹھایا جائے جس کو ہم تنخواہ کہتے ہیں وہ بھی اس میں آجاتی ہے، اور اجارہ وغیرہ کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ بھی اس میں آجاتا ہے، تو گویا کہ ایک دوسرے کے مال کو حاصل کرنے کے جائز طریقے یہ ہیں کہ مبادلہ مال کا مال کے ساتھ ہو یا مبادلہ مال کا منافع کے ساتھ ہو یہ جائز طریقہ ہے ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا۔

حرام طریقہ سے مال لینے کی صورتیں:

اور اس کے علاوہ غصب کے طور پر مال اس کا لے لیا دیا اس کو کچھ بھی نہیں یا اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا، چوری کے طور پر، رشوت کے طور پر، سود کے طور پر، دھوکہ اور فریب کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے مال سے فائدہ نہ اٹھائے یہ طریقے اگر تم جاری کرو گے بغیر کسی محنت کے دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا جس طرح سے آج لوگ چاہتے ہیں کہ کرنا کچھ بھی نہ پڑے بیٹھے بیٹھے سرمایہ دار ہو جائیں، یہ طریقے اگر جاری ہوں گے تو تمہارا اپنا مالی نظام تباہ ہو جائے گا پریشانیاں تمہیں ہوں گی اور اگر رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ کرتے رہو گے اور لیتے دیتے رہو گے تو سارے سکھ اور چین سے رہو گے "اموالکم" اپنے مالوں کو یعنی اپنے بھائیوں کے مالوں کو آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو غلط طریقے سے کھایا نہ کرو اور غلط طریقے کے اندر ہر وہ

طریقہ آ گیا جس کو شریعت نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، چوری، غصب، دھوکہ، فریب، رشوت، سود اور اس قسم کے جتنے بھی عقود باطلہ ہیں اور عقود فاسدہ ہیں وہ سارے اس میں آ جائیں گے، اور کثیر الوقوع ہونے کے طور پر تجارت کو ذکر کر دیا، ورنہ شریعت کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ اس کے علاوہ اور طریقے بھی ہیں آپس میں ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کے جس کی تفصیل آپ کے سامنے میں نے عرض کر دی۔

مال کے لینے اور دینے میں رضامندی ضروری ہے:

تراضی کی قید معتبر ہے، جبری بیع نہ ہو جس طرح کہ سرمایہ دار مال کو اسٹاک کر کے رکھ لیتا ہے، جب وہ بازار سے ناپید ہو جاتا ہے لوگ اب خریدنے کے لئے جاتے ہیں تو منہ مانگی قیمت وہ لیتا ہے، اور پھر ساتھ ساتھ اپنے دل کو تسلی بھی دے دیتا ہے کہ لوگ اپنی رضامندی سے خرید رہے ہیں، میں کونسا ان کو مجبور کرتا ہوں اس لیے جتنے پیسے لے لوں میرے لئے جائز ہیں یہ بات غلط ہے، یہ رضا جبری ہے جب ایک انسان مجبور ہو گیا مضطر ہو گیا، وہ چیز اس کو کسی اور جگہ سے ملتی نہیں تو اس لئے اگر منہ مانگی رقم دیتا ہے تو یہ رضا جبری ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، دیکھا جایا کرتا ہے کہ عام عرف کے اعتبار سے وہ چیز کتنی قیمت کی ہے اس سے زائد قیمت لینا اس کے اضطرار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی اکل بالباطل ہے، مجبور کر دیا جائے انسان کو کسی حال کے اعتبار سے مجبور جیسے کوئی حاکم مجبور کر دے رشوت دینے پر اب رشوت دے کر جو جائے گا لوگ کہیں کہ بھائی اپنی مرضی سے دے کر گئے ہیں اگر تم ان کا کام صحیح طریقے سے کرتے تو وہ اپنی مرضی سے رشوت کیوں دیتے تو یہ حالات کی مجبوری ہے اور اس حالات کی مجبوری کے تحت اگر چہ دینے والا بظاہر راضی بھی ہو لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ راضی نہیں ہے اس لئے اس قسم کی رضا معتبر نہیں، طرفین کی رضامندی ضروری ہے اس مال کے حلال ہونے میں۔

دنیا میں امن وامان مالی نظام کی اصلاح پر موقوف ہے:

”ولا تقتلوا انفسکم“ یہ تو مال کی حفاظت تھی اور اس کے ساتھ ہی آ گیا کہ اپنے لوگوں کو قتل بھی نہ کیا کرو اور دونوں باتوں میں انسان اس وقت مبتلاء ہوتا ہے جس وقت انسان مال کی حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے، جائز اور ناجائز طریقے سے مال اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لازماً اس کے نتیجے میں شر اور فساد ہوتا ہے پھر قتل تک نوبت بھی پہنچتی ہے اگر مالی نظام کو ٹھیک کر دیا جائے اور مالی نظام جو ہے وہ صحیح طریقے سے چلتا رہے، لوگ ایک دوسرے کے مال پر دست درازی نہ کریں تو اکثر و بیشتر قتل وقتال کی نوبت بھی نہیں آئے گی، اور جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی،

آپ جس وقت غور کریں گے تو آپ کے سامنے یہ بات آئے گی کہ یہ لڑائی بھڑائی قتل وقتال تک عموماً اسی حرص اور لالچ کی بناء پر نوبت آتی ہے کوئی کسی کی جائیداد لینے کے لئے اس کو قتل کر دیتا ہے اور کوئی چوری ڈاکے کے لئے جاتا ہے اور اس کو جان سے مار دیتا ہے اور اسی طرح سے اور فسادات ہیں تو مال کے لئے بھی قواعد بتا دیئے گئے کہ غلط طریقے سے نہ کھایا کرو اور حرص سے بچو، اور ایک دوسرے کی جان کی بھی حفاظت کرو، ''ولاتقتلوا انفسکم'' اپنے لوگوں کو قتل نہ کیا کرو۔

ظالم کو سزا دینا اللہ کی رحمت کا تقاضہ ہے:

''ان اللہ کان بکم رحیماً'' بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا ہے، یہ اس کی رحمت کے تقاضے ہیں جو وہ تمہیں بتا رہا ہے اور اگر اس کے خلاف چلو گے چاہے تم اس میں اپنے لئے کتنے فائدے ہی کیوں نہ سوچو، حقیقت کے اعتبار سے وہ ظلم کے راستے ہیں، رحمت کے راستے نہیں ہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے جو تمہیں تمہاری زندگی کے قاعدے بتا رہا ہے اور جو کوئی ایسا کرے گا ظلم اور زیادتی کسی دوسرے پر یعنی غلط طریقے سے مال کھائے گا یا کسی کی جان کو نقصان پہنچائے گا دنیا کی سزائیں بھی اپنی جگہ اللہ نے بتائی ہوئی ہیں کہ اس کو یہ سزائیں دی جائیں گی وہ بھی دوسری آیات میں واضح ہیں، لیکن اگر دنیا کی سزا سے کسی طرح کوئی آدمی بچ بھی جائے گا تو آخرت میں تو ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے وہاں سے تو چھوٹنے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اب یہ ظالم کو جہنم میں ڈال دینا یا ظالم کو سزا دے دینا یہ بھی اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے، اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کی گردن کو توڑے جیسے ظالم اپنے لئے ڈھیل چاہتا ہے تو جن لوگوں کے حقوق تلف کر رہا ہے آخر وہ بھی تو اللہ کے بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کی جان و مال کی حفاظت کرے تو جو حد سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا ملنا یہ بھی اس کی رحمت کا تقاضا ہے، ''وکان ذلك علی اللہ یسیراً'' اور جہنم کے اندر ڈال دینا یہ اللہ پر آسان ہے اللہ کو کوئی ایسے انتظام نہیں کرنے پڑتے جس کی بناء پر کوئی مشکل پیش آئے اور تم یہ چاہو کہ جب ہم اتنے سارے ہوں گے تو انتظام ہی نہیں ہو سکے گا تو سزا کیسے ہو جائے گی، ایسی بات نہیں ہے اللہ کے لئے سب کام آسان ہیں، یہ وعید آگئی جس طرح پہلے ''ان اللہ کان بکم رحیما'' کے اندر ترغیب کا پہلو ہے کہ یہ قاعدے سارے کے سارے رحمت کے ہیں اب اس کے ذریعے وعید کا پہلو آگیا۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا معیار:

''ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنه'' جن چیزوں سے تمہیں روکا گیا ہے اگر ان میں سے تم بڑی بڑی

چیزوں سے بچتے رہو تو چھوٹے موٹے گناہ جو ہیں ہم ویسے ہی اپنی رحمت کے ساتھ معاف کرتے جائیں گے یہ بھی ایک ترغیب کا پہلو ہے، بڑی بڑی غلطیوں سے بچو اور چھوٹے چھوٹے قصور جو ہو جاتے ہیں ہم اپنی رحمت کے ساتھ تمہیں معاف کر دیں گے کچھ گناہ کبیرہ ہوتے ہیں، گناہ صغیرہ ہوتے ہیں اور کچھ کبیرہ اور صغیرہ کا معیار کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو گناہ کی حقیقت اللہ کی نافرمانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی کوئی نافرمانی چھوٹی نہیں ہر نافرمانی بڑی ہے اور بندہ کی بندگی کے یہ خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس لئے بعض حضرات کا قول یہ بھی آتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی جو بھی ہے وہ سب کبیرہ ہی ہے، اور یہ کبائر اور صغائر کا لفظ جو بولا جاتا ہے یہ اضافی ہے،'' كل ذنب كبيرة بنظر الى ماتحته وكل ذنب صغير بنظر الى فوقه '' کہ نیچے والے گناہ کو دیکھتے ہوئے ہر گناہ بڑا ہے اوپر والے گناہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہر گناہ چھوٹا ہے، کیونکہ درجات کا فرق تو یقیناً ہے کسی میں نقصان کم ہوتا ہے کسی میں زیادہ یا حال کے اندر درجات کا فرق تو یقیناً ہے۔

ایک ہے کسی کو جان سے مار دینا یہ بھی گناہ ہے اور ایک ہے کہ راستے کے اندر کانٹے ڈال دے، چلنے والوں کے پاؤں میں چبھیں یہ بھی گناہ ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے جس طرح سے نیکیوں میں فرق ہے کہ نماز پڑھنی ہے جہاد کرنا ہے، ہجرت کرنی ہے، اور ایک راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو اٹھا دینا ہے نیکیاں تو دونوں برابر ہیں لیکن درجات کا یقیناً فرق ہے تو نافرمانی ہونے کے اعتبار سے تو کوئی گناہ چھوٹا نہیں اس لئے سرور کائنات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جن گناہوں کو چھوٹا چھوٹا سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچا کرو کیونکہ اللہ کی طرف سے اس پر بھی مطالبہ ہو سکتا ہے، اگر پکڑنا چاہے تو اس پر بھی پکڑ سکتا ہے، حسی طور پر اس کی مثال دیا کرتے ہیں کہ گناہ جو ہیں یہ اسی طرح سے ہیں جیسے آگ کا ایک بڑا انگارہ ہے اور ایک چھوٹا انگارہ ہے تو بڑے انگارے سے آگ ذرا جلدی لگ جاتی ہے اور ایک چھوٹا انگارا اٹھا کر اپنے کپڑوں پر رکھ لو، تو کپڑے جلا تو وہ بھی دے گا چاہے اتنا نقصان نہ ہو جتنا بڑے انگارے سے ہوا ہے، تو جیسے انسان بڑے انگارے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو چھوٹے انگارے سے بچنے کے لئے بھی ایسی کوشش کرنی چاہیے اس لئے گناہ ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے کے اعتبار سے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک کبائر اور صغائر کی تقسیم یہ حقیقی ہے کہ بالتعیین بعض گناہ جو ہیں وہ کبیرہ ہیں اور بعض گناہ جو ہیں وہ صغیرہ ہیں ان کے نزدیک کبیرہ کی تعریف اور اصح قول بھی یہی ہے کہ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے

جس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت کا ذکر کیا غضب کا ذکر کیا یا اس کے اوپر نار جہنم کی وعید سنائی یا وہ اپنے نقصان اور اثرات کے اعتبار سے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کے برابر ہو جس پر لعنت غضب یا نار جہنم کی وعید آئی ہے یہ تو کبیرہ کی تعریف ہوگئی اور اس کے مقابلے میں دوسرے ہوئے صغیرہ، تو کبیرہ کے بارے میں شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو یہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اس کا ازالہ توبہ استغفار کے ساتھ کرنا پڑتا ہے، اور جو دوسرے گناہ ہیں صغائر جو اس درجے کے نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ عام نیکیوں کی برکت سے بھی معاف کر دیتے ہیں جیسے وضو کیا تو گناہ معاف ہو گئے، اور نماز پڑھی تو گناہ معاف ہو گئے، چھوٹے موٹے صغائر جتنے ہیں وہ ان عبادات کی برکت سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تعریف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی:

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں یہاں کبیرہ اور صغیرہ کا ایک اور معیار بھی بیان فرمایا، حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ بعضے گناہ ایسے ہیں جو کہ مقاصد کے درجے میں ہوتے ہیں اور بعضے کام ایسے ہیں جو مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بطور ذریعہ کے اختیار کئے جاتے ہیں، مثال کے طور پر شہوت پرستی میں مقصد کے درجے میں گناہ ہے جس کو ہم زنا کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے قضاء شہوت ''ادخال الفرج فی الفرج'' یہ صورت واقعی زنا کی ہے لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت لمبا چوڑا میدان انسان کو طے کرنا پڑتا ہے، پہلے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، انسان سوچنا شروع کرتا ہے، اور پھر اس محل کی طرف جہاں یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے قدموں سے چل کر جاتا ہے پھر زبان کے ساتھ بہکانے پھسلانے کی کوشش کرتا ہے، نگاہ اس کے اوپر ڈال کر تلذذ حاصل کرتا ہے، ہاتھ اس کی طرف بڑھ جاتا ہے، بدن بدن کے ساتھ لگاتا ہے، اور پھر کہیں جا کر اس مقصد تک پہنچتا ہے، جس کو ''ادخال الفرج فی الفرج'' کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مقصد کے درجے میں جو چیز ہے یہ ہے کبیرہ اور اس کو حاصل کرنے کے لیے جو ذرائع اختیار کیے گئے ہیں یہ اس وقت تک صغیرہ ہیں جب تک انسان اس مقصد تک نہیں پہنچتا، اور اگر اس مقصد تک پہنچ گیا تو اس مقصد تک پہنچنے کے بعد جب سے اس نے سوچنا شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے اپنے بدن کو حرکت دی تھی وہاں سے لے کر اس قضاء شہوت تک یہ سارا عمل زنا کی صف میں آگیا یہ سارا ہی کبیرہ گناہ ہے اب اس میں کسی نیکی کی برکت سے کوئی چیز معاف نہیں ہوگی، نہ ہاتھ کا گناہ معاف ہوگا، نہ آنکھ کا گناہ معاف ہوگا، نہ کان کا گناہ معاف ہوگا، نہ قدموں کا معاف ہوگا، نہ دل کا معاف ہوگا، جب تک کہ توبہ کر کے اصل زنا سے معافی نہ لے لے، اور اسی طرح سے قتل کے سلسلے میں کسی کو جان سے مار دینا یہ مقصد کے درجے میں ہے

اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو چھوٹے موٹے کام کرنے پڑتے ہیں وہ سارے کے سارے ذرائع ہیں وہ صغائر ہیں، اگر تو یہ بڑے گناہ سے بچ گیا تو جو صغائر ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی برکت سے معاف ہو جائیں گے، لیکن اگر قتل تک نوبت آ گئی اب یہ جو صغائر تھے یہ صغائر نہیں رہے کبائر ہو گئے لہٰذا اب ان کی معافی جو ہے وہ نیکیوں کی برکت سے نہیں ہوگی، جس وقت تک کہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوگا، اس کے ذریعے کے طور پر جو چھوٹی چھوٹی حرکتیں ہوئی تھیں یہ معاف نہیں ہوں گی، تو پھر یہ بات لفظوں کے بھی عین مطابق ہو جاتی ہے کہ کبیرہ سے بچو گے تو صغائر معاف کئے جائیں گے، اگر تم کبیرہ سے نہیں بچو گے تو صغائر بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر لفظوں کے مطابق ہے، پھر صغائر مراد ہوں گے اسی سلسلے کے جس سلسلے کا کبیرہ ہے، جس سلسلے کا کبیرہ ہے اسی سلسلے کے صغیرہ مراد ہوں گے، اگر مقاصد کے درجے کا جو گناہ ہے اس سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے موٹے گناہ معاف کر دیں گے، اور اگر مقصد تک پہنچ گئے اور معصیت کو انتہاء تک پہنچا دیا تو پھر اس سلسلے کے جتنے چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں پھر وہ بھی معاف نہیں ہوں گے، تو پھر سارا سلسلہ ہی کبیرہ بن گیا، اب کبیرہ سے توبہ کر کے کبیرہ کی معافی ہوگی تو صغائر بھی معاف ہوں گے ورنہ صغائر بھی معاف نہیں ہوں گے۔

بہر حال اس میں دو درجے نکل آئے اور اصل اہمیت جو واضح کی گئی وہ ہے کبیرہ سے بچنے کی کہ بڑے بڑے گناہوں سے بچو اور چھوٹے چھوٹے گناہ جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ عبادت کی برکت سے بھی معاف کر دیں گے، اور ویسے عادت بھی یہی ہے کہ جو آدمی بڑے گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ چھوٹوں سے بھی بچ جاتا ہے اور جو بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی کوشش نہ کرے تو چھوٹوں کا سلسلہ تو پھر ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔

گناہ کبیرہ کا ارتکاب اور صغیرہ سے اجتناب:

اور اگر کوئی شخص چھوٹے گناہوں سے تو بچنے کی کوشش کرتا ہے معمولی چیزیں کہتا ہے کہ آداب کے خلاف نہ ہو مسجد میں داخل ہوتے وقت اگر کسی کو دیکھ لے کہ اس نے بایاں پاؤں پہلے رکھ لیا ہے تو اس پر تو ناک منہ چڑھاتا ہے اور آداب کی تو انتہائی پابندی کرتا ہے لیکن بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا، حسد میں مبتلا ہے، تکبر میں مبتلا ہے، ریا میں مبتلا ہے، دوسری قسم کی مالی لعنتوں میں مبتلا ہے، نفسانی خیانتوں میں مبتلا ہے، لیکن ظاہری طور پر وہ آداب تک کی پابندی کرتا ہے یہ تو بالکل ہی حماقت اور بالکل ہی پاگل پن ہے، یعنی اس کی مثال تو یوں سمجھیں۔

جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دی اپنے ایک وعظ میں کہ ایک حاکم تھا وظیفے بڑے بڑے کیا کرتا تھا، نوافل کی بڑی پابندی کرتا تھا، فجر کی نماز کے بعد کہتے ہیں مصلی پر بیٹھ جاتا جب تک اشراق نہیں پڑھتا تھا، اٹھتا نہیں

تھا، اور یہی وقت ہوتا تھا اہل مقدمہ کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا کہ جس وقت وہ آتے آکے کوئی بات چیت ہوتی تو بولنا تو وظیفے میں منع ہے بولتا نہیں تھا تاکہ ذکر کا تسلسل نہ ٹوٹے تو جب وہ مقدمے والے آتے تو اشارے سے کہتا کہ دوسو روپیہ دے دو انگلیوں سے معاملہ طے کرتا بولتا نہیں تھا تاکہ وظیفہ خراب نہ ہوجائے، مصلیٰ اوپر کو اٹھا دیا کرتا تھا، اور پیسے نیچے رکھ دیا کرتے تھے تو جس وقت وہ اٹھتے تو مصلیٰ کے نیچے سے برکت ہی برکت ملتی، رحمت ہی رحمت ملتی، نوٹ ہی نوٹ ہوتے تھے، بولتے نہیں تھے کہ یہ بولنا جو ہے یہ ادب کے خلاف ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعضوں بعضوں کا تقویٰ جو ہے یہ کلابی تقویٰ ہوتا ہے، کلاب یہ کلب کی جمع ہے اور کلب کتے کو کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ کتا بڑا پرہیزگار ہے جس وقت پیشاب کرنے لگے تو ٹانگ اٹھا لیتا ہے کہ کہیں چھینٹے نہ پڑ جائیں اور پاخانہ مل جائے تو سارا کھا جاتا ہے، تو جیسا اس کا تقویٰ ہے کہ منہ کو بچاتا نہیں ٹانگوں کو بچاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ جو ہیں وہ آداب کی اتنی رعایت کرتے ہیں کہ دیکھیں کہیں ایسے نہ ہوجائے، وہ استحباب اور اولیٰ چیزوں کے پیچھے تو یوں پڑیں گے کہ بالکل سنوار کے رکھیں گے لیکن جہاں حرام کاموں کا تذکرہ آجائے گا تو پرواہ ہی کوئی نہیں یہ کلابی تقویٰ ہے۔

یہ بالکل اس آیت کی حکمت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا ہے چھوٹی غلطیاں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے لیکن اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطیوں سے تو بچنے کی کوشش کرتا ہے اور بڑی بڑی غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے، جیسے ہمارے استاذ نے ایک دفعہ سنایا تھا کہنے لگے کہ ایک آدمی نے کسی عورت کے ساتھ برا کام کرلیا زنا کرلیا، اور حمل ٹھہر گیا جس کی وجہ سے وہ فعل ظاہر ہوگیا، تو بعد میں رسوائی ہوئی تو کسی نے اس کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ بھائی اگر تو نے منہ کالا کیا ہی تھا اور اس قسم کی بدمعاشی تو نے کی تھی تو کم از کم عزل کرلیتا تاکہ حمل نہ ٹھہرتا، عزل کا معنی ہے نطفہ باہر گرادینا، جو طریقہ عزل کا ہے حمل نہ ٹھہرتا، تو یہ رسوائی تو نہ ہوتی وہ کہنے لگا کہ خیال تو مجھے بھی آیا تھا لیکن پھر یاد آیا کہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اس قسم کا تقویٰ شریعت کو مطلوب نہیں ہے کہ ظاہری طور پر تو تم اتنے پختہ معلوم ہوؤ کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ادب کے خلاف بھی نہیں کرتے، اور جہاں معاملہ حرام کاری کا آجائے، مالی خیانت کا آجائے، کسی کا حق دبانے کی بات آجائے، کسی کا قرض دبانے کی بات آجائے، کسی کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بات آجائے تو وہاں کوئی پرواہ ہی نہیں، اور اس طرح سے حسد میں مبتلا ہیں، بغض میں مبتلا ہیں، تکبر میں مبتلا ہیں، مسلمان کی غیبت کرتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں غلط بیانی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں لیکن جس وقت مسواک کی نوبت آئے گی تو کوشش کریں گے کہ پکڑی

اس طرح سے جائے جس طرح سے فقہاء نے لکھا ہے یہ نہ ہو کہ انگلیاں ساری اوپر آ جائیں یا کوئی نیچے آ جائے اتنی موٹی ہو اتنی لمبی ہو اس کی پابندی یوں کریں گے جس طرح فرائض کی کی جاتی ہے۔

یہ مقصد نہیں ہے شریعت کا، آداب ادب کی جگہ وہ بھی مطلوب، مکروہات اپنی جگہ ان سے بچنا بھی ضروری لیکن اصل مقصد جو ہے وہ یہ ہے کہ کبائر سے بچو، فرائض کا ترک یہ بھی کبیرہ کے حکم میں ہے، فرائض کی پابندی کرو، محرمات سے بچو، فرائض کو ترک نہ کرو، اور جتنی ترقی کرتے چلے جاؤ، اولیٰ کی بھی پابندی کرو، افضل کی بھی پابندی کرو، آداب کی بھی پابندی کرو، ترتیب یہ ہے، یہ نہیں کہ ان فرائض کو چھوڑ کر محرمات کا ارتکاب کر کے پھر آداب کی پابندی کرو، یہ برعکس تقویٰ ہے اور یہ کلائی تقویٰ ہے، یہ مطلوب نہیں ہے پابندی جو ہے وہ فرائض کی ہے اور بچنا محرمات سے ضروری ہے، پھر آگے ترقی کرتے چلے جاؤ، فرائض کے بعد واجبات کی پابندی کرو اور سنن کی پابندی کرو اور پھر مستحبات کی پابندی کرو، آداب کی پابندی کرو، اب تم نے اس فعل کی لائن کو پورا کر لیا، حرام سے بچو، مکروہات سے بچو، خلاف اولیٰ چیزوں سے بچو، اور جو چیزیں خلاف شریعت لے جانے والی ہیں ان سے دور رہو، مطلوب اس طریقے سے ہے، اور ظاہری طور پر مستحبات پر پابندی ہو اور اس قسم کے فرائض سے انسان غفلت برتے تو یہ شریعت کی حکمت کے خلاف ہے، تو بڑے بڑے کاموں سے تم بچو چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہم تمہاری معاف کرتے چلے جائیں گے" وندخلکم مدخلا کریما "اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔

غیر اختیاری امور میں تقدیر پر شاکر رہو:

"ولاتتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض" اس میں بھی ایک حکمت بتلائی کہ آپس میں حسد کے اندر مبتلا ہونا یہ بھی بہت سارے فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں، اور اس چیز کا حاصل کر لینا تمہارے اختیار میں نہیں ہوتا ایک آدمی خوبصورت ہے اور دوسرے کو اللہ نے بدصورت پیدا کر دیا اب بدصورت اگر کہے کہ میں بھی خوبصورت بن جاؤں تو یہ اس کے بس میں نہیں، ایک کو اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم زیادہ دیا ہے اور دوسرے کا عقل وفہم کمزور ہے تو یہ کمزور عقل وفہم والا چاہے کہ میں بھی اسی طرح سے عقل وفہم حاصل کر لوں، یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے، ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ اور اونچے خاندان میں پیدا کر دیا، اور ایک کو اللہ تعالیٰ نے کسی کم درجے کے خاندان میں پیدا کر دیا تو اپنی قومیت بدل لینا یا دوسرے خاندان میں پیدا ہو جانا یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے، بدنی صلاحیتیں عقلی صلاحیتیں اور اسی طرح نسبی اور خاندانی صلاحیتیں یہ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتی ہیں یہ اس قسم کی چیزیں ہیں کہ جس کو مل جائیں اللہ کی نعمت ہے لیکن اس کو کوئی دوسرا حاصل کرنا چاہے تو اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

مالی نشیب و فراز بھی اسی طرح سے ہوتا ہے، جائیداد کے اعتبار سے بھی نشیب و فراز ایسے ہی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس چیز میں ہم بعض کو بعض پر فضیلت دے دیں تو تم اس کی تمنا نہ کیا کرو، یہ غیر اختیاری امور میں تمنا کرنے کی ممانعت کرنا مقصود ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں سوائے اس کے کہ تم حسد میں مبتلا ہو جاؤ اور اپنے آپ کو پریشانی میں ڈال لو اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اگر تم جلو گے دوسرے کی چیز دیکھ کر کہ میں بھی ایسا ہوتا، یہ کیوں ایسا ہے تو اس سے پریشانی علیحدہ اور اس حسد میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے اپنی نیکیوں کو علیحدہ برباد کر بیٹھو گے، کوئی عورت تمنا کرے کہ کاش میں مرد ہوتی، یا کسی مرد کے دل میں تمنا پیدا ہو جائے کہ میں عورت ہوتی، اب اس قسم کی تمنائیں جو ہیں یہ سوائے پریشانی کے اور کیا ہیں، ان کا کچھ حاصل نہیں ہے، ایسی چیزوں کے پیچھے نہ پڑا کرو، یہاں تو تقدیر پر شاکر رہو جیسے اللہ نے بنا دیا ہے ٹھیک ہے، ہمارے لئے یہی مصلحت ہے۔

اختیاری امور میں مقابلہ کرو:

اور ایک ہیں امور اختیاریہ فضائل جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ ثواب دیتے ہیں یہ میدان ہے مسابقت کا یہاں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، مرد جو کام کریں گے ان کو ثواب ملے گا، عورتیں جو کام کریں گی ان کو ثواب ملے گا، اپنی صلاحیتیں اس میدان میں خرچ کرو، اور آج حب جاہ کے اندر مبتلا ہو کر لوگ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یا دوسرے کے حال کے اوپر رشک اور حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں پریشانی ہے، مسابقت دوڑ ایک دوسرے سے آگے نکلنا یہ نیکی کے میدان میں ہے، جتنی نیکی کرو گے اتنا اللہ سے ثواب لے لو گے، یہ میدان وسیع ہے اپنی صلاحیتیں یہاں صرف کرو، اپنی محنت یہاں پر لگاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اس کا فضل مانگو لیکن...؟

اور ویسے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اس کا فضل مانگتے رہا کرو، فضل کا تعین کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے، دعا اللہ سے یہی کرو کہ اے اللہ ہم پہ فضل فرما، جو ہمارے حق میں بہتر چیز ہے وہ ہمیں عطا فرما، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی کے ساتھ جس حال میں تمہیں رکھے اس میں شکر گزار رہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے دعائیں کرو، اللہ سے اس کا فضل مانگو اس کی رحمت مانگو، پھر فضل کبھی تو تمہارے پاس مال کی صورت میں آئے گا، اگر اللہ کی حکمت و علم کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں مال دیا جائے تو تمہارے حق میں اچھا ہے فقر و فاقہ کے اندر مبتلا کر دیا جائے تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ کا فضل مال کی صورت میں ظاہر ہو جائے گا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی ہے کہ تم پر مہربانی کا تقاضا یہی ہے کہ تمہیں زیادہ مال نہ دیا جائے اگر

تمہیں مال دے دیا گیا تو تم سرکش ہو جاؤ گے، باغی ہو جاؤ گے، مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں مال سے محروم کر دے گا پھر یہی اس کا فضل ہوگا پھر اسی پر تم شاکر رہو، اسی طرح سے دوسری چیزیں اپنے لئے تجویز کرنا کہ فلاں چیز مجھے ضرور مل جائے انسان اپنے مستقبل سے غافل ہے اس کو کوئی پتہ نہیں اس میں کتنا نفع کا پہلو ہے کتنا نقصان کا پہلو ہے یہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اس لئے عافیت اور اللہ کا فضل اللہ سے طلب کرو اور جس حال میں اللہ تعالیٰ تمہیں رکھے اس میں شاکر رہو۔

"ولاتتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض" تمنا نہ کیا کرو اس چیز کی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی سے یہاں کسب واکتساب اپنے اختیاری اعمال میں ہے یہ جتنے کرو گے مردوں کو ان کا حصہ ملے گا عورتوں کو ان کا حصہ ملے گا، عورتوں کے لئے حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو وہ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اپنے علم کے مطابق وہ تمہیں فضل دے گا جو اس کے علم وحکمت کا تقاضا ہوگا، پھر جو برتاؤ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہو اسی کے اوپر شکر گزار رہو۔

وراثت میں مولیٰ موالات کا حصہ:

آخر میں پھر ایک اجمالی حکم ذکر کر دیا گیا کہ پہلے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتے تھے جس کو مولیٰ موالات کہتے ہیں، میراث کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہیں مولیٰ موالات وارث ہو جایا کرتا تھا حقیقی وارثوں کو محروم کر دیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب اس طریقے کو چھوڑ دو جو ہم نے وارث متعین کر دیے ہیں چھوڑا ہوا مال انہی کو ملنا چاہیئے، باقی اگر تم نے کسی کے ساتھ عقد کیا ہوا ہے، وصیت اگر کر جائے مرنے والا تو اس کو اس کا حصہ دے دیا جائے ورنہ اس کا حصہ ختم اصل وارث اگر موجود ہوں تو مولیٰ موالات کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق جیسے بیان القرآن میں انہوں نے لکھا کہ پہلے مولیٰ موالات وارث ہوتا تھا، پھر ان کا حصہ منسوخ کر دیا گیا، وارث مکمل تو نہیں ہوگا البتہ چھٹا حصہ اس کے لئے متعین کر دیا گیا، اور پھر بعد میں وہ آیت بھی اتری۔

"واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض" اس کے بعد اس کا حصہ بالکل ختم کر دیا گیا، تو انہوں نے یہاں نصیب سے چھٹا حصہ مراد لیا ہے، یعنی ان کو ان کا حصہ دے دیا کرو جو کہ اس وقت چھٹا حصہ تھا، اور دوسرے مفسرین نے اس کو وصیت پہ محمول کیا ہے کہ اگر کوئی وصیت کر جائے تو ان کا حصہ ان کو دے دیا جائے باقی اگر کوئی

وصیت نہ کر کے جائے تو پھر اصل وارث جو ہیں مال پھر انہی کو ملے گا یعنی جس کے ساتھ دوستی کا عقد ہو جائے، مولیٰ موالات جن کو بنالیا جائے ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا، گویا کہ تتمہ ہے اس وارث کے حکم کا جو پیچھے آپ کے سامنے تفصیل سے آچکا، ہر کسی کے لئے ہم نے وارث بنادیے ہیں اس مال سے جس کو والدین چھوڑ کر جائیں، ''اقربون'' چھوڑ کر جائیں اور جن کے ساتھ تمہاری قسمیں واقع ہوئی ہیں یا جن کے ساتھ تمہارے عہدوں کو تمہاری قسموں نے مضبوط کیا ہے ان کو ان کا حصہ دے دیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر نگہبان ہے۔
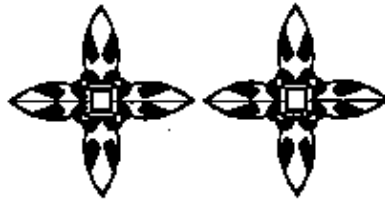
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

مرد حاکم ہے عورتوں پر بسبب فضیلت دینے اللہ تعالیٰ کے بعض کو بعض پر

بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

اور بسبب خرچ کرنے مردوں کے اپنے مالوں کو ، پس نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہیں حفاظت کرنے والی ہیں

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

خاوندوں کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ، اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو تم انہیں نصیحت کیا کرو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور انہیں بستروں میں تنہا چھوڑ دیا کرو اور انہیں مارا کرو ، پھر اگر وہ عورتیں تمہاری اطاعت کریں پھر تم نہ کیا کرو

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ

ان پر الزام تراشی ، بے شک اللہ علم والا ہے کبریائی والا ہے ﴿۳۴﴾ اے مسلمانو! اگر تمہیں اندیشہ ہو ضد کا

بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

زوجین کے درمیان تو بھیج دیا کرو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے ، اگر

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

دونوں حالات درست کرنے کا ارادہ کریں گے تو اللہ زوجین کے درمیان موافقت پیدا کردے گا ، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے خبر والا ہے ﴿۳۵﴾

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى

اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور پاس والے پڑوسیوں کے ساتھ

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اور دور والے پڑوسیوں کے ساتھ اور پہلو میں بیٹھنے والے کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ ، اور ان کے ساتھ جو تمہارے

أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾ الَّذِينَ

مملوک ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ان لوگوں کو جو اکڑنے والے ہیں فخر کرنے والے ہیں (۳۶) جو لوگ

يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ

بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ان کو دی

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے، اور تیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب (۳۷)

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان لاتے

بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا

اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی بن جائے

فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

پھر وہ بہت برا ساتھی ہے (۳۸) کیا نقصان ہوگا ان کا اگر یہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئیں

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ

اور خرچ کریں اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا اللہ تعالیٰ ان کے متعلق علم رکھنے والا ہے (۳۹) بے شک اللہ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ

ظلم نہیں کرتا ذرہ کے برابر بھی، اگر وہ عمل نیکی ہوا تو اللہ اس کو بڑھادے گا اور دے گا

مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ

اپنی طرف سے اجر عظیم (۴۰) پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر امت سے

بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ

گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ (۴۱) (جس دن یہ حال ہوگا) اس دن چاہیں گے وہ لوگ

كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

جنہوں نے کفر اور رسول کی نافرمانی کی کہ کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے ساتھ زمین برابر کر دی جائے ، وہ نہیں چھپا سکیں گے

اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو ﴿۴۲﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

شروع سورۃ سے اصلاح معاشرہ کے متعلق احکام چلے آ رہے ہیں اور آپس میں حالات کو سدھارنے کے لئے ہدایات دی جا رہی ہیں ہر قسم کے حقوق کا تحفظ کیا جا رہا ہے، تفصیل آپ کے سامنے آ چکی زیادہ تر احکام مرد و عورت کے معاملات کے متعلق ہی دیے گئے ہیں اس رکوع کی ابتدائی آیات بھی انہیں حالات سے متعلق ہیں، پہلے آپ کے سامنے اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمے لگائے ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمے لگائے ہیں، "ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف" عورتوں کے بھی حقوق ہیں مردوں کے ذمے جس طرح سے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمے ہیں یہ نہیں کہ جاہلیت کی طرح کہ عورتوں کا تو کوئی حق ہی نہیں، عورتوں کو اس طرح سے استعمال کیا جائے جس طرح باقی حیوانات وغیرہ ہوتے ہیں اور ان کا کوئی مقام اور حق نہ پہچانا جائے، یہ بات غلط ہے، انسانی برادری سے تعلق رکھنے کی وجہ سے عورت کو بھی انسانی حقوق حاصل ہیں، اور مرد کے ساتھ جس وقت نکاح کا معاہدہ ہوتا ہے تو جس طرح سے مرد کے حقوق عورت پر آتے ہیں اسی طرح عورت کی ذمہ داریاں مرد پر بھی ڈالی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود بعض چیزوں میں مرد کو اللہ تعالیٰ نے فوقیت دی ہے "وللرجال علیهن درجة" کا لفظ پہلے بھی آیا ہے اور یہاں بھی یہی بات کہی جا رہی ہے۔

خاندانی نظام کو درست رکھنے کے لیے سربراہ کا ہونا ضروری ہے:

خاندانی امور کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس خاندان کا کوئی نہ کوئی سربراہ ہو، ویسے بھی اجتماعی زندگی کا اصول ہے کہ اگر لوگ مل کر وقت گزارنا چاہتے ہیں تو جب تک ان میں سے ایک کو مطاع قرار نہیں دیا جائے گا، حاکم قرار نہیں دیا جائے گا، اور باقی لوگ اس کے احکام کی پابندی نہیں کریں گے تو کسی طرح بھی اجتماعی زندگی

نبھ نہیں سکتی، ملکوں کے لئے بادشاہ اور صدر اسی فلسفے کے تحت ہیں، قبیلوں کے سردار اسی فلسفے کے تحت ہیں تو یہ اپنا خاندان جو ہوا کرتا ہے گھریلو زندگی یہ ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی ہے، جس میں چند افراد مل کر وقت گزارتے ہیں، تو جب تک اس میں کسی کو سربراہ متعین نہ کیا جائے اور اس کو یہ حق نہ دیا جائے کہ باقی لوگ اس کی ہدایات کی پابندی کریں گے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے اس وقت تک یہ خاندانی انتظام بھی درست نہیں رہ سکتا، جس طرح ریاستوں کا نظام درست نہیں ہوتا، ملکوں کا نظام درست نہیں ہوتا، جماعتوں کا نظام درست نہیں ہوتا جب تک ان میں کوئی امیر نہ ہو اسی طرح خاندان کے نظم کے لئے بھی کسی ایک کو سربراہ متعین کرنا ضروری ہے۔

خاندانی امور کا سربراہ اور عورت کی حیثیت:

اور پھر سربراہ کس کو متعین کیا جائے مرد کو کیا جائے یا عورت کو کیا جائے ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے، "الرجال قوامو ن علی النساء" قوام قام سے لیا گیا ہے قام کھڑا ہونا اور جس وقت اس کا صلہ علی آجاتا ہے قام علیہ تو کفیل ہونا ذمہ دار ہونا، منتظم ہونا اس کے مفہوم میں داخل ہو جاتا ہے، قوام قیم قیوم سنبھالنے والا کنٹرول کرنے والا، ذمہ دار اس قسم کے مفہوم کو یہ لفظ ادا کرتے ہیں، "الرجال قوامون علی النساء" مرد حاکم ہیں عورتوں پر، مرد عورتوں کو سنبھالنے والے ہیں یا مرد عورتوں پر کنٹرول کرنے والے ہیں، عورتوں کے ذمہ دار، عورتوں کے کفیل یہ سب مفہوم اس لفظ میں ہیں، تو اللہ تعالیٰ نشاندہی فرماتے ہیں کہ خاندان کی سربراہی کے لئے مرد موزوں ہیں عورتیں موزوں نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملہ یوں تقسیم کر دیا گیا کہ خاندان کی سربراہی مرد کے لئے اور گھریلو ذمہ داریاں اور مرد کے احکام کی پابندی یہ عورت کے ذمے ہے، تقسیم کار ہو گیا جیسے سربراہ مملکت ہوتا ہے، اور باقی چھوٹے چھوٹے اندرون ملک نظام سنبھالنے کے لئے متعین کر دیئے جاتے ہیں کہ جیسے ملکوں کے لئے ایک وزیر خارجہ ہوتا ہے ایک وزیر داخلہ ہوتا ہے، تو عورت کی حیثیت گھر کے اندر وزیر داخلہ کی ہے، گھر کے نظم کو درست رکھنا اس کے ذمے ہے، بچوں کی نگہداشت گھر بار کی حفاظت یہ عورت کرے تاکہ اندرون خانہ زندگی سے مرد بے فکر ہو، اس کی طبیعت میں کسی قسم کی تشویش نہ ہو کہ میں نے بچوں کو کپڑے پہنانے ہیں، بچوں کا منہ دھونا ہے، ان کو کھانا کھلانا ہے، ان کو سلانا ہے اور گھر کی صفائی کرنی ہے سامان سنبھالنا ہے، ادھر سے یہ بے فکر، اور باہر کے معاملات جتنے ہیں کمانے کے اور کاروبار کے اور باہر کی ذمہ داریاں وہ ساری کی ساری مرد کے ذمے تو جب اس طریقے سے تقسیم ہو جائے گی تو تقسیم کے ساتھ پھر معاملہ جو ہے وہ سکون کے ساتھ اور وقار کے ساتھ ہوتا چلا جائے

گا، اور خاندانی سکون نصیب ہو جائے گا، اور اگر ذمہ داریاں یوں تقسیم نہ کی جائیں بلکہ عورت کہے کہ میں بھی مرد کے برابر ہوں اور ہر میدان کے اندر برابری ہے، کاروبار کے اندر بھی ساتھ شریک، ملازمت کے اندر بھی ساتھ شریک، اور باہر کی ذمہ داریاں بھی عورت اپنے ذمے لینے کی کوشش کرے اور مرد کو کہے کہ اندر کی ذمہ داریوں میں تو بھی شریک ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کا نظام خراب ہو جائے گا، باہر کی ذمہ داریاں عورت نہیں نبھا سکتی، باہر کی ذمہ داریاں نبھائے گی تو اندر کی نہیں نبھا سکتی۔

اور اگر مرد اندر کی ذمہ داریاں قبول کرے گا تو باہر کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا، اگر اس نے باورچی خانے میں بیٹھنا ہو اور بچوں کو سنبھالنا ہو تو باہر کی دکان داری، کاروبار، ملازمت، آنا جانا وہ کس طرح سے ہو سکے گا، اور بعض کام ایسے ہیں کہ ان میں مرد عورت کے ساتھ شریک ہو ہی نہیں سکتا، اگر مرد اور عورت آپس میں معاہدہ کریں کہ معاملے میں مساوات ہے بالکل برابر سرابر، ایک بچہ تو جنا کر ایک میں جنا کروں گی اور اس طرح باقی معاملات میں بھی برابری کرنے کی کوشش کریں تو اب فطرت سے جنگ ہے، بعض چیزیں اس طرح سے تقسیم کردیں، اب عورت جس وقت بچہ جننے میں مشغول ہو جاتی ہے، اب اس کو جس قسم کی تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے اور جس قسم کی باتیں اس کے اوپر گزرتی ہیں تو کیا مرد اس میں ہاتھ بٹا سکتا ہے؟ مرد تو پانچ منٹ میں فارغ ہو گیا اس سے اور اس کو دو سال کے لئے مشغول کر دیا، اب لازماً عورت کو مراعات اس قسم کی دینی پڑیں گی کہ وہ کمانے سے بے فکر ہو، باہر کے الجھاؤ سے بے فکر ہو، باہر کی لڑائی جھگڑائی سے بچی ہوئی ہو، معاشی ذمہ داری اس کے اوپر نہ ہو، یہ سارے کے سارے بوجھ مرد اٹھائے تب جا کے انتظام گھر کا ٹھیک رہ سکتا ہے، یہی فلسفہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مرد عورت کے اوپر نگہبان ہیں، گھر کے کنٹرولر ہیں، ان کو سنبھالنے والے ہیں، گھر کے سفیر ہیں، ان کے ذمہ دار ہیں، ان کے اوپر حاکم ہیں، ''قوام'' کے اندر یہ سارے مفہوم ہیں جس میں مردوں کا مقام جو تھا وہ عورتوں کے مقابلے میں متعین کر دیا یہ ذمہ داری ان پر ہے۔

مرد کو خاندان کا سربراہ بنانے کی وجوہات:

ان پر یہ ذمہ داری کیوں ڈالی گئی، یہ بھی ایسے ہی نہیں کہ بلاوجہ ایک کو حاکم دوسرے کو محکوم بنا دیا، دو وجہیں بیان کیں یہاں پر مردوں کو عورتوں پر فوقیت کی، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس لئے مرد کی عورتوں پر فضیلت غیر اختیاری ہے جس کو ہم خلقی فضیلت کہہ سکتے ہیں، مرد میں بدنی قوت زیادہ، دفاع کی صلاحیت زیادہ، علمی اور عملی قوتیں عورت کے مقابلہ میں اس میں زیادہ ہیں یعنی آپ اندازہ کرتے

رہتے ہیں کہ عورت اکیلی سفر پر جائے تو ہر کسی کا دل دھڑکتا ہے وہ دو تین بھی مل جائیں تو لوگ کہتے ہیں کہ لو جی لڑکیاں اکٹھی ہو کر اکیلی چلی گئی ہیں، وہ اکیلی ہوتی ہیں بے شک دس ہی کیوں نہ ہوں اور اگر ان کے ساتھ ایک مرد ہوتا ہے تو وہ اکیلی نہیں سمجھی جاتیں اور مرد اکیلا پھرتا رہے تو کوئی نہیں کہتا کہ خطرہ ہے کہ اکیلا ہی سفر پر چلا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے اندر دفاع کی قوت نہیں ہے اگر کوئی اس کے اوپر ہاتھ ڈالنا چاہے تو یہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی، اور مرد کے اندر دفاع کی قوت ہے، بدنی طاقت اور جس قسم کے محنت اور مشقت کے کام مرد کر سکتا ہے، عورت نہیں کر سکتی، یعنی اگر آپ نظر ڈالیں گے تو بداہۃً آپ کو یہ فرق معلوم ہوگا کہ عورتوں کی حیثیت مردوں کے مقابلہ میں اس طرح سے ہے جیسے پھول اور کلیوں کی ہوتی ہے کہ یوں کر کے انسان اگر مسلنا چاہے تو مسل کر رکھ دے۔

تو یہ برتری دی ہے اللہ تعالیٰ نے مرد کو کہ بدنی قوت زیادہ ہے، علمی صلاحیت زیادہ ہے، دفاعی صلاحیتیں زیادہ ہیں، مشکلات برداشت کرنے کا جذبہ زیادہ ہے، یہ ایک خلقی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو دی ہے، یہ فضائل بھی تقاضا کرتے ہیں کہ سربراہی مرد کے سپرد کی جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشی ذمہ داریاں عورت پہ نہیں ڈالی ہیں، اور جو خرچ کیا کرتا ہے وہ بالا دست ہوا کرتا ہے اور جس پر خرچ کیا جائے وہ زیردست ہوتا ہے، یہ ایک اختیاری بات ہے کہ جس وقت مرد نے معاشی ذمہ داریاں قبول کر لیں تو سربراہی اسی کے پاس ہونی چاہیے ''وبما انفقوا من اموالھم'' جو وہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو یہ انفاق کہ معاشی ذمہ داریاں ان پر ہیں وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ حاکمیت مردوں کی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ معاشی ذمہ داریوں میں عورت مرد کے ساتھ شریک نہیں ہے، اس کا پورے کا پورا خرچ مرد کے سر پہ ہے، جس وقت تک شادی شدہ نہیں ہوتی تو باپ اس کا کفیل ہے اور جس وقت ان کی شادی ہو گئی تو خاوند کفیل ہے تو یہ کمانا جو ہے یہ عورت کا کام نہیں، کمانا مرد کا کام ہے۔

ابتداءِ فطرت سے ہی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے:

اور شروع فطرت سے ہی یہ بات ہے، سورۃ طٰہٰ میں آپ کے سامنے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو ٹھہرایا اور ٹھہرانے کے بعد خبردار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکا دے اور جنت سے نکلوا دے وہاں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے الفاظ بیان فرمائے ہیں، ''لایخرجنکما من الجنة فتشقی'' تمہیں شیطان نکال نہ دے ''تشقی'' یہ آگے مفرد کا صیغہ آ گیا تم دونوں کو نہ نکال دے شیطان،

''فتشقی'' مشقت میں تو پڑ جائے گا، نکلیں گے دونوں مشقت میں پڑ جائے گا تو، مشقت میں تو کیسے پڑ جائے گا، لفظ آگے ہیں کہ ''ان لك ان لاتجوع فیها ولاتعری'' بھوک نہیں لگتی تم ننگے نہیں ہوتے اور ''وانك لاتظمؤفیها ولاتضحی'' نہ پیاسے ہوتے نہ دھوپ لگتی، ''لایخرجنکما'' شیطان تم دونوں کو نہ نکال دے نکلنا دونوں نے ہے، آدم علیہ السلام نے اور حوا علیہا السلام نے لیکن یہاں ذکر کیا ہے ''تشقی'' کہ مشقت میں تو پڑ جائے گا، کون سی مشقت بھوک کی مشقت، پیاس کی مشقت، اور لباس کی مشقت اور دھوپ کی مشقت، بھوک لگے گی روٹی کی فکر تجھے، پیاس لگے گی پانی کی فکر تجھے، ننگے ہوگئے کپڑے کی فکر تجھے، دھوپ لگے گی مکان کی فکر تجھے، یعنی جنت میں جو اللہ تعالیٰ نے ضرورتیں پوری کی تھیں یہی کھانا پینا رہنا سہنا روٹی کپڑا مکان یہ تینوں بنیادی ضرورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے مرد کے اوپر ڈال دی ہیں، ورنہ جنت سے باہر تو دونوں نے نکلنا تھا، تو پھر مشقت آتی تو دونوں پر آتی، ایسے نہیں مشقت ساری تیرے پر آگئی، روٹی کا انتظام تجھے کرنا پڑے گا، کپڑے کا انتظام تجھے کرنا پڑے گا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء فطرت سے ہی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے، مشقت مرد اٹھاتا ہے عورت نہیں اٹھاتی، یہ فوقیت کی ایک وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفاق جو ہے یہ مرد کے ذمے لگایا ہے، یہ تو ہوا مرد کا کام۔

نیک عورتوں کی صفات اور عورتوں کی ذمہ داریاں:

اب نیک عورتیں کون ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کو پسند عورتیں کون سی ہوتی ہیں، ''فالصالحات'' پس نیک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو خاوند کی فرمانبردار ہوتی ہیں، خاوند کی فرمانبرداری کرنا یہ عورتوں کا کام ہے ''قنتات'' اطاعت کرنے والی، اور نیک عورتیں وہ ہوا کرتی ہیں جو خاوندوں کے اسرار کی حفاظت کرنے والی ہوں، یہ بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے عورت پر کیونکہ خاوند کے ساتھ اس کی بیوی زندگی میں اس طرح شریک ہوتی ہے کہ نہ تو گھر کا کوئی راز اس سے چھپا ہوا ہوتا ہے دولت مال کہاں رکھا ہوا ہے کتنا گھر میں ہے اور خاوند کی مخفی سے مخفی کمزوریوں سے واقف ہوتی ہے، اس لئے اگر عورت مرد کی پردہ دار نہ ہو تو مرد کبھی باعزت نہیں رہ سکتا، اور اپنے جان مال کی حفاظت نہیں کرسکتا، عورت رازدار ہونی چاہیئے، وہ گھر کی بھید کی بات کسی کو نہ بتائے اس کی حفاظت کرے، جو چھپانے کی چیز ہے اس کو چھپائے، مرد کی خامیاں لوگوں کے سامنے نمایاں نہ کرے اور گھر کے راز جس قسم کے ہوا کرتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے نہ کھولے، عورت کی یہ ذمہ داری ہے ان چیزوں کی حفاظت کرنا، نیک عورت وہ ہوا کرتی ہے جو رازدار ہو، جو خاوند کے اور گھر کے اسرار کو چھپانے والی ہو، اور اس کی نگہداشت کرنے والی ہو ورنہ اگر عورت ہی جاسوس ہوکر گھر میں بیٹھی ہوئی ہے گھر کی باتیں باہر نکالنے والی ہو تو تیسرے دن

یہ آدمی لٹ جائے گا، اور اپنی کمزوریوں کی بناء پر لوگوں سے لڑے گا، کوئی خامی خاوند کی ایسی نہیں ہوتی جس پر بیوی مطلع نہ ہو، ہر خامی سے واقف ہوتی ہے، اس لئے جس کی بیوی اس کی معتقد ہو جائے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھا شخص ہے۔

سرورِ کائنات کے جو کمالات ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بنیادی طور پر اس بات کو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بہت مداح تھیں اور انہوں نے جو حضور کا نقشہ کھینچا ہے اس وقت جب حضور غار سے آئے تھے اور آ کے کہا تھا کہ مجھے تو میری جان کا اندیشہ ہو گیا کہ جس قسم کے حالات میرے سامنے آ گئے ہیں، تو بہت بنیادی اخلاق ہیں جو ایک اچھے سے اچھے انسان کے اندر پائے جا سکتے ہیں اور شہادت بیوی نے دی ہے، یہ آپ کے بہت باکمال ہونے کی ایک بنیادی شہادت ہے جو بیوی نے دی ہے تو ''حافظت للغیب'' میں یہ بات ہو جائے گی، اور دوسرا ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ جب خاوند گھر میں موجود نہ ہو تو پھر وہ عزت کی حفاظت کرتی ہے، خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہے، اس کے بال بچوں کی حفاظت کرتی ہے، اور وقت غیبوبت کو اس لئے ذکر کر دیا کہ جب خاوند گھر میں موجود ہوتا ہے اس وقت عموماً عورتیں اس قسم کی حفاظت کر لیتی ہیں، اور خاوند کی موجودگی میں کسی خلل کا اندیشہ نہیں ہوتا، عزت ناموس کا خود خیال رکھتی ہیں، لیکن اصل تب پتہ چلتا ہے کہ جب خاوند گھر میں موجود نہ ہو، اگر اس وقت وہ کوئی شرارت کرنا چاہیں، مال کو نقصان پہنچانا چاہیں، عزت کو نقصان پہنچانا چاہیں تو ایسا کر سکتی ہیں، لیکن نیک بیوی وہ ہوگی جو کہ خاوند کی عدم موجودگی میں ہر قسم کی نگہداشت کرتی ہے ''بما حفظ اللہ'' اللہ کی حفاظت کے ساتھ بتوفیق الٰہی، بحفاظت الٰہی وہ خاوندوں کی پشت پیچھے حفاظت کرنے والی ہیں ہر قابل حفاظت چیز کی، عورتوں کے لئے یہ معیار ذکر کر دیا گیا کہ اچھی عورتیں یہ ہیں۔

عورتوں کی اصلاح کے لئے پہلا درجہ نصیحت کرنا ہے:

اب جس وقت مردوں کو حاکم بنا دیا گیا اور عورتوں کو بنا دیا گیا محکوم پھر طبعی طور پر کبھی کبھی حاکم کو اپنے محکوم کی اصلاح کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے، اب کوئی اپنے منصب سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرے کہ محکوم تو ہے لیکن حکومت قبول نہیں کرتا، اور ہر بات کی پابندی نہیں کرتا ایسا بھی ہو سکتا ہے تو پھر اگر حاکم کے پاس قوت نہ ہو اصلاح کی تو تب بھی معاملہ گڑبڑ ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسی تدبیر کو بتاتے ہیں کہ اگر اس قسم کا اندیشہ پیدا ہو جائے کہ ہدایات کی پابندی نہ کریں، ان کی طرف سے نشوز ہے، ان کی طرف سے ناموافقت ہے، ان کی طرف سے سرکشی ہے، تو پہلے تو یہ ہے کہ ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، وعظ کرو، انہیں نفع نقصان سمجھاؤ کہ دیکھو جس طریقے پر تم چلنے لگی ہو اور یہ

کہتی ہو کہ میرا بھی اسی طرح حق ہے کہ میں بھی آزاد پھروں جس طرح سے تو آزاد پھرتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تو سارا دن گھر میں پابند رہیں اور تو سارا دن باہر پھرتا رہے، ہم بھی اسی طرح پھریں گی اور جس قسم کی ذمہ داریاں ہم پر ڈال دی گئی ہیں یہ ہم پر ظلم ہے، یہ ہم پر زیادتی ہے، ہم ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں، حالانکہ عقد نکاح ہو جانے کے بعد قبول تو کر لی محکوم تو بن گئی اصولاً، لیکن اگر ذمہ داریوں سے کتراتی ہیں تو پھر انہیں سمجھاؤ کہ یہ نیک عورتوں کا کام نہیں ہے اور یہ خاندانی زندگی کو برباد کرنے والی بات ہے، سکون نہیں رہے گا، سکون اسی صورت میں ہے کہ تم گھر میں رہو اور مرد کی محکوم بن کر رہو، اس طرح سے ان کو نفع ونقصان سمجھاؤ، اللہ کا خوف دلاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خاوند کی فرمانبرداری کی باتیں ہیں وہ بیان کرو، رسول اللہ کے ذریعے سے جو اللہ تعالیٰ نے وعدے کیے ہیں انہیں وہ یاد دلاؤ روایات بھری ہوئی ہیں، حدیث شریف میں بہت ساری روایات آتی ہیں اگر وہ اس طرح سے ٹھیک ہو جائیں تو بہت اچھی بات ہے، وعظ ونصیحت سے ہی کام چل گیا۔

عورت کی اصلاح کے لئے دوسرا درجہ جدائی اختیار کرنا ہے:

اور اگر وہ وعظ ونصیحت سے متاثر نہیں ہوتیں تو پھر دوسرے نمبر پر یہ ہے کہ پھر ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو، رہو گھر کے اندر ہی گھر سے باہر نہ جاؤ لیکن اعراض اتنا سا نمایاں ہو جائے کہ ان کا بستر علیحدہ کر دو، ان کی چارپائی علیحدہ کر دو تو یہ عورت کے لئے ایک بہت بڑی تنبیہ ہے، تنبیہ اس اعتبار سے ہے کہ عورت اگر خاوند کے گھر آیا کرتی ہے اپنے ماں باپ کا پیار چھوڑ کر، بہن بھائیوں کی ہمدردی چھوڑ کر تو وہ روٹی کے لئے نہیں آیا کرتی، کپڑے کے لئے نہیں آیا کرتی روٹی کپڑا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو ماں باپ کے گھر آپ کے گھر سے بھی اچھا ملتا ہو، وہاں وہ زیادہ ناز نخرے کے ساتھ رہتی ہے، کھانے کے لئے بھی اچھا ملتا ہے، پہننے کے لئے بھی اچھا ملتا ہے، سارے اس کے ساتھ محبت بھی کرتے ہیں تو یہ خاوند کے ساتھ عورت کا جو تعلق ہے اس میں اصل نوعیت اداءِ حقوق والی ہے یہ زوجیت والا تعلق، اور اگر خاوند اس سے اعراض کرے اور اس کے ساتھ بیویوں والا پیار نہ کرے یہ عورت کے لئے بدترین ذہنی سزا ہے اور کوئی شریف عورت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی، اکثر وبیشتر ان کے پیچ اور بل جو ہیں ٹھیک ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی تبھی ہوگا کہ جب مرد اپنی حاکمیت کو بچائے ہوئے ہو، اور اپنے آپ کو وہ سمجھتا ہے کہ میں بالا دست ہوں اور اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہو، ورنہ اگر عورت ذہن پر مسلط ہو جائے تو عورت دھمکی دیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں قریب نہیں آنے دوں گی تو یوں مطالبے منوا لیتی ہے۔

یعنی الٹا حساب یعنی ہونی تو چاہیئے تھی دھمکی مرد کی طرف سے لیکن اب یوں ہوتا ہے کہ عورت یوں دھمکی

دیتی ہے اور جب وقت آتا ہے تو مطالبے سامنے رکھ دیتی ہے، پہلے یہ مانو یہ مانو تو یہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنے منصب سے ہٹ گیا، اور یہ غالب ہونے کی بجائے مغلوب ہوگیا، مرد نے جہاں اور بہت سارے کام کرنے ہیں اس کو اپنی شہوت پر بھی اتنا کنٹرول چاہیئے کہ عورت اس کے اس جذبے سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اگر یہ اس کو دل دے بیٹھا اور شہوت سے اتنا مغلوب ہے تو پھر یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ کہتا ہے کہ تم انہیں چھوڑ دو اگر ایسی بات نہ ہو پھر ہوگا یہی کہ عورتیں اپنا مطالبہ منوانے کے لئے مرد کو چھوڑتی ہیں، اور وہ قریب نہیں آنے دیتیں جس وقت تک ان کا مطالبہ نہ مان لیا جائے، یہاں پھر معاملہ گڑبڑ ہو جاتا ہے تو اس حکم کی حکمت یہی ہے کہ مرد اپنی حاکیت کی شان بحال رکھے، اپنے جذبات کے ساتھ ان کے سامنے نیچا نہ ہو، بلکہ عورت کو بتائے کہ میں گزارہ کرسکتا ہوں تیرے بغیر اس لئے اگر تو سیدھی نہیں ہوتی تو چل وہ تیرا بستر اور یہ میرا بستر، اور یہ عورت کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے۔

عورت کی اصلاح کے لئے تیسرا درجہ مار پٹائی ہے:

اگر اس کے ساتھ بھی معاملہ ٹھیک نہ ہو وہ کوئی سخت جان واقع ہو رہی ہے تو پھر آگے ضرب یضرب کے باب کی بھی اجازت ہے، یہ باب بھی پڑھ سکتے ہیں اب قرآن کریم میں تو صرف اتنا ہی آیا ہے کہ تم صرف مار لیا کرو، لیکن سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ ایسے طور مارو کہ ”ضربا غیر مبرح“ کہ جو بدن پر نشان نہ چھوڑے تو مطلب یوں ہے کہ جس میں کھڑکا زیادہ اور چوٹ کم لگے، کھڑکا ہونے کے ساتھ ذرا ذہن پر رعب پڑتا ہے، اور بدن پر نشان نہ پڑے کوئی ہڈی نہ ٹوٹے یہ حضور نے بیان فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ اچھے لوگ جو ہیں وہ یہاں تک نہیں پہنچتے، عورتوں کو مارا نہیں کرتے، بہت ہی مجبوری اگر آجائے تو ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے، تو اپنے زیر دستوں کو سیدھا رکھنے کے لئے اس قسم کی چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔

اگر فرمانبردار ہو جائیں تو ان سے اچھا سلوک کرو:

”فان اطعنکم“ پھر اگر اس طرح کرنے کرانے کے ساتھ وہ فرمانبردار ہو جائیں تو پچھلی باتیں بھلا دیا کرو، پھر خواہ مخواہ ان پر الزام کے لئے راستے نہ تلاش کرو کہ کوئی بہانہ ملے ان کو مارنے کا ان کو تنگ کرنے کا یہ تمہارے لئے بھی اچھی بات نہیں ہے، پہلے جو بات ہوئی اس کو فراموش کر جاؤ پھر سیدھے ہو کر ان کے ساتھ اچھی طرح سے نبھا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے کبریائی والا ہے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر بلندی دی ہے تو تم پر بھی کوئی بلند ہے اس کی علو اور کبریائی کو مستحضر رکھو، آج یہ تمہارے زیردست ہیں اگر ان کے حقوق تلف کرو گے

اور اپنے زیردستوں کا خیال نہیں کرو گے تو ایک زبردست تمہارے اوپر بھی بیٹھا ہوا ہے، اور یہ ایک ایسا تصور ہے جو انسان کو ادائے حقوق کا پابند کرتا ہے۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے اور پیچھے سے حضور ﷺ نے آواز دی ''اعلم ابا سعود ان الله اقدر علیك منك علی هذا الغلام'' (مسلم ص ۵۱ ج ۲) اے ابو سعود! اللہ تعالیٰ تیرے اوپر زیادہ قدرت رکھنے والا ہے بمقابلہ تیرے اس غلام پر، جتنی تجھے اس پر قدرت حاصل ہے اللہ تجھ پر زیادہ قدرت رکھنے والا ہے، یعنی اگر یہ تمہارے عارضی طور پر غلام بن گئے اور زیر دست آگئے تو تم بھی کسی کے ماتحت ہو اس بات کا خیال رکھا کرو، جیسے اپنے ساتھ برتاؤ چاہتے ہو بڑوں کی طرف سے، اپنے چھوٹوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ رکھا کرو، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے علو اور کبریائی کو یاد دلایا۔

خاندانی اصلاح کی چوتھی صورت فیصل متعین کرنا ہے۔

پھر اگر خاندانی حالات خاوند خود ٹھیک نہ رکھ سکے ایسا بھی ہوتا ہے بسا اوقات کہ بیوی ایسی پلے پڑ گئی کہ نہ تو وعظ ونصیحت سے مانتی ہے اور نہ ہی اس قسم کی ہجران وغیرہ کی دھمکی سے ٹھیک ہوتی ہے اور کھڑکا دھڑکا کر کے دیکھ لیا تو بھی وہ ٹھیک نہیں ہوتی، تو چونکہ خاندانی تعلقات کی شریعت میں اہمیت بہت زیادہ ہے کہ یہ گھر کا فساد خاندانوں تک پہنچتا ہے، خاندانوں کا فساد پھر آگے سرایت کرتا ہے، حالات بہت زیادہ خراب ہو جاتے ہیں تو زوجین خود اگر اپنے حالات کو سنبھال نہ سکیں تو اس کو جلدی سے ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

پھر اگر اس بات سے باہر نکل آئے گھر سے بات باہر آگئی رشتہ داروں میں آگئی، اپنے دوست احباب میں آگئی تو کچھ لوگ خاوند کے ہمدرد ہوا کرتے ہیں کچھ بیوی کے ہمدرد ہوا کرتے ہیں، پھر اگلی اصلاحی سکیم یہ ہے کہ ایک آدمی لے لو جو خاوند کا ہمدرد ہے اس کے خاندان میں سے لے لو جو سمجھدار ہو، حکم کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ وہ آدمی بات سمجھ سکتا ہو، فیصلہ کر سکتا ہو فیصلہ کی قوت اس میں موجود ہو، اتنا سمجھدار ہے اپنے معاملات کو سمجھتا ہے ایسا آدمی مرد کے ہمدردوں میں سے لے لو اس کے خاندان سے، ایک عورت کے خاندان سے یہ دونوں جائیں، جانے کے بعد حالات کا جائزہ لیں، نیک نیتی کے ساتھ وجہ معلوم کریں، جس کی زیادتی ہو اس کو بتائیں کہ تیری یہ زیادتی ہے تو یوں کیا کر، تو اگر یہ دونوں نیک نیتی کے ساتھ کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا کر دے گا، پھر آپ کو ایک شرط زائد لگانی پڑے گی بشرطیکہ زوجین بھی ان کے فیصلے کو قبول کریں، ورنہ یہ اگر اپنے طور پر اچھی سے اچھی تدبیر بتاتے ہیں لیکن زوجین ہی ان کے فیصلے کو قبول نہیں کرتے تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی، اس لئے

اگر ''ان یریدا اصلاحا'' کی ضمیر کو زوجین کی طرف لوٹا دیا جائے تو پھر اس کے اندر ایک زائد قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ حاکمین جس وقت منانے گئے تو ان کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو وہ ٹھیک ہوجائیں گے، اور اگر ان کا ارادہ درست ہونے کا نہیں ہے، خاوند اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے وہ کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتا، اور بیوی اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے تو حاکمین جو کچھ کہتے رہیں پھر اصلاح کیسے ہوگی۔

تو ان حاکمین کا کام یہی ہے کہ وجہ معلوم کر کے ہدایات دینا، اور زوجین کا کام یہ ہے کہ اگر وہ اصلاح چاہتے ہیں تو وہ ان ہدایات کو قبول کریں، ہاں البتہ اگلی بات بھی ہے کہ اگر زوجین ان کو اختیار دے دیں فیصلہ کا تو طلاق تک کا اختیار بھی انہیں دیا جاسکتا ہے کہ یہ حاکمین کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر تمہیں معلوم ہو کہ نبھاو غیرہ نہیں ہوتا، تو خاوند کہہ دے کہ میری طرف سے اجازت ہے عورت کہہ دے کہ میری طرف سے تمہیں جدا کرنے کی اجازت ہے، میری طرف سے تمہیں فیصلہ کرنے کی اجازت ہے تو پھر یہ اختیارات ان حاکمین کو حاصل ہوجائیں گے، ورنہ ان کی اصل پوزیشن یہی ہے کہ حالات معلوم کر کے انہیں کوئی اصلاحی تدابیر بتادیں، اگر نیک نیتی ہوئی زوجین میں کہ واقعی وہ حالات کو سدھارنا چاہتے ہیں اگر آپس میں نشاندہی نہیں کرسکے کہ کس کی زیادتی ہے کس کو بدلنا چاہیئے تو حاکمین کا فیصلہ قبول کرلینا چاہیے ''ان اللہ کان علیما خبیرا'' بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے خبر والا ہے۔

حقوق ادا نہ کرنے کی وجوہات:

حقوق کا بیان جس وقت شروع ہوا تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی گئی تھی، اب یہ بات اگلی آیات پر ختم ہو رہی ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی تاکید آرہی ہے، اور اجمالی طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کا ذکر آرہا ہے، پھر حقوق کے ادا کرنے میں جو رکاوٹیں پڑتی ہیں، تو بسا اوقات غرور اور فخر یہ باعث ہوتا ہے کہ حقوق ادا نہیں کرپاتا انسان کہ صاحب حق کی اس کے دل میں کوئی عزت نہیں ہے، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے، اس کی تحقیر کرتا ہے، اس کا حق نہیں پہچانتا، یا فخر ہے ایک دوسرے کے مقابلہ میں، یا اکڑ ہے ایک دوسرے کے مقابلہ میں یہ حقوق ادا کرنے سے مانع ہوتا ہے کہ انسان پیسے خرچ نہیں کرتا، اور جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتا ہے، ظاہر یہ کرتا ہے کہ میرے پاس تو ہے ہی کچھ نہیں، اور یا حقوق کے ادا نہ کرنے میں آخرت کے عقیدے کا ضعف مانع ہوجاتا ہے، انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ کیا ہے مجھے کون پوچھنے والا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی عظمت دل میں نہیں ہوتی، تو آخری آیات کے اندر یہی چیز ذکر کی جائے گی، کچھ آخرت کا خوف دلایا جائے گا، اور بخل کی مذمت کی جائے گی فخر اور تکبر کی مذمت کی جائے گی اور بسا اوقات یوں بھی

ہوتا ہے کہ آدمی میں دکھلاوے کا جذبہ ہے کہ جہاں دکھلاوا ہو وہاں تو کچھ کر کرالیتا ہے اور جہاں دکھلاوا نہیں ہے تو وہاں کچھ کوتاہی کر جاتا ہے تو اس لئے ریا کی مذمت کی جائے گی اس طرح اس باب کو یہاں مکمل کیا جارہا ہے اور اگلے رکوع سے کلام کسی اور مضمون کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

اہل حقوق کے اداءِ حقوق کی تاکید:

"واعبدوا الله ولاتشرکوابه شیئا" اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا کرو "وبالوالدین احسانا" اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو، اچھا برتاؤ کیا ہوتا ہے اس کی تفصیل آپ کے سامنے ہوتی رہتی ہے کہ مالی خدمت، بدنی خدمت، گفتگو کے آداب کی رعایت کرنا، اور ان کو خوش رکھنا اور ان کے دل کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا یہ سب احسان میں داخل ہے، "فلاتقل لهما اف" کے اندر جس طرح سے آئے گا کہ والدین کے سامنے ایسے طور پر نہ بولا کرو جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہو، ان کے سامنے اف بھی نہ کیا کرو، یہ گفتگو کے آداب کی رعایت رکھی جائے اور رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو "والجار ذی القربی" جار پڑوسی، ذی القربیٰ ذی قرابت، اور آپس میں نسبی قرابت بھی مراد ہو سکتی ہے، اور مکانی قرابت بھی نسبی قرابت کا مطلب ہوگا رشتے دار پڑوسی اور مکانی قرابت کا مطلب ہوگا قریب والا پڑوسی، "والجار الجنب" میں دونوں مفہوم ہیں جنب اجنبی جو آپ کا رشتہ دار نہیں ہے جنب جو کہ دور ہے قریب نہیں ہے، اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو جو تمہارا رشتہ دار ہے اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کر جو اجنبی ہے، یا جو بالکل گھر کے قریب ہے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور جو دور ہے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، جیسے جوار کا مفہوم کچھ عام ہے کہ دیوار کے ساتھ دیوار لگتی ہے، دروازے کے سامنے دروازہ ہے، اور اہل محلہ بھی کسی درجے میں پڑوسی ہوتے ہیں اور اسی طرح سے تعمیم ہوتی چلی جائے گی، اپنے گاؤں والے بھی ایک درجے میں پڑوسی ہوتے ہیں، لیکن قرب اور بعد کے اعتبار سے فرق پڑے گا، جو زیادہ قریب ہے اس کا حق زیادہ ہے جو کچھ دور ہے اس کا حق کم ہے اس طرح سے اگر کوئی رشتہ دار ہے تو اس کا حق زیادہ ہے تو پڑوسی بھی ہو اور رشتے دار بھی ہو، اور اگر وہ رشتہ دار نہیں ہے تو رشتے دار کے مقابلے میں اس کا حق کم ہے۔

"والصاحب بالجنب" جنب پہلو کو کہتے ہیں پہلو کا ساتھی، ساتھ بیٹھنے والا ہم نشین یہ عارضی پڑوسی ہے جیسے سفر میں جاتے ہوئے بس میں ایک سیٹ پر بیٹھ گئے یا عارضی طور پر جس طرح سے آپ ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں، درس گاہ کے اندر آپ ایک دوسرے کے پاس بیٹھ جاتے ہیں عارضی طور پر جس کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق

ہو جائے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور پڑوسیوں سے، پڑوسی گویا کہ تین قسم کے ذکر کردیئے گئے، رشتہ دار وغیر رشتہ دار اور بالکل عارضی پڑوسی جو کچھ وقت کے لئے آدمی کے ساتھ ہم نشین ہو جائے یا یہ ہے کہ قریب والا، دور والا، جس کا گھر قریب ہے، جس کا گھر کچھ دور ہے یا بالکل عارضی رفیق ان سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ان سب کے متعلق روایات میں تاکید آتی ہے اور حضور نے وضاحت کے ساتھ ان کے حقوق بتائے ہیں۔

پڑوسی کے حقوق:

حدیث شریف کے اندر آپ پڑھتے رہتے ہیں، پڑوسی کے متعلق تو آپ نے اتنی تاکید فرمائی کہ ایک آدمی پوچھتا ہے حضور سے کہ یا رسول اللہ! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں اچھا ہوں یا برا ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنے پڑوسیوں کی بات سن لیا کرو، وہ اگر تجھے اچھا کہتے ہیں تو تو اچھا ہے، وہ تجھے برا کہتے ہیں تو تو برا ہے، یعنی اچھے برے ہونے کا معیار یہی ہے کہ پڑوسیوں کی نظر میں اچھا ہے یا برا، اور فرمایا کہ مجھے اتنی تاکید کی جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کے بارے میں کہ مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا کہ یہ شاید وارث ہی نہ بنادے پڑوسی کو، اتنی تاکید ہے وہ تو آپ سنتے رہتے ہیں عام طور پر لوگ پڑھتے ہیں ''لایؤمن احد کم ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ''من لا یأمن جارہ بوائقہ'' جس کی تکلیفوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو یا خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو ایسا شخص مؤمن نہیں، اس میں سب پڑوسیوں کے حقوق ذکر کئے گئے ہیں۔

''وابن السبیل '' یہ مسافر آگیا یعنی اجنبی عارضی طور پر چلتا چلتا کہیں آٹھہرا ہے تو اس کا بھی حق ادا کرو، اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، روٹی کی ضرورت ہے اس کو روٹی دو، ٹھہرنے کی ضرورت ہے اس کو جگہ دو، جتنا اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہو کرو اور اپنے غلام اور باندیوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس شخص کو جو اکڑنے والا ہے فخر کرنے والا ہے، دوسرے کی تحقیر کرتا ہے اس لئے دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف اس کی توجہ نہیں ہے، اپنی برتری کا اسے احساس ہے اور وہ دوسرے پر توجہ نہیں کرتا، ایسے لوگ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔

بخل کرنے والوں اور ریا کرنے والوں کی مذمت:

اور جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں، لوگوں کو بخل کا حکم دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو عملاً کہ جب یہ بخل کریں گے تو دوسرا بھی ان کی ریس کرے گا، دوسرا بھی ان کی طرف دیکھ کر بخل کرے گا، ہمیشہ یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو شخص بخیل ہو اور وہ مال خرچ نہیں کرتا تو وہ کوشش کیا کرتا ہے کہ دوسرے بھی

میری طرح بخل کریں جیسے میں پیسہ بچاتا ہوں دوسرے بھی خرچ نہ کریں بچائیں، کیونکہ اگر سارے ہی یوں کرنے لگ جائیں گے تو پھر اس کو برا کوئی نہیں کہے گا، اور اگر باقی خرچ کرنے والے ہوں گے اور یہ ایک درمیان میں بخل کرنے والا ہوگا تو پھر سارے اس کو بری نگاہ سے دیکھیں گے اس لیے کوشش اس کی یہ ہوتی ہے، بزدل آدمی دوسروں کو بزدل بنانے کی کوشش کرتا ہے، بخیل آدمی دوسرے کو خرچ کرتا ہوا دیکھ نہیں سکتا بلکہ انہیں بھی کہتا ہے کہ یہاں خرچ نہ کرو، پیسے بچا کر رکھو، ایک آدمی اگر ناک کٹا ہو تو دوسرا آدمی اگر ناک والا ہوگا تو لوگ اس کو ناک کٹا کہیں گے، اور اگر سارے ہی ناک کٹے ہوں تو پھر اس کو طعن کون کرے گا، تو اس طرح سے جس کا ناک کٹ گیا وہ کوشش کرتا ہے کہ باقیوں کا بھی کٹا ہوا ہو تا کہ میرا یہ کٹا ہوا محسوس نہ ہو، تو بخیل آدمی باقیوں کو بھی کہے گا کہ یوں پیسے خرچ نہ کرو، اس طرح نہ کرو پیسے بچا کر رکھنے چاہئیں، کام آئیں گے، مقصد اس کا یہ ہے کہ اگر یہ روک کر رکھیں گے تو مجھے برا کوئی نہیں کہے گا، ورنہ اگر باقی لوگ خرچ کرتے رہے تو میرا بخل ہر کسی کو محسوس ہوگا، بخیل آدمی دوسرے کے متعلق بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ بزدلی کریں تا کہ ہم سب ایک جیسے ہو جائیں، ورنہ اگر باقی لوگ بہادری کا مظاہرہ کریں گے تو یہ ایک بزدل ہوگا تو ہر کسی کو محسوس ہوگا تو اپنی باتوں سے اپنے عمل سے ترغیب دیتے ہیں بخل کی۔

اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں، یعنی پیسے ہیں تو صحیح لیکن ظاہر نہیں کرتے تا کہ دوسرا آدمی مطالبہ نہ کرے کہ جب تیرے پاس پیسے ہیں تو ہمیں دے، تو عادت اسی طرح سے ہوتی ہے کہ جب آدمی کسی کو دینا نہیں چاہتا تو طریقہ کیا ہوتا ہے کہ جب بخل کرے گا تو کہے گا جی کیا کریں فلاں خرچہ سر پر پڑ گیا، فلاں جگہ سے نقصان آ گیا، فلاں جگہ سے آمدنی نہیں آئی، فلاں کو اتنا دینا پڑ گیا، مطلب یہ ہے کہ ظاہر یہ کرنا چاہ رہا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں اس لئے میں تمہیں نہیں دیتا، کوئی گداگر آ جائے تو اس کے سامنے بسا اوقات یوں باتیں کرنے لگ جاتا ہے، کوئی صاحب حق آ جائے تو اس کے سامنے بھی اسی طرح سے باتیں کرنے لگ جاتا ہے اور جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے اس کو جمع کیے ہوئے ہے اور اس کو چھپاتا ہے کہ کہیں دوسرا آدمی مطالبہ نہ کرے، انہی کی مذمت ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپاتے ہیں اور ناشکری کرتے ہیں، اور صاحب حق کا حق ادا نہیں کرتے۔

”والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس“ اور ایسے ہی یہ لوگ اللہ کو اچھے نہیں لگتے جو دکھلاوے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں کیونکہ جس میں دکھلاوے کا جذبہ ہو وہ بھی صحیح طور پر حق ادا نہیں کر سکتا، جہاں کوئی شہرت کا کام یا شہرت کی امید ہوگی وہاں تو کچھ کام کرے گا کچھ خرچ کرے گا، اور جہاں شہرت اور دکھلاوا نہیں وہاں خرچ نہیں

کرے گا، اور عقیدے کی کمزوری یہ بھی بسا اوقات حقوق میں خلل ڈالنے کا باعث بن جاتی ہے، تو یہاں ان کی مذمت بھی آگئی، جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے وہ نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی بن گیا، بری عادتیں سکھانا شیطان کا کام ہے، یہ شیطانی جذبات ہیں جس شخص کا شیطان ساتھی بن گیا بس وہ بہت برا ساتھی ہے۔

ایمان باللہ اور انفاق کی ترغیب:

" وما ذا علیھم لو آمنوا باللہ والیوم الآخر" کیا نقصان ہے ان کا اگر یہ ایمان لے آئیں اللہ پر، یہ ترغیب ہے اگر یہ ایمان لے آئیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور خرچ کریں اس مال میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے ان کا کیا نقصان ہے؟ کیا مصیبت ان کے اوپر آئے گی؟ فائدہ ہی فائدہ ہے ایمان میں بھی فائدہ ہے، انفاق میں بھی فائدہ ہے، بخل میں، روک کر رکھنے میں فائدہ نہیں، یہ انسان کی ذہنی غلطی ہے خرچ کرنے میں فائدہ ہے، پانی جس وقت تک جاری رہتا ہے تو یہ صاف ستھرا رہتا ہے، اور جہاں رک کر کھڑا ہو جائے تو یہ بدبودار ہو جاتا ہے بالکل یہی حیثیت ہے مال کی۔

ویسے بھی اگر کنویں سے پانی نکالتے جاؤ تو نیچے سے اوپر آتا چلا جائے گا فائدہ اٹھاتے چلے جاؤ، نیچے سے اور جمع ہوتا چلا جائے گا، اور جب نکالنا بند کر دیا جائے تو پانی ایک جگہ پر ٹھہر جاتا ہے، پھر وہ مفید نہیں رہتا، بلکہ نقصان دہ ہو جاتا ہے، تجربے کی بات یہی ہے کہ مال جتنا خرچ کرو اتنا اس میں برکت بھی ہوتی ہے، اور اس کے نقصانات کم ہوتے ہیں، اور فوائد زیادہ ہوتے ہیں، روک کر رکھنا شروع کر دو تو ایسا ہی ہے جیسے پانی سیرابی کا باعث تھا حیات کا باعث تھا، نباتات کا باعث تھا، لیکن تالابوں میں بند ہونے کی وجہ سے بیکار ہو گیا۔

اسی طرح اگر مال کو بھی روک کر رکھ لیا جائے تو یہ بھی بے کار ہو جاتا ہے اس لئے اس سے بھی کوئی استفادہ نہیں ہوتا، حاصل یہی ہے کہ یہ حرکت میں رہے، جب حرکت میں رہے گا تو فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے متعلق علم رکھنے والا ہے "ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ" بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا "وان تک حسنۃ یضاعفھا" اگر کوئی خصلت میں کوئی نیکی ہے تو اس کو بڑھائے گا "ویؤت من لدنہ اجرا عظیما" اور اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا آگے ترہیب ہے، "فکیف اذاجئنا من کل امۃ بشھید" کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اس گواہ کا مصداق اس امت کا نبی ہے جو آ کے بتائے گا کہ یا اللہ! میں نے تو دین پورا پورا پہنچایا ہے باقی اگر انہوں نے عمل نہیں کیا تو قصور انہیں کا ہے، امت کے خلاف گواہی دیں گے

انبیاء علیہم السلام "وجئنا بك علىٰ هؤلاء شهيدا" ہم آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے تو نبی کی شہادت تو ہو جائے کہ میں نے سارے کا سارا دین پہنچا دیا، اب اگر دین قبول نہیں کیا اور اس پر عمل نہیں کرو گے تو پھنس جاؤ گے پکڑے جاؤ گے "يومئذ يود الذين كفروا" اور وہ دن ایسا ہو گا جس دن یہ شہادتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کافر لوگ یہ چاہیں گے اور رسول کے نافرمان چاہیں گے کہ ان کے ساتھ زمین کو برابر کر دیا جائے، زمین کے برابر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مٹی کر کے زمین میں ملا دیا جائے، "يليتنى كنت ترابا" کافر کہے گا اے کاش! کہ میں مٹی ہوتا اور اس زمین کے اندر خلط ملط ہو جاتا اور مجھے کسی قسم کا حساب نہ دینا پڑتا اور عذاب نہ ہوتا، پھر مٹی بننا چاہیں گے، "ولا يكتمون الله حديثا" اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جایا کرو نشے کی حالت میں جب تک کہ تم جاننے نہ لگ جاؤ

مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ حَتّٰى تَغۡتَسِلُوۡا ؕ

اس بات کو جو تم منہ سے بولتے ہو اور نہ جنبی ہونے کی حالت میں مگر اس حال میں کہ تم راستہ کو عبور کرنے والے ہو جب تک کہ تم غسل نہ کر لو

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ

اور اگر تم مریض ہو یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی آیا ہو قضاء حاجت کی جگہ سے

اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا

یا تم نے عورتوں سے مجامعت کی ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو قصد کیا کرو پاک مٹی کا

فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۴۳﴾

پھر تم مسح کر لیا کرو اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا، بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے معاف کرنے والا ہے ﴿۴۳﴾

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ

کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جو کتاب سے ایک حصہ دیے گئے اختیار کرتے ہیں وہ گمراہی کو

وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ

اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم راستہ سے بھٹک جاؤ ﴿۴۴﴾ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا

کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مددگار ﴿۴۵﴾ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے

يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ

بعض لوگ ایسے ہیں جو بدلتے ہیں باتوں کو ان کی جگہوں سے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی اور تو سن

غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـيًّۢا بِاَ لۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ؕ وَلَوۡ

اس حال میں کہ تو سنایا ہوا نہیں ہے اور وہ راعنا کہتے ہیں اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہوئے، اگر

اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

یہ لوگ کہتے ہم نے سن لیا اور مان لیا اور تو سن اور تو ہمارا خیال کر تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا

لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور زیادہ درست ہوتا ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے پس یہ ایمان نہیں لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا

مگر بہت کم ﴿۴۶﴾ اے وہ لوگو جو کتاب دیے گئے ایمان لے آؤ اس چیز کے ساتھ جو ہم نے اتاری اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ

اس بات کی جو تمہارے ساتھ ہے قبل اس کے کہ ہم مٹا دیں چہروں کو پھر لوٹا دیں ان کو ان کی گدیوں کی ہیئت پر

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

یا قبل اس کے کہ ہم ان پر لعنت کریں جس طرح سے ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی ، اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے ﴿۴۷﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جس کے لیے

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ

چاہے گا ، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے پس بے شک اس نے گناہ عظیم گڑھا ﴿۴۸﴾ کیا آپ نے

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ پاک صاف قرار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

اور یہ لوگ ظلم نہیں کیے جائیں گے دھاگے کے برابر بھی ﴿۴۹﴾ تو دیکھ یہ کیسے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ،

وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

کافی ہے یہ بات ازروئے صریح گناہ ہونے کے ﴿۵۰﴾

تفسیر:

مابعد کا ماقبل سے ربط:

شروع سے آپ کے سامنے اصلاح معاشرہ کی باتیں ذکر کی جارہی تھیں، اور مختلف قسم کے احکام واضح کئے گئے ہیں اسی سلسلے میں ایک آیت آپ کے سامنے آئی تھی ''واللہ یرید ان یتوب علیکم'' یہ رکوع جو ابھی آپ کے سامنے تلاوت کیا گیا اس کی پہلی آیت پر احکام کا سلسلہ ختم ہورہا ہے، آگے شروع ہورہا ہے ذکر یہود کا پھر منافقین کا مشرکین کا اور یہ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی کہ جو لوگ متبع شہوات ہیں وہ تمہیں موڑنا چاہتے ہیں وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم میلان اختیار کرجاؤ یعنی سیدھے راستے کی طرف سے دوسری طرف ہٹ جاؤ تو ان متبعین شہوات کی تفصیل بیان کی جائے گی اور ان سے محتاط رہنے کی تلقین کی جائے گی، ان کی مذمت کی جارہی ہے کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں یہود کی کثرت تھی، مدینہ منورہ کے اردگرد یہود کے قبیلے آباد تھے اور انصار کی ان سے دوستیاں تھیں، جاہلیت کے زمانے میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ان کے معاہدے تھے، میل جول تھا تو وہ لوگ مختلف قسم کے شبہات مسلمانوں میں پھیلاتے رہتے تھے، تو جس وقت تک ان سے معاہدہ ختم نہ کیا جائے اور ان کو دوست کی بجائے دشمن نہ سمجھا جائے تو اس وقت تک یہ کفر کے وسوسے اور کفر کی تلقین ختم نہیں ہوتی تھی، اور ذہنی یکسوئی نصیب نہیں ہوتی تھی تو گویا کہ اب یہ واضح کیا جارہا ہے کہ یہ اچھے اچھے احکام جو تم کو دیئے جارہے ہیں ان کے اوپر پابند ہوجاؤ اور یہ شیطانوں کے گروہ جو تمہارے ساتھ خلط ملط ہیں ان کو اپنا دشمن سمجھو اگر یہ تمہارے ساتھ دوستی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں تو ان کے اس اظہار پر اعتماد نہ کرو۔

''واللہ اعلم باعدائکم'' تمہارے دشمنوں کو اللہ خوب جانتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے یہ دشمن ہیں اس مناسبت سے آگے کلام منتقل ہوجائے گی ان اہل کتاب کی طرف کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں یہ خلط ملط تھے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے باطل کرنے کے لئے کفر کی طرف مائل کرنے کے لئے آئے دن کوششیں کرتے رہتے تھے، تو ان کی مذمت کی جائے گی۔

مسئلہ نماز کا ماقبل سے ربط:

پہلی آیت جو آپ کے سامنے پڑھی گئی اس میں ذکر آیا ہے نماز کے مسئلے کا اور اس کے ساتھ طہارت کا اس کی مناسبت اس حکم کے ساتھ ہے جو گزشتہ رکوع میں آیا تھا ''واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا'' اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ تو عبادت میں سے چونکہ نماز ایک بہت اہم عبادت ہے اس کے متعلق یہ حکم ذکر کیا جارہا ہے۔

آیت مذکورہ کا شانِ نزول:

اس کے شانِ نزول میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت کی ہوئی تھی اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی تو اس دعوت کے اندر شراب نوشی کا انتظام بھی کیا گیا تھا، تو کھانے کے بعد یہ شراب بھی پی گئی جیسے اس وقت عادت تھی اور اسی شغل میں لگے ہوئے تھے کہ مغرب کا وقت ہو گیا، امامت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیا گیا نماز پڑھانے کے لئے، تو انہوں نے یہ سورۃ پڑھی "قل یاایھاالکفرون" نشے کی حالت میں تھے پتہ نہیں تھا منہ سے کیا نکل رہا ہے تو "لااعبدماتعبدون" کی بجائے منہ سے نکل آیا "اعبدماتعبدون" "لا" چھوٹ گیا اب آپ جانتے ہیں کہ جب "لا" چھوٹ گیا تو معنی شرک والا پیدا ہو گیا مفہوم یہ ہو گیا کہ میں پوجتا ہوں اس چیز کو جس کی تم پوجا کرتے ہو تو گویا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کے نتیجے میں یہ شرکیہ کلمہ نماز میں جاری ہو گیا، اور شراب کے متعلق پہلے یہ بات آ چکی تھی کہ اس کے نقصانات جو ہیں وہ زیادہ ہیں منافع کم ہیں، وہ ابتدائی بات تھی جو شراب کے متعلق قرآن کریم میں آئی جس کا ذکر آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں گزرا ہے، اب یہ دوسرا قدم اٹھایا گیا اس عادت کو ختم کرنے کے لئے کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو اور نشے کی حالت میں اس عبادت کے مفہوم سے انسان غافل ہوتا ہے، اور زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے خلاف ہوتی ہیں ایسے کلمات نکل سکتے ہیں جو شرک کے معنی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ممانعت نشہ کی ہے نماز کی نہیں:

جب تک تم پوری طرح سے ہوش نہ سنبھال لو، تمہیں پتہ نہ لگنے لگ جائے کہ تمہاری زبان سے کیا نکل رہا ہے اس وقت تک نماز کے قریب نہ جایا کرو، اب بظاہر تو نہی کی جا رہی ہے نماز کے قریب جانے سے لیکن آپ جانتے ہیں کہ نماز تو وقت پر پڑھنا فرض ہے، تو اصل کے اعتبار سے نہی ہو گی کہ نماز کے اوقات میں نشہ نہ کیا کرو، یہ مطلب نہیں کہ نشہ پینے کے لئے تو آزادی دے دی گئی کہ جب چاہو پیو، جتنا چاہو پیو، ہوش آ جایا کرے تو نماز پڑھ لیا کرو نہ ہوش آیا کرے تو نہ سہی، شراب کے بارے میں تو چھٹی دے دی جائے اور نماز کے بارے میں یہ تسہیل کر دینا کہ ہوش آ جائے تو پڑھ لینا اگر نہ آئے تو نہ سہی نشے کی حالت میں نہ پڑھا کرو، یہ مطلب نہیں، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے اس کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا اب اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ایسے وقت میں نشہ نہ پیا کرو کہ نماز کے وقت تک نشہ باقی رہے اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ظہر کے بعد عصر کی نماز جلدی آ جاتی ہے تو اس حکم کے

آ جانے کے بعد ظہر کے بعد شراب پینے کی گنجائش نہیں رہے گی، مغرب اور عشاء کا وقت جلدی آ جاتا ہے تو مغرب کے بعد شراب پینے کی گنجائش نہیں رہی۔

اب اگر کوئی گنجائش رہی تو صرف یہ کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد پی لی جائے کیونکہ ظہر کا وقت بہت دیر سے آتا ہے، اب باقی اوقات میں پابندی لگ گئی کہ ان اوقات کے اندر شراب نہ پیا کرو اس سے اس عادت میں کمی آ جائے گی اور پھر اس کے بعد سورۃ مائدہ کے اندر حکم آئے گا کہ جس میں اس کو رجس قرار دے کر مطلقاً بچنے کا حکم دے دیا، تو یہ شراب نوشی جو کہ عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور نشے کی عادت بنی ہوئی تھی، اور طبعیت کے لئے ایک لازمی چیز بنی ہوئی تھی، اب اس کو اس طرح سے تدریجاً تدریجاً ختم کیا ہے تو گویا کہ شراب کے سلسلے کی یہ دوسری آیت ہے، مناسبت اس کی اس طرح سے واضح ہوگئی کہ چونکہ واقعہ ایسا پیش آیا کہ نماز پڑھی گئی تو جب نشے کی حالت میں پڑھی گئی تو اس میں خشوع وخضوع بھی نہیں ہوسکتا، کلمات بھی زبان پر ایسے جاری ہوں گے جس میں شرک والا مفہوم ہے، تو ''واعبدوا اللہ ولاتشرکوا بہ'' اس کے یہ بات خلاف ہے جس کی بناء پر شراب کی ممانعت کردی گئی نماز سے روکنا مقصود نہیں اصل میں نشے سے روکنا مقصود ہے۔

جب تک دماغ حاضر نہ ہو نہ نماز پڑھو نہ دعا کرو:

''لاتقربوا الصلوٰۃ'' نماز کے قریب نہ جایا کرو اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، جب تک کہ تم جان نہ لو کہ تم کیا بول رہے ہو اتنی ہوش ہونی چاہیئے کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تمہیں معلوم ہوں کہ صحیح نکل رہے ہیں یا غلط نکل رہے ہیں، اب مدار چونکہ اس پر رکھا گیا ہے کہ نشے کی حالت میں پتہ نہیں چلتا کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے، غلط باتیں نکل سکتی ہیں، کفریہ باتیں نکل سکتی ہیں شرکیہ کلمات نکل سکتے ہیں تو اب شراب نہ پی ہوئی ہو کوئی دوسرا نشہ کیا ہوا ہو جس سے انسان کی آواز ٹھیک نہیں ہے تو بھی مسئلہ یہی ہے نشہ نہیں پیا ہوا لیکن غشی کی کیفیت ہے یا جیسے فقہاء لکھتے ہیں روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے نیند کا اتنا غلبہ ہو کہ انسان کا دماغ مستحضر نہیں ہے، حاضر نہیں ہے اس کو پتہ نہیں چل رہا کہ میں کیا بول رہا ہوں تو ایسے وقت میں بھی نماز پڑھنے کی اور دعا کرنے کی ممانعت ہے، روایات میں بھی وجہ یہی ذکر کی گئی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق دعا کرتا ہے لیکن وہ کر بیٹھے اپنے لئے بددعا جس طرح سے دعائیہ کلمات میں بھی ''لا'' چھوٹ جائے تو مفہوم غلط ہوجائے گا ''لا'' نہیں تھا آپ نے بڑھا دیا مفہوم غلط ہوجائے گا۔

مثلاً اس طرح دعا کرنے لگ جائے ''اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اجتنابه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اتبعاعه'' کہ لفظ ادل بدل ہونے میں کوئی پتہ نہیں چلتا انسان کو، الٹا معاملہ ہوجائے کہ اے اللہ! حق ہمیں حق دکھا اور اس

سے بچنے کی توفیق دے، باطل ہمیں باطل دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے بالکل غلط ہو جائے گا، اب جیسے کوئی "اللھم اغفرلی" کی بجائے کہے "اللھم اعفرلی" غ کی بجائے ع پڑھ لیا تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ اے اللہ! مجھے مٹی میں ملادے، مجھے ذلیل کر دے، ایک نکتے کے بدلنے کے ساتھ، کسی لفظ کے بڑھنے کے ساتھ، کسی لفظ کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے ساتھ بددعا کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے، تو اگر اس طرح نیند کا غلبہ ہے انسان کو پتہ نہیں کہ میں منہ سے کیا نکال رہا ہوں ایسی صورت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دعا کرنے کی بھی ممانعت ہے شراب پی ہوئی ہو کوئی دوسرا نشہ کیا ہوا ہو، یا کسی وجہ سے دماغ حاضر نہیں ہے ایسے وقت میں نماز سے احتیاط کرنی چاہیے، "حتی تعلموا ماتقولون" جب تک کہ تمہیں پتہ نہ چل جائے کہ تم کیا بول رہے ہو۔

حالت جنابت میں نماز کی ممانعت:

"ولا جنبا" جنابت کا مسئلہ ساتھ ذکر کر دیا، جس میں اشراب کی قباحت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شراب کی حالت میں انسان نماز کے لائق نہیں جیسے جنبی نماز کے لائق نہیں اور آگے جا کے جب شراب کو نجس قرار دے دیا جائے گا تو بالکل ہی مشابہت ہو جائے گی، نماز کے قریب نہ جایا کرو جنبی ہونے کی حالت میں، جنابت کی حالت بھی ایک ایسی حالت ہے جس میں اللہ سے بُعد ہوتا ہے اور شیطان کی طرف قرب ہوتا ہے یہ بھی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مکان کے اندر جنبی موجود ہو، سستی کی بناء پر غسل نہیں کر رہا وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، جس طرح تصویر کی موجودگی میں نہیں آتے، کتے کی موجودگی میں نہیں آتے، اسی طرح سے جنبی کا ذکر بھی ایک روایت میں ہے کہ جنبی کے قریب رحمت کے فرشتے نہیں آتے، جنبی ہونے کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جایا کرو جب تک کہ تم غسل نہ کرلو، جنابت سے غسل کرنا فرض ہے۔

گذشتہ حکم کی استثنائی صورت:

"الاعابری سبیل" مگر اس حال میں کہ تم راستہ عبور کر رہے ہو سفر کی حالت میں ہو اس کا حکم آگے ذکر کیا جارہا ہے تو چونکہ سفر میں زیادہ مشکل پیش آتی ہے کیونکہ پانی نہیں ملتا بسا اوقات پانی موجود ہوتا ہے لیکن انسان اس کے استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا سفر کے اندر، یا سردی بہت ہے اور سردی سے بچاؤ کے لئے انسان کے پاس سامان نہیں، یا ریل میں ہے پانی اگرچہ اردگرد نظر آرہا ہے، اور ریل سے اتر کر انسان استعمال کرنے پر قادر نہیں، جہاز کے سفر میں ہے ایسے حالات پیش آسکتے ہیں اور زیادہ پیش آتے ہیں سفر میں اس لئے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا یہ جو کہا جارہا ہے کہ بغیر نہائے نماز کے قریب نہ جایا کرو جنبی ہونے کی حالت میں اس سے سفر کی حالت مستثنیٰ ہے اس کا حکم آگے واضح کیا جارہا ہے۔

معذورین کے لیے رخصت:

''وان کنتم مرضیٰ'' اور اگر تم بیمار ہو بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس کے اندر پانی کا استعمال کرنا نقصان دیتا ہے ہر بیماری مراد نہیں ہے، ''اوعلیٰ سفر'' یا تم سفر پر ہو''اوجاء احدمنکم من الغائط اولمستم النساء ''یہ دونوں حالتیں عام ہیں یعنی تم بیمار بھی نہیں سفر پر بھی نہیں لیکن حالت ایسی پیش آگئی کہ تم پیشاب کر آئے یا ایسی حرکت کر لی جس کے بعد غسل فرض ہے اور پانی نہیں ملا، بیماری کی حالت ہو تو پانی کا نہ ملنا یہ ہے کہ پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہیں، سفر میں ہو لیکن پانی نہیں ملا، یا پانی ہے لیکن استعمال کرنے پر قدرت نہیں یا عام حالات میں بھی اگر تمہارا وضو ٹوٹ گیا، یا تم پر غسل واجب ہو گیا اور پھر تمہیں پانی نہیں مل رہا، پانی استعمال کرنے پر قادر نہیں ہو، چاہے اصطلاً حاتم مسافر بھی نہیں اور تمہیں اس قسم کی کوئی بیماری بھی نہیں لگی ہوئی جس میں پانی کا استعمال نقصان دیتا ہے عام حالات میں بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے تو پھر تم ان سب صورتوں میں پاک مٹی کا قصد کر لیا کرو، اس زمین کا پاک ہونا ضروری ہے جہاں سے طہارت حاصل کی جاتی ہے، قصد کر لیا کرو طہارت حاصل کرنے کے لیے جس کو اصطلاح فقہاء میں تیمم کہا جاتا ہے، اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بھی ہمارے لئے طہارت کا ذریعہ بنا دیا، اور پھر طہارت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے دونوں قسم کا تیمم چاہے جنابت سے ہو چاہے حدث اصغر سے ہو طریقہ ایک ہی ہے۔

مسح کا طریقہ:

''فامسحوا بوجوهکم '' تم اپنے چہروں پر مسح کیا کرو یعنی پاک مٹی کے ذریعہ سے، پاک مٹی پہ ہاتھ مارا اور پھر وہ اپنے چہرے کے اوپر پھیر لیا، ''وایدیکم '' اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا کرو تو حدیث شریف میں جو تفصیل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم کرنے کے لئے دو ضربیں ضروری ہیں ایک دفعہ زمین پر ہاتھ ماریں اس کے ساتھ چہرے کا مسح کر لیں، دوسری دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر بازوؤں کا مسح کر لیں، وہاں تک جہاں تک وضو میں دھوئے جاتے ہیں، یہ مرافق تک سارے یدین کہنیوں تک، اور بغلوں تک ہاتھ نہیں پھیرنا، بلکہ اتنے حصے پر ہی جتنے حصہ میں وضو کے اندر پانی بہایا جاتا ہے، اتنے حصے پر مسح کر لیجئے اس سے طہارت حاصل ہو گئی اور پانی تک قدرت ہونے تک اس طہارت کے ساتھ آپ عبادات کر سکتے ہیں ''ان الله کان عفوا غفورا'' بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے بخشنے والا ہے۔

یہود کو دشمن سمجھنے اور ان سے بائیکاٹ کا حکم:

یہاں احکام کا جو سلسلہ تھا وہ ختم ہو گیا، آگے کلام منتقل ہو گئی ان لوگوں کی طرف جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور اس اصطلاحی سکیم میں رکاوٹیں ڈالتے تھے اور مختلف طریقوں کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں میں کفر کی طرف میلان پیدا کرتے تھے آگے ان کی نشاندہی کی جارہی ہے، ان کی مذمت کی جارہی ہے تاکہ اہل ایمان ان سے متاثر نہ ہوں اور ان کو اپنا دینی اور دنیاوی دشمن سمجھیں، ''الم ترالی الذین اوتوا نصیبامن الکتاب'' کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو کتاب کا ایک حصہ دیے گئے، اس سے مراد تورات ہے تورات کی بچی کھچی کافی آیات ان کے پاس موجود تھیں کہ جن کو چاہتے تو ہدایت کا ذریعہ بنا سکتے تھے یا ان کو کتاب کے فہم کا ایک اچھا خاصہ حصہ ملا تھا ''یشترون الضلالۃ'' جو اختیار کرتے ہیں گمراہی کو ''ویریدون ان تضلوا السبیل'' اور تمہارے متعلق بھی ان کا ارادہ یہ ہے کہ سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ، تو گویا کہ تمہارے دینی دشمن ہیں، خود یہ گمراہ ہیں اور تمہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اور بظاہر تمہارے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا، اللہ تعالیٰ جو اظہار کر رہا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں یہی بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو خوب جانتا ہے، بمقابلہ تمہارے وہ زیادہ جانتا ہے اس لئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نشاندہی کر دے کہ یہ تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھو، ان کو اپنا خیر خواہ اور ہمدرد نہ سمجھو، اور پھر تم جب ان سے دشمنی کا اظہار کرو گے، تعلق توڑو گے تو پہلے سے جو تمہارے ان کے ساتھ تعلقات ہیں، تمہاری ضروریات ہیں، یہ تمہارے کام آتے ہیں، وقت پر تم ان سے مدد لیتے ہو یہ خیال نہ کرنا کہ اگر ہم ان سے تعلق توڑ لیں گے، علیحدگی اختیار کر لیں گے پھر ہمارے کام رک جائیں گے، ہمیں کوئی نقصان پہنچے گا نہیں بلکہ اللہ پر اعتماد کرو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور ولی ہے اور مددگار ہے، کارساز ہونے کے اعتبار سے بھی اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے بھی اللہ کافی ہے۔

ان یہودیوں کے ساتھ تعلقات کاٹنے کی صورت میں تمہیں زندگی میں کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں گی، بسا اوقات یہ خیال آتا ہے کہ دیکھو ہماری کتنی ضروریات ان کے ساتھ متعلق ہیں، وقت پر ان سے قرضے لیتے ہیں، وقت پر ان سے فلاں کام لیتے ہیں تو اگر ہم ان سے تعلقات کاٹ لیں گے تو ہمارے کام کیسے چلیں گے، دوسری قوموں کے ساتھ اس قسم کے روابط دنیاوی مفاد کے تحت قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں، اس تعلق کو کاٹنے سے انسان سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی میں مشکلات پیش آجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی دماغ سے نکال دو۔

یہود کی قولی خباثتیں:

"من الذین ھادوا یحرفون الکلم" یہودیوں میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو باتوں کو ان کی جگہوں سے ہٹادیتے ہیں، کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹادیتے ہیں، کلاموں کے مفہوم بدل دیتے ہیں، لفظ بھی تبدیل کردیتے تھے اور مفہوم بھی بدل دیتے تھے، اور آگے ان کی وہ کمینی خصلت جس کا ذکر کچھ آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں آیا تھا "لاتقولوا راعنا" کے ذکر کے ساتھ کہ وہ حضور کی مجلس میں آتے تو مجلس میں آکر باتیں کچھ اس قسم کی کرتے تھے جس میں ان کے کمینے جذبات ہوتے تھے اور وہ اس قسم کی باتیں کرکے بھڑاس نکالتے، حضور کی تحقیر کرتے، دین میں طعنے دیتے تو لفظ ایسے بولتے جو ذو احتمالین ہوتے اور ان کا ارادہ ہوتا غلط کا اور مسلمان بسا اوقات سننے والے یہ سمجھ لیتے کہ صحیح مطلب کے ساتھ اس لفظ کو استعمال کررہے ہیں جس وقت انسان کسی بڑے کے سامنے مجلس میں بیٹھا ہوتا ہے تو گفتگو کے اندر یہ بات آیا کرتی ہے کہ سامنے بیٹھنے والے اپنی زبان سے اس قسم کے لفظ بولتے ہیں جس سے بڑے کی بات کی قدر ومنزلت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

مثلاً بڑا آدمی مجلس میں بیٹھا ہوا ایک بات کرتا ہے تو سننے والے کہتے ہیں کہ ہاں جی بالکل ٹھیک ہے، صحیح فرمایا ہے، بجا ارشاد ہے، اور یہ بات تسلیم کے قابل ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں، سر تسلیم خم، اور جب انسان متوجہ کرتا ہے اپنی طرف ہمارا لحاظ فرمایئے، ہماری رعایت کرلیجئے اس بات کو دوبارہ کہہ دیجئے یہ بات ہمیں سمجھ ہی نہیں آئی ذرا دوبارہ سمجھادیجئے، اور ایسے ہی بات سن کر دعائیہ کلمات ادا کرنے کی عادت بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی دشمن کی بات نہ سنائے، کوئی ایسی بات آپ کے کان میں نہ پڑے جو آپ کے لئے خطرناک ہو، میں آپ سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ کرے وہ بات آپ کے لئے گوارا ہو آپ کے لئے ناگواری کا باعث نہ بنے، اس قسم کے لفظ گفتگو کے اندر آیا کرتے ہیں کہ جب انسان کسی بڑے کی بات سن رہا ہوتا ہے تو جواباً اس قسم کے لفظ بولتا ہے، عرب میں بھی رواج تھا تو اصل رواج تو یہ تھا کہ سننے والا یوں کہے "سمعنا واطعنا" آپ کوئی بات ذکر کریں سننے والا کہے کہ ہاں جی ہم نے سن لیا مان لیا سر تسلیم خم ہے، جو آپ نے فرمایا بجا فرمایا، یہ ہے نیاز مندی اور وہ یہود آتے آکے مجلس میں بیٹھتے، اب دل میں تو چونکہ حضور کی قدر ومنزلت ہوتی نہیں تھی، دل میں تو مخالفت تھی عداوت تھی اب مجلس میں جس وقت بیٹھ کے گفتگو سنتے تو ایسے انداز کے ساتھ وہ جوابی کاروائی کرتے کہ بظاہر دیکھنے والا سمجھتا کہ شاید آداب مجلس کے طور پر یہ لفظ ادا کررہے ہیں۔

حالانکہ اس کا مفہوم جو تھا وہ غلط لیتے تھے کہتے "سمعنا واطعنا" اور "اطعنا" کو وہ کچھ اس طریقے سے منہ کو موڑ کر ادا کرتے کہ "عصینا" والا معنی بن جاتا، یا دل میں تو استہزاء اور مذاق اڑاتے تھے لیکن ظاہری طور پر اپنا

لب ولہجہ بدل لیتے کہ جس سے معلوم ہوتا کہ یہ بطور تحقیر کے ادا کر رہے ہیں یا اونچی آواز سے تو ''سمعنا'' کہتے تھے اور پھر آہستہ سے کہتے تھے کہ سن لیا ''عصینا'' مانیں گے نہیں، اس طرح سے مفہوم ادا کرتے یا ''اطعنا'' کی ادائیگی ایسے طور پر کرتے کہ اپنے نزدیک اس کو ''عصینا'' بنا دیتے تھے اگر کوئی سننے والا گرفت کرے تو وہ کہتے تھے کہ ہم نے ''عصینا'' نہیں کہا ''اطعنا'' کہہ رہے ہیں، کسی کی گرفت کی صورت میں یہ تاویل کرتے تھے اور یونہی جب حضور کو خطاب کرنا پڑتا تو ''واسمع'' ہماری بات سنیے ''غیر مسمع'' اس حال میں کہ آپ سنائے ہوئے نہیں ہیں، اس کا صحیح مفہوم تو یہ تھا کہ آپ کے کان میں کوئی غیر مناسب بات نہ پڑے لیکن وہ اس سے ارادہ کر لیتے کہ بہرے ہو جائیں آپ، آپ کے کان میں کوئی بات نہ جائے، یا ایک مفہوم یہ بھی ادا کیا گیا ہے کہ ''واسمع'' وہ مجلس میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو کہتے جس طرح سے ہم کہا کرتے ہیں ایک آدمی بات کر رہا ہو اور دوسرا اپنے ساتھی کو متوجہ کر رہا ہو کہ سن کیسی پیاری بات کر رہا ہے، خیال کرو کتنا عجیب نکتہ بیان کیا ہے، آج ہم نے ایسی بات سنی جو کبھی پہلے سننے میں نہیں آئی تھی ایسی پیاری بات بتائی یہ آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں بسا اوقات انسان تقریر میں بیٹھا ہوا وعظ کی مجلس میں بیٹھا ہوا، درس کی مجلس میں بیٹھا ہوا جب کوئی عجیب بات سنتا ہے پسندیدہ تو اس طرح سے بھی کہتا ہے تو وہ اس طرح سے کہتے ''واسمع غیر مسمع'' یعنی سنو ان سنی بات، اور ان کے دل میں ہوتا کہ سن لو ایسی بات بھی کہیں سنی ہوگی آپ نے جو آج سن رہے ہیں اور یہی بات بظاہر وہ کہتے توقیر کے لہجے سے لیکن دل میں استہزاء ہوتا کہ کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ جو کبھی سننے میں نہیں آئیں اب لفظ جیسا بھی ہے لیکن مفہوم میں فرق پڑ گیا۔

اور ایسے وہ ''راعنا'' کہتے ''راعنا'' کا مطلب پہلے آپ کے سامنے گزر چکا کہ ''راع'' امر کا صیغہ ہے ''مراعات'' سے اور ''نا'' مفعول اور اگر یہ معنی لیا جائے تو اس کا معنی ہے ہماری رعایت کیجیے لیکن وہ ذرا سا زبان کو لچکا لیتے لچک پیدا کر لیتے تو ''راعنا'' کی بجائے ''راعینا'' بنا لیتے، ہمارا چرواہا، یا ''راعنا رعونت'' سے لے کر وہ معنی بے وقوف والا مراد لیتے، اور حضور کے سامنے اس لفظ کو استعمال کرتے تو یہ بظاہر وہ لفظ استعمال کرتے تھے جو توقیر والا ہے مقصود تحقیر ہوتی تھی، کمزور آدمی بزدل آدمی کمینہ خصلت آدمی بسا اوقات اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اس قسم کی شرارتوں کا سہارا لیا کرتا ہے کہ چاہے اس سے دوسرے کا بگڑتا کچھ نہیں لیکن انسان خوش ہو جاتا ہے اس قسم کی بات اپنی زبان سے نکال کر تو اسی کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ یہ کہتے ہیں ''سمعنا وعصینا'' اور اسی طرح سے کہتے تھے ''واسمع غیر مسمع'' اور ''راعنا'' کا لفظ کہتے ہیں، زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے، طعنہ زنی اصل کے اعتبار سے تو پیغمبر پر ہے اور پیغمبر چونکہ مجسمہ دین ہوتا ہے اس لئے اللہ کے رسول پر کوئی کسی قسم کا نشتر چلانا طعنہ زنی کرنا یہ حقیقت کے اعتبار سے دین کا استہزاء ہے۔

روایات میں جس طرح سے تفصیل آتی ہے کہ حضور کی خدمت میں جس وقت وہ آتے تو ''السلام علیکم '' جوایک مجلسی لفظ ہے کہ آتے ہی ''السلام علیکم '' کہو، اس میں دعا ہے کہ تم پہ سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں ہرقسم کی عافیت اور مصیبت سے محفوظ رکھے، ہماری طرف سے آپ سلامتی میں رہیں، ہمارا ارادہ آپ کے متعلق سلامتی کا ہے اس قسم کا مفہوم ہے اس لفظ کا، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب وہ آتے تو ''السلام علیکم '' کی بجائے لام کو دبا جاتے اور جلدی سے کہہ جاتے ''السام علیکم '' لام زبان پر نہ آتا، اور سام جو ہے یہ موت کو کہتے ہیں، السام علیکم یہ مفہوم ہوگیا بددعا کا کہ تم پر موت پڑے اس طرح سے وہ اپنے دل کا غبار نکالتے پھر باہر نکل کر بغلیں بجاتے کہ دیکھو ہم نے یوں کہا اور انہیں پتہ ہی نہیں چلا، اور اگر یہ اللہ کے پیغمبر ہوتے تو اس قسم کی باتوں پر ہم پر گرفت کیوں نہیں ہوتی۔

اٹھائیسویں پارے میں یہ بات آئے گی ''اذا جاء وک حیوک بمالم یحیك به الله ویقولون فی انفسهم لو لا یعذبنا الله بمانقول '' ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا، یوں پھر باہر نکل کر وہ اپنی ان باتوں کے اوپر خوش ہوتے تھے کہ ہم نے ایسی باتیں کرلیں اور ان کو پتہ ہی نہیں چلا دیکھو یہ اگر اللہ کے رسول ہوتے تو ہم پر گرفت ہو جاتی تو یہ ان کے طریقے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''لو انهم قالوا'' اگر یہ صرف'' سمعنا '' کہتے اور صرف'' اطعنا '' کا لفظ استعمال کرتے اور صرف'' واسمع '' کہتے اور ''راعنا'' کی بجائے ''انظرنا'' کہہ لیتے، کیونکہ ''انظرنا '' کے اندر اس قسم کی خرابی کا اندیشہ نہیں جس قسم کی خرابی وہ لفظ ''راعنا'' میں پیدا کرلیتے تھے، مفہوم اس کا وہی ہے ''راعنا'' والا کہ ہمارا خیال کیجئے، ہم پر نظر کریں، ہم پر شفقت فرمائیں، یہ بات دوبارہ سمجھادیں دوبارہ کہہ دیں، اس قسم کے موقع پر ''انظرنا'' کا لفظ استعمال کرلیا جائے تو ''لکان خیرا لهم '' تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور زیادہ درست ہوتی، لیکن یہ لعنتی ہیں ان کے اوپر لعنت ہو چکی یہ پھٹکارے گئے اس لئے ان کو شرارتیں سوجھتی ہیں کبھی بھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتے، ''ولکن لعنهم الله بکفرهم '' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے ''فلایؤمنون الا قلیلا '' پس یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے سے، ان کے اندر کچھ لوگ ہوں گے جن کے اندر ایمان کی صلاحیت ہے جو اس قسم کی شرارتوں سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے، باقی جتنے بھی ہیں جب ان پر لعنت ہوگی پھٹکار ہوگی تو ان کی طبعیت کا میلان شرارتوں کی طرف تو ہوگا، بری باتوں کی طرف تو ہوگا، صحیح بات کی طرف یہ نہیں آئیں گے یہ اللہ کی طرف سے لعنت کا اثر ہے ملعون ہونے کا اثر ہے۔

اہل کتاب کو تنبیہ:

"یاایھاالذین اوتوا الکتاب آمنوا" اے وہ لوگو! جو کتاب دیئے گئے ایمان لے آؤ اس بات پر جو ہم نے اتاری اس حال میں کہ وہ مصداق بننے والی ہے اس کتاب کا جو تمہارے ساتھ ہے، تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ مٹادیں پھر ہم چہروں کو اور پھر لوٹادیں ان کو ان کی گدیوں کی ہیئت پر، یا قبل اس کے کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے، یہ وعید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا نہ کردے، اللہ نے تمہیں آنکھ کی نعمت دی ہے، ناک کی نعمت دی ہے، کانوں کی نعمت دی ہے، نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، صحیح بات دیکھو، صحیح بات سنو، صحیح بات سمجھو، زبان سے صحیح الفاظ نکالو، اور اگر تم نعمتوں کی شکر گزاری نہیں کرتے تو تمہیں ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں واپس لے لے، اور تمہارے آنکھ ناک کان مٹا کر ایسے کردے جس طرح پچھلا گدی کا حصہ ہے، یہ وعید ہے کہ انسان کو یہ احتمال ہونا چاہیئے کہ اللہ کہیں ایسا نہ بنادے۔

اس کا وقوع دنیا کے اندر ضروری نہیں جس طرح سے سرور کائنات فرماتے ہیں کہ "اغتنم خمساقبل خمس" پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، "شبابك قبل هرمك" اپنی جوانی کو غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے یعنی یہ احتمال ہے کہ جوانی کے بعد بڑھاپا آجائے گا جوانی کی قدر کرلو، لیکن ضروری نہیں کہ جوانی کے بعد بڑھاپا آئے آدمی تو پہلے بھی مرسکتا ہے، "غناك قبل فقرك" اپنے غنا کو غنیمت جانو فقر سے پہلے محتاج ہونے سے پہلے پہلے اپنی دولت سے فائدہ اٹھالو یعنی ہر وقت تمہارے دل میں یہ احتمال ہونا چاہیئے کہ آج ہمارے پاس پیسے ہیں آج ہم نیکی کا کام کرلیں اچھا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو ہم محتاج ہو جائیں باقی یہ ضروری نہیں کہ غنا کے بعد فقر ضرور ہوگا، یہ احتمال کافی ہے کہ غنا کے بعد کہیں فقر نہ آجائے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی مرنے تک بالکل غنی رہتا ہے اور فقر آتا ہی نہیں، لیکن احتمال ہر وقت ہے کہ اگر تمہارے پاس مال ہے تو تم اس سے فائدہ اٹھاؤ، اسی طرح اپنی صحت کو غنیمت جانو بیماری سے قبل ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آدمی تندرست رہتا ہے تندرستی میں مرجاتا ہے یک دم، بیمار ہوتا ہی نہیں، لیکن احتمال ہر وقت رہتا ہے کہ آج صحت ہے ہوسکتا ہے کہ کل کو یہ صحت نہ رہے، اس لئے اس صحت سے فائدہ اٹھالو، جیسے یہاں اس کو احتمال کے ذریعے سے محتاط کرنا مقصود ہے یہاں بھی یہی بات ہے کہ تمہیں ناک کان اللہ نے دیے ہیں، آنکھیں دی ہیں ان اعضاء سے فائدہ اٹھالو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دی ہوئی نعمتیں واپس لے لے اور پھر تمہارے چہرے کا اگلا حصہ ایسا ہو جائے جیسے کہ پچھلا حصہ ہے گدی کی طرح ہو جائے

یہ نعمتیں چھن جائیں گی ہم لعنت کریں گے باطنی مسخ آجائے گا جیسا کہ ہم اصحاب سبت پر لعنت کر چکے ہیں اور پھر باطنی مسخ پھر ظاہری مسخ بھی بنا پھر بندر کی شکل ہوگئی "کونوا قردۃ خاسئین" ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تمہاری صورتیں ایسی مسخ کردی جائیں جس طرح سے اصحاب سبت کی کردی گئیں تھیں لعنت کا سبب اس صورت میں ظاہر ہوا تھا تم پر بھی تو یہ ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں اللہ تعالیٰ جو حکم دے دے وہ ہوکر رہتا ہے۔

شرک کی معافی نہیں:

"ان اللہ لایغفر ان یشرك بہ" یہ بھی انہی کے لئے وعید ہے کیونکہ وہ بھی شرک میں مبتلا ہوگئے تھے، اور مسلمانوں کے مقابلے میں مشرکین کی حمایت کرتے تھے اب شرک کے اوپر وعید ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے نہیں بخشے گا یعنی سزا دے کر بھی، سزا دے کر بھی نہیں بخشے گا اور اس شرک کے علاوہ جو کچھ ہے اللہ بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا، چاہے بلا سزا چاہے سزا دے کر، اور سزا ہوجانے کے بعد اس کا بخشا جانا یقینی ہے اللہ کے وعدے کے تحت کہ ایک آدمی مؤمن دنیا سے گیا مشرک نہیں ہے اور اس نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہوئے ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر سزا کے معاف کردے اور اگر اللہ نے سزا دینے کا ارادہ کرلیا تو سزا کے بعد تو معاف ہونا یقینی بات ہے، آیات و روایات کے اندر یہ بات واضح کردی گئی تو جب بڑے بڑے گناہ سزا کے بعد یقیناً معاف ہوجائیں گے صرف شرک معاف نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا کے بعد بھی معاف نہیں ہوگا، یہ ایسا جرم ہے جو سزا کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوگا، اس کی سزا دائمی ہے شرک میں کفر بھی داخل ہے یعنی ہر وہ کیفیت جو ایمان کے منافی ہے اس کے اندر داخل ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جس کے لئے یہ چاہے گا یعنی بغیر سزا کے اور شرک نہیں بخشے گا سزا کے بعد بھی، ورنہ اگر کوئی مشرک نہیں اور مؤمن ہے اور اس کے ذمے کچھ گناہ ہیں وہاں دونوں باتیں ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ویسے ہی معاف کردے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ سزا ہونے کے بعد معافی مل جائے سزا ہونے کے بعد معافی جو ہے وہ یقینی ہے مؤمن کے لئے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا بہت بڑا گناہ کیا اس نے۔

یہود کی خود پسندی:

کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنی تعریف خود کرتے ہیں "یزکون انفسھم" اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں یعنی ہیں یہ مشرک اور ہیں یہ بد باطن، خبیث، ملعون، اور اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم

بڑے پاک صاف ہیں، ہم جائیں گے ہی جنت میں جہنم میں ہمارا کیا کام، اپنے آپ کو بڑا پاک قرار دیتے ہیں تو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے مشرک کفر کو خباثت کو اختیار کرنے کے بعد بھی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں تو ان چیزوں کو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مردود قرار نہیں دیتے بلکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ قرار دیتے ہیں، یہی جھوٹ ہے جو مشرک ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ ہم بخشے جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں، اپنی تعریف کرتے ہیں، اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے، یہ ذہن تھا ان یہود کا ہر قسم کی خباشتوں میں مبتلاء ہونے کے باوجود کہتے تھے کہ ہم چونکہ بڑوں کی اولاد ہیں لہٰذا ہم جو کچھ بھی کرتے رہیں، ہم تو بخشے بخشائے ہیں، ''سیغفرلنا'' جو کچھ بھی کیے جائیں ہم تو بخشے جائیں گے گویا کہ اپنا تزکیہ کرتے ہیں اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں، مجرم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مجرم نہیں سمجھتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں، دیکھا ہے ان کی طرف جو اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں، خود اپنے آپ کو پاک قرار دینے سے انسان پاک نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں پاک قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ دھاگہ برابر بھی ظلم نہیں کیے جائیں گے ان کے کردار کی پوری پوری سزا ہوگی، کوئی کام کیا نہ ہو اس کی سزا دے دی جائے ایسا نہیں ہوگا، دیکھو کیسے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یعنی ان حرکتوں کے باوجود اپنے آپ کو مغفور قرار دینا اپنے آپ کو پاک صاف قرار دینا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے دیکھو کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر ''وکفیٰ به اثما مبینا'' ان کی یہی بات صریح گناہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔
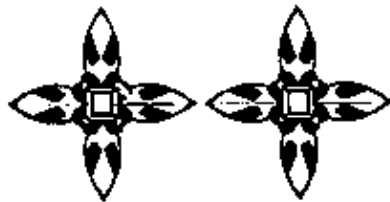
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو دیے گئے کتاب کا ایک حصہ وہ ایمان لائے بتوں

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ

اور شیطان کے ساتھ اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بمقابلہ ان لوگوں کے

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ

جو ایمان لے آئے از روئے راستہ کے ﴿۵۱﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کے اوپر اللہ نے لعنت کی ہے، اور جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ

تو اس کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا ﴿۵۲﴾ کیا ان کے لیے سلطنت میں سے کوئی حصہ ہے اگر ہوتا تو یہ نہ دیتے

النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

لوگوں کو کچھ بھی ﴿۵۳﴾ یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دے دی،

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

پس ہم نے دے دیا ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت اور انہیں بڑی سلطنت دے دی ﴿۵۴﴾

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ

ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس سے رکتے ہیں، وہ جہنم کافی ہے از روئے

سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا

بھڑکنے والی آگ کے ﴿۵۵﴾ بے شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں ہم عنقریب ان کو داخل کریں گے آگ میں، جب بھی

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ

جل جائیں گی ان کی کھالیں تو ہم ان کو بدل دیں گے ان کھالوں کے علاوہ اور کھالیں تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ

ضرور داخل کریں گے ہم انہیں باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں رہنے والے ہوں گے ان باغات میں

اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾

ہمیشہ، ان کے لیے ان باغات میں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنے سائے میں ﴿۵۷﴾

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ادا کرو امانات اہل امانات کی طرف ، اور جب تم فیصلہ کرو

بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کیا کرو عدل کے ساتھ، بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ چیز بہت اچھی ہے ،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ

بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے ﴿۵۸﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ

اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اُولی الامر کی اطاعت کرو ، پھر اگر تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے

شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کسی معاملہ پر پس رد کر دیا کرو اس بات کو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر

وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اور یوم آخر پر، یہ بہتر ہے اور بہت اچھا ہے از روئے انجام کے ﴿۵۹﴾

تفسیر :

ماقبل سے ربط :

پچھلے رکوع میں احکام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کلام منتقل ہو گئی تھی اہل کتاب یہودیوں کی طرف ''الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب'' یہاں سے یہودیوں کا تذکرہ شروع ہوا تھا کہ ان لوگوں کو اللہ نے کتاب

کا حصہ دیا ہے، کتاب کا فہم کچھ انہیں حاصل ہے، بچی کھچی کتاب لیکن ہدایت ان کے حصے میں نہ آئی یہ گمراہی کو اختیار کرتے ہیں، ہدایت کو اختیار نہیں کرتے نہ صرف یہ کہ خود گمراہ ہیں بلکہ تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے نشاندہی کی گئی تھی ان دشمنوں کی جو دینی اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن تھے اور دنیاوی طور پر بھی نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہی سلسلہ کلام آگے چلا آرہا ہے، پچھلے رکوع کی آخری آیتوں میں بھی انہی کے کرتوت مذکور تھے ،خاص طور پر شرک کی مذمت تھی کہ یہود جو کہ حامل کتاب ہیں اور ہر کتاب کی جان ہے عقیدہ توحید بلکہ ہر دین کی بنیاد جو ہے وہ عقیدہ توحید پر ہے جو شخص اس عقیدے کو محفوظ رکھتا ہے وہ اپنے دین کی کسی نہ کسی درجے میں حفاظت کر لیتا ہے، چاہے اس سے دیگر احکام کی کتنی مخالفت کیوں نہ ہو جائے ،گویا کہ دین کا اصل اس کے پاس محفوظ ہوتا ہے جس کی بنیاد پہ آخرت میں اس کی مغفرت ہو جائے گی،اور دیگر گناہ اللہ تعالیٰ سزا دے کر معاف کر دیں گے ،لیکن جو شخص اس دین کی جڑ کو ہی کاٹ دے اور اس عقیدہ توحید کو محفوظ نہ رکھے بلکہ شرک میں مبتلاء ہو جائے اس نے اپنے دین کی جڑ کاٹ دی اب اگر ظاہری طور پر وہ کچھ نیکیاں کرے بھی تو وہ نیکیاں بے حقیقت ہیں، ان نیکیوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، تو شرک کی مذمت کی تھی کیونکہ یہود جو ہیں وہ بھی شرک میں مبتلاء ہو گئے تھے، اور پھر شرک میں مبتلاء ہونے کے باوجود وہ لوگ اپنی زبان سے اپنی تعریفیں کرتے رہتے تھے، اور یوں سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں، اللہ کے مقبولین کی اولاد ہیں لہٰذا ہم تو پاک ہی پاک ہیں صاف ہی صاف ہیں جیسے بھی ہیں ہم بخشے جائیں گے، ان کی اس بات کی مذمت کی گئی اور ان کو کہا گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں مشرک اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا، اور کوئی شخص بھی اپنے نسب اور نسل کے اعتبار سے بخشا نہیں جا سکتا اگر اس کے پلے میں توحید نہیں ہے، اگلی آیات اسی مضمون سے متعلق ہیں۔

شانِ نزول:

ان کا شانِ نزول یہ ذکر کیا گیا ہے کہ غزوہ احد کے بعد یہود میں سے حیی ابن اخطب یہ غالباً بنو نضیر سے تعلق رکھتا ہے اور کعب بن اشرف یہ بنو قریظہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ دونوں مکہ معظمہ گئے مشرکین کے پاس تاکہ مسلمانوں کے خلاف کوئی متحدہ محاذ قائم کر لیا جائے، مشرکین کے پاس جا کر انہوں نے ان کو بہکایا اکسایا اب چونکہ انہیں ساتھ ملانا تھا سیاسی اغراض سامنے تھیں اور جس وقت سیاسی اغراض سامنے ہیں تو برے سے برا آدمی بھی اچھا لگتا ہے، اور جو اپنے سیاسی مفاد کے مطابق نہ ہو اچھے سے اچھا آدمی بھی ہو تو برا لگنے لگ جاتا ہے، اب یہ جو اہل

کتاب تھے یہ توحید کے مدعی تھے، آخرت کے قائل تھے، اور اپنی زبان سے شرک کی مذمت کرتے تھے کہ شرک جائز نہیں ہے، اب چاہیئے تو یہ تھا کہ حق کا اظہار کرتے، جہاں کوئی عقیدے کی بات آتی تو مشرکین کی حمایت نہ کرتے بلکہ مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کو اچھا کہتے لیکن یہاں مشرکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں جا کر انہوں نے مشرکین کی تعریف کی، اور کہا کہ تمہارا طریقہ بڑا اچھا ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتے ہیں۔

بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے ان کے بتوں کو سجدے بھی کیے، تاکہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہم آپ کے قریب ہیں اور مسلمانوں کی مخالفت پر مشرکوں کو بہکایا جائے، بھڑکایا جائے تو اس قسم کے شرک کا ارتکاب کیا ان لوگوں نے ضد میں آ کے اس لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی اور آگے یہ نشاندہی کی کہ دیکھو ہیں یہ کتاب کے حامل، کتاب ان کو ملی ہوئی ہے، لیکن حال ان کا یہ ہے کہ بتوں پر اور شیطانوں پہ ایمان لاتے ہیں اب اگر یہ حامل کتاب ہیں، کتاب ان کے پاس موجود ہے تو کیا فائدہ اس کتاب کا جس وقت تک کتاب کے مندرجات پر عقیدہ نہ رکھا جائے اور اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے، اس وقت تک اس کتاب کا کیا فائدہ، اس لئے جو علم وہدایت کی وراثت ان کے پاس چلی آرہی ہے انہوں نے وہ ضائع کر دی اس لئے "جبت وطاغوت" کا معنی ہو گیا کہ بتوں پر ایمان لاتے ہیں، شیطان پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ جو بت پرستی ہے وہ سب شیطان کی طرف منسوب ہے آگے بھی اس کی وضاحت ہوگی یہ آیات تو خاص واقعہ کے متعلق ہو گئیں کہ انہوں نے ایسا کیا تھا، اور مشرکوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہدایت یافتہ قرار دیا تھا باوجود اہل کتاب ہونے کے۔

یہود کا عمومی کردار اور اس پر نکیر:

اور اس کے علاوہ آپ کے سامنے پہلے پارے میں گزرا تھا کہ یہود میں جادو کا چرچا بھی بہت ہو گیا تھا، یہ پہلے پارے میں آیا تھا "واتبعوا ماتتلوا الشیاطین علی ملك سلیمن وما کفر سلیمن الخ" اس آیت کے اندر ذکر کیا گیا تھا کہ یہودی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے، ٹونے ٹوٹکوں کے پیچھے، بدشگونیوں کے پیچھے پڑ گئے تھے اس قسم کی اوہام پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اور جادو جو شخص بھی کرے گا اور جادو میں مہارت پیدا کرنا چاہے گا تو اس کو ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت کرنی پڑتی ہے جنات کے ساتھ اور ارواح خبیثہ کے ساتھ جس میں شرکیہ اعمال ان کے نام کے وظیفے پڑھنا، ان کے نام کے چڑھاوے دینا اور ایسے گندے طریقے اختیار کرنا جن کے ساتھ ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو، تو ان کے ٹونے ٹوٹکوں کے اندر اثرات پیدا ہوتے ہیں تو سحر کی یہ خاصیت ہے چونکہ اس میں

زیادہ تر تعلق خبیث جنوں کے ساتھ ہوتا ہے تو خبیث حرکتیں کرنی پڑتی ہیں، تو باوجود اس بات کے کہ یہ کتاب کے حامل تھے لیکن یہ کتاب کے متبع نہ رہے، بلکہ ان کی ساری کی ساری توجہ جو تھی وہ اس جادو کی طرف، ٹونے ٹوٹکوں کی طرف، بدشگونی کی طرف، ستارہ شناسی کی طرف ہوگئی اس قسم کی اوہام پرستی میں مبتلا ہوگئے اور اس اوہام پرستی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا تعلق جو تھا وہ طاغوت کے ساتھ ہوگیا شیطان کے ساتھ ہوگیا! اگر اس طرح سے اس کا مطلب بیان کیا جائے گا تو اس خاص واقعہ سے یہ بات متعلق نہیں رہتی بلکہ یہودیوں کے عمومی کردار کی نشاندہی ہے کہ کتاب پر تو یہ عامل نہ رہے اور نہ اس کے متبع رہے، بلکہ اس قسم کی خبیث حرکتوں میں مبتلا ہوگئے، اور ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لئے شرکیہ اعمال میں مبتلاء ہوگئے تو ان کو جو دین الٰہی کا حامل بنایا گیا تھا، کتاب اللہ کا امین ان کو بنایا گیا تھا اس قابل ہی نہیں رہے کہ یہ امانت ان کے پاس رہے اس لئے یہ امانت ان سے منتقل کی جارہی ہے بنواسماعیل کی طرف، اور جب ان کے کرتوتوں کی بناء پر اس امانت کو ان سے چھین لیا گیا اور ان کو ہر دینی عزت سے محروم کردیا گیا اب مسلمانوں کے ساتھ یہ ضد رکھتے ہیں اور مشرکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ان کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو یہ فضل کیوں حاصل ہورہا ہے، یہ علم وحکمت کی امانت ان کی طرف کیوں منتقل ہورہی ہے اس حسد کی بناء پر پھر یہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔

تو اس جماعت کا جو عمومی کردار تھا ان آیات کے اندر وہ دکھایا جارہا ہے، کیا دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو کتاب کا ایک حصہ دیے گئے ایمان لاتے ہیں جبت پر، جبت سے مراد بت ہے یا جبت سے مراد ہیں امور وہمیہ جن کے پیچھے وہ لگے ہوئے تھے، جس کے اندر جادو بھی داخل ہے اور کہانت بدشگونی یہ ساری چیزیں داخل ہیں جو اس قوم کے اندر رواج پکڑ گئیں تھیں، اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں، شیطان کی پوجا کرتے ہیں، شیطان پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ جادو وغیرہ ٹونے ٹوٹکے جب یہ کیے جاتے ہیں تو بھی شیطان سے استعانت حاصل ہوتی ہے، ارواح خبیثہ سے استعانت ہوتی ہے اس لئے جادو کفر ہے، "وما کفر سلیمن ولکن الشیاطین کفروا" کے اندر یہ بات ذکر کی گئی تھی جس میں غیر اللہ سے استعانت کی جاتی ہے تو اس اعتبار سے بھی ان کا طاغوت پر ایمان ہے اور مشرکوں کے سامنے انہوں نے جب بت کے ساتھ عقیدت ظاہر کی، بتوں کو سجدہ کیا یا بت کے ساتھ عقیدت ظاہر کی تو یہ بھی در پردہ شیطان پر ایمان ہے اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا اس کا مصداق مشرکین مکہ ہیں کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں، "ھؤلاء اھدی" یہ لوگ زیادہ ہدایت پانے والے ہیں سیدھے راستے کی بمقابلہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے "الذین آمنوا" کا مصداق حضور کی جماعت ہے اور مشرکین کو جاکر کہتے ہیں کہ مؤمنین کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

"اولئك الذين لعنهم الله" یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اللہ نے پھٹکار کی یہ ملعون لوگ ہیں مردود دھتکارے ہوئے کہ اللہ کی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے لیکن ہمدردیاں مشرکوں کے ساتھ ہیں، توحید کے مدعی ہیں اور تعریف مشرکوں کی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مندرجات کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے پڑتے ہیں، تو یہ لوگ ملعون ہیں اللہ کی لعنت کا اثر یہ ہے کہ اب ان کو بات صحیح سمجھ نہیں آرہی، لعنت کا مفہوم ہوتا ہے رحمت سے دور کردینا، جس وقت اللہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کردیا، اور اللہ کی رحمت یہی ہے جو انسان کے لئے خیر اور سعادت کا ذریعہ بنتی ہے، جب اس کو خیر وسعادت سے محروم کردیا گیا تو شقاوت اور سوائے نار جہنم کے اس کے پلے کیا رہ جائے گا، اور جب کوئی انسان کسی دوسرے پر لعنت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بددعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردے، اور جب کسی کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ملعون ہے تو گویا کہ ہم اپنی طرف سے فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ کی رحمت سے دور ہٹادیا گیا۔

دوسرے کو جہنمی کہنے والا خود جہنم کی لپیٹ میں:

اور اس لفظ کی حقیقت کی طرف دیکھتے ہوئے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کسی کے اوپر لعنت کرنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے اللہ کی رحمت کا کوئی انسان ٹھیکے دار نہیں ہے اس بات کو ذرا اچھی طرح سے سمجھ لیجئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے ایک بڑا زاہد پرہیزگار صوفی نیک آدمی تھا اپنے خیال میں اور ایک تھا بیچارہ عام سا آدمی جس وقت اس سے کوئی غلطی ہوتی تو یہ نیک آدمی جو تھا زاہد صوفی یہ اس کو ملامت کرتا جب ملامت کرتا تو گناہ گار آگے سے کہتا، بھائی میں گناہ گار ہوں غلطی ہوگئی ایک دفعہ اس شخص کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا جس کو اس صوفی نے بہت بڑا جانا کہ یہ تو نے بہت بڑا گناہ کیا ہے اور لگا پھر ملامت کرنے ملامت کرتے ہوئے اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ اللہ کی قسم اللہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا یا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے گا نہیں، یہ بات اس کے منہ سے نکل گئی کیونکہ یہ ایک فاخرانہ بات تھی جس میں درپردہ اپنے اچھے ہونے کا دعویٰ تھا، تو دل میں وہی تکبر کے جذبات آگئے، حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کون ہے یہ شخص جو میرے بارے میں قسمیں کھاتا ہے، دونوں کی روح قبض ہوئی دونوں مرے اللہ کے ہاں پیش ہوئے اس گناہ گار کو اللہ نے کہا کہ چل میں نے تجھے اپنی رحمت سے معاف کیا اور اس کو کہا کہ تجھے کس نے اجازت دی تھی میری رحمت پر پابندی لگانے کی کہ میں اس پر رحم نہیں کروں گا میں اس کو بخشوں گا نہیں، کس نے اجازت دی تھی تجھے تو جو قسمیں کھاتا تھا کہ اللہ تجھے بخشے گا نہیں، حکم دیا فرشتوں کو کہ اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے، یہ حضور نے واقعہ

بیان فرمایا دو اسرائیلیوں کا تو جس میں یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی رحمت کس پر ہے کس پر نہیں ہے؟ اللہ کس کو بخشے گا کس کو نہیں بخشے گا؟ یہ فیصلہ کرنا کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

لعنت کا حکم اور اس کی مذمت:

اس لئے شرعی حکم یہ ہے کہ لعنت کسی کے اوپر متعین طور پر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قطعی کافر ہونا معلوم ہو اور قطعی طور پر پتہ ہو کہ کفر پر اس کی موت آئی ہے، جیسے ابولہب ہو گیا ابو جہل ہو گیا، اس قسم کے مشرک کہ جن کی موت اگر کفر پر یقینی ہے قطعی ہے ان کے متعلق تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ملعون ہیں اور جن کی موت کفر پر یقینی نہیں، قطعی نہیں، گناہ گار قسم کے تھے وہاں متعین کر کے کسی کو ملعون قرار نہیں دیا جا سکتا، اور کسی پر لعنت نہیں کی جا سکتی، حضور فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص کسی دوسرے پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص اس لعنت کے قابل ہو تو وہ لعنت اس پر جا پڑے گی اور اگر وہ شخص اس قابل نہ ہوا تو لوٹ کر اسی پر پڑے گی یہی ملعون ہو جائے گا، لعنت کرنے والا یہ خود اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا، اس لئے حضور نے فرمایا کہ مؤمن جو ہوتے ہیں صدیق جو ہوتے ہیں وہ لعنتیں نہیں کیا کرتے، اور فرمایا کہ جو لوگ کثرت کے ساتھ ایک دوسرے پر لعنتیں کرتے ہیں یہ بخشے بھی گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو مقام شفاعت پر نہیں لائے گا، یہ کسی سفارش کرنے کے حق دار نہیں ہوں گے، ان کو اس شرف سے محروم کر دیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو تنبیہ:

اور ایک دفعہ عورتوں کو صدقہ کی ترغیب دیتے ہوئے حضور نے فرمایا ''اریتکن اکثر اھل النار'' عورتوں سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنمیوں میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی، عورتیں جہنم میں کثرت سے جائیں گی، تو عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کس وجہ سے عورتیں جہنم میں جائیں گی، آپ نے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خرابیاں ایسی ہیں، ایک تو تم لعنت بہت کثرت سے کرتی ہو، زبان کے اوپر لعنت کے لفظ چڑھے ہوئے ہیں، آپ نے دیکھا ہو گا کہ جس وقت یہ لعنت کرتی ہیں تو پھر وہ ایک نہیں کرتی، ان کی زبان کے اوپر لفظ لاکھ لعنت یعنی ایک ہی لفظ میں لاکھ، یہ لاکھ لعنت یہ تو عام زبانوں پر چڑھا ہوا ہوتا ہے، پھٹے منہ لاکھ لعنت یہ تکیہ کلام ہے ان کا، ایک تو یہ کہ لعنت کثرت سے کرتی ہیں اور دوسرا یہ کہ خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔

''یکفرن العشیر'' خاوند کی ناشکری کرتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر تو ان سے ایک زمانہ تک

اچھائی کرتا رہے اور کوئی تکلیف ان کو نہ پہنچے پھر کبھی اگر کوئی تکلیف پہنچ گئی تو ایک ہی لفظ کے ساتھ ساری اچھائیوں پر پانی پھیر دیتی ہے کہ میں نے تو تیرے گھر میں کبھی خیر دیکھی ہی نہیں، جب سے آئی ہوں اسی طرح ہوں، اس قسم کے الفاظ سے ساری زندگی کی اچھائیوں کی نفی کر دیتی ہے، تو لعنت اور ناشکری یہ دو خرابیاں ہیں جو عورتوں میں کثرت سے پائی جاتیں ہیں اور ان کی وجہ سے یہ جہنم میں کثرت سے جائیں گی۔

لعنت والے کاموں سے اجتناب:

یہ ہے اس لفظ کی حقیقت اس لیے اس لفظ کو استعمال کرنے سے بچنا چاہیے پھر مشرکوں اور کافروں پر تو قرآن وحدیث میں جگہ جگہ لعنت کا ذکر ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ کچھ گناہوں پر بھی لعنت کا لفظ بولا گیا ہے مثلاً شراب بنانے والا، بنوانے والا، پینے والا، اٹھانے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، مکاری کرنا، کتاب اللہ میں اضافہ کرنا، تقدیر کا انکار کرنا، عورتوں کا قبروں پر جانا، نوحہ کرنا، نوحہ سننا، شوہر کی نافرمانی کرنا، سود کھانا، سود کا کاتب اور گواہ بننا، رشوت لینا، دینا، وغیرہ جیسے بہت سے گناہ ہیں جن پر لعنت کا لفظ بولا گیا ہے اس لئے ان گناہوں سے خصوصیت کے ساتھ بچنا چاہیئے۔

یہود کے حسد کی پہلی وجہ:

اگلی آیات میں یہود کے حسد کو بیان کر کے اس کی مذمت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جو علم وفضل عطا فرمایا تھا یہود اس وجہ سے آپ پر حسد کیا کرتے تھے کہ یہ چیز ان کو کیوں ملی؟ اللہ تعالیٰ یہاں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارا حسد کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اگر تم اس بات پر حسد کرتے ہو کہ اصل سلطنت کے مالک ہم تھے، ہم سے چھین کر ان کو دی گئی ہے، یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اگر اصل مالک سلطنت کے تم ہوتے. "ام لهم نصیب من الملك" "اگر سلطنت کے کسی حصہ کے تم مالک ہوتے" فاذاً لایؤتون الناس نقیراً" "تو تم کسی کو نقیر کے برابر بھی کچھ نہ دیتے، نقیر اصل میں کھجور کی گٹھلی کے اندر کے گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہم عام طور پر یوں کر دیتے ہیں کہ تم کسی کو ذرہ برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے، جب حال تمہارا یہ ہے تو تم کیسے کہتے ہو کہ سلطنت کے اصل مالک ہم ہیں، ہم سے چھین کر ان کو دی گئی ہے، یہ ہے یہود کے حسد کی وجہ اور اس طرح اس پر انکار کر دیا گیا۔

یہود کے حسد کی دوسری وجہ:

اور اگر تم اس بات پر حسد کرتے ہو کہ سلطنت اگرچہ ہماری طرف سے نہیں گئی پھر بھی اگر اللہ نے سلطنت دینی تھی تو ان کو کیوں دی؟ اللہ نے اپنا فضل ان کو کیوں دیا؟ ان کو نہیں ملنا چاہیئے تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے یہود

کو تاریخ کی طرف متوجہ کر دیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب بھی دی حکمت بھی دی، اور ملک بھی عطا کیا، جب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو یہ چیزیں ملی ہیں اور حضور کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا بالکل واضح ہو چکا ہے اس لئے اگر ان کو کتاب وحکمت اور سلطنت عطا کی گئی ہے تو اس پر حسد کیوں کرتے ہو؟ تم حسد تب کرتے جب اس خاندان میں پہلے سلطنت نہ آئی ہوتی، اس خاندان میں تو پہلے بھی سلطنت رہی ہے اس لئے تمہارا حسد کرنا درست نہیں ہے۔

حضور کو تسلی:

"فمنهم من آمن به" ان لوگوں میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے اعراض کیا، اس میں حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ سب آپ پر ایمان نہیں لاتے تو پریشانی کی کوئی بات نہیں آپ سے پہلے بھی یہی ہوتا آیا ہے کہ جن کو کتاب وحکمت دی گئی تھی ان پر بھی بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا تھا، سب ایمان ان پر بھی نہیں لائے تھے اس لئے اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان نہ ہوں جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے جو ان کے لئے کافی ہوگی، آج یہ جتنی شرارتیں کرتے ہیں ان پر ان کو سزا مل جائے گی۔

کافروں کا انجام:

مؤمنین اور منکرین کا ذکر کرنے کے بعد اب مؤمنین اور کافروں کا انجام ذکر کیا جا رہا ہے "ان الذین کفروا بآیاتنا" بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں "سوف نصلیھم نارا" ہم ان کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ گنا زیادہ تیز ہوگی، کیونکہ حضور کا فرمان ہے کہ تمہاری یہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اور اس آگ کا اثر یہ ہے کہ جو چیز اس میں ڈالی جائے وہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو جہنم کی آگ جو اس سے ۶۹ گنا زیادہ تیز ہے اس کی کیفیت کیا ہوگی، لیکن دونوں میں فرق ہے کہ دنیا کی آگ میں جل کر چیز ختم ہو جاتی ہے جہنم کی آگ کی تاثیر یہ ہوگی کہ "کلما نضجت جلودھم "جب کبھی ان کی کھالیں اس سے جل جائیں گی "بدلنھم جلودا" تو ہم اس کی جگہ دوسری کھال چڑھا دیں گے "لیذوقوا العذاب" تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں "ان اللہ کان عزیزا حکیما" بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ زبردست ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی بھی نہیں ہوتا، مجرموں کو سزا دینا اس کی حکمت کا تقاضا ہے یہ حکمت کے خلاف نہیں ہے۔

لو اب یہ چابی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی، جو شخص تم سے چابی لے گا وہ ظالم ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن حضور جب بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے "ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا" اس سے پہلے یہ آیت میں نے کبھی آپ سے نہ سنی تھی، عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ جب میں چابی لے کر خوشی سے واپس جانے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ میں نے عرض کیا بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا اور اسی وقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا، اس آیت کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے کہ رسول اللہ نے عثمان بن طلحہ سے چابی لی تھی درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو لینا چاہا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ امانت کو امانت والوں کے پاس پہنچاؤ لیکن حکم عام ہے تمام امت کو یہ حکم ہے کہ امانت کو لوٹانا ضروری ہے۔

امانت ادا کرنے کی تاکید:

"ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا" اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین تک پہنچایا کرو، اس حکم کے مخاطب امراء اور حکام بھی ہو سکتے ہیں اور یہ خطاب عام مسلمانوں کو بھی ہو سکتا ہے، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ حکم ہر شخص کو ہے جو بھی کسی امانت کا امین ہے چاہے وہ حاکم ہو یا عام شخص، رسول اللہ نے امانت کو ادا کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول اللہ نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں امانت کا ذکر نہ ہو، اکثر آپ فرمایا کرتے تھے "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ" جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں، اور امانت میں خیانت کرنے کو حضور نے نفاق سے تعبیر فرمایا ہے کہ منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، اور قرآن مجید میں بھی بہت ساری آیات میں امانت ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور خیانت کی مذمت بیان کی گئی ہے، سورۃ الانفال میں ہے "یاایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا امٰنٰتکم وانتم تعلمون" اے ایمان والو! تم اللہ اور اللہ کے رسول کے حقوق میں خیانت نہ کیا کرو اور آپس کی امانتوں میں بھی خیانت نہ کیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو، دوسری جگہ ہے "ان اللہ لایحب الخائنین" بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

امانت کی اقسام:

پھر اس آیت میں لفظ "الامانات" جمع ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ امانت کی صرف ایک ہی قسم نہیں ہے کہ مال میں خیانت کی جائے بلکہ اس کی اور بھی بہت ساری اقسام ہیں جیسے حدیث پاک میں آتا ہے "المجالس

بالامانۃ" یعنی مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اس مجلس کی امانت ہے بغیر اجازت کے دوسروں کو وہ بات نہ بتائی جائے اگر بتادی تو امانت میں خیانت ہوجائے گی، ایک حدیث میں ہے "المستشار مؤتمن" جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، امانت داری کے تقاضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے وہی مشورہ دے جس کو مفید سمجھتا ہے، جان بوجھ کر غلط مشورہ دینا خیانت ہے، اگر کسی نے کوئی راز کی بات کہی ہے تو وہ بھی امانت ہے اس کو بھی لوگوں کے سامنے بیان کر کے خیانت نہ کرے، حقوق اللہ بھی امانت ہیں، ان کو صحیح طرح ادا نہ کرنا خیانت ہے، حقوق العباد بھی امانت ہیں ان کا خیال نہ رکھنا خیانت ہے، کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا یا وقت کم دینا یہ بھی خیانت ہے، یا کام تو پورا لینا اور تنخواہ پوری نہ دینا یہ بھی خیانت ہے، اور اسی طرح حکومتی عہدے اور مناصب جلیلہ یہ بھی امانت ہیں، نا اہل کے سپرد کرنا خیانت ہے یا عہدہ لے کر اس عہدہ کے مطابق کام پورا نہ کرنا خیانت ہے، یہ ساری امانت کی اقسام ہیں اور یہ سمجھ آرہی ہیں اس آیت میں "امانات" کے لفظ سے، اور اسی طرح شان نزول میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے چابی کا لینا یہ بھی کوئی مالی امانت نہیں تھی بلکہ یہ ایک منصب کی نشانی ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ امانت صرف مالی نہیں ہوتی بلکہ امانت کی اور بھی اقسام ہیں جن کی کچھ تفصیل میں نے بیان کر دی۔

عدل وانصاف کا حکم:

"واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کیا کرو، اس میں عدل کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ عدل وانصاف ہی امن عالم کا ضامن ہے، اگر دنیا سے انصاف ختم ہوجائے تو کہیں بھی امن قائم نہیں رہ سکتا، امن تب ہی قائم ہوگا جب انصاف ہوگا، بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم امراء اور حکام کو ہے کیونکہ انصاف کو قائم کرنے کی زیادہ ذمہ داری ان پر ہوتی ہے لیکن پھر یہ حکم ان تمام لوگوں کو بھی ہوگا جن کے پاس کسی بھی درجہ میں لوگ فیصلہ کرانے کے لئے آتے ہیں کہ جب بھی فیصلہ کریں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، اور فیصلہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ فیصلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہو، جو فیصلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہوگا وہ ظلم ہے قرآن مجید میں ہے "ومن لم یحکم بماانزل الله فاولئك هم الظالمون" جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں یہی لوگ ظالم ہیں۔

مقدمات کے فیصلوں میں تمام انسان برابر ہیں:

اس آیت میں عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے "بین الناس" کا لفظ بولا گیا ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کرو "بین المسلمین یا بین المؤمنین" نہیں کہا گیا اس سے معلوم ہوگیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں تمام

انسان برابر ہیں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہوں یا پرائے، ہم وطن ہوں یا غیر وطن، ہم زبان ہوں یا نہیں، فیصلہ کرتے ہوئے اپنوں کی رعایت نہیں رکھنی، مسلمانوں کی رعایت نہیں رکھنی، ہم وطنوں یا ہم زبانوں کی رعایت نہیں رکھنی، بلکہ ان تمام قیود سے بالاتر ہو کر بحیثیت انسان ہونے کے تمام لوگ برابر ہیں، عدل وانصاف کو قائم رکھتے ہوئے حق کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں انصاف کو قائم رکھتے ہوئے حق کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں انصاف کو قائم رکھتے ہوئے مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں کے حق میں فیصلے کیے گئے ہیں یہ "حکم بین الناس" کے لفظ سے نکلتا ہے۔

بہتری اللہ کی نصیحت قبول کرنے میں ہے:

"ان اللہ نعما یعظکم بہ" اللہ تعالیٰ تمہیں جس چیز کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان کو قبول کرنے میں تمہارے لیے بہتری ہے، اس میں دنیا کی بھی خیر ہے کہ امن قائم ہوگا، اور آخرت کی بھی بھلائی ہے کہ ان کو قبول کرنے کی وجہ سے جزا ملے گی "ان اللہ کان سمیعا بصیرا" بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے، کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں وہ ہر کسی کو جانتا ہے کہ کون عمل کر رہا ہے اور کون نہیں کرے گا، پھر اس کے مطابق سزا اور جزا دے گا، یہ بات عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے کہی جاتی ہے بہت دفعہ یہ بات گذر چکی۔

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ کا شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجا، اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اجازت لیے بغیر ایک آدمی کو امان دے دی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جس سے دونوں حضرات میں کچھ تلخی سی ہوگئی، جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی امان کو نافذ فرما دیا اور کہا کہ آئندہ امیر سے رائے لئے بغیر امان نہ دیا کریں پھر آپس میں دونوں کی رضامندی ہوگئی، سبب نزول جو بھی ہو حکم عام ہے کہ اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کیا کرو، اور جب کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو معاملہ اللہ اور رسول کے سپرد کر دیا کرو جو فیصلہ وہاں سے ملے اس کو قبول کرو۔

اولوالامر کا مصداق:

اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے، اولوالامر

سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں اقوال مختلف ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولوالامر سے علماء فقہاء مراد ہیں جو لوگوں کو دینی احکام سکھاتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور دین کا نظام ان کے ہاتھ میں ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین کے نزدیک اولوالامر سے مراد امراء اور حکام ہیں جو حکومت کا نظام چلاتے ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک دونوں مراد ہیں کیونکہ علماء دین کے نظام کو چلاتے ہیں ان کی اطاعت بھی ضروری ہے اور حکام حکومت کے نظام کو چلاتے ہیں ان کی بات ماننا بھی ضروری ہے، دونوں کی اطاعت ہی سے مکمل دین پر عمل ہوسکتا ہے اور اتحاد برقرار رہ سکتا ہے اس لیے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

احکام اور اطاعت کی مختلف صورتیں:

احکام کی مختلف صورتیں ہیں، کچھ احکام ایسے ہیں جن کا ذکر صراحۃً قرآن میں آیا ہوا ہے اور ان کے متعلق کسی قسم کی تشریح وتفسیر کی ضرورت نہیں ہے، ان کو پورا کرنا براہ راست اطاعت الٰہی ہے۔

اور کچھ احکام ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن میں تو ہے لیکن کچھ تشریح کی ضرورت ہے، یا کسی چیز کا حکم صراحۃً قرآن میں نہیں ہے، حدیث میں موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی تشریح وتفسیر بیان کی ہے اپنے قول سے یا فعل سے ان احکام پر عمل کرنا اطاعت رسول ہے۔

اور تیسرے درجہ میں وہ احکام ہیں جن کا حکم صراحۃً نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں ہے یا اگر حدیث میں ہے تو اس بارے میں متضاد روایات ہیں ان احکام میں فقہاء اور علماء کی تصریحات پر عمل کرنا اولوالامر کی اطاعت ہے، اور پھر کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جو نہ فرض ہوتے ہیں، نہ واجب، نہ سنت، وہ صرف مباح کے درجہ میں ہوتے ہیں اور حکومت کا نظم قائم کرنے کے لئے حاکم وقت ان کو نافذ کرتا ہے تو ان احکام پر عمل کرنا نظام حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بھی اولوالامر کی اطاعت ہے۔

خلاف شرع کاموں میں اولوالامر کی اطاعت جائز نہیں:

اولوالامر کی اطاعت میں ایک بات کا خیال رکھا جائے گا کہ اولوالامر کی اطاعت صرف ایسے کاموں میں کی جائے گی جو شرع کے مطابق ہوں اور اگر کسی حکم کے ماننے میں شرع کے خلاف لازم آتا ہو تو اس حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت درست نہیں ہے چاہے وہ حاکم وقت ہو یا عالم ومفتی، خلاف شرع احکام میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اور موافق شرع احکام میں مخالفت نہیں کی جائے گی۔

مؤمنین کا انجام:

جس طرح مجرموں کو سزا دینا اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے اسی طرح فرمانبرداروں کو انعام دینا یہ بھی اللہ کی حکمت ہے، اور مؤمنین کے انعام کا ذکر کرتے ہوئے بہت ساری چیزیں بیان کی گئیں ہیں "والذین آمنوا وعملوا الصالحات" وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، اس سے ایمان کامل مراد ہے کہ ایمان بھی ہے اور ساتھ عمل صالح بھی ہے "سندخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار" ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی "خالدین فیھا ابدا" وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے "لھم فیھا ازواج مطھرۃ" ان کے لئے ان باغات میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی یعنی جو ظاہری آلائش مثلاً حیض ونفاس، بلغم، میل کچیل اور بول و براز وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی اور باطنی بیماریاں مثلاً بداخلاقی، بدمزاجی وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی یعنی ہر اس چیز سے پاک ہوں گی جو نفرت کا سبب ہو "وندخلھم ظلا ظلیلا" اور ہم ان کو داخل کریں گے گھنے سائے میں، بعض دفعہ سایہ تو ہوتا ہے لیکن وہ گھنا نہیں ہوتا، پتوں کے درمیان سے دھوپ آرہی ہوتی ہے وہاں ایسا نہیں ہوگا بلکہ گھنا سایہ ہوگا۔

ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا کا شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ زمانہ جہالت میں بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے پاس ہوتی تھی، ان کے خاندان میں بہت عرصہ سے بیت اللہ کو کھولنے اور بند کرنے کی خدمت چلی آرہی تھی، عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ ہم پیر اور جمعرات کے دن بیت اللہ کھولتے تھے اور لوگ اس میں داخل ہوتے تھے، رسول اللہ کے ہجرت فرمانے سے پہلے ایک دن رسول اللہ تشریف لائے اور بیت اللہ میں جانے لگے تو عثمان بن طلحہ نے روکا اور کچھ غصہ ہوا، حضور نے نہایت تحمل سے اس کو برداشت کیا اور کہا عثمان! ایک دن تم بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے اور مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں دے دوں، عثمان نے کہا اگر ایسا ہوگیا تو قریش ذلیل ہوجائیں گے، آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس دن قریش عزت والے ہوں گے، آپ یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، پھر جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور ان سے چابی طلب کی تو اس نے یہ کہتے ہوئے چابی آپ کے سپرد کردی کہ میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں، حضور نے چابی لی، بیت اللہ میں داخل ہوئے، نماز پڑھی اور جب باہر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ چابی آپ ہمیں دے دیں، آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو چابی نہ دی بلکہ عثمان بن طلحہ کو بلایا چابی ان کو دیتے ہوئے کہا کہ

تطبیق بین الآیات:

اس آیت میں اللہ، رسول اور اولوالامر تینوں کی اطاعت کا حکم ہے اور دوسری جگہ صرف اللہ کی اطاعت کا ذکر ہے ''ان الحکم الا للہ'' کہ حکم صرف اللہ کا چلتا ہے، بظاہر دونوں آیتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے حقیقت میں تضاد نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تشریح بھی وحی کے ذریعہ سے ہی ہوتی ہے، آپ ﷺ کا قول وفعل حکم الٰہی کا ترجمان ہوتا ہے اس لئے رسول کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت ہی ہے لیکن ظاہری طور پر چونکہ وہ حکم قرآن میں نہیں ہوتا اس لئے اس کی نسبت رسول کی طرف کردی جاتی ہے۔

اور فقہاء ومجتہدین بھی چونکہ قرآن وسنت اور مسئلہ کی نظائر میں غوروفکر کرکے حکم مستنبط کرتے ہیں تو قرآن وسنت سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے وہ بھی اطاعت الٰہی ہی ہے، لیکن ظاہری حالت کے اعتبار سے ان کی نسبت اولوالامر کی طرف کردی جاتی ہے اس لئے ان کی اطاعت بھی ''ان الحکم الا للہ'' کے خلاف نہیں ہے، اور حکام کی اطاعت بھی چونکہ حکم خداوندی کے تحت ہی کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ خلاف شرع کاموں میں ان کی اطاعت جائز نہیں، اس لئے ان کی اطاعت بھی اطاعت الٰہی میں داخل ہے، اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

جھگڑا ختم کرنے کا طریقہ:

''فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول '' پھر اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف، اس آیت میں آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے کا بہت بڑا اصول ذکر فرمادیا، اگر اس اصول کو اپنالیا جائے تو جھگڑا باقی رہ ہی نہیں سکتا، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب بھی کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرو، جو فیصلہ قرآن وسنت دے اس کو ہر فریق تسلیم کرے تو فساد اور اختلاف بالکل ختم ہوجائے گا۔

اجتہاد وقیاس کا ثبوت:

اس سے بظاہر اجتہاد وقیاس کی نفی ہوتی ہے اور ان لوگوں کی تائید ہوتی نظر آتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یا کتاب اللہ ہے یا حدیث رسول ہے تیسری کوئی چیز نہیں ہے، حقیقت میں ایسی بات نہیں ہے، کیونکہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دوصورتیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ وہ حکم صراحۃً قرآن وسنت میں موجود ہے، اس کو لے کر اس کے مطابق فیصلہ کردیا جائے، اور دوسری یہ ہے کہ اس کا حکم صراحۃً قرآن وسنت میں مذکور نہیں ہے تو اس کی کسی نظیر کو

دیکھ کر اس پر قیاس کر کے اس حکم پر عمل کیا جائے گا، اب اس حکم پر عمل یہ بھی قرآن وسنت کی طرف رجوع ہی ہے اس لئے اس آیت سے اجتہاد وقیاس کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اجتہاد وقیاس کا ثبوت ملتا ہے تو یہ ان کی دلیل نہیں یہ تو ہماری دلیل ہے اور اس کی طرف اشارہ "فردوہ" کے الفاظ سے ہورہا ہے جو کہ عام ہیں اور اس میں دونوں صورتیں شامل ہیں۔

بہتر اور اچھا راستہ:

"ذلك خير واحسن تاويلا" یہ بات بہتر ہے اور اچھی ہے از روئے انجام کے، اس میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میری رائے اچھی ہے، میری جماعت کی رائے اچھی ہے، میری پارٹی کی رائے اچھی ہے، اچھی رائے وہ ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، دنیا میں بھی اس کا انجام اچھا ہوگا، اچھے فوائد مرتب ہوں گے اور آخرت میں بھی نجات اور بلندی درجات کا سبب بنے گی اس لئے بہتری اللہ کی بات ماننے ہی میں ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ

کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس چیز پر جو اللہ نے اتاری آپ کی طرف اور اس چیز پر

اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا

جو آپ سے پہلے نازل کی گئی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ لے جائیں اپنا فیصلہ شیطان کی طرف حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے

اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۶۰﴾

کہ اس کا انکار کریں ، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے دور کی گمراہی میں ڈال دے ﴿۶۰﴾

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ

اور جب ان سے کہا گیا کہ آجاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے

الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾ ۚ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ

منافقین کو کہ وہ آپ سے ہٹتے ہیں دور ہٹنا ﴿۶۱﴾ پس ان کا کیا حال ہوگا جب پہنچے ان کو

مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ

کوئی مصیبت بسبب ان کاموں کے جو ان کے ہاتھوں نے کیے پھر وہ آئیں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے ، اللہ کی

اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا

کہ نہیں تھا ہمارا ارادہ مگر بھلائی اور موافقت کا ﴿۶۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ

فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۗ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ

ان کے دلوں میں ، پس آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان کی ذات کے متعلق ایک بات کہیے

قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ

جو فائدہ مند ہو ﴿۶۳﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ ان کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم کے تحت ،

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ

اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا

اور رسول ان کے لئے استغفار کرتا تو وہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ﴿۶۴﴾ پس

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

قسم ہے تیرے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ہی کو منصف نہ جانیں اپنے آپس کے جھگڑوں میں پھر نہ

يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

پائیں اپنے دلوں میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کرلیں پوری طرح قبول کرنا

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا

اور اگر ہم فرض کردیتے ان پر کہ قتل کرو اپنی جانوں کو یا نکل جاؤ

مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ

اپنے گھروں سے تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے سے ، اور اگر وہ

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ۙ

ان کاموں کو کرتے جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا ﴿۶۶﴾

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

اس وقت ہم دیتے ان کو اپنے پاس سے بڑا اجر ﴿۶۷﴾ اور ہم ان کو چلاتے ایسے راستے پر

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ

جو سیدھا ہے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اطاعت کریں اللہ کی اور رسول کی یہ ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ

جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ۭ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ

اور صالحین ، اور یہ اچھے رفیق ہیں ﴿۶۹﴾ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے ،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور اللہ کافی ہے جاننے والا ﴿۷۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پہلے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا ذکر تھا، اس کی ترغیب اور تاکید کی گئی تھی اور اس کے اچھے انجام کو ذکر کیا گیا تھا، اب ان آیات میں اللہ اور رسول کو چھوڑ کر شیاطین اور خلاف شرع امور کی طرف رجوع کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

شان نزول:

ان آیات کے شان نزول کے طور پر ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا، اور دونوں آپس میں جب کسی طرح بھی فیصلہ نہ کر سکے تو کسی تیسرے شخص سے فیصلہ کرانے کی بات ہوئی، یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور ان سے فیصلہ کرواتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں حق پر ہوں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم غلط فیصلہ نہیں فرماتے، اگرچہ میرے مقابلہ میں ایک مسلمان ہے لیکن جب فیصلہ حق پر ہونا ہے تو ضرور فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا اس لئے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا، منافق کہنے لگا کہ نہیں ہم فیصلہ کعب بن اشرف یہودی سے کرواتے ہیں کیونکہ وہ بھی سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ حق پر ہی کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں رکھنی، اور دوسری طرف کعب بن اشرف سے کچھ رعایت کی امید تھی اس لئے اس کا نام لیا، لیکن یہودی کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لئے تیار نہ ہوا، بالآخر دونوں فریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور معاملہ پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کی اور یہودی کو حق پر سمجھتے ہوئے فیصلہ اس کے حق میں کر دیا، منافق اس بات پر راضی نہ ہوا اور اس کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا کہ ان سے فیصلہ کرواتے ہیں اور سمجھتا یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ چونکہ کافروں کے بارے میں بڑے سخت ہیں اس لئے ہو سکتا ہے میرے حق میں فیصلہ کر دیں، جب ان کے پاس گئے تو یہودی نے سارا قصہ سنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا ذکر بھی کر دیا کہ انہوں نے فیصلہ میرے حق میں کیا ہے لیکن یہ اس کو تسلیم نہیں کرتا اور مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں، یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے اور ایک تلوار اٹھا کر لائے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا، اور فرمایا جو شخص

رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اس کا یہی فیصلہ ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ منافق کے ورثاء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس نے ایک مسلمان کو بغیر شرعی دلیل کے قتل کر دیا، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کا منافق ہونا ظاہر کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری کر دیا، بعض حضرات نے کچھ اور واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

دعویٰ ایمان اور کفریہ نظریات:

بہر حال سبب نزول کچھ بھی ہو ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو زبان سے دعویٰ تو ایمان اور اسلام کا کرتے ہیں اور دلوں میں کفر ہے، اور فیصلوں میں شیاطین کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسا کہ بشر منافق نے کیا تھا لفظوں کی طرف دیکھ کر بات بالکل سمجھ میں آجاتی ہے ''الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیك'' کیا آپ نے ان کی طرف نہیں دیکھا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس چیز پر جو اللہ نے آپ کی طرف اتاری ''وما انزل من قبلك'' اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے اتاری گئی یعنی توراۃ، انجیل، زبور، قرآن مجید اور تمام صحیفوں پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ صرف زبانی ہے، جب عملی زندگی آتی ہے، معاملات کی بات آتی ہے تو ''یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت'' یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں، طاغوت کا لفظ پہلے کئی مرتبہ گذر چکا ہے اس کا معنی ہے سرکشی کرنے والا، عرف میں شیطان کو طاغوت کہا جاتا ہے اور اس آیت میں کعب بن اشرف کی طرف فیصلہ لے جانا شیطان کی طرف لے جانا قرار دیا ہے کیونکہ خلاف شرع فیصلہ شیطان کی تعلیم سے ہی ہوگا ''وقد امروا ان یکفروا بہ'' حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں، شیطان کے پیچھے نہ لگیں جو شخص شیطان کے پیچھے لگتا ہے، شیطان ان کو دور کی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے ''واذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ والی الرسول'' اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فیصلہ کرنے کے لئے اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف آؤ، اور اللہ کے رسول کی طرف آؤ ''رأیت المنافقین یصدون عنك صدودا'' تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے ہٹتے ہیں یعنی فیصلہ کرانے کے لئے کسی دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں، اس آیت میں جو منافق کا لفظ بولا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ معاملات اور خصومات میں فیصلہ کے وقت اللہ کے رسول کے فیصلہ سے اعراض کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، ایسا کرنے والا منافق ہے اور جب اس منافق کا کفر واضح ہو گیا تو اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کو قتل کرنا بھی صحیح ہو گیا کیونکہ کفر ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا ہے، اس طرح منافق کے ورثاء کو جواب دے دیا کہ تمہارا قصاص کا مطالبہ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

منافق کے ورثاء کی غلط تاویلیں اور ان کا جواب:

جب اس شخص کا نفاق واضح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے ورثاء نے اس کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے اس کی باتوں کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو ناحق سمجھ کر نہیں چھوڑا بلکہ ہمارا مقصد تو یہ تھا کہ ان کے درمیان کو صلح کی صورت نکل آئے، کسی طرح ان کے درمیان صلح کرادی جائے، اس قسم کی تاویلیں کرنے لگے "فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ" جب ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جائے اس وقت ان کا کیا حال ہوگا "ثم جاؤك یحلفون باللہ " پھر وہ آئیں آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے "ان اردنا الا احسانا وتوفیقا " کہ نہیں تھا ہمارا ارادہ مگر احسان اور موافقت کا، ہم تو یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح موافقت اور مصالحت کی صورت نکل آئے، اس کے علاوہ ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا "اولئك الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم " جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ کو سب علم ہے، اللہ ان کے نفاق سے خوب واقف ہے، ان کی تاویلیں جھوٹ اور غلط ہیں "فاعرض عنھم "آپ ان سے اعراض کریں، زجر وتوبیخ سے کام نہ لیں، یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کا عذر قبول کرنے سے اعرض کریں اور مقتول کے خون کا دعویٰ جو انہوں نے کیا ہے اس کو رد کر دیں "وقل لھم فی انفسھم "اور ان کی ذاتوں کے بارے میں ان کو نصیحت کرتے رہیں، کبھی تو نصیحت کام آ ہی جائے گی، اور یہ لوگ پکے مسلمان بن جائیں گے۔

رسول مطاع بنا کر بھیجا جاتا ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ " ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے، اب جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جیسا کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر اس شخص کو قتل کر دیا جس نے رسول کی اطاعت نہیں کی تو بالکل درست کیا، اب وہ شخص تو قتل ہو گیا پھر اس کے ورثاء کو، متعلقین کو ایک مشورہ دیا جا رہا ہے کہ اس کے متعلقین نے جو غلط تاویلیں کیں اور شر کو خیر بنانے کی کوشش کی ان لوگوں نے بھی اللہ کی نافرمانی کی ہے، ان کو چاہیئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہو کر استغفار کرتے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے لئے استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لیتا۔

قبولیت توبہ کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضری کی شرط:

اس آیت میں توبہ کے قبول ہونے کے لئے یہ جو حاضری کی شرط لگائی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے استغفار کرتے تو توبہ قبول ہوتی، یہ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے براہ راست منصب نبوت پر حملہ کیا تھا، اور آپ کے فیصلہ کو نظر انداز کیا تھا، غلط تاویلیں نکالی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچایا تھا اس لیے شرط لگادی کہ ان کا یہ جرم تب معاف ہوگا جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی مانگیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے استغفار کریں گے، ورنہ تمام گناہوں سے توبہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا شرط نہیں ہے، یہ خاص انہی لوگوں کے لئے حکم ہے، اور اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے استغفار فرمادیں تو اس کی مغفرت ہوجائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات مبارکہ میں ہوتی تھی روضہ اقدس پر حاضری بھی اسی کے حکم میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے:

"فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو پوری طرح تسلیم نہ کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے، یعنی مؤمن ہونے کی شرط ہے کہ تمام معاملات میں فیصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کریں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ سے اعراض وانحراف نہ کریں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے والے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا، اور آپ سے بدلہ بھی نہیں لیا گیا۔

اور پھر مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی کے ساتھ خاص نہیں ہے جس وقت تک آپ دنیا میں موجود تھے اس وقت تک آپ کی ذات سامنے تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرماجانے کے بعد آپ کی شریعت اور قرآن وحدیث کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی ہے، اس لیے یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے، ڈرنا چاہیئے ان لوگوں کو جو مغرب سے متاثر ہوکر اسلامی قوانین اور بالخصوص حدود کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں، اسلامی احکام پر راضی نہیں، کافروں کے قوانین کو اچھا خیال کرتے ہیں، یہ خیال کرنے کے بعد یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمارا دین اور اسلام سے کتنا تعلق باقی رہ جاتا ہے، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل تسلیم کرنا ہی ایمان کی شرط نہیں بلکہ آپ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کرنا اور اس کے بارے میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرنا بھی ایمان کی شرط ہے۔

احکام الٰہیہ پر عمل اجر اور ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے:

جیسا حکم اللہ کی طرف سے آجائے اس کو تسلیم کرنا ہی انسان کو دین اور ایمان کے اوپر ثابت رکھنے کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہوتا ہے کہ احکام کی جتنی اتباع کروگے اتنی ہی ایمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضبوطی ہوتی چلی جاتی ہے، یہی بات آگے کہی جارہی ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے یہ ضمیر عام ہے مؤمنین منافقین سب کی طرف لوٹتی ہے کہ قتل کرو تم اپنے نفسوں کو یا اپنے لوگوں کو یا نکل جاؤ تم اپنے گھروں سے، تو نہ کرتے ان میں سے یہ کام مگر تھوڑے سے، اگر یہ کام کرتے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور زیادہ سخت ہوتا ان کے قدم جمانے کے لئے، دین کے اندر ان کے قدم زیادہ جمتے، اگر یہ لوگ اس پر عمل کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وصیت کی جاتی ہے تب ''اذاً'' کی تنوین جو ہے یہ عوض مضاف الیہ ہے کہ جب یہ نصیحت کئے ہوئے امر پر پابندی کرتے تب ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتے، اور ان کو سیدھا جنت کے راستے پر چلاتے اور ان کو جنت میں پہنچا دیتے، اگر یہ ایسا کریں تو ان کو سیدھا راستہ نصیب ہوجائے گا اور ہماری طرف سے اجر عظیم بھی مل جائے گا۔

حضور ﷺ کی رفاقت حاصل کرنے کا طریقہ:

آگے بشارت ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے کہ جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرے، یہاں اطاعت میں وہی درجات نکلیں گے، ایک درجہ اطاعت کا تو وہ ہے جس کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوتا، اور ایک درجہ اطاعت کا وہ ہے کہ جس کے بغیر انسان مؤمن صالح نہیں بنتا بلکہ فاسق ہوتا ہے، تو جیسے جیسے درجات ہوں گے اطاعت میں ویسے ویسے آگے بشارت ہوگی، اللہ اور اللہ کے رسول کی جو شخص اطاعت کرے گا تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، منعم علیہم کی رفاقت نصیب ہوگی ان لوگوں کو جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، منعم علیہم میں کون لوگ شامل ہیں پہلے درجے پر تو انبیاء علیہم السلام یہ منعم علیہم ہیں اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں انبیاء علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہوجائے تو اس کا طریقہ بھی اطاعت ہے، اللہ کے احکام کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کے احکام کی اطاعت کرو، جتنی تمہارے بس میں ہے اسی درجے کے مطابق نبیوں کی رفاقت نصیب ہوجائے گی، جنت میں ان کے ساتھ رہنا نصیب ہوجائے گا، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے بہت محبت ہے، اور

یہاں دنیا میں رہتے ہوئے میں کبھی آپ کو نہ دیکھوں تو مجھے بے چینی ہوتی ہے اب یہ سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں کہ دنیا میں تو ہم آپ کی زیارت کر لیتے ہیں مل لیتے ہیں لیکن آخرت میں آپ تو ہوں گے انبیاء علیہم السلام کے درجات میں اور ہم پتہ نہیں کہاں ہوں گے اور وہاں پھر آپ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں ہوگی تو پھر اس بے چینی کا کیا علاج ہوگا آپ کی زیارت کیے بغیر تو ہمارا گزارہ مشکل ہے یہ اس نے سوال کیا۔

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "المرء مع من احب" انسان اسی کے ساتھ ہی ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے سننے کے بعد مسلمانوں کو جتنی خوشی ہوئی ایمان حاصل ہو جانے کے بعد شاید کسی دوسری بات پر نہ ہوئی ہو کیونکہ اس وقت جو مؤمن موجود تھے ان کو سب سے زیادہ محبت تھی اللہ کے رسول کے ساتھ اور یہاں ہے کہ محبت کے نتیجے میں رفاقت نصیب ہو جائے گی، اور ایک روایت میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے کہ یہ روایت ہمارے لئے یعنی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہمارے لئے بڑی بشارت ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ، ان دونوں کا اضافہ بھی کیا، میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں مجھے ان کی رفاقت نصیب ہوگی، اور ایک روایت میں اس قسم کا مضمون بھی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ جی تیاری تو کوئی نہیں کی بس اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا، "انت مع من احببت" تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تجھے محبت ہے، جس کے ساتھ محبت ہے تو اسی کے ساتھ ہوگا گویا کہ قیامت کی تیاری کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت یہ بھی بہت بڑا سرمایہ ہے۔

محبت میں اطاعت شرط ہے:

اور محبت کا معیار یہی ہے کہ جو محب ہوا کرتا ہے تو حتی الوسع محبوب کی اطاعت کرتا ہے لیکن یہاں اطاعت کا یہ مطلب نہیں کہ پورے پورے احکام فرض واجبات مستحبات اور دیگر اولیٰ کام سب کی پابندی کرو تو محبت کا معیار پورا ہوگا، اور اسی طرح سے مکروہات غیر اولیٰ کام سب سے بچو تو محبت کا معیار پورا ہوگا اگر یہ شرط ٹھہرالی جائے تو پھر ایسا کرنے والا انسان خود صالحین میں صدیقین میں شہداء میں شامل ہو گیا اور یہاں جو رفاقت ذکر کی جارہی ہے رفاقت کا مطلب یہ ہے کہ عمل اگر اس درجے کا نہ بھی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس اطاعت کی برکت سے رفاقت نصیب کر دیں گے، مطلب یہاں پر یہ ہے کہ حتی الوسع احکام کو ماننے اور اطاعت سے روگردانی نہ کرے، پھر عمل کے اندر

اس معیار پر نہ بھی ہوا تو بھی اللہ تعالیٰ محبت کے صدقے محبت والے عمل کے صدقے اس عملی کوتاہی کو پورا کردیں گے جو عام طور پر عوام الناس سے ہوجایا کرتی ہے، وہ عوام الناس جو علماء اور صلحاء کے درجے کے نہیں ہوتے محبت کی برکت سے ان کو رفاقت نصیب ہوجائے گی چنانچہ یہ مضمون بھی صراحتاً حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی کسی قوم سے محبت رکھتا ہے،''ولم یلحق بھم ''لیکن ان کے ساتھ لاحق نہیں ہے یعنی عمل کے اعتبار سے ان جیسا نہیں ہے تو آپ ﷺ نے وہاں بھی یہی جواب دیا ''المرء مع من احب'' کہ انسان اسی کے ساتھ ہی ہوگا جس کے ساتھ محبت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ محبت عملی کوتاہی کی تلافی کردیتی ہے، بشرطیکہ انسان عام طور پر اطاعت کو اختیار کیے ہوئے ہو اور فسق وفجور کے اندر زیادہ مشغول نہ ہو تو پھر اس درجے کا نہ بھی ہو جس کو صلحاء یا اولیاء کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تو محبت رکھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی رفاقت دے دیں گے تو انبیاء علیہم السلام کی رفاقت حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کے ساتھ تھے کسی سفر میں غالباً کعب ان کا نام ہے مشکوٰۃ شریف میں ان کی روایت گزری رات کو حضور ﷺ عبادت کے لئے اٹھے تہجد کے لئے تو انھوں نے سامان جو ہوتا ہے وضو کا لوٹا، پانی، مسواک اس قسم کی چیزیں پیش کیں، تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہوکر فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو، سوال کرو کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ اور، وہ کہنے لگا نہیں جی بس جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں فرمایا کہ بہت اچھا میری مدد کرنا تو اپنے کثرت سجود کے ساتھ، یعنی میں بھی کوشش کرتا ہوں اور تو بھی اس سلسلے میں میری اعانت کرنا، اعانت اس طرح سے کہ سجدے اللہ کو کثرت سے کیا کرو، یعنی نماز کثرت سے پڑھا کرنا، نوافل کثرت سے پڑھنا کرنا اس کو رفاقت کا ذریعہ بنایا گیا، تو محبت اور اطاعت تقریباً تقریباً دونوں لازم ہیں کہ جب کسی کے ساتھ محبت ہوجایا کرتی ہے تو پھر انسان دل کے ساتھ اس کو تسلیم کیا کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اپنے محبوب کو خوش کرنے کی اور اس کے احکام کے مطابق چلنے کی تو پہلا درجہ تو منعم علیہم کا انبیاء علیہم السلام ہیں اور دوسرا درجہ صدیقین کا ہے، صدیق زیادہ سچا آدمی قول وفعل کا سچا، یہ اعلیٰ درجہ کے مؤمنین ہوئے، شہداء تیسرے نمبر پر آگئے جو کہ امن کے ساتھ اپنے ایمان کی شہادت دیتے ہیں اور اپنی جان قربان کرکے اپنے عقائد کی صحت کی شہادت دیتے ہیں، گویا کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ان کا ایمان ہے اپنی جان قربان کرکے اس کی تصدیق کردیتے ہیں جان قربان کرنے والے شہداء، اور صالحین کا مصداق ہیں اولیاء اللہ عام دیندار نیک قسم کے لوگ صالحین کا مصداق یہ لوگ ہوجائیں گے۔

نبی خاص ہے اور صالح عام ہے:

لیکن درجے جو چار ذکر کیے گئے ہیں تو نبی سب سے اخص ہے، اور صالحین سب سے عام ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ اخص کے اوپر عام صادق آیا کرتا ہے لیکن عام کے فرد کے اوپر اخص صادق نہیں آیا کرتا، منطق میں جس طرح آپ تفصیل پڑھا کرتے ہیں کہ انسان اخص ہے اور حیوان عام ہے تو ''کل انسان حیوان'' یہ تو ٹھیک ہے ہر انسان کے اوپر حیوان صادق آتا ہے لیکن حیوان کے ہر فرد کے اوپر انسان صادق نہیں آتا، اسی طرح سے نبی اخص ہے اور صدیق اس سے عام ہے نبی جو بھی ہوگا وہ صدیق ہوتا ہے ''صدیقا نبیا'' قرآن کریم کے اندر کئی جگہ پر آپ نے پڑھا تو ہر نبی صدیق ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں ہوتا، اور شہداء جو ہیں یہ صدیق سے عام ہیں کہ صدیق جو ہے وہ شہید ہو سکتا ہے ''کل صدیق شهید'' کہہ سکتے ہیں بایں معنی کہ اپنے عمل کے ساتھ اپنے قول کے ساتھ اپنی مالی جانی قربانی کے ساتھ وہ اپنے عقائد کی صحت پر گواہی دیتا ہے اللہ کے دین کے اوپر گواہی دیتا ہے جس کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ میدان میں جان قربان ہو جائے، لیکن ہر شہید جو ہے وہ صدیق نہیں ہوتا، اور اسی طرح سے یہ شہید جو ہے وہ صالح ہوگا اس کے لیئے صالح صادق آئے گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر صالح جو ہے وہ شہید ہو تو صالحین سب سے عام ہیں تو جس وقت صالحین کا عنوان اختیار کر لیا جائے تو اس کے ضمن میں نبی بھی آ جاتے ہیں صدیق بھی آ جاتے ہیں شہداء بھی آ جاتے ہیں۔

تو جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو تو تمہیں صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی، اولیاء اللہ کے ساتھ رہنا نصیب ہوگا۔

اولیاء کی رفاقت بہت بڑا انعام ہے:

اور اولیاء اللہ کے افراد میں یہ سارے شامل ہیں تو یہ بہت بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء اللہ کی رفاقت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں بھی کسی کو ایسا ماحول حاصل ہو جائے، ان لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نصیب ہو جائے، ان کے ساتھ رہنا سہنا نصیب ہو جائے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اسی معیت اور اسی رفاقت کے ساتھ انسان میں نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، صحبت کے اثر کے ساتھ انسان میں بھی صالحیت آتی ہے، اور اگر کوئی شخص فساق اور فجار کے مجمع میں رہنے لگ جائے اور اس کے رفقاء جو دنیا کی زندگی کے اندر ہیں فاسق فاجر قسم کے آدمی ہوں تو اگر دل کے اندر ایمانی حس موجود ہے تو انسان اس ماحول کو اپنے لئے جہنم سمجھتا ہے، زندگی کے اندر پریشانی کی بات ہوتی ہے، دنیا کے اندر بھی انسان اطمینان کی زندگی نہیں گزار سکتا،

اگر اس کو صالحین کا ماحول نہیں ملا بلکہ وہ فساق فجار کے ماحول میں پھنسا ہوا ہے اور اس طرح آخرت کا ماحول صالحین کا مل جائے تو پھر کیا ہی کہنا، اور اگر آخرت میں جا کر انسان فساق فجار کے ساتھ شامل کر دیا جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبختی نہیں ہے۔

صراط مستقیم کی پہچان:

یاد ہوگا آپ حضرات کو کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے اندر یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دعا تلقین کی ہے وہ یہ ہے "اهدنا الصراط المستقیم" اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، "صراط الذین انعمت علیهم" راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا، تو گویا کہ منعم علیہم کا راستہ یہ صراط مستقیم ہے، اور اس کے اوپر چلنے کی بھی دعا تلقین کی گئی کہ تم یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منعم علیہم کے راستے پر چلائے، اور منعم علیہم وہ لوگ ہوتے ہیں جو نہ تو مغضوب ہوتے ہیں اور نہ ضالین ہوتے ہیں، ان دونوں لفظوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا کہ ضالین کا مطلب تو یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے بھٹکتے پھریں، اور مغضوب کا مطلب یہ ہے کہ جاننے کے باوجود بدعملی میں مبتلا ہوں، تو منعم علیہم وہ لوگ ہوئے کہ جن کو علم صحیح حاصل ہے اور ان کا علم صحیح کے مطابق عمل ہے وہ ہوں گے منعم علیہم، تو علم صحیح والے عمل صحیح والے اس کا اعلیٰ درجہ نبی، دوسرا درجہ صدیق، تیسرا درجہ شہداء، چوتھا درجہ صالحین، اور عام مفہوم لے لیا جائے تو صالحین سب پر صادق آ گیا تو جس سے معلوم ہو گیا کہ صالحین وہ لوگ ہوا کرتے ہیں، اولیاء اللہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں کہ جن کو علم صحیح حاصل ہوتا ہے، قرآن اور حدیث کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اور پھر سمجھنے کے ساتھ اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، اور ان دونوں باتوں کو جوڑنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر تم صراط مستقیم پہچاننا چاہتے ہو تو صراط مستقیم یہی صالحین کا راستہ ہے۔

ہمیشہ اولیاء اللہ کے حالات کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ جن کو عام طور پر مقبولین کہا جاتا ہے اہل اثر، ان کے ہم زمانہ اہل علم نے ان کے اچھے ہونے کی شہادت دی ہو اور وہ امت کے اندر مقبولین شمار ہوتے آئے ہوں، ان لوگوں کا راستہ ہی صحیح معنوں میں صراط مستقیم ہے اس لئے ان کے احوال دیکھنے کے بعد، ان کے اقوال دیکھنے کے بعد جو طرز عمل ان کا سمجھ میں آئے تو صراط مستقیم کا مصداق وہی ہے، ان اولیاء اللہ کے طریقوں کے خلاف کوئی اگر تمہیں طریقہ سمجھاتا ہے چاہے اپنے طور پر وہ کتنے ہی قوی دلائل کیوں نہ رکھتا ہو لیکن وہ طریقہ اختیار کرنے کے قابل نہیں اس نکتے کو ذہن میں بٹھا لو، زندگی کے اندر یہ کام آنے والی بات ہے، دلائل کے اندر انسان غلطی کر سکتا ہے، دلائل میں الجھ کر انسان کسی صحیح بات کو غلط سمجھ سکتا ہے، غلط بات کو صحیح سمجھ سکتا ہے لیکن اگر آپ اس راستے

کے اوپر چلنا چاہتے ہیں جو راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں تو یہاں اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلو، جس راستے پر آپ کو یہ مقبولین چلتے ہوئے نظر آئیں آنکھیں بند کر کے اس راستے پر چلتے چلے جاؤ، اولیاء اللہ کے طریق کو اپناؤ، ان کی طرز زندگی اختیار کرو یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول طریقہ ہے اور یہی صراط مستقیم ہے، جو انسان کو جنت تک پہنچاتا ہے، تو صالحین کی رفاقت اور اولیاء اللہ کی دوستی اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس چیز کا حاصل ہو جانا بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

جیسے آگے ذکر کیا جا رہا ہے "وحسن اولئك رفيقا" رفیق ہونے کے اعتبار سے بڑے اچھے لوگ ہیں اور ان کی رفاقت کا نصیب ہو جانا اللہ کا فضل ہے، اللہ کے فضل سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے، اللہ کا فضل جس وقت آپ مانگیں، اللہ تعالیٰ سے جس وقت طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فضل نصیب کرے تو یہ بات بھی ہے کہ خود نیکی کی توفیق دے اور نیکوں کی رفاقت نصیب فرمائے، "وکفیٰ باللہ علیما" اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے یعنی کسی کی کوئی بات مخفی نہیں جس درجے کی اطاعت ہوگی اسی درجے کا اللہ تعالیٰ اجر دے گا، اسی درجے کی صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔
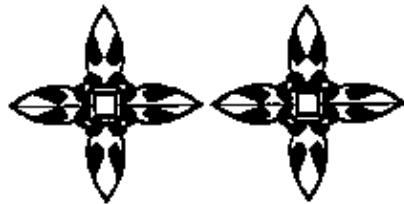
يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

اے ایمان والو! اپنی احتیاط اختیار کرو پس کوچ کیا کرو چھوٹی جماعتوں کی صورت میں یا کوچ کیا کرو

جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ

سارے اکٹھے ﴿۷۱﴾ بے شک تم میں سے البتہ وہ شخص ہے جو سستی کرتا ہے پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے تحقیق

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ

اللہ نے میرے اوپر انعام کیا جب کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہیں تھا ﴿۷۲﴾ اور اگر تمہیں پہنچ جاتا ہے فضل

مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

اللہ کا تو البتہ ضرور کہے گا یہ شخص گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان میں کوئی محبت نہیں ہے کاش! میں ہوتا

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

ان کے ساتھ پھر میں بھی بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ﴿۷۳﴾ چاہیئے کہ لڑیں اللہ کے راستہ میں وہ لوگ

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

جو بیچتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں ، اور جو شخص قتال کرے اللہ کے

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

راستہ میں پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب آجائے پس عنقریب ہم اسے دیں گے اجر عظیم ﴿۷۴﴾

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

تمہیں کیا ہو گیا کہ تم لڑائی نہیں کرتے اللہ کے راستے میں اور کمزور لوگ یعنی

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مردوں عورتوں اور بچوں کو چھڑانے میں اور جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! نکال ہمیں

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ

اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں ، اور بنا ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی ،

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ

اور بنا ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار ۝۷۵ جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ لڑائی کرتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

اللہ کے راستہ میں ، اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کے راستے میں لڑائی کرتے ہیں

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶

پس تم لڑو شیطان کے دوستوں کے ساتھ ، بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہوتی ہے ۝۷۶

تفسیر:

جنگ کی اقسام:

مختلف قسم کے احکام چلے آرہے ہیں اور اس رکوع میں خصوصیت کے ساتھ جہاد کا تذکرہ ہے، مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے جس وقت سرورِ کائنات ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو جہاد کی اجازت دی تو سرورِ کائنات ﷺ نے جہاد کی کاروائیاں شروع کیں اور یہ جہاد جو ہے اس کے دو انداز ہیں، ایک انداز ہے کہ بڑی فوج لے کر جائے بھرپور فوج لشکر جرار جسے کہتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں باقاعدہ صف بندی کر کے میدان میں لڑائی لڑی جائے ایک تو یہ جنگ ہے اور ایک یہ ہے جس کو آج کل گوریلا کاروائی کہتے ہیں، چھاپہ مار جنگ اس چھاپہ مار جنگ میں یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے سامنے بالمقابل ہو کر صف بندی کر کے تو مقابلہ نہیں ہوتا بلکہ چھپ چھپا کر موقع پا کر دشمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کو عربی کے اندر تبییت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، رات کو چھاپہ مارنا اور انگریزی میں اس کے لئے گوریلا کا لفظ استعمال ہوتا ہے، گوریلا جنگ یعنی چھاپہ مار جنگ کہ مجاہد ایک ایک دو دو چار چار کر کے چھاپے مارتے ہیں اور جہاں کوئی موقع آئے نقصان پہنچانے کا تو دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر دیا اور نقصان پہنچا دیا، اور یہ دونوں قسم کی جنگیں اسلام کے اندر جائز ہیں، اور سرورِ کائنات ﷺ نے دونوں طریقے اختیار فرمائے ہیں۔

آپ سیرت کی کتابیں پڑھیں گے تو ان کے اندر یہ بات آئے گی کہ حضور ﷺ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتوں کو، تیس تیس آدمی، چالیس چالیس آدمی، پچاس پچاس آدمی بھی مختلف اطراف میں بھیجے ہیں جنہوں نے جا کر کافروں کو نقصان پہنچایا، ان کے تجارتی قافلوں کے راستے روکے اور اسی طرح سے موقع

پا کر کافروں کو نقصان پہنچایا، تو یہ چھاپہ مار جنگ تھی جس کو سرایا کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں حضور ﷺ بھیجا کرتے تھے اور بڑی جماعت کی شکل میں بھی آپ ﷺ تشریف لے گئے، بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ بھی، دشمنوں کے ساتھ اس طرح بھی مقابلہ کیا جس طرح کھلے میدانوں میں ہوتی ہے، بدر میں ایسا ہوا، احد میں ایسا ہوا، احزاب میں ایسا ہوا، مکہ میں ایسا ہوا فتح مکہ کے موقع پر، حنین میں ایسا ہوا، غزوہ تبوک میں اسی طرح سے ہوا کہ بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ حضور ﷺ خود تشریف لے گئے۔

احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم:

تو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی بات سمجھائی جارہی ہے کہ اے ایمان والو! اپنی احتیاط اختیار کرو غافل نہ ہوؤ، جب دشمن کے ساتھ ٹکراؤ ہو جائے تو پھر غافل نہیں ہونا چاہیے کہ دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھالے اور تمہیں نقصان پہنچادے ہر وقت چوکنے رہو، محتاط رہو، جس میں یہ بھی آ گیا کہ جنگ کی تدبیر سے غافل نہ ہوؤ، اور اس میں یہ بھی آ گیا کہ اپنے بچاؤ کا سامان بھی اختیار کر کے رکھو، خود ہوگئی یہ سر کے اوپر جو لوہے کی ٹوپی پہنی جاتی ہے ڈھال ہوگئی جس کے ساتھ دوسرے کا وار روکا جاتا ہے، ذرہ ہوگئی جو سینے کے اوپر پہن لیتے ہیں، اس قسم کی چیزیں اختیار کرنا یہ بھی اخذ حذر ہے۔

اور ایسے ہی اپنے آپ کو مضبوط کر کے رکھنا، قوت جمع کر کے رکھنا، ہتھیار جمع کر کے رکھنا تاکہ دشمن کے اوپر رعب رہے اور ان کو پتہ ہو کہ یہ قوم بڑی مسلح ہے اور ان کے پاس اتنی قوت ہے کہ اگر ہم نے ان کو چھیڑا تو ان کا پنجہ کمزور پنجہ نہیں ہے، آہنی پنجہ ہے کہ اگر ہم نے ان کے ساتھ پنجہ ڈالا تو یہ ہمارا بازو مروڑ دیں گے، اس طرح دشمن کے اوپر رعب ڈال کر رکھنا یہ بھی ایک احتیاطی پہلو ہے، اگر اپنی کمزوری دشمن کے سامنے نمایاں ہو تو دشمن دلیر ہو جاتا ہے اس کے حوصلے بڑھتے ہیں اور اگر اپنا زور جنگ نمایاں کر کے رکھا جائے تو دشمن کے اوپر رعب پڑتا ہے اور اس سے بھی انسان بچتا ہے یہ بھی ایک بچاؤ کی تدبیر ہے، تو ''خذوا حذرکم'' میں ساری باتیں آ گئیں کہ اپنی احتیاط اختیار کرو، اپنا بچاؤ اختیار کرو، اپنے تحفظ کی تدبیر سے غافل نہ ہوؤ، آگے تمہیں دونوں طرح سے اجازت ہے اگر موقع محل ہو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی شکل میں، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں کسی طرف جانے کا تو اس کی بھی اجازت ہے، ''فانفروا ثبات'' چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں جاؤ ''اوانفروا جمیعا'' پھر جب کوئی موقع ہو اکٹھے جانے کا تو پھر سارے اکٹھے جاؤ لشکر کی شکل میں جاؤ، یہ دونوں باتوں کی اجازت دے دی گئی، امام وقت جس طرح مصلحت سمجھے اس طرح سے کفر کے مقابلہ میں جہاد کے لئے مسلمانوں کو روانہ کر سکتا ہے، اعلان کر کے باقاعدہ

لشکروں کی شکل میں بالمقابل ہوکر ایک دوسرے سے لڑنے کا موقع ہو تو ایسا بھی کیا جاسکتا ہے اور چھوٹی جماعت بھیجنے کا موقع ہو تو ایسا بھی کرسکتا ہے۔

خودغرض اور مفاد پرست لوگوں کا حال:

جس وقت جہاد کا حکم آگیا، اور یہ حکم آیا تھا مدینہ منورہ میں تو ہر شخص کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا بعض کے دل کمزور ہوتے ہیں اور بعضوں کے قوی ہوتے ہیں، بعضوں میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے، اور بعضوں میں اخلاص کی کمی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ میں واقعہ کے مطابق بعض منافق بھی تھے جو صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے اور ان کو جماعتی مصلحت، مذہبی فائدہ، اسلام کی بالادستی اس قسم کی چیزوں سے کوئی غرض نہیں تھی، اور آپ کے سامنے تفصیل آئے گی خاص طور پر سورۃ برأت میں کہ وہ لوگ جہاد سے جان چھڑانے کی کوشش کس طرح سے کرتے تھے، اس کی پوری تفصیل آپ کے سامنے سورۃ برأت کے اندر آئے گی، اللہ تعالیٰ یہاں بھی اشارہ فرماتے ہیں اور نسبت ہے تمام مؤمنین کی طرف جماعتی حیثیت سے کیونکہ جب کسی جماعت کے اندر ایک دو فرد بھی ایسے ہوں تو ان کی تعیین کرنے کی بجائے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ تم میں بعضے لوگ ایسے بھی ہیں تو جن کے اندر یہ بیماری ہوگی خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ ہماری نشاندہی کی جارہی ہے کہ نسبت جماعت کی طرف ہوگی، تمہاری جماعت میں ایسے لوگ ہیں ایسے نہیں ہونے چاہئیں تھے یہ اچھے لوگ نہیں ہیں ان کے ایسے جذبات ہیں تو جب یوں تبصرہ کیا جائے گا تو جس کے اندر اس طرح کے جذبات ہوں گے اس کو اپنے دل کا چور خود ہی معلوم ہوگا اور وہ سمجھ جائے گا کہ یہاں تو میرا تذکرہ ہورہا ہے اور ویسے کلیۃً ساری جماعت محتاط ہوجائے گی کہ ہمارے اندر ایسے لوگ بھی ہیں جو خودغرض قسم کے ہیں اپنے مفاد کو سامنے رکھتے ہیں تو پھر ان پر کڑی نظر رکھی جائے گی تاکہ کسی موقع پر اپنے مفاد کی خاطر ہمیں نقصان نہ پہنچادیں۔

اس قسم کے لوگوں کو پہچان کر رکھنا اور ان کے اوپر نگرانی کرنا یہ بھی جنگی مصلحت ہے تو یہاں حسی اصول کے تحت جماعت کا ذکر کرکے کہا جارہا ہے کہ تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو پیچھے کو ہٹتے ہیں، جب جہاد کا موقع آتا ہے تو ڈھیلے ہوجاتے ہیں، مختلف قسم کے عذر کرکے گھروں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، لڑائی میں حوصلہ کے ساتھ شریک نہیں ہوتے، ان کے جذبات جو ہیں وہ لڑنے مرنے کے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ جان فدا نہیں کرسکتے، جب کوئی موقع آتا ہے تو ڈھیلے ہوجائیں گے، سست ہوجائیں گے، پیچھے ہوجائیں گے، آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے اور پھر ڈر کر گھر میں بیٹھ گئے، لڑائی کے لئے نہیں نکلے اب آگے دو حال ہیں کبھی ایسا بھی

ہوسکتا ہے کہ جو جماعت جہاد میں گئی تھی اب وہ تکلیف اٹھا کر آ گئی، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مال غنیمت حاصل نہیں ہوا بدنی تکلیف پہنچ گئی لڑائی میں، لڑائی کا معاملہ تو ڈاواں ڈول ہی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے ''الحرب سجال'' کبھی کسی نے ڈول بھر لیا کبھی کسی نے، کبھی کسی کو تکلیف ہوگئی، کبھی کسی کو فائدہ پہنچ گیا، تو یہ معاملہ ڈاواں ڈول ہی ہوتا ہے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو جماعت جہاد پر جائے اور وہ کوئی نقصان اٹھا کر آ جائے مال غنیمت حاصل نہ ہو، تو ایسا موقع جس وقت آتا ہے تو پھر یہ لوگ جن کے دل کے اندر اپنی مفاد پرستی ہے مذہب کے لئے لڑنا مرنا وہ نہیں جانتے، ہر وقت اپنے فائدے کے لئے سوچتے ہیں، پھر وہ بغلیں بجاتے ہیں کہتے ہیں دیکھا ہم کیسے ہوشیار نکلے کہ پیچھے رہ گئے اگر ہم ساتھ ہوتے تو یہ مصیبت ہمیں بھی پہنچ جاتی ایسے موقع پر اپنے پیچھے ہٹنے پر وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

اور اگر ایسا اتفاق ہوجائے کہ جو جماعت گئی تھی وہ بغیر کسی نقصان اٹھانے کے کامیاب ہوکر آ گئی، انہوں نے فتح پالی، مال غنیمت حاصل ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے کامیابی دے دی، تو جب یہ حال پیش آتا ہے تو پھر ان کو اپنے پیچھے رہنے پر افسوس ہوتا ہے کہ بڑی غلطی ہوگئی، ضرور جانا چاہیئے تھا کہ دیکھو تکلیف تو ہوئی نہیں اور ان کو اتنا مال مل گیا، جو غنیمت آتی تھی وہ حضور ﷺ غانمین میں تقسیم کرتے تھے، پھر ہاتھ ملتے ہیں، افسوس کرتے ہیں کہ بڑی غلطی ہوگئی، ہمیں ساتھ چلنا چاہیئے تھا، دیکھو بالکل کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اتنا فائدہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں ان کی ایسے انداز میں ہوتی ہیں کہ جیسے ان کا تمہارے ساتھ کوئی محبت کا معاملہ ہے ہی نہیں، ان کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں ہی نہیں، وہ تمہیں اپنا سمجھتے ہی نہیں کیونکہ جب کسی کے ساتھ محبت کا معاملہ ہوتا ہے شخصی طور پر یا جماعتی طور پر دونوں طرح سے ہی جب اس شخص کو جس کے ساتھ ہمارا محبت کا معاملہ ہے اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو انسان خوش ہونے کی بجائے اس کی تکلیف میں شریک ہوتا ہے، اسی طرح سے رنجیدہ ہوتا ہے، غم کرتا ہے، افسوس کرتا ہے کہ میرے دوست کو یا میری جماعت کو نقصان پہنچ گیا ہے، اس کا دل اسی طرح سے ٹوٹتا ہے کہ گویا کہ اس کا شخصی معاملہ ہے، شکست جماعت نے کھائی ہے لیکن یہ دکھ ایسے محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس نے خود شکست کھائی ہے، زخمی اس کا بھائی ہوا، میدان کے اندر مارا گیا اس کا بھائی لیکن اس کو تکلیف اس طرح سے ہے جیسے یہ خود زخمی ہوکر آیا ہے اور اس کی جان چلی گئی۔

جب محبت کا معاملہ ہوتا ہے تو انسان دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے ایسے ہی ہے ہمیشہ جو مخلص لوگ ہوا کرتے ہیں جماعت کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ان کو ایسے ہی صدمہ ہوتا ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کا ذاتی نقصان ہوگیا، اور اگر گروہ کامیاب ہوجائیں اور میدان کو جیت لیں، مال غنیمت حاصل ہوجائے چاہے

بظاہر کامیاب وہی ہوئے ہیں لیکن ہم اس کو جماعتی کامیابی قرار دیتے ہوئے اپنی کامیابی قرار دیں گے اور اسی طرح سے خوشیاں منائیں گے جس طرح سے ذاتی فتح پانے والوں نے خوشیاں منائیں، جب محبت کا معاملہ ہوتا ہے تو محبت کے آثار یہ ہیں کہ دوست دوست کی تکلیف میں شامل ہوتا ہے، راحت میں شریک ہوتا ہے اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے، اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے، اور یہ کوئی دوستی نہیں کہ دوسرے کی تکلیف پر خوشی منائی جائے کہ اچھا ہوا اس کا رگڑا نکل گیا میں بچ گیا، اور اگر اس کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے فائدہ حاصل ہو جائے تو حسد میں مبتلا ہوا انسان کہ یہ کامیاب کیوں ہو گیا اس میں تو میری شرکت ہونی چاہیئے تھی مجھے فائدہ پہنچنا چاہیئے تھا، یہ جذبات اگر کسی شخص کے اندر پاؤ تو پہچان جایا کرو کہ یہ خودغرضی ہے اس کو اپنے مفاد سے غرض ہے تو اس کا تمہارے ساتھ کوئی محبت کا برتاؤ نہیں۔

محبت کے آداب میں سے یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ اپنی غرض کو سامنے رکھو کہ تم بچ گئے تو تم اس پر خوش ہو کہ چاہے دوسرا زخمی ہو جائے، اور اگر تمہیں کچھ نہیں ملا تو تمہیں افسوس ہے کہ چاہے دوسرے کو کتنی فتح حاصل ہو جائے ایسے موقعوں پر غمی خوشی کے ساتھ شریک نہ ہونا یہ دوستی کے آداب کے خلاف ہے ایسے لوگوں کو تاک کر رکھنا چاہیئے، یہ مطلب پرست ہوتے ہیں، خودغرض ہوتے ہیں، یہ آج کل کے محاورے کے مطابق دودھ پینے والے مجنوں ہوتے ہیں، خون دینے والے مجنوں نہیں ہوتے تو ایسے مجنوں جو ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے مطلب کی سوچتے ہیں دوسروں سے انہیں کوئی غرض نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جماعت کے اندر ایسی نشاندہی کرتا ہے کہ تمہارے اندر ایسے لوگ بھی موجود ہیں ایک تو جن کے یہ جذبات ہیں ان کی یہ اصلاح ہو جائے گی کہ یہ تو ہمارے دل کا چور پکڑا گیا، ہم نے تو اپنے دل کے جذبات کسی کو بتائے نہیں ہیں لیکن دیکھو قرآن کریم میں یہ بات آگئی اللہ کی کلام ہے، ''اللہ علیم بذات الصدور'' ہے اور ہمارے دل کے چور کی نشاندہی ہو گئی اس سے ان کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے، اپنی غلطی پر وہ متنبہ ہو سکتے ہیں اور اگر وہ متنبہ نہیں ہوں گے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چوکنا کر دیا گیا کہ تم بے خبر نہ ہو، تمہاری جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں اور ان کو تاڑ کر رکھا کرو یہ اپنے مفاد کی خاطر کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچادیں تو اس قسم کے لوگوں کو تاڑ کر رکھنا اور ان کی نگرانی کرنا یہ بھی ایک جنگی مصلحت ہے۔

ورنہ اس قسم کے لوگ اپنے مفاد کی خاطر پوری کی پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں تو یہ نشاندہی یہاں کی گئی ہے، ''وان منکم'' ''کم'' کا خطاب جماعت کو ہے کہ جماعت کے اندر اس قسم کے لوگ موجود ہیں بے شک تم میں سے بعض البتہ وہ ہیں ''من'' چونکہ لفظوں کے اندر مفرد ہے اس لئے ''لیبطئن'' مفرد کا صیغہ آگیا ''من'' اس کا کوئی فرد متعین نہیں ہے، جمع ہے اس لئے اس کا ترجمہ جمع کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے، تم میں سے

بعض وہ لوگ ہیں جو جہاد کا حکم آ جانے پر سستی کرتے ہیں پیچھے کو ہٹتے ہیں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں یا تم میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہے جو ایسا کرتا ہے مفرد کے ساتھ بھی تعبیر کر سکتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو کہتا ہے کہ اللہ نے میرے پہ انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا میں جہاد میں نہیں گیا ورنہ یہ نقصان مجھے بھی پہنچتا گویا کہ اس کا اپنا تکلیف سے بچ جانا اس کے لئے خوشی کا باعث ہے، اور تمہیں تکلیف پہنچ گئی اس کا اسے کوئی رنج نہیں ہے، خوشی اس بات پر ہے کہ میں وہاں نہیں تھا ورنہ میرا بھی رگڑا نکل جاتا تو تمہاری غمی میں شریک نہیں، تمہاری مصیبت کو اپنی مصیبت نہیں سمجھتا، اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل حاصل ہو جاتا ہے مال غنیمت حاصل ہو گیا فتح ہو گئی، اللہ نے عزت اور دولت عطا فرما دی تو پھر وہ کہتا ہے کہ ہائے کاش! پھر وہ حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹتا ہے کہ میں ساتھ کیوں نہ گیا، مجھے ساتھ جانا چاہیے تھا تا کہ میں بھی کامیابی حاصل کر لیتا، اور یہ باتیں اس کی اس انداز کی ہیں گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت کا رشتہ ہے ہی نہیں، کوئی ہمدردی نہیں تمہارے ساتھ، کوئی خیر خواہی نہیں اگر محبت کا رشتہ ہوتا، محبت کا تعلق ہوتا تو وہ تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا، اور تمہاری فتح کو، تمہاری خوشی کو یہ اپنی فتح اور اپنی خوشی قرار دیتا، محبت کا رشتہ ہو تو جذبات ایسے ہوتے ہیں، اور یہ ساری کی ساری باتیں اس کی خود غرضی کی وجہ سے ہیں آپس میں محبت کا رشتہ نہیں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم اور مجاہد کا مقام:

"فلیقاتل فی سبیل اللہ" دونوں طرح سے ترجمہ ہے کہ یہ کامیابی صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتی، گھر بیٹھے تمنا کرتے رہو کہ میں بھی کامیابی حاصل کر لیتا، میں بھی کامیاب ہو جاتا، تمناؤں سے نہیں حاصل ہوا کرتی، جو کامیابی حاصل کرنے کا متمنی ہے اسے چاہیے کہ اللہ کے راستے میں ان لوگوں کے ساتھ لڑے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں مراد اس سے کافر ہیں اس کو کافروں کے ساتھ اللہ کے راستے میں لڑنا چاہیے، اللہ کی رضا کے لئے لڑنا چاہیے، تب جا کے کامیابی حاصل ہو گی، کامیابی گھر بیٹھ کر تمنا کرنے سے حاصل نہیں ہوا کرتی، جب وہ کافروں سے لڑے گا تو اس لڑنے کی صورت میں "فوز عظیم" حاصل ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے اللہ نے یہ قاعدہ قانون بنا دیا کہ جو بھی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اللہ کی رضا کے لئے، اللہ کے راستے میں لڑائی وہی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے، اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے ہے اللہ کو خوش کرنے کے لئے ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کوئی شخص

تو بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے، کوئی شہرت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے، کوئی جماعتی عصبیت کی بناء پر لڑتا ہے، اس کی طبیعت میں یہی بات ہے کہ چونکہ ہماری جماعت لڑ رہی ہے لہٰذا ہم بھی لڑ رہے ہیں ان میں سے فی سبیل اللہ کونسی لڑائی ہے؟ مشکوٰۃ شریف کتاب الجہاد میں یہ راویت موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''من قاتل لتکون کلمة الله هي العليا فهوفي سبيل الله'' کہ جو شخص اس جذبے کے ساتھ لڑتا ہے تا کہ اللہ کی بات اونچی ہو جائے، دین حق کے غلبہ کی نیت سے لڑتا ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، بہادری دکھانے کے لئے، شہرت حاصل کرنے کے لئے، اس قسم کے مقصد کے تحت جولڑائیاں ہوا کرتی ہیں وہ فی سبیل اللہ نہیں ہیں، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لڑو، دین کی بالادستی کے لئے لڑو، جو بھی اللہ کے دین کے لئے لڑے گا، اللہ کے راستے میں لڑے گا، اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے لڑے گا پھر آگے دونوں صورتیں ہی ہیں کہ چاہے وہ مقتول ہو جائے میدان میں جس کو ظاہری دیکھنے والے دنیا کے اندر ناکامی سمجھتے ہیں، اور چاہے وہ غالب آجائے جس کو دنیا والے بھی کامیابی سمجھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مجاہد کی دونوں صورتیں ہی کامیابی کی ہیں، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے میدان میں چلا جائے جس وقت میدان میں چلا گیا آگے دونوں صورتیں ہیں چاہے مقتول ہو جائے چاہے غالب آجائے، تو اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کرنے کے لئے میدان میں غالب آنا ہی ضروری نہیں، نیک نیتی کے ساتھ میدان میں پہنچ جانا ضروری ہے، کسی شاعر نے اپنے اس اردو کے شعر میں اسی مطلب کو ادا کیا ہے۔

بنے ہم نہ ہندی نہ ترکی نہ ناری
بنالیں بس اپنے آپ کو سچا حجازی
ہم ہی پھر بہر حال لے جائیں گے بازی
مریں تو شہداء اور ماریں تو غازی

کہ اگر مر گیا تو شہید اور مار آئے تو غازی پھر بازی بہر حال ہماری ہے تو یہاں یہی بات ہے دونوں صورتیں ذکر کر دیں، ''فيقتل '' مقتول ہو جائے، ''اويغلب '' یا غلبہ پالے، ''فسوف نؤتيه اجراً عظيما'' دونوں صورتوں میں ہم اپنا اجر عظیم دیں گے تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے، پھر اس راستے میں ناکامی نہیں بشرطیکہ اللہ کی رضا کے لئے انسان میدان میں اترے، یہ تو ترجمہ کیا ہے میں نے آپ کے سامنے ''الذين يشرون الحيوة الدنيا بالآخرة'' کو مفعول بنا کر اور بیان القرآن میں یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فاعل بنایا ہے تو پھر'' یشرون '' بیچنے کے معنی میں ہو گا پس چاہیئے کہ لڑیں اللہ کے راستے میں وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کو بیچتے ہیں آخرت کے بدلے میں، جن میں یہ جذبہ ہے کہ ہم

دنیاوی زندگی کو قربان کر کے آخرت حاصل کریں، جو آخرت کے طالب ہیں ان کو چاہیئے کہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑیں، اللہ کے راستے میں جہاد کریں، آخرت کو طلب کرنے کا یہی ایک سیدھا راستہ ہے، جن کو آخرت مطلوب ہے ان کو چاہیئے کہ اللہ کے راستے میں لڑیں، اور جو بھی اللہ کے راستے میں لڑے گا پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب آ جائے پس عنقریب ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔

جہاد کی ترغیب:

اگلی آیات ترغیب جہاد کے لئے ہیں "وما لکم" "تمہیں کیا ہو گیا یعنی تمہیں کیا مانع ہے، تمہیں کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہیں کرتے حالانکہ داعیہ موجود ہے، وہ کیا؟ خاص طور پر مکہ معظمہ میں اور ایسے ہی بعض دوسری بستیوں میں بھی لوگ ایمان لے آتے اور ہجرت نہ کر سکتے یا تو اس لیے کہ ان کے پاس ہجرت کا سامان نہیں یا اس لئے کہ کافروں نے پکڑ کر گرفتار کر لیا، باندھ کر ڈال دیا، پٹائی ہوتی ہے، ظلم ہوتا ہے، مار پڑتی ہے جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات میں آپ پڑھتے رہتے ہیں مکہ معظمہ میں جو کچھ ہوتا تھا، بچے ہیں، عورتیں ہیں، وہ اکیلے ہجرت کرنے پر قادر نہیں ہیں ان کو اسباب مہیا نہیں ہیں، وہ بھی کافروں کے ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، مرد ہیں بالغ چاہے وہ قوت والے ہیں لیکن کافروں نے ان کو پکڑ لیا گرفتار کر لیا، باندھ لیا یہ اللہ کے نام پر ان بستیوں میں ماریں کھا رہے ہیں جن میں بالغ مرد اور نابالغ بچے اور عورتیں بھی ہیں۔

ان کو چھڑانے کا طریقہ تمہارے پاس سوائے جہاد کے کیا ہے؟ جہاد کرو، کافروں پر غلبہ پاؤ، ان ظالموں کا پنجہ مروڑ دو جو صبح و شام ان کے اوپر ظلم کر رہے ہیں اور ان کو ان کے ظلم سے چھڑاؤ، جب تمہارے ہی بھائی اور اللہ کے نام لیوا جن کے ساتھ تمہارا رشتہ مذہبی رشتہ ہے جب تمہیں پتہ ہے کہ بستیوں کے اندر ان پر ظلم ہو رہا ہے تو یہ ایک قسم کی بہت بڑی کمزوری کی علامت ہے کہ تم اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہو اور انہیں اس ظلم سے چھڑانے کی کوشش نہ کرو جس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد ایک یہ بھی ہے کہ کمزوروں کی مدد کی جائے اور کمزوروں کو ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کی جائے یہ بھی جہاد کا ایک داعیہ ہے، جیسے اگر کوئی شخص تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو اپنا دفاع کرنا یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے، تمہیں کوئی جان سے مارنا چاہتا ہے تم اس سے بچنے کے لئے اس سے لڑتے ہو اپنی جان بچانے کے لئے، یا تم سے کوئی مال چھیننا چاہتا ہے تو تم اپنے مال کو بچانے کے لئے اس سے لڑتے ہو یا تمہیں کوئی دین بدلنے پر مجبور کرتا ہے تو تم اپنے دین کو بچانے کے لئے اس سے لڑتے ہو تو یہ تمام صورتیں جہاد کی ہیں اور اگر ان میں کوئی انسان اپنی جان دے بیٹھے تو اللہ کے ہاں شہید ہے۔

"من قتل دون نفسہ فھو شھید من قتل دون مالہ فھو شھید من قتل دون دینہ فھو شھید" اپنی جان بچاتے ہوئے اپنی جان بچانے کے لئے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو بھی تم شہید، اپنا دین بچانے کے لئے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو بھی تم شہید، اور اپنا مال بچاتے ہوئے لڑتے ہو۔ یہ مرجاؤ تو بھی تم شہید، یہ ساری کی ساری شہادت کی صورتیں ہیں، اسی طرح کمزور مسلمانوں کی امداد کے لئے کافروں سے لڑنا تا کہ ان کمزور مسلمانوں کو کافروں سے چھڑا لیا جائے تو یہ بھی جہاد ہے اور اس وقت یہ قوی داعیہ موجود تھا کہ تم مدینہ منورہ میں پر امن بیٹھے رہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے جہاد کرو تا کہ اردگرد کمزور مسلمان ان ظالموں سے نجات پائیں، تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے اور ان کمزوروں کو چھڑانے کے لئے نہیں لڑتے، وہ کمزور مرد بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں، بچے بھی ہیں جو یوں فریاد کر رہے ہیں اللہ کے سامنے اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

جذبہ ایمانی اور جذبہ حب الوطنی:

اب یہاں دیکھئے کہ قریہ کا اصل مصداق مکہ معظمہ ہے اور اسی کے حکم میں ہوں گی وہ بستیاں جو اردگرد تھیں اور ان میں کوئی بھی ایمان والا جو کافروں کے ہاتھ میں مظلوم ہے وہ بستیاں بھی اسی کے حکم میں ہوں گی، مکہ معظمہ جیسا شہر جس میں اللہ کا گھر موجود ہے اور ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا تعلق بھی مضبوط ہوتا ہے اس لئے اہل ایمان کے نزدیک مکہ معظمہ محبوب ترین شہر تھا، سرور کائنات ﷺ نے جس وقت ہجرت کی ہے فضائل مکہ معظمہ کے اندر یہ حدیث آتی ہے کہ باہر نکل کر حضور ﷺ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے اور مکہ معظمہ کی طرف دیکھا اور مکہ معظمہ کو خطاب کر کے کہا کہ تو سب شہروں سے اچھا شہر ہے اور تو تمام شہروں سے مجھے زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہنا گوارہ نہ کرتا، اس سے کتنا قوی تعلق معلوم ہوتا ہے اس شہر کے ساتھ، اور ویسے بھی لوگ کہا کرتے ہیں "حب الوطن من الایمان" وطن کی محبت بھی ایمان کی علامت ہے، اور طبعی طور پر انسان کو اپنے وطن کے ساتھ محبت ہوتی ہے، جہاں کی انسان پیداوار ہوتا ہے اور جہاں کھا پی کر جوان ہوتا ہے ان درودیوار سے محبت ہوتی ہے، اپنے علاقے سے سفر میں آپ چلے جائیں تو باہر آپ پھرتے رہیں کتنے ہی اچھے شہر اور کتنے ہی خوبصورت شہر ہوں گے لیکن جس وقت آپ لوٹ کر اپنی کچی بستی میں آئیں گے تو آپ کو طبعیت میں عجیب سا سکون محسوس ہوتا ہے لیکن جس وقت انسان ایمان قبول کر لیتا ہے تو اولیت ایمان کو حاصل ہے ایمان کی خاطر وطن قربان کیا جا سکتا ہے وطن کی خاطر ایمان کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اس لئے جذبہ وطنیت یہ جذبہ ایمان کے تابع ہونا چاہئے تب تو ہے اسلام اور اگر جذبہ اسلام جو ہے وہ وطنیت کے تابع ہوگیا وطنیت اصل قرار پاگئی تو پھر یہ اسلام نہیں تو پھر یہ کفر کا شعبہ ہے اور آج سب سے بڑی خرابی جو آرہی ہے مسلمانوں میں بھی وہ یہی جذبہ وطنیت ہے اس جذبہ وطنیت کے تحت اپنے ہم وطنوں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے کافر ہی کیوں نہ ہوں اور جو اپنے ہم وطن نہیں ہیں چاہے مؤمن ہیں ان کو ترجیح نہیں دیتے، بنگلہ دیش میں کیا ہوا؟ جس وقت یہ تحریک چلی تھی بنگلہ دیش کی آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ بنگالیوں کے نزدیک بنگالی ہندو قابل قدر تھا، اور غیر بنگالی مسلمان کا خون بہادیا، کتنے مارے گئے اور کتنے ہی لوگ تھے دوسرے صوبوں کے رہنے والے ان کو قتل کردیا صرف اس وجہ سے کہ وہ بنگالی نہیں ہیں یہ ہے جس کو جذبہ وطنیت کہتے ہیں اور آج سب سے بڑا فتنہ جو ہے وہ جذبہ وطنیت ہے کہ بنگالی ہونے کی صورت میں بنگالی ہندوؤں کو تو گوارہ کریں گے، وہ تو ان کا بھائی ہے، وطنی بھائی ہے لیکن جن کے ساتھ اسلامی رشتہ ہے یہ معمولی بات ہے، یہی جذبہ سندھ میں نشوونما پارہا ہے کہ سندھیوں کے نزدیک ہندو سندھی قابل قدر ہے، اس کے جان مال کی حفاظت وہ کریں گے ان کو اپنا سمجھتے ہیں اور غیر سندھی مسلمان بھی ہو تو ان کے نزدیک واجب القتل ہے تو یہ جب فساد ہوتا ہے اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ ہے مشرکانہ جذبہ یعنی وطن کو اتنی اہمیت دے دی کہ اس کے مقابلے میں ایمان والا رشتہ کوئی رشتہ نہیں رہا۔

اور اسلام نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ اصل رشتہ ایمانی رشتہ ہے اور اصل چیز دین ہے اور ایمان ہے، وطن کے ساتھ اس وقت تک تعلق رکھا جاسکتا ہے جس وقت تک کہ اپنا عقیدہ محفوظ ہے اور اپنا ایمان محفوظ ہے اور اگر ایمان محفوظ نہ ہو تو وہ چاہے کتنی نسلوں سے پشتوں سے چلا آرہا ہو پھر وطن اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یہاں کوئی درندوں کی بستی ہے یہاں رہنے کے لئے ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں، پھر انسان بے تاب ہوتا ہے تڑپتا ہے کہ کسی طریقے سے یہاں سے نکل جاؤں اور کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں جاکر میرا ایمان اور عقیدہ محفوظ رہ جائے تو اس سے اندازہ کیجئے کہ کلمہ پڑھنے والوں کے دل میں وطنیت کی کیا قدر تھی اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے کہ اپنا وہ وطن جو آپ کا محبوب ترین شہر ہے وہ ''قریة الظالم اهلها'' معلوم ہوتا ہے، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کے رہنے والے تو درندے ہیں یہاں رہنے کا فائدہ کیا؟ یہاں تو ہم رہ سکتے نہیں، اور چیختے ہیں کہ یا اللہ! کوئی اسباب ایسے مہیا کردے کہ ہم یہاں سے نکل کر بھاگ جائیں تو وطنیت مغلوب ہوگئی اس عقیدہ ایمان کے ساتھ اور یہی اصل کے اعتبار سے اسلام کی تعریف ہے کہ مقصود جو ہے وہ ایمان ہے اور اصل رشتہ ہمارا انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو ہمارے ایمانی بھائی ہیں، وطن کوئی چیز نہیں ہے کوئی حبشہ سے آگیا وہ بھی ہمارا بھائی ہے، کوئی روم سے آگیا وہ بھی ہمارا بھائی ہے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تھے اور ان کو وہی قدر و قیمت حاصل تھی جو مکہ والوں کو

حاصل تھی اور اسی طرح جو دوسرے علاقوں سے آ گئے، ان کو بھی وہی اہمیت حاصل تھی جو مدینہ کے رہنے والوں کو حاصل تھی۔

وطنیت کی بناء پر کسی سے نفرت کرنا اور عقیدے کو بنیاد نہ بنانا یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے، اور عرب کے اندر کیا ہوا؟ جو ترکوں سے لڑائیاں ہوئیں، ترکوں کے خلاف جو بغاوتیں ہوئیں یہ انگریزوں نے عیسائیوں نے اسی چیز کو تو ہوا دی تھی، وطنی جذبہ کہ عرب کے اوپر غیر عرب حکومت کیوں کرے؟ اور اسی سے سب جگہ بغاوت کروا دی اور خلافت کا معاملہ جو تھا سارے کا سارا درہم برہم کر کے رکھ دیا، مسلمانوں کی جماعت کبھی منظم نہیں ہو سکتی جس وقت اس میں جذبہ حب الوطنی پیدا ہو جائے، بلکہ جذبہ یہ ہونا چاہیئے کہ جس کے ساتھ کلمہ کا رشتہ ہے، ایمان کا رشتہ ہے وہ ہمارے بھائی ہیں چاہے کسی وطن کے رہنے والے ہوں، اور وطن رہنے کے قابل وہی ہے جس میں ایمان اور عقیدہ محفوظ ہو جس میں ایمان اور عقیدہ محفوظ نہیں ہے وہ وطن رہنے کے قابل نہیں ہے کتنی نسلوں سے کیوں نہ چلا آ رہا ہو ترک کرنے کے قابل ہے، یہاں وہی جذبہ نمایاں ہے، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! نکال ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، ''واجعلنا من لدنك وليا'' یہ بھی دیکھ ان کی مجبوری ''من لدنك'' ظاہری طور پر تو کوئی اسباب نہیں ہیں لیکن تو اپنے پاس سے خاص طور پر ہمارا کوئی حمایتی پیدا کر دے اور ہمارے لئے کوئی اپنی طرف سے مددگار پیدا کر یہ ظاہری اسباب کی طلب ہے، کوئی ظاہری طور پر ہمارے حمایتی کھڑے کر دے، ہمارے لئے مددگار کھڑے کر دے، اور ہمیں ان ظالموں سے بچا لے تو یہ ترغیب دی جا رہی ہے ان اہل ایمان کو جو مدینہ منورہ میں تھے اور ان کو امن کی زندگی حاصل تھی کہ وہ مدد کے لئے پکار رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ولی اور نصیر مانگ رہے ہیں تو اللہ کے سپاہی دنیا میں تم ہی ہو چلو اٹھو ان کی مدد کے لئے اور ان کو کافروں کے پنجے سے چھڑاؤ۔

اولیاءِ رحمٰن اور اولیاءِ شیطان:

''الذين آمنوا يقاتلون في سبيل الله'' ایمان والے اللہ کے راستہ میں لڑا کرتے ہیں، لڑائی کرتے ہیں وہ اللہ کے راستے میں اللہ کی رضا کے لئے اور کافر لڑتے ہیں شیطان کے راستے میں، یہاں طاغوت سے شیطان مراد ہے یہ بھی ایک ترغیب کا پہلو ہے کہ کافر شیطانی فوج ہے، یہ حزب الشیطان ہے ''اولئك حزب الشيطان'' اور مومن جو ہے یہ اللہ کی فوج ہے ''فقاتلوا اولياء الشيطان'' اے اولیاء رحمٰن! تم شیطان کے اولیاء کے ساتھ لڑو، ''ان كيد الشيطان كان ضعيفا'' جب ایک طرف اللہ کی جماعت ہے تو اس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہو گی دوسری طرف شیطان کی جماعت ہے تو شیطان انہیں بھی تدبیریں سمجھائے گا، انہیں بھی تدبیریں بتائے گا لیکن یاد رکھو شیطان کی تدبیریں کمزور ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مقابلے میں کام نہیں آ سکیں گی، اس لئے حوصلے کے

ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے سپاہی سمجھتے ہوئے شیطان کے سپاہیوں کے خلاف لڑائی لڑو، اور یقین کرلو کہ شیطان کی تدبیریں کمزور ہیں، تم نیک نیتی کے ساتھ دین کے غلبے کے لئے مظلوموں کی حمایت کے طور پر مقابلے میں جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہیں حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی دے گا۔

شیطان کے مکر اور عورتوں کے مکر کا مقابلہ:

یہاں دیکھئے ''ان کید الشیطان کان ضعیفا'' یہ بات بطور لطیفے کے عرض کر رہا ہوں، شیطان کا مکر کمزور ہے اور دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے ''ان کیدکن عظیم'' ''کن'' کی ضمیر عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے کہ تمہاری تدبیر جو ہے بڑی مضبوط ہوتی ہے، بہت بڑی مکار ہوتی ہے عورت، تو شیطان کی تدبیر کو قرآن کریم نے ضعیف کہا، اور ''کیدکن'' کو عظیم کہا تو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں جو ہیں جس طرح سے حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بھی شیطان کے جال ہیں اور انہی کے ذریعے سے یہ انسانوں کو پھسلاتا ہے، گمراہی کی طرف لاتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑا فتنہ مردوں کے لئے کوئی نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے نقصان دہ ہو، جس طرح انسان ہر وقت شیطان کی مکاریوں سے ہوشیار رہتا ہے کہ شیطان کسی مکر وفریب کے ساتھ ہمیں کسی فتنے میں مبتلا نہ کردے اسی طرح عورتوں کے معاملہ میں بھی آدمی کو محتاط رہنا چاہیئے کہ انسان کو یہ بہت جلد گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں اور بہت جلد غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں، تو ان کے ''کید'' کو قرآن کریم میں "عظیم" کہا گیا جب کہ شیطان کے کید کو ضعیف کہا گیا، لیکن حقیقت کے اعتبار سے نظر کریں گے تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں شیطان کے ''کید'' کو ضعیف کہا گیا ہے اللہ کے کید اور تدبیر کے مقابلے میں اور وہاں جو ''کیدکن عظیم'' کہا گیا ہے تو وہ ہے مردوں کی مکاریوں کے مقابلے میں کہ مکار تو مرد بھی ہوتے ہیں لیکن عورت مکار زیادہ ہوتی ہے اور اس کی تدبیریں زیادہ قوی ہوتی ہیں وہاں عورتوں کا مقابلہ مردوں کے ساتھ ہے اور یہاں مقابلہ شیطان کا اللہ کے ساتھ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جن سے کہا جاتا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو اور نماز قائم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور زکوۃ دیتے رہو ، پھر جب فرض کر دیا گیا ان کے ساتھ لڑنا اچانک ان میں سے ایک فریق

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

لوگوں سے ڈرتا ہے جیسا کہ اللہ سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا ، انہوں نے کہا اے ہمارے رب!

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

تو نے کیوں فرض کر دی ہم پر لڑائی ، کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں قریب وقت تک ،

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ

آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے ، آخرت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے ،

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

نہیں ظلم کیے جائیں گے وہ دھاگہ کے برابر بھی ﴿۷۷﴾ جہاں کہیں تم ہو گے تمہیں موت پالے گی اگرچہ تم

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ

مضبوط قلعوں میں ہو ، اگر پہنچتی ہے انہیں اچھی حالت تو کہتے ہیں کہ یہ

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

اللہ کی جانب سے ہے ، اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی بری حالت تو کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے ،

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ ہر چیز اللہ کی جانب سے ہے ، پس کیا ہو گیا ان لوگوں کو کہ قریب بھی نہیں جاتے

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ

بات سمجھنے کے ﴿۷۸﴾ جو اچھی حالت تمہیں پہنچتی ہے پس وہ اللہ کی جانب سے ہے ، اور جو

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

تجھے بری حالت پہنچتی ہے پس وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے ، اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

اور اللہ گواہ کافی ہے ﴿۷۹﴾ جو شخص اطاعت کرے رسول کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی ،

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز

اور جس نے پیٹھ پھیر لی پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر ﴿۸۰﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں ہمارا کام تو ماننا ہے ،

فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ

اور جب آپ کے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں تو خفیہ طور پر مشورہ کرتا ہے ان میں سے ایک طائفہ غیر اس کے جو

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

وہ کہہ کر آیا ہے ، اللہ تعالیٰ لکھتا ہے ان باتوں کو جو وہ خفیہ طور پر کرتے ہیں پس آپ ان سے اعراض کر جایئے اور بھروسہ کیجئے

اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ

اللہ پر ، اللہ کارساز کافی ہے ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ، اگر یہ قرآن ہوتا

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ

اللہ کے غیر کی جانب سے تو پاتے اس قرآن میں اختلاف کثیر ﴿۸۲﴾ جب ان کے پاس آ جاتا ہے

اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ

کوئی امر امن سے یا خوف سے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں ، اگر رد کر دیں اس امر کو وہ رسول کی طرف

وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور اپنے میں سے اولی الامر کی طرف تو البتہ جان لیتے اس کو وہ لوگ جو اس کی تحقیق کر لیتے ہیں ان میں سے ،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا

اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے سوائے

قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

کچھ لوگوں کے ﴿۸۳﴾ پس تو لڑائی کر اللہ کے راستہ میں، پس تو تکلیف نہیں دیا جاتا مگر اپنی جان کی اور ترغیب دے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ

مؤمنوں کو، امید ہے کہ روک دے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے کفر کیا، اور اللہ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

زیادہ سخت ہے از روئے لڑائی کے اور از روئے سزا دینے کے ﴿۸۴﴾ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا ہوگا

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

اس کے لئے حصہ اس کے ثواب میں سے، اور جو کوئی بری سفارش کرے گا تو اس کے لئے حصہ ہوگا

مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

اس میں سے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر محافظ ہے ﴿۸۵﴾ جب تم دعا دیے جاؤ کوئی دعا تو دعا دیا کرو

بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اسے اچھے لفظ کے ساتھ یا اسی کو لوٹا دیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

اللہ، کوئی معبود نہیں مگر وہی، البتہ ضرور اکٹھا کرے گا تمہیں قیامت کے دن کی طرف جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں،

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

کون زیادہ سچا ہے اللہ کے مقابلہ میں از روئے بات کے ﴿۸۷﴾

تفسیر:

جہاد کی اجازت ملنے سے قبل مسلمانوں کی کیفیت:

مکہ معظّمہ میں کفار کی طرف سے ظلم وستم انتہائی تھا اور اس ظلم وستم کے موقع پر اہل ایمان کے دل میں بھی

ولولہ آتا تھا جوش اٹھتا تھا اور وہ بھی چاہتے تھے کہ ہمیں اجازت مل جائے تو ہم کفار کے مقابلے میں ہاتھ اٹھائیں انسان کمزور بھی ہو تو چپ کر کے بیٹھنا بڑا مشکل ہوتا ہے اندر سے ولولہ اٹھتا ہے جب دوسرا انسان مارے، زیادتی کرے، ظلم کرے تو آگے سے ہاتھ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا اگر چار مارے گا تو ہم بھی ایک ماریں گے، بہر حال کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یہ ولولہ پیدا ہوتا ہے، اپنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھا رہے اور دوسرا آزادی کے ساتھ پیٹتا رہے اور ظلم وستم کرتا رہے اس کا برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر مکہ معظمہ میں جو لوگ ایمان لائے تھے وہ سارے کمزور بھی نہیں تھے ان میں مضبوط ترین لوگ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے حضرات جو بعد میں بڑے بڑے جرنیل ثابت ہوئے ایسے لوگ بھی تھے اور ان کے جوش کا تو کیا ہی کہنا جب دوسروں کی طرف سے زیادتی ہوتی ہوگی تو ان کو تو ولولہ اٹھتا ہوگا کہ ہم بھی ہاتھ اٹھائیں، لیکن اس وقت مقابلے میں ہاتھ اٹھانا اللہ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق نہیں تھا، تو جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کی بات ہوتی تو آپ یہی کہتے کہ بھائی اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو اور ابھی تم اپنے تعمیر نفس کی طرف متوجہ رہو، نماز پڑھو، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، صبر اور تحمل اختیار کرو، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موقع آئے گا پھر تمہیں لڑائی کی اجازت بھی مل جائے گی، اس طرح سے ان کو کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو ہاتھ اٹھاؤ نہیں، مکہ معظمہ میں بھی یونہی ہوا اور مدینہ منورہ میں آجانے کے بعد پھر ایک جماعت بھی تشکیل پاگئی تو جب اردگرد سے خبریں ملتیں کہ مسلمانوں کے اوپر ظلم ہو رہا ہے، ستم ہو رہا ہے، عورتوں بچوں کو پریشان کیا جا رہا ہے تو پھر اہل مدینہ جو تھے ان کے دل میں بھی ایسا ولولہ اٹھتا کہ ہمیں اجازت ملے تاکہ اس شر کو کسی طرح دفعہ کریں۔

مدینہ منورہ میں بھی ابتداء ابتداء میں جہاد کی اجازت نہیں تھی اس وقت بھی اس قسم کے ولولے اٹھتے تھے لوگوں کی خبریں سن کر، وہاں مدینہ میں اب ان پر کوئی زیادتی نہیں کرتا تھا، اور نہ کر سکتا تھا کیونکہ وہاں تھوڑی سی حکومت بن گئی تھی اور جماعت کچھ مضبوط ہوگئی تھی، لیکن اردگرد سے بچوں اور عورتوں پر ظلم کی خبریں آتی جیسے پچھلے رکوع کے اندر آیا ''والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان'' ان کے قصے جس وقت پہنچتے خبریں پہنچتیں کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے ساتھ یوں ہو رہا ہے اور عورتوں اور بچوں کو یوں ستایا جا رہا ہے اور پھر دل میں ولولہ اٹھتا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان باتوں کے تذکرے ہوتے اب ایک صورت بھی پیدا ہوگئی کہ مدینہ منورہ میں چونکہ بعض لوگ نفاق کے طور پر بھی اسلام قبول کرنے والے تھے، ان کے دل کے اندر مضبوطی نہیں تھی، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان تو خلوص کے ساتھ ہی قبول کر لیا لیکن دل اتنے مضبوط نہیں تھے جتنے اہل مکہ کے تھے

چونکہ وہ ماریں کھا کھا کر پختہ ہوگئے تھے اور ان (اہل مدینہ) کو اس قسم کی بھٹی سے گزرنے کی نوبت نہیں آئی تھی جس طرح سے مہاجرین امتحان کی بھٹی میں سے گزر کر مضبوط ہوگئے تھے، مدینہ میں ایمان قبول کرنے والوں کے قلوب ابھی اتنے مضبوط نہیں ہوئے تھے، نہ ان کے اندر وہ جوش اور ولولہ ہوسکتا تھا جو کہ ایک مظلوم میں اور مار کھائے ہوئے انسان میں ہوسکتا ہے، لیکن جب حضور ﷺ کی مجلس میں اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو بڑھ چڑھ کر وہ بھی باتیں کرتے کہ ہاں جی ہمیں اجازت ملنی چاہیے ہم یوں کردیں گے ہم وہ کردیں گے، تو پھر منافقین بھی باتیں بناتے۔

گفتار کے غازی:

اور یہ ایک نفسیاتی اصول ہے کہ ایک شخص اگر باطنی طور پر کمزوری میں مبتلا ہو اور وہ کچھ احساس کمتری میں مبتلاء ہوجاتا ہے لیکن اپنے اس نقص اور عیب کو چھپانے کے لئے مجلس کے اندر بیٹھ کر باتیں سب سے زیادہ وہی کیا کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں باتوں باتوں میں بہادری ظاہر کروں تاکہ میری اندر کی کمزوری جو ہے وہ چھپی رہے اور کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بزدل ہے۔

باتیں سب سے زیادہ وہی کیا کرتا ہے اور جب کام کا موقع آتا ہے تو پھر ڈھیلا پڑ جاتا ہے، بڑکیں مارنا اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کا کام ہوتا ہے جو باطنی طور پر اس کمزوری میں مبتلاء ہوتے ہیں جس کو ہم احساس کمتری سے تعبیر کرتے ہیں اور آج آپ اس کو اس لفظ سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ جو کردار کے غازی نہیں ہوتے وہ گفتار کے غازی ہوتے ہیں، جو قوال ہوتے ہیں زیادہ گفتگو کرنے والے وہ فعال نہیں ہوتے، زیادہ بولنے والے اکثر و بیشتر کردار کے کمزور ہوتے ہیں، جیسے ڈاکٹر اقبال کا بھی شعر ہے اپنے متعلق یہی کہ

اقبال بڑا من باتوں میں منہ لیتا ہے
گفتار کا غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

قوال جو ہوتے ہیں وہ اکثر فعال نہیں ہوتے، شاعر قسم کے لوگ اکثر بدعمل ہوتے ہیں اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے لفظی طور پر تو باتیں خوب کریں گے، بڑکیں ماریں گے، بیٹھ کر ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں گے کہ میں یوں کردوں گا، ایسا موقع آگیا تو میں یہ کردوں گا، زبان گدی سے کھینچ لوں گا، ٹانگیں توڑ دوں گا، یہ کردوں گا اس قسم کی باتیں زبان پر چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، لیکن جب موقع آجاتا ہے تو پھر ہوا بہت جلدی خارج ہوجاتی ہے، اسی طرح سے وہ منافق قسم کے لوگ جو تھے جن کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پختہ نہیں تھا وہ

حضور ﷺ کی مجلس میں باتیں تو خوب کرتے اور حضور ﷺ انہیں سمجھاتے کہ نہیں ابھی اپنے نفس کی تعمیر کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تک حکم نہیں آتا اپنے آپ کو روک کر رکھو، ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے، نمازیں پڑھو، اللہ کے راستے میں خرچ کرو تا کہ عمل کی قوت پیدا ہو، جب جہاد کا موقع آجائے گا اور اللہ کا حکم آجائے گا تو پھر جہاد بھی کرلیں گے۔

جہاد کی اجازت ملنے کے بعد کی کیفیت:

اور پھر کچھ دنوں کے بعد اللہ کی طرف سے اجازت آگئی ''اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا'' کہ جن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جارہی تھی ان کو اجازت دے دی گئی لڑنے کی، حکم آگیا کہ اب لڑو جس وقت حکم آگیا تو اب دل بیٹھنے شروع ہو گئے، اور اس طرح سے کافروں کا خوف مسلط ہو گیا، ایسے ڈرنے لگ گئے جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ، اس سے زیادہ کیوں، اللہ تعالیٰ سے خوف عقلی ہے اور عقلی خوف کے اوپر وہ آثار طاری نہیں ہوا کرتے، اور دشمن سے خوف طبعی ہے اور طبعی خوف کے آثار جو ہیں وہ فوراً طبعیت کے اوپر نمایاں ہو جاتے ہیں، آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اللہ تعالیٰ کی جہنم کا تصور کریں، گناہ کرتے وقت بھی انسان کو آخر خیال آتا ہے لیکن انسان کانپتا نہیں، اس کا رنگ نہیں اڑتا اللہ تعالیٰ کا تصور کر کے، حالانکہ ایمانی طور پر آپ جانتے ہیں، عقلی طور پر آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے، اور جہنم نا قابل برداشت ہے، دنیا کی جیل اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی، اس کے باوجود آپ کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، کانپتے نہیں، آپ کا رنگ نہیں اڑتا، بدحواسی آپ پر طاری نہیں ہوتی، لیکن جب پولیس کی طرف سے گرفتاری کا خطرہ ہو جائے تو کس طرح سے ٹانگیں کانپنے لگ جاتی ہیں رنگ انسان کا اڑ جاتا ہے، اور اس دنیا کی جیل کے تصور کے ساتھ انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خوف طبعی ہے اور طبعی خوف کے اثرات جو ہیں وہ جلدی طاری ہو جاتے ہیں عقلی خوف کے اثرات ایسے نمایاں نہیں ہوا کرتے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ سے ڈر ہے تو اس کی رحمت کی امید بھی ہے اور دشمن سے ڈر ہی ڈر ہوتا ہے رحمت کی امید نہیں ہوتی اس کی بناء پر بھی اس کے اثرات زیادہ سخت ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان کے اوپر جہاد فرض کر دیا گیا لڑنا فرض کر دیا گیا تو اس طرح سے ان کے اوپر ہیبت طاری ہو گئی جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے اس سے بھی زیادہ لوگوں سے ڈرنے لگ گئے اب یہ نسبت جو ہے یہ تو جماعت کی طرف ہے، جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کی حکمت یہی ہے کہ کسی کی تعیین کر کے وہ برائی نہیں کرتا، جماعت کے اندر جب اس قسم کے افراد موجود

ہوتے ہیں تو ان افراد کی موجودگی میں جماعت کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے بعضے ایسے ہیں، بعضے ایسے ہیں، جس کے دل میں چور ہوگا وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ میرے متعلق کہا جارہا ہے، اور اجمالی طور پر سب کو محتاط کر دیا جائے گا کہ بعضے تم میں ایسے بھی ہیں جن کے جذبات ایسے ہیں ان کا خیال رکھو۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں اسی قسم کے جذبات کو ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے، ''ینظرون الیك نظرالمغشي علیه من الموت'' کہ جب جہاد کا حکم آیا تو آپ کی طرف یہ یوں جھانکتے ہیں جس طرح سے موت کے وقت غشی طاری ہو رہی ہو، موت کی غشی جس وقت طاری ہوتی ہے تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں، اور جب انسان کسی طرح سے ہیبت زدہ ہو جاتا ہے تو ہیبت میں کہتے ہیں کہ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس کی آنکھیں کھل گئیں، اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، تو جہاد کا حکم آجانے کے بعد تیری طرف ایسے جھانکتے ہیں جیسے ایسا شخص جھانکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہوتی ہے یہ بھی اس کمزور طبقے کی نشاندہی ہے منافق ہوں تو بھی اور منافق نہ بھی ہوں اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا ہو چونکہ ابھی وہ ظلم کی چکی میں پسے نہیں تھے، نئے نئے مسلمان ہونے والے کافروں کی طرف سے انہوں نے چھیڑ چھاڑ کو دیکھا نہیں تھا تو ان کی طبعیت میں ولولہ نہیں تھا، ایک قسم کی کمزوری تھی، تو ان کمزوروں کی حالت کا نقشہ جو ہے وہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

جذبہ جہاد میں رکاوٹ بننے والی چیزیں:

تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ انہیں اب کہہ دیجئے کہ یہ جو دل میں تمہارے ولولے اٹھتے ہیں کہ کچھ دیر اور مہلت ملتی ہم ان کے ساتھ اپنا وقت گزار لیتے انہیں کہہ دو کہ دنیا کا سازوسامان بہت کم ہے، تم جہاد سے جو جی چراتے ہو لڑنے مرنے کو جو تمہارا جی نہیں چاہتا یہ دنیا کا مفاد پیش نظر ہے، آخرت کے مقابلے میں دنیا کا مفاد کوئی چیز نہیں اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوں گی ان کو جو تقویٰ اختیار کریں گے، تقویٰ کا مطلب ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرو۔

اول بات تو یہ ہوئی کہ دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے جہاد کی مشقت سے جی چرانا یہ بھی گھاٹے کا سودا ہے، دنیا اور آخرت کا کوئی مقابلہ نہیں، جہاد سے ہٹو گے بظاہر تم دنیا سے فائدہ اٹھاؤ گے لیکن یہ فائدہ بہت کم ہے اور آخرت کے فائدے سے محروم ہو جاؤ گے، دوسری بات یہ کہ تمہارے دل میں یہ جذبہ ہو یہ خیال ہو کہ جہاد میں جائیں گے تو مر جائیں گے اس لئے تم موت سے ڈرتے ہوئے جہاد پر نہیں جاتے تو یہ بات اپنے دل میں راسخ کرلو کہ موت سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا نہ موت وقت سے ٹلتی ہے اگر تم بڑے بڑے اونچے اونچے محل بنا کر

مضبوط اور چونا گچ کر کے ان کو سنگ مرمر کے بنالو، تہہ خانے بنالو یا اونچے مکان بنالو جہاں کہیں بھی چھپ جاؤ موت تمہیں تلاش کر لے گی، موت سے تم بچ نہیں سکتے اس قسم کی تدبیریں اختیار کرنا جان بچانے کے لئے اس سے انسان بزدل مشہور ہو کر دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھا سکتا ہے، باقی اس قسم کی چیزوں کے ساتھ موت کا لقمہ بننے سے انسان بچ نہیں سکتا اس عقیدے کو جتنا مضبوط کیا جائے گا اتنا ہی جہاد کے اندر انسان بہادری دکھائے گا اور اس کے اندر قوت پیدا ہوگی اور یہ ایک واقعہ ہے اس کے اندر شک بھی کیا ہے؟ جو جہاد میں جاتے ہیں سارے مر نہیں جاتے اور جو گھروں میں چھپ کر رہتے ہیں وہ بچ نہیں جاتے۔

بزدلوں کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا پیغام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساری زندگی لڑائیوں میں رہے، وفات مدینہ منورہ میں گھر میں ہوئی اور آخر وقت میں کہتے تھے کہ میرے بدن کی ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں ہے کہ جس پر تیر تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو، لیکن آج میں گھر میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہا ہوں، بزدلوں کی آنکھیں کھل جائیں بزدلوں کو نیند نہ آئے، مقصد یہ تھا کہ میری حالت دیکھ کر بزدلوں کو چاہیئے کہ عبرت حاصل کریں کہ میدان میں جانا کوئی موت کا باعث نہیں ہے، اور گھر میں چھپنے والے دیکھ لیں جھونپڑیوں سے بھی جنازے اٹھتے ہیں، کچے مکانوں میں سے بھی جنازے اٹھتے ہیں، اور ایک ایک ہزار آدمی پہرے پر کھڑا ہو، کوٹھیوں کے اندر وہ بیٹھے ہوئے ہوں تو وہاں سے بھی جنازے نکلتے ہیں، دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں تو بھی جنازے نکلتے ہیں، فقیر ہو فاقہ مست ہو تو بھی جنازے اٹھتے ہیں تو کون سی ایسی کیفیت ہے کہ جس کے اعتبار سے آپ کہہ سکیں کہ فلاں کیفیت اختیار کرنے سے آدمی بچ سکتا ہے، جب موت نے وقت پر آنا ہے اور لازماً آنا ہے تو پھر یہ جان بچانے کی اور چھپنے چھپانے کی کیوں کوشش کرتے ہیں، موت نے آنا ہے، وقت پہ آنا ہے، میدان میں نکل کر جان دو گے بہادروں کی طرح تو اللہ کے ہاں اجر پاؤ گے ورنہ یہ جان جائے گی تو ضرور، اس طرح ان افراد کے دلوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے ان پہلی آیات میں۔

پہلے اصلاح نفس پھر میدانی زندگی:

کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جن سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اس میں تعمیر نفس ہے کہ پہلے اپنی تربیت کر لو اللہ تعالیٰ کے حکم کے اوپر چلنے اور مضبوط رہنے کی عادت ڈالو، جس وقت یہ پختگی پیدا ہو جائے گی تو اس کے بعد پھر جہاد کا حکم آئے گا۔

کیونکہ ثمرات جو حاصل ہوتے ہیں وہ تبھی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ انسان کی طبعیت میں خلوص آجائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی عادت پڑ جائے، وہ جہاد جو ہوگا وہ اللہ کے حکم کے تحت ہوگا، خلوص کے ساتھ ہوگا تو اس کے اوپر اچھے اثرات مرتب ہوں گے، اور جب تک انسان نے اپنے نفس کی اصلاح نہ کی ہوئی ہو تو بظاہر یہ جہاد ہوتا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے یہ فساد کی صورت اختیار کر جاتا ہے خلوص نہ ہونے کی وجہ سے، اور ہمارے اوپر اچھے اثرات اس لئے مرتب نہیں ہوتے چونکہ ہمارے نفس کی تعمیر نہیں ہے، جیسے اکبرالٰہ آبادی کہتے ہیں کہ

خدا کی قدرت دیکھیے کیا پیچھے ہے کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

کہ حضور ﷺ کو پہلے غار حرا میں بٹھایا گیا وہاں آپ سے مجاہدے کروائے گئے، ریاضت کروائی گئی اور اس ریاضت اور مجاہدے کے نتیجے میں بدر کے مقام پر پہنچایا گیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اصلاح نفس اور اس کے بعد پھر میدانی زندگی، اور ہمارے ہاں ترتیب الٹی ہوگئی کہ اصلاح نفس کی طرف تو توجہ ہی نہیں، قانون اسلام کے اجراء کے لئے جو لوگ اسٹیجوں پر جہاد کرتے پھر رہے ہیں وہ نماز تک کے پابند نہیں، اسلام اسلام زبانوں پر ہے لیکن اخلاق سارے کے سارے برباد اور تباہ، نجی زندگی جو ہوگی وہ بالکل ہی معصیت سے آلودہ تو ایسے لوگوں کی کوشش سے پھر اسلام بھی تو ایسا ہی آئے گا، اور اگر پہلے اپنی اصلاح کی ہوئی ہو اور خود اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہوں پھر جو زبان سے بات نکلے گی اس میں بھی اثر ہوگا، اور کوشش کا نتیجہ بھی کوئی اچھا نکلے گا، تو یہی تربیت تھی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کی گئی تھی کہ پہلے ان کو اقامت صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ پر پختہ کیا گیا اور کہا گیا کہ لوگوں کے ظلم برداشت کرو پھر بعد کے اندر جہاد کا حکم نازل ہوا۔

"فلما کتب علیھم القتال" جب ان کے اوپر لڑنا فرض کر دیا گیا اچانک ان میں سے ایک فریق ڈرتا ہے لوگوں سے مثل ڈرنے اللہ سے یعنی اللہ سے ڈرنے کی طرح، "خشیۃ اللہ" کے اندر مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا، اور کہنے لگ گئے یا ان کے دلوں میں ایسے وسوسے آنے لگ گئے، دلوں میں خیالات آنے لگ گئے، زبان سے کہنا مراد نہیں ہے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کر دیا کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں قریب وقت تک یعنی تھوڑی سی اور مہلت دے دیتا تاکہ امن اور چین سے وقت گزر جاتا، آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے، بہت تھوڑا ہے آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اور آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کریں، اور تم کچھ بھی ظلم نہیں کئے جاؤ گے، تمہاری حق تلفی نہیں کی

جائے گی، اللہ کے حکم کے ساتھ جو تم تقویٰ کرو گے اس کا اجر پورا پورا ملے گا، اور جان بچانے کا جذبہ اگر تمہارے دل کے اندر ہے تو یہ بھی سن لو کہ جہاں کہیں بھی تم ہو گے موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم مضبوط محلات میں ہوں، اور مضبوط قلعوں میں ہوں، یہ تو ہوگئی اس گروہ کی اصلاح جن کے دلوں کے اندر اس طرح کے وسوسے آتے تھے۔

منافقین کی اصلاح:

اب اگلی بات جو کہی جارہی ہے اس میں بھی منافقین کے طبقے کی اصلاح کرنا مقصود ہے بغیر ان کا عنوان قائم کیے کہ منافقین کے دل میں چونکہ سرورِ کائنات ﷺ کی عظمت تو تھی نہیں اور وہ آپ کو اللہ کا رسول دل کے عقیدے کے تحت تو مانتے نہیں تھے، وہ تو یوں سمجھتے تھے جیسے اللہ کی طرف نسبت کر کے خواہ مخواہ ایک اپنی شان بنالی ہے، ورنہ جس طرح سے دنیا کے اندر عام لیڈر ہوا کرتے ہیں راہنما ہوا کرتے ہیں اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں اس طرح انہوں نے بھی اپنا اقتدار قائم کرلیا، منافقین کے جذبات تو ایسے ہی تھے ہر بات پر تنقید کرنا ان لوگوں کا کام تھا اگر کسی جگہ سرورِ کائنات ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کرنے سے کوئی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ جاتا جیسے بدر میں فتح ہوگئی یا اس طرح سے دوسرے بعض مواقع پر تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس جی یہ تو من جانب اللہ چیز نصیب ہوگئی ورنہ اس میں تمہارا تو کوئی کمال نہیں ہے، تم نے تو بدنظمی میں کوئی کمی نہیں کی تھی لیکن بس اللہ کی طرف سے قدرتی طور پر جس طرح ہم کہتے ہیں کہ قدرتی طور پر اچھا نتیجہ نکل آیا، اس وقت اس کو منسوب کرتے تھے اللہ کی قدرت کی طرف اور اگر کوئی نقصان ہوجاتا کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو اس کو حضور ﷺ کی بے تدبیری کا نتیجہ بتاتے۔

جیسے احد میں جس وقت شکست ہوگئی تھی تو ان کی زبانیں جو کھلیں اس میں یہی بات تھی کہ ہماری بات نہیں مانی اپنی رائے پر عمل کیا جس کا نقصان اٹھالیا، اگر ہماری بات مان لیتے تو نقصان کیوں ہوتا، تو پھر وہ اس طرح سے زبان کے نشتر چلاتے کہ یہ ان کی بے تدبیری بے انتظامی کا نتیجہ ہے کہ یہ نقصان ہوگیا، فتح ہوجاتی تو آپ کی عقل کا یا آپ کی رائے کا کمال نہ بتاتے یہ تو قدرتی طور پر ہوگیا ان کا تو کوئی کمال نہیں، نقصان ہوتا تو ذمہ داری آپ پر ڈالتے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ان بے سمجھوں سے کہو کہ نفع ہو یا نقصان حقیقت کے اعتبار سے تو اللہ کی جانب سے ہے، اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں لیکن اس کے باوجود جو تمہیں خیر اور فضل پہنچے جو تمہیں بھلائی پہنچ جائے تو سمجھا کرو کہ یہ تمہیں اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ جب بھی انسان کو کوئی اچھی حالت پہنچتی ہے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اس حالت کے مطابق اس کا عمل نہیں ہے اگر حساب لگایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں جو ہر وقت ہم استعمال کرتے ہیں ہمارے اچھے سے اچھے عمل اس کا

معاوضہ نہیں ادا کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ہمیں نصیب ہیں تو ہمارے اعمال ہماری کوشش کتنی اچھی کیوں نہ ہو یہ تو کھائی پی ہوئی نعمتوں کا معاوضہ بھی نہیں بن سکتا، تو اس کو ہم مزید فوائد حاصل کرنے کا ذریعہ کیسے سمجھ لیں، اس لئے جو اچھی حالت ہمیں ملتی ہے وہ ہماری کوشش کی بجائے زیادہ تر اللہ کے فضل کے نتیجے میں ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔

''لن یدخل الجنة احد بعمله'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ''ولا انت'' آپ بھی اپنے عمل کے سبب سے نہیں جائیں گے فرمایا ''ولا انا'' میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک اعمال تو ہماری ان نعمتوں کا معاوضہ بھی نہیں بن سکتے جتنی نعمتیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں کھائے بیٹھے ہیں پھر جو نیکی کی توفیق ہوئی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہاں البتہ جس وقت ہمارے سامنے کوئی بری حالت آتی ہے، کوئی برا نتیجہ نکلتا ہے تو غور کریں گے تو یقیناً کسی نہ کسی درجے میں اپنی غلطی سامنے ہوتی ہے چاہے ہوتی وہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہے لیکن ظاہری نسبت اس کی ہماری طرف ہوگی کہ ہم نے اس کے ارادے کو استعمال کیا یا جو ہم پر چیز لازم تھی ہم نے اس کی رعایت نہیں رکھی اس سے اب اس حقیقت کو نمایاں کیا جا رہا ہے کہ اصل بات تو یہ ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہو یہ من جانب اللہ ہے لیکن اس ظاہری سطح کی طرف دیکھتے ہوئے اچھی حالت کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھیے اور جو بری حالت تمہیں پہنچ جائے تو وہ تمہارے اپنے نفس کی کسی کمی کوتاہی کی بنا پر ہوتی ہے جیسے بدر میں فتح ہوگئی تو حقیقت کے اعتبار سے بھی اللہ کا فضل، ظاہری طور پر بھی اللہ کا فضل اور رحمت ورنہ ہمارے پاس اتنے اسباب نہیں تھے، اور احد میں اگر شکست ہوگئی تو چاہے ہوئی اللہ کی مشیت کے تحت لیکن ظاہری سبب اس کا تمہاری کوتاہی بنی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی ہدایات کی پابندی نہیں کی یہ تو ہے سمجھ داری کی بات کہ حقیقت اللہ کی طرف منسوب کرنے کے باوجود انسان کسی بری حالت کو اپنے عمل کی کوتاہی کا نتیجہ سمجھے اور جو اچھی حالت آجائے تو اس کو اللہ کا فضل ہی قرار دے، سمجھ داری یہ ہے لیکن یہ ایسے بے سمجھ لوگ ہیں کہ یہ سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے کہ ان کو وہ بات سمجھائی جائے بس اپنی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

تو کوئی اچھی حالت آجائے تو اس کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں بایں معنی کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے، تمہاری کوشش کا نتیجہ نہیں ہے اور اگر کوئی بری حالت پہنچ جائے تو ذمہ داری آپ پہ ڈالتے ہیں حاصل ان سب باتوں کا یہ ہے کہ ان کے دل میں عظمت نہیں، اور آپ ان کی باتوں سے کوئی دکھ محسوس نہ کریں ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، یہ نہیں مانتے تو کوئی بات نہیں اللہ اس کے اوپر گواہ ہے اس طرح منافقین کی جو یہ ایک

نفسانی شرارت تھی، اس قسم کی باتیں کر کے وہ حضور ﷺ کی عظمت کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے ان الفاظ میں اس کی اصلاح کی گئی ہے اگر ان کو اچھی حالت پہنچ جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے یعنی اس میں کوئی کمال نہیں، قدرتی طور پر یہ نتیجہ سامنے آ گیا اور اگر ان کو کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، آپ کی بدانتظامی اور بے تدبیری کا نتیجہ ہے آپ کہہ دیجئے حقیقت کے اعتبار سے سب اللہ کی جانب سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھنے کے قریب نہیں جاتے، اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے جو تمہیں اچھی حالت پہنچے وہ تو اللہ کی جانب سے ہے ورنہ تمہارے عمل یا تمہاری تدبیر اس درجے کی نہیں ہوتی کہ اس کامیابی کو حاصل کر لے اور جو کوئی بری حالت پہنچے تو یہ انسان سے کہا جا رہا ہے کہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے غور کرو کوئی نہ کوئی کوتاہی سامنے آ جائے گی جس کے نتیجے میں وہ نقصان ہوا۔

"ماأصابك من سيئة" یہ خطاب عام لوگوں کو ہے اور آگے خصوصیت سے حضور ﷺ کو کہا جا رہا ہے کیونکہ جب مخاطب سارے بیٹھے ہوں تو اس طرح ضمیریں جو لوٹائی جاتی ہیں تو سننے والے موقع محل کے مطابق ان کے مرجع خود سمجھ جایا کرتے ہیں کہ کس کے متعلق کہا جا رہا ہے تو جب یہ بات کہی جائے گی کہ ہم نے تو صرف آپ کو رسول ہی بنا کر بھیجا ہے لوگوں کی طرف، ہم نے رسول بنا کر بھیجا تو متعین ہے کہ "ك" کا خطاب حضور ﷺ کو ہے اور اوپر والے "ك" کا خطاب عام ہے ہر کسی مخاطب کو اور اللہ گواہ کافی ہے۔

منافقین کے طرز پر حضور ﷺ کو اعراض کا حکم:

"ومن يطع الرسول فقد أطاع الله" جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اس میں یہ بات بتائی گئی کہ رسول جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے احکام کے تحت کہتے ہیں، اللہ کے اشارے کے تحت کہتے ہیں، اپنی جانب سے کچھ نہیں کہتے، رسول کا حکم ماننا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کا حکم ماننا، "ومن تولى" اور جو شخص پیٹھ پھیرے اور آپ کا حکم نہ مانے اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ذمہ دار ہیں، آپ ان کو صحیح راستے پر ضرور چلائیں یہ ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، "يقولون طاعة" جب آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو اس وقت باتیں ایسی کرتے ہیں جیسے انتہائی فرمانبردار ہیں، "أمرنا طاعة" اصل ترکیب کے لحاظ سے جملہ یوں بنتا ہے ہمارا کام تو ماننا ہی ہے، ہمارا کام تو اطاعت کرنا ہی ہے، جس کو ہم اپنے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سر تسلیم خم جو مزاج یار میں آئے، سامنے بیٹھ کر تو ایسے ہی کہتے ہیں آپ نے جو فرمایا ہمیں قبول ہے، ہمارا تو کام ہی یہ ہے کہ آپ حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں، ہم تو فرمانبردار ہیں، ہم تو پیدا ہی کہنا ماننے کے لئے ہوئے ہیں،

ہم آئے یہاں کس لئے ہیں؟ آپ کا کہنا نہیں مانیں گے تو اور کس کا مانیں گے سامنے بیٹھ کر تو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، بڑا جاںنثاری کا ثبوت دیتے ہیں، یہ بھی نفاق کا ایک شعبہ ہے کہ مجلس میں بیٹھ کر تو اس قسم کی باتیں کیں جب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے پھر جا کر ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، لو جی فلانی بات ایسی کر دی یہ کوئی کرنے کی بات تھی، یہ بھلا کوئی کام کرنے کا ہے جو کرنے کے لئے کہہ دیا کہ ایسے کر دو، اگر اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے تو فلاں جگہ مار کیوں کھائی ہے، پھر مجلسوں میں بیٹھ کر اس قسم کا مذاق اڑاتے ہیں تو یہ بھی ایک نفاق کا شعبہ ہے سامنے بیٹھ کر تو سر تسلیم خم اور پس پشت جا کر انہیں باتوں پر تبصرے اور مذاق اڑانا، تو یہ جو حالات ذکر کئے جا رہے ہیں اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اپنے کردار پر نظر ثانی کرو تمہارا کردار کوئی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے، اور معلوم بھی ہو گیا کہ کس طرح سے کرنا ہے یہ بھی نفاق کا شعبہ ہے۔

تو حضور ﷺ کی مجلس میں جس طرح سے یہ لوگ باتیں کرتے تھے ہر زمانے میں ہر دور میں اس قسم کے لوگ جماعتوں میں ہوا کرتے ہیں جب سامنے بیٹھے ہیں اپنے بڑے کے تو حال کچھ اور ہوتا ہے جب اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو حال کچھ اور ہوتا ہے یہ بھی ایک قسم کا نفاق ہے جو جماعت کے اندر بدنظمی پیدا کرتا ہے اور آپس میں جڑے نہ ہونے کی وجہ سے پھر اس کام کے اندر برکت نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو قبول کرنا ہی ہے، ہمارا کام تو ماننا ہی ہے جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک طائفہ باتیں کرتا ہے غیر اس کے جو وہ کہہ کر آتا ہے یعنی مجلس کے اندر جس قسم کی فرمانبرداری کر کے آتا ہے مجلس سے نکلنے کے بعد پھر ان کے جذبات فرمانبرداری والے نہیں ہوتے اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں جیسے بیت کا مفہوم آپ کے سامنے ذکر کر دیا کہ خفیہ طور پر بات کرنے کو بھی تبییت سے تعبیر کیا جاتا ہے چاہے رات کو نہ ہی ہو ورنہ اصل کے اعتبار سے رات کو چھپ کر کام کرنے کو کہتے ہیں، جیسے لڑائی جو چھپ چھپا کر کی جائے تو اس کو تبییت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جس کو آج کل شب خون مارنا کہتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ مجلس میں جا کے جو تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو ہم سے چھپی رہ جائیں گی، ”واللہ یکتب مایبیتون“ جو خفیہ طور پر یہ باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم لکھ رہے ہیں، اللہ لکھتا ہے ان باتوں کو جو وہ خفیہ طور پر کرتے ہیں۔

”فاعرض عنھم“ یہ ہے بڑوں والی بات جو سمجھائی جا رہی ہے کہ آپ ان سے اعراض کر جائیں، آپ ان کے پیچھے نہ پڑا کریں، ذرا ذرا سی بات معلوم ہو جائے تو آپ احساس کریں، افسردہ ہو جائیں غم زدہ ہو جائیں ان سے اعراض کر جاؤ ان سے منہ موڑ جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ان سے بنے بنائے گا کچھ

نہیں یہ بگاڑ کچھ نہیں سکتے، یہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتے، یہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ قائد کو اس قسم کی صفات کا حامل ہونا چاہیئے کہ جماعت کے اندر اس قسم کے افراد موجود بھی ہوں تو بس ان سے لاپرواہی کرو، اگر کبھی اس قسم کی باتوں کا پتہ چل بھی گیا اور چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کرنا اور ان کے پیچھے پڑ جانا یہ اچھی بات نہیں ہوتی اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے صحیح اصولوں پر چلتے رہو اور اگر کچھ افراد جماعت کے اندر ایسے موجود ہوں جن کا آگا کچھ ہے اور پیچھا کچھ ہے اور سامنے کچھ ہیں اور گھر جانے کے بعد کچھ ہیں تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اپنے طور پر صحیح اصولوں پر چلو اور ساتھ ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ جن کے ایسے حالات ہیں وہ اپنے حالات کو ٹھیک کر لیں۔

قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی روشن دلیل:

"افلایتدبرون القرآن" یہ لوگ آپ کو رسول نہیں سمجھتے اور ان کے دل میں آپ کے رسول ہونے کی عظمت نہیں ہے تو کیا یہ قرآن کریم میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ غور کریں تو انہیں پتہ چل جائے کہ یہ اللہ کی کلام ہے اور یہ جب اللہ کی کلام ہے تو جس پر اتری ہے وہ اللہ کا رسول ہے اور جب رسول اس کلام کے اشارات کی اتباع کرتا ہوا کوئی کام کرتا ہے تو اس میں اچھا نتیجہ سامنے آجائے برا نتیجہ سامنے آجائے جو کچھ بھی ہو رسول کو ملامت نہیں کی جاسکتی اگر یہ قرآن کریم میں تدبر کرتے تو یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ یہ اگر اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے لیکن قرآن کریم میں غور کرو اول سے لے کر آخر تک اس میں کسی قسم کا اختلاف نظر نہیں آئے گا ایک ہی جیسی کلام فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے، احکام کے اعتبار سے نچی تلی، کوئی حکم مصلحت کے خلاف نہیں، واقعات کے اعتبار سے ٹھیک کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کو آپ جھوٹا کہہ سکیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور آپ نے یوں کہہ دیا، انسان کا کلام ہو تو آپ کو اس میں مختلف چیزیں نظر آئیں گی، غصے کی حالت میں اس کی کلام اور طرح کی ہوتی ہے، پیار اور محبت میں اس کی کلام اور طرح کی ہوتی ہے، غصہ آیا ہوا ہو تو انسان اعتدال پر نہیں رہتا، محبت کا جذبہ ہو تو انسان اعتدال پر نہیں رہتا، غصے کی حالت میں کلام ہو رہی ہو اور درمیان میں اس کا دوست بھی آجائے تو اس کو بھی تلخ لہجے کے ساتھ جواب دے گا، چنانچہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یار موڈ ہی خراب تھا جس وقت ہم گئے تھے اس لئے بات الٹی کی ہے انہوں نے اور جس وقت وہ غصے کی کیفیت اتر جاتی ہے تو پھر انسان بات صحیح طریقے سے کرتا ہے اور اگر محبت کا جذبہ دل میں بیٹھا ہو تو دشمن بھی آجائے تو انسان اس کے حق میں بھی نرم ہوتا ہے اس قسم کے نشیب وفراز انسان کی کلام میں بہت ہوتے ہیں۔

لیکن قرآن کو اول سے لے کر آخر تک پڑھتے جاؤ اس قسم کا نشیب و فراز آپ کو کہیں بھی معلوم نہیں ہوگا، نہ غصے میں بات اعتدال سے ہٹتی ہے، نہ محبت میں بات اعتدال سے ہٹتی ہے، عین غصے کی حالت میں اگر نیکوں کا ذکر آگیا تو اسی طرح محبت سے ہو رہا ہے، عین محبت کی حالت میں اگر درمیان میں کافروں کا ذکر آگیا تو اس میں وہی چیز ہوگی، کوئی اختلاف کسی قسم کا نظر نہیں آتا، تو ایسی جڑی ہوئی کلام اللہ تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے اس سے عقائد حاصل ہو رہے ہیں جس طرح سے اصول ہوتے ہیں اور اس سے احکام نکل رہے ہیں جس طرح سے درخت سے شاخیں نکل رہی ہیں اور پھر اس کے اوپر ان کے ثمرات ذکر کر رہے ہیں جس طرح درخت کے اوپر پھل آتا ہے تو اول سے لے کر آخر تک ایک منظم طریقے سے نظر آتی ہے اگر اس کے اندر کسی دوسرے کا ذہن کارفرما ہوتا اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو اس طرح سے نظم بھی اس چیز کا معلوم نہ ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری کائنات میں یہی دلیل دی ہے، "لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا" اگر اللہ کے علاوہ اس میں کوئی اور الٰہ ہوتے تو اس میں فساد ہوتا، اس میں نظم نہ قائم رہ سکتا، اب باوجود اس بات کے کہ چیزیں مختلف ہیں لیکن ان میں کس طرح سے اتحاد ہے آگ پانی مٹی ہوا، آپس میں اتحاد کی صورت میں اس دنیا کے نظم کا باعث بنے ہوئے ہیں، زمین اور چیز ہے آسمان اور چیز ہے لیکن دونوں کا آپس میں ربط ہے جس کی بناء پر دیکھو کس طرح کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، سورج ہے چاند ہے اس طرح سے ساری چیزیں اپنے نظم کے ساتھ چلتی ہیں اور ان کے اثرات کس طرح سے متفق علیہ مرتب ہوتے ہیں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ساری کائنات کا نظم کسی ایک کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ کے ساتھ کسی غیر کے ہاتھ میں ہوتا تو اس طرح سے نظم بحال نہ رہ سکتا۔

جس طرح سے اب نظم ہے اور پھر انسانوں کی کلام ہوتی تو کتنے اختلافات اس میں نمایاں ہوتے، فصاحت کے اعتبار سے، بلاغت کے اعتبار سے، واقعات کے اعتبار سے، احکام کے اعتبار سے اور اسی طرح دوسری چیزوں کے اعتبار سے لیکن یہاں کسی چیز کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، فصاحت و بلاغت کا ایک ہی معیار ہے، احکام جتنے ہیں سب اعتدال پر مبنی ہیں، واقعات جتنے ہیں سب صحت پر مبنی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اس طرح سے جچے تلے الفاظ میں بیان کی گئیں ہیں کہ جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، اس سے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی کلام ہے اور اللہ کی کلام ہونے کے بعد آپ کی رسالت کا عقیدہ بنتا ہے اور رسالت کا عقیدہ بننے سے پھر آپ کی عظمت ان کے قلب میں آتی اور آپ کی اطاعت اس طرح سے کرتے جس طرح سے اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔

افواہیں پھیلانے والوں کو نصیحت :

"واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف '' یہ ان کی بدعنوانی ہے انتظامی طور پر کہ یہ اس قسم کے ہلکے پھلکے لوگ ہیں کہ کوئی خبر پہنچ جائے تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتے ایسے ہی مشہور کر دیتے ہیں، پروپیگنڈہ کرنے کا جس طرح سے لوگوں کو بڑا سلیقہ ہوتا ہے، بات ایک ہاتھ آ گئی فوراً اڑادی، تحقیق کی ضرورت ہی نہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط، اور بسا اوقات اس قسم کی افواہیں پھیلا دینا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے" امن "کا مطلب یہ ہے کہ خبر ایسی آ گئی کہ جس میں خوشی ہے امن کی خبر ہے اس کو سن کر انسان مطمئن ہو کر بیٹھ جائے، خوف کا مطلب یہ ہے کہ کسی دشمن کی طرف سے چڑھائی کا اندیشہ ہے تو بلا وجہ خوف و ہراس پھیلا دینا جیسے کوئی فوج باہر گئی ہوئی ہے تو ایسے ہی مشہور کر دینا کہ وہ فتح پا گئی ہے اور یوں ہو گئی ہے اور کبھی ایسے ہی مشہور کر دینا کہ ان کو شکست ہو گئی، یہ ذہنی پریشانی کی چیزیں ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر جنگ کے دوران ہر ملک میں افواہیں پھیلانے کے اوپر سخت پابندی لگی ہوئی ہوتی ہے کہ افواہوں کے ساتھ بسا اوقات خراب نتائج نکلتے ہیں، لوگوں کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں یا بلاوجہ لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نقصان سامنے آتا ہے، آپ حضرات کے سامنے شاید ۶۵ء والی جنگ کا نقشہ تو نہ ہو یہ جو ۶۵ء میں ہوئی تھی اس میں آپ نے ریڈیو پر سنا ہو گا کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد باقاعدہ یہ اعلان ہوتا تھا کہ افواہیں نہ پھیلائیں، افواہیں پھیلانے والوں کی نشاندہی کریں، ایسے لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، تو افواہیں پھیلانا جو ہے یہ ہمیشہ ملک کے اندر ایک بدنظمی کا باعث بنتا ہے، تو یہ ان کی بدنظمی ہے ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے، اگر کوئی خبر آئے تو اس کو لے جائیں اللہ کے رسول کے پاس یا اس معاشرے میں جو صاحب اختیار لوگ ہیں، سمجھدار قسم کے لوگ جو بات کی تحقیق کر کے یہ جان سکتے ہوں کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط تو پھر اگر وہ صحیح کہہ دیں پھیلانے کی ہو تو اس کو پھیلا دیا جائے، نہ پھیلانے کی ہو تو نہ پھیلایا جائے، بلا تحقیق بات کو سنا سن کر آگے مشہور کر دینا یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔

اس لئے حدیث شریف میں اس کی بہت سخت ممانعت آئی ہے، حدیث شریف میں الفاظ آتے ہیں ''کفیٰ بالمرءِ کذباً ان یحدث بکل ماسمع'' (مشکوٰۃ ص ۲۸) کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے نقل کر دیا کرے، جس کی یہ عادت ہو کہ سنی ہوئی بات کو آگے نقل کر دے گا آخر میں جھوٹوں میں شمار ہو جائے گا، جب ان کے پاس کوئی امر آتا ہے امن سے یا خوف سے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں، یہ اسی کمزور جماعت کی ایک بدانتظامی ہے، اگر اس کو لوٹا دیا کریں رسول کی طرف اور اپنے میں سے سمجھدار لوگوں کی

طرف، اولی الامر جیسے حکام پر بولا جاتا ہے اس طرح علماء فقہاء سمجھدار لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے سمجھدار لوگ مطاع ہوا کرتے ہیں معاشرے میں چاہے ان کو کوئی اقتدار نہ بھی حاصل ہو تو بھی عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے ان سے بات پوچھ کر اس کے اوپر عمل کرتے ہیں، ایسا سمجھدار طبقہ جو معاشرے میں اولی الامر کا مصداق ہوتا ہے، فقہاء علماء، صاحب رائے لوگ تو جان لیتے اس بات کو وہ لوگ جو اس کی تحقیق کر لیتے ہیں ان میں سے جن کو تحقیق کی عادت ہوتی ہے وہ جان لیتے ہیں جاننے کے بعد پھر وہ بتاتے ہیں کہ یہ اشاعت کے قابل ہے کہ نہیں ہے، اگر یوں کیا کریں تو ان کے حق میں بہتر ہے، اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے سے، تھوڑے سے جن کو اللہ نے سلیم الطبع بنایا ہے جن کی عقل سلیم ہے وہ بچ جاتے ورنہ اکثر و بیشتر شیطان کے طریقوں پر چل جاتے، یہ اللہ کا فضل و رحمت ہے کہ اس نے رسول بھیجا، کتاب نازل کی، موقع بموقع تمہیں ہدایات دی جارہی ہیں تو اس اللہ کی رحمت اور فضل کا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے اور ان احکام کی پابندی کرنی چاہیئے اس میں تمہارا فائدہ ہے اگر اللہ کی طرف سے اس طرح کی راہنمائی نہ ہوتی تو تم سب لوگ خسارے میں پڑ جاتے، شیطانی طریقہ اختیار کر لیتے، کچھ بچتے جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم یا طبیعت اچھی دی ہے تو وہ کوئی بچ بھی سکتے ہیں ورنہ اکثریت ایسی ہوتی جو شیطان کے متبع ہو جاتی۔

قتال فی سبیل اللہ کا حکم:

"فقاتل فی سبیل اللہ" شروع رکوع میں بعض لوگوں کا ذکر آیا تھا جو جہاد کے بارے میں اپنے دلوں کے اندر کمزوری رکھے ہوئے تھے، اور اسی کی مناسبت سے کچھ آگے مضامین ذکر کر دیئے گئے اس آیت میں پھر رجوع ہے اسی مضمون جہاد کی طرف، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو اللہ کے راستے میں لڑائی لڑ خطاب ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ قتال کریں اللہ کے راستے میں، نہیں تکلیف دیا جاتا تو مگر اپنی جان کی یعنی آپ اپنے نفس کے مکلف ہیں اور مؤمنین کو ترغیب دیتے رہیں اگر آپ کے ترغیب دینے سے کوئی شخص جہاد پر آمادہ ہو جائے، جہاد میں شریک ہو جائے اس کی سعادت ہے اور اگر آپ کے ترغیب دینے سے کوئی مائل نہیں ہوتا یا اس جہاد کے معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، اگر آپ اکیلے بھی اللہ کے راستے میں لڑنے کے لئے نکل جائیں گے تو اللہ کی نصرت آپ کے ساتھ ہوگی، اللہ آپ کو فتح دے گا، امید ہے قریب ہے یعنی امید کی جا سکتی ہے اور امید دلانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی امید دلائیں تو یہ وعدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، یہ بات قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے ان لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ لڑائی والا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔

شفاعت کا مفہوم اور شفاعت حسنہ کی ترغیب:

آگے مسئلہ ذکر کیا جارہا ہے شفاعت کا، شفاعت کا مفہوم آپ کی خدمت میں عرض کردیا گیا تھا کہ شفع جوڑنے کو کہتے ہیں اس لئے دو رکعات نفل کی یہ شفع کہلاتی ہیں جس کے مقابلے میں لفظ وتر آیا کرتا ہے اور یہ جو معروف شفاعت ہے جس کو ہم سفارش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کی رائے کے ساتھ اپنی رائے جوڑ دی اور اس کی قوت کے ساتھ اپنی قوت شامل کردی جس سے دوسرے کا کام بن جاتا ہے، اس کو تائید حاصل ہوجاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اچھی سفارش کرے تو اس کی وجہ سے اس کو ثواب کا حصہ ملے گا اور اگر کوئی بری سفارش کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کو گناہ کا حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، ماقبل کے ساتھ مناسبت اس کی بایں معنی ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی تھی، اور یہ دلالت علی الخیر ہے نیکی کے اوپر راہنمائی کرنا اور یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ''الدال علی الخیر کفاعله'' اگر کوئی شخص کسی نیکی کے اوپر دلالت کرتا ہے تو وہ اس کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جیسے نیکی کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اسی طرح اس نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والے کو نیکی پر دلالت کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے، اور سفارش میں بھی یہی بات ہے کہ ایک شخص کو نیکی کی ترغیب دی جاتی ہے، نیکی کے لئے راہنمائی کی جاتی ہے تو جیسے نیکی کرنے والے کو ثواب ملے گا اس کو بھی ملے گا۔

سرور کائنات ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو کوئی سائل آ گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اس کی سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ فرمائیں گے فرمائیں گے (مشکوٰۃ ص ۴۲۲) تمہیں سفارش کرنے کا ثواب بہرحال مل جائے گا، اس میں بھی یہی ترغیب دینا مقصود ہے کہ کسی مسکین، کسی محتاج کی سفارش کردینا اور اس کا کام بنوانے کی کوشش کرنا یہ نیکی کا کام ہے، یہ دلالت علی الخیر ہے اس سے انسان کو اجر ملتا ہے لیکن شفاعت کے ساتھ قید لگادی حسنہ کی اچھی سفارش، اچھی سفارش کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے سفارش کی جائے وہ مقصد بھی اچھا ہو اور اس سفارش کرنے کے لئے طریقہ کار بھی جائز اور اچھا اختیار کیا جائے اگر مقصد اچھا نہیں تو ایسی صورت میں بھی شفاعت کو شفاعت حسنہ نہیں کہیں گے، اور اگر مقصد تو اچھا ہے لیکن اس کے لئے طریقہ کار غلط اختیار کیا گیا تو ایسی صورت میں بھی شفاعت حسنہ نہیں ہوگی، بلکہ شفاعت سیئہ کے اندر شامل ہوجائے گی، اچھا مقصد تو یوں کہ ایک واقعی ضرورت مند ہے یا مظلوم ہے اور وہ کسی سے اپنا حق طلب کرتا ہے یا کسی سے کوئی امداد چاہتا ہے، اور آپ

مناسب طریقے سے سفارش کریں کہ دوسرے کے اوپر کوئی رعب ڈالنا مقصود نہیں ہے وجاہت کا اثر ڈالنا مقصود نہیں ہے کہ وہ آپ کے سامنے مجبور ہو جائے آپ کی بات ماننے پر اور دل کے تقاضے کے مطابق وہ عمل نہ کر سکے یہ سفارش جو ہو گی یہ باعث ثواب ہے اگر سفارش کرنے والا اس کو مجبور کرے اس کے اوپر کوئی وجاہت کا اثر ڈالے اور وہ شخص طیب نفس سے اس کی امداد نہ کرے، شرما شرمی کرے آپ کے رعب میں آ کے امداد کر دے۔

تو آپ کے سامنے پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہوتا مگر اس کی دل کی خوشی کے ساتھ، تو یوں دباؤ ڈال کر، رعب ڈال کر، وجاہت کا اثر ڈال کر اس کی مرضی کے خلاف اس سے پیسے نکلوا کے کسی مسکین کی امداد کروا دی جائے تو یہ اچھی بات نہیں ہے، مقصد چاہے نیک تھا لیکن طریقہ کار اچھا اختیار نہیں کیا گیا یا مدرسے کا چندہ کرنے کے لئے کوئی ناجائز ذریعہ اختیار کیا جائے اور اس ناجائز ذریعے کے ساتھ امداد وہاں پہنچائی جائے طریقہ بھی درست نہیں، پھر شفاعت حسنہ کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ آپ سفارش کر دیں، متوجہ کر دیں، ترغیب دے دیں، دوسرے کے لئے اس کا ماننا ضروری نہیں ہوتا کہ دوسرا مان بھی لے اور اگر وہ نہ مانے تو سفارش کرنے والے کے لئے کوئی ناراضگی نہیں ہونی چاہیئے، یہ درجہ ہے سفارش کا اور اگر سفارش کرنے والا ناراض ہو جائے کہ میری سفارش کیوں نہیں مانی گئی تو یہ سفارش نہیں یہ حکم ہے، حکم اور سفارش کے درمیان فرق ہے، ایک ہے کہ ایک بڑا چھوٹے کو حکم دے دے کہ یوں کام کر اس میں تو اس درجے کے مطابق تعمیل ضروری ہے، ایک ہے مشورہ اور سفارش اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی رائے ظاہر کر دی باقی دوسرے کو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور اگر وہ قبول نہیں کرتا تو سفارش کرنے والے کو کوئی ناراضگی نہیں محسوس کرنی چاہیئے۔

حضور ﷺ کا حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی سفارش کرنا:

حدیث شریف میں واقعہ موجود ہے کہ بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں اور ان کا نکاح ہوا تھا مغیثؓ کے ساتھ وہ بھی غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے ہیں تو جب بریرہؓ کو حضرت عائشہ نے آزاد کیا تو پہلے سرور کائنات ﷺ نے شرعی مسئلے کو واضح کرتے ہوئے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ تجھے اختیار ہے چاہے تو مغیث کے ساتھ نکاح کو باقی رکھ چاہے تو نہ رکھ، جس کو آپ خیار عتق سے تعبیر کرتے ہیں کہ جب کوئی باندی آزاد ہو جائے تو اس کو اجازت ہے کہ پہلا نکاح جو اس کے مولیٰ کے زمانے کا ہو یا ہوا ہے اس کو باقی رکھے یا توڑ دے اس کو خیار عتق کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جس طرح سے خیار بلوغ کا ذکر آپ کے سامنے کتابوں میں آتا ہے اگر باپ اور دادا کے علاوہ کسی

دوسرے متولی نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہوتے ہی اس کو اعتراض کر کے اپنا نکاح تڑوانے کا حق ہے اس کو خیار بلوغ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، باپ کا کیا ہوا نکاح اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی، دادے نے کیا ہو تو اس کے خلاف بھی اپیل نہیں ہو سکتی، ہاں البتہ اگر ان کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہے، چچا نے کیا ہے، چچا کے بیٹے نے کیا ہے، بھائی نے کیا ہے ان سب میں سے اگر کسی نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تو مسئلہ یہ ہے کہ بالغ ہوتے ہی وہ کہہ دے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں ہے تو ایسی صورت میں وہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

تو جس طرح خیار بلوغ ہے اسی طرح خیار عتق بھی ہے تو حضور ﷺ نے خیار عتق کا مسئلہ واضح فرمایا اور بریرہؓ سے کہہ دیا کہ تیری مرضی اس نکاح کو باقی رکھ تیری مرضی توڑ دے بریرہ رضی اللہ عنہا اس نکاح کو توڑنے کے لئے آمادہ ہو گئیں، نکاح اس نے فسخ کر دیا، مغیثؓ کو بہت محبت تھی بریرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ، وہ بے چارہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے روتا پھرتا تھا اور بریرہ رضی اللہ عنہا ادھر جھانکتی بھی نہیں تھی، تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عباس! دیکھو مغیثؓ کو کتنی محبت ہے بریرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ، اور بریرہ رضی اللہ عنہا کو کتنا بغض ہے مغیثؓ کے ساتھ، تو اس مغیث کا حال دیکھ کر حضور ﷺ نے سفارش کی اور کہا بریرہ! کیا ہی اچھا ہو کہ تو اس کی طرف رجوع کرے تو بریرہ رضی اللہ عنہا باوجود اس بات کے کہ باندی تھی لیکن اتنی سمجھ اس کو ہو چکی تھی اسلامی معاشرے میں رہنے کی وجہ سے کہ مشورہ میں اور حکم میں فرق ہوتا ہے، تو پوچھتی ہے یا رسول اللہ! اگر حکم ہے تو سر آنکھوں پر، آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تو فرمایا کہ پھر مجھے ضرورت نہیں، مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو جب شارع علیہ السلام کے مشورے کو بھی آدمی اپنی ثواب دید کے مطابق رد کر دے تو یہ نہ معصیت ہے اور نہ اس میں کوئی ناراضگی کی بات ہے تو کسی دوسرے کا درجہ کیا ہو سکتا ہے۔

سفارش کا حکم:

اس لئے مشورے سفارش اور حکم میں فرق ہوتا ہے، حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی بشرطیکہ حکم دینے والا آپ کے اوپر کوئی حق رکھتا ہو حکم دینے کا، جس درجے کی اطاعت واجب ہے اس درجے کا حکم ماننا ضروری ہے اور اگر مشورہ دیا جائے وہ چاہے بڑے کی طرف سے ہو چاہے چھوٹے کی طرف سے، سفارش کی جائے چاہے بڑے کی طرف سے ہو چاہے چھوٹے کی طرف سے ہو پھر انسان اپنی ثواب دید کے مطابق قبول بھی کر سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے، اس کی یہ شرعی حیثیت نہیں کہ اس کو ضرور مانو اور اس کے رد کرنے کی صورت میں سفارش کرنے والے کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اگر یہ ناراض ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو سفارش کا مطلب نہیں

سمجھتا، یا یہ سفارش نہیں بلکہ حکم ہے، تو شفاعت حسنہ کے اندر یہ بات ہوا کرتی ہے کہ مقصد اچھا، اس کے لئے طریقہ کار اچھا، اور سفارش کرنے والا اپنی رائے ظاہر کر کے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس کا منوانا یا دوسرے کا ماننا کوئی ضروری نہیں ہوتا، اور اس کے مقابلے میں شفاعت سیئہ بری سفارش غلط مقصد کے لئے کی جیسے ایک مجرم پکڑا گیا اور اس کے اوپر شرعی سزا جاری ہو رہی ہے اور آپ اس کو بچانے کے لئے سفارش کرتے ہیں، ظالم کی سفارش کرتے ہیں تا کہ اس کو سزا نہ ہو تو برا مقصد ہے یہ شفاعت جو ہے یہ شفاعت سیئہ ہے۔

شفاعت سیئہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہار ناراضگی:

اس کے مطابق بھی واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے فتح مکہ کے موقع پر یا حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف لائے تھے اور آپ کے اختیارات وہاں قائم ہو چکے تھے، اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی غالباً حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے قریش کا ایک خاندان تھا بنو مخزوم، ان کی ایک لڑکی تھی فاطمہ نامی، مالیات کے بارے میں کچھ اس کی عادت خراب تھی جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کی عادت تھی کہ لوگوں سے مانگ کر کوئی چیز لیتی بعد میں انکار کر دیتی کہ میں نے تو لی ہی نہیں ہے، مالیات کے بارے میں کچھ غیر محتاط تھی، اور چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش ہو گیا اور چوری ثابت ہو گئی تو مسئلہ یہ ہے کہ جب حاکم وقت کے سامنے حد شرعی کا ثبوت مہیا ہو جائے پھر اس کی حد کے معاف کرنے کا اختیار حاکم کو بھی نہیں ہے، یہ حق اللہ کا ہے اس کو حاکم معاف نہیں کر سکتا، ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کسی چور کو پکڑ لیں اور اس کو وہیں معاف کر دیں، اپنا سامان اس سے لے لیں یا سامان بھی چھوڑ دیں اور مقدمہ عدالت میں نہ لے کر جائیں ایسا ہو سکتا ہے یعنی صلح چور کے ساتھ ہو سکتی ہے، عدالت میں جانے سے پہلے شرعی حق ہے آپ کو صلح کرنے کا، آپ اپنا حق معاف کر دیں، چور کے اوپر گرفت نہ کریں یا مال اس سے واپس لے لیں اور اس کی کوتاہی اس کو معاف کر دیں، آپس میں مل جل کر ایسی کاروائی کر لی جائے اس کا شرعی جواز ہے، لیکن جس وقت حاکم کے سامنے جرم پہنچ جائے اور اس کے اوپر شہادت ہو جائے پھر اس کو معاف کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں ہے یہ حد جو ہے یہ حق اللہ ہے، یہ حق العبد نہیں ہے، اس کو کوئی شخص معاف نہیں کر سکتا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی چوری کی شہادت ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا ''قطع الید'' کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اب وہ خاندان جو تھا چونکہ بہت معزز تھا، یہ لڑکی قریش کے قبیلے میں سے تھی، بہت فکر مند ہوئے کہ اس میں تو رسوائی ہے کہ ہماری لڑکی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے لیکن ڈرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سفارش

کے لئے کوئی نہیں جارہا تھا، قبیلے والوں نے سوچا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جرأت کرسکتا ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سفارش کرنے کی جرأت کرسکتا ہے اسامہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا متبنیٰ بنالیا تھا زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا اور پھر سورۃ احزاب کی آیات کے اترنے کے بعد اس نسبت کو ختم کیا گیا، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہلایا، ورنہ متبنیٰ بننے کے بعد وہ زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا، اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی، اور پھر ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، ام ایمن رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی باندی تھی، اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خدمت کی تھی بچپن میں، تو اصل میں آپ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کردی تھی تو اس وقت اسامہؓ پیدا ہوا ہے تو گویا کہ دونوں نسبتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو عزیز رکھتے تھے، زید رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کی نسبت سے بھی، بہت محبت تھی اس کے ساتھ، اس لئے حدیث شریف میں جب ان کا ذکر آتا ہے تو ان کو حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پیار کرتے تھے انہیں کہا تو یہ تیار ہوگئے سفارش کرنے کے لئے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اس سلسلے میں بات کی تو بات سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی غصہ آگیا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور فرمانے لگے ''افی حد من حدود اللہ'' اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو، پہلی امتیں اسی لئے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کے اندر کوئی بڑا شخص چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور غریب آدمی چوری کرلیتا تھا تو اس پر سزا جاری کردیتے تھے۔

اور تم ہم سے یہی چاہتے ہو کہ چونکہ یہ قریش کی لڑکی ہے، بڑے خاندان کی ہے اس لئے اس کو سزا نہ دی جائے اور اگر کسی غریب خاندان کی لڑکی ہوتی، غریب گھر کی لڑکی ہوتی تو کوئی اس کو بچانے کی کوشش نہ کرتا، پہلی امتوں کے لئے بربادی اسی راستے سے آئی ہے کہ بڑوں پر قانون کو جاری نہیں کرتے تھے اور چھوٹوں کا رگڑا نکالتے تھے، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فاطمہ بنت مخزوم کی بات کرتے ہو اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتی اور چوری کرتی ہوئی پکڑی جاتی میں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، اب اس قسم کی سفارش جو کسی مجرم کی کی جائے اور اس پر شرعی قانون کے لاگو ہونے سے بچانے کی کوشش کی جائے، ظالم کسی گرفت میں آگیا اور اس ظالم کو بچانے کے لئے جو سفارش کی جائے گی یہ شفاعت سیئہ ہے، یہ شفاعت حسنہ نہیں یہ تو برے مقصد کے لئے ہوئی، یا مقصد اچھا ہے لیکن طریقہ کار برا اختیار کیا گیا ہے، جیسے پہلے مثال میں نے آپ کی خدمت میں دے دی یہ شفاعت سیئہ ہے اس کا گناہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرمایا کرتے ہیں احکام کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے تاکہ ان کے اوپر عمل کی فکر انسان کے اندر پیدا ہو جائے۔

مختلف قوموں کے استقبالیہ الفاظ اور اسلام کا حکم:

اگے آ گیا تحیہ کا مسئلہ، ملاقات کے وقت جب دو شخصوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے تو اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں بھی کچھ ایسے الفاظ مروج تھے جو ایک دوسرے کے سامنے استقبال کے طور پر تطییب خاطر کے لئے بولے جاتے تھے، جیسے عرب میں رواج تھا ''اهلا وسهلا مرحبا'' یہ الفاظ کہنے کا یا جس سے ملاقات ہوتی اسے کہتے ''حيك الله انعم الله بك صباحا انعم الله عيناً'' اللہ تعالیٰ تیری آنکھیں ٹھنڈی کرے، صبح کے وقت تو خوش ہو جا، اس قسم کے الفاظ ملاقات کے وقت کہے جاتے تھے یا جیسے یہ انگریز ہیں وہ لوگ جس وقت ملتے ہیں آپس میں تو گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ، گڈ نائیٹ، صبح اچھی ہو، شام اچھی ہو، رات اچھی ہو، اس قسم کے لفظ وہ ملاقات کے وقت بولتے ہیں، اسلام سے پہلے بھی یہ رواج تھا لیکن سرور کائنات ﷺ نے اسلامی معاشرے کا جو طریقہ بتایا ملاقات کے وقت آپس میں الفاظ بولنے کا ایسے الفاظ بولنے کی بھی اجازت ہے جس کے اندر کوئی کفر کا شرک کا معنی نہ پایا جاتا ہو، جو کسی کافر قوم کا شعار نہ ہو ایسے لفظ بھی بولے جا سکتے ہیں دعائیہ الفاظ لیکن ابتداء جو ہے وہ لفظ سلام سے ہونی چاہئے ''السلام علیکم''۔

سلام کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جس وقت پیدا کیا تو آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد آدم علیہ السلام سے کہا تھا فرشتوں کی ایک جماعت کے متعلق کہ ان کو جا کے کہو السلام علیکم پھر سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، آدم علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا، فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے آدم! یہی ہے سلام تیرا اور تیری اولاد کا آپس میں (مشکوٰۃ ص ۳۹۷) تو گویا کہ اس سلام کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوئی اور آدم علیہ السلام سے اس کو شروع کیا گیا بنی آدم کے اندر اسی طریقے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند کیا گیا کہ جب آپس میں ملاقات ہو تو ایک دوسرے کو کہو السلام علیکم تو یہ لفظ سلام اصل کے اعتبار سے آپس میں تعلق اور محبت کی علامت قرار پایا، جب آپس میں تعلق اور محبت ہوتا ہے تو بھی آپس میں السلام علیکم کہا جاتا ہے جہاں محبت پیدا کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی السلام علیکم کہا جاتا ہے۔

سلام کو عام کرنے کا حکم:

حدیث شریف میں ترغیب اسی طرح سے آئی ہے، مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کتاب الآداب باب السلام میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”لا تدخلوا الجنة حتیٰ تومنوا“ تم ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اور تم کامل مؤمن نہیں سمجھے جاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، جب تک آپس میں محبت سے نہ رہو اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں اور پھر میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتادوں کہ جب تم وہ اختیار کروگے تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے گی، ”افشوا السلام بینکم“ (مشکوٰۃ ص ۳۹۷) آپس میں اس سلام کو ظاہر کیا کرو، جب ایک دوسرے کو السلام علیکم کہو گے دوسرا وعلیکم السلام کہے گا، تو ان الفاظ کی تاثیر ہے کہ جس کے ساتھ علیک سلیک ہوجائے تو آپس میں تعلق بھی ہوجاتا ہے، آپس میں محبت بھی ہوجاتی ہے اس لئے ترغیب دی گئی کثرت کے ساتھ سلام کہنے کی کہ چاہے کسی کو پہچانو چاہے کسی کو نہ پہچانو، سلام کہا کرو بلکہ یہ علامات قیامت میں شمار کیا گیا سلام معرفت جس طرح سے آج کل ہم سلام کہتے ہیں اس کو سلام معرفت کہا جاتا ہے، کوئی جان پہچان والا آگیا تو السلام علیکم اور اگر کسی کے ساتھ جان پہچان نہیں ہے تو کوئی توجہ نہیں، اس کو کہتے ہیں سلام معرفت، اور علامات قیامت میں ہے کہ لوگوں کے اندر یہی سلام جاری ہوگا کہ جان پہچان ہوگی تو سلام کہیں گے، جان پہچان نہیں ہوگی تو السلام علیکم بھی نہیں کہیں گے، حالانکہ صراحت کے ساتھ حدیث شریف میں ترغیب دی گئی ہے کہ چاہے کسی کو پہچانو چاہے کسی کو نہ پہچانو سلام کیا کرو۔

”علی من عرفت و من لم تعرف“ (مشکوٰۃ ص ۳۹۷) جس کو پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کہو اور جس کو نہیں پہچانتے اس کو بھی سلام کہو، ابتداءً سلام کہنے والا اللہ کا محبوب ہے اور اس کو افضل قرار دیا گیا ہے، جو پہلے سلام کہے اس کو افضل قرار دیا گیا ہے بمقابلہ اس کے جو سلام کا جواب دیتا ہے، تو سلام کہنا سنت ہے اور اس کی کثرت مطلوب ہے یہاں تک ہے کہ گھر جاتے ہو تو گھر میں بھی سلام کہہ کے داخل ہوو، کسی مجلس میں گئے ہو تو مجلس میں جاکے بیٹھے ہو تو مجلس میں سلام کرکے بیٹھا کرو، اٹھا کرو تو سلام کہہ کے اٹھ کے آؤ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں اسی نیت کے ساتھ جایا کرتے تھے، کیونکہ وہاں لوگوں کے ساتھ ملاقات کثرت کے ساتھ ہوتی ہے تو ہم کثرت کے ساتھ السلام علیکم کہیں گے حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار جاتے تھے تو اسی غرض کے ساتھ جاتے تھے کہ بھائی ہم تو اس لئے جاتے ہیں تاکہ بازار میں لوگوں سے ملاقات ہوگی اور ہم السلام علیکم کہیں گے (مشکوٰۃ ص ۴۰۰)۔

کافروں کو سلام کہنے اور جواب دینے کا حکم:

البتہ کافر کو ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کوئی کافر السلام علیکم کہہ دے پھر اگر آپ کو مغالطہ لگ جائے اور تحقیق ہو جائے کہ اس نے السلام علیکم لفظ صحیح نہیں ادا کیا، بلکہ یہودیوں کی طرح السام علیکم کہہ دیا لام کھا گئے، جیسے یہودی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتے تھے تو آ کے السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے تھے لام کو حذف کر جاتے تھے اور پھر یہ دعا کی بجائے بددعا بن جاتی سام کہتے ہیں موت کو تم پر موت ہو بددعا بن جاتی ہے۔

تو ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی یہودی آیا تو اس نے اس طرح سے سلام کہا آپ رضی اللہ عنہا نے اس کو برا بھلا کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سختی نہ کرو نرم زبان استعمال کرو، وہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں کہ اُس نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سن لیا ہے اور میں نے بھی علیکم کہہ دیا ہے، علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر یہ ہو، ان کی بددعا میرے لئے قبول نہیں ہوگی میری بددعا ان کے لئے قبول ہو جائے گی (مشکوٰۃ ص ۳۹۸) تو چونکہ یہود اس قسم کی شرارت کیا کرتے تھے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ اگر کوئی یہودی سلام کہے تو اس کو علیکم کے ساتھ جواب دے دیا کرو بس زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بعض روایتوں میں علیکم ہے، اور بعض روایتوں میں وعلیکم ہے، بہرحال آگے سلام کا لفظ نہیں ہے لیکن بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ صراحتاً لکھا ہے کہ اگر کسی کافر نے شرارت نہیں کی اور صحیح طور پر السلام علیکم کہا ہے، تو اس کے جواب میں صرف علیکم کہہ دیا جائے تو گنجائش ہے، وعلیکم السلام کہہ دیا تو گنجائش ہے بلکہ اگر کوئی مصلحت ہو مانوس کرنے کی اور اسی طرح دفعِ ضرر یا کسی اور مصلحت کے تحت ابتداءً بھی کافر کو سلام کہا جائے تو بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی اجازت ہے۔

سلام کہنے کے مختلف مسائل:

اور سلام کہتے وقت آپس میں بھی اس موقع محل کو دیکھنا چاہیئے کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو سلام نہ کہیں، کوئی پیشاب پاخانے میں مصروف ہے تو اس کو سلام نہ کہیں، توجہ کے ساتھ کوئی کھانا کھا رہا ہے اور مطالعے کے اندر مشغول ہے اس کی توجہ ہٹے گی اس کو بھی سلام نہ کہیں اور ایسے موقع پر سلام اگر کہہ دیا تو جواب واجب نہیں ہے عام حالات میں جس وقت سلام کیا جائے اس وقت سلام کا جواب دینا واجب ہے تو دیگر احکام ان کے حدیث شریف میں آتے رہتے ہیں، موٹی موٹی باتیں یہی ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کر دی گئیں۔

بہرحال اس میں کثرت مطلوب ہے جب بھی ملاقات ہو ایک دوسرے کو السلام علیکم کہو یہاں تک کہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی چلے جا رہے ہوں مل کے اور جاتے جاتے راستے میں درخت آ گیا اور ایک ادھر سے ہو گیا اور ایک ادھر سے ہو گیا، یہ ایک لمحے کے لئے جو آپس میں جدائی ہوئی ہے پھر بھی جب آمنا سامنا ہو تو السلام علیکم کہو تو اس میں انہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ابھی تو اکٹھے تھے ابھی پھر السلام علیکم، نہیں جب بھی غیوبت کے بعد آمنا سامنا ہو تو کلام کی ابتداء جو ہے وہ السلام علیکم کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

سلام ایک دعا اور امن کا پیغام ہے:

"السلام" اللہ کے اسماء میں داخل ہے، اور ویسے اس کا معنی ہے سلامتی، تو جب ہم السلام علیکم کہیں گے تو اس میں اللہ کا ذکر بھی آ گیا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ چونکہ سلام ہے سلامتی دینے والا ہے، وہ تمہیں سلامتی نصیب فرمائے، اس میں یہ دعا کا مفہوم بھی ہے تو اس سلامتی کی دعا کے اندر اس دنیا کی آفات آخرت کی آفات کی سلامتی ہے تو اللہ کا ذکر بھی ہے اور دعا بھی ہے، اور پھر ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے لئے امن کا پیغام بھی ہے تو جب آپ کسی پر السلام علیکم کہہ دیں گے تو گویا کہ آپ نے اس کو مطمئن کر دیا کہ میری طرف سے آپ کے لئے سلامتی ہے، آپ اپنی جان کا مال کا عزت کا کوئی نقصان میری طرف سے محسوس نہ کریں، میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، اور جب وہ بھی کہہ دے گا وعلیکم السلام اس صورت میں اس کی طرف سے بھی اسی بات کا اظہار ہو گیا ایک دوسرے کے لئے گویا کہ امن کا پیغام، سلامتی کا پیغام یہی ذریعہ بنتا ہے پھر آگے محبت کے پیدا ہونے کا۔

تو یہ الفاظ ان تمام الفاظ سے اچھے ہیں جو مختلف لوگوں کے درمیان رائج تھے، اس سلام کی ترغیب دی گئی کہ یہ سلام کثرت کے ساتھ کیا کرو۔

سلام کے جواب میں اضافہ کا حکم:

اور یہ کہا گیا کہ جو تم کو سلام کہے کوشش کیا کرو اس سے اچھا جواب دینے کی بس السلام علیکم کسی نے کہا تو آپ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہہ لیجئے اور اگر کسی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو آپ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ دیجئے اور اگر اس نے بھی برکاتہ کا لفظ بڑھا دیا تو برکاتہ کے اوپر اضافہ یہ سنت نہیں ہے اگرچہ مشکوٰۃ کی ایک روایت میں "مغفرتہ" کا اضافہ بھی ہے لیکن عام روایات میں مغفرتہ کا اضافہ نہیں ہے برکاتہ تک ہے اس لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ سنت یہاں تک ہی ہے اگرچہ جائز ہے مغفرتہ کا اضافہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس قدر یہ لفظ بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر نیکیوں میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ السلام علیکم کہو تو دس نیکیاں ہیں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کہو تو بیس نیکیاں ہیں، اور اگر برکاتہ کا اضافہ کرلو تو تیس نیکیاں ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۹۸) اور اس روایت کے اندر جس کے اندر مغفرتہ کا اضافہ آیا ہوا ہے کہ ایک کہنے والے نے یہ کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے چالیس نیکیاں ہیں مشکوٰۃ شریف (۳۹۸) میں موجود ہے جواب دیتے وقت اس سے اچھا جواب دو کہ جیسے اس نے سلام کہا ہے اسے جواب دیتے وقت اس سے اچھے الفاظ استعمال کرو لیکن اگر اس نے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور تم کم لفظ استعمال کرو تو بالاجماع یہ بھی جائز ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے والے کو جواب صرف وعلیکم السلام کہہ دیا جائے یہ بھی کافی ہے، وجوب اس کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے، جذبات اچھے ہونے چاہئیں اور الفاظ میں وسعت ہونی چاہیئے یہ زیادہ مطلوب ہے، ''واذا حییتم بتحیۃ'' اور جس وقت تمہیں کوئی دعا دی جائے لفظی معنی تو یہی ہے لیکن مراد یہاں یہ ہے کہ سلام کیا جائے کیونکہ تحیہ اب عرف شرع کے اندر سلام کے ساتھ مخصوص ہوگیا، ''فحیوا باحسن منھا'' تو تم سلام کیا کرو اس سے اچھے تحیہ کے ساتھ، تم تحیہ کیا کرو اس پر اس سے اچھے تحیہ کے ساتھ، اس کو دعا دیا کرو اس سے اچھے الفاظ کے ساتھ ''اوردوھا'' یا اسی کو لوٹا دیا کرو، لوٹانا واجب ہے ابتداءً سلام کہنا سنت ہے ''ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا'' اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر محاسب ہے حساب لینے والا ہے۔

عورت کو سلام کرنے کا حکم:

سوال عورت کو سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ مسئلہ تھوڑی سی کچھ تفصیل چاہتا ہے، عورت سے کیا مراد ہے؟ ماں بھی عورت ہے، بہن بھی عورت ہے، بیٹی بھی عورت ہے، بیوی بھی عورت ہے، ماں کو سلام کہو بالکل ٹھیک ہے، بہن کو سلام کرو بالکل ٹھیک ہے، بیٹی کو کہو، بیوی کو کہو اور ان کے ساتھ مصافحہ بھی جائز ہے، سلام کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ مصافحہ بھی کیا جاسکتا ہے، محارم کے ساتھ مصافحہ درست ہے، اور اگر وہ عورت اس درجے کی ہے کہ اگرچہ وہ آپ کی قانوناً محارم نہیں ہے، لیکن ہے محارموں کی طرح جیسے پھوپھی قانوناً محرم ہے، خالہ محرم ہے ان کے علاوہ محلے کی کچھ عورتیں ہوا کرتی ہیں کہ جن کا احترام انسان اسی طرح سے کرتا ہے جس طرح سے ماؤں بہنوں کا کرتا ہے، چچا کی بیٹیاں ہیں، چچی ہے، ممانی ہے، ماموں کی گھر والی اگرچہ یہ قانوناً محرم نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ معاملہ ایسے ہوا کرتا ہے جس طرح سے محرم کے ساتھ ہے، آپس میں موانست ہوتی ہے، کوئی کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہیں ایسی عورتوں کو بھی السلام علیکم کہا جاسکتا ہے، متعدد عورتیں بیٹھی ہوں جن میں اس قسم کے فتنے کی اور شرارت کی کوئی گنجائش نہیں ہے ایسی جماعت

کی صورت میں بھی السلام علیکم کہہ سکتے ہیں، یہاں ممانعت صرف ایک صورت میں ہوگی کہ عورت اجنبی ہے اور اس طرح کے سلام اور پیغام کو کسی فتنے کی بنیاد بنا لینے کا اندیشہ ہو یا وہ عورت ایسی ہے جس کے ساتھ آپ کا کسی قسم کا انس نہیں اور آپس میں کوئی واقفیت بھی نہیں آپ اس کو السلام علیکم کہیں گے تو خطرہ ہے کہ اس کو شرارت نہ سمجھ لے اور سڑک پر ہی جوتا اتار کر کھڑی ہو جائے ایسی صورت میں پھر السلام علیکم نہیں کہنا چاہیے، جہاں فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور اس کو کسی فتنے کی بنیاد نہ سمجھا جائے ایسی صورتوں میں عورتوں کو سلام کہہ سکتے ہیں، چاہے وہ محرم ہوں چاہے وہ غیر محرم ہوں، محرموں میں تو فتنے کا اندیشہ نہیں ہوتا لہٰذا وہاں تو ترغیب ہے سلام کہنے کی اور غیر محرموں کی تفصیل یہی ہے کہ جہاں فتنے کی بنیاد بننے کا اندیشہ ہو وہاں السلام علیکم نہ کہے اور جہاں اس قسم کے فتنے کی بنیاد نہ ہو وہاں سلام کہہ سکتے ہیں، چھوٹی بچیوں کو کہہ سکتے ہیں، بوڑھیوں کو کہہ سکتے ہیں، جن کے ساتھ آپس میں موانست ہے، بہن بھائیوں کی طرح رہنے والی محلے کی لڑکیاں ہیں، اپنے خاندان کی لڑکیاں ہیں، سب کو معلوم ہے کہ کس طرح کے آپس میں تعلقات ہیں جس طرح بہن بھائیوں کے ہوتے ہیں بوڑھی ہے، اماں ہے، اماں کے درجے کی ہے تو ایسی صورت میں سلام کہنے کا کوئی حرج نہیں ہے بلکہ کہنا چاہیے یہ تفصیل ہے عورت کو سلام کرنے کے بارے میں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کہا (مشکوٰۃ ص ۳۹۹) جس سے معلوم ہو گیا کہ کہنے والا اگر بزرگ آدمی ہے جس کے دل میں اس قسم کی کوئی بات نہیں وہ کہے تو بھی ٹھیک ہے اور عورت کہنے والی ایسی ہے کہ جس کے متعلق پتہ ہے کہ یہ محض ایک اسلامی طریقے کے مطابق سلام کر رہی ہے، دل میں اس کے کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہے، تو سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے، مطلقاً عورت کے لئے سلام ممنوع نہیں ہے اس میں یہ تفصیل ہے جہاں فتنے کا اندیشہ ہو اور اس کو شرارت کی بنیاد بنائے جانے کا احتمال ہو وہاں احتراز کرنا چاہیے اور پھر سلام کی تکمیل جو ہے وہ مصافحہ کے ساتھ ہوتی ہے یعنی عام طور پر سلام کے ساتھ مصافحہ بھی ہوتا ہے اس میں اور زیادہ محبت کا اظہار ہے اور آگے معانقہ یہ درجہ بدرجہ جیسے حدیث شریف کے اندر الفاظ آتے ہیں کہ معانقہ بھی کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح جیسے آپس میں محبت کا اظہار ہوتا ہے یہ بھی اپنے درجے کے ساتھ روایات کے اندر ان کا ذکر بھی ہے، لیکن لفظ سلام یہ عام طور پر استعمال کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ مصافحہ یہ سلام کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے لیکن اجنبی عورت کے ساتھ مصافحہ حرام ہے۔

احکام پر عمل کو سہل بنانے کا نسخہ:

"اللہ لا الٰہ الا ھو" اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی، البتہ ضرور جمع

کرے گا وہ تمہیں قیامت کے دن کی طرف یعنی قیامت کے دن کی طرف تمہیں چلاتا ہوا اکٹھا کرے گا، ''لاریب فیہ'' جس کے آنے میں کوئی کسی قسم کا تردد نہیں، اور بات کے اعتبار سے اللہ کے مقابلے میں کون زیادہ سچا ہے یعنی کوئی سچا نہیں اللہ کے مقابلے میں، اللہ سب سے زیادہ سچا ہے لہٰذا اس نے یہ جو بات کہی ہے کہ قیامت آئے گی اور قیامت کے دن تم سب کو اکٹھا کیا جائے گا یہ بالکل سچی بات ہے اور مطابق علی الواقعہ ہے اس میں کوئی تردد کی گنجائش نہیں ہے یہ احکام ذکر کرنے کے بعد اس قسم کی آیات کا آجانا یہ ترغیب وترہیب پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ ان احکام کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کی رغبت انسان کے دل میں پیدا ہو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

کیا ہوگیا تمہیں کہ منافقین کے بارے میں تم دو جماعتیں ہوگئے اللہ نے ان کو لٹا دیا ان کی پہلی حالت کی طرف ان کے کسب کے سبب سے، کیا تم ارادہ کرتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

کہ تم ہدایت دو ایسے شخص کو جس کو اللہ نے گمراہ کردیا ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو تو اس کے لئے ہرگز راستہ نہیں پائے گا ﴿۸۸﴾

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ جیسے انہوں نے کفر کیا پھر ہو جاؤ گے تم سب برابر پس نہ بناؤ ان میں سے

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

دوست جب تک کہ وہ اللہ کے راستہ میں ہجرت نہ کریں ، پھر اگر وہ پیٹھ پھیریں پھر انہیں پکڑ لو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا

اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تم انہیں پاؤ ، اور نہ بناؤ ان میں سے کوئی یار

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

اور نہ مددگار ﴿۸۹﴾ مگر وہ لوگ جو مل جائیں ان لوگوں کی طرف کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

ایک عہد ہے یا آئیں وہ تمہارے پاس ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اس بات سے کہ وہ لڑائی لڑیں تمہارے ساتھ یا لڑیں

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

اپنی قوم کے ساتھ ، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تمہارے اوپر مسلط کردیتا پھر وہ تمہارے ساتھ لڑتے ، پھر اگر

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

وہ لوگ تم سے جدا رہیں کہ وہ تم سے لڑتے نہیں اور ڈالیں وہ تمہاری طرف صلح ، پس نہیں بنایا

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ ﴿۹۰﴾ عنقریب پائیں گے آپ کچھ اور لوگوں کو وہ ارادہ کرتے ہیں کہ

يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۖ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ

تم سے بے خوف ہوجائیں اوراپنی قوم سے بے خوف ہوجائیں، جب کبھی بھی ان کوفتنہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں ڈال دیے جاتے ہیں،

فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ

پھر اگر یہ لوگ تم سے جدا نہ رہیں اور تمہاری طرف صلح نہ ڈالیں اور تم سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

پھر انہیں پکڑلو اور انہیں قتل کردو جہاں بھی تم انہیں پاؤ ، یہی لوگ ہیں کہ ہم نے بنادی تمہارے لئے

عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿٩١﴾

ان کے خلاف واضح دلیل (۹۱)

تفسیر:

کفار کی پہلی قسم اور اس کا حکم:

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا حکم واضح فرمایا ہے، روایات میں آتا ہے کہ کچھ لوگ مکہ معظمہ سے اسلام کا اظہار کر کے مدینہ منورہ میں آگئے چند دن ٹھہرنے کے بعد پھر وہ واپس مکہ معظمہ چلے گئے، جا کے مشرکین کے ساتھ مل گئے اس بارے میں رائے زنی کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ پیدا ہوئے، بعضے کہتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں اگر کسی مجبوری کی بناء پر چلے گئے تو کوئی بات نہیں، ہمیں انہیں مسلمان سمجھنا چاہیے، بعضے کہتے تھے کہ نہیں جب وہ واپس چلے گئے ہیں تو جیسے مشرک پہلے تھے ویسے مشرک پھر ہیں تو وہ مرتد ہو گئے، اس لئے ہمیں ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا چاہیے جو مرتدوں کے ساتھ ہوتا ہے، ایک گروہ تو یہ تھا جس کا ذکر پہلی آیت کے اندر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں اختلاف رائے نہیں کرنا چاہیے، وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اور جب وہ آئے تھے تو انہوں نے خلوص کے ساتھ ایمان قبول نہیں کیا تھا بلکہ منافق تھے اور اب اگر ان کے واپس لوٹ جانے کے بعد پھر بھی تم ان کو ہدایت یافتہ سمجھو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ نے گمراہ کردیا ہے تم ان کو ہدایت یافتہ قرار دیتے ہو، اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد پھر کوئی شخص دوسرے کو سیدھے راستے پر نہیں لا سکتا، تمہارے ہدایت یافتہ کہنے سے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو جائیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

انہیں سابقہ حالت کی طرف لوٹا دیا، پہلے تو ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ مرتد ہو گئے اور پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اب تو تم انہیں کافر ہی سمجھو، اور اگر کسی جگہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائیں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جس قسم کا معاملہ عام کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اسی جگہ پر صراحت کی ہے بیان القرآن میں حضرت تھانوی ؒ نے کہ پہلے پہلے ہجرت جو تھی یہ اقرار باللسان کے قائم مقام تھی کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آئے اور پھر اس کو عذر کوئی نہ ہو ہجرت کرنے سے، ہجرت کر کے اگر وہ نہیں آتا تو ایسی صورت میں اس کے ایمان کا اعتبار کوئی نہیں، ضروری ہے کہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر ہجرت کر کے آئے، ہجرت کر کے جب آئے گا تب سمجھا جائے گا کہ یہ صحیح سچا اور پکا مسلمان ہے تو جب انہوں نے پہلے ہجرت کی ظاہری طور پر چھوڑ کر آئے لیکن جب بعد میں واپس چلے گئے تو گویا کہ انہوں نے اقرار باللسان سے انحراف کر لیا اور جا کے مشرکین کے ساتھ مل گئے تو اب ان کا حکم جو ہے وہ مسلمانوں والا نہیں اور منافقین کے لفظ استعمال کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جب وہ آئے تب بھی وہ خلوص کے ساتھ نہیں آئے تھے۔

"فمالکم فی المنافقین فئتین" تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقین کے بارے میں دو ٹکڑے ہو گئے، دو گروہ ہو گئے اللہ نے انہیں رد کر دیا ان کے کردار کے سبب سے، ان کے کسب کے سبب سے، کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ہدایت یافتہ سمجھو اس شخص کو جس کو اللہ نے بھٹکا دیا یعنی تم اگر اس کو مسلمان سمجھو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن کو گمراہی میں ڈال دیا تم ان کو ہدایت دے رہے ہو، تم ان کو ہدایت یافتہ قرار دے رہے ہو، جس کو اللہ بھٹکا دے تو اس کے لئے ہرگز راستہ نہیں پائے گا، تم انہیں مومن سمجھتے ہو وہ مومن نہیں وہ کافر ہیں وہ تو اس درجے کے کافر ہیں کہ وہ الٹا تمہیں کافر بنانا چاہتے ہیں "ودوا" یہ چاہتے ہیں کہ تم کفر کرو جیسے انہوں نے کفر کیا پھر تم برابر ہو جاؤ پس نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست جب تک کہ وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کر کے نہ آئیں اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نہیں آتے تو پکڑ لو انہیں اور قتل کر دو انہیں جہاں بھی پاؤ، یعنی ان کا حکم پھر باقی کافروں کی طرح ہے نہ ان کو اپنا حمایتی سمجھو نہ ان کو اپنا مددگار سمجھو، نہ اختیار کرو ان میں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار۔

کفار کی دوسری قسم اور اس کا حکم:

ہاں البتہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے تمہارے ساتھ صراحتاً معاہدہ کر لیا ترک جنگ کا، مصالحت کر لی اور تم سے لڑنا نہیں چاہتے پھر جو لوگ ان کے ساتھ معاہدہ کر لیں، وہ بھی تمہاری صلح کی ضمن میں آ جائیں گے ان کے ساتھ بھی پھر تمہیں لڑنا نہیں چاہیے یعنی ایک قبیلے کے ساتھ تو ہو گی ہماری صراحتاً صلح۔

حضور ﷺ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا جس قبیلہ کا نام بنو مدلج لکھا ہے کہ انہوں نے صلح کی تھی

حضور ﷺ کے ساتھ اور اس صلح کے اندر یہ دفعہ بھی رکھی گئی تھی کہ جو ہمارے معاہد ہوں گے وہ بھی صلح میں شامل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگ جو تمہارے معاہد ہوں وہ بھی اور جو معاہد قوم کے ساتھ مل جائیں وہ بھی ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیئے جب تک وہ تم سے صلح رکھیں، اور تمہارے خلاف ہاتھوں کو روکے رکھیں، اعتزال یعنی جدائی اختیار کریں، مقابلے میں نہیں آتے تو تم بھی مقابلہ نہ کرو اس وقت تک جب تک وہ اپنے عہد پر پکے ہیں تو تم بھی اپنے عہد کے اوپر پکے رہو۔

کفار کی دوسری قسم اور اس کا حکم:

اور تیسرے نمبر پر ذکر کیا دھوکے باز لوگوں کا کہ وہ بظاہر آتے ہیں تمہارے پاس اور باتیں اس قسم کی کرتے ہیں جس سے وہ تمہاری طرف سے بھی بے خوف ہونا چاہتے ہیں اور قوم کی طرف سے بھی بے خوف ہونا چاہتے ہیں، دوغلا پن جسے کہتے ہیں لیکن اگر ان کو شرارت کے لئے برانگیختہ کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ شرارت پر برانگیختہ ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کے عہد معاہدوں کا اور صلح کا کوئی اعتبار نہیں ہے چاہے ان کے ساتھ تمہارا عہد معاہدہ ہو یا ہوا ہے لیکن اگر وہ کہیں فتنے میں پڑ جائیں اور تمہارے مقابلے میں ہاتھ اٹھالیں تو تمہیں بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس عہد معاہدے کی رعایت رکھنے کی بلکہ جہاں بھی دیکھو پکڑ و اور انہیں قتل کرو ان کا حکم بھی عام کافروں کی طرح ہوگا۔

مگر وہ لوگ جو مل جائیں ایسی قوم کی طرف یہ استثناء ہے اس سے کہ "**فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم**" مگر وہ لوگ جو مل جائیں ایسے لوگوں کی طرف جن کے اور تمہارے درمیان آپس میں میثاق ہے تو جب یہ ملنے والوں کو پکڑنا اور قتل کرنا جائز نہیں تو جن کا خود میثاق ہے اور عہد کیا ہوا ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہو گئے، یا وہ تمہارے پاس آتے ہیں اور ان کے دل تنگ ہوتے ہیں تم سے لڑنے میں بھی اور اپنی قوم سے لڑنے میں بھی وہ غیر جانب دار رہنا چاہتے ہیں اور آ کے کہتے ہیں کہ ہم جی آپ کے ساتھ یوں رہیں گے نہ تو آپ کے ساتھ مل کر ہم اپنی قوم کے ساتھ لڑیں گے نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر ہم تمہارے خلاف لڑیں گے، ان کو بھی امن دے دو اور ان کی بھی صلح ہے، یہاں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی قدر کرو جو اس طرح سے غیر جانب دار ہو جائیں ورنہ اگر اللہ چاہتا تو انہیں جرأت دے کر تمہارے خلاف مسلط کر دیتا، اور یہ تمہارے لئے مصیبت بنتے یعنی ایسے دور میں جب ارد گرد کے سب قبائل تمہارے ساتھ برسر پیکار ہیں جنگ میں مبتلاء ہیں اگر کچھ غیر جانب دار ہی رہنا چاہیں تو ان کی رعایت رکھو انہیں غیر جانب دار ہی رہنے دو، اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر یہ تم سے لڑتے، پھر اگر یہ تم سے جدا رہیں، جدا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم سے لڑتے نہیں اور تمہاری طرف سلامت روی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، صلح ڈالتے ہیں، تمہاری طرفِ سلامتی کا پیغام بھیجتے ہیں۔

"فما جعل الله لكم عليهم سبيلا" اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا لہذا ان کی پکڑ دھکڑ جائز نہیں ہے تو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا اپنے اس عہد کی رعایت رکھنی ہے، کچھ لوگ اور بھی ایسے آئیں گے جو ارادہ کریں گے تم سے بے خوف ہونے کا اور اپنی قوم سے بے خوف ہونے کا، یہ دوغلے پن ادھر بھی کوئی باتیں کریں گے ایسی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو قوم کے پاس جائیں گے، وہاں باتیں کریں گے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب ان کو کوئی شرارت پر برانگیختہ کرے تو شرارت پر برانگیختہ فوراً ہو جاتے ہیں، جب ان کو لوٹایا جائے فتنے کی طرف، شرارت کی طرف، فتنے سے یہاں وہی مسلمانوں کے خلاف شرارتیں برپا کرنا دین اور مذہب سے روکنے کی کوشش کرنا مراد ہے "ارکسوا فیھا" تو وہ اس فتنے میں لوٹا دیئے جاتے ہیں یعنی جب بھی کوئی ان کو آکر بھڑکائے یہ فوراً بھڑک جاتے ہیں اور فتنے میں واقع ہو جاتے ہیں یہ لوگ اگر تم سے جدا نہ رہیں اعتزال اختیار نہ کریں اور تمہاری طرف سلامت روی نہ اختیار کریں، تمہاری طرف صلح نہ ڈالیں، اور اپنے ہاتھوں کو روک کر نہ رکھیں بلکہ مقابلے میں نظر آجائیں کہ یہ بھی انہیں حرکتوں میں شامل ہیں تو ان کی منہ زبانی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، پھر ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی تم انہیں پاؤ، یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تمہارے لئے ان کے خلاف ایک واضح دلیل قائم کردی ہے یا تمہیں ان کے اوپر اختیار دے دیا ہے اس قسم کی کاروائی کرنے کا۔

خلاصہ:

تو یہ مختلف قسم کے کافر تھے جن کے جذبات مختلف تھے تو ان تین درجے کے لوگوں کا یہ حکم بیان کر دیا گیا، جو نفاق کے طور پر آئے تھے، بعد میں لوٹ کر چلے گئے تو ان کے آنے کا کوئی اعتبار نہیں، آکے اسلام کا اظہار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، یہ بھی محارب کافروں کی طرح ہیں اور جو تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں آکر ادھر باتیں کرتے ہیں اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں، ہاں البتہ جو تم سے معاہدہ کرلیں اور وہ معاہدہ کے پابند ہوں تمہارے خلاف ہاتھ نہ اٹھائیں ان کے خلاف تم نے بھی ہاتھ نہیں اٹھانا اور اس عہد کی پابندی کرنی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ

نہیں مناسب کسی مؤمن کے لئے کہ قتل کرے کسی مؤمن کو مگر حالت خطا میں ، اور جو شخص قتل کردے

مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

کسی مؤمن کو غلطی سے پس اس کے ذمہ ہے آزاد کرنا ایک ایمان والے رقبہ کا اور اس کے ذمہ دیت ہے جو سپرد کی جائے گی

اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

مقتول کے اہل کی طرف مگر یہ کہ وہ معاف کردیں ، پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود وہ مؤمن ہے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

تو پھر قاتل کے ذمہ ہے آزاد کرنا رقبہ مؤمنہ کا ، اور اگر وہ مقتول ایسی قوم سے ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ

عہد ہے پھر دیت ہے جو سپرد کی جائے گی مقتول کے اہل کی طرف اور آزاد کرنا ہے رقبہ مؤمنہ کا ،

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ

اور جو رقبہ مؤمنہ نہ پائے تو اس کے ذمہ ہے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا ، یہ ہے اللہ کی طرف سے از روئے توبہ کے ،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ

اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص قتل کردے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا

جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

جہنم ہے ہمیشہ اس میں رہے گا اس پر اللہ کا غضب ہے اور لعنت ہے اور اس نے تیار کر رکھا ہے اس کے لئے عذاب

عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا

بڑا ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو اللہ کے راستہ میں تو تحقیق کرلیا کرو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ

اور نہ کہا کرو اس شخص کے متعلق جو تمہاری طرف سلام ڈالے کہ تو مؤمن نہیں ہے ، طلب کرتے ہو تم

عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ

دنیاوی زندگی کے سامان کو ، اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں ، ایسے ہی تھے تم اس سے

قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

قبل پھر اللہ نے تم پر احسان کیا پس خوب اچھی طرح سے تحقیق کرلیا کرو ، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۹۴﴾

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ

برابر نہیں ہیں مؤمنین میں سے بغیر عذر کے بیٹھنے والے

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ

اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے ، فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے

الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا

ان لوگوں کو جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے ہیں ان لوگوں پر جو بیٹھنے والے ہیں از روئے درجہ کے ، ہر ایک سے

وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا

اللہ نے وعدہ کیا ہے اچھی حالت کا ، اور فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر از روئے اجر

عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

عظیم کے ﴿۹۵﴾ اللہ کی طرف سے بہت درجات اور مغفرت اور رحمت ہے ، اور اللہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۹۶﴾

تفسیر:

دوران جنگ کلمہ پڑھنے والے کافر کا قتل:

جہاد کا ذکر چلا آرہا ہے سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں اسلام چونکہ آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا بعض لوگ مختلف قبیلوں میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرلیتے تھے لیکن کسی مجبوری کی بناء پر اسلام کو ظاہر نہیں کرسکتے تھے جب کوئی موقع آتا تو اسلام کا اظہار کرتے، اس ضمن میں ایک دو واقعات ایسے پیش آئے کہ عین جہاد کے موقع پر کسی شخص نے اسلام کا اظہار کیا لیکن مجاہدین اسلام نے اس کے اسلام کا اعتبار نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ جان بچانے کے لئے اور اپنا مال بچانے کے لئے اس وقت کلمہ پڑھ رہا ہے اس کو قتل کردیا، چونکہ حضور ﷺ کی طرف سے اس معاملے

میں کوئی واضح ہدایات نہیں تھیں، جب سرور کائنات ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اس کے اوپر بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا خود اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں آتا ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کسی جگہ جہاد پہ گئے ہوئے تھے اور ایک شخص جو ہمارے نیزے کی زد میں آ گیا اس نے فوراً کہہ دیا، "لاالہ الااللہ" اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک میں تھا اور ایک انصاری جو اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، انصاری نے تو اپنا ہاتھ روک لیا اور میں نے وار کر دیا جس کے نتیجے میں وہ قتل ہو گیا جب سرور کائنات ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ کہا کہ جب وہ قیامت کے دن "لاالہ الااللہ" لے کر آئے گا تو تو اس وقت کیا کرے گا، بار بار اس جملے کو دہرایا تو کہا گیا یا رسول اللہ! اس نے اپنی جان بچانے کے لئے ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا، تمہیں پتہ چل جاتا کہ خلوص سے کہا ہے یا جان بچانے کے لئے کہا ہے۔

مطلب یہ کہ تمہارے بس کی بات نہیں کہ تم یہ معلوم کر لو کہ جان بچانے کے لئے پڑھ رہا ہے یا خلوص سے پڑھ رہا ہے، دل چیر کر کسی کا دیکھ سکتے ہو؟ اس لئے جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا تو تمہیں ہاتھ روک لینا چاہئے تھا، اور اس کو مسلمان سمجھتے تو جب یہ کلمہ لے کر قیامت کے دن آئے گا تو تم کیا کرو گے اسی طرح بار بار ناراضگی کا اظہار فرمایا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت اتنا صدمہ ہوا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگ گیا کہ ہائے کاش! میں آج مسلمان ہوا ہوتا، اور یہ حرکت مجھ سے کفر کے زمانہ میں ہوئی ہوتی تاکہ آج اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو معاف کر دیتا، یہ افسوس کا اظہار ہے اپنی اس غلطی پر جو ہوئی تھی اور اسی طرح سے ایک اور صحابی کا واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے تو ایک آدمی جوان کے خیال کے مطابق کافر تھا وہ بکریاں چرا رہا تھا اور اس کے پاس بکریاں تھیں، وہ ان کی زد میں آ گیا اس نے فوراً پڑھ لیا "لاالہ الا اللہ" یا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی طرح کہا السلام علیکم، اس کے متعلق بھی انہوں نے یہی سمجھا کہ اپنا مال بچانے کے لئے اور اپنی جان بچانے کے لئے اس طرح سے یہ اظہار کر رہا ہے تو اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں۔

یہ واقعہ بھی سامنے آنے کے بعد حضور ﷺ نے سخت تنبیہ کی پھر یہاں تک سمجھایا اور اتنا محتاط رہنے کی تلقین کی کہ ایک صحابی پوچھتے ہیں یا رسول اللہ! اگر میں کسی کافر کے مقابلے میں لڑائی میں مشغول ہو جاؤں اور وہ کافر میرا ایک بازو کاٹ دے اس کا وار میرے اوپر چل جائے اور میرا ایک بازو کٹ جائے اور بعد میں جس وقت میں اس کے اوپر وار کرنے لگوں تو وہ درخت کی اوٹ میں آ جائے اور جلدی سے پڑھ دے "لاالہ الااللہ" تو پھر میں اس

کو قتل کردوں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل نہیں کرنا، وہ کہتے ہیں کہ یارسول اللہ! اس نے میرا بازو کاٹ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل نہیں کرنا، تو کہنے لگے یارسول اللہ! وہ بچنے کے لئے جان بچانے کے لئے ایسا کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل نہیں کرنا، اگر قتل کردو گے تو تمہارا وہ مقام ہو جائے گا جو کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کا تھا، اور کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کا مقام تھا کہ وہ مباح الدم تھا، اس کو قتل کرنا جائز تھا اب تمہارا یہ مقام ہو جائے گا کہ اب تم کو قتل کیا جائے قصاص میں اور تم مباح الدم ہو جاؤ گے اور اس کا وہ مقام ہو گا جو اس کو قتل کرنے سے پہلے تمہارا تھا کہ تم معصوم الدم تھے، تمہیں قتل کرنا جائز نہیں تھا، کلمہ پڑھنے کے بعد اس کا وہ مقام ہو گیا یہاں تک احتیاط فرمائی کہ مقابلے میں اگر کوئی کافر مسلمانوں کا نقصان بھی کردے تو پھر مسلمان جس وقت اس کے اوپر غالب آجائیں بظاہر اس کے اوپر شبہ ہے کہ وہ جان بچانے کے لئے ایک تدبیر کے طور پر کلمہ پڑھتا ہے، تو مسلمانوں کو پھر بھی حکم تھا کہ کلمہ کی طرف دھیان کرتے ہوئے اس کی جان کو محفوظ کردو اور اس کے مال کو محفوظ کردو، اس کے اوپر تصرف نہیں کرنا۔

مؤمن کے قتل کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

تو ایسے واقعات چونکہ پیش آئے تھے اس لئے اسی جہاد کے تذکرے کے دوران اللہ تعالیٰ نے قتل مؤمن کی شدت بیان کردی کہ جان بوجھ کر تو مومن کو قتل کرنا ہی نہیں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مومن کو قتل کرے گا اس کی دنیا کے اندر سزا جو سورۃ البقرۃ میں آچکی قصاص ہے، قصاصاً اس کو قتل کردیا جائے گا۔

اور آخرت کے اعتبار سے اس کی سزا ان آیات کے اندر ذکر کی جارہی ہے کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور مدت مدید تک جہنم کے اندر یہ پڑا رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہو گا، اللہ کی رحمت سے محروم ہو گا، اتنی شدت اس کے اوپر کی گئی ہے جس طرح بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بس کافر ہی ہو گیا، بس اس کا انجام کافروں جیسا ہے، لیکن اس بات کے اوپر امت کا اجماع ہے کہ قاتل عمد جو جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے بہت شدید قسم کا گناہ گار ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر بہت ناراضگی کا اظہار ہو گا، اصلی سزا اس کی یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ معاف نہ کردیں، یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن اس کے باوجود ہے وہ مؤمن فاسق بشرطیکہ اس قتل کو حلال نہ سمجھے، اگر اس کو حرام سمجھتا ہوا عملی کوتاہی کے اندر مبتلاء ہے تو یہ مومن ہے اور مومن فاسق ہے، توبہ بھی اس کی قبول ہو سکتی ہے اگر زندگی کے اندر توبہ کرلے اور مرنے کے بعد بھی کسی نیک عمل کی برکت سے اس کا گناہ معاف ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ویسے بھی معاف فرمادیں گے ورنہ سزا بھگت کر آخر کار ایمان کی

برکت سے یہ بھی چھوٹ جائے گا۔

اس لئے یہاں "خالدافیھا" کے ساتھ چونکہ ابداً کی قید لگی ہوئی نہیں ہے اس لئے اس کو مکث طویل کے اوپر محمول کیا جائے گا، مدت دراز تک یہ جہنم میں پڑا رہے گا، بہت مدت تک اس کو سزا ملے گی اس جرم کی اور یہ سزا اس کی اصلی ہے اور قانونی حیثیت سے طے ہے باقی اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے معاف کردے، سزا کم دے دے، کسی کی سفارش سے چھوڑ دے، کسی نیکی کی برکت سے ترک کردے ایسا ہوسکتا ہے جس طرح سے مومن فاسق کے ساتھ ہوگا تو ایسے اس کے ساتھ ہوگا اب اجماع ہے اس بات پر کہ یہ قتل مؤمن بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے لیکن یہ کفر نہیں ہے ایسا شخص مومن فاسق کی طرح ہے۔ جس طرح فاسق کے احکام ہوتے ہیں ایسے ہی احکام اس کے ہوں گے، اور قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ قصد کے ساتھ مارا جائے اور ایسی چیز ماری جائے جو قتل کے لئے وضع کی گئی ہے، جیسے دھاری دار آلہ یا آج کے عرف میں گولی ہے، دھاری دھار آلہ کے ساتھ یا گولی ماردی جو قتل کے لئے وضع کی گئی ہے اس کے ساتھ مارنا اور قصداً مارنا اس کو کہتے ہیں قتل عمد، اور اگر مارا تو قصداً ہے لیکن ماری ایسی چیز ہے جو قتل کے لئے وضع نہیں کی گئی یا آدمی عادتاً اس کے ساتھ قتل نہیں ہوتا جیسے ایک ڈنڈا مارا تھا، مارا قصد کے ساتھ ہے لیکن ڈنڈے کے ساتھ آدمی عام طور پر مرتا نہیں یا چھوٹی موٹی اینٹ اٹھا کر ماردی، ایسی صورت میں اگر وہ مرجائے تو اس کو کہتے ہیں قتل شبہ عمد اس میں قصاص نہیں ہے، اس میں دیت آیا کرتی ہے اور وہ دیت مغلظہ ہے جیسے فقہ کی کتابوں میں آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ سو اونٹ ہوں گے اور اس کے اندر تقسیم رباعی ہے پچیس پچیس پچیس قسم کے اونٹ دیے جائیں عمر کے لحاظ سے یعنی پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے اور پچیس جذعے دینے ہوں گے۔

اور ایک ہے کہ قصد سے نہیں مارا اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ مارا تو تھا شکاری جانور کو، ہاتھ چوک گیا گولی لگ گئی کسی اور کے، تیر مارا تھا شکار کے ہی لیکن لگ گیا کسی انسان کے اس کو خطاء فی الفعل کہتے ہیں اور ایک ہے کہ سامنے کوئی چیز نظر آئی تھی ہم نے سمجھا کہ یہ کافر ہے یا ہم نے سمجھا کہ شکاری جانور ہے اور گولی ماردی تو حقیقت میں وہ انسان تھا اس کو خطاء فی القصد کہتے ہیں تو یہ خطاء فی الفعل ہو یا خطاء فی القصد ہو اس میں کسی درجے میں انسان معذور ہوتا ہے کہ مارنے کا ارادہ نہیں تھا ہاتھ چوک گیا اور گولی دوسری طرف چلی گئی یا اپنے طور پر تو مارا کسی صحیح چیز کو تھا جس کا مارنا جائز تھا حقیقت میں وہ انسان تھا جس کا قتل کرنا درست نہیں تھا تو یہ قتل خطاء ہے اس میں دیت بھی آیا کرتی ہے اور کفارہ بھی ہوتا ہے، کفارہ شبہ عمد میں بھی ہے، قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے قتل خطاً میں دیت دوسری طرح دی جائے گی اس میں دیت مخففہ ہے اس میں سو اونٹ خماسی تقسیم کے تحت دیے جاتے ہیں یعنی بیس

بیس اونٹ مختلف عمروں کے دیے جاتے ہیں جو پہلی دیت کے مقابلے میں ہلکے ہوتے ہیں، جن میں سے بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن مخاض، بیس حقے اور بیس جذعے ہوں گے (انٹوں کے یہ القاب ان کی عمروں کے اعتبار سے ہیں، اہل عرب نے اونٹوں کے نام اس طرح رکھے تھے) اور کفارہ یہ ہے کہ مومن غلام یا مؤمنہ باندی آزاد کرو، اور اگر اس پر قدرت نہیں قدرت نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو پیسے نہیں ہیں یا غلام ملتا نہیں ہے جیسے آج کل غلام ملتا نہیں چاہے پیسے موجود ہیں تو قدرت نہ ہونے کی صورت میں پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں تو یہ اس گناہ کی توبہ ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیں گے اور دیت مقتول کے ورثہ کو دی جاتی ہے اور ورثہ کے اوپر اسی اصول سے تقسیم ہوتی ہے جس طرح سے ورثہ تقسیم ہوا کرتا ہے، جتنا جتنا حصہ جس وارث کا ہے اتنی اتنی دیت ان کے سپرد کر دی جائے گی اور یہ دیت قاتل کے ذمے نہیں ہوا کرتی بلکہ قاتل کے خاندان پر تقسیم کر دی جاتی ہے جو اس کے معاون ہوتے ہیں اس طرح مل جل کر ان کی تلافی کر دی جاتی ہے اور آگے قتل ایک اور بھی ہوتا ہے جس کو قتل بالتسبیب کہتے ہیں، قتل بالتسبیب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان مباشر بالقتل نہیں بلکہ وہ سبب بنا ہے جیسے راستے میں گڑھا کھود دیا اور انسان اس میں گر کر مر گیا، راستے کے اندر کوئی ایسی چیز رکھ دی جس کے رکھنے کا اس کو کوئی حق نہیں تھا تو اس سے کوئی شخص ٹکرا کر مر گیا یہ قتل بالتسبیب ہے، اور اس میں دیت آیا کرتی ہے اس میں کفارہ نہیں ہے، اور قاتل کسی قسم کا ہو قتل بالتسبیب کے علاوہ وہ ورثہ سے بھی محروم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ دار کو قتل کر دے جیسے بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا، بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا پھر وارث بھی وہ ہو تو اس کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور مقتول کا ورثہ قاتل کو نہیں پہنچا کرتا۔

تفسیر باللفظ:

تو یہاں اللہ تعالیٰ نے انہی باتوں کی وضاحت کی ہے تاکہ مومن محتاط رہیں اور کسی اعتبار سے بھی کسی مومن سے کوئی دوسرا مومن قتل نہ ہو جائے، پہلے قتل خطاء کو ذکر کیا جا رہا ہے کسی مومن کے لئے مناسب نہیں کسی مومن کا یہ کام نہیں، مومن کی شان کے یہ لائق نہیں کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے ہاں مگر غلطی سے قتل ہو جائے تو دوسری بات ہے، بسا اوقات انسان معذور ہوتا ہے اپنا ارادہ نہیں تھا اور دوسرا آدمی مر گیا ایسا ہو سکتا ہے اگر قتل خطاء کے طور پر قتل ہو گیا تو یہ مومن کی شان کے منافی نہیں کیونکہ اس میں کسی درجے میں اختیار نہیں ہوتا، غلطی سے قتل ہو گیا اور پھر اگر غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کی تلافی کرو، تلافی کی صورت یہ ہے کہ جو شخص غلطی سے کسی مومن کو قتل کر دے اس کے ذمے ہے ایک ایمان والے غلام کا آزاد کرنا مرد ہو یا عورت ہو، یہ لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں مومنہ ہونا شرط ہے، کفارہ یمین

جو قرآن کریم کے اندر ذکر کیا گیا ہے کہ قسم توڑنے کی صورت میں غلام آزاد کرو یا کفارہ ظہار جو ذکر کیا گیا ہے اٹھائیسویں پارے کے پہلے رکوع میں وہاں "تحریر رقبۃ" کا لفظ ہے مومنۃ کی قید نہیں ہے اس لئے وہاں مطلق رقبہ ہے کافر بھی آزاد کر دیا جائے گا تو کفارہ ادا ہو جائے گا لیکن قتل کے اندر رقبہ مومنہ ہونا چاہیئے۔

اور دوسری بات دیت جو سپرد کی جائے گی میت کے اہل کی طرف، دیت کی مقدار اس زمانے میں سو اونٹ تھی اور اسی طرح سے اندازہ تھا کہ کوئی گائیں دینا چاہے تو سو گائیں دے گا، بکریاں دینا چاہے تو ہزار بکریاں دے گا کپڑے دینا چاہے تو دو سو جوڑے دے گا اور درہم دینار کے ساتھ اگر دینا چاہے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دے گا "الا ان یصدقوا" مگر یہ کہ اس مقتول کے ورثہ صدقہ کر دیں صدقہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاف کر دیں، سارے کے سارے مل کر معاف کر دیں تو بھی دیت معاف ہو جائے گی، جو شخص بھی اپنا حصہ معاف کر دے گا اتنی دیت کے اندر تخفیف ہو جائے گی مثلاً مقتول کے دو بیٹے ہیں جنہوں نے دیت وصول کرنی تھی ایک نے اپنا حصہ معاف کر دیا تو آدھی دیت دینی پڑے گی آدھی معاف ہو جائے گی، سارے معاف کر دیں تو ساری ساقط ہو جائے گی "فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن" اگر یہ صورت پیش آگئی کہ مقتول ہے تو مومن لیکن اس کے ورثاء اس کی برادری سارے کافر جن کے ساتھ ہماری جنگ ہے ان کے ساتھ مصلحت صلح نہیں کافر ہیں یہاں عدو سے مسلمانوں کی آپس میں جو عداوت ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے، یہاں عداوت سے جماعت مسلمین کے ساتھ عداوت مراد ہے، یعنی وہ کافر محارب ہیں تو ایسی صورت میں کفارہ تو دیا جائے گا کہ رقبہ مؤمنہ آزاد کرو اور نہ ہونے کے صورت میں روزے رکھو لیکن دیت نہیں دی جائے گی اس لئے نہیں دی جائے گی کہ قتل ہونے والا مومن ہے اور اس کے رشتہ دار سارے کے سارے کافر ہیں مومن کا وارث کافر نہیں ہوتا اور وہ حربی ہیں اور حربیوں کو اس قسم کا مالی فائدہ نہیں پہنچایا جاتا۔

"وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق" اور اگر مقتول ایسے لوگوں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے آپس میں معاہدہ ہے تو دیت دینی پڑے گی دیت سپرد کی جائے گی اس کے اہل کی طرف اور رقبہ مومنہ کا آزاد کرنا بھی ہے معاہد ہونے کی صورت میں، جیسے ذمی ہے یا ان کے ساتھ کوئی مصالحت ہے یا مقتول کے رشتے دار ذمی ہیں یا اس کے ساتھ معاہد ہے تو ایسی صورت میں دیت بھی سپرد کی جائے گی اور رقبہ مومنہ کا آزاد کرنا بھی ہوگا "فمن لم یجد" اور جو یہ رقبہ مومنہ نہ پائے اس کی دونوں صورتیں آپ کی خدمت میں عرض کر دی گئیں کہ یا تو غلام موجود نہیں، پیسے ہونے کے باوجود خرید انہیں جاسکتا جیسے کہ آج کل حالت ہے یا غلام تو موجود ہیں

پیسے پاس نہیں تو ایسی صورت میں دو مہینے کے روزے رکھے اور مسلسل رکھے درمیان میں ناغہ نہیں کرنا اور اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے پھر روندے نئے سرے سے رکھنے پڑیں گے، ''توبة من الله'' یہ طریقہ جو بتایا گیا ہے یہ اللہ کی طرف سے بطور توبہ کے ہے کہ جب ایسا کرو گے تو اس طرح کرنے کے ساتھ دیت بھی دے دو گے کفارہ بھی دے دو گے تو اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے۔

آگے قتل عمد کا ذکر آ گیا قتل عمد کی یہاں سزا اخروی ذکر کی گئی ہے اور دنیاوی سزا کی قانونی حیثیت سورۃ البقرۃ میں آ گئی کہ قاتل سے قصاص لیا جائے گا، جو کوئی قتل کرے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر پھر اس کی جزا جہنم ہے، پڑا رہے گا اس جہنم میں اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا، اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا، اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر دیا، یہ مؤمن کی جان کو نقصان پہنچانے کے نتیجہ میں اتنی سخت سزا ذکر کی گئی کہ جس انداز کے ساتھ کافروں کا ذکر ہوتا ہے اسی انداز کے ساتھ اس کی سزا کو ذکر کیا گیا ہے، اس میں جتنی شدت ہے وہ آپ کے سامنے نمایاں ہے۔

قاتل کی حمایت کرنا:

بلکہ حدیث شریف میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اگر نصف کلمے کے مطابق بھی کسی نہ کسی قاتل کی حمایت کی ''شطر کلمة'' کا لفظ ہے حدیث شریف میں نصف کلمے کے مطابق بھی اس نے حمایت کر دی اور اس کی تائید کر دی تو یہ تائید کرنے والا شخص بھی قیامت کے دن ایسے طور پر آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا ''آئسة من رحمة الله'' یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے اس کو اللہ کی رحمت سے امید نہیں رکھنی چاہیئے، یہ مایوس ہے، اگر نصف کلمے کے مطابق بھی اس کی تائید کی یعنی قتل پورا نہیں کیا بلکہ کہہ کر اشارہ کر دیا جس سے دوسرا سمجھ جائے کہ اس کی حمایت میرے ساتھ ہے اور میرے اس فعل کا یہ مؤید ہے تو ایسی صورت میں وہ بھی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گا۔

اسی وجہ سے ذہنی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلم ممالک کے اندر جو گڑبڑ ہوا کرتی ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت کے افراد کو قتل کرتی ہے جس طرح سے ایران میں ہوا یا جس طرح سے افغانستان میں ہو رہا ہے کہ مسلمان ہی مسلمان کا قاتل ہے، آپس میں اختلاف کی بناء پر یہ لوگ گڑبڑ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے چونکہ صحیح صورت حال نہیں ہوتی تو جن لوگوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلتے ہیں کہ وہ تائید کرتے ہیں ان قاتلین کی اور ان کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں کہ جو کچھ کر رہے ہیں صحیح کر رہے ہیں، مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ یہ قتل مؤمن کا قصہ نہ ہو، اور ہم دوسری جگہ پر بیٹھے ہوئے یہ سمجھ نہیں سکتے کہ اس میں سے ظالم کون ہے؟ مظلوم کون ہے؟ تو ایسی صورت

حال میں کسی فریق کی تائید کرنا جس سے اس کو دوسروں کو قتل کرنے پر جرأت ہو یہ خطرے سے خالی نہیں ہے، اس میں بہت محتاط رہنا چاہیے صحیح حالات کی تحقیق ہمارے بس میں نہیں ہوتی کہ ہر جماعت اپنی مرضی کے مطابق اپنی خبریں باہر بھیجتی ہے صحیح حالات کھل کر سامنے آتے نہیں کہ اس میں قصور کس کا ہے، کس کا نہیں ہے تو ایسی صورت میں اپنی زبان کو محتاط رکھنا بہتر ہوتا ہے۔

کسی شخص کے کفر وایمان کے فیصلہ کے متعلق بے غبار تحقیق:

"یاایھاالذین آمنوا اذاضربتم فی سبیل اللہ" اب آگے وہ احتیاط سکھائی ہے مجاہدین کو کہ جب وہ سفر جہاد پر جائیں تو اس وقت چونکہ چھپے چھپائے لوگ بھی مومن ہوتے تھے موقع پا کر ایمان کا اظہار کرتے تھے اس بارے میں بے احتیاطی نہ ہونے پائے اپنے طور پر تحقیق کر کے قدم اٹھایا کرو، جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو خوب اچھی طرح سے تحقیق کیا کرو اور جو شخص تمہاری طرف سلام ڈالے تو اس کو یوں نہ کہا کرو کہ تو مومن نہیں ہے، جو السلام علیکم کہتا ہے مومن کے طریقہ کے مطابق تو سمجھ جایا کرو کہ جس نے اسلامی طریقہ اپنایا ہے یہ مسلمان ہی ہے اور اگر وہ کلمہ پڑھتا ہوا آپ کے سامنے آیا اور آ کر "لاالہ الا اللہ" کہتا ہے، صلح کا اظہار کرتا ہے، اطاعت کا اظہار کرتا ہے تو اسے بھی نہ کہا کرو کہ تو بھی مومن نہیں ہے اس آیت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص السلام علیکم کہہ دے اسے بھی یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے، اور جو کلمہ پڑھ لے اسے بھی یہ کہنے کی اجازت نہیں ہے کہ تو مومن نہیں بلکہ ضروری ہے کہ معاملات کے اندر اس کو مومن سمجھو یا حدیث شریف میں جس طرح آتا ہے کہ جو قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو اسے مومن سمجھو، جو تمہارا ذبیحہ کھاتا ہے اسے مومن سمجھو اس قسم کی باتیں ذکر کی گئی ہیں جس سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو کافر کہنا جائز نہیں ہے جو السلام علیکم کہتا ہے، "لاالہ الااللہ" پڑھتا ہے، جو ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے یا ہماری طرح نماز پڑھتا ہے، ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے اس کو یہ کہنا ٹھیک نہیں "لست مؤمنا" اور ایسے شخص کو کافر نہیں کہنا چاہیے ان روایات سے اور قرآن کریم کی آیت سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

تو کیا ان علامات کی بناء پر ہر کسی کو مؤمن قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کی تکفیر جائز نہیں ہے، یہ یہاں ایک مستقل سوال ہے، کیا السلام علیکم کہہ دینا ہی کسی شخص کو مومن قرار دینے کے لیے کافی ہے یا "لاالہ الااللہ" پڑھ لینا ہی کسی شخص کو مومن قرار دینے کے لئے کافی ہے اور اس شخص کی تکفیر جائز نہیں ہے یا جو ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کی تکفیر جائز نہیں اور اس کو مومن قرار دینا ضروری ہے، اس میں حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کو اس میں صرف یہی علامت معلوم ہے اور اس کے حالات کی تحقیق نہیں تو بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اس کو مومن ہی قرار دینا

چاہیئے ،ایک شخص آرہا ہے ہمارے سامنے، ہم نہیں جانتے اس کے خیالات کیا ہیں؟ ہم نہیں جانتے کہ اس کے عقیدے کیا ہیں؟ اور ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کس نظریہ کا ہے اور آ کے مسلمانوں کی طرح ملتا ہے، السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے اس کو مسلمان ہی سمجھیں، ایک شخص کو آپ کلمہ پڑھتے ہوئے سنتے ہیں کہ "لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ" پڑھ رہا ہے اور دیگر اس کے حالات معلوم نہیں ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے اسے مسلمان ہی سمجھیں اور کافر نہ کہیں یا ایک شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہے اور دیگر حالات آپ کو اس کے معلوم نہیں ہیں تو ظاہرداری کے طور پر آپ کو چاہیئے کہ آپ اسے مسلمان ہی سمجھیں جب تک اس کے دوسرے خیالات کا پتہ نہ ہو۔

اور اگر دوسرے حالات معلوم ہوجائیں، اس کے خیالات کا پتہ چل جائے اور ہمارے سامنے تحقیق ہوجائے کہ یہ ضروریات دین میں سے کسی مسئلے کا منکر ہے، کسی ایسے امر کا منکر ہے جس کو ضروریات دین میں شمار کیا گیا ہے تو ضروریات دین کے منکر ہونے کی وجہ سے پھر اس کو کافر قرار دیا جائے گا، پھر اس کو مسلمان قرار دینا ٹھیک نہیں ہے، مثلاً ایک شخص آ کر آپ کو السلام علیکم کہتا ہے لیکن وہ خدا کے وجود کا منکر ہے، آپ کو تحقیق ہوگئی ایک شخص آپ کے سامنے آکر "لاالٰہ الااللہ" تو پڑھتا ہے لیکن وہ "محمدرسول اللہ" کا قائل نہیں ہے یا ایک شخص "لاالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ" تو پڑھتا ہے لیکن بعث بعد الموت کا قائل نہیں ہے، مرنے کے بعد اٹھنے کو وہ صحیح نہیں سمجھتا یا ایک شخص آپ کے سامنے "لاالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ" پڑھتا ہے لیکن کہتا ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں، یہ ایسے ہی مولویوں کی بنائی ہوئی بات ہے، اس مصروفیت کے دور میں، اس مشغولیت کے دور میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا یہ تو اپنے آپ کو صنعتی ترقی میں پیچھے لے جانے والی بات ہے، یا سود کو حلال کہتا ہے، زنا کو حلال کہتا ہے اس قسم کی باتیں جو ضروریات دین میں سے ہیں ختم نبوت کا منکر ہے، سرورکائنات ﷺ کو آخری نبی نہیں سمجھتا، تو ان حالات کی تحقیق ہوجانے کے بعد پھر اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

کیونکہ ایمان کی حقیقت صرف اتنی ہی نہیں کہ السلام علیکم کہہ دو یا قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو، سرورکائنات ﷺ کے زمانے میں منافقین "لاالٰہ الااللہ" پڑھتے تھے "محمدرسو ل اللہ" کہتے تھے خود قرآن شہادت دیتا ہے "اذا جاء ك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله" رسول اللہ کی رسالت کی شہادت دیتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ کافر ٹھہرے، کیونکہ وحی کے ذریعے سرورکائنات ﷺ کو معلوم ہوگیا کہ ان کے دل کا عقیدہ ایسا نہیں ہے، یا حضور ﷺ کے زمانے کے آخر میں مسیلمہ نے جو کہ بنوحنیفہ کے قبیلے کا یمامہ کے علاقے کا ہے اس

نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ باقاعدہ نماز پڑھتا تھا اور اذان کہلواتا تھا، اذان کے اندر ''اشھدان لاالٰہ الا اللّٰہ واشھدان محمداً رسول اللّٰہ'' یہی لفظ کہلواتا تھا، لیکن وہ حضور ﷺ کے بعد نبوت کا مدعی تھا تو اس کو کافر قرار دیا گیا اور باجماع امت اس کے خلاف جہاد کیا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔

تو ان سب باتوں کی طرف دیکھتے ہوئے جو اصل اصول نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ تکفیر کے اصول کے اندر یہ بنیادی بات ہے کہ کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی امر کا اگر منکر ہے تو وہ کافر ہے، چاہے کلمہ پڑھتا ہو، چاہے پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو، چاہے السلام علیکم کہتا ہو، السلام علیکم کہنے کو، کلمہ پڑھنے والے کو، نماز پڑھنے والے کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جائے گا جب تک کہ ہمیں دیگر حالات کی تحقیق نہ ہو، اور سرور کائنات ﷺ کے بعد چونکہ دل کے حالات کی تحقیق کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے حدیث شریف میں کہ نفاق صرف حضور ﷺ کے زمانے میں تھا اب یا تو کفر ہے یا اسلام اگر ہمیں ظاہری طور پر کفر کی کوئی علامت ملے گی تو کافر کہیں گے ورنہ اس کو مومن کہیں گے، اس سے ہمیں بحث نہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے کیونکہ کسی کے دل کے حالات کا جان لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، مسئلہ بیان کریں گے کہ جو اوپر اوپر سے اقرار کرتا ہے دل میں انکار ہو وہ منافق ہے لیکن متعین طور پر کسی کو منافق قرار دے دینا اب یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ دل کے حالات جان لینا ہمارے بس میں نہیں، حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے سے معلوم ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے تیسری قسم موجود تھی، مومن کافر اور منافق، اب نفاق نہیں ہے یعنی حقیقت میں تو ہے لیکن ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ منافق ہے اگر کوئی کفر کی بات ہمیں مل جائے تو ہم اس کو کافر کہیں گے، کفر کی بات نہ ملے تو ہم اس کو مومن کہیں گے، دل کے حالات کی تحقیق اب ہمارے ذمے نہیں ہے، اس لئے یوں کہہ دینا کہ فلاں کلمہ پڑھتا ہے اس کو کافر کیسے کہہ دیا جائے؟ فلاں نماز پڑھتا ہے اس کو کافر کیسے کہہ دیا جائے؟ یہ حقیقت سے بے خبری ہے مومن بننے کے لئے ضروری ہے ضروریات دین کو ماننا۔

ضروریات دین کا بیان:

باقی ضروریات دین کون کون سے ہیں؟ اس کی وقت پر تحقیق کی جا سکتی ہے جو معاملہ بھی سامنے آئے گا اس وقت کے علماء سے تحقیق کر لی جاتی ہے کہ یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ نہیں، نزول عیسیٰ علیہ السلام ضروریات دین میں سے ہے، ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے، پانچوں نمازوں کا فرض ہونا، انہی اوقات میں، انہی کیفیات کے ساتھ ضروریات دین میں سے ہے، زکوٰۃ ضروریات دین میں سے ہے، حج کی فرضیت ضروریات

دین میں سے ہے، زنا کا حرام ہونا ضروریات دین میں سے ہے، سود کا حرام ہونا ضروریات دین میں سے ہے، یہ موٹی موٹی باتیں ہیں، اور ضرورت اس کو کہتے ہیں جو بدیہی امر ہے کہ ہر عالم جاہل اس کام کو سمجھتا ہے کہ یہ دین کا کام ہے، اور حضور ﷺ نے بیان فرمایا یعنی عام امت کے افراد اس کو جانتے ہیں، تو حضور ﷺ کے زمانے سے اتنے واضح امور چلے آتے ہیں جس کے اوپر امت کا اتفاق ہے اس میں سے کسی امر کا انکار کرنے والے کو کافر کہہ دیا جائے گا، مثلاً کوئی قرآن کریم کو اللہ کی کتاب نہیں سمجھتا یا اس قرآن کریم کو جو ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے محرف مانتا ہے یہ ساری کی ساری چیزیں کفر کی ہیں، جن کے اندر یہ چیزیں پائی جائیں گی ان کو کافر کہیں گے، یا علامات کفر اس کے اندر دوسری نمایاں ہیں، کسی بت کو سجدہ کرتا ہے یا اس نے زنار باندھ رکھا ہے کافروں کی طرح یا گلے میں صلیب لٹکا رکھی ہے یہ نمایاں علامات ہیں جن کی بناء پر کسی کو کافر کہہ دیا جاتا ہے۔

تو یہ جو آپ مسئلہ پڑھیں گے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی گناہ پر ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، معصیت کی بناء پر ان کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن اگر عقیدہ کفر والا ہو تو کافر یقیناً قرار دیں گے یعنی ایک شخص مومن ہے پھر اس سے کوئی بڑے سے بڑا گناہ ہو جائے زنا کا صدور ہو گیا، وہ سود لیتا ہے، اس سے قتل کا صدور ہو گیا، ان معاصی کی بناء پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، عقیدے کے بدلنے کے ساتھ اس کو کافر کہیں گے، ضروریات دین میں سے اگر وہ کسی چیز کا منکر ہو گیا تو ایسی صورت میں اسے کافر کہیں گے تو یہ اصطلاح ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں۔

ننانوے وجوہِ کفر اور ایک وجہِ ایمان کا مطلب:

اور اسی طرح سے ایک اور جملہ آیا کرتا ہے اور عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجوہ ایسے موجود ہوں کہ جو کفر ہیں اور ایک کا احتمال بھی ایسا ہو کہ جس کو مراد لینے سے انسان کفر سے بچ سکتا ہو تو ایسے کلمے پر بھی کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں ننانوے وجوہ کفر کے موجود ہوں اور ایک وجہ کسی کے مومن ہونے کی ہے یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے ایک بات اس کی ہمارے سامنے آ گئی کہ اس نے یوں کہا ہے، اور اس بات کے سو مطلب نکل سکتے ہیں ننانوے مطلب ایسے ہیں کہ وہ اگر مراد لے لئے جائیں تو کفر ہے لیکن ایک مطلب اس کا ایسا نکل سکتا ہے کہ اگر وہ مراد لے لیا جائے تو کفر نہیں، تو جب تک قائل خود تعیین نہ کرے کہ میرا مطلب فلاں ہے جو کہ کفر ہے اس وقت تک اس بات کی بناء پر کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ بات کی تاویل کی جائے گی اور اگر وہ قائل خود کہہ دے کہ میرا یہ مطلب نہیں جس کی بناء پر تم کہتے ہو کہ یہ بات ایمان کے دائرے میں رہ سکتی

ہے میرا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ میں نے مطلب وہ لیا ہے جس کو ہم کہتے ہیں کہ کفر ہے اگر وہ صراحت کردے گا تو اس بات کی بناء پر اس کو کافر ٹھہرایا جاسکتا ہے تو یہ السلام علیکم کہنے والے کو جو مومن قرار دیا گیا ہے یہ اس وقت تک ہے جب تک دیگر حالات کی تحقیق نہ ہو ہمارے سامنے اجنبی آدمی آتا ہے ہم اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں، اس کے اوپر علامات اگر اسلام کی نمایاں ہیں تو ہم اس کو مسلمان سمجھیں گے کوئی ضرورت نہیں بدگمانی کرنے کی لیکن حالات کی تحقیق کے بعد اس میں اگر کوئی وجہ پائی گئی جو کافروں والی ہے پھر اس کی تکفیر کی جائے گی، نماز سے یہی عملی نماز مراد ہے جو کہتے ہیں کہ دل کی نماز مراد ہے یہ پانچ وقتی نماز مراد نہیں ہے یہ ضروریات دین کا انکار ہے۔

اے ایمان والو! جب تم چلو اللہ کے راستے میں تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور نہ کہا کرو اس شخص کے متعلق جو تمہارے اوپر سلام ڈالے کہ تو مومن نہیں ہے طلب کرتے ہو تم دنیاوی زندگی کا سامان یعنی دنیاوی زندگی کا سامان لینے کے لئے ان کا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے ایسی حرکت نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑی غنیمتیں ہیں اللہ تعالیٰ وہ غنیمتیں تمہیں دے گا تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے چھپے چھپائے کلمہ پڑھتے تھے ایمان لاتے تھے تو تمہارا ایمان بھی تو معتبر تھا اور جب تمہیں موقع ملا تم نے اظہار کیا اللہ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں ماحول ایسا دے دیا کہ تم نے اسلام کا اظہار کردیا، جس طرح پہلے تم چھپے چھپائے مومن تھے اسی طرح اب بھی چھپے چھپائے مومن ہوسکتے ہیں اور وہ جب تمہیں دیکھیں گے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھیں گے، آکر اسلام کا اظہار کریں گے تو قابل قبول ہونا چاہیے آخر تم بھی تو پہلے ایمان کو چھپاتے تھے اسی طرح سے اگر کوئی شخص ایمان کو چھپائے بیٹھا ہو اور کافروں مشرکوں کی موجودگی میں اس کا اظہار نہ کرتا ہو تو جیسے تمہارا ایمان معتبر تھا ان کا بھی معتبر ہے تم بھی پہلے ایسے ہی تھے، "فمن اللہ علیکم" پھر اللہ نے تم پر احسان کیا پھر خوب اچھی طرح سے تحقیق کرلیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

جہاد کی فضیلت اور جہاد کے فرض ہونے کا بیان:

آگے وہی جہاد کی ترغیب ہے، اور ترغیب اس انداز سے دی گئی ہے کہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے، فرض عین وہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے کرنا ضروری ہے جو بھی چھوڑے گا وہ فاسق ہے، گناہ گار ہے اور فرض کفایہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جماعت مسلمین پر فرض ہے اس لئے چند افراد جو ضرورت کے لئے کافی ہوں اگر وہ اس فرض کو ادا کردیں تو باقیوں سے فرض ساقط ہو جائے گا، یہاں اس مسئلے کو واضح کیا جارہا ہے،

فرض کفایہ کا مطلب ہوتا ہے جماعت پر فرض ہے جس طرح سے جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر فرض ہے چند افراد اگر اس جنازے کو پڑھ لیں گے تو فرض ادا ہو جائے گا، کوئی بھی ادا نہیں کرے گا تو سارے گناہ گار ہوں گے، اس لئے کہا جا رہا ہے کہ مجاہدین کا درجہ تو بہت اونچا ہے قاعدین کے مقابلے میں لیکن اللہ تعالیٰ نے وعدہ ہر ایک سے اچھا کیا ہوا ہے کہ قاعدین بھی اجر کے مستحق ہیں مجاہدین بھی اجر کے مستحق ہیں لیکن مجاہدین کو اجر زیادہ ملے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، اور ان اعمال کی پابندی کرتا ہے تو چاہے وہ گھر ہی بیٹھا رہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے اور پھر فرمایا کہ لیکن جہاد کرنے والوں کے درجات بہت اونچے ہیں، سو درجات اللہ ان کے اونچے کرے گا، اور دو دو درجوں کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہوگا کہ جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے اس لئے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہیے، یہ بھی علامت ہے اس بات کی کہ یہ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے، اگر فرض عین ہوتا تو اس کے تارکین آخرت میں کامیابی کے مستحق نہ ہوتے لیکن جو جہاد نہیں کرتے، گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں چاہے بغیر عذر کے بیٹھے ہوئے ہیں ایسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اچھائی کا وعدہ کیا ہوا ہے، نہیں برابر مومنوں میں سے بغیر عذر کے بیٹھنے والے عذر والوں کا تو کہنا ہی کیا وہ تو زیر بحث نہیں، اگر کسی کے اندر جہاد کا جذبہ ہے لیکن کسی عذر کی بناء پر وہ جہاد میں نہیں جا سکتا تو اللہ تعالیٰ ان کو مجاہدوں والا اجر دیتے ہیں، نہیں برابر وہ لوگ جو بیٹھے رہیں مومنوں میں سے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ، فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کے مقابلہ میں درجہ میں، اور ہر ایک کے ساتھ اللہ نے اچھی حالت کا وعدہ کیا یعنی قاعدین بھی مردود نہیں ہیں جب کہ جہاد فرض علی العین نہ ہو۔

ہاں البتہ کافروں کی طرف سے ہجوم ہو جائے، جو فوج آپ نے مرتب کی ہوئی ہے وہ جہاد کے لئے کافی نہیں اور جس وقت تک آپ شامل نہیں ہوں گے کافروں کو شکست نہیں دی جا سکتی ایسے حالات کے اندر جس طرح سے فقہ کی کتابوں میں آپ پڑھتے رہتے ہیں یہ فرض علی العین بھی ہو جاتا ہے پھر اس کا ترک کرنا گناہ ہوگا، فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو قاعدین کے مقابلے میں اجر عظیم میں، اجر عظیم ان کا بڑھا دیا اجر عظیم کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے درجات ملیں گے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت حاصل ہوگی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ

بے شک وہ لوگ جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں فرشتے کہتے ہیں تمہارا کیا حال تھا،

قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ

وہ کہتے ہیں کہ ہم کمزور قرار دیے گئے تھے اپنے علاقہ میں ، فرشتے کہتے ہیں کہ کیا نہیں تھی اللہ کی زمین

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿۹۷﴾

وسیع پھر تم اس میں ہجرت کر جاتے ، یہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ، اور وہ برا ٹھکانہ ہے ﴿۹۷﴾

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

مگر وہ مرد عورتیں اور بچے جو بے بس ہیں جو نہیں طاقت رکھتے

حِيلَةً وَّلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۹۸﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ

کسی تدبیر کی اور نہیں ہدایت پاتے وہ کسی راستہ کی طرف ﴿۹۸﴾ پس یہی لوگ ہیں امید ہے کہ اللہ درگزر کرے گا

عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

ان سے ، اور اللہ درگزر کرنے والا ہے بخشنے والا ہے ﴿۹۹﴾ جو شخص بھی ہجرت کرے اللہ کے راستے میں

يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا

پائے گا وہ زمین میں جدا ہونے کی جگہ بہت زیادہ اور وسعت ، اور جو شخص بھی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا

إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر اس کو موت پالے تحقیق واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ پر ،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۰۰﴾ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۰﴾ اور جس وقت تم زمین میں سفر کرو پھر تم پر نہیں

جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِينَ

کوئی گناہ کہ تم نماز میں سے کچھ حصہ کم کر دیا کرو ، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے وہ لوگ

كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ

جنہوں نے کفر کیا ، بے شک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں (۱۰۱) اور جس وقت آپ ان مومنین میں موجود ہوں

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا

پھر آپ ان کے لئے نماز کو قائم کریں پس چاہیئے کہ ان میں سے ایک طائفہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور چاہیئے کہ یہ لوگ لے لیں

اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ

اپنے ہتھیار ، پھر یہ جب سجدہ کرلیں تو چاہیئے کہ یہ لوگ تمہارے پیچھے جائیں ، اور چاہیئے کہ آجائے طائفہ

اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ

دوسرا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پھر وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور چاہیئے کہ وہ اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار اختیار کرلیں ،

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ

چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ غافل ہوجاؤ تم اپنے سامان جنگ اور سامان متاع سے

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ

پھر وہ مائل ہوجائیں گے تم پر یکبارگی مائل ہونا ، اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں

اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا

تکلیف ہے بارش کی یا تم بیمار ہو کہ اتار کر رکھ دو تم اپنا سامان جنگ ، اور اختیار کرو

حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

اپنا بچاؤ ، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے (۱۰۲) پھر جب تم نماز پوری کرلو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

پھر یاد کرو اللہ کو کھڑے ہونے بیٹھنے اور پہلو پر لیٹنے کی حالت میں ، پھر جس وقت تم مطمئن ہوجاؤ

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾

تو نماز قائم کرو بے شک نماز مومنوں کے اوپر فرض کی ہوئی ہے وقت متعین کرکے (۱۰۳)

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ

سستی نہ کیا کرو قوم کا پیچھا کرنے میں ، اگر تم دکھ محسوس کرتے ہو تو بے شک وہ بھی دکھ محسوس کرتے ہیں

كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

جیسے تم دردزدہ ہوتے ہو ، اور تم امید کرتے ہو اللہ کی جانب سے ایسی چیز کی جس کی وہ امید نہیں کرتے ، اور اللہ تعالیٰ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ۧ

علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿۱۰۴﴾

تفسیر :

ہجرت کی جہاد کے ساتھ مناسبت:

ذکر چلا آرہا تھا جہاد کا اور جہاد کی آیات میں اب اس رکوع کے اندر تذکرہ کیا گیا ہے ہجرت کا، ہجرت اور جہاد یہ دونوں آپس میں گہری مناسبت رکھتے ہیں حکم ہے اپنے دین کو بچانے کا اور دینی فتنوں سے بچنے کا کہ کوئی شخص اس کو دین سے پھسلا نہ سکے اور دین چھوڑنے پر مجبور نہ کر سکے تو دین کے بچانے کا جذبہ دونوں صورتوں میں ہے یعنی جہاد کریں اور ہجرت کریں "قاتلوا" "قتال کرو" "حتیٰ لاتکون فتنة" یہاں تک کہ شرارت باقی نہ رہے، تمہیں کوئی دین سے پھیرنے کی کوشش نہ کرے، کفر کی طاقت کو توڑ دو، کفر تمہارے مقابلے میں قوت والا نہ رہے یا وہ ایمان قبول کرلیں یا وہ تمہارے ماتحت ہو جائیں "حتی یعطوا الجزیة عن ید وھمْ صاغرون" ذلیل ہوکر ماتحت ہوکر جزیہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دینے لگ جائیں، تمہاری اطاعت قبول کرلیں تو یہ جب صورت پیدا ہو جائے گی تو بھی کافروں کی طرف سے اہل ایمان کو خطرہ نہیں رہے گا اور وہ ایمان والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر جماعت اس طرح سے قوت میں نہ ہو، کسی علاقے میں جو شخص ایمان قبول کرے وہ اس علاقے میں مغلوب ہے اور کافر لوگ اس کے اوپر غالب ہیں، اس کو اپنے ایمان کے تقاضوں پر چلنے نہیں دیتے ، دین کا اظہار اس کے لئے مشکل ہے اور کوئی دوسری جگہ ایسی موجود ہے کہ جہاں مسلمانوں کو غلبہ ہے وہاں جا کے انسان اپنے دین کے مطابق عمل کر سکتا ہے دین کا اظہار کر سکتا ہے، تو ایسی صورت میں پھر اس علاقے کو چھوڑ دینا چاہیئے اور ایسے علاقے میں چلے جانا چاہیئے جہاں دینی طور پر امن اس انسان کو حاصل ہو جائے تو دونوں کے اندر مقصد اصل کے اعتبار سے اپنے ایمان کی حفاظت ہے۔

ہجرت کے موانع:

آپ کے سامنے سورۃ عنکبوت میں آئے گا "یعبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون" اے ایمان والو! میری زمین بہت وسیع ہے پس تم میری ہی عبادت کرو، میری ہی عبادت کا حکم جو آیا اس کے ساتھ یہ جو ذکر کر دیا "ان ارضی واسعة" کہ میری زمین بہت وسیع ہے تو دونوں کے درمیان میں مناسبت اس طرح سے ہے کہ اگر کسی جگہ تم رہتے ہوئے میری عبادت نہیں کر سکتے، میرے احکام کے اوپر زندگی نہیں گزار سکتے تو علاقہ مقصود نہیں ہے، زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے مقصود نہیں ہے اس ٹکڑے کو قربان کریں، اس جگہ کو چھوڑ دیں، "ان ارضی واسعة" میری زمین بہت وسیع ہے وہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، اور جاتے وقت خیال آئے گا اپنے رشتہ داروں کا جو کہ کافر ہیں وہ ساتھ نہیں جائیں گے، برادری چھوٹے گی اور اپنا ذریعہ معاش چھوٹے گا کہ یہاں دوکان ہے، جائیداد ہے، یہاں سب کماتے ہیں اور کھاتے ہیں اگر اس علاقے کو چھوڑ جائیں گے تو دوکان نہیں رہے گی، زمین نہیں رہے گی، ذر یہ آمدنی نہیں رہے گا، برادری چھوٹ جائے گی، اس قسم کے وسوسے جو ہیں انسان کے پاؤں میں زنجیر ثابت ہوتے ہیں اور دین کے تقاضوں کے مطابق پھر وہ اپنے علاقے کو چھوڑ نہیں سکتا، اپنے دین کی حفاظت کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے اگر یہ خیالات اس کے اوپر غالب آجائیں تو اگلے الفاظ میں اس کا دفیعہ آگیا "کل نفس ذائقة الموت" یہ تصور دے دیا گیا کہ آخر مر کر بھی تو چھوٹیں گے، کب تک ساتھ رہیں گے تو جب ایک دن موت آئے گی تو اضطراراً چھوڑ دو گے، مجبوری کے درجے میں چھوڑ دو گے، اب اپنے اختیار سے چھوڑ دو تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب دے۔

اور جہاں تک رزق کی بات ہے اس کا دفیعہ بھی کر دیا گیا "وکاین من دابة" اپنے ارد گرد نظر دوڑا کر دیکھو جانور پرندے زمین پر چلنے والی چیزیں یہ کتنی ہیں جو اپنا رزق اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں "الله یرزقها وایاکم" اللہ انہیں بھی دیتا ہے تمہیں بھی دے گا، تو یہ خیالات جو مانع بنتے ہیں ہجرت سے ان الفاظ میں ان موانع کو اٹھایا گیا تو مناسبت ہے ہجرت کی اور جہاد کی جس کی وجہ سے جہاد کی آیات کے درمیان میں ہجرت کا مسئلہ ذکر کر دیا گیا۔

ہجرت کا مفہوم:

ہجرت چھوڑنے کے معنی میں ہے، ہجران، ہجر، ہجرت، مہاجر، مہاجرت، یہ لفظ کتابوں کے اندر آتے رہتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو چھوڑ دینا ترک کر دینا اور شرعی اصطلاح میں ہجرت کا معنی ہوتا ہے کہ ایسے

علاقے کو کہ جس میں رہتے ہوئے انسان اپنے دین کی حفاظت نہیں کرسکتا چھوڑ کر کسی ایسے علاقے کی طرف جانا جہاں جاکے اپنے دین کے مطابق عمل کرسکیں تو گویا کہ ترک وطن اس کے اندر پایا گیا اپنے وطن کو چھوڑنا، ایسا وطن جس کے اندر کفر غالب ہے اور ایسے وطن کی طرف چلے جانا جہاں اسلام غالب ہے وہاں رہ کر انسان اسلام کے مطابق عمل کرسکتا ہے اور مقصد ہوتا ہے اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور اپنے دین کے مطابق عمل کرنا، اس میں اگر ایک علاقہ انسان چھوڑتا ہے اس وجہ سے کہ یہاں کفار ہمیں ملازمت نہیں کرنے دیتے، ہمارے کاروبار کو نقصان پہنچاتے ہیں، ہم دوسرے علاقے میں چلے جائیں وہاں جاکے ہمارا کاروبار اچھا چمکے گا، کاروبار ہمارا اچھا ہوجائے گا اس جذبے کے تحت جو علاقہ چھوڑا جائے گا، یہ چھوڑنا ہجرت نہیں کہلائے گا۔

حقیقتِ ہجرت اور صورتِ ہجرت:

محض دین مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو جیسے کہ مشہور روایت ہے عام طور پر خطبوں کے اندر پڑھی جاتی ہے اس میں حضور ﷺ نے لوگوں کو یہی تعلیم دی "انما الاعمال بالنیات" کہ جو اللہ کی نیت کر کے ہجرت کرے گا وہ ہجرت صحیح ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے سمجھی جائے گی اور اگر دنیا کمانے کے لئے ایک علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں جاتے ہو یا کوئی شادی رچانے کے لئے کسی عورت کو حاصل کرنے کے لیے ایک علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے کی طرف جاتے ہو جس طرف تم نے ہجرت کی ہے وہ ہجرت ادھر ہی ہے وہ ہجرت اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے نہیں ہے چاہے تم اپنے آپ کو یہ قرار دیتے رہو کہ ہم مہاجر ہیں ہم مہاجر الی اللہ ہیں لیکن اللہ نیت کو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے دل کا ارادہ اور قصد ہے، تو اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو ہجرت صحیح ہے ورنہ نہیں۔

پھر اس کے تحت یہ بات بھی آجاتی ہے کہ جب مقصد ہی دین ہے اور اپنے دین کو بچانے کے لئے ہجرت کی جائے گی تو ہجرت کر کے تو آگئے لیکن اس علاقے میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اسی طرح سے رہی دارالاسلام میں آجانے کے بعد نماز نہیں پڑھتے، اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام جو ہیں ان کو پورا نہیں کرتے تو یہ ہجرت کی ایک صورت ہے حقیقت ہجرت ختم کیونکہ ہجرت کی روح ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "المهاجر من هجر الخطايا" کامل درجے کا مہاجر وہ ہے، صحیح مہاجر وہ ہے جو ان گناہوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے روکا ہے اور اگر کوئی ہجرت کر کے آگیا اور وہ گناہ اسی طرح سے کر رہا ہے، اللہ کی معصیت اختیار کیے ہوئے ہے تو پھر اس علاقے کو چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی علاقہ تو چھوڑا اسی

لئے تھا تا کہ ہم دوسرے علاقے کے اندر جا کے دین کے مطابق عمل کریں گے اور اگر دین کے اوپر عمل کرنا ہی نہیں تھا تو پھر اس علاقے میں اور اس علاقے میں کیا فرق تھا، پھر صورتاً ہجرت پائی گئی حقیقتاً ہجرت نہیں ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو کہ دوسری جگہوں پر رہتے ہوئے ایمان قبول کر لیتے تھے ہجرت کی ترغیب دیتے ہیں کہ اگر ہجرت کے اسباب مہیا ہوں پھر ہجرت نہ کی جائے تو پھر یہ جرم ہے پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذر نہیں چلے گا کہ ہم مغلوب تھے، لوگ ہمیں دین پر چلنے نہیں دیتے تھے، ہم اس لئے دین پر نہیں چلے تھے کوئی عذر بھی نہیں سنا جائے گا، ہاں البتہ اگر کوئی واقعی کمزور ہے ایسا دبا ہوا ہے بے بس ہے کہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتا کافروں نے اس کو پکڑ لیا باندھ لیا یا اس کے پاس کوئی اسباب مہیا نہیں ہیں تو ایسے شخص کو معافی مل سکتی ہے تو ہجرت فرض ہے ایسے علاقے سے کہ جہاں انسان اپنے دین کے مطابق عمل نہ کر سکے اور کوئی دوسرا ایسا علاقہ موجود ہو جہاں جانے کے بعد دین پر عمل ہو سکے گا اور پھر انسان کو اسباب بھی مہیا ہوں ایسی صورت میں پھر ہجرت کرنا فرض ہے۔

تفسیر باللفظ:

"ان الذین توفاهم الملائکة ظالمی انفسهم " بے شک وہ لوگ جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں یہ ظلم ہے ترک ہجرت کی وجہ سے یعنی وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، فرشتے ان سے پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ کس جگہ پڑے ہوئے تھے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ بطور تنبیہ کہ کہتے ہیں کہ تمہارا کیا حال تھا تم دین پر چلے کیوں نہیں، دین پر تم نے عمل کیوں نہیں کیا تو وہ آگے سے کہتے ہیں کہ ہم دبائے ہوئے تھے، کمزور تھے، بے بس تھے، اپنے علاقے میں ہم دین پر عمل کیسے کرتے یہ وہ عذر کریں گے تو فرشتوں کی طرف سے یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ عذر تمہارا قبول نہیں "الم تکن ارض الله واسعة" کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی تم اس طرف چلے جاتے اپنے علاقے کو چھوڑ کر کیوں نہیں گئے یہ زجر ہے تو جب اختیار ہونے کے باوجود، دوسرا علاقہ ہونے کے باوجود، ہجرت کرنے کی قوت اور طاقت ہونے کے باوجود تم نے ہجرت نہیں کی یہ تمہارا کوئی عذر نہیں ہے کہ ہم دین پر اس لئے نہیں چل سکے کہ ہم اپنے علاقے میں بے بس تھے یہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تو ان کا یہ عذر قبول نہ ہوا کہ چونکہ ہم کافروں کے علاقے میں رہتے تھے اس لئے ہم اپنے دین پر نہ چل سکے یہ عذر کوئی قبول نہیں ہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ہاں جو واقعی بے بس ہیں "المستضعفین" کا معنی ہو گا کہ واقعی بے بس ہیں وہ تو خود کہتے تھے ہم بے بس ہیں وہ بے بس نہیں تھے ان کا عذر کوئی معقول نہیں اور جو واقعی بے بس ہیں کمزور سمجھے ہوئے ہیں چاہے وہ مرد ہیں

چاہے عورتیں چاہے بچے ہیں اور وہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے ہجرت کرنے کی اور نہ کوئی راہ پاتے ہیں یا تو ان کو راستہ نہیں آتا یا راستے پر چلنے کے اسباب مہیا نہیں، ان کے لئے کوئی راہ کھلا نہیں ہے یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے گا اللہ کی طرف سے جب ان کو امید دلائی جائے یہ ایک قسم کا وعدہ ہوتا ہے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو کا وعدہ ہے کہ اللہ ان سے درگزر کر جائے گا اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے، اور یہاں بھی جو عفو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس میں بھی تأثر دیا گیا ہے گویا کہ ہے تو ان کا بھی قصور لیکن مجبوری کی بناء پر ان سے درگزر کر لیا جائے گا اس سے ہجرت کی اہمیت نمایاں ہے کہ عین مجبوری کے حال میں بھی کوئی اگر ہجرت نہیں کر سکا تو گویا کہ اس نے جرم کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کریں گے، درگزر فرمادیں گے تو جب بھی عذر زائل ہو جائے کوئی حیلہ اور تدبیر ہاتھ آجائے اور کوئی راہ مل جائے دارالاسلام میں جانے کا تو پھر کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔

جو کوئی اللہ کے راستے میں ہجرت کرے فی سبیل اللہ یہ نیت کا بیان ہے، نیت اس کی اللہ کے راستے میں ہونی چاہیئے جس طرح سے جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے، قتال فی سبیل اللہ ہوتا ہے اس طرح سے ہجرت فی سبیل اللہ ہے پائے گا وہ زمین میں بہت جگہ علیحدہ ہونے کی ایک علاقے سے ہٹ کر دوسرا علاقہ اس کو مل جائے گا رہنے کی جگہ اس کو بہت مل جائے گی بڑی اللہ کی طرف سے وسعت ہوگی، اللہ تعالیٰ روزی بھی دے گا اور اللہ تعالیٰ دین کے اعتبار سے موقع بھی دے گا، سعۃ کے لفظ میں یہ بتا دیا گیا تو اللہ کے راستے میں ہی ہجرت کرنا ضروری ہے تب جا کے یہ وعدہ ہے جب نیت صحیح ہو۔

"ومن یخرج من بیتہ مھاجرا" جو کوئی اپنے گھر سے نکلا اس حال میں کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے یعنی نکلا گھر سے اسی جذبے سے ہے کہ وہ ہجرت کر کے جارہا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے پھر مہاجر بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہجرت کا ثواب لینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انسان کسی ٹھکانے پر پہنچ جائے اور وہاں جا کر پورا پورا اپنے دین پر عمل کرے تب جا کے اس کو ملے گا نہیں، جب اس نے گھر سے قدم اٹھایا تو پہلا قدم ہی اس کی کامیابی کا قدم ہے اس راستے میں قدم اٹھانے کے بعد پھرنا کامی نہیں ہے اگر راستے میں موت آگئی تو بھی اس کا درجہ مہاجرین والا ہے، چاہے جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا وہ وہاں نہیں پہنچا اللہ کے ذمے اجر لگ گیا جو کوئی نکلے اپنے گھر سے اس حال میں کہ ہجرت کرنے والا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر اس کو موت پالے یعنی کسی ٹھکانے پر ابھی نہیں پہنچا کسی جگہ جا کر اس کو دین کے اظہار کا موقع نہیں ملا تو ایسی صورت میں بھی اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔

"ومن یخرج" جو نکلے، نکلنا اختیار سے بھی ہوتا ہے کہ از خود یہ انسان سوچے کہ میں یہاں نہیں رہ سکتا دوسری جگہ جاؤں گا تو مجھے دینی طور پر وسعت حاصل ہوگی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبردستی نکال دیا جاتا ہے انسان "اخرجوا من دیارهم واوذوا فی سبیلی" جیسے دوسری جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال یہ ذکر کیا گیا کہ گھروں سے نکال دیے گئے میرے راستے میں تکلیف پہنچائی جائے یہ بھی ہجرت کی صورت ہے "وکان اللہ غفورا رحیما" اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے، اب ہجرت ہو یا جہاد دونوں میں سفر کی نوبت آتی ہے اس مناسبت سے آگے سفر کی نماز کا ذکر ہوگیا، یہ مناسبت ہوجائے گی مابعد والی آیت کی ماقبل کے ساتھ کہ ہجرت اور جہاد جن کا یہاں ذکر چلا آ رہا ہے ان دونوں کے اندر ہی سفر کی نوبت آتی ہے تو سفر کے کچھ احکام ذکر کیے جا رہے ہیں۔

یہ ہے سفر کی نماز جس میں تلقین ہے کہ قصر کر سکتے ہو، قصر یہ بعض ائمہ کے نزدیک تو رخصت ہے، رخصت کا مطلب یہ ہے کہ مرضی ہے تو قبول کرو، مرضی ہے تو قبول نہ کرو، اس لئے اگر تم قصر کرنا چاہتے ہو دو رکعت پڑھنا چاہتے ہو تو دو رکعت پڑھ لو، چار پڑھنا چاہتے ہو تو چار پڑھ لو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عزیمت ہے، مطلب یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز میں دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساقط ہی ہوگئیں، سفر کے اندر ظہر کی نماز دو رکعت ہے، بالکل اسی طرح سے جس طرح سے حضر میں فجر کی نماز دو رکعت ہے کہ جیسے آپ اس میں اضافہ نہیں کر سکتے اس میں بھی اضافہ نہیں کر سکتے، دو پڑھنی لازم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور صدقہ کے یہ معاف کر دی جب اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی اور ان کا مطالبہ نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ یہ اب فرض نہیں رہی، اس لئے دو رکعت ہی پڑھنی چاہیئے اس کے اوپر اضافہ نہیں کرنا چاہیئے، یہاں لفظ استعمال کیا گیا ہے "اذا ضربتم فی الارض" زمین میں جس وقت تم چلو اس میں عموم پیدا ہوگیا کہ صرف جہاد یا ہجرت کے اندر یہ رخصت حاصل نہیں بلکہ جس وقت بھی انسان سفر کرے اس وقت اس کو رخصت حاصل ہے، یہ عمومی عنوان اختیار کر لیا گیا، یہ ضرب فی سبیل اللہ یا قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، جس ضرورت کے تحت بھی انسان سفر کرتا ہے اس سفر کے اندر اس کو یہ رخصت حاصل ہے۔

باقی حدیث شریف کے اندر اس کے احکام مفصل ہیں کہ کتنا چلے، کتنے سفر کا ارادہ ہو تو رخصت حاصل ہے، اور کتنا سفر ہو تو رخصت حاصل نہیں ہے، وہ تفصیل آپ فقہ کے اندر پڑھتے رہتے ہیں کہ مدار اس کا تین منزل پر رکھا ہے اور تین منزل کی مسافت اڑتالیس میل ہے یا چون میل ہے یا اٹھاون میل ہے اس میں اقوال مختلف ہیں عام طور پر مشہور ہے عام لوگوں میں جو معمول چلا آ رہا ہے اور جو مشہور ہے وہ اڑتالیس میل کا ہی ہے۔

نماز میں قصر کرنے کا بیان:

”اذا ضربتم فی الارض“ جب تم چلو زمین میں ”فلیس علیکم جناح“اور عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم قصر کرلو، بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے یہ مباح ہے اس لئے قصر کرنے کی صورت میں گناہ کوئی نہیں ہے، اور قصر نہ کرنے کی صورت میں گناہ لازم آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ عنوان اختیار کیا گیا ظاہر کے مطابق کہ جب چار کی بجائے دو رکعات پڑھیں گے تو کسی کے دل میں خیال آسکتا ہے کہ شاید یہ دو رکعت پڑھنا کوئی کوتاہی میں شمار ہو تو اس شبہ کو دور کردیا گیا کہ کوئی کوتاہی نہیں ہے، اگر دو پڑھو گے تو اس کو کوتاہی نہیں سمجھا جائے گا باقی دو پڑھنا ضروری ہیں یا نہیں اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں جن کا ذکر حدیث شریف میں آتا رہتا ہے سرور کائنات ﷺ کا عمل یہی تھا کہ آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے، خلفاء کا عمل بھی یہی تھا کہ آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے جس طرح بعینہ یہی عنوان سعی بین الصفا والمروۃ کے لئے بھی اختیار کیا گیا ہے ”فلا جناح علیه ان یطوف بهما“ کہ جو تم میں سے حج کرے، عمرہ کرے اس پہ کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے حالانکہ وہ طواف بالاتفاق ضروری ہے ہمارے نزدیک واجب ہے باقی ائمہ کے نزدیک فرض ہے، عنوان وہاں بھی یہی اختیار کیا گیا کہ جو طواف نہ کرے اس پر کوئی کسی قسم کا گناہ نہیں، وہاں بھی یہی بات تھی بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاید یہ صفا مروہ کے درمیان گھومنا بتوں کی تعظیم کے لئے ہیں جو مشرکین مکہ نے صفا اور مروہ کے اوپر رکھے ہوئے تھے تو وہ خیال کرتے تھے کہ اب اگر ہم وہاں گھومیں گے تو اس صورت میں گناہ ہوگا اس گناہ کا ازالہ کردیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس قول میں کہ یہ گناہ نہیں ہے کوئی اس طرح گھومے گناہ نہیں ہے، باقی احادیث کی دلیل سے معلوم ہوگیا کہ یہ گھومنا ہے ضروری صفا مروۃ کے درمیان میں، گناہ کا شبہ تھا بایں معنی کہ وہاں مشرکین نے بت رکھے ہوئے تھے۔

اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اب اگر وہاں ہم گھومیں گے تو یہ گناہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے نفی کردی کہ وہاں گھومنا گناہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کے شعائر میں سے ہے اور یہاں گناہ کا تصور بایں معنی آتا ہے کہ جب چار کی بجائے دو پڑھیں گے تو دل میں خیال آتا ہے کہ شاید یہ کوتاہی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو پڑھنا کوتاہی نہیں باقی آگے پڑھنا ضروری ہے کہ نہیں اس کے دوسرے دلائل ہیں تو مشکوٰۃ شریف میں باب صلوٰۃ السفر میں یہ بات آجائے گی اور حدیث شریف میں اس بحث کو ذکر کیا جاتا ہے اور فقہ کے اندر بھی یہ بات مذکور ہے کہ ہمارے ہاں یہ دو رکعتیں رخصت لازم ہیں جس کو ہم عزیمت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں رخصت کا لفظ اس کے لئے وضاحتاً استعمال کیا جاتا ہے، یہ دو رکعات اللہ تعالیٰ نے ساقط ہی کردی ہیں، ظہر میں عصر میں اور عشاء میں، مغرب میں قصر نہیں ہے اور فجر میں بھی قصر نہیں ہے۔

آگے یہ قید آگئی "ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" یعنی قصر کرو تو کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے، کافروں کی طرف سے شرارت کھڑی ہونے کا اندیشہ ہے ان کی طرف سے تمہیں کوئی پریشانی کا خطرہ ہے تو تھوڑی سی نماز پڑھ لیا کرو کوئی حرج نہیں یہ قید باتفاق امت اتفاقی ہے واقعہ کا بیان ہے کہ جب یہ رخصت نازل ہوئی تھی اس وقت حالات ایسے تھے کہ کافروں کی طرف سے اندیشہ ہوتا تھا واقعہ کے طور پر اس کو ذکر کر دیا ورنہ ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ قصر دشمنوں کی طرف سے خوف کے وقت نہیں بلکہ امن کے وقت بھی ہے، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے سارا علاقہ فتح ہو چکا تھا اور آپ ﷺ کو ہر طرح سے امن واطمینان نصیب ہو چکا تھا اور اتنی اکثریت تھی اس وقت کہ کہیں بھی مسلمانوں کا اتنا اجتماع نہیں ہوا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ نے قصر ہی پڑھی تو جس کا مطلب یہ تھا کہ خوف کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ یہ خوف کا ذکر یہاں واقعہ کا بیان ہے، اس وقت حالات ایسے ہی تھے تو خلفاء بھی اسی طرح سے جب اپنی مملکت کے اندر سفر کرتے تھے یا حج کے لئے آتے تھے منیٰ کے اندر جہاں پر خصوصیت کے ساتھ اجتماع ہوتا ہے امت محمدیہ کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ جتنی کثرت دنیا میں کسی جگہ نہیں ہوتی تو بھی وہاں قصر ہی کرتے تھے۔

ان روایات کو بیان کرنے سے مقصد یہی ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ یہ قصر خوف اور فتنہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے تو فتنہ والی شرط یہ بالاتفاق واقعہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں یہ قصر کی اجازت آئی تھی اس وقت حالات ایسے ہی تھے، اور باقی سنن جو ہیں سنن موکدہ وہ سفر میں قصر نہیں کی جاتیں ان کا مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی چل چلاؤ کی حالت میں ہے تو چھوڑ دینی چاہئیں چھوڑنا بہتر، اور اگر کہیں جا کر آپ اطمینان کے ساتھ ٹھہر گئے ہیں تو ان کا پڑھنا بہتر بہر حال وہ سفر میں موکدہ نہیں رہتیں ان کا درجہ عام نوافل کی طرح ہو جاتا ہے، امن کی حالت میں پڑھ لینی چاہئیں، فجر کی سنتوں کا البتہ اہتمام کرنا چاہیئے ان کی تاکید زیادہ ہے ویسے سنن موکدہ جتنی بھی ہیں وہ سب نوافل کے درجے میں آ جاتی ہیں پڑھیں گے تو پوری پڑھیں گے نہ پڑھیں گے تو چھوڑنے کی اجازت ہے، امن کی حالت میں جب کہیں ٹھہر جاتا ہے انسان تو اس وقت تو پڑھ ہی لینی چاہئیں، جیسے چل چلاؤ ہوتا ہے کہ گاڑی تھوڑی دیر کے لئے ٹھہری ہے اور آپ نماز پڑھنے کے لئے اترے ہیں یا سفر جاری ہے اور زیادہ دیر اگر نماز میں لگائی جائے تو سفر میں رکاوٹ پیش آتی ہے ایسے وقت میں پھر ان کا ترک اولیٰ ہے چھوڑ دے اور فرض جو دو پڑھنے ہیں وہ اطمینان کے ساتھ ادا کرے "ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا" بے شک کافر تمہارے لئے صریح دشمن ہیں، اس لئے ان

کی طرف سے خوف فتنہ ہوتا ہی ہے تو اس موقع پر اسی خوف فتنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر بھی قصر کرنے کی اجازت دے دی تا کہ اس میں تمہارا زیادہ وقت نہ لگے ، اور نماز جلدی جلدی پڑھ کے کافروں کی طرف سے محتاط ہو جایا کرو ، اپنے دشمنوں کی طرف متوجہ ہو جایا کرو اور ان کے مقابلے کے لئے تیار ہو جایا کرو۔

صلوٰۃ خوف کا بیان:

آگے ذکر کیا جا رہا ہے صلوۃ خوف کا ، فقہ کی کتابوں میں صلوٰۃ خوف کے عنوان سے جس نماز کے مسائل آپ پڑھا کرتے ہیں ان آیات میں اس کا ذکر ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کی اور ایمان والوں کی فوجیں بالمقابل ہیں اس وقت چونکہ لڑائی ہوتی تھی ، ڈنڈے سوٹے کے ساتھ ہی ، تلوراوں نیزوں کے ساتھ ہی ، تو دونوں فوجیں بالکل آمنے سامنے ہوتی تھیں ، زیادہ درمیان میں فاصلہ نہیں ہوتا تھا ، ادھر وہ فوج ٹھہری ہوئی ہے ، اور ادھر یہ فوج ٹھہری ہوئی ہے ، درمیان میں میدان ہے تو ایسے موقع پر ہوسکتا ہے کہ اگر جماعت ساری کی ساری غافل ہو جائے جیسے جب سجدے میں پڑیں گے تو سارے کے سارے ہی دشمن سے بے خبر ہو جائیں گے تو دشمن اگر چاہے تو ایک ہی وقت میں یکبارگی وہ حملہ کر سکتا ہے ، زیادہ دیر نہیں لگے گی ، آج والی کیفیت نہیں کہ جیسے آج جنگیں ہیں کہ میلوں کا فاصلہ درمیان میں ہوتا ہے فوجوں کے ، اور ہوائی جہاز کے ذریعے سے گولے گرائے جا رہے ہیں اس وقت یہ بات نہیں تھی بالکل آمنے سامنے ہوتے تھے ، تو اگر سارے کے سارے اپنے سامان سے غافل ہو جائیں مثلاً جب آدمی سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اگر دشمن چاہے تو ایک ہی منٹ میں حملہ کر کے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اور پھر نماز پڑھنی جماعت کے ساتھ ہے تو اس سے نماز با جماعت کی اہمیت بھی نمایاں ہے کہ حضور ﷺ موجود ہوں تو آپ اگر امامت کریں تو ہر کسی کا تقاضا ہوگا کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھیں ، کسی کو کہہ دیا جائے کہ تو علیحدہ پڑھ لے ، دوسرے امام کے پیچھے پڑھ لے تو آپ ﷺ کی موجودگی میں یہ چیز ناگوار گزرتی ، تو اجازت تو اصولاً حضور ﷺ کی زندگی میں ہی آئی ہے لیکن ائمہ فقہ نے پھر روایات کی طرف دیکھتے ہوئے اس کو عام قرار دیا ہے کہ دوسرے ائمہ کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص ایک ہی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے تو صورت یہ اختیار کی جاسکتی ہے ، اور اگر ائمہ اس قسم کے موجود ہیں کہ جن میں بلا کسی کے دل کی گرانی کے متعدد جماعتیں کرائی جاسکتی ہیں تو پھر یہ صورت اختیار کرنی کوئی ضروری نہیں ، اگر ایک ہی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا مقصد ہے تو پھر یہ صورت کر سکتے ہیں ، تفصیل اس کی آپ کے سامنے ہے ، متعدد صورتیں اس کی حدیث شریف میں آئی ہیں ، حاصل سب کا یہی ہے کہ دشمن کی طرف سے بیدار رہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن غافل پا کر یکبارگی حملہ کر دے۔

صلوٰۃ خوف کا طریقہ:

یہاں جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ایک گروہ پہلے آپ کے پیچھے کھڑا ہو جائے جتنے ہتھیار نماز میں ساتھ رکھے جاسکتے ہیں وہ ساتھ رہیں، جتنا بچاؤ اختیار کیا جاسکتا ہے اتنا بچاؤ اختیار کریں، رکوع آپ کے ساتھ کریں گے، سجدہ آپ کے ساتھ کریں گے دوسرا گروہ پیچھے کھڑا رہے دشمن کی طرف منہ کر کے، جب یہ سجدہ کر کے فارغ ہوں گے یہ اٹھ کر پیچھے چلے جائیں گے دوسرا گروہ آجائے گا جو امام کے ساتھ دوسری رکعت ادا کرے گا اور جس وقت یہ دوسری رکعت ادا کرے گا ایک رکعت پہلے گروہ کی ہوگئی امام کے ساتھ ایک رکعت دوسرے گروہ کی ہوگئی، امام کی دو رکعتیں پوری ہوگئیں، امام سلام پھیر دے گا پہلا گروہ جو آیا ہوا تھا وہ دوسری رکعت پوری کرے گا لاحق کے اصول سے اور دوسرا گروہ جو آیا تھا وہ پہلی رکعت پڑھے گا مسبوق کے اصول سے وہ اپنی اپنی ایک ایک رکعت ادا کریں گے اس طرح سے دو رکعتیں سب کی ہو جائیں گی۔

"واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ" جس وقت آپ ان میں موجود ہوں پھر آپ ان کے لئے نماز قائم کریں ان میں سے ایک طائفہ کو آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے اور وہ اپنے ہتھیاروں کو سنبھال کر رکھیں اپنے ہتھیاروں کو لے لیں جس وقت وہ سجدہ کرلیں سجدہ کرنے سے ایک رکعت پڑھنا مراد ہے پھر وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا طائفہ آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں اور یہ سارے کے سارے اپنا بچاؤ بھی اختیار کریں، اپنے ہتھیار بھی اختیار کریں، چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ غافل ہو جاؤ تم اپنے ہتھیاروں سے اور سامانوں سے پھر وہ مائل ہو جائیں تم پر یکبارگی مائل ہونا، اس بات کو ہمیشہ مستحضر رکھنا ہے کہ کافروں کو یہ موقع نہیں دینا کہ وہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھالیں، غفلت سے یہاں جنگ کی غفلت مراد ہے، اور کوئی حرج نہیں تم پر کہ اگر تکلیف ہے بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو اور ہتھیار نہیں اٹھا سکتے ہتھیار اٹھا کر نماز نہیں پڑھی جاسکتی تو ہتھیار اتار کر رکھ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اپنا بچاؤ ضرور اختیار کرو، دفاعی قسم کا سامان جو ہے اس کو بہرحال اپنے ساتھ رکھنا ہے تا کہ ان کے حملے کی صورت میں کوئی نقصان نہ ہو۔

ذکر اللہ کا حکم:

پھر جب تم نماز پڑھ چکو پھر اللہ کو یاد کرو کیونکہ ذکر اللہ کے لئے کوئی وقت متعین نہیں یہ ہر وقت ہونا چاہیئے یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جو دلوں کی قوت کا باعث بنتا ہے، جس سے اللہ کی رحمت حاصل ہوتی ہے، نماز تو ادا کرلی اس

کیفیت سے باقی اللہ کا ذکر ہر حالت میں ہو، کھڑے ہوئے اللہ کو یاد کرو، بیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرو، لیٹے ہوئے یاد کرو، کوئی وقت تمہارا غفلت سے نہیں گزرنا چاہیئے، اور جب اطمینان نصیب ہوجائے، خوف وغیرہ زائل ہوجائے پھر عام طریقے کے مطابق نماز قائم کرو اس کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے، یہ نقل وحرکت اور اس طرح سے دوسری چیزیں نہیں ہونی چاہئیں، بے شک نماز مومنوں کے اوپر فرض کی گئی ہے وقت متعین کرکے، وقت کا لحاظ بھی رکھا کرو اور اطمینان کے ساتھ اس کو ادا کیا کرو۔

کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم:

آگے پھر وہی جہاد کی بات آگئی قوم کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کیا کرو، ''ابتغاء'' تلاش کرنے کو کہتے ہیں یہاں پیچھا کرنا مراد ہے، ہمت نہ ہارا کرو، ہمت نہ چھوڑا کرو اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے تم بے آرام ہورہے ہو وہ بھی تو آخر بے آرام ہیں، یہ تو نہیں کہ اس جنگ کے اندر پریشان تم ہو، تکلیف صرف تمہیں پہنچ رہی ہے جیسے الم تمہیں ہے ان کو بھی ہے، جیسے بے آرامی تمہیں ہے ان کو بھی ہے، اور تمہارے اندر یہ ایک زائد بات ہے کہ تمہیں اللہ کی رحمت کی امید ہے جس کی انہیں امید نہیں ہے، اس لئے تمہاری ہمت ان کے مقابلے میں زیادہ بلند ہونی چاہیئے کہ دنیاوی تکلیف کے طور پر تو دونوں برابر اس لڑائی کی وجہ سے وہ بھی دکھ محسوس کرتے ہیں، وہ بھی درد محسوس کرتے ہیں تم بھی محسوس کرتے ہو لیکن تمہیں اللہ کی رحمت سے امید ہے جو ان کو نہیں ہے اس لئے تمہارا درجہ جو ہے وہ ان سے زائد ہے تمہاری ہمت ان سے زائد ہونی چاہیئے ''وکان اللہ علیما حکیما'' اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ

بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری ٹھیک ٹھیک تا کہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ جو

اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۱۰۵ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے آپ کو سمجھائی ، اور نہ ہو تو خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والا (۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ ، بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۶ ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ

بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے (۱۰۶) اور جھگڑا نہ کر ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں ،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۱۰۷ ۙ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ

بے شک اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا ہو گناہ گار ہو (۱۰۷) چھپتے ہیں لوگوں سے

وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے حالانکہ اللہ ان کے ساتھ ہے جب کہ وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں جس کو اللہ پسند نہیں کرتا

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۱۰۸ هٰٓاَنْتُمْ

ایسی بات کا ، اور اللہ تعالیٰ ان کے عمل کا احاطہ کرنے والا ہے (۱۰۸) خبردار

هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

تم ہی ہو جنہوں نے جھگڑا کیا ان کی طرف سے دنیاوی زندگی میں ، پھر کون اللہ سے جھگڑا کرے گا

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ

ان کے بارے میں قیامت کے دن یا کون شخص ان پر نگہبان ہوگا (۱۰۹) جو شخص کرے

سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۱۰

کوئی برا کام یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے گناہ کی معافی چاہے وہ پائے گا اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا (۱۱۰)

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے سوائے اس کے نہیں کہ وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اپنے خلاف ، اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے

حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ

حکمت والا ہے ﴿۱۱۱﴾ جو کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر پھینک دے وہ کسی بے گناہ پر پس تحقیق

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

اس نے اٹھایا بہتان اور صریح گناہ ﴿۱۱۲﴾ اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تجھ پر اور اس کی رحمت

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

البتہ قصد کرلیا تھا ایک گروہ نے کہ آپ کو غلطی میں ڈال دیں ، اور وہ نہیں گمراہی میں ڈالتے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ، اتاری اللہ نے آپ کے اوپر کتاب اور حکمت

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾

اور تعلیم دی آپ کو ایسی چیز کی جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے ، اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے ﴿۱۱۳﴾

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

کوئی خیر نہیں ان کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں مگر جو شخص حکم کرے صدقہ کا یا معروف کا

اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا ، اور جو شخص یہ کام کرے رضا چاہنے کے لئے

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ

اللہ کی ہم عنقریب اس کو اجر عظیم دیں گے ﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص مخالفت کرے رسول کی

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

بعد اس کے کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہوگئی اور اتباع کرے مؤمنین کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستے کی ہم پھیر دیں گے

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ ع

اس کو جدھر وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کردیں گے ، اور وہ برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۱۵﴾

تفسیر:

منافقین کا ذکر:

جہاد وغیرہ کی آیات کے ضمن میں آپ کے سامنے گاہے گاہے منافقین کا ذکر بھی آیا تھا اور یہ ایک ایسا گروہ تھا مدینہ منورہ میں جو اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل کئے ہوئے تھا لیکن اپنی غرض پرستی کی وجہ سے مفاد پرستی کی وجہ سے یا بزدلی اور حرص کی وجہ سے ایک مؤقف کے اوپر پکے نہیں تھے اندر اندر سے ان کی ہمدردیاں کافروں کے ساتھ بھی تھیں، جس وقت وہ اپنا مفاد ادھر جانے میں سمجھتے تو ادھر کو الٹ جاتے اور جب مسلمانوں کے اندر اپنا مفاد سمجھتے تو ان کے ساتھ متعلق ہونے کی کوشش کرتے یہ گروہ مختلف قسم کی شرارتیں کرتا رہتا تھا اور یہ جو دورکوع آپ کے سامنے پڑھے گئے ہیں یہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں، جس میں اسی قسم کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

آیات بالا کا شان نزول:

تفاسیر میں ان آیات کا جو شان نزول ذکر کیا گیا ہے اس کو سننے کے بعد پھر آیات جلدی اپنے مفہوم پر منطبق ہو جاتی ہیں، مدینہ منورہ میں ایک خاندان تھا جو بنواُبیرق کے نام سے مشہور تھا اور اس میں ایک شخص تھا جس کا نام بشیر لکھا ہے، اس نے قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ کے گھر رات کو نقب لگا کر چوری کرلی وہاں سے ایک آٹے کا تھیلا اور کچھ ہتھیار اٹھالئے، پہلے اپنے گھر میں لے گیا اور بعد میں اس خیال سے کہ جب تلاشی وغیرہ ہوگی تو ہوسکتا ہے میرے گھر سے کوئی چیز نکل آئے تو وہ چیزیں اٹھا کر ایک یہودی کے گھر امانت رکھ آیا یا جب نقب لگا کر لے گیا تھا تو اس وقت لے جاتے ہوئے وہ یہودی کے گھر لے گیا اور وہاں رکھ آیا امانت کے طور پر اور اتفاق کی بات ایسی تھی کہ اس آٹے کے تھیلے میں کچھ تھوڑا سا سوراخ تھا، اور وہاں سے کچھ نہ کچھ آٹا ٹپکتا گیا، جب صبح اٹھے اور پتہ چلا کہ چوری ہوگئی تفتیش شروع ہوئی تو نشان کی اتباع کرتے ہوئے لوگ اس یہودی کے گھر تک پہنچ گئے کہ یہ سامان تیرے ہاں ہے تو جب اس یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں ہے، لیکن فلاں شخص جو بنواُبیرق میں سے ہے وہ میرے پاس رات امانت رکھ کر گیا ہے، یہ چیزیں اس کی ہیں جب یہ بات سامنے آگئی تو معلوم ہوگیا کہ چوری کرنے والا یہی بشیر بنواُبیرق کا فرد ہے، چور یہ ہے تو اس کو پکڑا گیا، اس کے ساتھ گفتگو کی گئی تو اس نے صاف انکار کردیا، وہ کہنے لگا کہ چور وہ ہے جس کے گھر سے سامان نکلا ہے میں چور کیسے ہوں۔

اور جو بنواُبیرق کا خاندان تھا وہ سارے کا سارا اس کی حمایت میں جمع ہوگیا جب جمع ہوگیا تو یہ لوگ پہلے ہی پہنچ گئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، جن لوگوں کی طبعیت میں اس قسم کی شرارت ہوتی ہے وہ ہوشیار تو ہوتے ہی

ہیں پہلے ہی پہنچ گئے تا کہ حضور ﷺ کے سامنے مقدمہ پہلے ہی دائر کر دیں، جا کے کہنے لگے یا رسول اللہ! دیکھو فلاں کے گھر میں چوری ہوگئی اور سامان یہودی کے گھر سے نکلا ہے اور وہ تہمتیں ہم پر لگاتے ہیں کہتے ہیں کہ تم چور ہو، بھلا ہم چوری کیسے کر سکتے ہیں، جس کے گھر سے سامان نکلا ہے چور ہوگا تو وہی ہوگا، ہمیں یہ خوامخواہ بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو جب سرور کائنات ﷺ کے سامنے یہ بات گئی تو حالات سن کر ظاہر کے اعتبار سے آپ کی طبیعت بھی کچھ ادھر کو مائل ہوئی کہ واقعی ان لوگوں پر زیادتی کی ان لوگوں نے جوان کو چور کہا، جب سامان یہودی کے گھر سے نکلا ہے تو چور وہی ہوگا تو ان کے اوپر اس قسم کی بات کیوں کی گئی، تو پھر قتادہ بن نعمان پہنچے اور انہوں نے جا کر حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیوں بے گناہ لوگوں کو بدنام کرتے ہو؟ ان کے اوپر چوری کی بات کیوں کرتے ہو؟ جس وقت سامان ان کے گھر سے نہیں نکلا تو یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تم انہیں چور کہو بس اس بات کا سننا تھا کہ قتادہ بن نعمان شرمسار ہوئے اور اس کے چچا بھی اپنا حق چھوڑ کر خاموش ہو کے گھر میں بیٹھ گئے کہ اب کیا کریں؟ ان کے خیال کے مطابق بات تحقیق کے درجے تک پہنچ گئی تھی کہ چور یہ بشیر ہے جو بنو اُبیرق کا فرد ہے اور یہودی پہ یہ تہمت لگاتا ہے ساری چال سمجھ میں آگئی تھی، معاملہ اس طرح سے کچھ الجھ سا گیا تھا۔

اور سرور کائنات ﷺ نے جو قتادہ بن نعمان کے سامنے بات کر دی ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے جس کے سامنے بھی یہ ظاہری حالات جائیں گے وہ اس طرح سے کہے گا کہ بھائی تم ان کو بلاوجہ اس طرح سے کیوں کہتے ہو؟ یہ چور نہیں ہیں یا ان کے اوپر اس قسم کی بات کرنا تمہارے لئے مناسب نہیں، انہوں نے آکر آپ کے سامنے اس طرح سے صفائیاں دیں اس طرح سے آگے بات بنائی تو سرور کائنات ﷺ کا ظاہری طور پر رجحان جو تھا وہ ایسے معلوم ہوا جیسے کہ اس بشیر کی حمایت میں ہے اور یہودی کی طرف جا رہا تھا ذہن کہ اصل چور یہ ہے، اور حقیقت کے اعتبار سے یہ بات خلاف واقعہ تھی، اور ان لوگوں نے بات بنائی تھی اپنے جرم کو چھپانے کے لئے، دوسرے پر جرم ڈال دیا تھا اور اپنے مجرم کی حمایت کے اندر وہ سارا خاندان اکٹھا ہو گیا تھا، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو رکوع نازل فرمائے جس کے اندر اصل واقعہ کو واضح فرمایا، اور اس قسم کے لوگوں سے آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تاکید کر دی، اور جنہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے اس خاندان کے فرد کی حمایت کی تھی یعنی بشیر کی بنو اُبیرق نے ان کو بھی تنبیہ کر دی۔

جس وقت معاملہ صاف ہو گیا اور قرآن کریم کی آیات کے تحت یہ بات واضح ہو گئی کہ قصور بشیر کا ہے اور یہودی کے اوپر یہ خوامخواہ تہمت لگا رہے ہیں تو بشیر جو تھا پھر وہ بھاگ گیا مدینہ منورہ سے اور مشرکین مکہ سے جا کر لاحق

ہوگیا پہلے منافق تھا لیکن نفاق چھپا ہوا تھا اور اب علی الاعلان جس وقت وہ مشرکین کے پاس چلا گیا تو وہ مرتد ہوگیا، اور پھر یہ مکہ معظمہ میں رہا ہے اور وہاں بھی جیسے بعض تفاسیر کے اندر ہے کہ چوری کرتا ہوا ہی ہلاک ہوا کہ نقب لگا رہا تھا اور اس کے اوپر دیوار گرگئی اور دیوار گرنے کی وجہ سے وہ مرگیا، اس طرح وہ جہنم میں پہنچ گیا تو مرتد ہونے کی وجہ سے ویسے بھی واجب القتل ہوگیا، لیکن وہ بعد میں مدینہ منورہ آیا نہیں تو شرک اختیار کیا تھا تو اسی مناسبت سے پھر اگلے رکوع کے اندر شرک کا بھی رد آ رہا ہے، اور مسلمانوں کا طریقہ چھوڑ کر وہ جو غیر مسلموں کے طریقے کی طرف چلا گیا تھا ظاہری طور پر پہلے مسلمان تھا، پھر مشرکوں کا طریقہ اس نے اختیار کرلیا، تو دوسرے رکوع کی آخری آیت میں مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اپنانے کی مذمت بھی ساتھ آ رہی ہے اور یہ آیات ساری کی ساری اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

تفسیر باللفظ:

بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری ٹھیک ٹھیک، کتاب سے کتاب کا خاص یہی حصہ مراد ہے جو کہ آیات اتر رہی ہیں اس واقعہ کے متعلق، حق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بات جو ہم کہہ رہے ہیں یہ بالکل واقعہ کے مطابق ہے اور اس میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہے، حق بات وہی ہوا کرتی ہے جو واقعہ کے مطابق ہو تو کتاب سے یہاں یہی آیات مراد ہوں گی جو اس واقعہ کے متعلق اتر رہی ہیں، بے شک ہم نے آپ پر کتاب اتاری ٹھیک ٹھیک تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اللہ کی سمجھائی ہوئی بات کے مطابق جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھا دے، ان آیات کے ضمن میں جو بات آپ کی سمجھ میں آئے گی اسی کے مطابق آپ فیصلے کریں اللہ تعالیٰ نے یہ تحریر آپ پر اس لئے اتاری ہے یا کتاب آپ پر اس لئے اتاری ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھا دے، جو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھا دے، رؤیت جس طرح سے آنکھوں سے ہوتی ہے قلب کے ساتھ بھی ہوتی ہے جس کو سمجھانے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے "ولاتکن للخائنین خصیما" آپ خائنین کے لئے جھگڑنے والے نہ بنیں تو گویا کہ بنو اُبیرق کو خائنین کہہ دیا جن کی طرف سے حضور ﷺ نے قتادہ بن نعمان اور رفاعہ سے بات کی تھی اور کچھ گفتگو کا رجحان ایسا تھا کہ ان کو کچھ نہ کہو، ان کا اس معاملے میں قصور نہیں ہے تو گویا کہ صورتاً خائنین کی حمایت ہوگئی خائنین کے لئے آپ جھگڑنے والے نہ بنیں، اس میں صاف اشارہ ہوگیا کہ جن کی طرف آپ کا رجحان ہوا ہے کہ یہ بے گناہ ہیں، اور ان کی طرف سے آپ نے دوسروں کے ساتھ گفتگو کی ہے یہی لوگ خیانت کرنے والے ہیں، خیانت انہی میں ہے۔

"واستغفر اللہ" اگرچہ اس میں گناہ کوئی نہیں تھا کیونکہ ظاہری حالات کو سن کر جدھر قلب کا رجحان ہو جائے انسان اسی کا مکلف ہے جب تک حقیقت حال معلوم نہ ہو تو جو گفتگو آپ کے سامنے آئے گی، جو بات آپ کے

سامنے آئے گی اس میں ظاہر جدھر کو ہوگا تو انسان کا قلبی رجحان ادھر کو ہوتا ہے لیکن پھر بھی آپ کی شان رفیع کے خلاف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آپ سے اتنی بات بھی ہوگئی اس سے بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

جھوٹے مقدمات کی پیروی کرنے والا وکیل:

"ولاتکن للخائنین خصیما" تو اس میں یہ کھلے الفاظ کے اندر اعلان ہوگیا کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت میں کسی دوسرے کے ساتھ جھگڑا کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اسی کے ضمن میں ہی یہ مسئلہ آتا ہے کہ گناہ گار کی وکالت جائز نہیں، اگر پتہ چل جائے کہ یہ شخص واقعی قصوروار ہے، یہ چور ہے یا یہ قاتل ہے یا غلطی اس کی ہے تو پھر جو شخص اس کی وکالت کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی مجرم ہوگا اور جس طرح وہ خائن گناہ گار ہے، اس طرح اس کی وکالت کرنے والا، اس کی حمایت کرنے والا بھی ویسے ہی گناہ گار ہے۔

"ولاتکن للخائنین خصیما" کو بنیاد بنا کر یہ مسئلہ ذکر کیا جاسکتا ہے کہ اگر پتہ چل جائے انسان کو کہ خیانت اس کی طرف سے ہے، قصور اس کی طرف سے ہے پھر اس کی وکالت اور اس کی حمایت جائز نہیں ہے، اللہ سے استغفار کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اس لئے عدالتوں میں جو قصے جاتے ہیں، آج کل کچہریوں میں اور اگر وکیل کو معلوم ہو جائے کہ میرا موکل غلطی پہ ہے اور پھر بھی وہ اس کی حمایت کرتا ہے، اس طرح سے عام طور پر یونہی چلتے ہیں پھر اس کو جھوٹ پڑھاتے ہیں کہ یوں کہنا، یوں نہ کہنا، یہ کرنا، وہ نہ کرنا اس قسم کی وکالت میں جو فیس لی جاتی ہے وہ بالاتفاق حرام ہے اور اگر کوئی وکیل اس بات کا التزام کرے کہ میں ہمیشہ حق کی حمایت کروں گا، مقدمہ وہی لوں گا جس میں دعویٰ حق پر ہو، یا مدعیٰ علیہ مظلوم ہو اور پھر قانون کے دائرے کے اندر رہتا ہوا میں اس کی حمایت کروں گا تو اس میں جواز ہے لیکن جہاں یہ غلط مقدمات کی پیروی کی جاتی ہے اور جھوٹ بولنا سکھایا جاتا ہے، جھوٹی باتیں بول کر ان کو قانونی زد سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، سزا سے چھڑوانے کی کوشش کرتے ہیں یہ بدترین قسم کا جرم ہے۔

خائنین کی حمایت نہ کرنے کا بیان:

"ولاتجادل عن الذین یختانون انفسھم" تجادل یہ مجادلہ سے ہے، مجادلہ جس طرح آپس میں جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں جو فساد کے لئے ہوتا ہے اور جس کی بنیاد غلط ہوتی ہے، تو اسی طرح جھگڑا بسا اوقات کسی کی حمایت کرنے اور کسی کے مطالبے کو اصرار کے ساتھ منوانے یا ناز اور بت کے ساتھ ہی کے ساتھ اصرار کرنے اپنا مطالبہ منوانے کے لئے بھی مجادلہ کا لفظ بولا جاتا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ آیا ہے دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

واقعہ میں "یجادلنافی قوم لوط" جب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ دور ہوگئی اور اس کے پاس بشارت آگئی تو ہم سے جھگڑا کرنے لگ گئے قوم لوط کے بارے میں، وہاں جھگڑا وہ نہیں جس طرح سے ہمارا جھگڑا ہوتا ہے، بلاوجہ ضد بازی کے طور پر بحث ومباحثہ تکرار کے ساتھ سفارش کرنا، اصرار کے ساتھ اپنی بات کو منوانے کے لئے الحاء وزاری کرنا یہ بھی صورتاً مجادلہ ہے تو یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کی تھی قتادہ بن نعمان کے ساتھ اسی کو یہاں مجادلہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، آپ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں جھگڑا نہ کیجئے، ان کی طرف سے ہو کے آپ کو کیا ضرورت ہے دوسروں سے گفتگو کرنے کی۔

"یختانون انفسھم" یہ اسی اسلامی تصور کے طور پر ہے کہ گناہ جو بھی ہوتا ہے اس میں حقیقت میں نقصان انسان کا اپنا ہے، اس لئے کسی پر ظلم کرو تو اپنے پہ ظلم ہے، کسی کو نقصان پہنچاؤ تو یہ رجوع کے طور پر نقصان اپنے آپ کو پہنچتا ہے، کیونکہ جو شخص مظلوم ہے اول تو اس کی دنیا میں دادرسی ہو جائے گی اور اگر دنیا میں نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں ثواب دیں گے، ظالم بہر حال گرفت میں آئے گا، چاہے دنیا میں آئے چاہے آخرت میں، اس لئے دوسرے پر زیادتی کرنا حقیقت کے اعتبار سے اپنے آپ پر زیادتی کرنا ہے، دوسرے سے خیانت کرنا حقیقت کے اعتبار سے اپنے نفس سے خیانت کرنا ہے، تو جو لوگ اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں ان کی طرف سے ہو کر آپ جھگڑا نہ کیجئے، کسی سے بحث نہ کیجئے، "ان اللہ لایحب من کان خوانا اثیما" اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا ہو، گناہ گار ہو، تو جب وہ اللہ کا محبوب نہیں بلکہ مبغوض ہے ایسے شخص سے اللہ کو نفرت ہے "لایحب" کا معنی ہے "یبغض" اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بغض رکھتا ہے نفرت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والے ہیں، گناہ گار ہیں تو جو ان کی حمایت کریں گے وہ بھی اس طرح سے ہو جائیں گے اس لئے آپ اس میں محتاط رہا کیجئے، یہ خائن لوگ ہیں، یہ خوان ہیں، یہ اثیم ہیں، ان کی حمایت میں آپ کوئی بات نہ کیجئے۔

خائنین کو ملامت اور گناہوں سے بچنے کا نسخہ:

"یستخفون من الناس" یہ اب ان کو ملامت ہے کہ یہ لوگوں سے شرماتے ہیں اور لوگوں سے اپنی باتیں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، لوگوں سے چھپاتے ہیں کہ کہیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہو جائیں کہ ہم چور ہیں اس طرح ہمیں رسوائی ہوگی، بدنامی ہوگی، لوگوں سے چھپتے ہیں، چھپاتے ہیں، شرماتے ہیں، اپنے عیب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، "ولایستخفون من اللہ" یہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے، ان کو لوگوں سے شرم آتی ہے اللہ سے شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا عیب کس طرح سے چھپا رہے گا، اور اس وقت تک انسان کسی عیب سے بچ نہیں

سکتا، کسی گناہ سے بچ نہیں سکتا جب تک کہ اس کو اللہ سے شرم نہ آئے، جو صرف لوگوں سے شرماتا ہے اللہ سے نہیں شرماتا تو وہ گناہ سے باز نہیں آسکتا، وہ ایسا اگر انتظام کر لے کہ کسی کو پتہ نہ چلے تو وہ گناہ پر دلیر ہو جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ سے حیا کسی کی طبعیت میں ہو، اللہ سے شرمانا کسی کی طبعیت میں ہو تو پھر وہ نہ جلوت میں گناہ کر سکتا ہے اور نہ اندھیرے میں کر سکتا ہے، نہ کسی کے سامنے کر سکتا ہے، نہ چھپ کر کر سکتا ہے تو خیانت سے بچانے والی چیز، گناہوں سے بچانے والی چیز اصل کے اعتبار سے اللہ سے حیا ہے اور یہی مراقبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہمارا کوئی عیب اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں رہ سکتا۔

ذہن کے اندر یہ بات بٹھا لینا عیوب سے، غلطیوں سے بچانے والی بہترین چیز ہے ورنہ اگر صرف ظاہر داری کرنی ہے اور لوگوں سے بچنے کا اور لوگوں سے شرمانے کا جذبہ ہے تو ایسی صورت میں پھر انسان جب یہ سمجھتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا پھر وہ دلیر ہو جاتا ہے تو ملامت ان کو یہی کی جارہی ہے کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں، اپنا عیب لوگوں سے چھپاتے ہیں، حاصل اس کا یہ ہے کہ لوگوں سے شرماتے ہیں اور ان کو اللہ سے شرم نہیں آتی، اللہ سے یہ اپنی بات کیسے چھپا سکتے ہیں، نہیں چھپا سکتے یہ اپنی بات اللہ سے، اور وہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ مشورے کرتے ہیں رات کو ایسی بات کے جو اللہ کو پسند نہیں ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا جو انہوں نے میٹنگ کی کہ اپنے آدمی کو بچانے کی کوشش کی جائے اور اس الزام کو یہودی پر ڈال دیا جائے تو جیسے کوئی مجرم جس وقت جرم کر بیٹھتا ہے تو اس کے حمایتی یونہی مشورے کیا کرتے ہیں کہ اس کو بچانے کی خاطر کسی اور کی طرف منسوب کر دو کہ یہ فلاں کی بات ہے فلاں کی بات ہے "وكان الله بما يعملون محيطا" اللہ تعالیٰ ان کے عمل کا احاطہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے احاطے سے ان کا عمل باہر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح سے ان کی کاروائیوں کو جانتے ہیں۔

خائنین کی حمایت کرنے والوں کو تنبیہ:

اب یہ نتیجہ ہے ان کے حمایتوں کا خبردار تم ہی لوگ ہو جنہوں نے ان کی طرف سے جھگڑا کیا دنیاوی زندگی میں، تو کون جھگڑا کرے گا ان کی طرف سے قیامت کے دن؟ آج تو تم بحث کر رہے ہو، بحث تمہاری جاری ہے دنیا کے اندر ان کی حمایت کر رہے ہو تو کل کو اللہ کی عدالت میں بھی تو پیش ہونا ہے وہاں کون ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ سے بحث کرے گا اس مسئلے میں، ان کی حمایت میں، یا کون ہے جو ان کا کارساز ہوگا اور ان کا کام بنائے گا اور ان کے حالات کی وہاں نگرانی کرے گا؟ کوئی ہے ایسا، تو قیامت کے دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے آخر وہاں بھی تو جا کے بات ہوگی، آج اگر تم ایک ناجائز کام کی حمایت کر کے اپنے آدمی کو بچا ہی لو

اور اس کی پردہ داری کر ہی لو تو پردہ کل کھل جائے گا، یہ ہے اصل میں ذہن جو اسلام دیتا ہے اپنے ماننے والوں کو جس کی بناء پر پھر مسلمان جو ہے وہ حقیقت پسند ہوتا ہے، اس کو ظاہر داری سے بحث نہیں ہوتی وہ جب بھی بات کرے گا وہ اس نہج سے بات کرے گا کہ کل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جب راز سب کھل جائیں گے تو پھر میری کیا پوزیشن ہوگی؟ میں کس مقام پر کھڑا ہوں گا؟ کیا اس وقت واقعی میں یہی سمجھا جاؤں گا کہ میں حق کی حمایت کرنے والا تھا یا یہ جو ہم ظاہر داری کر رہے ہیں اور جان بوجھ کر حق کو چھپا رہے ہیں، باطل کی حمایت کر رہے ہیں کل کو یہ بات ظاہر ہو جائے گی تو رسوائی ہوگی۔

بنیادی چیز یہ ہے جب تک ذہن کے اندر یہ بات نہ بیٹھے اس وقت تک انسان کا دل دماغ ایمان والا نہیں ہوتا، دل دماغ مومن تبھی بنتا ہے جب یہ حقیقت مستحضر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جس وقت ہم پیش ہوں گے اس وقت جو حالت ہم پسند کرتے ہیں اسی حالت پر ہمیں دنیا میں رہنا چاہیئے، اور کوئی بات اللہ تعالیٰ سے چھپائی نہیں جا سکتی، یہ بات ہوگی تو پھر انسان قرابت کی وجہ سے، رشتے داری کی وجہ سے، دوستی کی وجہ سے، یاری باشی کی وجہ سے کبھی غلط بات کی حمایت نہیں کرے گا۔

توبہ کی تلقین اور توبہ کا طریقہ:

آگے ان کو توبہ کی تلقین ہے کہ ان کو اپنا گناہ اور قصور چھپانے کی بجائے توبہ کرنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی برا کام کرلے یا اپنے نفس پر ظلم کرے، دو لفظ بول دیئے برے کام سے مراد ہو جائے گا ایسا کام کہ جس کا نقصان دوسرے تک پہنچے، جیسے کسی کی حق تلفی کرلی، کسی پر ظلم ہو گیا "اویظلم نفسہ" اپنے آپ پر زیادتی کرلی تو یہ ایسا گناہ ہے جس کا نقصان صرف اپنے آپ کو پہنچ رہا ہے دوسرے کو نہیں، ظلم علی النفس سے ایسا گناہ مراد لے لیا جائے جس کا نقصان اسی تک لازم ہے اور سوء سے مراد ایسا لے لو جس کا دوسرے تک بھی اثر پہنچتا ہے، ہر قسم کا گناہ مراد ہو گیا، لازم ہو متعدی ہو پھر اللہ تعالیٰ سے وہ استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا، اللہ کے ہاں توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے، اور استغفار کرنے کا طریقہ آپ کے سامنے پہلے عرض کر دیا تھا کہ صرف زبان سے "استغفر اللہ" کہہ دینا کافی نہیں بلکہ دل سے اپنے گناہ کے اوپر ندامت ہو اور اپنی غلطی کا اقرار کر کے انسان اس کی تلافی کرے، حق اللہ کو بھی ادا کرے، حق العبد کو یہ ادا کرے یا معاف کروائے اور آئندہ کے لئے عزم کرے کہ میں پھر دوبارہ اس قسم کا کام نہیں کروں گا، تو تب جا کے صحیح توبہ ہوتی ہے اور پھر یہ استغفار مفید ہے اور اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ نقصان اپنا ہی کرتا ہے اس کا یہ کسب اثم اپنے ہی خلاف ہے، اس کا ضرر اسی پر واقع ہوگا، اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے، یہ اپنی صفات اللہ تعالیٰ ہمیشہ ذکر فرماتے ہیں کیونکہ اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور کر کے انسان اللہ کی پیشی سے ڈرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا استحضار اس کی صفات کے ساتھ یہ ہے جو انسان کو جرم سے بچانے کے لئے ایک صحیح بنیاد مہیا کرتا ہے، جو کوئی خطیئہ کرے یعنی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر اس کو کسی بے گناہ کے سر لگا دے یہ تو بہت بڑی بہتان کی بات ہے، بہت بڑا اثم مبین ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس نے تو بہتان اٹھایا اور اثم مبین اٹھایا، یہ دوسری غلطی ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے اس کی تلافی کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور بے گناہ کے سر لگاتا ہے یہ اور بھی زیادہ بری بات ہوئی۔

خائنین کا غلط ارادہ اور اللہ کا فضل:

اب یہ سرور کائنات ﷺ کے متعلق تذکرہ آگیا کہ اللہ کا فضل اور اللہ کی رحمت تھی جس نے آپ کو صحیح واقعہ بتا کر غلطی میں پڑنے سے بچالیا ورنہ ان میں سے ایک گروہ نے تو ارادہ کر لیا تھا کہ آپ کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیں، آپ کی حمایت حاصل کر لیں اور جن کا حق واقعی ضائع ہوا ہے اس کو دبا دیں اور خود سچے بن جائیں، دوسروں کو جھوٹا بنادیں، خود پاک دامن ہو جائیں اور دوسروں کو چور بنادیں، انہوں نے تو سکیم ایسی بنائی تھی لیکن آپ پر اللہ کا فضل اور اللہ کی رحمت ہے کہ آپ کو کسی غلطی میں پڑنے نہیں دیتے۔

"لھمت طائفة منھم " ان میں سے ایک گروہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا دیں اور نہیں بھٹکاتے مگر اپنے نفسوں کو، اور آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اتاری اور دانش مندی کی باتیں اتاردیں اور آپ کو ایسی بات سکھادی جو آپ کو معلوم نہیں تھی، اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے اس میں حوصلہ شکنی ہوگئی ان لوگوں کی جو حضور ﷺ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی کر کے چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اپنے ساتھ شامل کر کے دوسروں کے خلاف استعمال کر لیا جائے، "وما یضرونك من شیء" اور آپ کو کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت کے ساتھ غلطی میں پڑنے سے بچا لیتے ہیں، "وانزل اللہ علیك الکتاب والحکمة" اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اتاردی اور حکمت و دانشمندی، دین کی سمجھ جس کے ذریعے سے منصوص چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے غیر منصوص چیزوں کے احکام سمجھے جاتے ہیں یہ بھی حکمت کا مصداق ہیں، اور آپ کو ایسی ایسی باتیں سکھادیں جو آپ نہیں جانتے تھے، جیسے اس چیز کی حقیقت پہلے آپ کو معلوم نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے سے آپ کو حقیقت سمجھادی، اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔

کن چیزوں میں خفیہ مشورہ جائز ہے اور کن میں نہیں:

اور آگے یہ تلقین کی جارہی ہے کہ چھپ چھپ کر مشورے نہ کیا کرو جس میں شر اور فساد ہو یہ اللہ تعالیٰ سے باتیں تو چھپتی نہیں ہیں ہاں البتہ کوئی نیکی کا کام ہے، کسی کو نیکی کی تلقین کرنی ہے، صدقہ خیرات کی تلقین کرنی ہے یا آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے والوں کی کوئی صلح کرانی ہے تو ایسے موقع پر اگر کوئی مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے یہ مشورہ خیر ہے اس کی اجازت ہے باقی جو مشورے شر وفساد پر مشتمل ہوتے ہیں، سازشیں ہوتی ہیں اسلام کے خلاف یا اہل حق کے خلاف اس قسم کے مشوروں میں شریک نہیں ہونا چاہیئے، اس میں کوئی کسی قسم کی خیر نہیں۔

یہ تناجی، سرگوشی، خفیہ مشورے ان کا ذکر آپ کے سامنے سورۃ مجادلہ میں آئے گا جس میں یہ الفاظ ہوں گے "یاایھا الذین آمنوا اذاتناجیتم فلاتتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیة الرسول وتناجوا بالبروالتقویٰ" کہ اے ایمان والو! آپس میں مل کر سرگوشیاں اثم وعدوان کے ساتھ نہ کیا کرو ہاں اگر کوئی سرگوشی کرنی ہو تو اس کے اندر تقویٰ کی رعایت ہونی چاہیئے، نیکی کے متعلق مشورہ ہو، نیکی پھیلانے کا جذبہ ہو اور لوگوں کے اختلافات ختم کرانے کے لئے، صلح کرانے کے لئے آپس میں مشورے کئے جائیں، یہ مشورے مفید ہیں، "لاخیرفی کثیرمن نجوٰھم" ان لوگوں کی سرگوشیوں میں سے بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہاں البتہ اس شخص کی سرگوشی میں خیر ہے جو صدقے کی تلقین کرتا ہے، صدقہ خواہ واجب ہو یا نفل ہو اور اس میں خدمت کا شعبہ جس میں کوئی نفع پہنچانے کی بات ہے اس قسم کی بات اگر چھپ چھپا کے خفیہ طور پر کسی سے کہی جائے تو درست ہے کیونکہ ہر دفعہ علی الاعلان بات کا کہنا مناسب نہیں ہوتا، اس قسم کی باتیں بعض اوقات چپکے چپکے بھی کرنے کی ہوتی ہیں اس میں خیر ہے، معروف نیکی پھیلانے کے لئے، نیکی کی تلقین کرنے کے لئے کوئی مشورے کی ضرورت ہے تو اس مشورے میں بھی خیر ہے، یا لوگوں کے حالات درست کرنے کے لئے صلح کروانا، دولڑے ہوئے ہیں، آپس میں جھگڑے ہوئے ہیں، ان کی کوئی بات الجھی ہوئی ہے تو ان کے معاملے کو سلجھانے کے لئے اگر کوئی خفیہ مشورہ کرنا پڑے تو اس میں بھی کوئی بات نہیں ہے۔

اصلاح بین الناس کی کوشش بہترین منصب ہے:

لوگوں کے درمیان صلح کروانا یہ معروف کا ایک بہت بڑا فرد ہے، نیکی کا ایک بہت بڑا فرد ہے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتادوں کہ جس کے ذریعے سے تم روزے رکھنے والے اور رات کو قیام کرنے والے درجے کو بھی حاصل کرلو گے، یعنی ایک شخص نفلی روزے بہت رکھتا ہے، رات کو قیام بہت کرتا ہے جو اس کا درجہ ہے اس خصلت کی وجہ سے تم اس کے درجے کو حاصل کرلو گے، بلکہ بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس سے بھی افضل، وہ یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان ان کے حالات کی اصلاح کیا کرو، جس طرح سے لوگوں کے درمیان میں فساد پھیلانا بدترین قسم کی خصلت ہے ایک آدمی کی بات دوسرے کو پہنچادی جائے اس خیال سے کہ دونوں آپس میں لڑ پڑیں یہ کبیرہ گناہ ہے جس کو نمیمۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، "لایدخل الجنة قتات" (مشکوٰۃ ص ۴۱۱) یہ سخن چین جو چھپ چھپا کے باتیں سنتے ہیں یا مجلس میں بیٹھ کر باتیں سنتے ہیں، اور پھر فساد کی نیت سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں چاہے وہ باتیں سچی ہوں تو یہ سچ بولنے والے گناہ گار ہیں، یہ کبیرہ گناہ ہے، فساد کرنے کے لئے، فساد مچانے کے لئے بات دوسرے تک پہنچانا اگرچہ کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو انسان کہتا ہے کہ میں جی قرآن اٹھا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے، چاہے وہ قرآن اٹھا کر کہے یہ بات صحیح ہے لیکن اگر اس کا دوسرے تک پہنچانا اس نیت سے ہے تاکہ ان کا آپس میں فساد ہو جائے یہ کبیرہ گناہ ہے، یہ حرام ہے، ایسا سچ بولنے والا آدمی جو فساد مچانے والا ہے یہ جنت میں نہیں جائے گا، اور اس کی بجائے دو مسلمانوں کی آپس میں صلح کرانی ہے اور ان کا جھگڑا مٹانا ہے تو اس جھگڑے کو مٹانے کے لئے صلح کروانے کے لئے اگر کسی وقت خلاف واقعہ بھی بات کہنی پڑ جائے تو خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت ہے اور شرعاً یہ جھوٹ نہیں یعنی اس کے اوپر جھوٹ والی وعید نہیں ہے۔

"لیس الکذاب الذی من یصلح بین الناس" (مشکوٰۃ ص ۴۱۲) جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے اگر اس کو صلح کروانے کے ضمن میں کوئی بات خلاف واقعہ بھی کہنی پڑ جائے تو شرعاً وہ جھوٹا نہیں ہے، اس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ ایک فریق آپ کے پاس آیا تو اس نے دوسرے فریق کے متعلق زیادتی کی، گالیاں دیں، بدزبانی کی، پھر دوسرا فریق آپ سے ملتا ہے پوچھتا ہے کہ اس نے کیا باتیں کی تھیں تو آپ کہتے ہیں کہ آپ کے متعلق تو کوئی بات نہیں کی، وہ تو کہہ رہے تھے کہ صلح ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے اور ایسے ہی آپس میں خوامخواہ فساد پڑ گیا، اس طرح دوسرے کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک کی بات دوسرے سے چھپائی جائے اور کوئی اچھی بات کی طرف نسبت کر دی جائے جس سے دوسرے کے جذبات اچھے ہو جائیں اور آپس میں شر و فساد ختم ہو جائے اس قسم کے خلاف واقعہ بیان میں یہ لغتاً اگرچہ جھوٹ ہے لیکن شرعاً مطلوب ہے، جس سچ بولنے سے فتنہ ابھرتا ہو اس سچ سے یہ جھوٹ بہتر ہے جس سے کوئی صلح صفائی ہوتی ہے اور کسی مصلحت کی رعایت رکھی جاتی ہے، دھوکہ دینے کے لئے کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹ حرام ہے لیکن شر مٹانے کے لئے خلاف واقعہ بات کہنا ٹھیک ہے، تو اصلاح بین الناس یہ بھی معروف کا فرد ہے، اور اس کو علیحدہ ذکر کر دیا اہمیت کی وجہ سے۔

اختلاف بین الناس کی کوشش بدترین خصلت ہے:

اور آپس کا فساد جو ہے یہ شر کا اعلیٰ فرد ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آپس کا فساد جو ہے یہ حالقہ ہے حالقہ مونڈ ڈالنے والا اور فرمایا کہ یہ سر کے بال نہیں مونڈتا بلکہ دین کو مونڈ کر رکھ دیتا ہے کیونکہ جب آپس میں اختلاف

ہو جائے، آپس میں شر و فساد ہوتا ہے پھر جھوٹی تہمتیں بھی لگتی ہیں، ایک دوسرے کے خلاف انسان غلط بیانی بھی کرتا ہے، ہر وقت غیبت میں مبتلا ہوتا ہے، چغلیاں کرتا ہے اور جائز ناجائز ہر طرح سے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو پھر انسان کے اخلاق بھی تباہ ہوتے ہیں اور دیانت داری بھی نہیں رہتی، دین و دیانت سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور ہر وقت کی بے چینی ہر وقت کی شورش علیحدہ، ''ومن یفعل ذلك ابتغاء مرضات الله'' جو یہ کام کرے یعنی امر بالصدقہ امر بالمعروف اور اصلاح بین الناس اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لئے جو یہ کام کرے ''فسوف نؤتیه اجرا عظیما'' ہم انہیں اجر عظیم دیں گے۔

رسول اور سبیل المؤمنین سے اعراض کا انجام:

''ومن یشاقق الرسول'' اور جو کوئی رسول سے ضد کرتا ہے، جو رسول کے خلاف پارٹی بناتا ہے، گروہ کھڑا کرتا ہے رسول کے خلاف یشاق کے اندر یہ بات بھی داخل ہے جس طرح اس بشیر نے قصور کیا، قصور کرنے کے بعد پھر وہ اپنے قبیلے کو حضور ﷺ کے پاس اپنی حمایت میں اکٹھا کر کے لے گیا جو کوئی ضد کرتا ہے اللہ کے رسول کے خلاف، مخالفت کرتا ہے بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہو گئی اللہ کا دین اللہ کا طریقہ اس کے سامنے نمایاں ہے، ''ویتبع غیر سبیل المؤمنین'' اور مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر غیر راستے کی وہ اتباع کرتا ہے، یہاں دو باتیں ذکر فرمائیں ایک رسول کے ساتھ مخالفت اور ایک مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے کی اتباع اور دونوں کی جزاء ایک ہی قسم کی ذکر کی کہ ہم اس کو کرنے دیں گے جو وہ کرنا چاہتا ہے، ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے، جن حالات کی طرف وہ جانا چاہتا ہے ہم اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے، جس سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح رسول کی مخالفت حرام ہے اور یہ جہنم میں لے جانے والی بات ہے، اسی طرح جس بات پر مسلمان متفق ہو جائیں، مسلمانوں کا طریقہ جو قرار پا جائے اس طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے کی جو اتباع ہے وہ بھی جہنم میں لے جانے والی بات ہے، اس لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو اجماع امت کے لئے بطور دلیل ذکر کیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور جس بات کے اوپر امت متفق ہو جائے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

''ید الله علی الجماعة'' جس طرح سے آتا ہے کہ جماعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یا حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میرے ساتھ وعدے کیے ہیں ان وعدوں میں سے ایک وعدہ یہ بھی ہے کہ میری امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، گمراہی پر جمع نہیں ہوگی تو جو طریقہ مل کر مسلمان اپنا لیں اور وہ سبیل المومنین قرار پا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی حق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت اسی طرح مذموم ہے جس طرح کہ اللہ کے رسول کی مخالفت مذموم ہے تو کتاب اللہ کی اتباع ہوئی، اور سرور کائنات ﷺ کی سنت کی اتباع ہوئی اور تیسرے

درجے پر یہ اجماع امت ہے اور قیاس کا ذکر آپ کے سامنے اولی الامر کے مسئلے کے ساتھ ذکر کر دیا گیا تھا ،استنباط کر کے جو بات نکالی جاتی ہے اس کا ذکر وہاں ہو گیا تھا تو اصول اربعہ جو ہم ذکر کیا کرتے ہیں کسی مسئلے کے بیان کرنے کے وہ اصول اربعہ اسی طرح قرآن کریم میں ثابت ہیں ،"ونصلیه جهنم" اور پھر ہم اس کو جہنم میں پہنچادیں گے "وساءت مصیرا" اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جو کچھ ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

جس کے لئے چاہے گا ، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے پس تحقیق وہ بھٹک گیا بھٹکنا بہت دور کا (۱۱۶)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ۙ

نہیں پکارتے یہ مشرکین اللہ کے علاوہ مگر عورتوں کو ، اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیاطین کو (۱۱۷)

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

اللہ نے اس شیطان پر لعنت کی اور اس شیطان نے کہا البتہ میں ضرور اختیار کروں گا تیرے بندوں میں سے ایک متعین حصہ (۱۱۸) اور البتہ میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

اور البتہ ضرور انہیں امیدیں دلاؤں گا اور البتہ ضرور حکم دوں گا پس البتہ وہ ضرور کاٹیں گے جانوروں کے کان اور البتہ ضرور انہیں حکم دوں گا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ

پھر وہ ضرور تبدیل کر دیں گے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو ، اور جو شخص بھی شیطان کو دوست بنا لے چھوڑ کر

اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ۭ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا

اللہ کو پس تحقیق وہ صریح خسارے میں پڑ گیا (۱۱۹) شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے ، اور نہیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا

وعدے کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کے (۱۲۰) یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے ، اور نہیں

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پائیں گے یہ اس جہنم سے ہٹنے کی جگہ (۱۲۱) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

ہم ضرور داخل کریں گے انہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان کے اندر رہنے والے ہوں گے

أَبَدًا ۚ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ

ہمیشہ ، اللہ کا وعدہ سچا ہے ، اور کون زیادہ سچا ہے اللہ کے مقابلے میں از روئے بات کے (۱۲۲) نہ

بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ

تمہاری خواہشات کا اعتبار ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات کا اعتبار ہے ، جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کا بدلہ دیا جائے گا ،

وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ

اور نہیں پائے گا وہ شخص اپنے لیے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار (۱۲۳) اور جو شخص کام کرے

مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ

نیک مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ ایمان لانے والا ہو پس یہی لوگ ہیں جو داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ

جنت میں اور یہ ظلم نہیں کیے جائیں گے کچھ بھی (۱۲۴) کون زیادہ اچھا ہے از روئے دین کے بمقابلہ اس شخص کے جس نے سپرد کر دیا

وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ

اپنی ذات کو اللہ کے لئے اس حال میں کہ وہ اچھی طرح سے کام کرنے والا ہے اور اس نے اتباع کی ابراہیم کے طریقہ کی جو کہ حنیف تھے ، بنایا

اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

اللہ نے ابراہیم کو دوست (۱۲۵) اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ،

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا ﴿١٢٦﴾

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے (۱۲۶)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع میں جو واقعہ آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا اس کا آخری جزء یہ تھا کہ وہ شخص جس نے چوری کی تھی جس کی بناء پر یہ حالات پیدا ہوئے وہ سزا کے ڈر سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا، اسی کے متعلق وعید تھی پچھلے

رکوع کی آخری آیت میں کہ جو اللہ کے رسول کی مخالفت مول لیتا ہے، ان سے ضد کرتا ہے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر اور راستے کی اتباع کرتا ہے ہم اسے کرنے دیتے ہیں جو وہ کرتا ہے، ہم اس کو والی بنادیتے ہیں جس کا وہ والی بنتا ہے پھر ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے تو چونکہ وہ مشرک ہو گیا تھا مشرکین کے ساتھ مل گیا تھا اسی مناسبت سے اس رکوع کے اندر شرک کی مذمت اور مشرکین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

کفر و شرک کی مذمت:

یہ آیت آپ کے سامنے پہلے بھی گذر چکی ہے، پہلے جس وقت یہ آیت آئی تھی اس کے آخر میں الفاظ یہ تھے "ومن یشرك باللہ فقد افترىٰ اثما عظیما" کہ جو کوئی شرک کرے اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا اور یہاں آ گیا "فقد ضل ضلالا بعیدا" وہاں ذکر تھا اصل کے اعتبار سے اہل کتاب کا اور اہل کتاب کے سامنے چونکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات تھیں، وہ توراۃ اور انجیل کے حامل تھے، انبیاء علیہم السلام کا نام لیتے تھے، لوگ ان کے طریقے کو اللہ کا بتایا ہوا طریقہ سمجھتے تھے تو جب وہ لوگ شرک کا ارتکاب کریں گے تو گویا کہ اللہ کے اوپر افتراء کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ایک جھوٹی بات باندھ رہے ہیں، لوگ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تعلیم کیا گیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کردہ نہیں ہے، اور یہاں ذکر مشرکین مکہ کا ہے جو جاہل ہیں جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، اس لئے ان کا صرف بھٹکنے کا ذکر کیا کہ بھٹک کے بہت دور جا پڑے ان کی صفت کو یہاں افتراء عظیم کے ساتھ تعبیر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا دے کر بھی معاف نہیں کریں گے، اور شرک کے حکم میں ہی ہے کفر، مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایمان سے خالی ہو گیا چاہے وہ مشرک ہو کیونکہ مشرک وہ شخص ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی کسی صفت میں اس کے ساتھ محبت میں، اس کے ساتھ اطاعت میں، اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی دوسرے کو حصہ دار بناتا ہے، محبت میں حصہ دار بناتا ہے کہ جیسی محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے ویسی محبت دوسرے سے کرتا ہے، مشرکین کے ذکر کے اندر پہلے بھی یہ لفظ آپ کے سامنے گزر چکے ہیں "یحبونھم کحب اللہ" کہ یہ اپنے بتوں کے ساتھ اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیئے، تو یہ شرک فی المحبت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی دوسرے کو شریک کر لیا جائے جیسے اللہ کا حکم مانا جاتا ہے اسی طرح انسان دوسرے کے حکم کو بھی اللہ کے حکم کے برابر قرار دے دے، اللہ کی کسی صفت میں شریک کر دے، اس کے حق میں شریک کر دے، محبت میں شریک کر دے، اطاعت میں شریک کرے تو وہ ہو گیا مشرک تو مشرک وہی ہو گا جو اللہ کے وجود کا قائل ہے۔

اور کوئی شخص ایسا بھی ہوسکتا ہے جو سرے سے اللہ کے وجود کا قائل ہی نہیں اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے وہ کافر ہے، یا اللہ کے وجود کا قائل ہے اور اللہ کے قطعی احکام میں سے، ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے، انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتا، قرآن کریم کو نہیں مانتا، ضروریات دین کا مفہوم آپ کے سامنے ذکر کر دیا گیا تھا یعنی قطعی امور، قطعی الثبوت، قطعی الدلالت ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد پھر وہ اتنے واضح ہوتے ہیں کہ دین میں سے ان کا ہونا سب لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کسی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے ایسی باتوں میں سے اگر وہ کسی بات کا انکار کرتے ہیں تو وہ کافر ٹھہرے چاہے وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بھی کرتے ہوں، تو قرآن کریم کی آیات کے اندر جس طرح مشرک کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ بخشا نہیں جائے گا اس طرح کافر کے متعلق بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بخشا نہیں جائے گا، تو جو حکم مشرک کا ہے وہی حکم کافر کا ہے، بعض آیات میں مشرک کی صراحت ہے اور بعض آیات میں کافر کی صراحت ہے، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، حاصل سب کا ایک ہی ہے کہ جو ایمان صحیح نہیں رکھتا پھر چاہے وہ کافر ہے چاہے مشرک ہے اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے کر بھی معاف نہیں کریں گے، یہ دائمی جہنمی ہے کسی وقت بھی اس کو جہنم سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔

کافر اور مشرک کی سزا دائمی کیوں؟:

اور اس پر بظاہر کسی کی طرف سے یہ شبہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان مشرکین نے شرک تو کیا ہے ایک محدود زمانے تک کسی نے چند دن کیا، کسی نے چند سال کیا اور اسی طرح کافر نے کفر تو اختیار کیا ایک محدود زمانے میں، زیادہ سے زیادہ اس کی عمر ہوگی تو سینکڑوں کے حساب سے ہوگی اور سزا اس کو ایسی لامتناہی دی جا رہی ہے جس کا حد وحساب ہی کوئی نہیں، تو بظاہر یہ دونوں چیزیں آپس میں مطابق نظر نہیں آتیں کہ جرم کی سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیے اور یہ سزا بظاہر ان کے جرم سے زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ غور کریں گے تو یہ اشکال جو ہے محض کم نظری سے ناشی ہے، جرم کی سزا جرم کے مطابق ہوتی ہے یہ ضابطہ صحیح ہے لیکن وقت میں مطابقت ضروری نہیں کہ جتنے وقت میں جرم ہوا ہے اتنے وقت کی سزا دی جائے، اب ایک آدمی اگر کسی کو قتل کرتا ہے گولی اس کو مارتا ہے تو ایک لمحے میں جرم کا ارتکاب کر لیا لیکن جب اس کو سزا دی جاتی ہے ان دنیاوی عدالتوں میں تو بیس بیس سال کی سزا دی جاتی ہے اب یہ ہے کہ جرم چونکہ سخت نوعیت کا ہے تو سزا بھی سخت نوعیت کی ہوگی، وقت میں مطابقت کوئی ضروری نہیں، چوری کرنے والا چوری جو ہے وہ چند گھنٹوں میں کر کے فارغ ہو جاتا ہے اور جب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو سزا اس کو جب تک اس کی زندگی ہوگی دائمی ہوگی، یا دنیاوی عدالتوں کے اندر اس کو ایک دو مہینوں کی سزا ہو جائے تو وقت میں کوئی مطابقت نہیں۔

جرم کی سنگینی کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے کہ جرم کے اندر جتنی سنگینی ہوگی، جتنا جرم سخت ہوگا اس کے مطابق فیصلہ ہوجائے گا اور شرک اور کفر یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے زیادہ دخل اندازی ہے اور اس کو ظلم عظیم کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے جتنے جرائم ہیں ان کے مقابلے میں اس کے اندر سزا بھی زیادہ سخت رکھی گئی ہے، اس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی عدالت کے اندر باغی کی سی ہے اور باغی جو ہوا کرتا ہے وہ بدترین سزا کا مستحق ہوا کرتا ہے، اور پھر کوئی مشرک ہو کافر ہو اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اگر اس کو سالہا سال بھی زندگی مل جائے تو یہ اپنا مسلک چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے، جس طرح مومن کی اپنے ایمان کے اوپر دوام کی نیت ہوتی ہے کہ اگر وہ کروڑ ہا سال بھی زندہ رہے تو وہ ایمان پر ہی رہے گا نیت اس کی یہی ہوتی ہے، اس کا ارادہ یہ نہیں ہوتا کہ سو سال کے بعد میں اپنا عقیدہ بدل لوں گا، یا ایک لاکھ سال کے بعد میں عقیدہ بدل لوں گا، ہمارے جذبات بھی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو جائے تو کروڑ ہا سال بھی زندگی ہو تو پھر بھی ہم اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں گے کہ ہمارے ایمان کو محفوظ رکھ، ہم کسی وقت بھی ارادہ نہیں رکھتے اپنے عقائد کو بدلنے کا اسی طرح سے کافر اور مشرک کا بھی اپنی نیت کے اعتبار سے کفر پر دوام ہوتا ہے تو جہنم میں جانا کفر کی سزا کے طور پر ہو گیا اور اس کا دوام جو ہے وہ ان کی نیت کے دوام پر ہی ہے کیونکہ وہ اپنے عقیدے کو دائماً طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ اس میں تبدیلی نہیں لانا چاہتے، مومن بھی تبدیلی نہیں لانا چاہتا، کافر بھی تبدیلی نہیں لانا چاہتا، جس کی بناء پر مومن کو جنت میں دوام ہوگا اور کافر کو جہنم میں دوام ہوگا۔

کافر و مشرک کی دائمی سزا کی وضاحت مثال سے:

پھر کافر کی کسی دوسری نیکی کا اعتبار نہیں چاہے وہ کتنا ہی ظاہری طور پر نیک کیوں نہ ہو، غریب پرور ہے، مسکین پرور ہے، نیکیاں کرتا ہے، اس کی کسی نیکی کا اعتبار نہیں ہے اور مومن جو ایمان لاتا ہے اس کا گناہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے قابل ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ بات یہ بھی اسی اصول سے سمجھ میں آ گئی کہ بادشاہ وقت کے خلاف جو بغاوت کردے، حکومت وقت کے خلاف جو بغاوت کردے، چاہے وہ بہت زیادہ ڈگری یافتہ ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو، ہر قسم کی قابلیت اس کو حاصل ہے لیکن ایسے باغی کو ملک کے اندر رہنے کا حق نہیں ہوتا، اس کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جاتا ہے یا اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے یا اس کو ملک بدر کردیا جاتا ہے وہ اس ملک میں رہنے کا حق دار نہیں ہے جو اس ملک کی حکومت کا باغی ہے، چاہے وہ کتنے ہی کمالات کا مالک کیوں نہ ہو۔

بخلاف اس کے کہ اگر کوئی شخص حکومت کا باغی نہیں، حکومت کے ساتھ اس کا تعلق اطاعت کا ہے

اور وہ حاکم کو حاکم تسلیم کرتا ہے، حکومت کے قانون کو وہ قانون مانتا ہے لیکن پھر اس سے عملی کوتاہی ہو جاتی ہے تو ایسے لوگ ملک میں رہا کرتے ہیں، چاہے وہ چوری ہی کیوں نہ کریں، چاہے وہ ڈاکو ہی کیوں نہ ہوں، چاہے وہ دوسرے جرم کا ارتکاب کرنے والے کیوں نہ ہوں، ان کو تنبیہ کی جائے گی، سرزنش کی جائے گی لیکن ان کا انجام ویسا نہیں کیا جاتا جس طرح سے باغی کا کیا جاتا ہے تو معلوم ہو گیا کہ انسان کی فطرت بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ بغاوت کو برداشت نہیں کرتی، بغاوت ایک ایسا جرم ہے جس کے بعد انسان کی ساری کی ساری خوبیاں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں رہتا اور اگر ایک شخص عہد کئے ہوئے ہے اطاعت اور فرمانبرداری کا اس سے کتنی ہی کوتاہیاں کیوں نہ ہو جائیں اس سے درگزر کر لیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس طرح سے اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرے گا، اس بغاوت کے ساتھ ان کی کسی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں، جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، سزا دینے کے بعد ان کو چھوڑا نہیں جائے گا، یوں سمجھ لیں کہ وہ نجس العین ہوں گے، یہ جہنم میں جانے کے بعد، آگ میں جلنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوئے کہ ان کو جنت کے قابل سمجھا جائے یہ نجس العین ہیں اور ایمان والا کوئی شخص اگر گناہ کرتا ہے تو ایسے ہے کہ چیز اصل کے اعتبار سے پاک ہو اور عارضی طور پر اس پر نجاست لگ جائے، اب یہ کپڑا ہے کپڑے کے اوپر پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں دھونے سے پاک ہو جائے گا لیکن اگر پیشاب کو ہی پاک کرنا چاہیں تو پیشاب پاک کس طرح سے ہوگا، پاخانے اور گوبر کو دھو کر اگر پاک کرنا چاہیں تو پاک کس طرح سے ہوگا اس طرح سے مشرک کی مثال نجاست کی ہے وہ جہنم میں جلنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوں گے، اور سزا پانے کے بعد بھی پاک نہیں ہوں گے اور مومن کی مثال ایسے ہے جیسے چیز اپنی ذات میں پاک ہے لیکن عارضی طور پر اس پر نجاست گر گئی اس کی صفائی ہو جائے گی۔

اللہ کی طرف سے اطاعت کا مطالبہ احتیاج کی بناء پر نہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جو مطالبہ ہے یہ احتیاج کی بناء پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے، یہ سب اس کی حکمت اور مشیت کے تحت ہیں ان سب باتوں کو دنیاوی حکومتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ دنیاوی حکومتیں تو ہماری اطاعت کی محتاج ہیں اس لئے اگر ہم اطاعت نہیں کرتے تو ان کو غصہ آتا ہے، اگر ہم اطاعت کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جو یہ سلسلہ آپ سے چاہتا ہے یہ احتیاج کی بناء پر نہیں، یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اس کی حکمت تک ہماری عقل نہیں پہنچ سکتی، بہر حال اس نے اپنی کتاب کے اندر اس بات کی صراحت کر دی کہ وہ اطاعت پر خوش ہوتا ہے اور نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے، چاہے اطاعت سے اس کا فائدہ کوئی نہیں اور نافرمانی سے اس کو نقصان کوئی نہیں۔

دوسرے گناہوں کی معافی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے:

"یغفر مادون ذلك " شرک کے علاوہ جو کچھ ہوگا اور دوسری آیت کے قرینے سے اضافہ کریں گے کہ شرک اور کفر کے علاوہ جو کچھ ہے بخش دے گا اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا یعنی یہ بخشش بھی مشیت کے تابع ہے ،مشیت کا لفظ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ جرأت ایمان والوں کو بھی نہیں کرنی چاہیئے معصیت کی ، نافرمانی کی ، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر سزا کے معاف کردیں گے ایسی بات نہیں ہے جس کو چاہیں گے سزا دیں گے ، بغیر سزا کے بھی چاہیں گے تو معاف کردیں گے یہ اللہ کی مشیت پر ہے اس لئے جرأت اور دلیری کسی میں نہیں ہونی چاہیئے ، بخش دے گا اس کے علاوہ جو کچھ ہے جس کے لئے چاہے گا ، سزا دے کر بالیقین اور بغیر سزا کے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید کی جاسکتی ہے۔

اس میں دونوں شقیں آگئیں کیونکہ اپنی کتاب کے اندر اس نے واضح کردیا کہ مومن آخر کار جنت میں جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگر گناہ گار بھی ہوگا جیسے حدیث شفاعت کے اندر تفصیل آگئی روایات کے اندر واضح طور پر یہ بات مذکور ہے باقی گناہ جتنے بھی ہیں وہ سزا کے بعد بالیقین بخشے جائیں گے اور مومن آخر کار جنت میں جائے گا چاہے کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اور بغیر سزا کے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کی جاسکتی ہے ، کسی کی سفارش سے کسی نیکی کی برکت سے گناہ معاف کردیں ایسا بھی ہوگا "ومن یشرك بالله" اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے پس وہ تحقیق دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

شرک کی قباحت:

آگے اس شرک کی قباحت ہے ، اس شرک کی قباحت کو آپ اس طرح سمجھیں کہ مشرکین قومیں جتنی گزری ہیں ان میں اکثر و بیشتر جو معبود اختیار کئے گئے ان کو وہ عورتوں کی شکل میں بناتے تھے اور عورتوں کی شکل پہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو لڑکیاں قرار دیتے تھے اس کا ذکر قرآن کریم میں آپ کے سامنے کئی دفعہ آچکا "وجعلوا الملائکة الذین هم عبادالرحمن اناثا" فرشتوں کو جو کہ اللہ کے بندے ہیں انہوں نے لڑکیاں قرار دے دیا "الکم الذکر وله الانثی " کیا تم اپنے لئے تو لڑکے تجویز کرتے ہو اور اللہ کے لئے لڑکیاں تجویز کرتے ہو ، ان کو لڑکیاں قرار دیتے تھے تو اکثر و بیشتر جو تھے وہ لڑکیوں کے شکل کے بناتے تھے ، دیویاں جنہیں کہا جاتا ہے ، پس یہ عزیٰ جو ہے یہ بھی مؤنث کا صیغہ ہے ، اعز کا مؤنث ہے عزیٰ یہ بھی عورت کی شکل پہ تھا اس کو بھی عورت ہی سمجھ کر اس کے ساتھ معاملہ کیا جاتا تھا۔

لات منات اگرچہ ان کی تفاسیر مختلف کی گئی ہیں لیکن یہ بھی کچھ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ مؤنث کے صیغے ہیں، اوران کو مؤنث سمجھ کرزیورات چڑھاتے تھے اورویسے زیب وزینت کرتے تھے، اور یہاں ہندوستان کے مشرک ہندوؤں کے بت خانوں میں جاکے بتوں کو دیکھوگے تو وہ بھی اکثر وبیشتر عورتوں کی شکل پہ ہوتے ہیں چاہے مردوں کی شکل پہ بھی ہوتے ہیں، لیکن عورتوں کی شکل پہ ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرک عورت کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرائے بیٹھا ہے، حالانکہ عورت ہرلحاظ سے، اپنی استعداد کے لحاظ سے، اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے کمزورترین مخلوق ہے، مردوں کے مقابلے میں عقل کے اعتبار سے بھی کمزور، استعداد کے اعتبار سے بھی کمزور، اور ایسی چیز کو اٹھا کر اللہ کا شریک ٹھہرادینا کتنی اس میں قباحت ہے کہ عقل بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور شرک جوبھی ہے وہ سارے کا سارا شیطان کی اتباع ہے اور شیطانی طریقہ ہے اس لئے اس کی قباحت یا شرک کا نسب نامہ یوں ظاہر کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ نہیں پکارتے اللہ کے علاوہ مگر لڑکیوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان مرید کو شیطان مرید سرکش شیطان، سرکش شیطان کو پکارنا تو ہرصورت پر صادق آئے گا، اور بعض بعض صورتوں میں ان کا پکارنا لڑکیوں کو بھی ہے تو فی الجملة چونکہ ان کے معبودین انثیٰ تھیں اس لئے ان کو قباحت کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے کہ ان کی عقل ماری گئی کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو ان کے مقابلے میں حسی طور پر بھی نازک مخلوق ہے اور پھر شیطان سرکش کے پیچھے لگ کر اس کے کہنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے شرک کرتے ہیں جب وہ غیراللہ کو پکارتے ہیں تو یوں سمجھو کہ شیطان کو پکارتے ہیں۔

اور یہ پکارنا استغاثہ کے طور پر ہے مدد طلب کرنا اور اس کے سامنے دعا کرنا، فریاد چاہنا اور رحم کی اپیل کرنا جس طرح سے مشرک غیراللہ کو پکارا کرتا ہے یہ وہی دعا ہے جو حقیقت کے اعتبار سے عبادت ہے، شیطان مرید کو پکارتے ہیں۔

شیطان کے ناپاک عزائم:

"لعنه الله" اس شیطان پر اللہ نے لعنت کی ہے گویا کہ وہ انسانیت کا دشمن بھی ہے، سورۃ اعراف کے اندر جس طرح سے تفصیل آپ کے سامنے آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرشتوں کو اور ساتھ اس ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا کہا لیکن اس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ نے کہا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو اس نے آگے اپنی بڑائی جتائی تھی کہ میں اس سے اچھا ہوں، مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا، جب اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود کردیا، اور اس کے اوپر لعنت کردی

پھر اس نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ مجھے مہلت دیجئے کہ میں ان کے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا "لاقعدن لهم صراطك المستقيم " میں تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا، جس طرح سے گھات لگا کر کوئی ڈاکو بیٹھا ہوتا ہے کہ جو صراط مستقیم پر چلے اس کو ہلاک کیا جائے، اس کو راستے سے بھٹکا دیا جائے، لوٹ لیا جائے، میں بھی تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا، سیدھے راستے سے توحید کا راستہ مراد ہے، پھر میں ان کے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی، اوپر سے نیچے سے ہر طرف سے میں ان کو بہکاؤں گا اور بہکانے کے بعد اور اس نے جو اندازہ لگایا تھا کہ "لاتجد اكثرهم شاكرين" کہ ان بنی آدم میں سے اکثر و بیشتر کو تو شکر گزار نہیں پائے گا، وہ تیری نعمتوں کو تیرے شکر کے طور پر استعمال نہیں کریں گے تیرا کھائیں گے لیکن تیرا گائیں گے نہیں، اکثر و بیشتر ایسے ہوں گے جو گمراہ ہو جائیں گے اور تو ان کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اور پھر سورۃ السباء میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اظہار کیا "ولقد صدق عليهم ابليس ظنه فاتبعوه الا فريقا من المؤمنين" یہ شیطان نے اپنے گمان کو ان لوگوں کے بارے میں سچا کر دکھایا، اس نے اپنے گمان کو سچا کر دکھایا، سچا ہوا اس کا گمان جو اس نے کہا تھا کہ اکثر و بیشتر تیرے ناشکرے ہو جائیں گے، مؤمنین کا ایک گروہ بچا باقی سارے کے سارے اس کے پیچھے لگ گئے تو یہاں یہی ذکر کیا جا رہا ہے کہ یہ ملعون ہے اور انسان کا دشمن ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو پھٹکار دیا، اب جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وضاحت ہو جائے کہ فلاں راستہ رحمٰن کا ہے اور فلاں راستہ شیطان کا ہے تو شیطان کے راستے کو اختیار کرنا رحمٰن کے راستے سے ہٹ جانا گویا کہ دوست کو چھوڑ کر دشمن کے پیچھے لگنا ہے، اور پھر اس دشمن سے کیا خیر کی توقع رکھی جا سکتی ہے یہ وہی اس کی دشمنی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے ایک متعین حصہ، متعین حصہ طاعت کا مراد ہے کہ ان کے اندر جو طاعت کا جذبہ ہے اس میں سے ایک حصہ میں بھی وصول کروں گا کہ وہ میری اطاعت کریں گے تیری نہیں کریں گے۔

"ولاضلنهم " اور میں ان کو عقائد کے درجے میں گمراہ کروں گا، یہ اضلال عقیدے کے درجے میں ہے کہ میں ان کے عقائد خراب کروں گا "ولامنينهم " اور میں ان کو امیدیں دلاؤں گا غلط قسم کی کہ شرک کرنے میں یہ فائدہ ہے، فلاں پیر کی قبر پر چڑھاوا چڑھا کر آؤ تو یہ فائدہ ہوتا ہے، فلاں جگہ جا کر سجدہ کرو تو یوں ہوتا ہے، اس قسم کی امیدیں اور اس قسم کی خواہشات ان کو دلاؤں گا، "ولامرنهم " اور میں ان کو حکم دوں گا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں وسوسہ ڈالنا، دل کے اندر جذبات پیدا کرنا، القاء وسوسہ یہ سب امر کے درجے میں ہیں "فليبتكن اذان

الانعام" یہ عملی زندگی تباہ ہوگی میں ان کو حکم دوں گا یعنی میں ان کے دل میں یہ بات ڈالوں گا کہ وہ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑیں گے اور علامت کے طور پر ان کے کان کاٹیں گے اور چیریں گے جیسا کہ تمام مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے معبودوں کے نام پر جانور چھوڑتے ہیں علامت کے طور پر ان کے کان چھیل دیتے ہیں، کوئی کاٹ دیتا ہے، کوئی اس میں سوراخ کر دیتا ہے یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہوتا ہے، ضرور کاٹیں گے وہ جانوروں کے کان۔

تغیر بخلق اللہ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

اور ضرور حکم دوں گا میں کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بگاڑیں گے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تفصیل حدیث شریف کے اندر یہی ذکر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس صورت پر بندے کو چاہتا ہے شیطان اس کو بگاڑنے کی تلقین کرتا ہے، بس ایک عورت کو اللہ نے عورت بنا دیا اب وہ بتکلف مرد بننے کی کوشش کرے یہ بھی شیطان کے حکم کے تحت تغیر بخلق اللہ ہے، اور ایک مرد کو اللہ نے مرد بنا دیا اب وہ بتکلف عورت بننے کی کوشش کرے تشبیہ بالنساء پیدا کرے "متشبہات بالرجال" اور "متشبہین بالنساء" ان کے اوپر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور یہ بھی تغیر بخلق اللہ ہے اور اس طرح سے بدن گندھوانے والے جس کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی تغیر بخلق اللہ ہے، یہ بدن کے اوپر پھول بوٹے جو نکلوایا کرتے ہیں اور اس میں رنگ بھرتے ہیں جس کو عربی کے اندر وشم کہا جاتا ہے تو "واشمات" وشم کرنے والی عورتیں "مستوشمات" وشم کروانے والی عورتیں ان کو بھی حضور ﷺ نے ملعون ٹھہرایا، اور اسی طرح سے وہ عورتیں جو اپنے دانت گھسا کے یعنی وہ زیب وزینت کے لئے درمیان میں فصل کر کے ایسی زیب وزینت حاصل کرتی ہیں ان کو بھی حضور ﷺ نے خلق اللہ کو بدلنے والی ٹھہرایا۔

اور بیان القرآن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ داڑھی منڈانا بھی اسی میں ہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت جس قسم کی شکل وصورت ہونی چاہیے جو اس کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا کہ بامر شیطانی تغیر بخلق اللہ کرتا ہے، اور تغیر ہم بھی کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کرتے ہیں مثال کے طور ختنہ کرتے ہیں تو وہاں بھی اصل شکل جو اللہ نے بنائی ہے بدلتے ہیں، ناخن کاٹتے ہیں، بغلیں کٹواتے ہیں، سر کے بال مونڈواتے ہیں، مونچھیں کٹواتے ہیں، اس قسم کا تغیر جو ہے یہ چونکہ امر اللہ کے تحت ہے اس لئے یہ مذموم نہیں ہے تو حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف شکل وصورت کے اندر جو تغیر کیا جائے گا وہ سارے کا سارا تغیر بخلق اللہ میں شامل ہے، داڑھی منڈوانے کا ذکر یہاں اللہ تعالیٰ نے کیا، اور بیان القرآن میں اسی جگہ صراحت کی

ہے کہ کٹوانا سنت ہے مؤکد ہے یا غیر موکد کہتے ہیں کہ یہ نظر سے نہیں گزرا، بیان القرآن میں یہ صراحت ہے اور سرورکائنات ﷺ کی طرف سے جو صیغے آئے ہیں داڑھی کے بارے میں وہ تقاضا یہی کرتے ہیں کہ اس کو بڑھایا جائے لیکن دوسری روایات میں خود حضور ﷺ کا بھی طول اور عرض سے داڑھی کو کٹوانے کا ذکر آتا ہے بعض روایات میں اور خاص طور پر بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر آتا ہے کہ جب حج کیا کرتے تھے یا عمرہ کیا کرتے تھے تو سر کو منڈاتے تھے اور داڑھی کو جو قبضہ سے زائد ہوتی تھی اس کو کٹوا دیا کرتے تھے جس کی بناء پر احناف رحمہم اللہ کے تینوں اماموں کا قول یہی نقل کیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ قول مذکور ہے ہدایہ کی شرح میں کہ ان تینوں کے نزدیک کٹوانا بہتر ہے بڑھانے کے مقابلے میں یعنی قبضہ سے جو زائد ہو اس کو کٹوانا بہتر ہے۔

اس لئے ہمارے حضرات اکثر و بیشتر کٹواتے ہی ہیں اور اگر کوئی نہیں کٹواتا اسی طرح سے چھوڑ دے جس طرح سے جا رہی ہے جانے دے بعض علماء کے نزدیک یہ بھی مستحب ہے، اور جواز میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اور چار انگشت سے کم جو کٹواتا ہے یہ بالاتفاق فسق ہے اور حرام ہے، چار انگشت سے چھوٹی رکھنا یعنی کاٹ کاٹ کر اس کو چھوٹا کر لینا یہ جائز نہیں، البتہ جو چار انگشت سے زائد ہو جائے اس کا کاٹنا ٹھیک ہے، بعض کے نزدیک کاٹنا افضل ہے اور بعض کے نزدیک نہ کاٹنا افضل ہے، اور اسی طرح مونچھوں کا کٹوانا اتنا ضروری ہے کہ ہونٹ کا کنارہ ننگا ہو، اتنے بال نہ ہوں کہ کنگھی کریں تو ہونٹ کا کنارہ چھپ جائے یہ غلط ہے البتہ اتنی کاٹ لی جائیں کہ ہونٹ کا کنارہ ننگا رہے پھر چاہے وہ ابرو کی شکل میں ہو جائیں اس کا بھی جواز ہے لیکن افضل یہ قرار دیا گیا ہے کہ اتنا رگڑ کر ان کو کاٹا جائے کہ چمڑے کا رنگ نظر آنے لگ جائے اس کو افضل قرار دیا گیا ہے، اور اگر کوئی اس سے زائد رکھتا ہے جس طرح سے آنکھ کے اوپر ابرو ہے یہ بھی درست ہے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، احناف کے نزدیک افضل قرار دیا گیا ہے کہ ان کو اس طرح سے رگڑ کر کاٹا جائے کہ چمڑے کا رنگ نظر آنے لگ جائے البتہ حلق کی بھی اجازت ہے لیکن اس کی بجائے قینچی سے کاٹنا زیادہ افضل ہے تو یہ تغیر جو ہم کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جو شکل و صورت شریعت کے احکام کے مطابق بنائی جائے یہ ہے اللہ تعالیٰ کی محبوب صورت، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرغوب اور محبوب صورت وہی ہے جو احکام شریعت کے مطابق ہو، اس کے خلاف اگر کوئی شکل و صورت بنانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں وہ شیطانی تغیر تخلق اللہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو اللہ تعالیٰ کی مرغوب صورت کو شیطانی حکم کے تحت بدلتا ہے تو یہ بھی شیطان کی اطاعت ہے جس کا دعویٰ

اس نے کیا تھا کہ میں لوگوں سے کہوں گا وہ تیری محبوب صورتیں، تیری بنائی ہوئی شکلیں وہ ان کو بدلیں گے اور وہ ان میں گڑبڑ کریں گے تو ایسا تغیر جو کہ شریعت کی نظر کے اندر حسن کو لئے ہوئے ہے وہ جائز، اور یا اس میں نہ حسن ہے نہ قبح ہے تو ایسی صورتیں بھی ہیں کہ اس میں تغیر جائز ہے، جس طرح سے بعض فوائد کے تحت جانوروں کو خصی کر دیا جاتا ہے یہ بھی تو اسی تغیر میں داخل ہے لیکن ایسے فوائد کے تحت ہے کہ جس کی شریعت نے اجازت دی ہے بہر حال داڑھی منڈوانے اور داڑھی کٹوانے کا ذکر بھی مفسرین نے کیا ہے "فلیغیرن خلق الله" مردوں کا عورتوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا، عورتوں کا مردوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا اور اس قسم کے دیگر تصرفات جو شریعت کے خلاف ہیں شکل وصورت کے اندر وہ سب تغیر میں شامل ہیں۔

شیطان سے دوستی کا انجام:

"ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون الله "اور جو کوئی شیطان کو دوست بنائے اللہ کو چھوڑ کر "فقد خسر خسرانا مبینا" پس تحقیق وہ صریح خسارے میں جا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجائے شیطان کی اطاعت کر لی یہ بھی اپنے آپ کو ذلیل کرنے والی بات ہے اور آخرت تو برباد ہو ہی گئی "یعدھم "شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں خواہش دلاتا ہے اور نہیں وعدے کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کے، اس کے وعدے جتنے بھی ہیں وہ سب دھوکہ ہی دھوکہ ہیں یعنی تلقین کرتا ہے کہ یوں کر لو گے تو یہ فائدہ ہو جائے گا، اگر یہ کر لو گے تو یہ ہوگا، اور امیدیں دلاتا ہے کہ آخرت تو ہے ہی نہیں، مرنے کے بعد اٹھنا تو ہے ہی نہیں اس لئے دنیا میں جو کچھ مزے اڑانے ہیں اڑا لو یا اگر آخرت کا عقیدہ سامنے ہوتا بھی ہے تو یوں کہتا ہے کہ فلاں کی معرفت بچ جاؤ گے، فلاں سے تعلق رکھنے والے ہو تمہیں اللہ چھوڑ دے گا، فلاں کی اولاد ہو، اس قسم کی خواہشات میں مبتلا کر کے زندگی کو برباد کر دیتا ہے تو یہ لوگ جو شیطان کے چکر میں آجاتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے "ولایجدون عنھامحیصا" اور وہ اس سے ہٹنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔

مقابلے کے طور پر مؤمنین کا ذکر:

اس کے بالمقابل اب دوسروں کا ذکر آ گیا جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا طرز یہی ہے کہ جب کفار کا ذکر آتا ہے تو مقابلے میں مؤمنین کا ذکر بھی آجاتا ہے اور مؤمنین کا ذکر آتا ہے تو مقابلے میں کفار کا ذکر بھی آتا ہے، جزا کے بعد سزا اور سزا کے بعد جزا یہ باتیں آجاتی ہیں "بضدھن تتبین الاشیاء" کہ اضداد کے سامنے آنے کے ساتھ ہی چیزیں واضح ہوا کرتی ہیں تو جب یہ دونوں طریقے سامنے رکھ کر چلو گے تو پھر کامیابی ہے۔

"والذین آمنوا وعملوا الصالحات" اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، عنقریب داخل کریں گے ہم انہیں باغات میں اور جاری ہیں ان کے نیچے سے نہریں "خلدین فیھا ابدا" اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے "وعد اللہ حقا" اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے "ومایعدھم الشیطان الا غرورا" شیطان کے وعدے تو دھوکہ ہی دھوکہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جو وعدہ کر رہا ہے بالکل صحیح، بالکل واقعہ کے مطابق ہے، اور اللہ کے مقابلے میں بات کے اعتبار سے کون زیادہ سچا ہوسکتا ہے آگے وہی عمل کی ترغیب ہے، عقائد کو صحیح کرنے کی ترغیب ہے کہ مشرکین نے جس طرح کی خواہشات لگا رکھی ہیں کہ فلاں ہمیں چھڑوالے گا، فلاں سے ہمارا تعلق ہے، فلاں ہماری سفارش کردے گا، اہل کتاب نے اسی طرح سے امیدیں لگا رکھی تھیں کہ ہم اولیاء اللہ کی اولاد ہیں، انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں پھر اگر گئے بھی تو چند روز کے لئے جائیں گے "نحن ابناء اللہ واحباء ہ" اس وہم کے اندر وہ مبتلا تھے جس کی بناء پر وہ بدعملی میں دلیر ہوگئے تھے اور عیسائیوں نے اس قسم کے عقیدے تراش لئے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ اپنی امت کی طرف سے سولی چڑھ گئے اس لئے ان کی امت کوئی کام کرتی ہے تو ان پر کوئی ذمہ داری نہیں آئے گی سب کا کفارہ ہوگئے عیسیٰ علیہ السلام، تو جب عیسیٰ علیہ السلام کی سولی کو سب کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا گیا امت کی طرف سے، کرے کوئی اور بھرے کوئی کے اصول کے تحت گناہ امت کرے گی اور کفارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دے دیا سولی پر چڑھ کر تو ایسے وقت میں پھر ان کی امت نیکی کی کیا قدر کرے گی اور نیک ہونے کی کیا کوشش کرے گی۔

اسی کی تلقین یہاں کی جارہی ہے کہ کسی کی خواہشات پر دارومدار نہیں ہے نہ تو تمہاری خواہشات پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر مدار ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی کوئی برا کام کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا "سواء" یہ نکرہ آگیا کوئی کسی قسم کا برا کام کرے گا "یجزبہ" تو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

مؤمن کی دنیا میں تکلیف سیئات کا کفارہ ہوتی ہے:

اس آیت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کچھ پریشان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر آیا کہ یارسول اللہ! اگر ہر برے کام کا بدلہ ملنے لگ گیا تو بچے گا کون؟ کون شخص ایسا ہے جس سے کسی نہ کسی درجے میں سوء کا ارتکاب نہیں ہوتا تو چونکہ سوء یہاں نکرہ آگیا کسی قسم کی کوئی برائی کرے گا جو شخص بھی کسی قسم کی کوئی برائی کرے گا "یجزبہ" تو اس کا بدلہ دیا جائے گا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات تو اسی طرح سے ہے کہ سوء کا بدلہ دیا جائے گا لیکن اس بدلے سے یہی مراد نہیں کہ آخرت میں جہنم میں ڈالے جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو دنیا کے اندر جو تکلیفیں

پہنچتا ہے وہ بھی ایک قسم کا سوء کا بدلہ ہوتا ہے اور ان تکلیفوں کی وجہ سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، کسی کو کوئی ٹھوکر لگ گئی، کسی کو کوئی کانٹا لگ گیا، کسی کو کوئی پریشانی ہوگئی اس کی برکت سے یہ سارے کے سارے سیئات معاف کر دیے جاتے ہیں تو دنیا کی تکلیفیں مومن کے لئے یہ بھی ایک قسم کی سوء کی ایک جزا ہے جس کے بعد وہ سیئات معاف ہو جائیں گے، اور آخرت میں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی جیب میں کسی چیز کو رکھ کر بھول گیا کہ کہاں رکھی ہے تھوڑی دیر تلاش کی پریشانی ہوئی بعد میں دیکھا تو جیب میں ہی تھی اتنی بھی پریشانی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بھی گناہ معاف فرماتے ہیں تو مومن کے لئے گویا کہ جزاء سوء اس دنیا میں ہو جاتا ہے تو کوئی چھوٹی موٹی پریشانیاں کوئی پھوڑا نکل آیا، کوئی زخم ہو گیا، بخار ہو گیا یہ ساری کی ساری چیزیں سیئات کے کفارے کا باعث بنتی ہیں، "ولایجدلهم من دون الله ولیا ولانصیرا " "اور نہیں پائے گا وہ شخص یعنی برا کام کرنے والا اگر اللہ کی گرفت میں آ جائے تو کسی کو ولی اور نصیر نہیں پائے گا نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ اس کا کوئی مددگار۔

جنت کے حقدار:

اور جو کوئی نیک کام کرے پھر ضابطہ عام ہے کہ مرد ہو یا عورت ہو "من ذکر اوانثیٰ" اس میں کسی کی تخصیص نہیں کہ مرد کے لئے جزا اور ہو اور عورت کے لئے اور نہیں، اس بارے میں دونوں برابر ہیں مرد ہو یا عورت ہو جو نیک کام کرے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پاس ایمان ہو کیونکہ ایمان کے بغیر تو کوئی عمل قبول ہی نہیں "وھو مومن " یہ حال واقع ہو رہا ہے لیکن یہاں مقام شرط میں ہے 'فاولئك یدخلون الجنة" پس یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے، یعنی ان کی کوئی نیکی برباد نہیں کی جائے گی، کیونکہ ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یہ صورتاً ہے ورنہ حقیقتاً ظلم نہیں، ظلم یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی غیر کے ملک کے اندر اس کی رضا کے خلاف تصرف کرے اس کو کہتے ہیں ظلم یہ دوسرے کی حق تلفی ہوگئی، چیز دوسرے کی تھی اور آپ نے پوچھے بغیر اس میں تصرف کر لیا، اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کسی صورت صادق نہیں آ سکتی یہاں تو زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اس لئے ساری کی ساری مخلوق کو اٹھا کر جہنم میں پھینک دے تب بھی وہ ظالم نہیں اور جو معاملہ بھی کرے اور جو تصرف بھی کرے گا اس کی اپنی ملکیت میں ہوگا کون پوچھنے والا ہے، لیکن صورتاً ظلم یہ ہے کہ ایک آدمی نے گناہ کیا نہیں سزا دے دی جائے، یا نیکی کی تھی اور اس کے اوپر بدلہ نہ دیا جائے اور اس کو برباد کر دیا جائے تو یہاں صورتاً اس کی نفی ہے کہ ان کے اوپر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اس لئے جو نیکی ہوگی اس کا بدلہ چکایا جائے گا کچھ بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

اللہ کے پسندیدہ بندے:

کون اچھا ہے از روئے دین کے اس شخص سے جس نے اپنے چہرے کو اللہ کے سپرد کر دیا اللہ کا مطیع ہو گیا "وھومحسن" اور ہر کام کو اچھی طرح کرنے لگ گیا اپنی ذات کو اللہ کے تابع کر دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداری اختیار کر لی، دل سے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور پھر کام کرتے وقت احسان کی رعایت رکھی، ہر کام کو اچھی طرح سے کیا، ہر کام کو اچھی طرح کرنے کا یہ معنی بھی ہے کہ دل میں خلوص ہے اور ظاہری طور پر وہ کام سنت کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کو کون سا کام پسند ہے کون سا کام پسند نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کام میں حسن ہے، کس کام میں حسن نہیں، آپ جانتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عقل کے ساتھ اس کو دریافت نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات بہت وریٰ ہے ہم آپس میں ایک دوسرے کی مشیت اور منشاء کو معلوم نہیں کر سکتے کہ میری خواہش اس وقت کیا ہے؟ اور میں کیا چاہتا ہوں، ایک مہمان آپ کے پاس آتا ہے آپ کا رشتہ دار ہوتا ہے، قریبی ہوتا ہے، ملنے جلنے والا ہوتا ہے، آپ کو اس سے پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ ٹھنڈا پسند فرمائیں گے یا گرم، بھائی ہونے کے باوجود کسی وقت آپ چائے بنا کر لے آئیں اور اس کی طبیعت چاہتی ہو ٹھنڈے کو، اور آپ لسی بنا کر لے آئیں اور اس کی طبیعت چاہتی ہو گرم کو، ایسا ہوتا رہتا ہے تو جب تم اپنے ہم جنس کی خواہش کو بھی معلوم نہیں کر سکتے بغیر اس کے پوچھے، تو اللہ تعالیٰ جس تک رسائی نہیں اس کی منشاء کو، اس کی مشیت کو بغیر اس کے پوچھے کیسے دریافت کیا جا سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو بتائے گا وہی اس کے نزدیک پسندیدہ ہے ہم اپنی طرف سے نہ کمی کر سکتے ہیں نہ بیشی۔

تو احسان کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کی عبادت کی جائے، اس لئے اس کا احسن عنوان ہے اتباع سنت کہ وہ شخص اصولاً فرمانبردار ہو جائے، اور کام کرتے وقت اتباع سنت کی رعایت رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول عمل وہی ہے جو اس نے اپنے نبی کی زبان سے سمجھا دیا کہ میں اس قسم کا کام چاہتا ہوں تو ایسے کرو اور اگر تم نے اپنی طرف سے حاشیہ آرائی شروع کر دی تو اپنے خیال کے مطابق اچھا کام کرنے والے ہوں گے حقیقت کے اعتبار سے اس کو بگاڑ کر رکھ دو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پسند ناپسند کا پتہ حضور ﷺ کی زبان سے چلتا ہے تو محسن کا معنی یہ ہوگا کہ ہر کام کرتے وقت اس میں حسن کی رعایت رکھتے ہیں اور حسن کی رعایت اسی طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس طرح سے ہمیں سمجھایا کہ مجھے کام ایسا پسند ہے تو ویسے ہی کرو گے تو گویا کہ آپ نے اس کام کے اندر حسن کی رعایت رکھی "واتبع ملة ابراھیم حنیفا" اور اس نے اتباع کی ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی جو کہ حنیف تھا، حنیف کا معنی یہی کہ جو ادیان باطلہ سے ہٹ کر ایک

طرف متوجہ ہونے والا ہو اس سے اچھا کوئی نہیں یعنی سب سے اچھا اسی کا طریقہ ہے، جو اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور ہر کام کو کرتے وقت اس میں حسن کی رعایت رکھے وہ ملت ابراہیمی کا متبع ہوگا، ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا تو جب ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، اللہ کے خلیل ہیں تو جو ان کے طریقے پر چلنے والا ہوگا وہ بھی اللہ کا دوست بن جائے گا، ایسے خلیل کا طریقہ ہی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے "ولله مافي السموٰت ومافي الارض" اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے "وكان الله بكل شيء محيطا" اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى

آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں، آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان عورتوں کے بارے میں اور جو آیات

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ

تم پر پڑھی جاتی ہیں وہ بھی فتویٰ دیتی ہیں کہ ایسی یتیم بچیاں کہ نہ دیتے ہو تم انہیں

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

وہ چیز جو ان کے لئے لکھی گئی ہے اور رغبت کرتے ہو تم ان کے نکاح میں اور کمزور بچوں کے بارے میں

الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ

کہ تم انصاف قائم کرو یتیموں کے لئے ، اور جو بھی تم اچھا کام کرو گے بے شک

اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ

اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اگر کوئی عورت اندیشہ کرے اپنے خاوند کی طرف سے موافقت کا یا

اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اعراض کا تو زوجین پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیا کریں ، اور صلح کرنا ہی بہتر ہے ،

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

حاضر کیے گئے نفس بخل پر ، اگر تم اچھا برتاؤ کرو اور تقویٰ اختیار کرو بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۲۸﴾ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھو گے برابری کرنے کی درمیان

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

عورتوں کے اگرچہ تم حرص ہی کرو پس جھک نہ جایا کرو پوری طرح سے جھکنا پھر چھوڑ دو تم ایک عورت

كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

لٹکی ہوئی ، اگر تم حالات کو سنوارو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۹﴾

وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا

اگر وہ زوجین آپس میں جدائی اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ بے نیاز کردے گا ہر کسی کو اپنی وسعت سے ، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے

حَکِیۡمًا ﴿۱۳۰﴾ وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ وَصَّیۡنَا

حکمت والا ہے ﴿۱۳۰﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے ، البتہ تحقیق وصیت کی ہم نے

الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَ اِنۡ

ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو ، اور اگر

تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ

تم ناشکری کروگے تو بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ، اور اللہ تعالیٰ

غَنِیًّا حَمِیۡدًا ﴿۱۳۱﴾ وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَفٰی

بے نیاز ہے قابل تعریف ہے ﴿۱۳۱﴾ اللہ ہی کے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ، اور کافی ہے

بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ اَیُّہَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ

اللہ تعالیٰ کارساز ﴿۱۳۲﴾ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور دوسروں کو لے آئے ،

وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیۡرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا

اور اللہ اس بات پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۳۳﴾ جو شخص ارادہ کرے دنیا کے بدلے کا

فَعِنۡدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

پس اللہ کے پاس ہے دنیا کا بدلہ اور آخرت کا بدلہ ، اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے ﴿۱۳۴﴾

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ

اے ایمان والو! ہو جاؤ تم قائم رکھنے والے انصاف کو اللہ کے لئے گواہی دینے والے

وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا

اگر چہ اپنے نفسوں یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو ، اگر چہ وہ مال دار ہے

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا

یا فقیر ہے اللہ ان کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنے والا ہے، تم خواہشات کے پیچھے نہ لگو ایسا نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو،

وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اگر تم اپنی زبانوں کو موڑو گے یا گواہی دینے سے اعراض کرو گے پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۳۵﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

سورۃ النساء کی ابتداء میں یتیم بچیوں کے، یتیم بچوں کے، عورتوں کے احکام کثرت کے ساتھ ذکر کیے گئے تھے، اُن آیات کے شان نزول میں آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا کہ عرب میں مختلف قسم کی بری رسمیں جاری تھیں جن کی بناء پر وہ یتیم بچوں پر، یتیم بچیوں پر بہت ظلم کرتے تھے، یتیم بچی کسی کی کفالت میں ہوتی اور وہ پسند ہوتی تو اس سے نکاح کر لیتے اور پھر اس کا مہر اور نفقہ میں جو حق متعین ہے بیوی کا وہ ادا نہ کرتے یا اس کی طرف نکاح کی رغبت نہ ہوتی اس کے بدصورت ہونے کی وجہ سے لیکن وہ صاحب جائیداد ہوتی اور اس کے پاس کوئی مال ہوتا تو اس کا کسی اور جگہ بھی نکاح نہ کرتے تا کہ وہ یہیں مر جائے اور ہم اس کے مال کو سنبھال لیں، یتیم بچوں کا مال کھا جاتے تھے، عورتوں کو، بچیوں کو، نابالغ بچوں کو وراثت نہیں دیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ وراثت اسی کا ہی حق ہے جو تلوار اٹھائے اور دشمن کے ساتھ لڑے اور جو لڑتا نہیں ہے وہ وراثت کا حق دار نہیں ہے، اسی قسم کی رسوم قبیحہ تھیں، اسی قسم کے برے رواج تھے جو ظلم وستم پر مبنی تھے، اور اس کے ازالے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ احکام نازل فرمائے تھے جن کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ النساء کی ابتداء میں آئی تھی، یہ آیات بھی کچھ اسی مضمون سے متعلق ہیں۔

گذشتہ آیات میں مذکور حکم کی وضاحت:

حاصل ان کا یہ ہے کہ چونکہ وہ احکام رواج کے خلاف تھے، بقول بعض مفسرین کے کہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ شاید یہ عارضی طور پر احکام دے دیے گئے ہیں کہ ان عورتوں کو ورثہ دیا کرو، ان بچیوں کو بھی دیا کرو اور ان کے ساتھ نکاح کرو تو مہر بھی پورا پورا دیا کرو ہو سکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد یہ منسوخ کر دیے جائیں جو پہلا رواج تھا وہی بحال ہو جائے اس لئے وہ کچھ ذہنی طور پر اس بارے میں متردد سے تھے اور اس کے منسوخ ہونے کے امیدوار تھے، یا ایسے حالات پیش آ گئے کہ بسا اوقات بہتر یہی ہوتا ہے کہ متولی ہی اس یتیم بچی کے ساتھ نکاح کرے کسی دوسری

جگہ نکاح کرنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے جیسے پہلے سورۃ البقرۃ میں آپ کے سامنے گزرا تھا کہ یتیم بچوں کا مال آپس میں خلط ملط کرنے سے روک دیا گیا، لوگوں نے علیحدہ کر دیا لیکن مصلحت بعض اوقات یہی ہوتی ہے کہ ان کے مال کو ساتھ خلط ملط کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ تم اگر خلط ملط بھی کر کے رکھو تو کوئی بات نہیں وہ تمہارے بھائی ہیں لیکن اصلاح احوال کی ہمیشہ کوشش کرتے رہو۔

"واللہ یعلم المفسد من المصلح" کہ مفسد اور مصلح کو اللہ تعالیٰ علیحدہ علیحدہ جانتے ہیں، اگر کوئی فساد نیت کے ساتھ خلط کرے گا کہ اس کو بہانہ بنائے یتیم کے مال کو کھانے کا تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو اصلاح کے جذبے کے ساتھ ایسا کرے گا تو اس کا بھی علم ہے، دونوں قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے عمل کے مطابق جزا دیں گے، تو اسی مسئلے میں حضور ﷺ کے سامنے تذکرہ ہوا، ان عورتوں کے بارے میں پھر پوچھا گیا، یتیم بچیوں کے بارے میں پھر پوچھا گیا کہ ان کے ساتھ ہم نکاح کر لیا کریں یا نہ کیا کریں ان کا حکم کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر اسی حکم کی وضاحت فرمائی ہے جو سورۃ النساء کی ابتداء میں گزرا تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ احکام بحال ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ویسے ہی ہے جیسے پہلے تمہیں دے دیا گیا، دو طرح سے ان آیات کی تقریر کی گئی ہے۔

آیات بالا کی تقریر نمبر ا:

بیان القرآن کے مطابق اس کی تقریر اس طرح سے ہے کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہی احکام اس میں باقی ہیں یا اس میں کوئی تغیر و تبدل ہو گیا ہے جیسے میں نے آپ کی خدمت میں یہ شان نزول کے تحت بات عرض کی، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان عورتوں کے بارے میں یعنی وہی جو پہلے دیا جا چکا اور وہ آیات جو تم پر پڑھی جاتی ہیں وہ بھی تمہیں فتویٰ دیتی ہیں یعنی وہ آیات بھی غیر منسوخ ہیں، اسی طرح سے بحال ہیں وہ آیات جو پڑھی جاتی ہیں ان یتیم بچیوں کے بارے میں جن کو تم نہیں دیتے ہو "ما کتب لھن" جو کچھ ان کے لئے لکھ دیا گیا یعنی نکاح کرنے کی صورت میں تم ان کا نان نفقہ اس انداز سے نہیں دیتے جس انداز ے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے لئے متعین کیا ہے۔

"وترغبون ان تنکحوھن" ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں رغبت کا صلہ عن مان کر ترجمہ کیا ہے یعنی نکاح کرنے کی صورت میں تم ان کو نان نفقہ نہیں دیتے اور ان کے بدصورت ہونے کی صورت میں جس وقت کہ وہ بدصورت ہوں خوبصورت نہ ہوں تو تم ان کے نکاح سے اعراض کرتے ہو اور ان کے اموال کے اوپر قابض ہو کر بیٹھے رہتے ہو اور وہ آیات جو پڑھی جاتی ہیں کمزور بچوں کے بارے میں کہ کمزور بچوں کا حکم آیا تھا کہ یتیم کے مال کا

خیال کرو، یتیم کے مال کو کھایا نہ کرو، ان کے حقوق ان کو ادا کرتے رہو، جب بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو، اور وہ آیات جو پڑھی جاتی ہیں اس بارے میں کہ تم یتیموں کے لئے انصاف کو قائم رکھو وہ آیات بھی تمہیں فتویٰ دیتی ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم اسی طرح سے بحال ہے وہ منسوخ نہیں ہے اور جو بھی نیکی کا کام کرو گے پس بے شک اللہ تعالیٰ انہیں جاننے والا ہے۔

آیات بالا کی تقریر نمبر۲ :

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر اس انداز سے کی کہ بعض مواقع میں مناسب یہی معلوم ہوا کہ متولی ہی لڑکی سے نکاح کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال اٹھایا گیا کہ ان لڑکیوں کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ کیا حکم ہے کہ ان سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم نکاح کر لیا کرو، نکاح کرنے کی اجازت ہے جب مصلحت یہ ہو کہ یتیم بچی اپنے متولی کے ساتھ ہی نکاح کرے تو ایسی صورت میں تم نکاح کر لیا کرو، اللہ تمہیں اجازت دیتا ہے اور وہ آیات جو تم پر کتاب میں پڑھی جاتی ہیں وہ تو ان عورتوں کے بارے میں تھیں کہ جن کے تم حقوق ادا نہیں کرتے، جن کی تم رعایت نہیں رکھتے، نکاح کرنے کی طرف تمہیں رغبت ہوتی ہے لیکن نان نفقہ تم پوری طرح سے ادا نہیں کرتے وہ تو ان عورتوں کے بارے میں تھیں تو جہاں اس قسم کی بچیاں ہوں جن کے بارے میں کوتاہی کا اندیشہ ہے وہاں تو وہی آیات ہیں جو پہلی ہیں اور جہاں اس قسم کی بچیاں ہوں اور وہاں مصلحت یہی ہو کہ ان سے نکاح کیا جائے اور تمہیں خیال ہے کہ ہم ان کے حقوق ادا کریں گے تو وہاں تمہیں اجازت ہے نکاح کر لیا کرو۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے آیات کی تقریر یوں ثابت ہوتی ہے، حاصل ایک ہی ہے کہ ظلم وستم سے روکنا مقصود ہے، مصلحت اگر ہو تو ان بچیوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے حقوق ادا کرو اور اگر دل میں یہ بات ہو کہ کوئی ان کے حقوق کا مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، ہم ہی ان کے متولی ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے یہ اندیشہ ہے کہ ایسی صورت میں ہم ان کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے تو پھر نکاح نہ کیا کرو بات دونوں طرح سے ہی صاف ہے۔

خاوند کی طرف سے نشوز پر عورت اپنا حق معاف کر دے:

"وان امرءۃ خافت من بعلها نشوزا" اصلاح زوجین کے ضابطے جس طرح سے پہلے گزر چکے ہیں آپ کے سامنے تو اصلاح زوجین کے متعلق ہی یہاں کچھ نصیحتیں کی جا رہی ہیں، ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے

خاوند کی طرف سے ناموافقت اور بے رخی محسوس کرے اور اسے اندیشہ ہو کہ یہ مجھے چھوڑ دے گا، مجھے علیحدہ کردے گا اور اس علیحدگی میں وہ نقصان محسوس کرتی ہے، مثلاً اس کا کوئی اور متولی ہے ہی نہیں، وہ بوڑھی ہو چکی ہے، آئندہ کسی جگہ نکاح کی بھی توقع نہیں ہے یا صاحب اولاد ہے اور وہ عورت اسے خیال ہے کہ مجھے اس نے چھوڑ دیا، گھر سے نکال دیا تو میرے بچے برباد ہو جائیں گے، ایسے بیسیوں مسئلے ہو سکتے ہیں، خاوند کی طرف سے اگر نشوز پایا جائے اور بے رخی کا اندیشہ ہو تو پھر اس عورت کو چاہیئے کہ ذرا نرمی برت کے صلح کرلے، نرمی برتنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے خاوند سے یہ کہے کہ میرے جو حقوق آپ کے ذمہ ہیں میں ان کے اندر اتنی کمی کر دیتی ہوں، آپ جو مجھے اتنا نفقہ دیتے ہو اتنا نہ دیا کرو اس سے کم دے دیا کرو، میں اپنا مہر چھوڑتی ہوں، اس قسم کی مراعات دے کر خاوند سے صلح کرے، صلح کرنا ہی بہتر ہے، نکاح ہونے کے بعد زوجین آپس میں جڑیں رہیں بہتری اسی میں ہے، علیحدگی کے اندر مختلف قسم کے فساد ہوا کرتے ہیں، اور دلوں کے اندر حرص تو ہے ہی، بخل تو ہے ہی، تو جس وقت وہ عورت اپنے حقوق چھوڑے گی اور خاوند سے بوجھ ہلکا کردے گی، خاوند یہ سمجھے گا کہ اب اس عورت کا کوئی بوجھ تو میرے اوپر ہے نہیں، اور مفت میں ایک بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو اس طرح سے آپس میں صلح ہو جائے گی، یوں اگر آپس میں ایک دوسرے کے حقوق میں رعایت دے کر مصالحت کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مرد چونکہ خود مختار ہوتا ہے اس کی طرف سے نشوز اور اعراض پایا جائے تو چونکہ طلاق دے سکتا ہے، وہ خود مختار ہے طلاق دینے میں، اس لئے یہاں مراعات عورت کی طرف سے ہوں گی، پہلے آیا تھا آپ کے سامنے کہ ان عورتوں کی طرف سے نشوز کا اندیشہ ہو اور وہ خاوند کی فرمانبردار نہ ہوں، اس کی حکومت کو اچھی طرح سے تسلیم نہ کرتی ہوں تو خاوند تو چونکہ حاکم ہے، اس نشوز کے ازالے کی تدبیر بتائی گئی کہ انہیں وعظ و نصیحت کرو، سمجھاؤ، ان کو نفع ونقصان کا احساس دلاؤ، اور یہ بتاؤ کہ اس نشوز اور اعراض کا نتیجہ اچھا نہیں ہے اور اس میں تم نقصان میں رہو گی، اگر وعظ ونصیحت کے ساتھ اچھی ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر عملاً کچھ اعراض کرو، قطع تعلقی کردو یہ بھی ایک ذہنی تنبیہ ہے اور اگر اس سے ٹھیک ہو جائیں تو بہتر ورنہ پھر اس کے بعد تھوڑی سے ہاتھ کے ساتھ تنبیہ کرنے کی بھی اجازت تھی "واضربوھن" اور اگر اس طرح سے کچھ مار پٹائی کرکے، کچھ نصیحت کرکے، کچھ اعراض کرکے ان کا دماغ سیدھا ہو جائے تو پھر تم نبھا کیا کرو، پھر خواہ مخواہ ان پر الزام قائم کرنے کے راستے نہ تلاش کیا کرو، مرد چونکہ حاکم ہے اس لئے عورت کی طرف سے ناموافقت کے ازالے کے لئے وہ تدبیریں بتائی گئی تھیں کہ عورت کو یوں سیدھا کیا کرو اگر وہ کجی اختیار کرتی ہے لیکن اگر کجی خاوند کی طرف سے ہو تو عورت تو یہ کام نہیں کرسکتی کہ وہ ڈنڈا اٹھالے یا مار پٹائی کرے کیونکہ مرد عورت کو چھوڑنے میں بااختیار ہے تو ایسی صورت میں عورت کو کہا گیا ہے کہ تو کچھ

اپنے مطالبے چھوڑ دے اور تو حقوق کے اندر اس کو رعایت دے دے، نرمی برت اور اس طرح سے نرمی برت کر اگر آپس میں صلح کر لیں تو "لاجناح علیھما" خاوند بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے شرعاً اس کی اجازت ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اپنا حق چھوڑنا:

جس طرح سے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے انہی سے نکاح کیا تھا تو بعض روایات میں الفاظ کچھ اس قسم کے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کر لیا تھا، تو جب ان کو پتہ چلا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے طلاق نہ دیجئے، مجھے اپنی بیویوں میں رہنے دیجئے تا کہ آخرت میں میرا شمار آپ کی بیویوں میں ہو، باقی یہ ہے کہ میں اپنے حقوق چھوڑتی ہوں اور اپنی باری جو ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرتی ہوں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن ٹھہرا کرتے تھے، اور باقی بیویوں کے پاس ایک ایک دن ٹھہرا کرتے تھے تو یہ ہے صلح کا طریقہ کہ بیوی اپنے حقوق میں تخفیف کر دے کسی حق کو چھوڑ دے۔

حقوق معاف کرنے کی تفصیل:

لیکن اس حق کو چھوڑنے کے بعد پھر آگے فقہ کے اندر تفصیل پڑھیں گے کہ جو حق اس کا فی الحال ثابت ہے مثلاً مہر خاوند کے ذمے ہے وہ اس نے چھوڑ دیا تو وہ بالکل گر گیا، اب دوبارہ مطالبے کا حق نہیں ہے، مثلاً وہ کہتی ہے کہ ایک ہزار روپے میں نے آپ سے لینا ہے وہ چھوڑتی ہوں وہ مجھے نہ دو اور مجھے طلاق بھی نہ دو، خاوند اس کو مان لیتا ہے کہ مہر معاف ہو گیا اب دوبارہ مطالبے کا حق نہیں ہے، اور بعض حقوق ایسے ہیں جو وقتاً فوقتاً ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہی رات گزارنے کا حق ہے، نفقہ کا حق ہے تو جو ماضی میں ثابت شدہ ہے وہ تو ہو گیا معاف لیکن جو مستقبل میں ہے تو اس کے مطالبہ کا حق ہے اور وہ بحال رہتا ہے اس لئے جب چاہے دوبارہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ میرا حق بحال کرو، مستقبل کا حق اس وقت معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوگا، جو ابھی ثابت نہیں ہوا وہ معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوگا، مطالبہ نہ کرے اس کی مرضی لیکن بعد میں اگر دوسرے وقت میں وہ مطالبہ کرے گی تو حق اس کا بحال ہے، خاوند کو وہ ادا کرنا پڑے گا، یہ ہے جو یہاں اصلاحی تدبیر بتائی گئی اور آگے مردوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ مردوں کو مردوں کی طرح وقت گزارنا چاہیئے، عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، احسان کے ساتھ رہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کریں، اللہ تعالیٰ سب کے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے اس کے مطابق اللہ جزا دے گا، مرد کا حوصلہ بلند ہونا چاہیئے، اس لئے اگر عورت کی طرف سے کوئی کمی کوتاہی ہو تو اس کو درگزر کر دینا چاہیئے، اور اس کو برداشت کرنا چاہیئے، مردوں کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ معاملہ اچھے انداز کے ساتھ کریں۔

عورتوں میں برابری کن چیزوں میں ہے:

چنانچہ پھر آگے مردوں کو تنبیہ ہے جیسے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ ایک سے زیادہ بیویاں اگر کسی کے پاس ہوں تو عدل کرنا فرض ہے، عدل کا معنی ہے برابری، اب برابری کے دو درجے ہیں، ایک ہے ظاہری حقوق میں، اور ایک ہے باطنی تعلق میں، ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ نفقہ دونوں کو دو، جو شرعی طور پر دونوں کے لئے متعین ہے، آپ جانتے ہیں کہ نفقہ دینا انسان کے اختیار میں ہے، اگر آپ ایک کو دس روپے دیتے ہیں تو دوسری کو بھی دس روپے دے سکتے ہیں، ایک کو پچاس روپے ماہوار دے سکتے ہیں تو دوسری کو بھی دے سکتے ہیں، اور اگر آپ کے پاس پچاس روپے ہی دینے کی گنجائش ہے تو آپ پچیس پچیس دونوں میں بانٹ سکتے ہیں، اور اسی طرح سے رات کو پاس رہنا، ایک بیوی کے پاس جا کر رہ سکتے ہیں تو دوسری کے پاس بھی رہ سکتے ہیں، یہ حقوق اختیار میں ہیں ان میں کوئی کسی قسم کی مجبوری نہیں ہے، ظاہری عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، بالکل انسان ان پر قادر ہے کہ دونوں کے ساتھ برتاؤ یکساں کرے۔

اور ایک برتاؤ ہے باطنی جذبات کے تحت، باطنی عدل کہ دونوں کے ساتھ محبت ایک جیسی رکھے، دونوں کے ساتھ نشاط طبعی ایک جیسا ہو، یہ انسان کی بس کی بات نہیں ہے کیونکہ دل کا لگاؤ اختیاری نہیں ہے، اس لئے ایک بیوی سے محبت زیادہ ہو دوسری سے کم ہو ایسا ہو سکتا ہے، ایک بیوی کے پاس جائے انسان تو تعلق پیدا کرنے کا جذبہ نہ ہو اور طبیعت متوجہ نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے، یہ بسا اوقات اختیاری نہیں، ان حقوق میں برابری ضروری بھی نہیں، جو انسان کے اختیار میں نہیں وہ ضروری بھی نہیں ہے، اس لئے فقہ کے اندر آپ پڑھیں گے عورت کو رات کے مقابلہ میں رات دینا تو فرض ہے کہ اگر ایک کے پاس رات کو جا کر لیٹے ہو تو دوسری رات دوسری کے پاس گزارو، لیکن مجامعت میں برابری ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک کے ساتھ ہمبستری کی ہے تو دوسری کے ساتھ بھی ہمبستری کرو، یہ کوئی ضروری نہیں کیونکہ اس کا مدار ہے نشاط طبعی، تو طبیعت میں کبھی نشاط ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، کسی کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ طبیعت میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کسی کی طرف توجہ کرنے سے یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا، یہ بسا اوقات اختیاری چیزیں نہیں ہوتیں اس لئے ان میں عدل ضروری نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی بات فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو کہ عورتوں کے اندر بالکل برابری رکھو ظاہراً اور باطناً یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے، تفصیل کے ساتھ آپ سمجھ گئے کہ بس کی بات نہیں ہے، اس کا تعلق باطنی جذبات کے ساتھ ہے، تم بالکل برابری نہیں رکھ سکتے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے، ہاں یہ ضروری ہے کہ پورے کے پورے ایک طرف ہی نہ ڈھلک جایا کرو کہ ظاہری حقوق کی ادائیگی بھی بند کر دو جس کے ساتھ قلبی محبت ہے ظاہری حقوق بھی

اس کے ادا کرو، ایسا نہ کیا کرو کیونکہ ظاہری حقوق ادا کرنے تمہارے بس میں ہیں اس میں ایک کو چھوڑنا ایک کی طرف پورا متوجہ ہو جانا یہ جائز نہیں، جس کی طرف تم ڈھلک جاؤ گے کہ دل کے ساتھ محبت اس سے لگالی ظاہری حقوق بھی اس کے ادا کرتے رہو، نان نفقہ بھی اسے دیتے رہو، اور دوسرے بھی سارے معاملات اسی کے ساتھ ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک بیچاری کو تم نے درمیان میں لٹکی ہوئی چھوڑ دیا کہ نہ وہ خاوند والی ہے کیونکہ خاونداس کے حقوق ادا نہیں کرتا، نہ وہ بے خاوند ہے کہ وہ طلاق نہیں دیتا، اس طرح سے اللہ کی مخلوق میں سے ایک فرد کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا کہ اس کے حقوق بھی ادا نہ کرو اور اس کو علیحدہ بھی نہ کرو یہ مناسب نہیں ہے، پورے عدل کا مطالبہ ظاہراً اور باطناً یہ بھی نہیں، جو تمہارے بس میں ہے اس میں کوتاہی نہ کرو کہ ظاہری حقوق ادا کرنے بھی چھوڑ دو، تو اس آیت سے آپ کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ جتنا بس میں ہے وہاں عدل ضروری ہے، جو بس میں نہیں ہے وہاں سرے سے عدل ضروری ہی نہیں ہے۔

ایک گمراہ نظریہ کی تردید:

لہٰذا اس آیت کو دوسری آیت کے ساتھ جوڑ کے ادھر کہا ہے "ان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ" اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکتے اور تم برابری نہیں کر سکو گے تو پھر ایک کے ساتھ نکاح کیا کرو، پھر آیت یہ آگئی کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے، تمہارے اندر استطاعت ہی نہیں ہے کہ تم عدل کرو، ان دونوں آیتوں کو جوڑ کر بعض گمراہ قسم کے لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کریم نے متعدد ازواج کی اجازت ہی نہیں دی، کیونکہ ایک جگہ کہہ دیا کہ اگر کر سکو تو نکاح کرو، دوسری جگہ کہہ دیا کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے تو معلوم ہو گیا کہ متعدد نکاح کرنے ہی نہیں چاہئیں، یہ تحریف ہے، یہ گمراہی ہے، یہ غلط ہے، یہ مطلب نہیں ہے، یہ مفہوم اجماع امت کے خلاف ہے، جس عدل کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے وہ آپ کے اختیار میں ہے، وہ ظاہری حقوق کے اندر عدل، نان نفقہ، شب باشی اس قسم کے کام اور جس میں تمہیں کہا جا رہا ہے کہ تم برابری کر ہی نہیں سکتے اس سے مراد ہے باطنی جذبات، جیسے کہ حضور ﷺ کا فرمان آتا ہے کہ آپ تمام بیویوں کے درمیان عدل کیا کرتے تھے اور پھر دعا کیا کرتے تھے "اللھم ھذا قسمی فیما املك فلاتلمنی فیما تملك ولا املك" اے اللہ! جو میرے بس میں تھا میں نے ان کو دے دیا، ان کے درمیان برابری کر دی اور جو میرے بس میں نہیں ہے تیرے بس میں ہے اس بارے میں میرے پر ملامت نہ کرنا، اس سے وہی میلان قلبی مراد ہے تو ان دو آیتوں کو جوڑ کر اس طرح سے نتیجہ نکالنا یہ قرآن کریم کی مراد نہیں ہے بلکہ لوگوں کی ذہنی ساخت ہے جس کو قرآن کریم میں ٹھونستے ہیں۔

اگر جدائی ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو:

”ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء “تم سے ہو ہی نہیں سکتا کہ تم عورتوں کے درمیان برابری کرو اگر چہ تم کتنی ہی طمع کیوں نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بس میں نہیں ہے، چاہو بھی تو نہیں ہو سکتی برابری قلبی اعتبار سے کہ کسی کے ساتھ کم ہوگی اور کسی کے ساتھ زیادہ ہوگی، کسی کے ساتھ نشاط طبع کم ہو گا کسی کے ساتھ زیادہ ہو گا، پس تم پوری طرح سے ایک طرف کو نہ مائل ہو جایا کرو کہ دل اگر ایک طرف ہے تو ظاہری طور پر بھی برتاؤ ایک کے ساتھ ہو دوسری کو چھوڑ دو لٹکی ہوئی، پھر چھوڑ دو تم اس دوسری عورت کو ھا ضمیر لوٹے گی اس عورت کی طرف جس سے میلان دوسری طرف ہو گیا اس کو تم لٹکی ہوئی چھوڑ دو ”وان تصلحوا“ اگر تم حالات کو سنوار کر رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے، اور اگر کسی اعتبار سے بھی آپس میں صلح نہ ہو سکے، حالات جو ہیں وہ نہیں سدھرتے، موافقت نہیں ہوتی تو پھر کوئی بات نہیں صلح آپس میں کرنی ہے تو خودداری کے ساتھ کرنی ہے، مناسب حالات کے تحت کرنی ہے اور اگر جدائی ہی متعین ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کا ہی کارساز ہے، بیوی یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر خاوند کا گزارہ نہیں ہو سکتا، خاوند یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر یہ زندگی نہیں گزار سکتی، اگر کسی وجہ سے جدائی ہو جاتی ہے تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ضرورت پوری کرے گا، اور اگر وہ جدائی اختیار کر ہی لیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے دونوں کو ہی ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، مرد کی ضرورت بھی اللہ پوری کر دے گا، اور عورت کی ضرورت بھی اللہ پوری کر دے گا، اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اس وسعت کے بیان کے طور پر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے جب سارے زمین و آسمان کا مالک اللہ ہی ہے تو اللہ بڑی وسعت والا ہے تو اس وسعت سے دونوں کی ضرورت پوری کر دے گا۔

صفات باری تعالیٰ:

”ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم “یہ بار بار جو تقویٰ کا حکم آ رہا ہے چونکہ تقویٰ مدار ہے ساری نیکیوں کا ”التقوی ملاك الحسنات“ تقویٰ کے ذریعے سے تمام نیکیاں قابو میں آتی ہیں، جب تک دل کے اندر خوف خدا پیدا نہ ہو، تقویٰ پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکتا، اس کی تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے انہیں بھی ہم نے وصیت کی تھی اور تمہیں بھی یہی وصیت کی ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے، اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کرو گے تو اللہ کا کیا

بگاڑ و گے، اللہ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اللہ تعالیٰ سب سے مستغنی ہے، یہ دوسری دفعہ جو لفظ آئے ہیں اس معنی کو بیان کرنے کے لئے ہیں کہ اللہ کا تم نقصان نہیں کر سکتے وہ تو مالک ہے تمام زمین اور آسمان کا، "وکان اللہ غنیا حمیدا" اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اچھی تعریفوں کے ساتھ متصف ہے، اچھی تعریفیں اسی کے لئے ہیں، حمید محمود کے معنی میں ہے "وللہ مافی السموات ومافی الارض وکفیٰ باللہ وکیلا" اب تیسری دفعہ یہ جو لفظ آئے ہیں تو "کفیٰ باللہ وکیلا" کی تمہید کے طور پر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے، جب وہ زمین و آسمان کا مالک ہے تو ہر ایک کی ضرورت کو پورا کرنے والا وہی ہے، ہر کسی کا کارساز وہی ہے۔

"ان یشأ یذھبکم ایھاالناس ویات بآخرین" اللہ چاہے تو تم کو یک بار ختم کر کے اوروں کو پیدا کر دے، اللہ کی قدرت سے کیا بعید ہے، اس لئے ایسے مالک سے، ایسے قادر سے، ایسی وسعت والے سے ایسے بے نیاز سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور اس کے احکام کی پابندی کرنی چاہیئے، اگر چاہے تو لے جائے تم سب لوگوں کو اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو، اللہ تعالیٰ اس بات کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، اگلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ نیکی جو بھی کرو اللہ تعالیٰ سے آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے کرو، صرف دنیا کو مقصود بنالینا یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے کیونکہ دنیا فانی ہے اگر انسان کی ہر کوشش اور انسان کی ساری صلاحیت اس کے لئے صرف ہوگئی تو یہ کوئی دور اندیشی نہیں، جو کوئی شخص دنیا کے اسباب پیدا کرتا ہے "فعند اللہ ثواب الدنیا والآخرۃ" تو اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کا ثواب بھی ہے اور آخرت کا بھی، اس کلام کو یوں کھول دیجئے کہ جو شخص دنیا کا ارادہ کرے اور جو شخص ثواب آخرت کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ کے پاس دونوں ہی ثواب ہیں دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، اللہ تعالیٰ سے خیر مانگو تو دنیا اور آخرت کی اکٹھی مانگو، صرف دنیا کو مقصود بنالینا یہ عقل مندی نہیں ہے۔

یا یوں لفظ بیان کئے گئے ہیں کہ "من کان یرید ثواب الدنیا ففی رایہ فساد" جو کوئی صرف دنیا کا بدلہ چاہتا ہے اس کی رائے میں فساد ہے وہ کوئی عقل مند آدمی نہیں، کیونکہ اللہ کے پاس تو دنیا بھی ہے اور آخرت بھی ہے، تو پھر اگر اللہ سے مانگنی ہے تو اعلیٰ چیز مانگو، یا دونوں چیزیں مانگو، دنیا کا ثواب بھی مانگو اور آخرت کا بھی مانگو، صرف دنیا پہ اکتفاء کرنے والے کی رائے میں فساد ہے وہ عقل مند نہیں ہے" وکان اللہ سمیعاً بصیرا" اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

انصاف قائم کرنے اور صحیح گواہی دینے کا حکم:

"یاایھاالذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط" اب پھر یہ عدل وانصاف کی بات آگئی، اے ایمان والو!

انصاف کو قائم کرنے والے ہو جاؤ اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ، قرآن کریم میں سورۃ حدید میں ایک آیت موجود ہے "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے اور ان کے ساتھ کتب اور میزان اتاری تو مقصد یہ ہے کہ لوگ انصاف کو قائم کریں، یعنی انصاف قائم کرنا یہ اصل مقصود ہے ارسال رسل سے اور انزال کتاب سے، انصاف کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اداء حقوق، ہر کسی کا حق ادا کرو، جو شخص ہر کسی کا حق ادا کرتا ہے وہ منصف ہے، وہ عادل ہے اور جو کسی کا حق ادا نہیں کرتا وہ منصف نہیں ہے، وہ عادل نہیں ہے، تمام لوگوں سے مطالبہ یہی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا اتارنا اسی لئے ہوا ہے، میزان اللہ نے اتاردی، ترازو اللہ نے اتاردی تاکہ اس کے ذریعے سے حقوق کی ادائیگی، حقوق کا وصول کرنا یہ کسی مناسب طریقے سے ہو جائے، انصاف کا قائم کرنا مقصود ہے۔

اب یہ انصاف جب ہر شخص اس کا مکلف ہوا صرف یہ حکام کو خطاب نہیں کہ انصاف کیا کریں ہر ہر فرد کو خطاب ہے اب اس انصاف کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ انصاف کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے گواہی دیا کرو یعنی جس وقت گواہی دینے لگو تو اس وقت اللہ کی رضا مقصود ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات سامنے ہو اور گواہی واقعہ کے مطابق دو چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑے، چاہے والدین کے خلاف پڑے، چاہے اقربین کے خلاف پڑے، اپنے خلاف پڑے یعنی کوئی تم سے ایسی بات پوچھتا ہے کہ اس کا اقرار اگر تم کرو تو نقصان تمہارا ہو جائے، یا اگر تم اقرار کرلو تو والدین کا نقصان ہے، اقربین کا نقصان ہے تو بھی گواہی صحیح دو، صحیح گواہی کے اندر رکاوٹ دو طرح سے پڑسکتی ہے، بسا اوقات تو انسان اپنے مفاد اور اپنی محبت کی بناء پر گواہی کو بدلتا ہے جیسے والدین کے حق میں، اقربین کے حق میں گواہی انسان ایسی دے گا کہ ان کو فائدہ پہنچے نقصان نہ پہنچے۔

اور کبھی عداوت کی بناء پر گڑبڑ کرتا ہے جیسے سورۃ مائدہ میں آئے گا "یایھا الذین آمنوا کونوا قوامین لله شھداء بالقسط" تو گواہی میں گڑبڑ یا تو عداوت کی بناء پر ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اصل میں گواہی کے سلسلہ میں نہ محبت کا دخل ہونا چاہیئے نہ عداوت کا دخل ہونا چاہیئے، اگر گواہی کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی محبت ہے تو بھی اظہار ٹھیک کرو، واقعہ صحیح بیان کرو، اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں تمہاری عداوت ہے تو بھی اگر کوئی آپ سے بات پوچھ لے تو دشمن کے متعلق بھی گواہی صحیح دو، کیونکہ عدالت کا معیار سارے کا سارا ہے ہی شہادت پر، اور اگر شہادت کا نظام بگڑ جائے تو عدالت کبھی قائم نہیں ہوسکتی، حاکم نے بھی فیصلہ کرنا ہے تو لوگوں کے بیان سن کر ہی کرنا ہے، اور اگر لوگ بیان غلط دیں گے تو فیصلہ غلط ہو جائے گا، اور اگر لوگ بیان صحیح دیں گے تو فیصلہ صحیح ہوگا، تو اس لئے یہ تاکید کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

لئے گواہی قائم کیا کرو، اس کے اندر کسی قسم کا خلل نہ ڈالا کرو، اے ایمان والو! ہو جاؤ تم قائم کرنے والے انصاف کو، اللہ کے لئے گواہی دینے والے اگرچہ تم اپنے نفسوں کے خلاف ہی ہو "شھادة علی النفس" اقرار ہے۔
اور اسی طرح سے جس کے متعلق تمہاری گواہی طلب کی ہے اگر وہ مال دار ہے تو رعایت نہ کرو اور اگر وہ فقیر ہے تو اس پر رحم نہ کرو، بسا اوقات مال کے اعتبار سے ایک آدمی بڑا ہوتا ہے تو انسان سوچتا ہے کہ بڑا آدمی ہے اس کے خلاف بات کیوں کریں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے متعلق تم سے پوچھا جائے وہ فقیر آدمی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر میں نے واقعہ کا اظہار کر دیا تو اس کا رگڑا نکل جائے گا پہلے ہی بے چارہ فقیر ہے اس کو اور رگڑا کیا دیں، تو غنی کی رعایت رکھتے ہوئے بسا اوقات انسان غلط گواہی دے دیتا ہے، اور فقیر کے اوپر رحم کرتے ہوئے انسان غلط گواہی دے دیتا ہے کہ ہم ایسی بات کیوں کہیں جس کی وجہ سے مزید نقصان پہنچے، لیکن یہ جذبات حق اور عدل کے خلاف ہیں، اگر تم ایسے جذبات رکھو گے تو عدل کسی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا، "فالله اولیٰ بهما" کا مطلب یہ ہے کہ غنی سے بھی اللہ کا زیادہ تعلق فقیر سے بھی اللہ کا زیادہ تعلق، یہ مصلحت اللہ سمجھتا ہے تم اس قسم کے رحم میں اور اس قسم کی رعایت میں نہ آیا کرو، بات اگر کرنی ہے تو غنی ہے تو صحیح کرو، فقیر ہے تو صحیح کرو، یہ بھی نہ کہو کہ غنی کی رعایت کرتے ہوئے تم اور طرح سے بات کر دو اور فقیر کی رعایت کرتے ہوئے اور طرح سے کرو، نہیں، قانون یکساں ہے فقیر کے لئے بھی اور غنی کے لئے بھی، اللہ کا ان کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مصلحت کو زیادہ سمجھتا ہے تم اس میں کسی قسم کی کج ادائی نہ کرو۔

اتباعِ ہدیٰ مقصود ہے اور اتباعِ ہویٰ ممنوع:

"فلا تتبعوا الهویٰ ان تعدلوا" خواہشات کے پیچھے نہ چلا کرو جس طرح سے تمہارا دل چاہے تم ویسے کرو، یہ لفظ ہویٰ ہدیٰ کے مقابلے میں آتا ہے، ھدیٰ الله سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت، اتباعِ ہدیٰ مقصود ہے، اتباعِ ہویٰ ممنوع ہے اور ان دونوں کی آپس میں ضد ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی تب ہو سکے گی جب تم اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال دو گے اور اگر تم اپنی خواہشات کی اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پابندی کسی صورت میں نہیں ہو سکتی، تو مطالبہ یہ ہے کہ ہدایت کی پابندی کرو، اللہ کے قانون کے متبع رہو چاہے وہ تمہاری خواہش کے مطابق ہے، چاہے وہ تمہاری خواہش کے خلاف ہے، اگر تم خواہشات کے پیچھے لگ جاؤ گے تو پھر عدل وانصاف کسی صورت میں قائم نہیں رکھ سکتے "لا تتبعوا الهویٰ" خواہشات کے پیچھے نہ لگا کرو کہ پھر تم انصاف نہیں کرو گے، یا انصاف سے اعراض کر کے انصاف کو چھوڑ کر تم خواہشات کے پیچھے نہ لگا کرو، تو اتباعِ ہویٰ یہ سارے نظامِ عالم کو برباد کرنے والی چیز ہے۔

اور آج جتنے فسادات آپ کے سامنے ہیں وہ سارے کے سارے اتباع ہوئی پر ہی ہیں، اتباع ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور صحیح ضابطے کو نہیں دیکھتا کہ ضابطہ کیا ہے؟ قانون کیا ہے؟ عدل کیا ہے؟ انصاف کیا ہے؟ پس اپنے دل کی چاہی ہوئی بات کو پورا کرنے کی کوشش کرو تو جب سارے کے سارے اپنی خواہشات کو پورا کرنے لگ جائیں گے تو خواہشات کے اندر تضاد ہے تو عالم کے اندر فساد ہی فساد ہوگا، ہر کوئی ایک دوسرے سے الجھے گا اور اگر خواہشات کو مٹا کر اللہ کے قانون کی پابندی کرلی جائے تو سب میں اتفاق ہو جائے گا، اگر تم کج زبانی کرو گے "او تعرضوا" یا اعراض کرو گے، کج زبانی اور اعراض دو لفظ بولے گئے، کج زبانی کا مطلب یہ ہے کہ گواہی دیتے وقت اس کے اندر کج زبانی کرلی، کوئی لفظ آگے پیچھے کرلیا، زبان کو مروڑ کر کچھ کا کچھ کردیا، گواہی دیتے ہوئے اگر تم کج زبانی کرو گے یا یہ ہے کہ گواہی دینے سے اعراض کرو گے کہ دینے کے لیے جاتے ہی نہیں، یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو اختیار کرلیا جائے تو عدالت کا سارے کا سارا نظم خراب ہو جاتا ہے، ایک آدمی گواہی دینے کے لئے چلا گیا لیکن صحیح نہیں دیتا یا ایک آدمی کے پاس علم ہے واقعہ کا اور وہ گواہی نہیں دیتا تو صحیح فیصلہ کس طرح سے ہوگا؟ لہٰذا اگر تم گواہ ہو تمہیں واقعہ کا علم ہے تو اس کا اظہار صحیح کرو اور اس کے اندر کوئی کسی قسم کی گڑ بڑ نہ کرو تب جا کے اداء حقوق کا معاملہ جو ہے وہ ٹھیک ہوگا، اگر تم کج زبانی کرو گے یا تم اعراض کرو گے "فان اللہ کان بما تعملون خبیرا" پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایمان لے آؤ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ

اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اتاری اس سے قبل ، جو شخص

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

انکار کرے اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا پس تحقیق

ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

وہ بھٹک گیا بھٹکنا بہت دور کا ﴿۱۳۶﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

ایمان لائے پھر کفر کیا پھر زیادہ ہو گئے از روئے کفر کے نہیں ہے اللہ کہ انہیں بخشے

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور نہیں ہے اللہ کہ انہیں راستہ کی ہدایت کرے ﴿۱۳۷﴾ بشارت دے دو منافقوں کو اس بات کی کہ ان کے لئے عذاب ہے

اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

دردناک ﴿۱۳۸﴾ ایسے منافق جو کہ بناتے ہیں کافروں کو دوست مؤمنین کو چھوڑ کر ،

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ وَقَدْ نَزَّلَ

کیا یہ منافق تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت بے شک عزت اللہ ہی کے لیے ہے ساری کی ساری ﴿۱۳۹﴾ اور تحقیق اتار چکا

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

تم پر اللہ تعالیٰ کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیات کو کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

تو ان کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھا نہ کرو جب تک کہ وہ نہ لگ جائیں اس کے علاوہ دوسری بات میں ،

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

بے شک تم بھی تب ان جیسے ہو جاؤ گے ، بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے کافروں اور منافقوں کو جہنم میں

جَمِيْعَۨا ۝۱۴۰ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ

سب کو ۝۱۴۰ اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے متعلق انتظار میں ہیں ، پھر اگر تمہارے لئے فتح ہو جائے اللہ کی جانب سے

قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے ، اور اگر کافروں کے لئے کوئی حصہ ہو جاتا ، تو پھر یہ کہتے ہیں ان کافروں کو کیا

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

ہم نے تمہارا گھیرا نہیں ڈال لیا تھا اور کیا ہم نے بچایا نہیں تمہیں مؤمنین سے ، پس اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ ع

قیامت کے دن ، اور ہرگز نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مؤمنین کے خلاف کوئی راستہ ۝۱۴۱

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى

بے شک منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اللہ ان کے ساتھ چالبازی کرنے والا ہے ، اور جس وقت یہ اٹھتے ہیں

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ

نماز کی طرف تو اٹھتے ہیں سستی کے مارے ہوئے لوگوں کے سامنے ریاکاری کرتے ہیں اور نہیں یاد کرتے اللہ کو

اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى

مگر بہت کم ۝۱۴۲ مذبذب ہیں ان دو حالوں کے درمیان ، نہ پوری طرح سے ان کی طرف ہیں اور نہ پوری طرح سے

هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝۱۴۳ يٰٓاَيُّهَا

ان کی طرف ہیں ، اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لئے راستہ ۝۱۴۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بنایا کرو مؤمنین کو چھوڑ کر ،

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ

کیا تم چاہتے ہو کہ تم اللہ کے خلاف کوئی واضح دلیل قائم کرلو ﴿۱۴۴﴾ بے شک منافق لوگ

فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ

جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے ، اور تو ہرگز ان کے لئے مددگار نہیں پائے گا ﴿۱۴۵﴾ مگر جو لوگ

تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰئِكَ

توبہ کرلیں اور اپنے احوال کو سنوار لیں اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں اور خالص کرلیں اپنی طاعت کو اللہ کے لئے پس یہ لوگ

مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

مؤمنین کے ساتھ ہوں گے ، اور عنقریب دے گا اللہ مؤمنین کو اجر عظیم ﴿۱۴۶﴾

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکرگزار ہوجاؤ اور ایمان لے آؤ اللہ قدر کرنے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۱۴۷﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

شروع سورة سے یہاں تک زیادہ تر فروعی احکام مذکور ہوئے ہیں، اصول پر بحث کم آئی ہے، اب یہاں سے سورة کے قریب علی الختم تک زیادہ تر کفر اور ایمان کے اصول ہی ذکر کئے جارہے ہیں، اور آخر میں پھر کچھ احکام کا ذکر آئے گا۔

ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم:

"یاایھاالذین آمنوا" یہ خطاب بھی ایمان والوں کو ہے اور پھر "آمنوا باللہ" کے ساتھ پھر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے، تو اصل بات یہ ہے کہ ایک ہی چیز میں اجمال اور تفصیل کے اعتبار سے فرق بھی ہوسکتا ہے، اور اس کے ابتدائی درجے اور انتہائی درجے کے ساتھ فرق بھی ہوسکتا ہے، تو یہاں اس کو یوں بھی ادا کرسکتے ہیں کہ جنہوں نے بالاجمال ایمان قبول کیا جیسے ایمان کی دعوت دی جائے وہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہوگئے یہ بالاجمال وہ ایمان لے آئے ان کو چاہئے کہ بالتفصیل ایمان لے آئیں اور ان چیزوں کے بارے میں اپنے عقیدے کو درست

کریں، اجمالاً ایمان لے آنے کے بعد ان کو تفصیل بتائی جارہی ہے جیسے ایک کافر آتا ہے کہتا ہے جی کہ میں مومن ہوتا ہوں کلمہ پڑھ لیا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" مومن بن گیا، اب آگے اس کو تفصیل بتائی جائے گی کہ ان ان چیزوں کے متعلق ایمان لانا ضروری ہے، تو جو بالاجمال ایمان لائے ہیں ان کو چاہیئے کہ اس تفصیل کو اپنے ذہن میں مستحضر کریں اور ان کے بارے میں اپنے عقیدے کو ٹھیک کریں اس طرح اجمال اور تفصیل کے اعتبار سے بھی فرق کیا جاسکتا ہے۔

اور کسی کام کے ابتدائی درجے اور انتہائی درجے کے اعتبار سے بھی فرق کیا جاسکتا ہے، ابتدائی درجہ ہوتا ہے ناقص اور انتہائی درجہ ہوتا ہے کمال کا تو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو سرسری طور پر ایمان لائے ہیں ان کو چاہیئے کہ اب اپنے ایمان کے اندر کمال پیدا کریں اور ان سب چیزوں کو وہ قبول کریں جن کا ذکر آگے کیا جارہا ہے ایمان کی ابتداء ہوئی اور آگے انتہاء یہ ہوگی کہ ان سب چیزوں کو مانے جن کو آگے ذکر کیا جارہا ہے، یا زیادہ تر یہاں سمجھانا منافقین کو مقصود ہے جیسا کہ آگے تفصیل کے ساتھ منافقین کا ذکر کیا جارہا ہے تو پھر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "الذین آمنوا" سے مراد چونکہ منافق ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے لوگو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو تمہیں چاہیئے کہ دل سے بھی اور باطن سے بھی ان چیزوں کو مانو جن کا ذکر آگے کیا جارہا ہے تو ظاہر اور باطن کے ذریعے سے بھی فرق کیا جاسکتا ہے، جو اپنی زبان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ دل سے بھی ان احکام کو قبول کریں جو آگے ذکر کئے جارہے ہیں۔

اور اگر اس سے اہل کتاب کو خطاب کرلیا جائے تو اس کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام سابقین پر ایمان لے آئے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اب انہیں چاہیئے کہ اب ان چیزوں پر بھی ایمان لائیں، بہرحال اس میں تحصیل حاصل نہیں ہے آپ کی منطقی اصطلاح میں کہ ایمان والوں کو کہا جائے کہ ایمان لے آؤ بظاہر اس میں جس طرح سے تحصیل حاصل ہے اس کو اٹھا رہا ہوں کہ یہ تحصیل حاصل نہیں یا تو اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یا کسی کام کے ابتدائی درجے اور انتہائی درجے کے اعتبار سے فرق ہے یا ظاہر اور باطن کے اعتبار سے فرق ہے، یا انبیاء علیہم السلام کے اوپر ایمان لانے والوں کو خطاب کر کے موجودہ نبی پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے اس طرح سے دونوں کے درمیان میں فرق آجائے گا۔

کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے:

اے ایمان والو! ایمان لے آؤ اللہ کے ساتھ یعنی ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو مانو، اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ، اور اس کی صفات پر ایمان لاؤ، اس کو "وحدہ لاشریک" مانو اور اس کے

رسول پر ایمان لاؤ، اس کے رسول سے موجودہ رسول مراد ہے یعنی سرور کائنات ﷺ، اور اللہ پر ایمان لانا معتبر تب ہوگا جب اس کے رسول کو بھی مانا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اس طرح سے لایا جائے گا جس طرح سے اس کا بھیجا ہوا رسول بتائے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا معتبر وہی ہوتا ہے جو رسول کی معرفت حاصل کیا جائے، اپنی عقل کے ساتھ سوچ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی عقیدہ قائم کر لینا وہ کوئی معتبر نہیں۔

اور اس کتاب کو بھی مانو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اتاری ہے یہاں "نزل" کا لفظ استعمال کیا گیا "نزل تنزیل" تھوڑا تھوڑا کر کے بالاہتمام اتار دینا موقع بموقع کیونکہ قرآن کریم کا نزول اسی طرح سے ہوا ہے بخلاف دوسری کتابوں کے جو انبیاء علیہم السلام پر اتری تھیں صحیفے یا کتابیں جیسے توراۃ ہوئی یا انجیل ہوئی دوسرے انبیاء علیہم السلام پر جو صحیفے اترے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس اہتمام کے ساتھ نہیں اتارتے تھے جس طرح قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا بلکہ ساری کی ساری کتاب ہی دے دی، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تھے اور ساری کتاب یکبار گی دے دی اور ایسے ہی دیگر صحیفے ہیں تو "نزل" کے اندر اہتمام ہے کہ اتارا اس نے کتاب کو اپنے رسول پر یعنی بالاہتمام تھوڑی تھوڑی کر کے، اس کتاب کو بھی مانو تب جا کے ایمان معتبر ہوگا اب آپ جانتے ہیں کہ جب رسول پر بھی ایمان ہو گیا تو اس میں ساری ضروری چیزیں جو تھیں وہ آ گئیں۔

"والکتاب الذی انزل من قبل" اور اس کتاب کو بھی مانو جو اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل اتاری یہاں "انزل" کا لفظ آیا تو کتاب سے اگر مفرد مراد لیا جائے تو توراۃ مراد ہے کیونکہ مہتم بالشان کتاب قرآن کریم سے پہلے توراۃ ہی اتری ہے باقی چھوٹے چھوٹے صحیفے تھے، اور انجیل جو ہے وہ بھی ایک قسم کا تتمہ ہے توراۃ کے احکام کا، مجموعہ اور مختلف قسم کی زندگی کے متعلق ہدایات زیادہ تر توراۃ میں آئی ہیں اس لئے بنی اسرائیل جتنے بھی تھے ان کے انبیاء علیہم السلام توراۃ کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توراۃ کے مبلغ تھے اور اس کے تتمہ کے طور پر انجیل عطا کی گئی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اس لئے اگر مفرد مراد لی جائے تو اس کا مصداق توراۃ ہے ورنہ جنس کے طور پر جتنی کتابیں اتری ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیفوں کی شکل میں یا بڑی کتابوں کی شکل میں زبور ہے توراۃ ہے انجیل ہے یا صحف ابراہیم علیہ السلام یا صحف موسیٰ علیہ السلام ہیں وہ سارے کے سارے اس میں مراد ہیں تو اللہ پر بھی ایمان آ گیا، اور اللہ کے رسول پر ایمان آ گیا، قرآن کریم پر ایمان آ گیا تو جب قرآن کریم پر آپ ایمان لائیں گے اور اس کو اللہ کی کتاب سمجھیں گے تو اس کے جتنے مندرجات ہیں وہ سارے کے سارے آپ تسلیم کریں گے تو کوئی بات بھی باہر نہیں رہے گی ساری باتیں اس کے اندر آ گئیں۔

اب اس کی دوسری شق بیان کی جارہی ہے یعنی مثبت کے بعد منفی پہلو کہ جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخر کا وہ بھٹک کے دور جا پڑا، اس سے معلوم ہوگیا کہ ان چیزوں میں سے ہر چیز کا انکار کفر ہے، اللہ کا انکار کردو یا اللہ کی ذات کا انکار کردو، اس کی کسی صفت کا انکار کردو، اس کے کسی حکم کا انکار کردو تو سب اللہ کے انکار میں شامل ہے اور یا اس کے رسولوں میں سے کسی کا انکار کردو، فرشتوں کا انکار کردو، فرشتوں کے وجود کا انکار کردو ایسے ہی ہے جیسے اللہ کا انکار کردیا، جہاں ایمان کی تفصیل آتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کے ساتھ، کتابوں کے ذکر کے ساتھ، رسولوں کے ذکر کے ساتھ، ملائکہ کے اوپر ایمان لانے کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، ملائکہ کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں تک اس کے احکام اور اس کی دوسری باتیں پہنچانے کے لئے واسطہ بنتے ہیں، نبی اور رسول براہ راست اللہ تعالیٰ سے گفتگو کر کے اللہ تعالیٰ سے احکام نہیں لیتا یہاں درمیان میں واسطہ ہے فرشتوں کا اب اگر کوئی شخص اس واسطے کا انکار کردے تو بندوں کا اور اللہ تعالیٰ کا ربط کسی وجہ سے بھی نہیں رہا، تو دین کی صداقت تبھی ثابت ہوتی ہے جب اس درمیان والے واسطے کو بھی مانا جائے، اللہ تعالیٰ رسولوں تک جو پیغام پہنچاتے ہیں اپنی کتابوں کو جو اتارتے ہیں وہ سارے کے سارے اس میں واسطہ فرشتے بنتے ہیں، جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں ان کے ساتھ ان کے محافظ نگران دوسرے بھی ہوا کرتے ہیں۔

تو فرشتوں پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ بندوں کے درمیان اور اللہ کے درمیان رابطے کا کام ان کے ذریعہ سے ہوتا ہے، تو اگر اس کا کوئی شخص انکار کردے تو گویا کہ بندوں اور اللہ کے درمیان اس نے رابطہ توڑ دیا، براہ راست اللہ سے گفتگو کر کے انبیاء علیہم السلام احکام نہیں لاتے، انبیاء علیہم السلام پر جو کچھ نازل ہوتا ہے جو باتیں پہنچتی ہیں ملائکہ کی وساطت سے پہنچتی ہیں اس لئے اس واسطے کو ماننا ضروری ہے تو اس کا انکار گویا کہ پورے دین کا انکار ہے، اگر کوئی شخص انکار کردے کہ جبرئیل علیہ السلام کا وجود ہی نہیں تو قرآن کریم کی کیا سند رہی پھر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی اور اللہ تعالیٰ سے پھر بندے کی طرف آنے کی، اس لئے تو بار بار "نزل به الروح الامين" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روح الامین اس کو لے کر آیا، جبرئیل علیہ السلام نے آکر تیرے دل پر اتارا یہ ساری کی ساری سند جو واضح کی گئی ہے وہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اگر درمیان سے فرشتوں کا انکار کردیا جائے اس لئے فرشتوں پر ایمان لانے کی اہمیت بھی برابر برابر ہے، جس طرح سے اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، کتابیں مجموعی طور پر جو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اتری ہیں جن کی تفصیل ہمیں معلوم ہے جن کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

اور رسولوں کا جو انکار کرے جمع کے طور پر آگیا چاہے ہم امت محمد رسول اللہ کی کہلاتے ہیں ماننا سب کا ضروری ہے اگر کسی ایک نبی کا ایک رسول کا انکار کیا جائے گا تو بھی کفر ہے اس لئے بالاجماع یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی نبی برحق آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے رسول آئے ہم سب کو مانتے ہیں اور پھر یوم آخرت قیامت کے دن پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے، اس عقیدے کی اہمیت بھی بالکل اللہ پر ایمان لانے کے برابر ہے اس لئے اگر کوئی شخص آخرت کا منکر ہو یا کہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب وکتاب کے لئے پیش نہیں ہونا وہ بھی اس طرح سے کافر ہے "فقد ضل ضلالا بعیدا" جو ان میں سے کسی بھی چیز کا انکار کرے گا وہ گمراہ ہو کر بہت دور جا پڑا تو اس میں کچھ تفصیل آگئی ایمان کی کہ یہ چیزیں بنیادی ہیں جس وقت تک ان کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، تو بالاجماع ایمان لانے والوں کو چاہیئے کہ تفصیل کو اپنے ذہن میں حاضر کر کے ان سب کو مانے تب جا کے ان کا ایمان معتبر ہوگا اور ان میں سے کسی کا انکار کرنا کفر کا باعث ہوگا۔

ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا:

"ان الذین آمنوا ثم کفروا" بے شک جو ایمان لے آتے ہیں اور پھر کفر کر لیتے ہیں اب ایمان والی فضیلت ان کی ختم ہوگئی وہ مرتد ہو گئے پھر وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو اس کفر کے بعد اگر ایمان لے آتے تو بھی کفر ختم ہو جاتا لیکن پھر کفر میں بڑھتے رہتے ہیں نہ اللہ انہیں بخشے گا اور نہ اللہ ان کو جنت کا راستہ دکھائے گا، اگرچہ پہلے ایمان لائے تھے لیکن ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب کہ اس کے بعد کفر کر لیا گیا، اس کا مصداق یا تو یہود ہیں، یہود کی تاریخ اسی بات پر شاہد ہے کہ پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہوئے، اب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے، اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو چاہے یہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد قرار دیں، چاہے یہ حامل توراۃ ہوں، چاہے یہ موسیٰ علیہ السلام کا نام لینے والے ہیں اللہ تعالیٰ نہ ان کو بخشے گا اور نہ ان کو جنت کی راہ دکھائے گا یا اسی طرح سے اگر کفر کے اندر بڑھتے چلے گئے اور ان کی موت کفر پر آگئی تو یہ توراۃ کا ماننا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا کسی کام کا نہیں ہے۔

یا اس کا مصداق منافق ہو سکتے ہیں کہ منافقین بھی آتے تھے اور آ کر ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا استہزاء کر کے پھر کفر کر لیتے تھے اور پھر کبھی آتے تھے تو جب کبھی کوئی موقعہ آتا پھر ایمان کا اظہار کرتے اور پھر جب خلوت میں جاتے پھر کفر کرتے تو اگر وہ دل سے ایمان نہ لائیں اسی طرح سے کفر کے اندر بڑھتے رہیں

تو وہ بھی مغفرت سے محروم ہو جائیں گے اور جنت کے راستے سے محروم ہو جائیں گے، خاتمہ ایمان پر ہوگا تب جا کے زندگی کی نیکیوں کا اعتبار ہے، اور اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پہلی زندگی میں ایمان ہو، عبادت ہو، اطاعت ہو جو کچھ ہو سب بے کار ہو جاتی ہے، خاتمہ کفر پر ہونے کی صورت میں کوئی نیکی قبول نہیں ہے تو یہ لوگ کبھی ایمان لاتے ہیں کبھی کفر کرتے ہیں کفر کے اندر اگر یہ ترقی کرتے چلے گئے اور مرنے سے پہلے انہوں نے صحیح طریقے سے ایمان قبول نہ کیا تو ان کے سابق ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یہ سارے برباد ہو جائیں گے۔

گویا کہ ایمان کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد یہ ضروری قرار دے دیا کہ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے، اگر کوئی کفر کا ارتکاب کرے گا تو ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں، اگر خاتمہ کفر پر ہوا تو آخرت میں اس کا شمار کافروں میں ہوگا چاہے دنیا کے اندر وہ بار بار ایمان لایا ہو۔

اولیاء اللہ کو خاتمہ بالایمان کی فکر کیوں؟:

اسی لئے تو اولیاء اللہ کو خاتمہ کا بڑا فکر ہوتا ہے، جس شخص کے دل میں بھی ایمان کی قدر ہوگی اس کو خاتمہ بالایمان کا بہت خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری زندگی کی کمائی آخر وقت میں لوٹا بیٹھیں، ایک شخص نے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عام مومنین اتنے فکرمند نہیں ہوتے اپنے خاتمے کے لئے جتنے کہ نیک لوگ اور اولیاء اللہ آخر وقت میں جا کر ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کو محفوظ رکھے، نیک لوگوں کے اوپر، اولیاء اللہ کے اوپر خاص طور پر غلبہ ہوتا ہے آخر وقت میں ایمان کی فکر کا اور ہر وقت وہ چوکنے رہتے ہیں کہ کہیں ایمان ضائع نہ ہو جائے تو میں نے ان کی خدمت میں یہی بات عرض کی میں نے کہا بھائی چوروں سے ڈاکوؤں سے سرمایہ دار ہی ڈرا کرتے ہیں اور جو ہم جیسا فقیر آدمی ہو اس کے گھر میں دن کو کچھ تلاش کریں تو کچھ نہیں ملتا رات کو وہ امن سے سوتے ہیں کہ چور آئیں گے بھی تو کیا اٹھا کر لے جائیں گے، وہ جیسے لطیفہ گلستان کے اندر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہوا ہے کہ ایک درویش کے گھر رات کو چور آ گھسے تو اس کی آنکھ کھل گئی جب اس نے دیکھا کہ چور اندر کچھ تلاش کرتے پھرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بھائی کیوں تکلیف کرتے ہو مجھے یہاں دن کی روشنی میں کچھ نہیں ملتا تم رات کو کیا ڈھونڈتے ہو، تو جس کی یہ پوزیشن ہو اس کو کیا ضرورت ہے چوروں سے ڈرنے کی، ڈاکوؤں سے ڈرنے کی، ٹانگ پر ٹانگ رکھے گا اور امن کے ساتھ سوئے گا کہ اگر کوئی آ بھی گیا تو کیا لے جائے گا اور جس کے گھر کے اندر سرمایہ ہے، سونا ہے، چاندی ہے، مال و دولت اس نے اکٹھا کر رکھا ہے وہ اس کی حفاظت کے لئے خود بھی چوکنا رہتا ہے، پہرے دار بھی رکھتا ہے، تالے بھی لگاتا ہے، دیواریں بھی مضبوط بنائے

گا، سوٹ کیس بھی محفوظ رکھے گا حتی کہ حفاظتی تدبیر کے تحت وہ کتے بھی پالتا ہے کہ کوئی چور وغیرہ آ کر کوئی نقصان نہ پہنچا جائے۔

تو اسی طرح سے جس آدمی کو اپنے خاتمہ کا فکر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اس کے پاس دولت ایمان ہی نہیں یا اس کو قدر نہیں ہے اپنی اس دولت کی اس لئے اس کو شیطان کی طرف سے اپنے ایمان کے ڈاکوؤں کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، اور جن لوگوں نے ساری محنت کر کے اس دولت کو اکٹھا کیا اور نیکیوں کے ڈھیر لگائے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دی نیکی کرنے کی تو ایسے لوگ آخر وقت میں ڈرتے ہیں کہ اب اس سے فائدہ اٹھانے کا وقت قریب آ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چور نقب لگا لے، اور کوئی شیطان اس میں آ کر تصرف کرے اور ساری زندگی کی کمائی ضائع ہو جائے تو اولیاء اللہ کے اوپر آخری وقت میں یہ جو غلبہ ہوا کرتا ہے کہ ان کو ایمان کی فکر ہوا کرتی ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ اس ایمان کے سلسلے میں سرمایہ دار ہے، نیکیوں کے انہوں نے ڈھیر اکٹھے کر رکھے ہیں تو جتنا آدمی تہی دامن ہوگا اتنا بے فکر ہوتا ہے تو یہ خاتمہ ایمان کے اوپر ہونا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے تبھی جا کے زندگی کی نیکیاں آخرت میں کام آ سکتی ہیں، ورنہ پہلے اگر ایمان لائے پھر کفر ہو گیا اور پھر کفر میں ترقی کرتے چلے گئے خاتمہ کفر کے اوپر ہو گیا ایمان دوبارہ نہیں لائے تو ایسی صورت میں نہ اللہ بخشے گا نہ جنت کا راستہ دکھائے گا یہ تو کفر کی سزا تھی۔

منافقین کا انجام:

اور کفر کی ایک دوسری قسم ہے جس کو نفاق کہتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو کوئی ایمان کا اظہار کرے اور دل میں ایمان نہ ہو تو یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے کافر ہی ہیں تو یہ خوش نہ رہیں کہ جس وقت اپنی زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں تو ہمیں بھی کوئی فائدہ پہنچے گا، ان منافقوں کو بھی کہہ دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے پہلے صریح کفر کا ذکر تھا اب یہ نفاق کا ذکر آ گیا کہ ظاہری طور پر ایمان کا اظہار اگرچہ کیا ہوا ہو لیکن دل میں کفر چھپایا ہوا ہے تو ان کو بھی عذاب الیم کی خبر دے دیجئے، اس خبر کو لفظ بشارت کے ساتھ ذکر کیا گیا استہزاءً کہ یہ شخص اپنے مستقبل کے لئے اچھی خبر سننا چاہتا ہے تو ان کے لئے اچھی خبر یہی ہے کہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، منافق کہتے ہیں دو غلے کو کہ جس کا ظاہر اور ہو اور باطن اور ہو حقیقتاً نفاق یہی ہے، اور اس کے بعد نفاق عملی بھی ہوتا ہے کہ معاملات میں گفتگو میں انسان کا ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو نفاق عملی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

منافقین کی علامت:

منافقوں کی اس موقع محل کے اعتبار سے خاص علامت ذکر کردی تا کہ جس کے اندر اس قسم کے جذبات ہوں وہ چوکنے ہو جائیں۔

منافق یہ ہیں کہ جن کی ہمدردیاں مؤمنین کے ساتھ نہیں، ان کی دوستیاں کافروں کے ساتھ ہیں، کافر اس وقت تھے یہود اور ارد گرد مشرکین مکہ اور یہ ٹولہ جو کہ منافق تھا یہ دل دل کے اندر ان کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا، انہی کے ساتھ میل جول اور انہی کے ساتھ خیر خواہی تھی، اور مؤمنین کی خیر خواہی نہیں کرتے تھے، ان کے ساتھ دوستی نہیں لگاتے تھے تو یہ ایک نشان دہی کر دی، انگلی اٹھا کر بتا دیا گیا کہ یہ ٹولہ منافقوں کا ہے کہ جن کی ہمدردیاں اور دوستیاں کافروں کے ساتھ ہیں، مؤمنوں کے ساتھ ہمدردیاں نہیں ہیں، اس لئے جو شخص طبعی طور پر کافروں سے مانوس ہے، مسلمانوں سے مانوس نہیں ہے اور انہی کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اور انہی کے ساتھ ہی خیر خواہی اور ہمدردی رکھتا ہے تو ظاہری طور پر ایمان کا اظہار کرتا بھی ہو تو یہ علامت ہے کہ یہ مسلوب الایمان ہے، اس کے دل میں ایمان نہیں ہے، مؤمنوں سے اس کو محبت نہیں، مؤمنوں سے کوئی خیر خواہی نہیں، اس کا جتنا رجحان ہے وہ سارے کا سارا کافروں کی طرف ہے "یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین" بناتے ہیں کافروں کو دوست مؤمنین کو چھوڑ کر، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بھاگ بھاگ کر ادھر کیوں جاتے ہیں؟ کیا یہ وہاں عزت کے متلاشی ہیں؟ یہ سمجھتے ہیں کہ مؤمنین کے ساتھ ہم مل کر رہیں گے تو ہمیں عزت نہیں ملے گی، اس جماعت کے ساتھ ملیں گے تو وہاں ہمارا اکرام ہوتا ہے، وہاں ہمیں عزت ملے گی، یہ عزت تلاش کرنے کے لئے ان کافروں کے دروازوں پر جاتے ہیں ان کو سن لینا چاہیئے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے ہاں ہی ہے، عزت اسے ملتی ہے جس کو اللہ دیتا ہے۔

یہ منافقین کی ایک کمزوری تھی وہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کافروں کے ساتھ بنا کر رکھیں گے تو یہ کسی وقت بھی ہمارے لئے باعث عزت ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کو اطمینان نہیں تھا کہ مسلمان غالب آئیں گے، کہتے ہیں کہ کبھی تو وہ وقت آجائے گا جب کافر دوبارہ غالب آجائیں گے، اگر ہماری دوستیاں ان کے ساتھ ہوں گی تو ہم پھر اپنی عزت بچالیں گے، قرآن کریم میں سورۃ منافقون میں بھی یہ بات ذکر کی گئی ہے "وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین" وہاں بھی یہی بات ذکر کی گئی کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی وساطت سے پھر اس کے رسول کو ملے گی اور مؤمنین کو ملے گی لیکن منافقوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کافروں کے ساتھ تعلق قائم کر لیں

گے تو پھر ہمیں عزت وہیں ملے گی، کیا یہ ان کے پاس عزت کے متلاشی ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے، اب وقت آگیا کہ یہود ونصاریٰ سے اپنی عزت چھین کر مؤمنین کو دے دی جائے گی اور یہود ونصاریٰ بھی ذلیل ہوں گے، مشرکین بھی ذلیل ہوں گے اور در پردہ ان کے ساتھ دوستیاں رکھنے والے ان کے پلے میں اب ذلت ہی پڑے گی۔

کفار کی مجلس میں بیٹھنے کی مختلف صورتیں اور حکم:

"قد نزل علیکم فی الکتاب" یہ بھی ان منافقین کے کردار پر ہی انکار کرنا مقصود ہے کہ دعویٰ تو یہ ایمان کا کیا کرتے ہیں جب ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے کہ جس مجلس کے اندر اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جائے، جس مجلس کے اندر اللہ تعالیٰ کی آیات کا استہزاء کیا جائے وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے، جب یہ صریح طور پر حکم آچکا ہے تو پھر یہ اس کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہیں تو جب یہ ان کی مجلسوں میں جا کر بیٹھتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کو کفر سے نفرت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا استہزاء یہ خوشی کے ساتھ سنتے ہیں تو پھر یہ یقیناً انہی کے ساتھ ہی ہیں ان کا مؤمنوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یہ "قد نزل علیکم" میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اتار چکا ہے اس سے اشارہ ہوتا ہے سورۃ الانعام کی اس آیت کی طرف "واذا رأیت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم" کہ جب آپ دیکھیے ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں گھستے ہیں تکذیب کے طور پر تو آپ ان سے اعراض کر جائیے تا کہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں اگر یہ بات شیطان تمہیں بھلا بھی دے یاد آجانے کے بعد پھر ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو، اور سورۃ الانعام مکی ہے تو یہ آیت مکہ میں اتر چکی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھی جاتی تھی تو منافقین بھی اس آیت کو سنتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ ایسی مجلسوں میں بیٹھنا جائز نہیں ہے تو پھر یہ دوڑ دوڑ کر مجلسوں میں کیوں بیٹھتے ہیں، اگر تم بیٹھو گے تو تمہارا درجہ بھی وہی ہو جائے گا جو ان کا ہے، اس لئے مسئلہ یہی ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کیا جا رہا ہو، دین پر باتیں بنائی جا رہی ہوں اور دین کی باتوں کا انکار کیا جا رہا ہو اس مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے، اس بات کو توجہ سے سن لیجئے! اگر کوئی شخص اس مجلس میں بیٹھے گا رضا قلبی کے ساتھ تو واقعتاً کافر ہے کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے، دل سے یہ ان کی باتیں خوش ہو کر سنتا ہے، ان کے ساتھ دل چسپی لیتا ہے تو ایسی صورت میں یہ بھی کافر ہو جائے گا، اور اگر یہ کراہت قلبی کے ساتھ بیٹھتا ہے لیکن بیٹھتا ہے اپنے اختیار سے کوئی مجبوری نہیں ہے کراہت قلبی کے ساتھ بیٹھتا ہے تو یہ فسق ہے تو اس وبال میں اس لعنت میں یہ

بھی گرفتار ہوگا جس قسم کی باتوں کی بناء پر کافروں میں لعنت پڑے گی اس عذاب کے اندر یہ بھی مبتلا ہوگا چاہے حقیقتاً کافر نہ ہو در بے درجے کا فرق پڑ جائے گا۔

اور ایک ہے وہاں جانا کسی مجبوری کی بناء پر کہ کسی مجبوری کی بناء پر انسان پھنس گیا کہ زبان کے ساتھ انکار بھی نہیں کر سکتا، دل میں انتہائی نفرت ہے اور اٹھ کر بھی نہیں جا سکتا حالات ایسے ہو گئے تو ایسی صورت میں انسان معذور ہے، اور اگر انسان وہاں اس خیال سے جائے کہ میں ان کی باتیں سنوں پھر جواب دوں گا جس طرح سے مناظرہ کی محفل میں کفریات سنی پڑتی ہیں اور ان کا جواب دیا جاتا ہے، بحث مناظرہ میں ان کے اشکالات کو دور کیا جاتا ہے تو ایسی مجلس میں جو باتیں سنی جائیں گی تبلیغ کی نیت کے ساتھ تا کہ بعد میں ان کے اشکالات دور کیے جائیں اور ان کو یہ سمجھایا جائے یعنی ان سے بحث مناظرہ جس طرح سے ہوتا ہے اس مجلس میں انسان جاتا ہے تبلیغ دین کی نیت سے اور تبلیغ کی نیت سے جانے کے بعد پھر ان کی باتیں بھی سنی پڑتی ہیں جو کفر کی ہیں تو ایسی صورت میں جانا جو ہے وہ باعث ثواب ہے تو ایسے شخص کے لئے تو گنجائش ہے کہ وہاں جائے اور ان کے ساتھ بحث کرے اور بحث کر کے ان کے اشکالات دور کرے، اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں اجتناب چاہیے اور وہاں جا کر اگر رغبت کے ساتھ بیٹھیں گے تو پھر اس وبال کے اندر گرفتار ہوں گے جو وبال ان کافروں کے اوپر آئے گا یہ تفصیل ہے اس مسئلہ کی۔

غیر مسلک لوگوں کی مجالس میں جانا:

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مختلف مسلک کے لوگ جو ہم سے نظریاتی اختلاف رکھتے ہیں جیسے کہ اہل تشیع ہو گئے، رافضی ہیں، شیعہ ہیں یا مرزائی ہو گئے یا اسی طرح سے بریلوی طبقہ ہو گیا جو اپنے وعظوں میں، تقریروں میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جن کو ہم دین کے خلاف سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک ان کی بعض باتیں قرآن کریم کی تحریف کا مصداق ہیں، یا بعض مجلسوں کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا جاتا ہے اور ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے، ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا قرآن کریم کی تفسیر اس انداز کے ساتھ کی جاتی ہے کہ ہمارے خیال میں صحیح نہیں ہے تو یہ ساری کی ساری مجلسیں اسی کا مصداق ہیں جس کا ذکر یہاں آ رہا ہے کہ جہاں اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور اللہ کے دین کا استہزاء کیا جا رہا ہے، اپنے خیال کے اعتبار سے چاہے وہ صحیح کہہ رہے ہوں لیکن ہماری تحقیق کے مطابق اس میں اللہ کی آیات کا انکار لازم آتا ہے یا دین کا استہزاء لازم آتا ہے ایسی مجلسوں کے اندر جانا اور ایسے جلوسوں کے اندر جانا حرام ہے، کیونکہ جب تم اپنے اختیار کے ساتھ شوق سے جاتے ہو وہاں جا کر پھر شوق سے سنتے ہو انکار وہاں تم

نہیں کر سکتے بیٹھ کر وہاں سنتے رہو گے تو انتہائی درجے کی بے غیرتی ہے چاہے دل کے اندر انکار ہی ہو، اور اگر بولو گے تو فساد ہوگا، فساد کرنے کا جواز نہیں ہے کہ وہاں جا کر اس طرح کی کوئی بات کرو گے تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے مسلک کو بھی نقصان پہنچاؤ گے اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ ایسی مجلسوں میں انسان نہ جائے اور اگر جائے گا تو گناہ میں باقاعدہ شریک ہوگا۔

وہاں جا کر نہ تو آپ ان کو تبلیغ کر سکتے ہیں، نہ آپ کی معلومات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے کہ پہلے آپ نہیں جانتے آپ کو پتہ چلے گا کہ کیا کہتے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں آپ کو پتہ ہے اور آپ کی معلومات میں ہے جس قسم کی باتیں وہ کرتے ہیں تو پھر اس قسم کی مجلسوں میں جانا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ کر سننا یہ گناہ سے خالی نہیں اور انکار آپ وہاں کر نہیں سکتے، کیونکہ اگر انکار کرو گے تو دینی و دنیاوی دونوں طرح سے نقصان دہ ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اس مجلس کے اندر آپ شور مچا دیا کرو کہ یہ کیا بات کی جا رہی ہے تو یقیناً لڑائی ہوگی، فساد ہوگا، فتنہ پھیلے گا اور اس کے نقصانات زیادہ ہیں، اور ان کی مجلس میں جا کر اس قسم کا فساد کرنا ہر کسی کے نزدیک جرم ہوگا، کوئی شخص آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوگا، ہر کوئی آپ سے کہے گا کہ آپ وہاں کیوں گئے، یہی وجہ ہے کہ وہاں بیٹھتے ہیں اور بیٹھ کر وہاں سنتے ہیں اور سن کر آپ چوتڑ جھاڑ کر آ جاتے ہیں، پتہ نہیں ساتھ کچھ ایمان بھی بچا کر لاتے ہو کہ نہیں، تو یہ عادت بہت بری عادت ہے مخالفین کے جلسوں میں جانے کی، اور ان کی مجلسوں کے اندر جا کر شریک ہونے کی، یہ کانوں کی شہوت ہے اور یہ بری بات ہے اس سے اجتناب چاہیے۔

امن اسی میں ہے، تبلیغ کی نیت سے آپ وہاں نہیں جا سکتے اور وہاں بیٹھ کر اس کو سننا اور گوارہ کرنا یہ بے غیرتی یقیناً ہے اور اگر اس میں غلط باتیں آئیں گی، دین کے خلاف باتیں آئیں گی، اور آپ کی تحقیق کے مطابق وہ باتیں دین کے خلاف ہیں یا دین کی باتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہمیں اپنی جان سے عزیز ہیں اور ہمارا ان کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ ہمارے ایمان کا ایک جزء ہے، تو ان کے متعلق بری بری باتیں سنی جائیں گی تو پھر کتنی بے غیرتی اور کتنی بے حیائی ہے کہ انسان وہاں جم کر بیٹھا رہے اس میں احتیاط چاہیے، اپنے مسلک کا جلسہ سنو، اپنے مسلک کے لوگوں کی مجلس میں جاؤ اور دوسرے مسلک کی مجلسوں کے اندر جانا اور ان کے جلسوں کے اندر جانا پھر خلاف دین باتوں کو سننا اور وہاں پھر خاموش ہو کر بیٹھے رہنا یہ گناہ سے خالی نہیں ہے اس آیت کے تحت یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آتی ہے۔

غیر مسلک لوگوں کی کتب کا مطالعہ کرنا:

سوال دوسرے مسلک کی کتابیں پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب کتابیں پڑھنا اس نیت کے ساتھ کہ آپ اس درجے کے ہیں کہ آپ ان کی معلومات حاصل کر کے ان کی تردید کر سکتے ہیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں پھران کی کتابیں پڑھنا جائز ہے، اور طالب علم کی چونکہ ایسی پوزیشن نہیں ہوتی اور اپنے مسلک کے اوپر پورا احاطہ نہیں ہوتا، اور کتابیں پڑھنے کے ساتھ خواہ مخواہ اشکال میں مبتلا ہو کر دماغ خراب ہوتا ہے اس لئے ہم یہی کہا کرتے ہیں کہ جب تک انسان بالتفصیل اپنے مسلک سے واقف نہ ہو جائے تو غیر مسلک کی کتابیں بھی نہ پڑھیں، ہم نے کئی اسی طرح سے بگڑتے دیکھے ہیں کہ اپنے طور پر ان کو تحقیق کا جذبہ ہوتا ہے کہ ہم تحقیق کر رہے ہیں، اپنے اندر صلاحیت اتنی نہیں ہوتی کہ ان کے اعتراض کے اوپر گرفت کرلیں تو پڑھتے پڑھتے اس قسم کے خیالات کے حامل ہو جاتے ہیں، کئی ہم نے جماعت اسلامی کے لٹریچر سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھے ہیں، اور اسی طرح سے دوسرے جن کو ہم مسلک کے خلاف سمجھتے ہیں جب ان کی کتابیں پڑھنے لگ جاتے ہیں لوگ تو ان کا دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے، جب تک اپنے مسلک کا پوری طرح سے احاطہ نہ ہو جائے اس وقت تک غیر مسلک کتاب کو دیکھنے کی کوشش نہ کیجئے، ہر شخص کے دماغ میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ غلط بات کو سمجھنے کے بعد پھر اس کی تردید کما حقہ کر سکے۔

اسی لئے تو حدیث شریف میں آتا ہے صراحتاً سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم دجال کے متعلق سنو کہ وہ آگیا ہے تو اس سے دور ہٹنے کی کوشش کرنا، دور بھاگنا، قریب ہونے کی کوشش نہ کرنا، بسا اوقات یہ شخص سمجھے گا کہ میرا ایمان صحیح ہے، میں اپنے عقیدے پر مضبوط ہوں اور اسی مضبوطی کے خیال سے وہ دجال کے قریب چلا جائے گا کہ چلو سنوں تو سہی کہ کیا کہتا ہے، دیکھوں تو صحیح کہ اس کا حال کیا ہے؟ جس وقت وہ دجال کے پاس جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنے شبہات دیئے ہوئے ہوں گے اور اس کے ہاتھ سے اس طرح کے کام ظاہر ہو رہے ہوں گے کہ وہاں جا کر یہ بھی کافر ہو جائے گا، پھنس جائے گا اس لئے عام لوگوں کو حکم یہی ہے کہ اس قسم کے دجال جو آجائیں تو ان سے دور ہٹا کرو، "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم" دجال آئیں آپ کے پاس جو غلط باتیں بیان کرتے ہوں خود ان سے دور رہو ان کو اپنے آپ سے دور رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہی میں ڈال دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں، ہر فتنے کے اندر اچھل کر جا پڑنا کودنا اور چھلانگ لگا کر اس میں داخل ہو جانا یہ خطرے سے خالی نہیں ہوتا ہر آدمی میں صلاحیت نہیں ہوتی باتوں کی تردید کی، جو مشکلات پیش آتی ہیں،

جو شبہات پیش آتے ہیں انسان ان کو رد نہیں کرسکتا او و پھر شک وشبہات کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے، یہ بات جو ذکر کررہا ہوں انہی روایات کی روشنی میں کررہا ہوں۔

ہاں البتہ جن کو اللہ نے دل گردہ مضبوط دیا ہے اور وہ اپنے دل گردے کے پکے ہیں، دوسرے کی بات کو پکڑ سکتے ہیں، تردید کرسکتے ہیں تو آج تک اہل حق نے اہل باطل کے ساتھ مناظرے کئے ہیں اور ان کے خیالات کو سنا بھی ہے اور تردید بھی کی ہے دجال کے پاس بھی جائے گا ایک شخص، مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت موجود ہے کہ ایک شخص جائے گا تو دجال اس کو کہے گا کہ تو مجھے رب مان، وہ کہے گا کہ ہمارا رب کوئی مخفی نہیں ہے، ہم پہچانتے ہیں اپنے رب کو تو رب نہیں ہے، وہ اسے قتل کردے گا قتل کرنے کے بعد دوبارہ اس کو زندہ کرے گا پھر کہے گا کہ تو میرے اوپر ایمان نہیں لاتا، وہ کہے گا کہ میری بصیرت تیرے بارے میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ تو دجال ہے تو جن کا عقیدہ اتنا پختہ ہو اور جن کے خیالات اتنے پختہ ہوں ان کو تو پھر وہ مجلس نقصان نہیں دیتی بلکہ ان کا وجود باطل کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن یہ پوزیشن ہر کسی کی نہیں ہوتی اس لئے غیر مسلک کی کتابیں نہ پڑھو، غیر مسلک کی مجلسوں میں نہ جاؤ، اپنے اکابر کی کتابیں دیکھو اور اپنے بزرگوں کی مجلسوں میں جاؤ اسی میں ایمان کی حفاظت ہے ورنہ انسان اسی جرأت اور دلیری کے اندر اپنے ایمان کا نقصان کر بیٹھتا ہے۔

منافقین کا کردار:

"قد نزل علیکم فی الکتاب" اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کتاب میں اتارا ہے، یہ بات اللہ اتار چکا یعنی مکی سورۃ میں سورۃ الانعام میں یہ موجود ہے جیسے کہ میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا استہزاء کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ مل کر بیٹھا نہ کرو جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں بے شک تم اس وقت ان جیسے ہی ہوجاؤ گے یعنی اگر دل میں رضا آگئی تو کفر آگیا حقیقتاً اور اگر دل میں رضا نہیں ہے تو فسق اور گناہ کے اندر ان کے ساتھ شامل ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو اور منافقوں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے، جمع کرنے والا ہے سب کو اکٹھے ہی، اور یہ منافق ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں تم ہوشیار رہا کرو اور وہ چاہے تمہارے اندر شامل ہیں لیکن ہر وقت ان کے دل کے اندر تمنا یہی ہوتی ہے کہ تم کسی حادثے کا شکار ہوجاؤ "والذین یتربصون بکم" تمہارے بارے میں گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ تم کسی حادثے کا شکار ہوجاؤ اور اگر کبھی تمہیں فتح مل جاتی ہے اللہ کی طرف سے پھر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، اس وقت مال غنیمت میں حصہ لینے کے لئے آجاتے ہیں اور اگر کبھی کافروں کو حصہ مل جاتا ہے تو پھر ان پر احسان جتاتے ہیں

کہ ہم تو آپ پر غالب آ گئے تھے ہم نے تو گھیرا ڈال لیا تھا، اگر ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ نہ ہوتیں تو آج تم بچتے ہی نہیں تھے ہم نے قصہ خراب کر دیا اور تم کو مؤمنوں سے بچالیا اس لئے ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تم نے کمایا ہے وہ ہمیں بھی دو، لینے کے لئے ہاتھ پھیلانے کے لئے وہاں بھی حاضر۔

تو اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا یعنی ان کافروں کے درمیان اور تمہارے درمیان، ان منافقوں کے درمیان اور تمہارے درمیان اس فیصلے سے عملی فیصلہ مراد ہے کہ اب یہاں تو خلط ملط ہیں سارے کے سارے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتیاز کر دے گا ہر کسی کے درمیان اور اس فیصلہ میں اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مؤمنین کے خلاف کامیابی کی راہ نہیں بنائے گا یہی ہے فیصلہ جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور اس میں غلبہ مؤمنین کو ہوگا یہاں دنیا میں مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مؤمنوں کے خلاف کوئی راستہ نہیں بناتا۔ کافروں کو غلبہ نہیں دیتا بلکہ پیچھے چونکہ یوم القیامۃ کا ذکر آیا ہوا ہے کہ اللہ فیصلہ قیامت کے دن کریں گے قیامت کے دن اس فیصلے میں مؤمنین کو غالب فرمائیں گے، کافروں کو غالب نہیں کریں گے، بے شک یہ منافق اللہ سے چالبازی کرتے ہیں یعنی ان کا کردار ایسا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اللہ کو یہ دھوکہ کیا دے سکتے ہیں، اللہ ان کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے کیا مطلب کہ جب یہ اس قسم کی چالبازیاں کرتے ہیں ظاہری طور پر ان کو مفاد پہنچ جاتا ہے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں، دیکھو ہم نے کیسے فائدہ اٹھالیا، حالانکہ یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ رسی ڈھیلی چھوڑ کر ان کو اور زیادہ عذاب کی طرف لے جا رہا ہے، اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہوتے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ دیتا ہے، ان کی خطا کی اللہ انہیں جزا دے گا، جس طرح سے چاہو اس بات کو ادا کر سکتے ہو۔

جب یہ اٹھتے ہیں نماز کی طرف تو اٹھتے ہیں سستی کے مارے ہوئے، کیونکہ نشاط خوشی چستی تو آئے گی عقیدے کے ساتھ اور یہ نماز کو مفید چیز سمجھتے نہیں اور اٹھنا انہوں نے صرف ظاہر داری کے طور پر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ہم نماز میں حاضر نہ ہوئے تو ہمارا کفر کھل جائے گا، یہ مؤمن ہمیں اپنی جماعت میں بھی نہیں سمجھیں گے، چنانچہ ایسی ہی بات تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں معاشرہ ایسے ہی تھا کہ مؤمن اسے سمجھا جاتا تھا جو مؤمنین کے ساتھ مل کر نماز پڑھتا ہے اور جو مسجد میں نہیں آتا، مؤمنین کے ساتھ مل کر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا تو اس کو منافق ہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ کافر ہے یہ مؤمن نہیں ہے، اس وقت معاشرے کی یہی پوزیشن تھی، یہ آج بدبختی غالب آئی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے تو کیا مسلمانوں کے لیڈر ہونے کے لئے بھی نمازی ہونا ضروری نہیں ہے

مسجد میں آنا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تو اپنی جگہ رہا یعنی مسلمانوں کے رہنما ہونے کے لئے، لیڈر بننے کے لئے بھی یہ شرط نہیں کہ وہ مسجد میں آتا ہو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو چہ جائے کہ مؤمن بننے کے لئے مسجد کی حاضری ضروری ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاشرہ ایسا ہی تھا کہ جو شخص مسجد میں نہیں آتا تھا جماعت کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتا تھا اس کو مؤمن ہی نہیں شمار کیا جاتا تھا، تو منافق تو آتے اس لئے تھے تاکہ جماعت میں شامل رہیں لیکن دل میں چونکہ عقیدہ نہیں تھا ایسی صورت میں کوئی چستی نہیں تھی، پس ایسے مصیبت کے مارے جس طرح سے ایک چٹی سر پر پڑگئی جو اتارنی ہے پس ایسے ہی وہ ٹوٹے پھوٹے جسم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہیں اور مقصد ان کا صرف دکھلاوا کرنا ہوتا ہے "یراؤن الناس" اخلاص نہیں ہے طبعیتوں میں اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت کم یعنی ظاہرداری کے طور پر ہونٹ ہلا لیتے ہیں کہ کبھی اللہ کا نام لے لیتے ہوں گے، جب وہ شوق کے ساتھ نماز پڑھتے ہی نہیں تو اس میں انہوں نے اللہ کو کیا یاد کرنا، مؤمنین اور کافروں کے درمیان یہ مذبذب ہیں متردد کبھی ادھر کو جھکتے ہیں، کبھی ادھر کو جھکتے ہیں، نہ پوری طرح ادھر ہیں نہ پوری طرح ادھر ہیں۔

جیسے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک دفعہ اسی کی مثال میں نے حدیث سے آپ کے سامنے واضح کی تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی مثال "شاۃ عائرۃ" جیسی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان میں متردد ہے، وہ بکرے کی تلاش میں کبھی ادھر کو میں میں کرتی ہوئی جاتی ہے اور کبھی ادھر کو جاتی ہے، یہ اپنی شہوت اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے کبھی ادھر کو بھاگتے ہیں، اور کبھی ادھر کو بھاگتے ہیں جدھر کو ان کی خواہش پوری ہوتی ہے ادھر کو متوجہ ہو جاتے ہیں، نہ پوری طرح مؤمنوں کے ساتھ ہیں اور نہ پوری طرح کافروں کے ساتھ ہیں، اصل مقصد ان کا مزہ اڑانا ہے اور فائدہ حاصل کرنا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے تو اس کے لئے راستہ نہیں پائے گا۔

مؤمنین اور منافقین کو تنبیہ:

اب یہ منافقین کا کردار سامنے آجانے کے بعد مؤمنوں کو نصیحت کی جارہی ہے، مخلصین کو کہ اے ایمان والو! تم کافروں کو دوست نہ بنانا مؤمنین کو چھوڑ کر، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے اپنے خلاف تم ایک واضح دلیل قائم کر دو اگر تمہاری دوستی کافروں کے ساتھ ہوگی تو عذاب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک واضح دلیل ہے کہ یہ الزام اللہ قائم کر کے تمہیں بھی عذاب میں ڈال دے گا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے تم سلطان مبین نہ قائم کرو، اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے خلاف تم سلطان مبین نہ قائم کرو۔

کافروں کے ساتھ دوستی لگانا مؤمنین کو چھوڑ کر یہ واضح حجت ہے کہ تمہیں عذاب دیا جائے اور تمہیں بھی جہنم کے اندر ڈال دیا جائے، بے شک منافق لوگ جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے یعنی یہ کافروں سے بھی بدتر ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھلا کافر دین کے لئے اتنا نقصان دہ نہیں ہوتا، جتنے یہ چھپے ہوئے دشمن نقصان دہ ہوتے ہیں، ظاہری طور پر مؤمن کہلا کر مؤمنوں کی جماعت میں شامل ہیں، شکوک شبہات یہ اس طرح سے پھیلاتے ہیں اس طرح سے مؤمنوں کی جماعت کو ان کے ہاتھ سے نقصان زیادہ پہنچتا ہے ان کے لئے تو ہرگز مددگار نہیں پائے گا، لیکن توبہ کا دروازہ بند نہیں ان کے لئے بھی جو لوگ توبہ کر لیں نفاق چھوڑ دیں، "واصلحوا" اور اپنے ظاہری اعمال کو درست کر لیں، کافروں سے رخ موڑ لیں، ان کی دوستیاں چھوڑ دیں، اپنی ہمدردیاں مؤمنین کے ساتھ کر لیں، اور اعتماد اللہ پر کر لیں، اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں، عزت کی تلاش میں، رزق کی تلاش میں کافروں کی طرف نہ جھانکیں، مضبوطی کے ساتھ تھام لیں اللہ تعالیٰ کو اور اپنے دین کو خالص کر لیں اللہ کے لئے، خلوص آ جائے ظاہرداری نہ رہے پھر یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب مؤمنین کو اجر عظیم دے گا۔

اگلی آیت میں بھی ترغیب ہے یہ " کم" کا خطاب مجموعی طور پر اگرچہ جماعت مؤمنین کو ہے لیکن مخاطب منافق ہیں جس طرح پیچھے سے ذکر چلا آ رہا ہے اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا کیا مطلب؟ کہ اللہ تعالیٰ خوامخواہ کسی کو عذاب نہیں دیتا، تمہارے عذاب دینے پر کوئی اللہ کا کام نہیں اٹکا ہوا اگر تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا، یعنی نہیں دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قدردان ہے علم والا ہے جو بھی اس کی اطاعت کرے گا، اخلاص کے ساتھ اس کے دین کو قبول کرے گا اللہ قدر کرے گا، اللہ تعالیٰ علیم ہے کہ کسی کی کوئی حرکت اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہتی۔
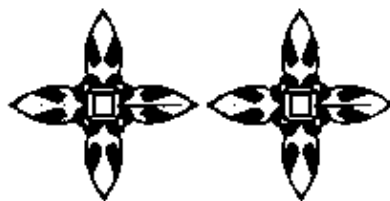
لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا بری بات کے ظاہر کرنے کو مگر ایسے شخص کا ظاہر کرنا جو مظلوم ہو

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ

اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۱۴۸﴾ اگر تم کسی بھلائی کو ظاہر کردیا اس کو چھپادیا

تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

کسی برائی سے درگزر کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۴۹﴾ بے شک وہ لوگ

یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ

جو اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ تفریق ڈال دیں اللہ کے درمیان

وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ

اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم بعض کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں

اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

کہ اس کے درمیان کوئی راستہ نکال لیں ﴿۱۵۰﴾ یہی لوگ ہیں جو کافر ہیں

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

پکے ، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے ﴿۱۵۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اللہ

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ

اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے یہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان کو دے گا

اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

ان کا اجر ، اللہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۲﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط کی تقریر نمبرا:

پچھلے پارے کے آخری حصہ میں ذکر آیا تھا کافروں کا اور منافقوں کا، ایمان کے بنیادی اصول ذکر کرنے کے بعد کافروں اور منافقوں کا ذکر آیا تھا، خصوصیت کے ساتھ کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا تھا اور منافقین کی علامت یہ ذکر کی گئی تھی کہ وہ کافروں سے دوستی لگاتے ہیں مؤمنین کو چھوڑ کر، ان کے محبت کے جذبات جتنے ہیں وہ سارے کے سارے کافروں سے متعلق ہیں، اسی مضمون پر پچھلے پارے کا اختتام تھا یہ پہلی آیت "لایحب اللہ الجھر" اس کا تعلق ماقبل کے ساتھ دوطرح سے جوڑا گیا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ربط اس طرح سے دیا کہ یہ کافر اور منافق جن کا ذکر پیچھے آیا ان کی طرف سے اہل ایمان کو ایذاء بھی پہنچتی تھی اور تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی تھیں، ان سے شکوے اور شکایت بھی ہوتی رہتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر کسی کو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کا اظہار کرسکتا ہے اور عام طور پر کسی کی غیبت، کسی کی برائی بیان کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے، بری بات کا ظاہر کرنا یعنی کسی کے اندر کوئی عیب ہے، کسی کے اندر کوئی نقص ہے اس کو علی الاعلان کہنا، برملا بیان کرنا، دوسرے کے سامنے اس کا اظہار کرنا اللہ کو پسند نہیں، جس کے ضمن میں یہ بات آتی ہے کہ غیبت ناپسندیدہ ہے۔

غیبت کی تعریف:

کیونکہ غیبت کا حاصل بھی یہی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الغیبة اشد من الزناء" (مشکوٰۃ ص ۴۱۵) غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے تو وجہ اس کی یہ ذکر کی گئی کہ زانی اگر زنا کرے تو اپنے طور پر توبہ کرلے گا اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے ہیں کیونکہ یہ حقوق اللہ میں شامل ہے، اس کی معافی براہ راست اللہ سے متعلق ہے، یہ حقوق العباد میں نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کی بے عزتی ہوئی، دوسرے کے ساتھ اس کا تعلق ہے تو یہ حقوق العباد میں ہو تو زنا حقوق العباد میں نہیں ہے کیونکہ حقوق العباد میں وہ چیز ہوا کرتی ہے جو بندوں کے حلال کرنے کے ساتھ حلال ہوجائے اور معاف کرنے کے ساتھ معاف ہوجائے، اگر یہ حقوق العباد میں سے ہوتا تو کوئی عورت اگر خوشی کے ساتھ کسی کو اجازت دے دیتی اپنے سے استمتاع کرنے کی یا کوئی اپنی بیوی کے متعلق کسی کو خوشی کے ساتھ اجازت دے دے تو حقوق العباد ہونے کی صورت میں یہ جائز ہوجانا چاہیئے تھا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ کوئی خوشی کے ساتھ قدرت دے دے تو بھی یہ حلال نہیں اور صاحب حق اگر معاف کرے تو بھی حلال نہیں تو اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بندوں کے اختیار میں نہیں ہے۔

اور غیبت یہ حقوق العباد میں شامل ہے اور حقوق العباد میں بایں معنی شدت ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کو معاف نہیں کرتا جب تک کہ صاحب حق سے معافی نہ لے لی جائے، تو یہ غیبت کی وضاحت آپ نے فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ غیبت کیا چیز ہے؟ تو آپ نے جواب دیا اور وضاحت فرمائی کہ "ذکرك اخاك مایکره" (مشکوۃ ص۴۱۲) تیرا اپنے بھائی کو یاد کرنا، ذکر کرنا ایسی چیز کے ساتھ جس کو وہ پسند نہیں کرتا یعنی پس پشت اس کو ایسے الفاظ میں یاد کیا جائے کہ جب اس کو پتہ چلے کہ فلاں شخص نے میرے متعلق یہ لفظ استعمال کیے ہیں یا فلاں شخص نے میرا یہ عیب دوسرے کے سامنے ذکر کیا ہے تو اس کو ناگوار گزرے یہ غیبت کی تعریف ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اگر وہ بات واقعی ہی اس میں موجود ہو جو ہم کہہ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو غیبت ہے کہ اس کے واقعی عیب کو ذکر کیا جائے، اور اگر اس میں عیب موجود نہ ہو اور آپ اپنے طور پر جھوٹ بولیں اپنی طرف سے عیب گڑھ کر اس کے ذمے لگائیں یہ تو بہتان ہے جس کا درجہ غیبت سے بھی اوپر ہے تو اس طرح سے کسی کے متعلق برائی کا اظہار اللہ کو پسند نہیں ہے۔

ایسے مواقع جن میں کسی کے عیب کو ظاہر کیا جاسکتا ہے:

ہاں البتہ کوئی شخص خاص طور پر کسی کے ظلم کا نشانہ بن گیا تو وہ ظالم کی شکایت اگر کرے، ظالم کا ظلم اگر کسی کے سامنے ظاہر کرتا ہے تو یہ لایحب سے مستثنیٰ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں یوں کہہ لیجیے، یا یہ ہے کہ یہ لایحب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو اس قسم کے جہر سے بغض نہیں کیونکہ جہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق لایحب آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس چیز سے نفرت ہے، اللہ اس سے بغض رکھتے ہیں تو جس سے اس کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، اور "الا من ظلم" کے ساتھ استثناء آ گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرام نہیں ہے، اس کی اجازت ہے، تو کافروں اور منافقوں کی طرف سے بھی اس قسم کی ایذاء پہنچ سکتی تھی علی الخصوص اگر کسی کو تکلیف پہنچے تو شکوہ شکایت کی اجازت دے دی، اور عام طور پر کسی کے عیب کو ظاہر کرنا اور کسی کی برائی ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی پھر "الا من ظلم" کے اندر مظلوم کو بھی اجازت دی گئی ہے، یہ حصر اضافی ہے کہ ہر کسی کو اجازت نہیں صرف مظلوم کو اجازت ہے، ظالم کے ظلم کو ظاہر کر سکتا ہے۔

مفسرین رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں حصر اضافی ہے، حصر اضافی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ اوروں کو بھی اجازت ہے جس کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اور اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جہاں شرعی فائدہ ہو، شریعت کسی غرض صحیح کے تحت اگر بات کرنے کی اجازت دیتی ہے چاہے وہ بات کرنے والا مظلوم نہیں اور کسی ظالم کا اس

کے اوپر ظلم نہیں ہوا، شرعی مصلحت کے تحت کسی کے عیب کو ظاہر کیا جاسکتا ہے، شرعی مصلحت کس طرح سے؟ جس طرح سے رواۃ حدیث کے اوپر علماء جرح کرتے ہیں اور راویوں کے عیب ظاہر کرتے ہیں یہ ایک شرعی مصلحت کے تحت ہے کہ اگر یہ عیب نہ ظاہر کیے جائیں اور ان کی حیثیت کو نمایاں نہ کیا جائے تو سچے اور جھوٹے میں امتیاز نہیں کیا جاسکے گا اور پھر دین کی باتوں کے اندر خلط ملط ہو جائے گا کہ صحیح اور غلط اور سچ اور جھوٹ یہ آپس میں مل جائیں گے، تو دین کے مسئلے کو نکھارنے کے لئے، صحیح اور غیر صحیح روایت میں فرق کرنے کے لئے یہ راویوں کے حالات کو ذکر کیا جاتا ہے تو اس میں مختلف قسم کے حالات آتے ہیں، کسی میں کوئی عیب نکالتے ہیں، کسی میں کوئی عیب نکالتے ہیں پھر راویوں کے اوپر جرح کی جاتی ہے تو یہ جرح بھی اگرچہ اظہار عیب ہے لیکن شرعی مصلحت کے تحت اس کی اجازت ہے۔

اور ایسے ہی آپ مظلوم تو نہیں ہیں لیکن کسی دوسرے کو ظلم سے بچانے کے لئے بسا اوقات کوئی عیب ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ آپ کسی سے کوئی رشتہ کرنا چاہتے ہیں، جس سے رشتہ کرنا چاہتے ہیں اس میں کوئی واقعی عیب ایسا معلوم ہے کہ جس کی بناء پر آئندہ آپ کو نقصان پہنچے گا اور وہ شخص آپ سے مشورہ پوچھتا ہے تو آپ کے ذمے ضروری ہے کہ صحیح مشورہ دیں اور اس صاحب معاملہ کے عیب کو ظاہر کر دیں اور کسی کے اوپر زیادتی کرنے کا مشورہ ہو رہا ہو اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص فلاں کی عزت لوٹنا چاہتا ہے، فلاں کا مال لوٹنا چاہتا ہے، فلاں کی جان کا نقصان کرنا چاہتا ہے اس قسم کے لوگوں کے عیب کو ظاہر کیا جاسکتا ہے اس میں شرعی مصلحت ہے اور ایسے ہی ایک اور صورت بھی ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کل امتی معافی" میری ساری امت ہی عافیت دی ہوئی ہے کسی کی غیبت جائز نہیں "الا المجاھرون" (مشکوۃ ص ۴۱۲) مگر جو جہراً گناہ کرتے ہیں علی الاعلان جو گناہوں کے اندر مبتلا ہیں اگر کسی وقت ان کے کسی عیب کا تذکرہ آجائے تو یہ بھی غیبت میں شامل نہیں ہے۔

غیبت حرام اس لئے ہے کہ اپنے عیب کھلنے سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، دکھ محسوس کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے آپ نے اس کے بدن کا گوشت کاٹ کر کھالیا، بدن کا گوشت کاٹ لیا، یہ تبھی بات صادق آتی ہے کہ جب وہ تذکرہ اس کے لئے باعث تکلیف ہو اور اس کا مخفی عیب جو ہے وہ کھول دیا جائے جس سے وہ بے عزت ہو، لیکن جب وہ گناہ کرتا ہی علی الاعلان ہے اور اپنی زبان سے لوگوں کو بتاتا پھرتا ہے، میں نے یہ کیا وہ کیا تو اگر اس کے عیب کو کوئی دوسرا شخص ذکر کرے گا تو اس کے لئے کوئی باعث تکلیف نہیں، جب وہ اپنی عصمت دری خود کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کی پردہ داری نہ کرے تو معذور ہے یعنی یہ اظہار غیبت میں شامل نہیں ہوگا، یہ علیحدہ بات ہے کہ اس قسم کے فضول تذکروں سے انسان اپنی زبان کو محفوظ رکھے، بہر حال جہاں کوئی شرعی مصلحت ہو وہاں برائی کا اظہار جائز ہے اور جہاں شرعی مصلحت نہ ہو وہاں جائز نہیں ہے۔

اور یہاں خصوصیت کے ساتھ مظلوم کو اجازت دی گئی ہے کہ مظلوم اپنے ظلم کی شکایت کرے اور پھر وہ شکایت بھی ایسے لوگوں کے سامنے ہو جو اس کا تعاون کر سکیں یا اس کو ظلم سے بچا سکیں یا ظالم سے انتقام لے سکیں جیسے کہ عدالت میں جا کر اظہار کرتا ہے تا کہ اس کی تلافی کر دی جائے تو یہ اظہار جو ہے یہ مغضوب نہیں اللہ تعالیٰ کو اس سے نفرت نہیں اس کی اجازت ہے یوں بھی اس کا تعلق ماقبل کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط کی تقریر نمبر ۲:

اور اس طرح سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عمومی عنوان کے ساتھ منافقین کی مذمت کی ہے کہ منافقین ''درك اسفل من النار'' میں جائیں گے، کافروں سے یہ بدتر ہیں، جہنم کے نچلے درجے میں جائیں گے ان کی مذمت کر دی گئی تو جو عیب جماعت کے کچھ افراد میں پایا جائے اصلاح کا طریقہ یہی ہوا کرتا ہے کہ اس کو علی الاجمال عمومی عنوان کے ساتھ ذکر کریں جس شخص کے اندر وہ بیماری ہوگی جو اس کی کمزوری کے اندر مبتلا ہوگا، وہ اپنی اصلاح خود کرے گا قرآن کریم نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے، اس لئے نام لے کر کسی کو نہیں کہا گیا کہ فلاں منافق ہے اس سے ہوشیار رہو، عمومی عنوان ذکر کیا ہے، علامات ذکر کی ہیں، جذبات کا تذکرہ کیا ہے کہ جن کے اس قسم کے جذبات ہیں وہ منافق ہیں اور منافقوں کا ایسا کردار ہے یہ کردار اختیار کرنا ٹھیک نہیں ہے، اپنی نیت میں اخلاص پیدا کریں، دین کو صحیح طور پر قبول کریں، کافروں سے تعلقات توڑ دیں ورنہ یہ جماعت نقصان اٹھائے گی اس قسم کے تذکرے جو ہیں وہ عمومی عنوان کے طور پر ذکر کر دیے گئے ہیں متعین کر کے کسی کے متعلق نہیں کہا گیا۔

وعظ میں عمومی انداز اختیار کرنا:

اور سرور کائنات ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جب آپ کو پتہ چلتا کہ جماعت میں کچھ افراد کسی غلطی کے اندر مبتلا ہیں جو چاہے علی الخصوص ہی معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص نے یہ غلطی کی ہے لیکن وعظ میں خطبے میں آپ ﷺ خصوصیت کے ساتھ کسی کو نشانہ بنا کر نہیں کہا کرتے تھے، بلکہ عمومی عنوان کے ساتھ نصیحت فرماتے ''مابال اقوام یفعلون کذا'' لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں، تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو فتان ہیں جو لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں بہت لمبی لمبی قراءت شروع کر دی تھی اور جس کی وجہ سے ایک آدمی نے نماز توڑ کر اپنی علیحدہ نماز پڑھ لی، اور پھر جا کر حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! ہم سارا دن تو کام کرتے ہیں اور معاذ رضی اللہ عنہ اتنی دیر کے ساتھ آتے ہیں اور آ کر پھر سورۃ البقرۃ شروع کر دیتے ہیں اور اپنا واقعہ بیان کر دیا تو حضور ﷺ نے بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ایسے کئی واقعات ہیں تو ''منکم

منفرین“ آپ میں سے بعض وہ ہیں جونفرت دلاتے ہیں، بھگانے والے ہیں ”مابال اقوام“ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایسا کام کرتے ہیں یوں عمومی عنوان کے ساتھ حضور ﷺ ذکر فرمادیا کرتے تھے، خصوصی مجلس کے اندر تو خصوصی خطاب کر کے نصیحت کرنا مفید ہوتا ہے لیکن جہاں عمومی وعظ ہو اور جہاں عمومی تقریب ہو وہاں عمومی عنوان اختیار کرنا مفید ہوتا ہے کسی خاص فرد کو نشانہ بنا کر بات کہنا بسا اوقات مزید فتنے کو ہوا دینا بن جاتا ہے اسی سے فتنہ زیادہ پھیلتا ہے، عمومی عنوان کے ساتھ ہی کہا جائے۔

تو یہاں بھی یہی بات ہوئی اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر عمومی اعتبار سے کیا ہے اور پھر یہ ساتھ نصیحت بھی کی ہے کہ کسی کو نشانہ بنا کر کہ تو منافق ہے، تو ایسا ہے، اس قسم کی باتوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا یوں بری باتیں ظاہر نہیں کرنی چاہئیں یہ مصلحت کے خلاف ہے، اس سے جماعت کے اندر زیادہ فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے، نفاق کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اگر آپ کہیں کہ فلاں شخص منافق ہے وہ کہے گا کہ میں منافق نہیں ہوں اس سے تو تکرار شروع ہو جائے گی، آپ کے لئے ثبوت مہیا کرنا مشکل ہو جائے گا وہ الٹ کر آپ کو کہہ دے گا وہ آپ کی ایسی خامیاں سامنے لا کر کہے گا کہ تو منافق ہے تو اس طرح سے تو منافق، تو کافر، تو ایسا، اس قسم کا عنوان اختیار کر کے بات نہ کی جائے بلکہ عمومی انداز اختیار کیا جائے جس کے اندر کوئی کمی ہوگی، جس کے اندر کوئی نقص ہوگا، کوئی خامی ہوگی وہ خود سمجھ جائے گا ، اور اگر وہ نہیں سمجھے گا تو علامات کے ساتھ آپ تاڑ کر رکھیے کہ یہ علامات کس کے اوپر صادق آتی ہیں اس لئے محتاط رہیں علی العموم کسی کو نشانہ بنا کر اس قسم کی بات نہ کہیے ورنہ فساد پھیلتا ہے۔

تو ”جھر بالسوء من القول“ کا مصداق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عمومی عنوان کے ساتھ کہی ہوئی بات کو عام ہی رہنے دیں اور کسی کو خاص نشانہ بنا کر اس قسم کی باتیں کرنا یہ اللہ کو پسند نہیں ہیں، یہ مفہوم بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

بُری بات کا اظہار اللہ کو ناپسند ہے:

تو اللہ تعالیٰ بری بات کے علی الاعلان کہنے کو پسند نہیں فرماتے ہاں کوئی مظلوم آدمی اگر ظالم کی کوئی بات علی الاعلان کہتا ہے اور کسی کے سامنے کھل کر کہتا ہے تو یہ مستثنیٰ ہے، اس کی اجازت ہے تو ”الا“ کے بعد جو چیز آئے گی زیادہ سے زیادہ اس کی اجازت ثابت ہوگی ایسا کہنا ضروری نہیں ہے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی جائے گی ، اجازت ہے کہ کوئی مظلوم اپنے ظالم کے ظلم کو ظاہر کر دے جیسے کہ آگے کہا جائے گا کہ اگر تم معاف ہی کر دیا کرو تو بہتر ہے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ظالم کے ظلم کو بھی جہاں تک ہو سکے ٹالنے کی کوشش ہی کرو اور اگر نا قابل برداشت ہو جائے اور تم دل میں بہت تکلیف محسوس کرتے ہو کہ جب تک اس کا اظہار نہیں کیا جائے گا دل ہلکا نہیں ہوگا تو اجازت ہے کہہ لیا کرو۔

"وکان اللہ سمیعاعلیما" اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے، یہ صفت یہاں ذکر کردی جس میں مظلوم کو بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو بات بھی تم کرو گے ظالم کی شکایت کے طور پر اللہ اس کو سنتا ہے اور حالات کو بھی جانتا ہے کہ ظالم نے کتنا ظلم کیا، کتنا نہیں کیا اور تم اس کے مطابق بیان کرتے ہو یا بڑھا گھٹا کر بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے لہٰذا ظالم کے متعلق بھی بات اگر کہنی ہے تو پوری ذمہ داری سے کہنی ہے، اتنی بات ہی کہنی ہے جتنی واقع ہوئی ہے، اور اگر ایک کی دس دس بنا کر کہو گے اور اس طرح سے جھوٹے الزام اس پر لگانا شروع کردو گے اس مظلوم ہونے کے جذبے کے تحت آ کر تو اللہ تعالیٰ سب سنتا ہے، سب جانتا ہے پھر یہ جرم تم پر قائم ہو جائے گا۔

اللہ کی صفات کو اختیار کرنا:

"ان تبدوا خیرا" اگر تم اچھی بات ظاہر کرو، نیکی ظاہر کر کے کرو"او تخفوہ" یا تم اس کو چھپاؤ"او تعفوا عن سوء" یا کسی برائی سے تم درگزر کر جاؤ پس بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے، اس میں اصل کے اعتبار سے ترغیب دینی مقصود ہے "عفو عن السوء" سے کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برا برتاؤ کر ہی لیتا ہے تو حتی الوسع اس کو معاف کر دیا کرو چاہے انتقام لینے کی اجازت ہے لیکن معاف کر دینا بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی صفت ذکر فرمائی "عفو قدیر" یعنی اللہ تعالیٰ صاحب عفو ہے، درگزر کرنے والا ہے، قدیر ہے صاحب قدرت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کے اندر اگر کوئی شخص خلل ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ان سے انتقام لے لے، ہر طرح سے وہ قادر ہے لیکن اس قدرت کے باوجود اس نے عفو اپنی صفت قرار دے رکھی ہے کہ درگزر کر جاتا ہے، اکثر و بیشتر درگزر کر جاتا ہے کبھی کہیں پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ جو بندوں کے ساتھ چلتا ہے اس میں عفو کا معاملہ زیادہ ہے اور انتقام کبھی کبھی ہوتا ہے، گرفت کبھی کبھی ہوتی ہے تو یہاں جو صفات الٰہیہ ذکر کی گئی ہیں تو ان کے ذکر کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ تم بھی "تخلقوا باخلاق اللہ" کے تحت اللہ کے اخلاق اختیار کرو، اللہ کی عادات کو اپناؤ کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے اسی طرح سے اگر تمہیں ظالم پر قدرت بھی حاصل ہو جائے تو اس سے درگزر کرنے کی کوشش کیا کرو۔

یہ اخلاق عالیہ ایک بہت بڑا اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ جو ہمارے سامنے آئی ہوئی ہیں، اللہ کے اسماء کے تحت جو اس کی صفات مذکور ہیں ان صفات کے مطابق عمل اختیار کرنا اس کو" تخلقوا باخلاق اللہ" کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادات کو اپنانا یہ اخلاق عالیہ کا بہت بڑا اصول ہے یہاں بھی اسی طرح سے قدرت کے باوجود عفو یہ ہے اللہ تعالیٰ کا خلق، اور بندوں کو چاہیئے کہ اسی خلق کو اپنائیں جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا "یارب من اعز عبادك عندك" اے اللہ! تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا بندہ کون سا ہے؟ تیرے بندوں میں سے زیادہ باعزت تیرے نزدیک کون ہے؟ "قال من اذاقدر عفا" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک عزیز ترین بندہ وہ ہے کہ جو قدرت پانے کے باوجود معاف کردے، اور جب قدرت ہی نہ ہو انتقام لینے کی پھر تو معاف کرنا ہی کرنا ہے، مجبوری کا نام صبر ہے جیسے کہا کرتے ہیں، اور جو قابل تعریف بات ہے وہ ہے قدرت پانے کے باوجود معافی کہ تم قادر ہو گئے ہو اگر چاہتے تو تم اس سے انتقام لے سکتے تھے جس نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے اس کو تم نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن اس کے باوجود تم معاف کردو یہ اخلاق عالی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے انتقام لینے کی اجازت، معاف کردینا بہتر۔

اور اگر انتقام لینا ہو تو اس میں بھی پھر پابندی شرعی طور پر لگائی گئی کہ موازنہ برقرار رکھنا ہوگا یہ نہیں کہ جوش میں آکر تم اس کو زیادہ نقصان پہنچا دو اگر انتقام لینا چاہتے ہو "ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به" کہ جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اس کے برابر تکلیف پہنچا کر تم انتقام لے سکتے ہو لیکن اگر صبر کرلو اور معاف کردو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تو اس صفت کے یہاں پر ذکر کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے عفو اور قدیر کو ذکر کیا تو اس کا مقصد یہی ہے کہ جیسے اللہ قادر ہونے کے باوجود درگزر کرتا ہے معاف کرتا ہے تم بھی اگر اپنے ظالم پر قادر ہو جاؤ انتقام لینے کی تمہیں قدرت حاصل ہو جائے اور پھر تم درگزر کر جاؤ یہ زیادہ بہتر ہے۔

اہل کتاب کا کفر:

"ان الذین یکفرون بالله" یہ درمیان میں نصیحت کرنے کے بعد پھر وہی ذکر آ گیا کافروں کا، خصوصیت سے یہاں اہل کتاب کا کفر ظاہر کرنا مقصود ہے، اور مدینہ منورہ کے ساتھ چونکہ یہودی آباد تھے، اور یہود کے ساتھ تعلقات کی بناء پر بعض لوگوں نے نفاق اختیار کر رکھا تھا، تو جن لوگوں کی ان یہود کے ساتھ دوستیاں تھیں جب ان کے سامنے کفر کے عنوان کے ساتھ ان یہود کا ذکر آتا تو بعض لوگ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی تاویلیں کرتے ہوں کہ کافروں سے مشرکین مکہ مراد ہیں، اور یہ یہود کافر نہیں یہ تو اللہ کو مانتے ہیں، یہ تو آخرت کو مانتے ہیں، اللہ کے رسولوں پر ان کا ایمان ہے، اللہ کی کتاب ان کے پاس ہے تو ان کا کفر جو ہے وہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے، اس لئے ان کے ساتھ تعلقات میں کوئی خرابی نہیں، اہل علم میں سے ہیں، اور ساری چیزیں مانتے ہیں جتنی ماننی چاہئیں، مغالطہ دے سکتے تھے اور اسی طرح سے یہود بھی اپنے آپ کو مؤمنین میں شمار کرتے تھے کہ ہم بھی مؤمن ہیں کیونکہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اللہ کے رسول کو مانتے ہیں، آخرت کو مانتے ہیں، اللہ کی کتاب کو مانتے ہیں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ ہمارا جو اختلاف ہوا ہے وہ صرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لانے کے اعتبار سے ہی ہے کہ مؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اہل کتاب جو ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے، چاہے عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے عیسائی کہلائیں چاہے موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے یہود کہلائیں، موسوی کہلائیں فرق یہیں آ کر پڑا، ورنہ جتنے بھی اہل کتاب ہیں وہ آخرت کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ کے قائل ہیں اور توحید کے مدعی تھے اور اپنے خیال کے مطابق وہ مشرک نہیں تھے، کتاب کو مانتے تھے، فرشتوں کو مانتے تھے، جنات کو مانتے تھے، جتنی باقی ضروریات دین ہیں سب کو تسلیم کرتے تھے، لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر انکار کر دیا تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ یہی ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ رسولوں میں سے کسی ایک رسول کا انکار کرنے والا بھی بالکل اسی طرح ٹھوس اور پکا کافر ہے جس طرح سے کوئی سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار کر دے بلکہ ان کا کفر جو ہے وہ زیادہ غلیظ ہے بایں معنیٰ کہ یہ جاننے کے باوجود انکار کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کے نزول کو یہ مانتے ہیں اور باقی سب چیزوں کو مانتے ہیں اور ان کی کتابوں کے اندر پیش گوئیاں بھی موجود ہیں پھر بھی اگر یہ قرآن کو نہیں مانتے تو ان کا کفر اور بھی زیادہ نمایاں ہو گیا، لہٰذا ان کو بھی دوسرے کافروں کی طرح سمجھو، یہ نہیں کہ ان کے کفر کے اندر کسی قسم کی خفت ہے یا ہلکا پن ہے جیسے دوسرے کافر ہیں ویسے کافر یہ ہیں تو اس آیت کے اندر ان یہودیوں کے کفر کو زیادہ نمایاں کر کے ذکر کیا گیا ہے کہ پیچھے جو منع کیا گیا تھا کہ کافروں کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ مؤمنین کو چھوڑ کر تو کافرین کا مصداق یہ یہود بھی ہیں۔

"ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ" بے شک جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ فرق ڈال دیں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان کہ اللہ کو مانیں اور رسولوں کو نہ مانیں یا یوں کہتے ہیں کہ ہم انکار کرتے ہیں بعض کا اور ہم ایمان لاتے ہیں بعض کے ساتھ اپنی زبان سے کہتے تھے مثلاً یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے تھے باقی پیغمبروں کو مانتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے تو بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے تو یہاں ذکر یہ ہو گیا کہ اللہ کا انکار کرے کوئی تو وہی بات ہے، سارے رسولوں کا انکار کرے تو وہی بات ہے اور بعض کو مانے بعض کو نہ مانے تو وہی بات ہے یہ سارے کا سارا کفر ہے، ایسا کرنے والا شخص مومن نہیں، اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں بعض کے ساتھ اور کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور ایمان اور کفر کے درمیان میں راستہ نکالنا چاہتے ہیں کہ سب کو ماننا سب کا انکار کرنا اس کے درمیان درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ایسا کوئی راستہ نہیں یا تو انسان پوری طرح سے کافر ہوگا یا پوری طرح سے مؤمن ہوگا ایسا نہیں ہو سکتا کہ درمیان میں کوئی راستہ نکال لے، بعض کو مانے اور بعض کو نہ ماننے کی صورت میں مؤمن بن جائے ایسا کوئی راستہ نہیں ہے۔

منطقی اصطلاح میں ایمان موجبہ کلیہ اور کفر سالبہ جزئیہ ہے:

اس لئے فرمادیا "اولئك هم الكافرون حقا" یہ بالکل سچے پکے کافر ہیں جس کے کفر کے اندر کوئی کسی قسم کا شک نہیں ہے تو اس سے وہ اصول نکلتا ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنے والا بھی ایسے ہی کافر ہے جیسے سارے دین کا انکار کرنے والا، پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم کسی کو کافر کیسے کہیں وہ تو اللہ کو مانتا ہے، وہ تو کلمہ پڑھتا ہے، وہ تو حضور ﷺ کا نام لیتا ہے، وہ تو فلاں کام کرتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ایمان جو ہے اس کو اپنی اصطلاح کے اندر یوں سمجھ لیجئے جیسے موجبہ کلیہ ہے، تمام ضروریات کو ماننا یہ ایمان ہے اور موجبہ کلیہ کی نقیض آپ کے ہاں سالبہ جزئیہ ہے کہ اگر ایک فرد پر بھی وہ حکم ثابت نہ کیا جائے تو موجبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے تو ایمان ایجاب کلی کے درجے میں ہے کہ جتنی بھی ضروریات دین ہیں سب کو تسلیم کرو تو مؤمن بنو گے، کافر ہونے کے لئے سب کا انکار ضروری نہیں کافر ہونے کے لئے کسی ایک چیز کا انکار کردو گے تو سالبہ جزئیہ متحقق ہوگا جب سالبہ جزئیہ متحقق ہوگا تو ایجاب کلی ختم ہوگا، ایک چیز کے انکار کرنے کے ساتھ کوئی انسان ایسے ہی کافر ہوتا ہے جیسے کہ سارے دین کا انکار کرنے کے ساتھ کافر ہوتا ہے، تو عام طور پر جو اصول آپ کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے ضروریات دین والا تو اس قسم کی آیات سے یہ اصول نکلتا ہے کہ ساری ضروریات دین کو تسلیم کرنا یہ ایمان ہے اور اگر اس میں سے کسی ایک کا بھی انکار کردیا جائے تو ایسے ہی کفر ہے جیسے سارے دین کا انکار کردیا "واعتدنا للكافرين عذابا مهينا" اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اہل ایمان کی شان:

"والذين آمنوا بالله ورسله" اور جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں سب پر کسی کو نہیں چھوڑتے "لم يفرقوا بين احد منهم" ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے، فرق ڈالنا وہی ماننے نہ ماننے کے اعتبار سے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں ایسا فرق نہیں ڈالتے، بلکہ سب کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ لوگ مؤمن ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا، اس لئے ہم سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے والے مومن تبھی سمجھے جائیں گے جب کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو بھی مانیں، عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانیں، تو اگر کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے اور کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہے کہ جس کی نبوت دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے تو ایسی صورت میں حضور ﷺ کا نام لینا بھی کوئی مفید نہیں ہے وہ ویسے ہی کافر کا کافر ہے، ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے تو یہ لوگ مومن ہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اجور دے گا "وكان الله غفورا رحيما" اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ اتار دو تم ان کے اوپر کتاب آسمان سے پس تحقیق

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

سوال کیا انہوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز کا پھر کہا انہوں نے موسیٰ کو دکھا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا پھر پکڑ لیا انہیں

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

کڑک نے ان کے ظلم کے سبب سے ، پھر بنایا انہوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ ان کے پاس آگئے

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا

واضح دلائل پھر ہم نے اس سے بھی درگزر کیا ، اور ہم نے موسیٰ کو بہت واضح غلبہ دیا ﴿۱۵۳﴾ اٹھایا ہم نے

فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ

ان کے اوپر طور ان کے میثاق کے ساتھ اور ہم نے کہا انہیں داخل ہو جاؤ تم دروازے میں جھکتے ہوئے اور ہم نے انہیں کہا

لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

ہفتے کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور ہم نے ان سے بہت پختہ عہد لیا ﴿۱۵۴﴾ ان کے

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

اپنے عہد کو توڑ دینے کے سبب سے اور ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ کی آیات کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے وجہ سے انبیاء کو

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

ناحق اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل پردے میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ان کے کفر کی وجہ سے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

پس یہ نہیں ایمان لاتے مگر بہت کم ﴿۱۵۵﴾ اور ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے مریم پر بہتان لگانے کی وجہ سے

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

عظیم ﴿۱۵۶﴾ اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ بے شک ہم نے قتل کر دیا مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم کو جو رسول ہے

اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ

اللہ کا ، انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا ، بے شک

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

وہ لوگ جو عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس کی وجہ سے شک میں ہیں ان کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

سوائے خیالات کی اتباع کے ، یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا ۝۱۵۷ بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا ،

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا

اور اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے ۝۱۵۸ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

البتہ ضرور ایمان لائے گا اس کے ساتھ اس کی موت سے قبل ، اور وہ ہوگا قیامت کے دن ان کے خلاف

شَهِيْدًا ۝۱۵۹ۚ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ۝۱۵۹ ان لوگوں کے ظلم کے سبب سے جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کردیں ان پر

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝۱۶۰ۙ

پاکیزہ چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال کی گئی تھیں اور ان کے اللہ کے راستہ سے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے ۝۱۶۰

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ یہ روکے گئے ہیں سود لینے سے اور ان کے کھانے کی وجہ سے لوگوں کے مالوں کو

بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۶۱ لٰكِنِ

غلط طریقے سے ، اور ہم نے تیار کیا ہے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب ۝۱۶۱ لیکن

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ

وہ لوگ جو ان میں سے علم میں پختہ ہیں اور ایمان لانے والے ایمان لاتے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

آپ کی طرف اوراس چیز کے ساتھ جواتاری گئی آپ سے قبل اور جونماز کوقائم کرنے والے ہیں اور جوزکوۃ دینے والے ہیں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

اور جوایمان لانے والے ہیں اللہ کے ساتھ اور یوم آخرت کے ساتھ ، یہی لوگ ہیں کہ ہم عنقریب ان کو اجر عظیم دیں گے ﴿۱۶۲﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں یہود کا ذکر آیا تھا علی الخصوص جو بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کونہیں مانتے، ان آیات کے اندران کا ذکر کیا گیا تھا ''ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ الخ'' اس کا اولین مصداق یہود تھے جیسے آپ کے سامنے اس کی تفصیل آچکی، اور یہ رکوع جو آپ کے سامنے پڑھا گیا یہ اول سے لے کر آخر تک یہود کے احوال پر ہی مشتمل ہے اور اس میں ان کے کچھ جرائم شمار کرائے گئے جو قومی سطح کے ان کے اندر پائے گئے تھے، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو ان کا معاملہ تھا وہ ذکر کیا گیا ہے اور اس ذکر کرنے سے مقصد ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کے ساتھ ہر روز گڑ بڑ کرتے رہتے ہیں، نئے نئے اعتراضات اٹھاتے رہتے ہیں تو آپ اس پر تعجب نہ کیجئے، ان لوگوں کا مزاج یہی ہے اوران لوگوں کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ یہ حق کے مقابلے میں ہمیشہ حیلہ گو واقع ہوئے ہیں، اور جو ان کو حق کی تلقین کرنے کے لئے آتے ہیں ان کے مقابلہ میں ہمیشہ سرکشی کرتے ہیں، جماعتی سطح پر ان کا مزاج واضح کیا گیا ہے مختلف واقعات کی طرف اشارہ کر کے اور جتنے واقعات اس رکوع کے اندر ذکر کیے گئے ہیں یہ سارے کے سارے بالتفصیل سورۃ البقرۃ میں اور کچھ سورۃ آل عمران کے اندر گزر چکے ہیں اس لئے ان کی زیادہ تفصیل اور تشریح کی ضرورت نہیں ہوگی چونکہ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور یہود کے مطالبہ کی تردید:

جو سوال ذکر کیا گیا ہے ''یسئلك اھل الکتاب'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر ذکر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لکھی لکھائی کتاب دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام لکھی لکھائی کتاب لے کر آئے تھے، اگر آپ بھی اللہ کے رسول ہیں جس طرح سے آپ کہتے ہیں تو آپ بھی اسی قسم کی کوئی لکھی لکھائی کتاب لائیں تو ہم مان جائیں ورنہ یہ صورت جو آپ بتاتے ہیں اس کو تسلیم کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں،

آپ جانتے ہیں کہ یہ مطالبہ بالکل ناجائز ہے، اگر ہر شخص کی مرضی کے مطابق اس کے سامنے آیات اور معجزات ظاہر کیے جائیں تو کوئی نظم ٹھیک نہیں رہ سکتا، نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے مطلقاً معجزے کی ضرورت ہے اور جو کوئی شخص کہے کہ ایسا معجزہ دکھا دو ویسے ہی دکھایا جائے تب جا کر وہ ایمان لائے اور اس کی فرمائش پوری کر دی جائے یہ دروازہ نہیں کھولا جا سکتا، اللہ تعالیٰ کی حکمت جس طرح سے ہو اس طرح سے تو وہ آیات کو ظاہر کرتے ہیں اگر لوگوں کے مطالبے کو ہی اہمیت دے دی جائے کہ جیسا مطالبہ وہ کریں ویسے ہی کر کے دکھا دیا جائے تو ایسے موقع پر تو ہر شخص اللہ کی قدرت کا امتحان کرنے کے لئے بیٹھ جائے گا، کوئی کہے گا کہ میں تب مانوں گا سورج کو مشرق کی طرف سے چڑھاؤ، کوئی کہے گا کہ تب مانوں گا مغرب کی طرف سے چڑھاؤ، کوئی کہے گا شمال کی طرف سے لاؤ، کوئی کہے گا جنوب کی طرف سے لاؤ اور بالکل متضاد الٹ پلٹ قسم کے مطالبے شروع کر دیں گے، تو اس طرح سے بات بنا نہیں کرتی بلکہ بگڑ جایا کرتی ہے۔

آج بھی عدالت کا اصول ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے مدعی جو بھی دعوی کرے گواہ پیش کرے، جو گواہ وہ پیش کرے ان گواہوں کے اوپر جرح کرنے کا حق مدعیٰ علیہ کو ہوتا ہے کہ یہ معتبر ہیں کہ نہیں، یہ حق مدعیٰ علیہ کو کوئی عدالت بھی نہیں دیتی کہ مدعیٰ علیہ کی فرمائش کے اوپر گواہ پیش کیے جائیں کہ فلاں شخص گواہی دے تو میں مانوں گا، فلاں دے تو میں نہیں مانتا، گواہ متعین کرنے کا حق مدعیٰ علیہ کو نہیں ہوتا، گواہ پیش کرے گا مدعی باقی مدعیٰ علیہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ گواہوں پر جرح کرے کہ یہ معتبر ہے کہ نہیں، ان کی شہادت کے ساتھ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ نہیں، یہ بحث کرنے کا تو حق ہوتا ہے باقی وہ مطلقاً کہے کہ میں اس گواہ کی گواہی نہیں مانتا، فلاں شخص اگر گواہی دے تو میں مانوں گا، یہ حق مدعیٰ علیہ کو نہیں ہوتا۔

اسی طرح سے جو بھی نبی آیا اللہ تعالیٰ نے اس کی نبوت ثابت کرنے کے لئے معجزات دیے ان معجزات پر تو تم بحث کرو، اس میں معجزہ ہونے کی حیثیت کہاں تک ثابت ہے، کہاں تک ثابت نہیں، یہ مدعیٰ کو ثابت کرتے ہیں یا نہیں کرتے یعنی کہ دلالت اپنے مدعیٰ علیہ پر واضح ہے یا نہیں، یہ تو بحث کرنے کا حق ہے باقی یہ کہنا کہ فلاں کام کر کے دکھاؤ ہم تب مانیں گے یہ کہنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو پھر ہر شخص کی نئی نئی فرمائشیں ہوں گی اور دنیا کا اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اگر ہر کسی کے مطالبے کو یوں پورا کر دیا جائے، تو یہاں انہوں نے جو مطالبہ کیا تھا ایسے ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو لکھی لکھائی کتاب لائے تھے آپ بھی لائیں، یہ کوئی ضروری نہیں کہ کسی نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے آسمان سے لکھی لکھائی کتاب ہی اتاری جائے، اگر یہ دلیل مان لی جائے تو کس کس نبی کی نبوت کو آپ اس انداز سے ثابت کریں گے؟

بعض نے کتاب سے یہی مراد لیا ہے کہ لکھی لکھائی لاؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے تب مانیں گے اور بعض تفسیروں کے اندر روایت اس انداز سے نقل کی گئی ہے کہ یہود کے سردار کہنے لگے کہ ہمارے نام لکھا ہوا کوئی رقعہ اور کوئی تحریر لاؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ اللہ کی جانب سے فلاں شخص کے نام اور یہ ہمارا پیغمبر ہے یہ رسول ہے اور اس کو تم تسلیم کرو، اس قسم کی تحریر مراد ہوگی تو پھر یہ معروف کتاب مراد نہیں ہے اور یہ بھی ضد اور عناد ہے جس کو کہتے ہیں کہ نہ ماننے کے لئے بہانے بہت ہوتے ہیں کہ چونکہ تسلیم تو کرنا نہیں اس لئے اس قسم کا کوئی نہ کوئی اڑنگا لگا دو، نہ یہ ہمارا مطالبہ پورا کرسکیں گے اور نہ ہم مانیں گے، کہنے کے لئے بات ہمارے ہاتھ میں آجائے گی کہ دیکھو ہم نے تو ماننے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہمیں جس طرح سے اطمینان آئے وہ اس طرح کی دلیل ہی نہیں دیتے، اس قسم کے بہانے بنانے کے لئے اس قسم کی فرمائشیں کرتے تھے اور ایسی باتیں جب سامنے آتی تھیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی طور پر دکھ ہوتا تھا، تکلیف پہنچتی تھی ان کے اس طرز عمل سے تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے کیوں تکلیف محسوس کرتے ہیں ان کی تو فطرت یہی ہے۔

پہلے لفظوں کا ترجمہ یہ ہوا کہ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر کوئی کتاب اتاریئے، کتاب نکرہ ہو یعنی کوئی متعین کتاب لکھی لکھائی لے آؤ یا یہ ہے کہ کوئی تحریر لے آؤ ہمارے نام یہ لفظ دونوں قسم کی باتوں پر منطبق ہوتے ہیں جو تفاسیر کے اندر لکھی ہوئی ہیں آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب یا کوئی لکھی لکھائی تحریر ہم پر اتاریئے "فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذلک" یہ شیء کی صفت ہے آپ سے یہ اس قسم کا مطالبہ کرتے ہیں تو آپ اس میں تعجب نہ کریں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا، اپنے پیغمبر سے جس کا یہ خود کلمہ پڑھتے تھے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کیا تھا۔

یہود کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ اور بچھڑے کو معبود بنانا:

وہ بڑی بات کیا تھی؟ کہ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا آمنے سامنے دکھا تو مانیں گے ورنہ ہم نہیں مانتے، یہ پہلے مطالبہ کے مقابلہ میں بڑا مطالبہ ہے اور اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ کے اندر آچکا ہے۔

بڑا کیوں قرار دیا؟ بڑا اس طرح سے ہے کہ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب کا اترنا اس میں کوئی امتناع نہیں ہے نہ عقلی نہ شرعی، عقلاً ممکن ہے، شرعاً واقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر لکھی لکھائی کتاب آئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کا اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے دیکھا جانا شرعاً ممکن ہی نہیں، اور یہاں رہتے ہوئے انسان کی آنکھ اس بات کا تحمل کر ہی نہیں سکتی کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے تو اس مطالبے کے مقابلے میں یہ بڑا مطالبہ ہے اور اس سے جو اگلی بات کہی جا رہی

ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے ''فقالوا ارنا اللہ جھرۃ'' وہ کہتے ہیں کہ دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا، پھر پکڑ لیا ان کو کڑک نے ان کے ظلم کے سبب سے یعنی یہ جوانہوں نے زیادتی شروع کی اور اس قسم کے مطالبے کرنے شروع کیے طور پہاڑ پر جا کر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجلی گری تھی، جس کے مقابلے میں یہ سارے مر گئے تھے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو دوبارہ زندگی ملی تھی اس کی تفصیل پہلے آچکی آپ کے سامنے۔

''ثم اتخذوا العجل'' یہ اگلی بات آگئی یہ ثم جو ہے یہ تاخیر ذکری کہہ لیجئے یا یہ استبعاد کے لئے ہے ورنہ اتخاذ العجل کا واقعہ ترتیب کے لحاظ سے ان کے اس مطالبے سے پہلے کا ہے جو ترتیب واقعات کی آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں گذر چکی ہے اس میں یہ بات مذکور ہے کہ اتخاذ عجل یہ پہلے ہوا تھا اور ان کا یہ مطالبہ ''ارنا اللہ جھرۃ'' بعد میں ہوا تھا موسیٰ علیہ السلام طور پر جس وقت تشریف لے گئے ہیں چلہ کشی کے لئے، چالیس راتیں وہاں گزار کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب دے دی تھی اور اس وقت طور پہاڑ پر اطلاع دی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ''اضلھم السامری'' سامری نے گمراہ کر دیا اور ایک بچھڑا بنا کر ان کا ایک معبود کھڑا کر دیا تھا، یہ اطلاع اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ پر دے دی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے پیچھے یہ واقعہ پیش آگیا سورۃ طٰہٰ کے اندر اس کی زیادہ تفصیل آئے گی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تھے اور آکر ہارون علیہ السلام کو بھی تنبیہ کی تھی سامری کو بھی تنبیہ کی تھی، پھر سب نے توبہ کی تو سزا کے طور پر کچھ لوگ قتل کیے گئے اور کچھ مرتد ہو گئے تھے۔

اس تفصیل کے بعد پھر ان کے سامنے توراۃ پیش کی تھی تو توراۃ کو سن کر وہ کہنے لگے کہ ہم کس طرح یقین کریں کہ یہ اللہ کی کلام ہے؟ ہمیں تو یقین نہیں آتا تو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر ستر آدمیوں کو منتخب کر کے طور پہ لے گئے تھے کہ چلو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کہلوا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کہہ دیں کہ یہ کتاب میری ہے اس کو تسلیم کر لو، تو ستر آدمیوں کو جس وقت لے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز انہوں نے سن لی جس وقت آواز سن لی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا پتہ کون بول رہا ہے؟ سامنے آئے اور آکر سامنے بات کرے، جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہم یقین نہیں کرتے، تو جب وہ اتنے سر چڑھ گئے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بجلی آئی تھی جس کی بناء پر وہ مر گئے یا بے ہوش ہو گئے نیم مردہ ہو گئے تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کیا تھا تو واقعات کی ترتیب اس طرح سے ہے ان کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا اتخاذ العجل کے بعد ہے۔

اور یہاں ثم کے ساتھ اس کو ذکر کیا جا رہا ہے ''ثم اتخذوا العجل'' جس سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ

''ارنا اللہ جھرۃ'' پہلے پایا گیا اور اتخاذ العجل کا واقعہ بعد میں پیش آیا اس بات کو آپ کی خدمت میں سمجھا رہا ہوں کہ ثم یہاں یا تو تاخیر ذکری کے لئے ہے کہ چونکہ ان کی شرارتیں شمار کرنی ہیں اس میں تاریخی واقعات ترتیب کے طور پر بیان کرنا مقصود نہیں ہے یا یہ بطور استبعاد کے لئے ہے، استبعاد کا مطلب ہوتا ہے کہ اگلی بات پہلے سے بھی زیادہ بعید جو انہوں نے کہی انہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ ان کے پاس بینات آ گئیں۔

بچھڑے کی عبادت زیادہ بری ہے رؤیت باری تعالیٰ کے مطالبہ سے:

بینات کے آجانے کے بعد انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا یہ ''ارنا اللہ جھرۃ'' کے مطالبے میں بھی بڑی شرارت ہے بڑی کس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیۃ دنیا کے اندر رہتے ہوئے شرعاً ممتنع ہے کہ ان آنکھوں کے ساتھ بیداری میں انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا ''لن ترانی'' جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا ورنہ عقلاً ممکن ہے، عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں ہے، عقلاً امتناع نہیں اگر عقلاً بھی ممتنع ہوتی کہ ہو ہی نہیں سکتی تو موسیٰ علیہ السلام مطالبہ نہ کرتے کیونکہ نبی وقت کا اعقل الناس ہوتا ہے، نبی وقت کا سب سے عقل مند ہوتا ہے اور اگر یہ بات عقل کے تقاضے کے خلاف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام مطالبہ نہ کرتے موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ کرنا یہ علامت ہے اس بات کی کہ عقل اس بات کو گوارہ کرتی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اللہ نظر آجائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت شرعاً اس کے اوپر پابندی لگادی کہ ''لن ترانی'' تو مجھے دیکھ نہیں سکے گا۔

لیکن آخرت میں یہ رؤیت واقع ہوگی ویسے احادیث صحیحہ میں آیا ہوا ہے اور قرآن کریم کی آیات سے اشارے نکلتے ہیں کہ جنتی جس وقت جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رؤیت وہاں پائی جائے گی، آخرت میں یہ رؤیت واقع ہے وہاں اللہ تعالیٰ تجلی فرمادیں گے، اہل جنت کو جنت کے اندر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا میں تشریف لے گئے تھے معراج پر تو آپ کو بھی رؤیت اللہ کی ہوئی اگرچہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے بہرحال صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال موجود ہیں کہ اللہ کی رؤیت ہوئی، عالم بالا میں ہوسکتی ہے، عالم بالا وہی عالم آخرت ہے مکان کے اعتبار سے اگرچہ زمان آئے گا قیامت کے بعد لیکن مکان کے اعتبار سے وہ عالم آخرت ہے جو شخص بھی اس عالم آخرت میں پہنچ جائے گا تو اس کے اوپر آثار وہی طاری ہوجائیں گے جو آخرت والے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت عالم آخرت میں موجود ہیں اگرچہ زمان آخرت نہیں آیا، لیکن عالم آخرت میں موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ کوئی بیماری نہ کھانے کا احتیاج، جیسے گئے تھے ویسے واپس آجائیں گے، چاہے ہزار ہا سال گزر جائیں۔

اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت عالم بالا میں تشریف لے گئے تو آپ میں بھی وہی جنتیوں والے آثار

نمایاں ہوگئے، اللہ کی رؤیت ہو جائے تو کسی میں بھی اختلاف نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات انکار کرتے ہیں، بعض اس کا قول کرتے ہیں، اس سے بحث نہیں ہے کہ ان میں سے راجح قول کون سا ہے بہر حال رؤیت ممکن ہے آخرت میں واقع ہوگی، دنیا میں عقلاً ممکن ہے شرعاً ممکن نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ بچھڑے کو شریک کر لینا اور بشریت کے اندر الوہیت کو مان لینا یہ عقلاً بھی ممتنع شرعاً بھی ممتنع، نہ دنیا میں واقع نہ آخرت میں واقع، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں، کبھی ہو ہی نہیں سکتی، تو جو قوم اس طرح سے گڑبڑ کر رہی ہو جیسے عقل کے خلاف، نقل کے خلاف، فطرت کے خلاف وہ کام کر بیٹھتے ہیں اور اس قسم کے دعوے کرتے ہیں تو اگر آپ کی مجلس میں آ کر وہ اس قسم کے غلط مطالبے کرتے ہیں تو کون سی تعجب کی بات ہے ان سے تو اسی قسم کی باتوں کی توقع رکھی جا سکتی ہے، جیسے انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا اسی طرح سے اوٹ پٹانگ آپ کے ساتھ بھی ماریں گے تو ان کے اس قسم کے مطالبوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس طرح سے "ثم" استبعاد کے لئے آ گیا کہ ان لوگوں کی تو یہ بات ہے کہ بچھڑے کو معبود بنا لیا جس میں نہ کوئی عقلاً گنجائش نہ فطرت کے تحت گنجائش تو پہلی بات کے مقابلے میں دوسری بات زیادہ ہوگئی۔

پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو، کیا بنا لیا؟ مفعول محذوف ہے "باتخاذکم العجل" جیسے پیچھے آیا تھا وہاں بھی دوسرا مفعول محذوف تھا کہ پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو معبود "من بعد ماجاء تھم البینات" بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے، اللہ تعالیٰ کی توحید کے پھر بھی بچھڑے کو معبود بنا لیا "فعفونا عن ذلك" پھر ہم نے ان کو معاف کیا، معافی کا ذکر بھی سورۃ البقرۃ میں آ چکا، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو صریح غلبہ دیا اور صریح رعب دیا یا بہت واضح دلیل دی، اور اس سلطان مبین کا مصداق بھی آپ کے معجزات ہو سکتے ہیں ویسے رعب دبدبہ ہیبت بھی موسیٰ علیہ السلام کو بہت حاصل تھی۔

یہود کے بڑے بڑے جرم:

"ورفعنافوقکم الطور بمیثاقھم" یہ واقعہ بھی گزر چکا تو جب وہ ستر آدمی اٹھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ ان کو حیات مل گئی یا ان کی وہ بے ہوشی دور ہوگئی، پھر وہ آئے آ کے قوم کے سامنے بیان کیا کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ کتاب تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہہ بھی دیا، لیکن ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ جو مشکل معلوم ہو بے شک عمل نہ کرنا، تو بات کو سننے کے بعد پھر تحریف کر دی، جیسے واقعہ آپ کے سامنے پہلے آ چکا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر پہاڑ کو معلق کیا تھا اور کہا تھا کہو ہم پوری طرح سے اس کے اوپر عمل کریں گے، اور اگر تم اس قسم کا عہد نہیں کرتے تو پہاڑ گرا کر تمہیں پیس دیا جائے گا یہ بھی چونکہ ایک قسم کا ارتداد تھا، اور مرتد کو ایمان کی طرف

لانے کے لئے تشدد کیا جاسکتا ہے، تو پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہوں نے کتاب کا مطالبہ کیا کہ کتاب لاؤ تا کہ ہم اس کے اوپر عمل کریں اب یہ جو گڑ بڑ کر رہے تھے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کا ایک نمونہ دکھایا کہ یہ پہاڑ تمہارے سروں کے اوپر معلق ہے سیدھے ہو جاؤ ورنہ پھر اس کو گرا کر تمہیں پیس دیا جائے گا، تو یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، تو اپنی تسلیم کردہ کتاب اور اپنا نبی جس کے اوپر ایمان لائے ہوئے ہیں وہ کتاب لایا پھر انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تو پھر بھی آگے سے اس طرح سے گڑ بڑ کرنے لگ گئے۔

ان کی ایک تاریخ ہے، اس جماعت کی ایک فطرت ہے جو یہ آپ کے ساتھ یہ کجی کریں اور ٹیڑھا پن اختیار کریں تو کون سی حیرانی کی بات ہے؟ ہم نے اٹھایا ان کے اوپر پہاڑ کو 'بمیثاقھم" ان کے میثاق کے ساتھ یعنی میثاق لیتے ہوئے یا میثاق لینے کے لئے دونوں طرح سے تفسیروں میں ترجمہ موجود ہے اور کہا ہم نے انہیں داخل ہو جاؤ دروازے میں جھکتے ہوئے وہ جو شہر فتح کیا تھا اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے آگئی، اللہ تعالیٰ نے جس وقت ان کو بیت المقدس کے اوپر فتح دے دی تو کہا کہ اب شکرادا کرتے ہوئے، تواضع کے ساتھ، انکساری کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو جاؤ، جیسے حضور ﷺ نے جس وقت مکہ کو فتح کیا تھا تو روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ اونٹنی کے اوپر سوار تھے جب مکہ معظمہ میں گئے ہیں تو اتنا سر جھکا ہوا تھا کہ آپ کا سر مبارک آگے پلان کی لکڑی کے ساتھ لگ رہا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے تواضع انکساری کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا، احسان کیا اس طرح سے عاجزانہ طور پر شہر میں داخل ہوئے۔

ان کو بھی حکم اسی طرح سے تھا کہ شہر کے دروازے سے جھکتے ہوئے جانا اور وہ لفظ بولتے ہوئے جانا، حطۃ حطۃ، ہماری غلطیاں معاف کردی جائیں، ہمارے گناہ معاف کردیے جائیں، لیکن یہاں بھی انہوں نے معاملہ الٹ کردیا، الٹا اکڑے اور سرینوں کے بل چلے، سرینوں کے بل چلنے کی تفصیل بھی آپ کے سامنے عرض کردی گئی تھی کہ عام طور پر لوگ اس کا نقشہ یہی بنایا کرتے ہیں کہ شہر میں داخل ہوتے ہوئے وہ یوں سرینوں کو گھسیٹتے گھسیٹتے ہوئے شہر کے اندر داخل ہوئے یہ مذاق بنالیا عملاً بھی اور قولاً بھی حطہ کو حنطۃ بنالیا گندم گندم دانے دانے اس طرح کرتے ہوئے لفظ کو بھی بگاڑ لیا یعنی قول کو بھی بگاڑ لیا عمل کو بھی بگاڑ لیا، اس طرح سے شہر میں داخل ہوئے لیکن عام طور پر یہ مفہوم آپ سمجھتے ہیں کسی حد تک واقعہ کے مطابق نہیں ہے کہ ذکر تو کرنا ہے ان کی سرکشی اور تکبر کا، اور متکبر لوگ سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے شہر میں داخل نہیں ہوا کرتے، اس سے مراد ہے اکڑنا کہ جب انسان اچھی طرح سے اکڑتا ہے خوب اچھی طرح سے تو آپ بھی کبھی یہ دیکھ لینا نقشہ بنا کر کہ پیچھے چوتڑ نمایاں ہوجاتے ہیں انسان کے کہ جتنا انسان سینہ کو کھولے گا اور اکڑے گا اتنا سرین پیچھے کو نکلتے ہیں، پھر جب انسان اکڑ کر چلتا ہے تو سرینوں کی ہیئت بدل جاتی

ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ سرینوں کے بل چل رہا ہے یعنی اس کا سارا زور جو ہے وہ سرینوں پر پڑا ہوا ہے تو تحقیر کے طور پر یہ نقشہ بتانے کے لئے یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

اس طرح سے وہ اکڑ کر سینہ آگے نکال کر سرین پیچھے کو نکال کر حرکت دیتے ہوئے جو داخل ہوئے یہ ان کی متکبرانہ چال کا نقشہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے یعنی عملاً بھی انہوں نے سرکشی کی اور جوان کو قول تلقین کیا گیا تھا کہ تم نے حطۃ حطۃ توبہ توبہ کہتے ہوئے جانا ہے اس کو بھی انہوں نے بگاڑ دیا ہم نے کہا انہیں داخل ہو جاؤ دروازے میں جھکتے ہوئے، اور ہم نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا، اس کا ذکر بھی پہلے آپ کے سامنے ہو چکا، جس کے نتیجے میں پھر ان کو بندر بنا دیا گیا تھا، تفصیل اس واقعہ کی سورۃ اعراف میں آئے گی کہ ہفتہ کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی کچھ لوگ سمندر کے کنارے پر رہتے تھے مچھلیوں کے شکار کے عادی تھے ان کو روک دیا گیا تھا لیکن یہ باز نہیں آئے وہ واقعہ بھی تاریخ میں معلوم ہے اور کتاب اللہ کے اندر ذکر کر دیا گیا، اور تفصیل اس کی سورۃ اعراف کے اندر آ رہی ہے ہم نے انہیں یہ کہا تھا کہ ہفتہ کے دن میں تجاوز نہ کرنا۔

''اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا'' فبمانقضهم میثاقهم'' یہ با کا متعلق ظاہر نہیں کیا گیا گویا کہ ان کے جرائم کو دھڑا دھڑ شمار کیا جا رہا ہے باقی ان جرموں کا نتیجہ یہاں ذکر نہیں کیا گیا، نتیجہ واضح ہے، ''فبمانقضهم میثاقهم لعنٰهم'' ان کے اپنے عہد توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون کر دیا، یہ مغضوب ہو گئے، ان کے اوپر لعنت ہو گئی، ان کے اوپر غضب ہو گیا، وہ چیز چونکہ نمایاں تھی اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا گیا، صرف جرائم کی فہرست دی ہے اس باء کا متعلق لفظوں میں مذکور نہیں ہے ہم نے ان کو ملعون کر دیا عہد توڑنے کے سبب سے اور ان کے اللہ کی آیات کے ساتھ عہد کرنے کے سبب سے، اور ان کے انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے کے سبب سے، اور ان کے اس کہنے کے سبب سے کہ ہمارے دل پردے میں ہیں، اس کا مطلب بھی آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں آچکا، دل پردے میں ہیں کیا مطلب؟ کہ ہمارے دل یوں ماخوذ ہو گئے کہ اب غیر مذہب والوں کا ہمارے دل پر اثر نہیں ہوتا، ہم اپنے عقیدے میں اتنے ٹھوس ہیں، اس میں وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ہم اپنے نظریات میں ٹھوس ہیں، بالکل پختہ ہیں، کسی دوسرے کی بات ہم پر کوئی اثر نہیں کرتی گویا کہ ہمارے دل پردے میں ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ پردے وردے میں کوئی نہیں ہیں یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دل محفوظ ہیں اور ان کے دل کے اوپر غلاف چڑھے ہوئے ہیں کہ غیر بات، ناحق بات ان کے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی، یہ بات نہیں بلکہ ان کے دلوں کے اوپر مہر لگ گئی، حق کو قبول کرنے کا جذبہ ہی نہیں رہا، ان کے دل کے اندر ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں کو مطبوع کر دیا گیا ان کے اوپر مہر لگا دی گئی تو یہ تو دل مسخ ہو گئے کہ حق قبول کرنے کی صلاحیت

نہیں رہی اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں "قلوبنا غلف" ان کے کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل پردے میں ہیں غلاف میں ہیں "بل" سے اضراب ہوگیا یہ جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں ایک بات آگئی آگے پھر اسی طرح سے جرائم کی فہرست آرہی ہے، بلکہ مہر لگائی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر ان کے کفر کے سبب سے پھر یہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم، بہت کم ایمان لانے کی توفیق ہوتی ہے، اور کم ایمان قابل اعتماد نہیں یا ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے۔

یا کم ایمان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو بات ان کی مرضی کے مطابق آجائے وہ تو مان لیتے ہیں، اس کے مان لینے کا مطلب ہے کہ اس کا تو کوئی فائدہ نہیں، آگے پھر وہی جرائم اور ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اور ان کے مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم بولنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی، یہ مغضوب ٹھہرے، یہ ملعون ہیں، مغضوب ہیں۔

یہود کے ملعون ہونے کی وجوہات:

اور ان کے ملعون اور مغضوب ہونے کی وجہ جو ہے وہ ذکر کی جارہی ہے کہ انہوں نے کفر بھی کیا اور مریم علیہا السلام کے اوپر ایک بہت بڑا بہتان باندھا، وہ بہت بڑا بہتان کیا تھا؟ یہ تفصیل آپ کے سامنے سورۃ آل عمران میں آچکی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت چونکہ بواسطہ والد نہیں ہوئی تھی، ان کے والد موجود نہیں اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے کلمہ کن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وجود بخشا، اور یہود نے زبان درازی کی حضرت مریم علیہا السلام پر ان کو غلط بتایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب میں گویا کہ طعن زنی کی جیسے کہ اشارہ وہاں سورۃ مریم میں آئے گا "ما کان ابوك امرء سوء وما كانت امك بغيا" حضرت مریم علیہا السلام سے انہوں نے گفتگو کی تھی ابتداءً تو یہی کہا تھا کہ یہ تو کہاں سے لے آئی "لقد جئت شيئاً فريا" یہ تو تو بہت بری بات لے آئی، بہت بری چیز کا تو نے ارتکاب کیا تیرا باپ بھی اچھا آدمی تھا تیرا باپ تو برا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکارہ تھی، تو یہ کہاں سے لے آئی اس قسم کی باتیں کی۔

جس کے جواب میں حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام نے پھر پوری صفائی دی تھی اب یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں معجزہ ظاہر ہوا، اور اتنا قاطعہ معجزہ تھا کہ ان کے سب شبہات ختم ہوجانے چاہئیں تھے، لیکن یہ بدبخت جس بات پر اڑ جاتے ہیں تو پھر کسی چیز کو چھوڑنے پر تو آتے ہی نہیں تو اتنی صفائی ہونے کے باوجود، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس کی وضاحت ہوجانے کے باوجود، معجزانہ طور پر سارا معاملہ سامنے آنے کے باوجود پھر بھی انہوں نے اس بہتان عظیم سے توبہ نہیں کی تو یہ مریم علیہا السلام کے اوپر بہتان عظیم لگانا یہ مستقل ان کے اوپر لعنت کا باعث بنا، اور اس کی بناء پر یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے۔

قرآن کریم کا حکیمانہ انداز بیان:

"وقولھم اناقتلنا المسیح" اب یہاں انداز دیکھئے! مسئلہ آپ کے سامنے حیات مسیح کا آچکا سورۃ آل عمران میں یہاں تو صرف الفاظ کی طرف توجہ فرمائیے، پیچھے ذکر کیا قتلھم الانبیاء، ان کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کی وجہ سے تو جس کا مطلب ہے کہ قتل انبیاء علیہم السلام ایک واقعہ ہے، انبیاء علیہم السلام کو انہوں نے قتل کیا ہے، قتل انبیاء علیہم السلام کو سبب قرار دیا ہے ان کے اوپر لعنت اور غضب کا لیکن انبیاء علیہم السلام سے عیسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ کر دیا، اب یہاں یہ نہیں کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنا بھی ان کے لئے موجب لعنت ہو گیا، موجب غضب ہو گیا، بلکہ یہاں جو وجہ بیان کی ہے "وقولھم انا قتلنا المسیح" ان کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ان کا یہ کہنا باعث لعنت ہے ورنہ اگر یہ قتل کا واقعہ پیش آیا ہوتا تو یا تو اس کو اجمال میں رکھ دیا جاتا "وقتلھم الانبیاء" انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے قتل کیا، اور ان کی عادت ہے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کی اور قتل کیا کرتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اس میں قتل ہو گئے ہوں، قرآن کریم نے اجمال کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کو لپیٹ لیا۔

یہ مغالطہ نہیں پیدا ہونے دیا قرآن کریم نے اس لئے قتلھم الانبیاء کو علیحدہ بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ کچھ انبیاء علیہم السلام ایسے گزرے ہیں جن کو انہوں نے قتل کیا "یقتلون النبیین بغیر حق" یہ پہلے بھی آیا تھا یہ واقعات آتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو یہ قتل نہیں کر سکے، عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور کسی نبی کے متعلق اس طرح کا دعویٰ کرنا یہ بھی موجب لعنت ہے، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا واقعہ پیش نہیں آیا، صراحتاً نفی کر دی، اجمال میں نہیں چھوڑا اس کو تا کہ کسی کو کوئی مغالطہ نہ لگ جائے، اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا مسیح ابن مریم کو عیسیٰ بیٹا مریم کا اور مسیح ان کا لقب ہے، یہ لقب بھی پہلے گزر چکے، مسیح جو ماسیح کے معنی میں ہے مبارک اور عیسیٰ جو ہے وہ عیسو سے معرب ہے جس کا معنی ہے سید سردار اس قسم کے لفظ سریانی زبان کے ہیں اور ان کا معنی اس طرح سے ذکر کیا گیا۔

سورۃ آل عمران میں حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معانی ان کے ذکر کئے ہیں یعنی یہ کہنا ان کے لئے موجب لعنت ہو گیا، آگے رسول اللہ کا لفظ جو ہے اگر یہ یہود کی کلام میں ہو تو یہ قول کا مقولہ ہے یعنی وہ یوں کہتے تھے، "مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ" کو ہم نے قتل کر دیا، پھر تو رسول اللہ کا لفظ استعمال کرنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بطور استہزاء کے ہے وہی عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ کا رسول ہے تو یہ بطور استہزاء کے رسول اللہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں

ورنہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتے تھے، یا یہ رسول اللہ کا لفظ اللہ کی طرف سے بڑھایا گیا ان کے جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا وہ مسیح عیسیٰ بن مریم ہے کون؟ اللہ کا رسول، اللہ کے رسول کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ کا لفظ بڑھا دیا ان کی جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے "وماقتلوہ" انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا "وماصلبوہ" اور نہ انہوں نے اس کو سولی چڑھایا۔

قتل عیسیٰ علیہ السلام کے شبہات کے متعلق مختلف روایات:

"ولکن شبہ لھم" لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا، ان کے لئے شبہ واقع ہو گیا، قرآن کریم نے اتنی بات ہی کہی، حدیث شریف میں بھی اس کی صحیح روایات ہیں کہ شبہ ان کو کس طرح پڑ گیا تھا، شبہ میں یہ کس طرح سے ڈال دیئے گئے تھے، اشتباہ ان کے لئے کس صورت میں پیش آیا، مفسرین نے جو روایات نقل کی ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جو شخص قتل کرنے کے لئے گیا تھا، عیسیٰ علیہ السلام مکان میں تھے دو طرح سے روایت نقل کی گئی، ایک روایت تو اس طرح سے ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مکان میں بند تھے اور ان کا محاصرہ کر لیا گیا، ایک آدمی اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے گیا تو جس وقت یہ اندر چلا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو اٹھا لیا اور اس شکل کے اوپر شبہ ڈال دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا، اس کی شکل وصورت جو تھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی کر دی، تو جب یہ باہر نکلا تو لوگوں نے اسی کو پکڑ لیا اور پکڑ کر اس کو قتل کر دیا یا سولی پر چڑھا دیا، لیکن بعد میں جس وقت یہ ہنگامہ ختم ہوا تو سوچنے لگے کہ یہ تو عیسیٰ نہیں ہے، ظاہری شکل تو اس کی عیسیٰ علیہ السلام جیسی معلوم ہوتی ہے باقی بدن تو اس کا عیسیٰ علیہ السلام جیسا نہیں ہے اور اگر یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے تو ہمارا آدمی کہاں چلا گیا، اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں چلا گیا، اس طرح اشتباہ ہوا اور افواہیں پھیلیں کسی طرف کچھ اور کسی طرف کچھ یوں یہ شبہ میں پڑ گئے۔

یا ایک روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ ایک مکان کے اندر عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری موجود تھے جب اس مکان کا محاصرہ کر لیا گیا دشمنوں کی طرف سے، یہودیوں کی طرف سے اور وہ ان کو پکڑ کر قتل کرنا چاہتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار رہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور مجھے اللہ تعالیٰ بچالے وہ شخص جو اس وقت ان کے ہاتھ سے شہید ہو گا وہ میرے ساتھ ہو گا قیامت کے دن، ایک حواری نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا لباس اس کو پہنا دیا اور اپنی پگڑی

اس کے سر پر رکھ دی اور وہ باہر نکلا، جس وقت وہ باہر نکلا تو وہ سمجھے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے اور اس کو لے جا کر قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام اپنی جگہ محفوظ رہ گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھا لیا تو اس طرح سے ان کو اشتباہ پیش آ گیا۔

یا یہ ہے کہ اس وقت غلبہ تھا دشمنوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی ان کے ایسے حالات تھے نہیں کہ ان کی جماعت ان کے ساتھ ہو، جس وقت وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سارے کے سارے دشمن آئے تھے ان کو قتل کرنے کے لئے قتل پر وہ قادر ہو نہ سکے، اپنی خفت کو مٹانے کے لئے شہرت کر دی کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا، ہم نے اس کو سولی چڑھا دیا دوسرے لوگوں کے لئے اشتباہ واقع ہو گیا، جیسے کوئی فوج کسی جگہ کا یا کسی مکان کا محاصرہ کر لے اور قتل کرنے پر قادر نہ ہو وہ کسی طرح سے گم ہو جائے اور اپنی خفت مٹانے کے لئے کہیں کہ ہاں ہم اس کو قتل کر آئیں ہیں ہم نے اس کو دفن کر دیا، ہم نے اس کو سولی چڑھا دیا، اس قسم کے غلط پروپیگنڈے کے ساتھ دور والے لوگوں کو اشتباہ واقع ہو گیا، آخر لوگوں نے تو وہی بات ماننی تھی جس طرح سے لوگوں میں مشہور تھی جیسی خبریں ان کو پہنچیں تو وہ جھوٹ انہوں نے بولا جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے گئے تھے، دوسرے لوگوں کے لئے اشتباہ واقع ہو گیا کہ ہاں جی سولی چڑھا دیا گیا۔

جیسے آپ کے سامنے ابھی یہ واقعہ پیش آیا کہ بھٹو کو سولی چڑھایا گیا لیکن لوگوں نے یقین نہیں کیا، لوگ کہتے تھے نہیں جی اس طرح سے قصہ بنایا ہے، اسی طرح سے کہانی بنائی ہے، وہ تو پتہ نہیں کہاں پہنچ گئے، وہ تو آ جائے گا، یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا ایسی افواہیں جو لوگ پھیلایا کرتے ہیں تو یہ دوسرے لوگوں کے لئے بسا اوقات اشتباہ واقع ہو جاتا ہے، اب کوئی کہے گا کہ چڑھایا ہے کوئی کہے گا کہ نہیں چڑھایا اس طرح سے معاملہ خلط ملط سا ہو گیا تو "شبہ لهم" کی یہ ساری صورتیں ممکن ہیں، قرآن کریم میں ان میں سے کوئی صورت متعین نہیں کی گئی اس نے تو صرف یہی کہا ہے کہ لوگوں کے لئے اشتباہ ہو گیا، اسی لئے وہ غلط فہمی میں مبتلاء ہو گئے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا، سولی چڑھا دیا ورنہ بات صاف ہے "وماقتلوه وماصلبوه" نہ انہوں نے قتل کیا نہ انہوں نے سولی دیا۔

حیات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کفر ہے:

اس لئے حیات عیسیٰ علیہ السلام یہ قطعی مسئلہ ہے اور ضروریات دین میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور قیامت کے قریب وہ نازل ہوں گے، قرآن کریم میں جس طرح سے اشارہ موجود ہے یہ لفظ سورۃ الزخرف میں آتے ہیں "وانه لعلم للساعة فلاتمترن بها واتبعون" وہاں یہی ذکر کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے لئے علم ہیں یعنی ان کا نازل ہونا قیامت کے آنے کے

لئے ایک علامت بنے گا، اور اس سے پتہ چلے گا کہ قیامت آنے والی ہے تو قیامت کے لئے وہ علم ہیں یعنی ان کا آنا قیامت کے آنے کے لئے ایک علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا اور وہ قیامت کی علامت بنیں گے تو ان کا نزول آسمان سے یہ بھی قطعی ہے ضروریات دین میں سے ہے، جو شخص حیات عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر اور جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر، یہ عقیدہ قطعیات میں شامل ہے کہ آخر وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، اور آ کر اس امت کی امامت سنبھالیں گے، اور سرور کائنات ﷺ کی سنت کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کریں گے، عیسائیت کو باطل کریں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، اور اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ میں سے جو ایمان لے آئیں گے وہ تو بچ جائیں گے اور باقی جتنے لوگ ہوں گے وہ قتل کر دیے جائیں گے، اس وقت یا اسلام ہوگا یا تلوار، جزیہ جو ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا حدیث کے اندر یہ ساری کی ساری بات واضح ہے اور علماء امت نے اس کو ضروریات دین میں شمار کیا ہے۔

"وان الذین اختلفوا فیه" بے شک وہ لوگ جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس کوئی صاف ستھرا علم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں ہے سوائے خیالات کی اتباع کے، خیالات ہیں، بے دلیل باتیں ہیں جن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور مدلل بات علم کی ان کے پاس کوئی نہیں، بس یہی بات یقینی ہے کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا، اب اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے، مصلوب نہیں ہوئے تو عیسائیت سرے سے باطل ہو جاتی ہے موجودہ عیسائیت کا سارے کا سارا مدار عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر ہے، سارے کے سارا فلسفہ ان کا مذہبی جتنا ہے وہ سارے کا سارا اسی بنیاد پر کھڑا کیا ہے، "رفعه الله الیه" انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا یہ یقینی بات ہے بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

موت سے قبل اہل کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا:

"وان من اهل الکتاب" اس آیت کا مطلب دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے، اہل کتاب سے چونکہ اہل کتاب جماعت مراد ہے، ہر ہر فرد اس سے مراد ہے تو اس کا معنی یوں بھی کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق ہے آخر وقت کے ساتھ، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کی تفسیر یہی صحیح روایات میں آئی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور نازل ہونے کے بعد اس وقت جو اہل کتاب ہوں گے وہ ان کے اوپر ایمان لے آئیں گے، عیسائی وغیرہ جو ہوں گے وہ ان کی موت سے قبل ایمان لائیں گے، اور جو ایمان نہیں

لائیں گے وہ برباد ہو جائیں گے، بہر حال عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بعد میں ہوگا تو یہ واقعہ ثابت ہو جائے گا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ان کے متعلق غلط ہے، نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موت سے قبل، اس کا تعلق اس کے نزول کے تعلق کے ساتھ ہے یا یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت نزع کا عالم شروع ہوتا ہے اس وقت حقیقت ہر چیز کی منکشف ہو جاتی ہے، مؤمن آدمی پر اپنے ایمان کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ میں مؤمن ہوں اور اللہ کی رضا میرے ساتھ ہے، اس کو آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے، کافر کا کفر اس کے سامنے نمایاں ہو جاتا ہے پھر وہ سمجھ جاتا ہے کہ میں واقعی اللہ کا مغضوب ہوں اور میں کافر ہوں میرے کفر کی وجہ یہ ہے تو اس طرح سے یہودی ہوں یا نصرانی ان کو بھی اپنے ایمان کی حقیقت اس وقت معلوم ہوگی اور عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح حقیقت ان کے سامنے معلوم ہو جاتی ہے، اگرچہ اس وقت ان کا ایمان لانا ایسا ہی ہے کہ جیسے فرعون کے سر سے جب پانی گزر گیا تھا تو فرعون ایمان لایا تھا تو جب پانی سر سے گزر جائے تو ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس وقت اگرچہ بات وہ صحیح کہیں، حقیقت ان کے سامنے منکشف ہو جائے، وہ یقین بھی کرلیں لیکن اس وقت کا ایمان جو کہ مشاہدہ کے بعد ہوتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی وہ وقت گزر چکا ہوتا ہے، ایسے وقت میں جب جان کنی کا عالم شروع ہوتا ہے، آخرت کا عالم منکشف ہو جاتا ہے تو پھر اگر وہ مان بھی جائیں گے تو ایمان معتبر نہیں یہ مطلب اس کا ذکر کیا گیا ہے، اہل کتاب میں سے نہیں ہے کوئی بھی مگر ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی موت سے قبل اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

یہود کے ملعون ہونے کی دیگر وجوہات:

اور آگے پھر وہی ان کے جرائم ہیں یہودیوں کی طرف سے ظلم کے سبب سے جو انہوں نے بدکرداری اختیار کی تھی، ہم نے ان کے اوپر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں، اس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آرہی ہے اور ان کو اللہ کے راستے سے روکنے کے سبب سے یا تو روکنا بہت زیادہ یا بہت سارے لوگوں کو روکنے کے سبب سے کہ اللہ کے راستے سے یہ روکتے ہیں اور یہ ان کا روکنا یہ بھی سبب بنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر بہت ساری پاکیزہ چیزوں کو حرام کر دیا ہے، اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو سود لینے سے روکا گیا، اس میں تو بہت چابک دست واقع ہوئے ہیں یہود جتنا سودی کاروبار آج ان کا ہے شاید کسی کا بھی نہ ہو، اس زمانے میں بھی سارا سودی کاروبار یہی کرتے تھے، ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو سود لینے سے

روکا گیا ہے، توراۃ کے اندر بھی حرمت سود اسی طرح سے مذکور ہے جس طرح سے قرآن کریم میں اس کی حرمت کا ذکر آیا ہے، یہ سود کسی زمانے میں بھی حلال نہیں رہا، توراۃ میں ان کو روکا گیا تھا لیکن یہ باز نہیں آئے انہوں نے اس جرم کا بھی ارتکاب کیا، اور لوگوں کے مالوں کو ناحق کھانے کی وجہ سے، ناحق کھانا یا تو اس وجہ سے جو یہ کہتے تھے "لیس علینا فی الامیین سبیل" یہ امی ان پڑھ لوگوں کے لئے کوئی الزام نہیں جس طرح سے چاہیں ہم ان کا مال کھا سکتے ہیں اس لئے وہ امانتوں میں خیانتیں کرتے تھے، اور لوگوں کے مال جو تھے وہ کھا جاتے تھے، یا وہ مذہبی رشوتیں فیصلوں کے اندر رشوت اور چڑھاوے وصول کرتے تھے غلط مسئلے لوگوں کو بتا بتا کر جس کا ذکر قرآن کریم کی دوسری آیت میں آیا ہوا ہے "ان کثیراً من الاحبار والرھبان" کہ یہ درویش ہوں مولوی ہوں یا علماء ہوں لوگوں کے مال غلط طریقے سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

یہود کا انجام:

"واعتدنا للکافرین منھم عذابا الیما" منھم" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے جو کافر ہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے حالانکہ جن کا ذکر آرہا ہے وہ سارے کے سارے ہی کافر ہیں تو "منھم" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے جو لوگ آخر وقت تک کفر پر اڑے رہیں گے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے کیونکہ یہ کتنے ہی گندے ہوں، کتنے ہی حرام خور ہوں، کتنے ہی جھوٹے ہوں لیکن توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے، مرنے سے پہلے پہلے یہ بھی ایمان لے آئیں گے تو ان کے سارے جرائم معاف ہو جائیں گے، چنانچہ جو یہود مسلمان ہوئے ان کا شرف جو تھا مسلمانوں والا ان کو حاصل ہو گیا، اور پچھلے جرائم جتنے تھے وہ سارے کے سارے مٹ گئے، ہاں البتہ آخر وقت تک جو لوگ کفر پر اڑے رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے لیکن جو علم کے اندر پختہ ہیں، پختہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس علم کو اور شریعت کو ایک نمائشی کپڑے کی طرح نہیں پہنا ہوا کہ جب لوگوں کی طرف نکلے تو چولے پہن کر نکل آئے، تسبیحات پکڑ کر نکل آئے، زلفیں سنوار لیں، اور درویش بن کر آگئے کہ بڑے ماشاء اللہ پاک باز لوگ ہیں جس طرح سے ایک نمائشی جامہ ہوا کرتا ہے وہ نمائشی جامہ نہیں انہوں نے بنایا، بلکہ علم کے اندر ان کے قدم راسخ ہیں اور راسخ فی العلم وہی ہوا کرتا ہے کہ جس کا علم صحیح ہو اور پھر وہ اس کے مطابق عمل بھی کرے ٹھوس ہے ٹھوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ نہیں کہ خواہشات کی آندھی ان کو پروں کی طرح تنکوں کی طرح جدھر چاہے اڑا کر لے جائے، ماحول کے تقاضے ان کو جدھر کو چاہیں بھگا کر لے جائیں، خس و خاشاک کی طرح ایسے نہیں وہ پختہ لوگ ہیں، چٹانوں کی طرح وہ اپنے

مسلکوں کے اوپر ڈٹے رہتے ہیں حوادثات آئیں، خواہشات ابھریں، ماحول غلط ہو، ماحول موافق ہو یا ناموافق اپنے موقف پر پکے ہیں راسخ فی العلم لوگ۔

اور اگر کسی کے پاس علم تو ہے لیکن وہ ذرا سی آندھی ماحول کے خلاف آئی یہ اِدھر اُدھر کو اڑ گئے کسی طرف سے کوئی فتنے کا سیلاب آیا تو خس وخاشاک کی طرح اس کے سامنے بہہ گئے تو یہ علم ایک نمائشی علم ہوا کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا علم کے اندر راسخ قدم نہیں ہے، قدم راسخ ہوا کرتا ہے کہ علم کے تقاضے کے اوپر پکے ہیں، ہواؤں کے تھپیڑے لگیں، سیلاب کا زور چڑھ جائے، فتنے آجائیں، خواہشات نفسانی کے خلاف کرنا پڑے، وہ اپنی جگہ ٹھوس ہیں ان کے تقاضوں پر پکے ہیں، ہلتے نہیں ہیں، انہیں کہتے ہیں راسخ فی العلم تو ایسے لوگ ان میں بھی تھے جب حضور ﷺ کا ذکر سامنے آیا تو انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا جس طرح سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ لیکن وہ لوگ جو علم میں پختہ ہیں ان میں سے اور جو اپنی فطرت صحیحہ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کے اندر ایمان کی رمق باقی ہے اگر چہ اتنے راسخ فی العلم نہ ہوں یہ مومنون کا لفظ عام ہو گیا راسخ فی العلم وہ بھی مؤمن ہے لیکن بعضے ایسے بھی تھے جن کے عقیدوں کے اندر کوئی صحت باقی تھی۔

اگر چہ علم میں ان کو وہ رسوخ نہیں تھا وہ ایمان لاتے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اتاری ہے آپ کی طرف اور اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی آپ سے پہلے اور خصوصیت سے میں تعریف کرتا ہوں ان لوگوں کی جو کہ نماز قائم کرنے والے ہیں کیونکہ نماز کی پابندی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے ساتھ حق قبول کرنے کی انسان میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے، بشرطیکہ انسان نماز سوچ سمجھ کر پڑھے، اللہ کے سامنے تواضع اور اظہار سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے اس لئے گناہ چھوٹتے ہیں، نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے یہ نماز کی خاصیت ہے اور جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، نماز کی پابندی نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی بات کو بھی چھوڑ سکتے ہیں حق قبول کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی، اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اس لئے مال کی محبت میں مبتلاء نہیں بلکہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور یوم آخر کے ساتھ یہی لوگ ہیں کہ ہم ان کو عنقریب اجر عظیم دیں گے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ

بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے کہ ہم نے وحی بھیجی نوح اور نوح کے بعد کے انبیاء کی طرف اور وحی بھیجی ہم نے

إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس

وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ

اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف ، اور ہم نے داؤد کو زبور دی ﴿۱۶۳﴾ اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا بیان ہم نے کر دیا

عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ

آپ پر اس سے قبل اور بعض ایسے رسول بھی ہیں جو ہم نے آپ پر بیان نہیں کیے ، اور اللہ نے کلام کی

مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ

موسیٰ کے ساتھ خاص طور پر کلام کرنا ﴿۱۶۴﴾ ہم نے رسول بنائے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ باقی نہ رہے

لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

لوگوں کے لئے کوئی دلیل اللہ پر رسولوں کے بھیجے جانے کے بعد ، اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۱۶۵﴾

لَّـٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس چیز کے ذریعہ سے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اور اتاری بھی اپنی علمی شان کے مطابق ، اور فرشتے بھی

يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوا۟

گواہی دیتے ہیں ، اور اللہ گواہ کافی ہے ﴿۱۶۶﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا

عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدْ ضَلُّوا۟ ضَلَـٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟

اللہ کے راستہ سے تحقیق وہ بھٹک گئے بھٹکنا دور کا ﴿۱۶۷﴾ بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں

وَظَلَمُوا۟ لَمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾

اور ظلم کرتے ہیں نہیں ہے اللہ کہ بخشے انہیں اور نہیں ہے کہ ہدایت دے ان کو راستہ کی ﴿۱۶۸﴾

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

مگر جہنم کے راستہ کی ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے ، اور یہ بات اللہ پر

يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ

آسان ہے ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس رسول آ گیا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی طرف سے

فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

بس تم ایمان لے آؤ یہ بہتر ہوگا تمہارے لیے ، اور اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾

اور زمین میں ہے ، اور اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿۱۷۰﴾

تفسیر :

ماقبل سے ربط :

پچھلے رکوع میں ذکر آیا تھا اس سوال کا جو یہود کی طرف سے حضور ﷺ پر اٹھایا گیا تھا جس کی تفصیل آپ کے سامنے پچھلے سبق میں ہی کر دی گئی تھی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اتری ہے اسی طرح آپ بھی کوئی کتاب لائیں تب ہم مانیں گے ورنہ ہم نہیں مانیں گے یا بعض مفسرین کی رائے کے مطابق ان کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تحریر اتاریں جس میں آپ کی نبوت کا ذکر ہو اور نام بنام ہمیں خطاب کر کے کہا گیا ہو کہ یہ میرا رسول ہے اس کو مان لو، اس قسم کی کوئی تحریر آپ آسمان سے اتاریں گے تو ہم مانیں گے ورنہ ہم ماننے کے لئے تیار نہیں، اس قسم کے سوالات چونکہ وہ محض آپ کو تنگ کرنے کے لئے کرتے تھے ورنہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا ثبوت مطلقاً معجزات سے ہوتا ہے، کسی خاص معجزے کو متعین کر کے اس کے مطالبہ کرنے کا حق کسی کو نہیں کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا کہ لوگ جس قسم کا معجزہ مانگیں ویسے دکھایا جائے تب نبی کی نبوت ثابت ہو پھر دنیا کا نظم قائم نہیں رہ سکتا ایسے الٹ پلٹ مطالبے لوگ کرنے شروع کر دیں گے کہ جن کو اگر پورا کر دیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوگا، کوئی کہے گا سورج شمال کی طرف سے چڑھا کے دکھاؤ، کوئی کہے گا جنوب کی طرف سے چڑھا کے دکھاؤ، کوئی کہے گا کہ بارش کر کے دکھاؤ، کوئی کہے گا کہ سورج نکال کر دکھاؤ اس قسم کے الٹ پلٹ سوال جب ہوں گے تو یہ معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے عادت یہی رکھی ہے کہ نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لئے معجزات قائم

فرماتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ لوگ جس قسم کی دلیل کا مطالبہ کریں اور جیسے معجزے کا مطالبہ کریں ویسے ہی عطا کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے یہ عادت نہیں رکھی۔

اور اگر کبھی اظہار قدرت کے طور پر ایسا ہوا کہ لوگوں نے جیسا معجزہ مانگا ویسا عطا کر دیا گیا اس طرح سے صالح علیہ السلام کی قوم نے مطالبہ کیا تھا پتھر سے اونٹنی نکالنے کا تو اللہ تعالیٰ نے ویسا معجزہ صالح علیہ السلام کو دے دیا، تو پھر اللہ تعالیٰ کی عادت یہ رہی ہے کہ منہ مانگے معجزے کو دیکھ کر بھی اگر قوم نے تسلیم نہیں کیا تو پھر اس کے بعد اس قوم کو تباہ کر دیا جاتا ہے باقی نہیں رکھا جاتا، اور سرور کائنات ﷺ کی تشریف آوری کے بعد عمومی عذاب کے ساتھ لوگوں کو تباہ کرنا یہ اللہ کی حکمت نہیں تھی، اس لئے بہت ساری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ان کا منہ مانگا معجزہ ان کو نہیں دیا جا رہا کیونکہ اگر وہ معجزہ دے دیا گیا تو ان کا معاملہ ہی ختم ہو جائے گا ان کا کام ہی تمام کر دیا جائے، فیصلہ ہی ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں ہے کہ ان کو عمومی عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے تو پچھلی آیات میں سرور کائنات ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ بات کہی گئی تھی کہ اگر یہ اس قسم کے سوالات کرتے ہیں تو آپ گھبرائیں نہیں یہ ان کی پرانی عادت ہے، پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے اس طرح سے تنگ کیا تھا خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بڑی باتوں کا مطالبہ کیا۔

اور پھر جماعتی طور پر ان کا جو کردار ہے، انبیاء علیہم السلام کے معجزے دیکھنے کے بعد جس نبی پر ایمان لائے ان کے ساتھ بھی ان کا جس قسم کا معاملہ ہے وہ سارے کا سارا پچھلے رکوع کے اندر ذکر کیا گیا، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے کیسے واقعات گزرے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل آپ کے سامنے پچھلے رکوع کے اندر آئی ہے اس رکوع میں اسی مضمون کا تتمہ ہے۔

ہر نبی کو اللہ نے جدا جدا چیزیں عطا فرمائیں:

جس کا حاصل یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کوئی پہلے رسول یا نبی نہیں کہ ان کی نبوت اور رسالت کو پہچاننے کے لئے کسی قسم کی دقت پیش آئے بلکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ علیحدہ علیحدہ رہا، کسی کو کتاب دی، کسی کو صحیفہ دیا، کسی کو کوئی کتاب بھی نہیں دی، صحیفہ بھی نہیں دیا، ویسے وحی ان کے اوپر آئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہوئی اس طرح سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ معجزے دیے، کسی کو کوئی شان عطا فرمائی، کسی کو کوئی شان عطا فرمائی، لیکن مقصد ان سب کا متحد تھا کہ وہ لوگوں کو بشارت دینے کے لئے اور خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے آتے تھے کہ جو اللہ کے احکام کو قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے سامنے یوں اچھا نتیجہ لائیں گے، دنیا اور آخرت میں وہ فلاح اور کامیابی حاصل کرے گا، اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرے گا، دنیا اور آخرت کے

اندر وہ عذاب کا نشانہ بنے گا، اور اس قسم کے متحدہ مقصد کے لئے ان انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا اور اتنے نبی بھیجے کہ بعض کا ذکر تو قرآن کریم میں صراحتاً ہے اور بعض کا نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعداد متعین نہیں:

اس لئے اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کو متعین کر کے ایمان نہیں لایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنے نبی آئے ہم ان کو مانتے ہیں ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر آتا ہے لیکن وہ روایت اس درجے کی نہیں کہ اس کو عقیدے کی بنیاد بنایا جاسکے اس لئے ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی نبی آئے ہیں خواہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش ہم ان سب کو مانتے ہیں، صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے نبی بھیجے گئے، کتنے ان میں سے رسول بھیجے گئے، ایک روایت میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، لیکن چونکہ وہ خبر واحد ہے اور سند کے اعتبار سے بھی اتنی قوی نہیں اس کی بناء پر اس روایت کو متعین طور پر عقیدے کے لئے بنیاد نہیں بنایا جاسکتا کہ ہم کہیں کہ ہم ایک لاکھ چوبیس ہزار کو مانتے ہیں اور اس سے زیادہ کو نہیں مانتے، اور ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ کوئی دلیل قطعی نہیں ہے ظنی ہے ممکن ہے تعداد کچھ کم ہو ممکن ہے تعداد زیادہ ہو یہ احتمال اس کے اندر موجود ہے جیسے کہ حیثیت کم درجے کی روایات کی ہوا کرتی ہے، اس میں پھر خطرے کی بات ہے کہ تعداد کم ہو ہم زیادہ کو مان لیں یا تعداد زیادہ ہو ہم تھوڑے کو مان لیں۔

بالاجمال فرشتوں کی تعداد بھی متعین کر کے ایمان نہیں لایا جاتا کہ جتنے اللہ کے فرشتے ہیں ہم سب کو مانتے ہیں اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی جماعت کو بھی بالاجمال اس طرح سے مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے آئے ہم ان سب کو تسلیم کرتے ہیں ہم ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتے، ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا اس سے کم وبیش، تین سو تیرہ رسول ہوں یا اس سے کم وبیش، متعین تعداد کر کے نہیں بلکہ جتنے اللہ کی طرف سے آئے ہم ان کو تسلیم کرتے ہیں تعداد اتنی کثرت کے ساتھ ہے، مقصد ان سب کا تھا کہ ماننے والوں کو بشارت دی جائے اور انکار کرنے والوں کو خطرے سے آگاہ کر دیا جائے تعداد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر صراحتاً بیان نہیں کی جن کو وہ کچھ نہ کچھ پہچانتے تھے ان کا نام بنام ذکر کر دیا اور جن کو وہ لوگ پہچانتے نہیں تھے جن کا ذکر اذکار انہوں نے سنا ہوا نہیں تھا ان کا بالاجمال ذکر کر دیا بہر حال یہ آیت نص ہے اس بارے میں کہ انبیاء علیہم السلام صرف اتنے ہی نہیں آئے جن کا قرآن میں ذکر ہے بلکہ اس میں صراحتاً آ گیا کہ بعض ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے نہیں کیا اور بعض ایسے ہیں جن کا ذکر کر دیا گیا۔

اتمام حجت:

اوران کے آنے کا نتیجہ پھر یہ نکلے گا کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں کو حاضر کریں گے قیامت کے دن اوران سب سے پوچھیں گے کہ تم نے میری اطاعت کیوں نہیں کی اگر اللہ کی طرف سے رسول نہ آئے ہوتے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ تیرا راستہ ہمیں بتایا کسی نے نہیں تھا۔ یہ حجت وہ قائم کرسکتے تھے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں، اللہ تعالیٰ چونکہ ہر معاملہ عدل وانصاف کے ساتھ کرتا ہے تو رسول بھیج کر اللہ نے یہ حجت تام کردی اب ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی حجت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کردی۔اب کسی کے پاس کوئی کسی قسم کا عذر نہیں ہے "لئلایکون للناس علی اللہ حجۃ" کا یہ معنی ہے تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے کہ وہ یوں کہیں کہ ہمیں کوئی بتانے والا نہیں آیا اس لئے ہم سے غلطیاں ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے یہ عذر بھی ختم کردیا اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ اچھے انجام کو حاصل کرنے کے لئے وقت کے نبی پر ایمان لائیں اور جو حق وہ لے کر آئے اسے قبول کریں۔

اس لئے آگے "یاایھاالناس " کے ساتھ ایک عمومی خطاب کیا گیا اور سب لوگوں کو دعوت دی گئی سرور کائنات ﷺ کے اوپر ایمان لانے کی بلاتخصیص کسی فرقے کے، بلاتخصیص کسی قوم کے جو بھی الناس کا مصداق ہے جو انسان کہلاتا ہے سب کو خطاب کیا گیا ہے کہ اس کو مان لو اور اس ماننے کے اندر تمہارا بھلا ہے، اور اگر تم اس کا انکار کروگے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا نقصان اپنے آپ کا کروگے اس طرح سے سرور کائنات ﷺ کی تسلی بھی ہوگئی، اور یہ بنیاد بھی قائم کردی گئی کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کے لئے کسی ایک ہی معجزے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی کہ ہر کسی کو وہی معجزہ دیا جائے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مختلف قسم کے معجزے دیے، مختلف حالات تھے، ایسے ہی سرور کائنات ﷺ کو معجزہ دیا گیا اور یہ ایک علمی شان کا معجزہ ہے، یہ جو کتاب اتری ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کے اندر اترا ہے سب سے بڑا معجزہ حضور ﷺ کی اثبات نبوت کے لئے یہی ہے تو اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، اور یہ لوگ جو نہیں تسلیم کرتے سوائے ضد اور عناد کے ان کے پلے کچھ بھی نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی وحی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ:

تو انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ابتداء اس سے کی گئی کہ ہم نے آپ کی طرف ایسی وحی بھیجی ہے جیسی وحی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف بھیجی تھی حالانکہ ہمارے عقیدے میں سب سے پہلے نبی اس دنیا میں آدم علیہ السلام ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک متعدد نبی گزرے ہیں جن کا ذکر اگرچہ قرآن کریم میں صراحتاً نہیں ہے

لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے بھی بہت سارے نبی گزرے ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اس لئے نہیں کیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں آئے تھے تو دین حق لے کر آئے تھے، دین فطرت لے کر آئے تھے، آپ بھی اسی طریقے پر تھے اور جو بچے آپ کے پیدا ہوئے وہ ساری کی ساری اولاد حضرت آدم علیہ السلام کے طریقے پر تھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام اترتے تھے چونکہ وہ زندگی کی ابتداء تھی، دنیا آباد ہو رہی تھی، ابتدائی دور تھا تو اس میں ہدایات جو اللہ کی طرف سے اترتی تھیں وہ معمولی سی رہنے سہنے کے متعلق، کھانے پینے کے متعلق، ان کی راہنمائی کے لئے کہ یوں وقت گزارنا ہے، یوں زندگی گزارنی ہے اور ایسے احکام اللہ کی طرف سے ان کے اوپر نہیں آئے کہ جن کی موافقت مخالفت کا اس وقت قصہ چھڑا ہو۔

جیسے جیسے انبیاء علیہم السلام ہدایت دیتے تھے ویسے ویسے وہ لوگ اپنا وقت گزارتے چلے گئے اگر کسی نے کوئی نافرمانی کی، معصیت کی اس کو دنیا میں سزا ہوگئی یا آخرت میں اللہ تعالیٰ پکڑے گا جیسا کہ ہابیل اور قابیل کے قصہ میں آپ نے پڑھا اور سنا کہ ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو یہ بھی ایک جرم تھا دنیا میں بھی اس کے اوپر گرفت ہوئی اور آخرت میں بھی اس کے اوپر گرفت ہوگی، اس قسم کے جرائم اس وقت نہیں پائے گئے تھے، اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک دنیا کسی نہ کسی درجے میں آباد ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدت کے ساتھ احکام جو آئے ہیں وہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آئے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں کے اندر کفر و شرک بھی کچھ رواج پا گیا تھا تو سب سے پہلے نبی جو کفر اور شرک کی تردید کے لئے دنیا کے اندر مبعوث کئے گئے ہیں وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انہوں نے شرک کی تردید کی اور توحید کے اوپر دلائل دیے اور ان کے وعظ و نصیحت کی مخالفت کی بناء پر قوم کو تباہ کیا گیا، ان کے اوپر ایک عمومی عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ کی اس دنیا کے اندر عمومی گرفت کا سلسلہ جو ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہوا، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی چونکہ رد شرک پر مشتمل ہے، رد کفر پر مشتمل ہے اور آپ کی وحی کے قبول کرنے میں فلاح دارین ہے اور آپ کی وحی کی مخالفت کرنے میں ڈرایا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے عمومی عذاب آسکتا ہے اس لئے آپ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام کی وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی، اور حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے بعد کے سلسلے کے وحی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی کیونکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی وحی تھی، اور احکام کی شدت رد شرک، رد کفر اور دیگر احکام حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تشبیہ جو ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہے پہلے دور کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام کا اجمالی ذکر اور بعثت کا مقصد:

"انا اوحینا الیک" ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے کہ وحی کی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف، اس تشبیہ کی وجہ آپ کے سامنے ذکر کردی گئی اور نوح علیہ السلام کے بعد نبیوں کی طرف، ان نبیوں کی تعداد نہیں ذکر کی گئی کہ النبیین کا مصداق کتنے لوگ ہیں نبیوں کی جماعت میں سے جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر اہل کتاب میں تھا یا اہل کتاب کی زبانی مشرکین بھی سنتے رہتے تھے کسی نہ کسی درجے میں ان کا تعارف تھا اور ان کی طرف وہ لوگ اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے تو ان کا ذکر اس النبیین میں خصوصیت کے ساتھ کردیا یہ ذکر خاص بعد العام ہے، اور جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے، یہ بھی کما کے نیچے داخل ہے، ابراہیم علیہ السلام کی طرف، اسماعیل علیہ السلام کی طرف اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی طرف، اسباط یہ سبط کی جمع ہے اولاد کو کہتے ہیں، اس کا مصداق ہوتا ہے اولاد یعقوب کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد آپ کی اولاد جو پھیلی تو بہت کثرت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اولاد یعقوب علیہ السلام میں ہوئے ہیں، جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے اولاد یعقوب علیہ السلام کی طرف اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون اور سلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور دی، ان کو بھی چونکہ خصوصیت کے ساتھ کتاب ملی تھی تو ان کا ذکر علیحدہ کردیا گیا، زبور سے یہاں وہی کتاب مراد ہے جو ان کو دی گئی تھی، اور بھیجا ہم نے رسولوں کو کہ جن کا بیان ہم نے آپ کے اوپر اس سے قبل کیا اور کچھ رسول ایسے بھی ہیں کہ ہم نے ان کا بیان آپ پر نہیں کیا، ہم نے ایسے رسول بھیجے کہ جن کا بیان ہم نے آپ کے اوپر کردیا اس سے قبل یعنی ان آیات کے نزول سے قبل یا سورۃ کے نازل ہونے سے قبل مکی زندگی میں ہم نے آپ پر کچھ رسولوں کا تذکرہ کیا اور ایسے رسول بھی بھیجے جن کا ذکر ہم نے آپ پر نہیں کیا۔

اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام کی، اس کا ذکر بھی آپ کے سامنے آگیا، اور یہ کلام بھی مشافہۃ روبرو نہیں تھی بلکہ من وراء الحجاب تھی، بہر حال ہوئی فرشتے کی وساطت کے بغیر، طور پہاڑ پر جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے جس کی تفصیل آپ کے سامنے دوسری سورتوں میں آئے گی، آگے ان کے بھیجے جانے کا مقصد ہے متعین طور پر کہ ہم نے ان سب کو رسول بنایا تھا بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر "مبشرین ومنذرین" اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور ڈرانے والے تھے "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ" اور تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے ان رسولوں کے آجانے کے بعد۔ یا اللہ کی طرف سے رسولوں کے بھیجے جانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے، اس حجت سے وہی حجت مراد ہے جیسے میں نے آپ کی خدمت میں عرض کردیا کہ جب اللہ کی طرف سے گرفت

ہوگی تو وہاں یہ نہ کہنے پائیں کہ ہمیں سمجھانے والا کوئی نہیں آیا، اگر ہمیں کوئی بتانے والا آجاتا، تیرے راستے کی نشاندہی کرتا تو ہم اس کو قبول کرتے اور ہم اس راستے پر چلتے اس لئے ہم معذور ہیں کہ ہمارے سامنے حق واضح نہیں ہوا، اس قسم کی حجت جو لوگ قائم کر سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کر دیا تا کہ لوگوں کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہے، اللہ کے مقابلے میں رسولوں کے آجانے کے بعد یا رسولوں کے بھیجے جانے کے بعد، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اگر وہ بغیر ارسال رسول کے بھی پکڑ کے عذاب دے دیتا تو بھی اس کو روکنے والا کوئی نہیں لیکن وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لئے اس کی حکمت کا تقاضہ یہی ہوا کہ بندوں پر اتمام حجت کیا جائے اور اس اتمام حجت کے بعد پھر ان کے اوپر گرفت کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے گواہ:

"لکن اللہ یشھد" اس لکن کا مطلب یہ ہے کہ نبوت تو آپ کی بھی ثابت ہے جس طرح سے ان انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہے جن کا ذکر پہلے آیا ہے اور اگر یہ لوگ نہیں مانتے، تکذیب کرتے ہیں تو کرتے رہیں لیکن اللہ تو گواہی دیتا ہے آپ کی نبوت کی اور گواہی دیتا ہے اس چیز کے ذریعے سے جو آپ کی طرف اتاری اور اتاری بھی اپنے علم کے ساتھ، اس سے یہی کتاب مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا علم نازل کیا، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہ کافی ہے، اللہ کی گواہی کے بعد کسی اور کی گواہی کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے آپ کی نبوت ثابت ہے، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ کسی قسم کے غم میں مبتلا نہ ہوں یہ الفاظ بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے بتادیے گئے، اب مخالفت کرنے والوں کا برا انجام ظاہر کر دیا گیا کہ جو آپ کی نبوت کو نہیں مانتے، آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے ان کا یہ انجام ہوگا، بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور پھر اللہ کے راستے سے روکتے بھی ہیں جیسے اس وقت اہل کتاب کی حالت تھی، اور ایسے ہی مشرکین، مکہ کے رؤساء، تحقیق وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے، بھٹک گئے بھٹکنا بہت دور کا، بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں نہیں ہے اللہ کہ بخشے انہیں، ان کافروں کی بخشش نہیں ہوگی آخرت میں اور نہیں ان کو کسی راستے پر چلائے گا مگر جہنم کے راستے پر، جہنم کے راستے کے علاوہ اللہ ان کو کسی راستے پر نہیں چلائے گا یعنی ایسے راستے پر چلائے گا کہ یہ جہنم میں جا گریں گے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہ بات اللہ پر آسان ہے یعنی اتنے لوگوں کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دینا، جہنم کے راستے پر چلانا یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت:

اب آگے عمومی طور پر سب انسانوں کو خطاب کر کے سرور کائنات ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے نہ اس میں کسی قوم کی تخصیص ہے، نہ اس میں کسی فرقے کی تخصیص ہے، اے لوگو! "قد جاء کم رسول بالحق" تحقیق تمہارے پاس رسول آ گیا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی طرف سے ایمان لے آؤ اس رسول پر یہ ایمان لانا تمہارے لئے بہتر ہے یا ایمان لے آؤ اپنے لئے بھلائی کا قصد کرو، اور اگر تم کفر کرو گے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے اس میں نقصان تمہارا ہی ہے "فان لله مافی السمٰوٰت والارض" پس بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تو جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے تمہارے ایمان لانے سے اس کا کوئی فائدہ نہیں، اور تمہارے کفر کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں، اس لئے ایمان لانے میں تمہارا ہی بھلا ہے اور اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے انکار کرو گے تو اس میں نقصان تمہارا ہی ہے "و کان الله علیما حکیما" اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ

اے کتاب والو! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور نہ بولو اللہ پر مگر حق ،

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ ج

سوائے اس کے نہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلمہ ہے ،

أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ قف

وہ کلمہ اللہ نے ڈالا مریم کی طرف اور اللہ کی طرف سے وہ ذی روح ہے ، پس تم ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ،

وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ انتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ

اور ثلثہ نہ کہو ، باز رہو بہتر ہوگا واسطے تمہارے ، سوائے اس کے نہیں اللہ الٰہ واحد ہے ، وہ پاک ہے اس بات سے کہ ہو

لَهُۥ وَلَدٌ ۘ لَّهُۥ مَا فِى السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾ ع

اس کے لئے اولاد ، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ، اور اللہ کارساز کافی ہے ﴿١٧١﴾

لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَٰٓئِكَةُ

ہرگز عار نہیں کرتے مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے اور نہ فرشتے

الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِۦ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

مقرب ، اور جو اللہ کی عبادت سے عار کرے اور تکبر میں مبتلا ہو جائے پھر عنقریب اللہ ان سب کو جمع کرے گا

إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٧٢﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ الصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ

اپنی طرف ﴿١٧٢﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پس پورے دیں گے اللہ ان کو

أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِۦ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا۟

ان کے اجر اور زیادہ دے گا انہیں اپنے فضل سے ، اور وہ لوگ جنہوں نے عار کی

وَاسْتَكْبَرُوا۟ فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم

اور تکبر کیا اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا ، اور نہیں پائیں گے وہ اپنے لیے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ کے علاوہ کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار ﴿۱۷۳﴾ اے لوگو! تحقیق آ گئی تمہارے پاس

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

مضبوط دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتار دیا تمہاری طرف ایک واضح نور ﴿۱۷۴﴾ پھر جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ

اللہ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور اس کو مضبوطی سے تھامتے ہیں پس عنقریب داخل کرے گا انہیں اللہ اپنی طرف سے رحمت میں

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ

اور فضل میں ، اور راہنمائی کرے گا ان کی اپنی طرف سیدھے راستے کی ﴿۱۷۵﴾ وہ آپ سے پوچھتے ہیں،

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالۃ کے بارے میں ، اگر کوئی شخص ہلاک ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو

وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اور اس کی بہن ہو تو اس بہن کے لئے اس چھوڑے ہوئے ترکے کا نصف ہوگا، اور وہ بھائی اس بہن کا وارث بنے گا اگر نہ ہو

لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ

اس بہن کی اولاد ، اور اگر وہ بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کے لئے دو ثلث ہیں اس مال میں سے جو اس نے چھوڑا ، اور اگر

كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

وہ بہن بھائی مرد اور عورت اکٹھے ہیں تو پھر مذکر کے لئے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر ،

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

اللہ وضاحت کرتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ ، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے متعلق علم رکھنے والا ہے ﴿۱۷۶﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

یہ سورۃ اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے آپ کے سامنے تفصیل گذر چکی کہ پچھلی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زیادہ تر یہود کا تذکرہ کیا تھا اہل ایمان کے علاوہ اہل کتاب میں سے یہود کا تذکرہ اس سورۃ کے اندر زیادہ آیا ہے اور آئندہ آیات میں نصاریٰ کو خطاب کر کے کچھ دین حق کی تفہیم کی جارہی ہے۔

نصاریٰ کا مختصر تعارف:

نصاریٰ وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق ہیں اور ہم ان کو اسی طرح سے اللہ کا رسول مانتے ہیں جس طرح سے سرورکائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے مبعوث تھے اور ان کو کتاب بھی عطا کی گئی تھی ان کا یہ امتیاز آپ کے سامنے سورۃ آل عمران میں وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے، حضرت مریم علیہا السلام ولیہ صالحہ اللہ کی نیک بندی ان کے اوپر اللہ کی قدرت اثر انداز ہوئی، اور جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، نفخ جبرئیل یعنی انہوں نے آکر گریبان میں پھونک ماری اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے اثر سے یعنی عام انسان جو ہیں وہ پیدا ہوتے ہیں ظاہری طور پر نطفہ رحم میں القاء ہوتا ہے پھر اللہ کے کلمہ کن کا اثر قبول کر کے وہ بچہ بنتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت صرف کلمہ کن سے ہوئی اور اس میں نطفہ مرد کو واسطہ نہیں بنایا گیا اس لئے ان کو براہ راست کلمہ کن کی پیداوار قرار دیا گیا گویا کہ اللہ کے کلمے کا یہ ظہور ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے بنادیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا یہی مثال آئی تھی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" کچھ ایسے الفاظ آئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔

تو یہ وضاحت ہوجانے کے بعد عیسائیوں کو چاہیئے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی درجہ پر رکھتے جو درجہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا کہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، اللہ کے مقرب بندے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، نبی ہیں، صاحب کتاب ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح القدس کے ساتھ ان کو تائید حاصل ہے، اس عقیدے پر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرتے اور ان کے بیان کے مطابق توحید کو اختیار کر کے اللہ کی عبادت کرتے، عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے تو جس درجے پر تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس درجے پر ان کو رکھا جاتا، ان کی تعلیم کے مطابق جب تک کہ نیا رسول نہ آتا انہیں کی شریعت پر چلتے اور جب نیا رسول آجاتا تو ان کی نصیحت کے

مطابق اس آنے والے رسول کو مان لیتے، اگر وہ یہ طریقے اپناتے تو یہ صراط مستقیم ہے، دنیا کے اندر ہدایت یافتہ ہوتے اور آخرت میں وہ اللہ کے ہاں اجر و ثواب پاتے لیکن عیسائیوں نے اور نصرانیوں نے دنیا کے بارے میں غلو اختیار کیا یعنی دین کی باتوں کو ان کے ٹھکانے پر نہیں رہنے دیا، غلط باتیں جھوٹ کی آمیزش کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت کی گئی کہ یہ سب کچھ اللہ کا بیان کیا ہوا ہے اور خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کے بارے میں وہ بہت حد سے نکل گئے جس درجے کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اس درجے پر نہیں رہنے دیا۔

جس طرح سے یہود تفریط کر کے کافر ہوئے، نصاریٰ جو تھے وہ افراط کے درجے میں کافر ہو گئے، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، یہ عقیدہ بھی ان میں سے بعض کا تھا اور بعض جو تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہی اللہ کہتے تھے ابن اللہ کا عقیدہ بھی تھا "ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" کا عقیدہ بھی بنایا اور "ان اللہ ثالث ثلثۃ" کا عقیدہ بھی بنایا کہ تین میں سے ایک ہے، یہ ان کے عقیدے قرآن کریم کے اندر ذکر کیے گئے، جب وہ تین میں سے تیسرا کہتے تھے اللہ کو تو دو جو ساتھ شامل کرتے تھے بعض روح القدس کو ساتھ شامل کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور بعض مریم علیہا السلام کو شامل کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو، تو اللہ تعالیٰ مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام یہ ثلاثہ ہو گئے، یا اللہ تعالیٰ عیسیٰ اور روح القدس یہ ثلاثہ ہو گئے، یہ ہے عقیدہ ان کا تثلیث کا، اور پھر چونکہ انجیل کے اندر صراحتاً توحید بھی مذکور ہے تو انہوں نے ایک اصول بنالیا کہ تین ایک ہے اور ایک تین ہے اور اس قسم کی پہیلیوں میں پڑ کر انہوں نے اپنا دین جو تھا وہ سارے کا سارا خراب کر لیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشریت سے نکالا، انسانوں کی صف سے نکالا اللہ کی اولاد قرار دیا، اللہ کی طرح قدیم قرار دیا، اللہ کی طرح قادر مطلق قرار دیا یہ عقیدہ اختیار کر کے وہ عقیدہ توحید سے نکل گئے، اور وہ کافر ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو یہی تعلیم دی ہے کہ اس غلو سے باز آ جاؤ اور غلو سے باز آنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق وہی بات کہو جو کہ صحیح طور پر دلیل کے ساتھ ثابت ہے اپنی طرف سے اس میں آمیزش نہ کرو۔

گذشتہ امتوں کے نقش قدم پر چلنا:

اور یہ غلو کی بیماری تقریباً تمام امتوں میں ہوئی کہ عقیدت میں آکر وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو، اپنے اولیاء کو، اپنے مشائخ کو، اپنے اساتذہ کو، بسا اوقات اسی طرح سے بڑھاتے ہیں کہ ان کو ان کی حد پر نہیں رہنے دیتے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اسی غلو سے ڈرایا اور بہت سارے مختلف طریقوں کے ساتھ اللہ نے وضاحت کی، بعض روایات میں آتا ہے کہ تم لوگ بھی پہلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے جیسی باتیں انہوں نے کیں ویسی تم بھی کرو گے، اور اتنی مطابقت ہو گی تمہاری باتوں میں ان کی باتوں کے ساتھ کہ اگر ان میں سے کوئی شخص گوہ کی

بل (سوراخ) کے اندر گھسا ہوگا تو تم بھی گوہ کی بل کے اندر گھسو گے، مشکوٰۃ شریف میں روایت موجود ہے اور ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شخص ایسا ہو کہ جو اپنی ماں کے پاس اعلانیہ آتا تھا میری امت میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی ماں کے پاس اعلانیہ آئیں گے "حسب نعل بنعل" جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق ہوتا ہے اس طرح سے تمہاری پہلی امتوں کے ساتھ مطابقت ہوگی کہ جس قسم کے نظریات وخیالات ان میں پیدا ہوئے تمہارے اندر بھی اسی قسم کے خیالات اٹھیں گے اور چمکیں گے۔

اور فرمایا کہ پہلے لوگ جو تھے وہ تو بہتر فرقوں کے اندر بٹے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی چونکہ وہ تو بہتر کے بہتر ہی گمراہ ہوئے ہمارے ہاں بہتر گمراہ ہوں گے اور ایک اہل حق میں سے ہوگا اس اہل حق والے فرقے کو شمار کر کے تہتر بن جائیں گے تو بیماری جوان لوگوں کے اندر تھی غلو والی یہی ہماری اس امت کے بعض فرقوں میں آئی اور اس غلو کی بناء پر وہ بھی صراط مستقیم سے بھٹک گئے جس طرح سے پہلے نصاریٰ وغیرہ بھٹکے غلو اختیار کرنے کی وجہ سے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی حدیں:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخاری شریف میں بھی روایت آتی ہے اور مشکوٰۃ شریف میں بھی آتی ہے کہ میری تعریف کے اندر اس طرح سے مبالغہ نہ کرنا جس طرح سے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف کے اندر مبالغہ کیا، میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور "عبداللہ ورسولہ" کہا کرو دو لفظ بیان فرمائے، اس کا یہ معنی نہیں کہ "عبداللہ ورسولہ" کے علاوہ کچھ کہنا درست نہیں ہے جیسے سید الرسل کہتے ہیں، فخر الرسل کہتے ہیں، امام الانبیاء کہتے ہیں، سرور کائنات کہتے ہیں، فخر موجودات کہتے ہیں، شافع یوم محشر کہتے ہیں اور اس قسم کے القاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح کے اندر ہم اختیار کرتے ہیں تو یہ کوئی اس روایت کے خلاف نہیں جیسے کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عبداللہ ورسولہ" کہا کرو تو اس قسم کے القاب کا اختیار کرنا اس روایت کے خلاف نہیں، کیونکہ یہاں "عبداللہ ورسولہ" کا لفظ بول کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی حد بندی کر دی کہ میری مدح اگر کرنا چاہو اور میری تعریف کرنا چاہو تو میری یہ طرفین ہیں توجہ فرمالیجئے کہ میں اللہ کا بندہ بھی ہوں اور میں اللہ کا رسول بھی ہوں تو میری تعریف کے اندر اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرنا جو میری عبدیت کے منافی ہوں۔

جیسے کہ عبدیت سے نکال کر الوہیت کی طرف لے جاؤ جیسی باتیں اللہ کے متعلق بولی جاتی ہیں میرے متعلق بھی ایسے ہی کہنے لگ جاؤ تو جب تم میری تعریف اس انداز سے کرو گے جس طرح سے اللہ کی تعریف کی جاتی ہے اور ایسی باتیں میری طرف منسوب کرنے لگ جاؤ گے جس قسم کی باتیں اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں میرا عبداللہ ہونا نہیں رہا، اور صرف میرے عبد ہونے کی طرف دیکھتے ہوئے ایسی باتیں بھی میری طرف منسوب نہ کرنا جو میری شان کے مناسب نہ ہوں، گھٹیا درجے کی باتیں ہوں جیسے عام انسانوں کے متعلق کی جاتی ہیں! اگر تم میرا تذکرہ اس انداز سے کرو گے جس طرح سے عام انسانوں کا کیا جاتا ہے اور میری طرف ایسی باتیں بھی منسوب کرو گے جو کہ گھٹیا قسم کی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ہونے کا تصور تمہارے ذہن میں نہیں رہا، افراط سے بچانے کے لئے تو عبداللہ ہونے کا اظہار فرمایا کہ تعریف میں آگے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ میں اللہ کا بندہ ہوں لیکن ادب واحترام کے اندر کسی قسم کی کوتاہی بھی نہ کرنا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں ان دونوں باتوں کی رعایت رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بھی قرار دو اور اللہ کا رسول بھی قرار دو یہ دونوں حدوں کی رعایت رکھتے ہوئے جس قسم کی بھی تعریف تم کر سکتے ہو کرو، ایسی بات بھی منسوب نہ کرو جو شان رسالت کے منافی ہے یہ تفریط ہوگی یہ کوتاہی ہے، اور ایسی بات بھی حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ کرو کہ جو شان عبدیت کے منافی ہو تو شان عبدیت کو اور شان رسالت کو باقی رکھتے ہوئے حضور ﷺ کی مدح میں جو کلمات بھی استعمال کریں وہ ٹھیک ہیں۔

گویا کہ اس روایت میں حضور ﷺ نے اپنی مدح اور تعریف کے لئے دو حدیں بتائی ہیں کہ نہ تو عبدیت کے منافی بات میری طرف منسوب کرو اور نہ رسالت کے منافی بات میری طرف منسوب کرو، عبدیت اور رسالت دونوں کی رعایت رکھتے ہوئے جو تعریف بھی کی جائے وہ بجا ہے اور اس صراط مستقیم کو امت کے لوگوں نے چھوڑا آپ ﷺ کے متعلق آپ کی امت نے بھی عقیدہ ایسا ہی بنالیا جیسا کہ نصاریٰ کا تھا کہ "ان اللہ ھوالمسیح ابن مریم" تو کہنے والوں نے یہی کہا کہ اللہ ہی محمد کی شکل کے اندر آگیا جو عرش پر مستوی تھا اس قسم کے شعر جو پڑھا کرتے ہیں کہ جو عرش پر مستوی تھا خدا ہو کر وہ احمد بن کر مدینہ منورہ میں آگیا، احد اور احمد میں صرف ایک میم کا پردہ ہی ہے میم کا پردہ اوڑھ کر آجائے اور جن کی نظر کمزور ہے وہ اس پردے کے اندر نہیں دیکھ سکتے وہ تو احد اور احمد میں فرق کرتے ہیں اور جن کو اللہ نے بینائی دی ہے وہ اندر تک پہنچتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میم کا برقعہ اوڑھے ہوئے ہے باقی اندر سے احد ہی ہے تو یہ اس قسم کا عقیدہ ہے جس قسم کا عقیدہ "ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" عیسائیوں نے اختیار کیا تھا تو ایسا بھی کفر ہوا۔

اور اس طرح سے حصہ دار بنادیا جائے جس طرح ثالث ثلثہ کہنے والوں نے کہا خدائی کے اندر حصے دار بنادیے گئے تو یہ بھی اس طرح سے عیسائیت والا عقیدہ ہو جائے گا، اولیاء اللہ کے متعلق اس قسم کے عقیدے رکھے جائیں یہ سب کا سب غلو ہے۔

غلو فی الدین سے بچنے کا سنہری اصول:

اور اس غلو سے بچنے کے لئے جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ ہے "لاتقولوا علی اللہ الا الحق" اس اصول کو اگر لازم پکڑ لوگے تو غلو سے بچ جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بات وہی کہو جو دلیل صحیح کے ساتھ ثابت ہے، اپنی طرف سے اس میں آمیزش نہ کرو، عقائد کے بارے میں بھی عقیدہ یہی رکھو جو دلیل صحیح سے ثابت، کتاب اللہ میں آ گیا، یا اللہ تعالیٰ نے کتاب کے بیان کرنے کے لئے جو مبین بنا کر بھیجا اپنے رسول کو انہوں نے صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان کر دیا، عقیدہ اور نظریہ بھی اسی کے مطابق رکھو، اس کے اندر اپنی طرف سے آمیزش کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، احکام کے درجے میں بھی ہر چیز اسی طرح سے مانو جس طرح سے قرآن اور حدیث کے ساتھ ثابت ہوگئی، اگر دلیل کے ساتھ اس کا فرض ہونا ثابت ہے تو فرض کی طرح سمجھو، واجب ہے تو واجب کے درجے میں رکھو، سنت ہے تو سنت کے درجے میں رکھو، مستحب ہے تو مستحب کے درجے میں رکھو، ادب کے درجے میں ہے تو ادب کے درجے میں رکھو، مکروہ ہے تو مکروہ سمجھو، حرام ہے تو حرام سمجھو۔

اور اگر کوئی شخص ایک ایسی چیز کے متعلق جو دلیل کے ساتھ محض مستحب ثابت ہوتی ہے اور برتاؤ اس کے ساتھ وہ کرو جو فرض قطعی کے ساتھ کیا جاتا ہے یا ایک چیز ہے وہ دلیل سے ثابت ہوتی ہے کہ اس میں صرف کراہت تنزیہی ہے لیکن اس کے ساتھ معاملہ وہ کرو جس طرح حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یا ایک چیز نہ فرض ہے نہ واجب ہے اباحت کے درجے میں ہے، اور اس کو اپنے طور پر ایسے اپنا لیا جائے جیسے کہ وہ واجب یا فرض ہوا کرتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ بدعت اسی دروازے سے آتی ہے اور یہ" غلوفی الدین" ہے جس وقت دین کا حلیہ بگڑتا ہے وہ اسی طرح سے بگڑتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ باتوں پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اپنی باتیں ساتھ لگانا شروع کر دیتے ہیں، اجتہادی احکام کو قطعیات کے درجے میں لے گئے، مباحات کو فرائض کے درجے میں لے گئے اور سنن کے ساتھ وہ معاملہ شروع کر دیا جو کہ فرائض قطعی کے ساتھ ہوا کرتا ہے، مکروہات کو حرام قرار دے دیا، یا جو چیز حرام تھی اس کے ساتھ وہ معاملہ شروع کر دیا جس طرح سے حلال ہوتی ہے اور فرضوں کے ساتھ لاپرواہی شروع کر دی اور اس کے خلاف اختیار کر لیا تو یہ چیز جو دلیل کے ساتھ ثابت نہ ہو جب ان کو بیان کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ دین کے اندر غلو ہے اور اسی کو ہم بدعت کہتے ہیں، یہی ایجاد بندہ کہلاتی ہے اور اس کا اختیار کرنا یہ" غلوفی الدین" کی بناء پر بسا اوقات انسان کے لئے گمراہی کا باعث بنتا ہے، اور اگر نظریات اور عقیدے کے اندر اس قسم کا غلو آ جائے تو بسا اوقات انسان کفر تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

وہی شخص اس ''غلو فی الدین'' سے بچ سکتا ہے جو کہ اس اصول کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے کہ دلیل کے ساتھ جو بات ثابت ہے ہم اسے ہی بیان کریں گے، اسے ہی اختیار کریں گے، اسے ہی اپنائیں گے، اپنے طور پر چاہے کتنی ہی حسین چیز کیوں نہ ہو ہم اس کے ساتھ اس کا پیوند نہیں لگائیں گے، اگر اس نظریے پر آپ پکے رہیں گے تو صراط مستقیم اور غلو سے بچیں گے ورنہ اگر عقائد ونظریات میں اس کے خلاف اختیار کیا جائے گا تو بھی گمراہی اور عمل کے اندر اس چیز کو اختیار کیا جائے گا تو بھی گمراہی تو ''ولا تقولوا علی اللہ الا الحق'' یہ گویا کہ ''غلو فی الدین'' سے بچنے کی ایک صورت ہے اور گمراہی جب بھی امت کے اندر آئی اسی طرح سے آئی کہ اپنے طور پر ایک چیز کو اچھا سمجھ کر دین بنالیا گیا جبکہ دلیل کے ساتھ اس کا دین ہونا ثابت نہیں ہے۔

بدعت شریعت کی نظر میں جعلی سکہ ہے:

اس کو سمجھانے کے لئے میں آپ کی خدمت میں ایک مثال عرض کردوں، اسے آپ اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے ہاں ایک سکہ چلتا ہے جس کو ہم نوٹ کہتے ہیں، سرکاری طور پر وہ جاری ہوتا ہے، حکومت کی اس کے اوپر مہر ہوتی ہے، ذمہ دار آدمی کے اس کے اوپر دستخط ہوتے ہیں، اگر آپ کو وہ سکہ کہیں سے مل جائے، یہ نوٹ مل جائے سو کا، پچاس کا، دس کا، پانچ کا، آپ اس کو بلا جھجک اپنی جیب میں رکھیں گے کسی جگہ گرفتار ہونے کا آپ کو اندیشہ نہیں ہے اور جہاں آپ کو ضرورت پیش آئے گی چاہے سرکاری دفاتر ہوں، چاہے بازار ہوں، دکان ہو، کہیں بھی ہوں آپ اپنی جیب سے نوٹ کو نکالیں گے، دوکاندار کے سامنے پیش کریں گے، پیش کرنے کے بعد اس کے معاوضے میں جو چیز حاصل کرنا چاہیں گے آپ کو مل جائے گی، اس کی مالیت جو ہے وہ آپ کے پاس محفوظ ہے، جب چاہو اس سے فائدہ اٹھالو، اب اگر وہ نوٹ بالکل نیا اور خوبصورت ہے تو اس کی مالیت وہی ہے اور اگر وہ کسی درجے میں میلا ہو گیا بلکہ اگر کسی درجے میں پھٹ بھی گیا تو چونکہ حکومت کی ذمہ داری ہے تو وہ نوٹ لیتے ہیں اور آپ کو اس کی مالیت ادا کر دیتے ہیں جب چاہیں آپ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اور اس کی بجائے ایک آدمی اپنے طور پر اس کاغذ سے ایک بڑھیا کاغذ لے لے اور جس قسم کا نقش ونگار اس کے اوپر کیا گیا ہے اس سے بڑھیا نقش ونگار کرے، نقش ونگار کرنے کے بعد اس کے اوپر وہی سو روپیہ لکھ لے اور پھر بازار میں اس کو سو روپے کی جگہ پر چلانے کی کوشش کرے تو آپ کو معلوم ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ بدترین قسم کا مجرم ہے، اور اگر یہ پکڑا گیا تو پکڑے جانے کے بعد اس کو انتہائی درجے کی سخت سزا دی جائے گی، اور وہ نوٹ جو یہ بنا کر لے گیا ہے یہ بچوں کے ہاتھ میں کھیلنے کے تو کام آسکتا ہے اس کی مالیت

بازار میں کوئی نہیں، حالانکہ کاغذ اس کا اچھا ہے، نقش ونگار اس کا اچھا ہے، سورو پیہ اس کے اوپر لکھا ہوا ہے لیکن فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ یہ حکومت کا منظور شدہ نہیں ہے، تو جو نوٹ حکومت کا منظور شدہ ہے وہ میلا بھی ہو تو اپنی مالیت ادا کرتا ہے اور اگر حکومت کا منظور شدہ نہیں ہے اس نے اپنے طور پر بنایا ہے تو خوبصورت سے خوبصورت تر بھی اگر آپ بنالیں گے تو اس کی کوئی مالیت نہیں الٹا جرم ہے۔

شرعی احکام کو بالکل اسی طرح سے سمجھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے یہ بیان کر دیا گیا، اللہ کے رسول نے جو عمل کر کے دکھادیا تو یہ رجسٹرڈ سکہ ہے اگر آپ اس کو اپنی جیب میں لے کر جائیں گے اللہ تعالیٰ کی دربار میں تو اس کی مالیت آپ کو یقیناً ادا کی جائے گی کیونکہ اس کے اوپر رسول کے دستخط موجود ہیں، ذمہ داری کے ساتھ یہ سکہ چلایا گیا ہے اور آپ اس کو آخرت کے بازار میں لے جائیں گے اور اس کی مالیت وصول کرلیں گے، لیکن اگر آپ نے عمل اپنے طور پر اختیار کیا اور خوبصورت سے خوبصورت طریقہ اختیار کیا تو اس کے اوپر ثواب تو کیا ملنا ہے الٹا اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرمانہ طور پر گرفتار ہو جاؤ گے کہ تمہیں ہماری خدائی کے اندر اپنے احکام جاری کرنے کا حق کس نے دیا تھا، اس لئے اپنے طور پر کوئی حکم بنا کر اس کو شرعی قرار دے دینا اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف منسوب کر دینا یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقابلے میں یہ بغاوت ہے۔

بدعت کی سب سے زیادہ مذمت اسی لئے کی جاتی ہے کہ اس کے اندر اللہ اور اللہ کے رسول کے مقابلہ میں بغاوت کا پہلو موجود ہے، یہ حکومت کے مقابلہ میں ایک نئی حکومت ہے، متوازی حکومت قائم کرلی کہ احکام جاری کرنا تو اللہ کا کام تھا، ان احکام کی وضاحت اللہ کے رسول کے ذمہ تھی اور ہم نے اپنے طور پر یہ سارا کچھ بنالیا، اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نئے احکام جاری کرنا شروع کر دیئے تو یہ ہے جس کے ساتھ دین میں بربادی آتی ہے۔

عیسائیوں کو خطاب:

تو اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب کو یہی بات یہاں سمجھاتے ہیں، اہل کتاب کا لفظ اگرچہ یہود ونصاریٰ دونوں پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں نصاریٰ مراد ہیں جس طرح سے آگے آنے والی باتوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، اور ہدایت کی بنیاد جو ہے وہ یہی ہے کہ "ولا تقولوا علی اللہ الا الحق" کہ اللہ کے متعلق وہی بات کہو جو ثابت ہے، حقیقت ہے، دلیل کے ساتھ اس کا ثبوت ہو گیا، اپنے طور پر باتیں بنا بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا کرو اب ان کی نظریاتی گمراہی جو انہوں نے اپنے طور پر باتیں بنالی تھیں اور اللہ تعالیٰ سے دلیل کے ساتھ ثابت نہیں تھیں اس کی نشاندہی ہے۔

سوائے اس کے نہیں مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہے اور اس کے کلمہ کن کی پیداوار ہے، رسول اللہ کا عقیدہ بالکل ٹھیک ہے، باقی رہا کہ بناباپ کے پیدا ہوئے وہ اللہ کے کلمہ کا اثر ہے، وہ کلمہ اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذی روح ہے، روح کی نسبت اللہ کی طرف کردی، روح اللہ کہہ دیا جس طرح ہم بیت اللہ کہتے ہیں شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے پھر تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر تو عیسیٰ علیہ السلام بھی ان رسولوں میں سے ایک رسول ہے جیسا عقیدہ تم نے باقی رسولوں کے متعلق رکھنا ہے ویسا ہی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھنا ہے یہ بھی تو اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے، اسی سلسلے کے ایک فرد ہیں جیسے درجات ان کے ہیں جیسی خصوصیت ان کی ہے ویسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور ثلاثہ نہ کہا کرو تثلیث کا عقیدہ چھوڑ دو، باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے سوائے اس کے نہیں کہ اللہ الٰہ واحد ہے اس میں ثلاثہ ہونے کی کوئی بات نہیں، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ بھی نہ کہو اولاد ہونے سے اللہ پاک ہے، اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی کارساز ہے، اس کو کسی دوسرے شریک کی ضرورت نہیں، تم تو اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ اختیار کرتے ہو خود عیسیٰ علیہ السلام سے تو پوچھو وہ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں اور جس کو کہا جاتا ہے ہماری زبان میں کہ مدعی سست گواہ چست کہ مدعی تو دعوی کرتا نہیں گواہی دینے والے پہلے موجود کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اپنی عبدیت کا اعلان کریں اور یہ کہیں کہ تو عبد نہیں تو الٰہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے:

حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیری مثال بھی میری امت کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو طرح کے لوگ گمراہ ہوئے ہیں تیرے بارے میں بھی دو طرح کے لوگ گمراہ ہوں گے، ایک کوتاہی کرنے والے جیسے یہود کہ انہوں نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مرتبے پہ نہ رکھا بلکہ اتنا گھٹایا کہ ان کو ایک شریف آدمی بھی قرار نہ دیا، ان کی ماں پر بھی تہمتیں لگائیں وہ بھی گمراہ ہوئے، اور ایک محب مفرط کہ محبت کے اندر افراط کرنے والے کہ انہوں نے اتنا بڑھایا کہ بشریت سے نکال کر الوہیت میں لے گئے، تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ تیرے بارے میں میری امت میں بھی دو فریق گمراہ ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک فرقہ جس کو ہم خارجی کہتے ہیں خوارج وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوتاہی کا شکار ہوئے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتے اور دوسرے یہ محب مفرط جن کو ہم رافضی کہتے ہیں روافض کہ انہوں نے اتنا بڑھایا کہ ان کو ان کی حد سے نکال کر پتہ نہیں کہاں تک لے گئے، رسولوں سے بھی اوپر لے

گئے، اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں برابر کا شریک کر دیا تو بعض تاریخی روایات کے اندر مذکور ہے کہ عبداللہ بن سبا کا ٹولہ جو ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہا کرتا تھا، رب کہتا کہ یہ رب ہے، الٰہ ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کروایا اور زندہ جلا دینے کا حکم دیا زنادقہ کے لفظ کے ساتھ اس کا ذکر صحیح روایات میں آیا ہوا ہے کہ بعض زنادقہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندہ جلا دیا تھا۔

اور یہ زنادقہ کون تھے؟ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ وہی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف الوہیت کی نسبت کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ کہنے والے زندیق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑوایا اور پکڑوا کر ان کو زندہ جلایا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب پتہ چلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو زندہ جلا دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار فرمایا تھا کہ اگر میں ہوتا تو میں ان کو قتل کرواتا، زندہ نہ جلاتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع فرمایا تھا کہ ''لایعذب بالنار الارب النار'' کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا رب النار کا کام ہے، ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی چیز کو زندہ نہ جلائیں حدیث شریف میں صحیح روایت میں واقعہ موجود ہے، زندیق کی تفصیل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن آگے تاریخ کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ اس فرقے کے دوسرے لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گرفت میں نہیں آسکے جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو زندہ جلا دیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمیں اور دلیل مل گئی کہ علی خدا ہے کیونکہ جب حدیث میں آتا ہے کہ ''لایعذب بالنار الا رب النار'' کہ آگ کے ساتھ عذاب وہی دیا کرتا ہے جو رب النار ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ کے ساتھ عذاب دیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ رب النار ہے، یعنی جو سزا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دی تھی حضرت کی طرف ربوبیت کی نسبت کی بناء پر ان بدزبانوں نے اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ربوبیت کی دلیل بنا لیا کہ جب حدیث میں آتا ہے کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا رب النار کا کام ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو آگ کا عذاب دیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ رب النار یہی ہے۔

مدعی سست اور گواہ چست:

اسی کو کہتے ہیں مدعی سست اور گواہ چست کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو برداشت نہیں کرتے کہ ان کی طرف ربوبیت کی نسبت ہو اور اتنا بیدار ہیں کہ اس قسم کی نسبت کرنے والوں کو زندہ جلا دیا، اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہی دلیل ہے کہ وہ رب النار ہیں، آقا مالک ہی یہی ہے، تو ایسا حساب یہاں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کا عبد بننے میں عار ہی نہیں کرتے، ان کے دل میں تو کوئی کسی قسم کی بڑھائی نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت سے اعراض

کریں اور انہوں نے عبودیت سے نکال کر پتہ نہیں کہاں پہنچا دیا، ایسے ہی اللہ کے مقرب فرشتے وہ بھی اللہ کی عبادت سے کوئی عار نہیں کرتے، اللہ کا بندہ بننا ان کے نزدیک اچھی شان ہے، عبودیت ان کے لئے شرف ہے، عبودیت سے ان کو نفرت نہیں اس لئے یہاں وہی بات ہوگی کہ وہ تو اپنے متعلق عبد ہونے کا اعلان کریں اور تم لوگوں نے غلو کر کے ان کو عبدیت سے نکال کر الوہیت میں داخل کر دیا۔

تفسیر باللفظ:

ہرگز عار نہیں کرتے مسیح اس بات سے کہ وہ اللہ کا بندہ ہو جائیں، اللہ کا بندہ ہونے سے ان کو کوئی عار نہیں، اور نہ ملائکہ مقربون اور جو کوئی عار کرے اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے بس اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف جمع کرے گا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا اللہ ان کو ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے عار کی اور تکبر کیا اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لئے نہ تو حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار، تو تثلیث کے عقیدے کی تردید کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو رد کرنے کے بعد پھر اجتماعی طور پر تمام انسانوں کو خطاب کر کے ایمان لانے کا حکم ہے جس طرح سے کہ ان آیات کی ابتداء میں بھی ''یاایھا الناس'' کا خطاب کر کے ایمان لانے کی دعوت دی گئی تھی، اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی اور اس واضح دلیل کا مصداق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی ہے، آپ کا وجود اپنی صفات کے ساتھ، معجزات کے ساتھ، حق کی ایک بہت نمایاں دلیل تھی اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک بہت واضح نور اتار دیا، جس کا مصداق کتاب اللہ ہے جو اپنی روشنی میں حق اور باطل کو نمایاں کر کے دکھا دیتی ہے اور اللہ کی طرف قرب کے راستوں کو واضح کرتی ہے، واضح دلیل آ گئی اللہ کی طرف سے تمہاری طرف نور مبین اتار دیا، پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کو مضبوطی سے تھامیں، پس عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور فضل میں اور اپنی طرف سے ان کو صراط مستقیم پر چلائے گا یعنی ایسے راستے پر چلائے گا جس کے نتیجہ میں اللہ کا قرب نصیب ہوگا، اس طرح یہ مضمون اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

کلالۃ کی تقسیم وراثت کے اصول:

اور سورۃ کی ابتداء میں چونکہ میراث کے مسائل کی تفصیل آئی تھی تو اس میں سے ایک جزء کی یہاں کچھ وضاحت کی جارہی ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی اولاد بھی موجود نہیں اور اس کے اصول بھی موجود نہیں تو لوگوں نے پوچھا تھا کہ اس کی وراثت کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟ ''یستفتونك'' وہ آپ سے استفتاء کرتے ہیں،

حکم پوچھتے ہیں، فتویٰ پوچھتے ہیں، اور مستفتی فتویٰ پوچھنے والا، اسی سے ہے مفتی فتویٰ دینے والا، آپ سے استفتاء کرتے ہیں، پوچھتے ہیں، کس چیز کے متعلق پوچھتے ہیں؟ جواب میں ہی چونکہ سوال کی وضاحت ہے اس لئے سوال کو دہرا کر آگے جواب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے سوال خود جواب سے سمجھ میں آجائے گا، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالہ کے بارے میں، معلوم ہوگیا کہ استفتاء بھی کلالہ کے بارے میں تھا، کلالہ کہتے ہیں ہر اس شخص کو کہ جس کے نہ اصول موجود ہوں اور نہ فروع موجود ہوں یعنی باپ دادا ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں اور اولاد میں سے بھی کوئی نہیں ہے، اصول بھی موجود نہیں فروع بھی موجود نہیں اس کو کلالۃ کہتے ہیں، یہاں اس لفظ کا مصداق یہی ہے ویسے پھر بعد میں اس وراثت کے لئے بھی کلالۃ کا لفظ بول دیا جاتا ہے جو ایسا شخص چھوڑ کر جائے اور ان ورثاء پر بھی لفظ بول دیا جاتا ہے جو ایسے شخص کے وارث ہوتے ہیں یعنی یہ شخص جس کے اصول وفروع موجود نہیں یہ بھی کلالۃ کا مصداق ہے، اور ایسے شخص کے جو ورثاء ہوتے ہیں روایات حدیث میں بعض جگہ ان کے اوپر بھی کلالۃ کا لفظ بولا ہوا ہے اور ایسے شخص کا جو چھوڑا ہوا مال ہوتا ہے اس کے لئے بھی کلالۃ کا لفظ بول دیتے ہیں۔

یہاں مراد وہ شخص ہے مرنے والا جس کے اصول بھی موجود نہ ہوں اور فروع بھی موجود نہ ہوں، نہ تو اس کی اولاد میں سے کوئی لڑکی لڑکا موجود ہے اور نہ اس کے اصول میں باپ دادا موجود ہے ایسے شخص کی میراث کے بارے میں سوال کیا گیا تھا جس کی وضاحت یہاں کی جارہی ہے، "ان امرؤ هلك" اگر کوئی شخص ہلاک ہوجائے اور اس کی اولاد موجود نہ ہو اسی طرح سے روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ اصول کی طرف بھی کوئی موجود نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص مرے اولاد اس کی نہیں لیکن اس کا باپ موجود ہے تو سارا ورثہ باپ لے جایا کرتا ہے، اگر ماں باپ دونوں موجود ہوں تو ثلث ماں کا ہوتا ہے باقی باپ کا جیسے کہ شروع سورۃ کے اندر اس کی تفصیل آپ کے سامنے آگئی تھی، اور یہاں جو بہن بھائیوں کی میراث ذکر کی جارہی ہے یہ تبھی ثابت آئے گی کہ اس وقت اس کی اولاد کے ساتھ ساتھ اس کا باپ یا ماں اصول موجود نہیں ہے ماں باپ اور دادا وغیرہ اس قسم کے موجود نہیں اگر کوئی شخص ہلاک ہوجائے اور اس کے لئے اولاد موجود نہ ہو اور اس کے لئے بہن ہو یہاں بہن سے حقیقی مراد ہے، اخیافی کے علاوہ دوسری کیونکہ ماں شریک بہن بھائی ان کا ذکر شروع سورۃ کے اندر آگیا جہاں میراث کے قصے آئے تھے جن کو اخیافی کہتے ہیں وہ اصحاب فرائض میں سے ہیں کہ وہاں بہن اور بھائی میں سے ایک موجود ہو تو اس کو چھٹا حصہ دے دیا جائے، دو یا دو سے زائد موجود ہوں تو وہ ثلث میں شریک ہیں برابر تقسیم کردیا جاتا ہے وہاں لڑکے لڑکی کا کوئی فرق نہیں ہے تو یاد ہوگا آپ کو کہ ابتداء کے اندر ذکر کیا گیا تھا کہ اس سے اخیافی بہن بھائی مراد ہیں جو شروع کے اندر دور کوع میراث کے آئے تھے ان میں یہ مسئلہ آیا تھا اور یہاں آگئے عینی بہن بھائی، اگر تو ماں باپ دونوں میں شریک

موجود ہوں جن کو عینی کہتے ہیں تو پھر علاتیوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر عینی موجود نہ ہوں تو پھر علاتی عینی کے حکم میں ہیں عینی کہا جاتا ہے حقیقی بہن بھائیوں کو جو ماں باپ دونوں میں شریک ہیں اور علاتی کہا جاتا ہے ان بہن بھائیوں کو جو صرف باپ میں شریک ہیں ماں میں شریک نہیں ہے، اخیافی کہا جاتا ہے ان کو جو صرف ماں میں شریک ہیں باپ میں شریک نہیں ہیں تو جو ماں میں شریک ہوں باپ میں شریک نہ ہوں ان کا مسئلہ پہلے آ گیا اور یہاں مسئلہ ذکر کیا جا رہا ہے عینی کا اور عینی موجود نہ ہو تو پھر علاتی عینی کے حکم میں ہے، تو حاصل اس مسئلے کا یہ ہے کہ یہ بہن بھائی جو ہوا کرتے ہیں یہ بالکل اولاد کے حکم میں ہیں۔

جیسے اگر ایک لڑکی موجود ہو تو اس کو نصف میراث ملتی ہے تو یہاں ایک بہن موجود ہو گی تو اس کو نصف میراث ملے گی جیسے وہاں دو لڑکیاں موجود ہوں تو دو ثلث جائیداد ان کو ملتی ہے تو یہاں دو بہنیں یا دو سے زیادہ بہنیں موجود ہوں گی تو دو ثلث جائیداد ان کو ملے گی، جیسے وہاں اولاد میں لڑکا لڑکی دونوں موجود ہوں تو "للذکر مثل حظ الانثیین" کے تحت میراث تقسیم ہوتی ہے کہ لڑکے کے لئے دو حصے اور لڑکی کے لئے ایک حصہ، لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیں گے یہاں بھی اگر بہن بھائی دونوں قسم کے موجود ہیں بھائی بھی موجود ہے، بہنیں بھی موجود ہیں دونوں قسمیں موجود ہیں تو یہاں بھی "للذکر مثل حظ الانثیین" کے طور پر میراث کو تقسیم کر دیا جائے گا کہ جو حکم اولاد کا ہے وہی حکم عینی بہن بھائیوں کا ہے، یہی مسئلہ یہاں ذکر کیا ہوا ہے، اور اگر عینی موجود ہو تو پھر علاتی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، عینی حق دار ہوگا علاتی محروم ہوں گے اور اگر عینی موجود نہیں تو پھر علاتی بہن بھائی عینی کے حکم میں ہیں، مرنے والے کے لئے بہن ہو تو اس بہن کے لئے نصف ہوگا اس چیز کا جو یہ مرنے والا چھوڑ گیا ہے، لیکن اگر مرنے والی بہن ہے اور پیچھے بھائی موجود ہے تو بھائی عصبہ ہے تو بہن مر جائے گی تو کل میراث اس کو مل جائے گی، بہن عصبہ نہیں ہے جبکہ وہ اکیلی موجود ہو تو بہن اگر مرے تو بھائی عصبہ ہے، بھائی مرے گا تو بہن کو تو نصف دیں گے اس کی جائیداد کا اور باقی دوسرے حصے داروں کو پہنچے گا اور اگر کوئی حق دار موجود نہ ہو تو پھر رد کر کے دوبارہ اسی بہن کو دے دیا جائے گا لیکن اگر مرنے والی بہن ہے اور اس کی اولاد بھی نہیں ہے اور اصول میں بھی کوئی موجود نہیں اور بھائی اس کا وارث بن رہا ہے تو بھائی ساری میراث لے جائے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے، میراث کی کتابوں کے اندر اس کی تفصیل موجود ہے اور وہ بھائی وارث ہوگا اس بہن کا اگر اس بہن کے لئے کوئی اولاد نہ ہو "فان کانتا اثنتین" اگر بہنیں دو موجود ہوں تو پھر ان دونوں کے لئے دو ثلث ہوں گے اس مال میں سے جس کو بھائی چھوڑ جائے، اور اگر پیچھے بچے ہوئے بہن بھائی مرد عورت اکٹھے ہیں، اگر ہیں پیچھے رہنے والے مرد اور عورتیں پھر مذکر کے لئے دو لڑکیوں کا حصہ ہے یعنی لڑکے کے لئے دو حصے اور لڑکی کے لئے ایک حصہ، اس نسبت کے ساتھ تقسیم کر دیں گے۔

اس آیت میں اس کی وضاحت کردی گئی مضمون آپ کے سامنے واضح ہوگیا اب ترجمہ ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں اگر کوئی شخص ہلاک ہوجائے اور اس کے لئے اولاد موجود نہ ہو اور ایسے ہی روایات سے ثابت ہے کہ اس کے اصول بھی موجود نہ ہوں اور اس کے لئے بہن ہو، بہن سے عینی بہن مراد ہے تو اس بہن کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے ترکہ کا نصف ہوگا اور وہ بھائی اس بہن کا وارث بنے گا ایسی بہن جو مرجائے اور اس کے اصول اور فروع موجود نہیں ہیں تو بھائی اس بہن کا وارث بنے گا اگر اس بہن کی اولاد نہیں کیونکہ بھائی عصبہ ہے اس لئے وہ کل جائیداد لے لے گا، اور اگر وہ بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کے لئے دوثلث ہیں اس مال میں سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وہ بہن بھائی مرد اور عورت اکٹھے ہیں تو پھر "للذکر مثل حظ الانثیین" والا اصول چلے گا پھر مذکر کے لئے دولڑکیوں کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ وضاحت کرتا ہے "لئلا تضلوا" تمہارے لئے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ، معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام پر نہ چلنا ضلالت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے متعلق علم رکھنے والا ہے۔